

(ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن)

آپس

عمیرہ احمد

فہرست

9	مجھے یہ کہنا ہے	✽
11	باب ۱	-1
14	باب ۲	-2
31	باب ۳	-3
33	باب ۴	-4
45	باب ۵	-5
47	باب ۶	-6
49	باب ۷	-7
50	باب ۸	-8
58	باب ۹	-9
65	باب ۱۰	-10
83	باب ۱۱	-11
90	باب ۱۲	-12
99	باب ۱۳	-13
112	باب ۱۴	-14
121	باب ۱۵	-15
153	باب ۱۶	-16
168	باب ۱۷	-17
172	باب ۱۸	-18
178	باب ۱۹	-19
192	باب ۲۰	-20
204	باب ۲۱	-21
208	باب ۲۲	-22
217	باب ۲۳	-23
228	باب ۲۴	-24
230	باب ۲۵	-25

مجھے یہ کہنا ہے

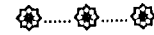
بعض کہانیاں لکھتے ہوئے آپ کو ایک مستقل خلش کا احساس ہوتا رہتا ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں، یہ کہانی کہیں کوئی تبدیلی نہیں لائے گی۔ امرتیل بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے جسے لکھتے ہوئے میں اسی احساس سے دوچار ہوں پھر بھی میں اس کہانی کو اس لئے لکھ رہی ہوں تاکہ آپ لوگ زندگی کے ایک اور پہلو کو جان سکیں۔ ان لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر ایک نظر ڈال سکیں۔ جو پاکستان کے قیام کے بعد سے اس ملک کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہیں۔ اچھے طریقے سے یا برے طریقے سے۔ بہر حال وہ اس ملک کو چلا رہے ہیں اور خود وہ اپنی زندگیوں میں کس اینارمیٹی کا شکار ہیں۔ امرتیل میں آپ یہی دیکھ پائیں گے۔

اس ناول کو پڑھتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ کوئی سیاسی ناول نہیں ہے، نہ ہی یہ کوئی تاریخی اور معاشرتی ناول ہے۔ یہ خواہش اور چاہ کا ناول ہے یا پھر سود و زیاں کا۔ بعض دفعہ ساری زندگی گزارنے کے بعد بھی ہم یہ جان نہیں پاتے کہ ہمیں آخر زندگی میں کس چیز کی ضرورت تھی..... کسی چیز کی ضرورت تھی بھی یا نہیں اور بعض دفعہ زندگی کے آخری لمحات میں ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم نے زندگی کا حاصل بنا رکھا تھا، اس چیز کے بغیر زندگی زیادہ اچھی گزر سکتی تھی۔ امرتیل کے کردار بھی آپ کو آگہی کے اسی عذاب سے گزرتے نظر آئیں گے۔ میں نے اس ناول میں کرداروں کی بھیڑ اکٹھی نہیں کی۔ صرف چند لوگ ہیں جو پہلے اپنے ارد گرد انسانی رشتوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور بعد میں صرف انسانوں کی..... جو کوشش انہوں نے کبھی نہیں کی، وہ اپنے آپ کو تلاش کرنے کی ہے۔

بنیادی طور پر امرتیل ان ناولوں میں سے ایک ہے جو صرف ایک کردار کے لئے لکھا گیا اور یہ ایک ہی کردار کا ناول ہے۔ اب وہ کردار کس کا ہے..... یہ آپ کو خود معلوم کرنا ہوگا۔ ہاں میں یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ آپ اس کردار سے چاہنے کے باوجود بھی نفرت نہیں کر پائیں گے۔ حقیقت میں بھی آپ ایسے کرداروں کے ساتھ ایسی ہی محبت میں گرفتار رہتے ہیں اور..... اور..... یہی آپ کی غلطی ہے۔ آئیے غلطی دہرائیں۔

239	باب ۲۶	-26
244	باب ۲۷	-27
264	باب ۲۸	-28
272	باب ۲۹	-29
283	باب ۳۰	-30
286	باب ۳۱	-31
311	باب ۳۲	-32
315	باب ۳۳	-33
323	باب ۳۴	-34
330	باب ۳۵	-35
336	باب ۳۶	-36
349	باب ۳۷	-37
351	باب ۳۸	-38
360	باب ۳۹	-39
365	باب ۴۰	-40
381	باب ۴۱	-41
391	باب ۴۲	-42
405	باب ۴۳	-43
409	باب ۴۴	-44
488	باب ۴۵	-45
491	باب ۴۶	-46
527	باب ۴۷	-47
597	باب ۴۸	-48
626	باب ۴۹	-48
645	باب ۵۰	-50
656	باب ۵۱	-51
680	باب ۵۲	-52
703	باب ۵۳	-53
726	باب ۵۴	-54
740	باب ۵۵	-55
752	باب ۵۶	-56

کوئی چھاؤں ہو
جسے چھاؤں کہنے میں
دوپہر کا گمان نہ ہو
کوئی شام ہو
جسے شام کہنے میں شب کا کوئی نشان نہ ہو
کوئی وصل ہو
جسے وصل کہنے میں ہجرت کا دھواں نہ ہو
کوئی لفظ ہو
جسے لکھنے پڑھنے کی چاہ میں
کبھی اک لمحہ گراں نہ ہو
یہ کہاں ہوا ہے کہ ہم تمہیں
کبھی اپنے دل سے پکارنے کی سعی کریں
دہیں آرزو بے اماں نہ ہو۔
وہیں موسمِ غم جاں نہ ہو۔



باب ۱

”عمر آ رہا ہے پرسوں۔“
لنچ پر نانو نے اچانک اس سے کہا۔ وہ کھانا کھانا بھول گئی۔

”پرسوں آ رہا ہے آپ کو کس نے بتایا؟“
اس نے بے چینی سے نانو سے پوچھا۔

”تم اس وقت سو رہی تھیں، وہ بھی تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا، مگر میں نے جب یہ بتایا کہ تم سو رہی ہو تو پھر اس نے جگانے سے منع کر دیا۔“ نانو نے تفصیل بتائی تھی۔ علیزہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔
”چھٹیاں گزارنے آ رہا ہے؟“

اس نے پوچھا۔

”ہاں یہی سمجھ لو، فارن سروس چھوڑ رہا ہے۔ کہہ رہا تھا، چند ہفتے تک پولیس سروس جوائن کر لے گا۔“
علیزہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”عمر اور پولیس سروس، مجھے یقین نہیں آ رہا نانو! اتنی اچھی پوسٹ چھوڑ کر آخر وہ کرے گا کیا یہاں۔ انکل نے اس سے کچھ نہیں کہا؟“

اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

”جہاں گیر سے اس کا کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے تفصیل نہیں بتائی لیکن

“they are not on talking terms now-a-days.

”اس میں کوئی نئی بات ہے، یہ تو پچھلے کئی سال سے ہو رہا ہے۔“

علیزہ کو واقعی کوئی حیرانی نہیں ہوئی تھی۔

”ہاں مگر ابھی پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے دونوں میں۔ اب آئے گا، تو پتہ چلے گا کہ کیا ہوا۔“

نانو بھی زیادہ فکر مند نہیں لگ رہی تھیں۔

”یہیں رہے گا کیا؟“

اس نے نانو سے پوچھا۔

”ہاں، کہہ رہا تھا کہ پوسٹنگ ملے تک یہیں رہے گا۔ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ تمہارے یا اپنے لئے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے بتا دیں، وہ لے آئے گا۔ اپنے لئے تو میں نے کچھ نہیں کہا لیکن تمہارے لئے کچھ پرفیومز لانے کے لئے کہا تھا۔ میری بات پر وہ ہنسنے لگا۔“

علیزہ کے ذہن میں بے اختیار ایک یاد لہرائی۔

”کہہ رہا تھا یہ تو کوئی منگوانے والی چیز نہیں ہے، جانتا ہوں علیزہ کے سامنے جاؤں گا تو پرفیومز کے بغیر کیسے جاؤں گا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ کچھ اچھی کتابیں لے آئے تمہارے لئے، خاص طور پر پینٹنگ کے بارے میں کوئی نئی کتاب۔“

نانو اسے بتاتی گئی تھیں۔

”آپ نے ایسے ہی تکلیف دی نانو۔“

”ارے نہیں وہ خود اصرار کر رہا تھا، خیر تم ذرا اس کے لئے کمرہ سیٹ کروا دینا، اور انکیسی بھی ذرا صاف کروا دینا۔ اس کا سارا سامان بھی آرہا ہے۔ ابھی فی الحال تو یہیں رکھوائے گا، پھر جب پوسٹنگ ملے گی تو لے جائے گا۔“

نانو نے اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا۔ پھر وہ لہجے کرنے کے بعد اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھے بہت کچھ سوچتی رہی تھی۔ ذہن میں بہت کچھ تازہ ہوتا جا رہا تھا۔

”تو عمر جہانگیر آخر کار تم واپس آ ہی رہے ہو۔“

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ پھر کچھ ذہن میں آنے پر وہ اٹھ کر اس کمرے کی طرف آگئی جہاں وہ ہمیشہ ٹھہرتا تھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے اسے بہت خوش گوار سا احساس ہوا تھا۔ وہ اکثر اس کمرے میں آکر کچھ وقت گزارا کرتی تھی، اور ہمیشہ ہی یہاں آکر اسے یوں لگتا جیسے وہ یہیں کہیں موجود تھا۔

اس کی رانگ چیز اسے ساکت حالت میں بھی اسی طرح جھولتی ہوئی نظر آتی تھی۔ جس طرح وہ اسے جھلایا کرتا تھا۔ ہر چیز پر جیسے اس کا لمس تھا۔ ہر طرف اس کی جیسے آواز گونجتی تھی۔ وہی دھیمہ، گہرا اور ٹھہرا ہوا لہجہ۔ وہی پرسکون دل کے کہیں اندر تک اتر جانے والی آواز، اور پھر وہی کھلکھلاتے ہوئے بے اختیار تھمتھے، اس کمرے میں آکر سب کچھ جیسے زندہ ہو جاتا تھا۔ الوٹن عکس بن جاتا تھا، اور عکس حقیقت بن کر اس کے ارد گرد پھرنے لگتا تھا۔ کمرے میں وہی مخصوص خوشبو لمبی ہوئی تھی۔ عمر کے استعمال میں آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزیں اسی طرح اپنی جگہ پر تھیں جیسے انہیں کل ہی رکھا گیا ہو۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ پہلی بار وہ کب آیا تھا۔ اسے اپنے ذہن پر زور نہیں دینا پڑا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ کس سال، کس تاریخ، کس دن اور کس وقت آیا تھا۔ بعض باتیں آپ کبھی بھولنا نہیں چاہتے، اور وہ کب گیا تھا۔ اسے یہ بھی یاد تھا بعض باتیں آپ کبھی یاد رکھنا نہیں چاہتے۔

علیزہ کے لئے تب سے آج تک وہ یہیں تھا۔ اسی کمرے میں، کم از کم اس کے لئے۔ اسے اپنے پیچھے

آمرنیل

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی وہ بے اختیار ہلٹی۔

”اچھا کیا تم ابھی یہ کمرہ دیکھنے آ گئیں، میں نے سوچا میں بھی ایک نظر ڈال ہی لوں۔“

نانو اندر آ گئی تھیں۔ چند لمحے تنقیدی نظروں سے وہ کمرے کا جائزہ لیتی رہیں پھر جیسے مطمئن بھی ہو گئیں۔

”میرا خیال ہے، کہ سب کچھ ٹھیک ہی ہے لیکن پھر بھی تم ذرا ہر چیز کو اچھی طرح چیک کر لینا۔ میں نہیں

چاہتی کہ اسے یہاں کوئی تکلیف ہو۔“

نانو مڑ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ وہ ڈیرنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی تھی، اور وہاں پڑا ہوا ایک پرفیوم اس نے ہاتھ میں لے لیا۔ آہستہ آہستہ اس نے پرفیوم کا ڈھکن اتار کر خوشبو کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ بے اختیار مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔ ایک بار پھر ایک امیج اس کے ذہن میں لہرایا تھا۔ اس نے ڈیرنگ ٹیبل کے آئینہ کو دیکھا۔ وہاں ایک دم کوئی اور نظر آنے لگا تھا وہیں اسی جگہ چند سال پہلے۔ وہ بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسے اپنی گردن اور بالوں پر پھوار پڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔



”تمہارے باقی بہن بھائی کیسے ہیں؟“

نانو نے جیسے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

”بہت اچھے ہیں اب تو بہت بڑے ہو گئے ہیں۔ میں تصویریں لے کر آئی ہوں۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔“

اس نے نظریں چراتے ہوئے جھک کر اپنے جاگڑ زکھولنے شروع کر دیئے تھے۔ نانو خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھیں۔

”تم پہلے سے کمزور ہو گئی ہو۔“

”ہاں شاید، میں کچھ دن بیمار رہی تھی وہاں۔ پانی سوٹ نہیں کر رہا تھا۔“

ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نانو کو بتایا تھا۔

”بیمار ہو گئی تھیں مگر تم نے مجھے تو نہیں بتایا۔ ثمنینہ نے بھی فون پر ذکر نہیں کیا۔“

نانو اٹھ کر تشویش بھرے انداز میں اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔

”میں نے منع کر دیا تھا۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو جاتیں، ویسے بھی زیادہ سیریس بات نہیں تھی۔“

اس نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

”پھر بھی تمہیں بتانا تو چاہیے تھا، اس طرح.....؟“

”نانو! پلیز میں ٹھیک ہوں۔ آپ خود دیکھ لیں کیا اب بیمار لگ رہی ہوں؟“

اس نے بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”کر سٹی کہاں ہے۔ اسے یک دم جیسے یاد آیا تھا۔“

”سیڑھیوں کے نیچے سو رہی تھی۔ میں نے تم سے چائے کا بھی نہیں پوچھا، میں ذرا تمہارے کھانے کے لئے

کچھ کہہ کر آتی ہوں۔“

نانو اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئیں۔ اس نے گہرا سانس لے کر صوف کی پشت سے ٹیک لگالی۔ ایک ماہ بعد

واپس آکر اسے بہت سکون بہت طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے وہ گھر واپس آ گئی ہو۔ ہر چیز اسی طرح تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی۔ مالی گھاس کاٹ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بے مقصد اسے دیکھتی رہی، پھر وہاں سے

کوریڈور کی طرف آ گئی تھی۔ کوریڈور کراس کرنے کے بعد اسے سیڑھیاں نظر آئیں۔ بے اختیار ایک مسکراہٹ اس

کے چہرے پر نمودار ہوئی گئی۔

”کر سٹی!“

اس نے بلند آواز میں پکارا۔

میاؤں کی آواز کے ساتھ ایک بلی سیڑھیوں کے نیچے نمودار ہوئی اور تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ وہ

گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گئی تھی۔ بلی سیدھی اس کے پاس آئی تھی اس نے اسے گود میں بٹھالیا۔ چند منٹوں تک وہ

اس کا سر اور جسم سہلاتی رہی پھر اس نے اسے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنے چہرے کے پاس کیا تھا۔

باب ۲

وہ کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر نانو کو باہر آتے دیکھا۔ شاید وہ کار کا ہارن سن کر باہر آئی تھیں۔ انہوں نے اسے دیکھ کر دور سے ہی بازو پھیلا دیئے۔ وہ مسکراتی ہوئی ان کے پاس جا کر لپٹ گئی۔

”اس بار میں نے تمہیں بہت مس کیا۔“

انہوں نے اس کے گال چومتے ہوئے کہا تھا۔

”میں نے بھی آپ لوگوں کو بہت مس کیا نانو!“

ان کے ساتھ اندر لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”میں جانتی ہوں۔“

انہوں نے بڑے پیار سے ساتھ چلتے ہوئے اسے اپنے کندھے سے لگایا۔

”کیسا رہا تمہارا قیام، انجوائے کیا؟“

”ہاں بہت انجوائے کیا۔“

”ثمنینہ کیسی ہے؟ پاکستان کب آرہی ہے؟“

”مئی ٹھیک ہیں ابھی پاکستان آنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ شاید اگلے سال آئیں۔“

لاؤنج میں آکر اپنا بیگ صوفہ پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

”چار سال ہو گئے ہیں اسے وہاں گئے ابھی بھی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا آنے کو۔“

اس نے نانو کو بڑبڑاتے ہوئے سنا تھا۔ وہ کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”وہ لوگ آسٹریلیا سے امریکہ شفٹ ہونے کا سوچ رہے ہیں۔ انکل کا کانٹریکٹ ختم ہو رہا ہے اس سال۔“

امریکہ کی کسی کمپنی کی آفر پر غور کر رہے ہیں۔ مئی کہہ رہی تھیں کہ اگلے سال اگر امریکہ سیٹل ہونے کا ارادہ کر لیا تو وہاں

جانے سے پہلے پاکستان کا ایک چکر لگا کر جائیں گی۔“

اس نے جیسے نانو کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

”میں نے تمہیں بہت، بہت، بہت مس کیا۔“

اس نے اس سفید بلی سے یوں کہا تھا کہ جیسے وہ اس کی بات سمجھ رہی ہو۔

”تم نے مجھے یاد کیا؟“

بلی نے میاؤں کی آواز کے ساتھ جیسے اس کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

”ہاں میں جانتی ہوں تم نے بھی مجھے بہت مس کیا ہوگا۔“

وہ بلی کو اٹھا کر دوبارہ لاؤنچ میں آگئی۔ صوفہ پر بیٹھنے کے بعد اس نے بلی کو بھی اپنی گود میں بٹھالیا اور بہت نرمی اور محبت سے اس کا جسم سہلانے لگی۔

”تو پہنچ گئی یہ تمہارے پاس۔“

نانو اس وقت کچن سے آئی تھیں وہ ان کی بات پر مسکرائی۔

”نہیں اس کو تو پتہ بھی نہیں چلا میں خود ہی لے کر آئی ہوں۔ نانا کہاں ہیں، نانا!“

اسے بات کرتے کرتے اچانک یاد آیا تھا۔

”وہ گھر پر ہی تھے، تمہارا انتظار کر رہے تھے پھر اچانک جم خانہ سے فون آ گیا کوئی کام تھا وہاں۔ مجھ سے

کہہ کر گئے تھے کہ تین، چار گھنٹوں تک آ جائیں گے۔ اب دیکھو کہ ان کے تین، چار گھنٹے۔ تین، چار ہی رہتے ہیں

یا.....!“

نانو نے اس کے پاس صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”السلام علیکم علیزہ بی بی! کیسی ہیں آپ؟“

اسی وقت خانماں چائے کی ٹرے لے کر آیا، اور اس نے آتے ہی علیزہ کو مخاطب کیا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں، مرید بابا! آپ کیسے ہیں؟“

اس نے جواباً ان کا حال پوچھا تھا۔

”اللہ کا شکر ہے بی بی! اس بار تو آپ نے بہت دیر لگا دی واپس آتے آتے۔“

مرید بابا نے چائے کی ٹرے اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں کچھ زیادہ دن ہی لگ گئے مگر واپس تو آ گئی، مرید بابا!“

وہ ایک بار پھر مسکرائی تھی۔ خانماں چائے رکھ کر واپس کچن کی طرف چلا گیا تھا۔ نانو نے اس کے لئے

چائے بنانی شروع کی۔

”ارے ہاں میں نے تو تمہیں بتایا ہی نہیں عمر آیا ہوا ہے۔“

چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے نانو نے اچانک پر جوش آواز میں بتایا تھا۔

”عمر.....! وہ کب آئے؟“

وہ نانو کی بات پر حیران ہو گئی۔

”پچھلے ہفتے کا آیا ہوا ہے۔“

”اکیلا آیا ہے؟“

”ہاں اکیلا ہی آیا ہے۔ سی ایس ایس کے پیپرزدینے آیا ہے۔ ابھی یہیں رہے گا ایک دو ماہ۔“

”سی ایس ایس؟ مگر وہ تو چاب کر رہا تھا، لندن میں پھر یہ۔۔۔؟“

وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

”چاب چھوڑ دی ہے اس نے۔ کہہ رہا تھا وہ اپنے آپ کو سیٹ نہیں کر پا رہا تھا۔ وہاں بہت تکلیف دہ

روٹین ہو گئی تھی۔ میرا خیال ہے جہاں گئے اس طرف آنے پر مجبور کیا ہے۔ تمہیں پتہ ہے وہ شروع سے ہی دباؤ ڈال

رہا ہے۔ پچھلی دفعہ وہ جب یہاں آیا تھا تو عمر کے بارے میں کافی فکر مند تھا۔ وہ کسی بھی کام میں مستقل مزاج نہیں

ہے۔ ہر سال چھ ماہ بعد اس کی دلچسپیاں بدل جاتی ہیں اور ظاہر ہے آگے نکلنے کے لئے تک کر کام کرنا بہت ضروری

ہے۔ تب بھی وہ عمر کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ فارن سروس میں آجائے۔ ابھی اچھی پوسٹ پر ہے جہاں گئے وہ چاہتا ہے کہ بیٹا

بھی فارن سروس میں آجائے۔ تو اسے بھی اسٹبلش کر دے گا۔“

نانو نے چائے پیتے ہوئے اسے تفصیل سے بتایا تھا۔

وہ چائے پیتے ہوئے ایک ہاتھ سے کرسی کے سر کو سہلاتے ہوئے ان کی بات سنتی رہی۔

”اس وقت کہاں ہے؟“

ان کے بات ختم کرنے پر اس نے پوچھا تھا۔

”سورہا ہے ابھی، سونے کی روٹین تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ انگلینڈ اور یہاں کے وقت میں بہت

فرق ہے، اور اسے یہاں آ کر سونے کے اوقات میں کافی تبدیلی کرنی پڑ رہی ہے۔ اوپر سے آج کل گرمی بھی بہت

ہے۔ کل باہر گیا تھا مارکیٹ کچھ چیزیں لانے کے لئے اور واپس آیا تو حالت خراب ہو رہی تھی۔ میں تو پہلے ڈرگئی کہ

کہیں سن سٹروک ہی نہ ہو گیا ہو۔ مگر ڈاکٹر نے کہا کہ سب کچھ ٹھیک ہے بس ابھی ذرا باہر نکلنے میں احتیاط کرے۔ شام

کو کہیں جا کر اسے کچھ ہوش آیا، لیکن بہت زندہ دل ہے مجھ سے کہہ رہا تھا۔ میں پورا انگریز ہوتا تو یقیناً فوت ہو جاتا۔

تھوڑا بچ گیا ہوں تو یہاں کا ہونے کی وجہ سے، لگتا ہے گرمی نے پہچان لیا ہے مجھے، لگتا ہے کہ دوبارہ کوئی گڑبڑ نہیں ہو

گی۔ میں نے اس سے کہا کہ اتنا خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے بہتر ہے کہ وہ ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق ابھی باہر

جانے سے پرہیز ہی کرے۔ ضروری نہیں کہ اگر ایک بار سن سٹروک سے بچ گیا تو دوسری بار بھی بچ جائے گا۔“

علیزہ قدرے عدم دلچسپی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔ وہ مسلسل عمر کے بارے میں ہی بات کر رہی تھیں۔

”پتہ ہے تمہاری تصویریں دیکھ کر کیا کہہ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا علیزہ پھوپھو کی کاربن کاپی ہے۔ میں نے کہا کہ

تمہیں کیسے پتہ، تم کو نسا ثمنینہ کو اتنا دیکھتے رہے ہو یا علیزہ کو اچھی طرح دیکھ چکے ہو۔ اس کے لئے کسی کو ایک بار دیکھنا

ہی کافی ہے۔ اصل میں دو سال پہلے وہ بھی آسٹریلیا گیا ہوا تھا، کچھ دوستوں کے ساتھ سیر وغیرہ کے لئے، وہاں ثمنینہ

کے پاس بھی گیا تھا۔ بہت تعریف کر رہا تھا اس کی۔ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ کیا تم بھی اپنی ماں کی طرح باتونی ہو۔ میں

نے کہا جب ملو گے تو خود ہی دیکھ لینا، کہ باتونی ہے یا نہیں۔ ابھی کچھ ہی دیر میں اٹھنے ہی والا ہوگا مل لینا اس سے۔ اسے بھی پتہ ہے کہ آج تم آرہی ہو۔“

اسے ابھی بھی نانو کی باتوں میں کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ کوئی بھی جواب دیئے بغیر وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

”مئی نے آپ کے لئے کچھ گفٹس بھجوائے ہیں، ابھی نکال دوں یا پھر کل؟“

اس نے ان کی باتوں کے جواب میں کہا تھا۔

”ابھی سامان مت کھولو، تم تنگی ہوئی ہوگی، آرام کرو۔ کل میں خود تمہارے ساتھ سامان کھلو اؤں گی۔ پھر دیکھ لوں گی۔“

نانو نے اس سے کہا تھا۔ چائے پینے کے بعد نانو نے آرام کرنے کے لئے کہا تھا، اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور کپڑے تبدیل کئے بغیر ہی بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

عمر جہانگیر اس کے لئے کوئی نیا نام نہیں تھا۔ وہ دو، تین سال کے بعد اکثر چھیٹوں میں اپنے باپ اور فیملی کے ساتھ پاکستان آیا کرتا تھا، اور وہ وہیں ٹھہرا کرتا تھا اور ایسا پچھلے بہت سے سالوں سے ہو رہا تھا۔ مگر اس بار وہ تقریباً چھ سال کے بعد آیا تھا، اور پہلی بار اس طرح اکیلا آیا تھا۔ علیزہ اور اس کے درمیان رسمی سی ہیلو ہائے تھی۔ اسے ہمیشہ ہی وہ بہت ریزرو لگا تھا۔ بچپن میں بھی وہ اس طرح کا بچہ نہیں تھا جو آسانی سے دوسرے بچوں سے گھل مل جائے۔ خود علیزہ بھی اسی طرح تھی، اس لئے دونوں کے درمیان کبھی بے تکلفی نہیں ہوتی تھی۔ پھر کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ چھٹیاں گزارنے پاکستان آتا اور خود علیزہ اپنی مئی کے پاس آسٹریلیا چھٹیاں گزارنے چلی جاتی۔ اس لئے انہیں کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع نہ ملا تھا، اور اب بھی عمر جہانگیر کی آمد اس کے لئے کسی خاص خوشی کا باعث نہیں بنی تھی۔

اسے اندازہ نہیں ہوا، وہ کتنی دیر سوئی رہی تھی۔ جب دوبارہ بیدار ہوئی تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی رسٹ واج ہاتھ میں لے کر ٹائم دیکھنے کی کوشش کی تھی، ریڈیم ڈائل سات بج رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کر دی۔ وارڈ روب سے کپڑے نکال کے وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔ جب وہ لاؤنج میں آئی تو سوا سات ہو رہے تھے۔

”So the lady is here!“ (تو محترمہ یہاں ہیں۔)

نانا نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا، وہ مسکراتے ہوئے جا کر ان سے لپٹ گئی۔

”میں نے دو، تین بار تمہارے کمرے میں جانے کی کوشش کی لیکن تمہاری نانو نے منع کر دیا کہ تم ڈسٹرب ہوگی۔“

نانا نے اس سے کہا تھا وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی تھی، اور اسی وقت اس کی نظر دور کوٹے میں رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھے شخص پر پڑی تھی۔ جو مسکراتے ہوئے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے متوجہ ہونے پر اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ ایک لمبے عرصے کے بعد دیکھنے کے باوجود علیزہ کو اسے پہچاننے

میں دیر نہیں لگی تھی۔ پانچ سال پہلے اس نے جب عمر کو دیکھا تو وہ خاصا دبلا پتلا تھا۔ مگر اس وقت وہ ایک لمبے چوڑے وجیہہ سراپے کا مالک تھا۔ وہ اس سے آٹھ سال بڑا تھا۔ مگر اپنی قد و قامت کے لحاظ سے وہ اپنی عمر سے بڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ بے اختیار کچھ جھجکی۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ اسے کیسے مخاطب کرے، گلا صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”Hello! How are you?“ (ہیلو! آپ کیسے ہیں؟)

عمر نے ہلکے سے سر کو نیچے کیا تھا۔

”Oh! I am fine.“ (میں ٹھیک ہوں۔)

”Am I right Aleezah?“ “It means you have recognized me.“

اس نے اس طرح اس کی بات کا جواب دیا تھا جیسے وہ اس کا بہت گہرا دوست ہو۔

”She was....!“ “Yes! Nano told me about you.“

وہ عمر سے بات کر رہی تھی جب نانو نے اسے آواز دی تھی۔

”علیزہ! شہلا کا فون ہے بات کرلو۔“

اس نے چونک کر نانو کو دیکھا تھا، ان کے ہاتھ میں کارڈ لیس تھا۔

”Excuse me!“

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر نانو کے ہاتھ سے کارڈ لیس لے کر ڈائمنگ کی طرف چلی گئی تھی۔ شہلا اس کی دوست تھی اور وہ جانتی تھی کہ اب، آدھ گھنٹے سے پہلے وہ فارغ نہیں ہو پائے گی۔ شہلا کو لمبی کالز کرنے کی عادت تھی اور آج تو ویسے بھی ایک ماہ کے بعد اس سے گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک فون پر اس سے باتیں کرتی رہی، اور جب فون بند کر کے واپس لاؤنج میں آئی تو عمر وہاں نہیں تھا۔ وہ نانو اور نانا کے ساتھ باتیں کرتی رہی، اور ان ہی سے اسے پتہ چلا کہ وہ کسی دوست کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ دیر تک نانا کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی عمر تب تک واپس نہیں آیا تھا۔

صبح وہ دیر سے اٹھی تھی جب وہ ناشتہ کے لئے آئی تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔ خاناماں نے اسے بتایا تھا کہ نانو باہر گئی ہوئی ہیں۔ نانا تو پہلے ہی اس وقت کلب میں ہوتے تھے۔ وہ ناشتہ کر رہی تھی جب عمر بھی وہاں آ گیا۔ ہیلو، ہائے کے بعد وہ بڑی بے تکلفی سے اس کے سامنے ہی چیئر کھینچ کر بیٹھ گیا تھا، اور خود بھی ناشتہ کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس کی مصروفیات کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ آسٹریلیا میں اس کی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ علیزہ نے نوٹ کیا وہ پہلے کی نسبت بہت خوش مزاج ہو گیا تھا۔ پہلے کی طرح ریزرو سا نہیں تھا۔ کافی دیر تک انگلش میں دونوں میں گفتگو جاری رہی، پھر خاناماں اس کے لئے جوس لے کر آ گیا تھا۔ پہلی بار عمر نے بڑی صاف اردو میں اس سے کہا تھا۔

”مجھے ایک پیالے میں وہی لادیں مگر پہلے دیکھ لیں کہ کھانا ہو، اور کل میرے لئے پورج بنائیں، اٹھ

فرائی مت کریں، ابال کر دے دیں۔“

اس نے خانساں کو ہدایات دیں تھیں اور جوس پینے لگا تھا۔

وہ کچھ ہونق سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس کی حیرانی بھانپ گیا تھا۔ گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

”What happened?“ (کیا ہوا؟)

”آپ تو اردو بول سکتے ہیں!“

اس نے قدرے شپٹا کر کہا۔

”ہاں تو بول سکتا ہوں، اس میں حیرانی والی بات کیا ہے؟“

اس نے پہلی بار اس کے جملے کا جواب اردو میں ہی دیا تھا۔

”میں سوچ رہی تھی کہ شاید آپ.....!“

وہ کچھ کھسیانی ہو گئی تھی۔

”یہ کیوں سوچا تم نے، باہر رہنے کا مطلب تو نہیں کہ بندے کو اپنی زبان بھی نہ آتی ہوگی۔“

”پہلے جب بھی آپ آیا کرتے تھے تو کبھی بھی اردو بولتے ہوئے نہیں دیکھا تھا آپ کو، اس لئے میں نے

سوچا.....!“

اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی عمر نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

”پہلے تم سے بھی اتنی لمبی چوڑی باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ویسے بھی چھوٹا تھا تب میں۔“

اس نے عمر کا چہرہ دیکھا تھا، وہ خاصا محظوظ نظر آ رہا تھا۔

”بچھلی دفعہ جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو تم بہت چھوٹی تھیں۔ میرا خیال ہے گیارہ، بارہ سال کی تھیں

اور اب تو.....!“

”But I must admit you are prettier now!“ (پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو۔)

علیزہ کے گال سرخ ہو گئے، اس نے سر جھکا لیا۔ عمر جہانگیر اسے بہت عجیب لگا تھا اسے یہ بے باکی کچھ

زیادہ پسند نہیں آتی تھی۔

میں دوبارہ کبھی اکیلے اس کے پاس نہیں بیٹھوں گی اس نے ٹوسٹ کھاتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ ناشتہ ختم

کرتے ہی اٹھ کر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ کرشی کو لے کر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی۔

عمر ناشتہ دیر سے کیا کرتا تھا اور پھر لٹچ نہیں کرتا تھا۔ شام کی چائے بھی وہ اپنے کمرے میں ہی پیتا تھا۔

البتہ رات کا کھانا سب کے ساتھ ہی کھاتا تھا۔ اس دن کے بعد وہ اس سے بہت پہلے ہی ناشتہ کر لیا کرتی تھی۔ اسے

آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا تھا کہ عمر جہانگیر کے گھر میں آنے کے بعد بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اس کے بہت کم گھر

والوں کے پاس موجود رہنے کے باوجود گھر میں بہت کچھ اس کی مرضی اور پسند سے ہو رہا تھا۔ نانا اور نانوں کی زیادہ تر

گھنگو اسی کے بارے میں ہوتی۔ پہلے کی طرح وہ علیزہ کے بارے میں اتنی باتیں نہیں کرتے تھے۔ کھانے کی ٹیبل پر زیادہ تر ڈشز اس کی مرضی اور پسند کے مطابق بنتی تھیں۔ علیزہ سے کھانے کے بارے میں رائے لینا کم کر دیا گیا تھا۔ نانوں ہر وقت اس کی صحت اور آرام کے بارے میں فکر مند رہا کرتی تھیں، اور وہ جیسے گھر میں ثانوی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے لئے نیا نہیں تھا۔

ہر سال جب بھی اس کے ماموں اور خالاؤں میں سے کسی کی فیملی وہاں آتی تھی وہ اسی طرح پس پشت چلی جایا کرتی تھی۔ تب نانا اور نانوں کی توجہ صرف آنے والے لوگوں پر ہی مرکوز رہتی تھی۔ مگر اسے یہ سب اتنا برا نہیں لگتا تھا، کیونکہ وہ لوگ صرف چند ہفتے ہی ٹھہرتے تھے۔ مگر عمر جہانگیر کو ابھی بہت عرصہ وہاں رہنا تھا، اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے بڑے آرام سے اس کی جگہ ہتھیالی ہے۔

اس دن دوپہر کو سو کر اٹھنے کے بعد اس نے حسب معمول کرشی کو ڈھونڈنا شروع کیا تھا۔ وہ سیڑھیوں کے نیچے نہیں تھی۔ اس وقت وہ باہر لان میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی مخصوص جگہوں پر اسے پانے میں ناکام رہنے کے بعد اس نے اسے آوازیں دینی شروع کر دی تھیں۔ مگر وہ نہیں آئی تھی۔

”نانو کرشی کہاں ہے؟“

وہ نانو کے کمرے میں چلی آئی تھی، وہ ابھی آرام کر رہی تھیں۔

”عمر کے کمرے میں دیکھو وہاں ہوگی۔“

انہوں نے اسے بتایا۔

”عمر کے کمرے میں..... لیکن کرشی تو کبھی کسی کے پاس نہیں جاتی.....“

اسے ان کی بات پر جیسے صدمہ ہوا تھا۔

”ہاں! لیکن عمر کے ساتھ بہت لمبے ہو گئی ہے۔ تمہارے بعد سارا دن اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ابھی بھی وہیں ہوگی۔“

نانو نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ چپ چاپ ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔ اسے ابھی بھی ان کی بات پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ کرشی اس کے علاوہ کسی اور کے پاس جا سکتی ہے۔ عمر کے کمرے کے دروازے پر اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے دستک دی تھی۔

”لیس! کم ان۔“

اندر سے فوراً ہی اس کی آواز ابھری تھی اور وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

”کرشی یہاں تو.....“

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ سامنے ہی راکنگ چیئر پر جھول رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کتاب تھی اور دوسرا ہاتھ کرشی کو سہلا رہا تھا۔ وہ اس کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ علیزہ کو دیکھ کر بھی کرشی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھی رہی تھی۔ علیزہ صدمے اور مایوسی سے اسے دیکھتی رہی۔

”ہاں! کرٹی میرے پاس ہے، جاؤ کرٹی۔“

اس نے کرٹی کو گود سے اتار دیا، اور کرٹی بھاگتے ہوئے اس کی طرف آنے لگی۔ علیزہ کو ان دونوں پر بے تحاشا غصہ آیا تھا۔

”Just go to hell.“ (دفع ہو جاؤ)

اس نے بلند آواز میں کہا تھا اور زندگی میں پہلی دفعہ پوری قوت سے دروازہ بند کرتے ہوئے بھاگ آئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور شام تک کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔ شام تک اس کا غصہ تشویش میں بدل چکا تھا۔ وہ پریشان تھی کہ اگر عمر نے نانو کو اس کی اس حرکت کے بارے میں بتا دیا تو وہ کیا سوچیں گی۔ اسے اپنی اس حرکت پر افسوس ہو رہا تھا۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس بات پر غصہ آیا تھا۔ کرٹی کے کسی اور کے پاس چلے جانے پر یا عمر کے پاس جانے پر، یا اس کو دیکھ کر بھی اس کے پاس نہ آنے پر، یا پھر عمر کے کہنے پر اس کے پاس آنے پر۔

جب وہ لاؤنج میں آئی تو کرٹی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ علیزہ کو دیکھتے ہی اس نے اس کے پاس آنے کی کوشش کی تھی مگر علیزہ نے اسے درستی سے اپنے سے دور ہٹا دیا تھا۔

عمر رات کے کھانے کے لئے معمول کے مطابق اپنے کمرے سے آیا تھا۔ وہ جس بات پر خوفزدہ ہوئی تھی ویسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح مسکرایا۔ پھر ویسے ہی کھانے کے دوران اسی طرح سب سے باتیں کرتا رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ وہ سر جھکائے خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ علیزہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔

اگلے چند دن بھی اسی طرح گزر گئے۔ عمر نے اس واقعہ کے بارے میں نانا، نانو یا اس سے کوئی بات نہیں کی تھی لیکن علیزہ نے نوٹ کیا تھا کہ اس نے دوبارہ کرٹی کو بلانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کرٹی اس کے نظر آنے پر اگر اس کی طرف جانے کی کوشش کرتی بھی تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا۔ اس کا مطلب تھا وہ اس کے اس دن کے غصے کی وجہ جان گیا تھا۔

”مرید بابا! آج رات کے کھانے پر میرے لئے تھوڑی سی سبزی بنالیں۔“

اس دن کافی دنوں کے بعد علیزہ نے رات کے کھانے کے لئے کوئی فرمائش کی تھی۔ رات کو کھانے کی ٹیبل پر اس نے بڑی خوشی کے ساتھ ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا تھا ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

”نانو سبزی میں چکن کیوں ڈالا ہے، مرید بابا نے۔ انہیں پتہ ہے میں ہمیشہ چکن کے بغیر ہی سبزی کھاتی ہوں؟“

اس نے کچھ حیرانی کے عالم میں نانو سے کہا تھا۔

”میں نے کہا تھا چکن ڈالنے کے لئے۔ میں عمر کو رات کے کھانے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس نے کہا کہ سبزی بن رہی ہے تو چکن والی بنالیں میں بھی تھوڑی کھالوں گا۔“ علیزہ نے ڈونگے کا ڈھکن ہاتھ میں پکڑے

پکڑے ٹیبل کی دوسری طرف عمر کو دیکھا۔ وہ اپنی پلیٹ میں چاول نکال رہا تھا۔ ٹیبل پر بڑی ہوئی ساری چیزیں یا تو عمر کی مرضی سے بنی تھیں یا پھر نانو اور نانا کی۔ اس نے آسٹریلیا سے واپس آنے کے بعد پہلی فرمائش کی تھی، اور..... ایک دم ہی اس کی بھوک غائب ہو گئی تھی۔

کچھ افسردگی سے اس نے دوبارہ ڈونگے پر ڈھکن رکھ دیا، اور جب اس نے چیخ بھی رکھ دیا تو نانو اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”کیوں کیا ہوا، سبزی نہیں لی؟“

وہ کرسی کھینچ کر کھڑی ہو گئی۔ عمر نے اسے پہلی بار چونک کر دیکھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“

”یہ کیا حماقت ہے، ابھی تم کھانے کے لئے بیٹھی تھیں ابھی بھوک ہی ختم ہو گئی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔“

نانا نے اسے کہا تھا۔

”میں دودھ پی لوں گی۔“

وہ چل پڑی تھی۔

”دودھ سے کیا ہوگا، علیزہ! واپس آؤ تھوڑا سا ہی سہی لیکن کھانا کھاؤ۔“

نانو نے اسے واپس بلانے کی کوشش کی تھی۔ وہ پیچھے مڑے بغیر ہی وہاں سے چلی گئی۔ عمر حیرانی سے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

”اسے کیا ہوا؟ کیا ناراض ہو کر گئی ہے؟“ اس نے ڈائننگ سے نکلتے ہوئے اپنے پیچھے عمر کی آواز سنی تھی۔

”نہیں علیزہ کبھی ناراض نہیں ہوتی، اسے کبھی غصہ نہیں آتا۔ شاید ویسے ہی بھوک ہی نہیں تھی۔ میں ابھی پوچھوں گی جا کر۔“

نانو نے اس کے جانے کے بعد عمر سے کہا تھا۔

وہ کچھ دیر سبزی کے ڈونگے کو دیکھتا رہا پھر کھانا کھانے لگا مگر اس کا ذہن الجھ چکا تھا۔

نانو کھانے سے فارغ ہو کر سیدھا اس کے کمرے میں آئی تھیں، اور اسے لمبا چوڑا لیکچر دیا۔

”مجھے حیرانی ہو رہی ہے علیزہ! کہ تم نے میری بات بھی نہیں سنی اور اس طرح اٹھ کر باہر آ گئیں۔ کیا سوچ رہا ہوگا عمر کہ تم کتنی بد تمیز لڑکی ہو۔“

وہ واقعی خفا تھیں۔

”I am sorry.“ (مجھے افسوس ہے)

وہ ہلکے سے منمنائی۔

”اب اس کا کیا فائدہ، بہر حال آئندہ خیال رکھنا کہ ایک بار ڈائننگ ٹیبل پر آنے کے بعد اس طرح اٹھ کر نہیں آتے۔ وہ بھی اس وقت جب سب کھانا کھا رہے ہوں۔ تمہارا دل کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا تم سلاؤ لے لیتیں یا

سوٹ ڈش لے لیتیں، مگر تمہیں وہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔“

نانو اسے میز زکی وہی پٹی پڑھا رہی تھیں جو ہمیشہ سے ہی پڑھاتی آئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان کی بات سنتی رہی، اس کی رنجیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”ضرور عمر نے ان سے میرے بارے میں کچھ کہا ہوگا۔“

وہ ان کی باتوں پر اس سے اور بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔

”میں نے مرید سے کہہ دیا ہے وہ ابھی تمہیں دودھ میں اوٹلین ملا کر دے جائے گا۔ اب مجھے کوئی اعتراض نہیں سنا ہے۔“

نانو نے اٹھتے ہوئے اسے اطلاع دی تھی اور ساتھ ہی اس کے متوقع رد عمل پر خبردار کر دیا تھا۔ وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ نانو کمرے سے نکل گئی تھیں وہ خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گئی۔ عمر جہانگیر آج اسے سب سے زیادہ برا لگ تھا۔ جو واحد چھوٹی چھوٹی چیزیں اس کی مرضی سے ہوتی تھیں اب ان میں بھی اس کا عمل دخل ختم ہو گیا تھا۔ مرید بابا نے کچھ دیر بعد دودھ لا دیا تھا، اس نے خاموشی سے دودھ کا گلاس لے کر پی لیا۔ پھر وہ سونے کے لئے لیٹ گئی تھی، لیکن سونے کی کوشش میں اسے بہت دیر لگی تھی۔

اگلے کچھ دن میں اس میں یہ تبدیلی آ گئی تھی کہ اس نے عمر سے بات کرنا بند کر دیا تھا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں وہ پہلے والی ہوں ہاں بھی نہیں کرتی تھی جب تک وہ باقاعدہ اس کا نام لے کر بات نہ کرتا۔ اس دن وہ لاؤنج میں کارپٹ پر فلورکشن کے سہارے بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ جب ہی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اس نے احتیاط سے نانو کا موڈ دیکھنے کی کوشش کی تھی پھر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

”نانو ایک بات پوچھوں؟“

اس نے ہولے سے کہا تھا۔

”ہاں! پوچھو۔“

وہ اخبار میں غرق تھیں۔

”یہ عمر واپس کب جائے گا؟“

اس نے کافی احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”بہت جلد، مائی ڈیر کزن بہت جلد!“

سوال کا جواب کہیں اور سے ملا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بالکل ساکت بیٹھی اپنے سوال کا کوئی بہانہ سوچنے لگی۔

اب وہ اس کی پشت سے ہو کر اس کے بالکل سامنے آ کر نانو کے ساتھ صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔

”بلکہ آپ جب چاہیں مجھے نکال دیں یہاں سے۔“

اس نے علیحدہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”فضول باتیں مت کرو، کوئی نہیں نکال رہا تمہیں یہاں سے۔ تمہاری وجہ سے تو رونق ہو گئی ہے گھر میں۔“

نانو نے اسے پیار سے جھڑکتے ہوئے اس کے گال چھوئے تھے۔ علیزہ نے کچھ کہنے کی بجائے میگزین اٹھایا اور وہاں سے واپس آ گئی تھی۔ کچھ شرمندگی کے عالم میں وہ لان میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ چند منٹوں بعد اس نے قدموں کی چاپ سنی تھی، عمر اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ کچھ جھنجھلا گئی، وہ قریب آ کر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

”میں بہت دنوں سے تم سے ایک بات کہنا چاہ رہا تھا بلکہ شاید بہت سی باتیں، مگر تم نظر انداز کر رہی تھی۔“

”مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے ناپسند کیوں کرتی ہو؟“

وہ اس کے اتنے ڈائریک سوال پر کچھ گڑبڑا گئی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے؟“

وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

”تم بیٹھ جاؤ ورنہ میں تمہیں پکڑ کے بٹھا دوں گا۔“

وہ پہلی بار بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ خود بھی کھڑا ہو گیا تھا، وہ کچھ خفگی کے عالم میں سامنے بیٹھ گئی تھی۔

عمر نے درمیان میں پڑا ہوا ٹیبل کھینچ کر ایک طرف کر دیا اور پھر اپنی کرسی کھینچ کر سیدھا اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے اتنے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ وہ زرد ہو گئی۔

”ہاں! اب بتاؤ۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں آپ کو ناپسند نہیں کرتی ہوں۔“

”دیری گڈ لیکن پھر تمہیں میرا یہاں رہنا اچھا کیوں نہیں لگ رہا؟“

”ایسا نہیں ہے۔“

”ایسا ہی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔“

”یہ میرا گھر نہیں ہے کہ میں یہاں سے کسی کو نکالوں۔“

وہ ناچاہتے ہوئے بھی اپنی خفگی ظاہر کر بیٹھی۔

”دیکھو میں کچھ باتیں واضح کر دینا چاہتا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس گھر میں کوئی تناؤ آئے۔ یہ گھر تمہارا تھا، اور رہے گا۔ مجھے تو یہاں رہنا نہیں ہے۔ چند ماہ کے بعد میں یہاں سے واپس لندن چلا جاؤں گا۔ میرا یہاں قبضہ جمانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، پھر میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کس بات پہ اتنی ناراض ہو۔ شکایت کیا ہے تمہیں مجھ سے؟ میرا تو خیال تھا کہ میں خاصا بے ضرر آدمی ہوں۔“

”مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن آپ گھر میں ہر چیز کو dominate کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سارا کھانا آپ کی پسند کے مطابق بنتا ہے، ٹھیک ہے آپ مہمان ہیں لیکن جو چیز میں کرنا چاہتی ہوں اس میں تو کسی دوسرے کی مرضی.....“

عمر نے اس کی بات کاٹ کر دی۔

"ختم اس دن دوش ہے، دھاتی بات کر رہی ہو۔ ٹھیک ہے، میں سمجھ لوں گی، کوئی معاملہ نہیں کروں گا۔ اور کوئی اعتراض ہے؟"

"نہیں، اور کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"اب واقعی فرست دے گی گی۔"

"نہیں ٹھیک ہے، اس قسم کا اپنا سوا میری بہت سے قربت میں گمراہی کر رہی کوئی بات دیتی ہے تو اس دھ سے آ کر کہہ دے۔"

فرستے اس کی طرف، ہاتھ جو جاتے ہوئے تھے، طوطے نے پھلتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ فرستے اس کا ہاتھ نہیں چھو، اتفاقاً ایک خوشگوار ہاتھ لگایا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے اس نے قدم جوڑے تھے۔

"اب تمہاری بات تھی، اور ہو گی ہے اس نے میں جیسے کوئی ابھی کی چیز اس کا۔"

وہ بھی تھکے ہوئے کی طرح اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ دوا بھی کی دوا بھی تھی ہونے لگی۔

"مگر کوئی اشیاء اور طوطے بہت اچھے دوست بن گئے ہیں۔ میں طوطے کے لئے کھانا ہوں۔"

اس نے اقدار سے جی ادا کیا تھا، اسے اس کی طرف ہاتھ لکھنے اپنے کمرے کے لئے گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد فرستے اس کا ہاتھ چھو دیا۔

"مگر کتنے لمبے ستارے تھے، جیسے پہلو بہت اچھے لگتے ہیں۔ یہ تمہارے اور میرے درمیان پہلی کانٹا ہے۔"

وہ اس کی طرف بٹکتے کے ہاتھ پھیل گئی، وہ ان کو مل کر رکھ کر اس کرتے ہوئے بول رہا تھا۔ طوطے کی نظریں آواز بٹکتے ہوئے پرکھتے تھیں۔ یہاں پہلو چھو کر ایک دوسرے سے فاصلہ رکھنا تھا، جو دوا کی تھی۔

"عام طور پر ہر ایک کو ہاتھوں کے پہلوؤں پر ہاتھ رکھنا چاہیے، مگر میں یہ وہی طوطے پر ہاتھ رکھتا ہوں جو مجھے پسند ہے۔"

اس سے دوا کی گئی تھی، اس کی تلاش بھی کی جا رہی تھی۔ پہلو جیسے اسے دوا کی گئی تھی۔ وہ

سچہ ہونے کے بعد اس کی طرف سزا طوطے نے اس کے ہاتھوں میں Channel 5 کی ایک سیکڑی لٹائی رہی تھی۔

سکراتے ہوئے اس نے ہاتھ طوطے کی طرف نہ مٹا دیا۔

"جو چاہا وہ لے لے۔"

طوطے نے کچھ ترنلے سے اسے دیکھا تھا۔

"میرے لئے؟"

اس نے سوائے کچھ نہیں پوچھا۔

"یہاں دوا کی کرنے کے لئے اس سے اچھا کتہ تو کوئی نہیں ہو سکتا، اور میں اپنے ٹکڑے کا بیل پوٹھوری محنت کر رہی ہوں۔"

وہ ہاتھ جو جاتے تھے، ہاتھ ملنے ایک دوسرے کے ہاتھ کو دیکھا، کچھ جھجک کی تھی۔

"Just take it!"

فرستے ایک دوسرے سے کہا تھا۔

"مگر میں۔۔۔"

اس نے کینے کی کوشش کی تھی مگر فرستے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"اگر کتہ کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے ہے۔"

اس نے بولے، طوطے کو ہاتھ لکھنا تھا۔

کچھ کھینچنے ہوئے اس نے فرستے کے ہاتھ سے پہلو چھو دیا تھا۔

"مجھے یہ تو نہیں پتا کہ تمہارا دل کتہ پہلو کون سا ہے مگر مجھے بہت اچھا لگا ہے، اگر کوئی دوا کی یہ پہلو استعمال کرے۔ وہ بچے جیسے خوشی پہلو پسند ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مجھے وہ سارے پہلو پسند ہیں، مگر ان کے لئے ہوتے ہیں۔"

اس کی اس بات پر فرستے کو کھنگھٹا کر دیا تھا۔

"مگر تمہارے اور میرے درمیان پہلو کا کانٹا ہے۔ یہ مگر تمہیں مٹیل 5 کے بجائے 212 Min دینا چاہیے تھا۔"

اس نے ایک دوسرے پہلو کا کام لینے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں مجھے Joy, Eternity یا پسند ہیں۔"

طوطے نے کچھ کھینچنے ہوئے تھا۔

"اور مجھے Ripples یا Baby Doll پسند ہیں۔"

فرستے اپنی پسند تائی تھی۔ طوطے کو ایک دوسرے میں دھکیل دیا ہو گی تھی۔

"میرا کتا یہاں ہے مگر میں سمجھ رہی تھی۔ اور اچھا ہے۔"

اس نے فوراً احتجاج کر لیا تھا۔

"اس کا میں یہ پہلو، کچھ اس کا؟"

اس نے ہاتھ سے ایک کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"Sure why not?" (ہاں، کیوں نہیں۔)

فرستے نے اس کا ہاتھ اس کی طرف دھکیل دیا، ایک کتہ کیلئے سے مٹ گیا تھا۔

خدا! ہے ہم ان میں انوکھا میں شامل ہو۔"

اس نے سنا کہ وہ پہلی کت چھوڑ دی۔ دھکیں بند کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر یہ لہجہ بھلی پر رکھ لیا۔
طیوہ کی کچھ میں ہی نہیں آیا وہ کسی قسم کا رائل ظاہر کرے، فریحت جیسا کہ قسم کا قتل۔ اس نے channels اٹھا کر باہر
لگا ہوا تھا۔

"سب تو تم ہمارے نہیں ہو؟"

طیوہ نے اپنے پیچھے ٹوکی گاڑ کر کی۔ اس نے مڑ کر ہر کوئی دیکھا تھا۔ وہ وہیں ڈارینگ تھیں کے سامنے کھڑا
سکھار تھا۔

طیوہ نے کچھ کہنے کی بجائے صرف سر ہلادیا۔ ٹوکی سکھارہت کی ہانسی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"So Alleez we are friends, and true friends are friends for ever."

(تو طبیعت دوست ہیں اور سچ دوست ہیں۔ دوست ہیں۔ دوست ہیں۔)

طیوہ نے اسے کیجے ہوئے جاتا تھا۔ اس کے چہرے پر کئی ایک سکھارہت لہجہ ہوا کی تھی۔



باب ۳

کمرے کا دروازہ کھل گیا تھا۔ وہ ایک دم بڑا جگمگا گیا اور کمرہ ایک بار پھر اس دروازے سے خالی ہو گیا تھا۔
"طیوہ! لی لی! کچھ بگڑا ہے۔" وہ کہہ رہی ہیں، کمرے کی ایک جگہ چلتی ہے تو کچھ بتا رہی ہیں۔
میں جتنی اٹھا کر باہر چلا گیا۔

لازم ہے اس کی سوچوں کا تشویش توڑ دیا تھا۔ وہ کیونکر خالی حلقہ کی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔
پھر وہ اپنے حواس میں آگیا۔ اس نے یہ لہجہ کم از کم دیکھ لیا تھا۔
"ہاں میں کچھ جتنی اٹھا کر باہر چلا گیا تھا۔ مگر پہلے تم اسٹوڈنٹ میں جا کر وہ جہانے لگا ہوا ہے۔
تم نے یہاں سے اسے لے لیا۔"

طیوہ نے اسے ہاؤس دینا شروع کر دیا تھا۔

"اور کچھ دالے؟"

خادم نے طبیوہ سے پوچھا تھا۔

"ہاں اور کچھ دالے، اور کچھ اور کچھ بھی لے آؤ۔"

لازم ہے اس کی جایات پر سر ہلانا شروع کر دیا۔ وہ وہیں سڑا ہوا جیسا کہ طبیوہ نے ایک بار پھر اسے دیکھا۔

"اچھا، کیونکہ دالے اور قریب ساتھ حاکم کچھ لینے آؤ، میں چاہتی ہوں کہ کمرہ ہندی صاف ہو جائے۔"

اس نے لازم تو رک کر اسے حویہ دلی جسما۔

"کی جگہ ہے؟"

خادم کمرے سے کھل گیا تھا۔

وہ ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔ کمرے میں بہت سے اناؤں اور پائیس رکھے ہوئے تھے۔

سب ٹوکی چرائیں تھے۔ اسے جس چند چیز میں وہ دیکھی تھی، ان میں ہانسی بھی تھی۔ وہ پتھر عرصہ دیا رہا تھا۔

لے کر کمرہ لائی ہند کے اناؤں اور پائیس سے گھر دیا تھا۔ سچے میں ایک دن وہ ان سب پائیس کو لے کر پلے پلے کر گیا تھا۔

حق کی ترقی تلاش کرنے والی جس کھواڑا لگا، ان پر ہوا لگاں کا پیر سے کرتا اور اپنے کمر سے ٹیس اٹھائی کی جگہ پر لگا رہتا۔ اس کے جانے کے بعد یہ کام ملٹیوڈ نے سنبھال لیا تھا۔
"میں چاکرس کو باہر لان میں لے آؤ۔"

طاہر جب بندے سے آیا تو ملٹیوڈ نے اسے ایک حق ڈسک واری سنبھالی تھی۔ وہ غور کیا کرتے سے باہر بھی آئی تھی۔ طاہر واری واری سنبھالے چاکرس باہر سے آیا، ملٹیوڈ نے پاؤں کو اچھا کر دیا، اس نے ان کی ٹھنک شروع کر دی تھی۔ وہ اصل چاکر کو دیکھ رہی تھی چند پہلی شخصیت جو کرکٹ ریلوے میں اس نے اسے چھاننا شروع کر دیا تھا۔ وہ بیانی اختیار سے ٹپ کی شانوں اور بھل کو کات رہی تھی۔ صرف ایک لمحہ کے لئے اس کا چپٹا ٹھیک اور کیا، فلک شام کے ساتھ ایک بری بھری شام بھی کٹ گئی تھی۔ وہ ایک مسکرات ہو گئی تھی۔
"کئی بات نہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ تم دیکھنا اب یہ بہت تیزی سے بڑے گداور پہلے سے زیادہ فرسوسات ہو جانے لگا۔ مجھے جب بھی کوئی چاکر اس طرف لگتا ہے مجھ کو پہلے سے بہت اچھا اور چاہتا ہے۔"



باب ۴

وہ پہلو اپنے کمرے میں رہ کر ناؤ چمک اٹھی تھی۔ وہ پہلے کیا ناؤ کے پاس موجود تھا، ناؤ سے اچھا کر سکتا ہے کی نہیں۔

"میرے کون سا کتہہ دیا ہے مجھے؟"

پہلو نے ملٹیوڈ کو دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ اس صوفے پر بیٹھو۔

"پہلو نے آپ کو کتا لکھا؟"

اس نے سر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا، جو بالکل اسے اکتا تھا۔

"نہیں، وہ کتا، کتا تھا کہ چاکر کی جگہ ہے، مگر ملٹیوڈ آپ کو کتا لکھتا ہے۔"

ناؤ نے بتایا تھا۔ ملٹیوڈ نے ایک بار کھڑا ہوا تھا تھا۔

"کیا ملٹیوڈ ہے؟"

اس نے آہستہ آہستہ بتایا تھا۔

"کوئی نہیں؟"

ناؤ کو کھسکا ہوا۔

"Chanel 5"

"تھوڑا لمبا، پر لمبا، کتا، میرا، مجھے کیسے پتا چلا کہ ملٹیوڈ کو پر لکھ سب سے زیادہ بہتر ہے؟"

ناؤ نے سر سے پوچھا۔

سر نے اسے دیکھا تو وہ نظریں چرائی تھی۔

"نہیں، ہر چیز کا یہ ہے؟"

اس نے ایک جگہ سے جواب دیا تھا۔

”انگی بارش علیہ و Joy دوں گا اور اس کے بعد“ Eternity “
چند لمحوں کے بعد اس نے اپنا پروگرام بتایا تھا۔

علیہ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ ٹانگوں کو دیکھ رہا تھا، اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

”کیا یہ.....؟“

اور وہ آگے نہیں سوچ سکی تھی۔

نانو نے اسے مخاطب کیا تھا۔

”دیکھو علیہ عمر نے کتنی لمبی پلاننگ کر لی ہے۔ جنہیں بھی اسے کچھ دینا چاہئے۔“

وہ ٹانگوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”مجھے کیا دینا چاہئے؟“

اس نے اٹھ بھوٹے انداز میں نانو سے پوچھا تھا۔

”بھئی یہ تو جنہیں سوچنا چاہئے۔“

انہوں نے اپنا دامن چھڑایا تھا۔

”گفٹ ہمیشہ بڑوں سے لینے ہیں، چھوٹوں سے نہیں اور علیہ مجھ سے چھوٹی ہے۔“

عمر نے بڑی مہارت سے بات چلی تھی۔

”ہاں! مجھے مگر کوئی گفٹ دینا ہی چاہئے تو گریڈ پل! آپ ہی دے دیں۔ کیونکہ آپ مجھ سے بڑے ہیں۔“

”کیا گفٹ چاہئے؟“

ٹانگوں کی ایک دم دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔

”کوئی بھی اچھی چیز، Armani کا سوٹ، ڈسک کی جھڑ، کرکٹن ڈی اور کی مگزی، یا پھر Play Boy اور Lomani کے رفوگر۔“

اس نے ایک لمبی لمٹ مٹوائی تھی۔

”اس سے بہتر نہیں کر سکتی جنہیں چیک کاٹ کر دے دوں۔“

”ہاں یہ زیادہ بہتر آئیڈیا ہے۔ آپ بہت Innovative (جدت پسند) ہیں۔“

عمر نے فرار کی انداز میں کہا تھا علیہ خاموشی سے ان کی ٹونگ جھوک سکتی رہی تھی۔

نانو بہت سنجیدہ حراز تھیں۔ وہ بہت زیادہ نہیں بولتی تھیں۔ مگر جب سے عمر آیا تھا تب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ

اب آنکھ قبضہ لگانے لگی تھیں مگر بہت باتنی تھا، اور اس کی حس مزاج بہت اچھی تھی۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی بات

ضرور کرتا تھا جو ان کو تھپہ لگانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ نانو عام دنوں میں صرف ضرورت کے وقت ہی بولتی تھیں، لیکن

جن دنوں ان کے بچوں میں سے کوئی ان کے پاس رہے یا تو پھر ان دنوں وہ بہت خوش پھرا کرتی تھیں۔ مگر عمر کی آمد

نے تو جیسے اس خوشی کو دو بالا کر دیا تھا۔ کسی اور کے آنے پر نانو اور نانا میں اتنی تبدیلیاں کبھی نہیں آئی تھیں، جتنی عمر کے آنے پر آگئی تھیں۔

اس وقت بھی نانو کا موڈ ہی دیکھ رہی تھی۔ نانو اب عمر کی باتوں پر بے تحاشا ہنس رہی تھیں۔ وہ انہیں اپنے کسی دوست کا قصہ سن رہا تھا۔ علیہ کا دھیان لگن اور ہی تھا۔

”کیا میری کسی بات پر نانو اس طرح سے ہنس سکتی ہیں؟“

اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی اور باپوسی سے غیر محسوس انداز میں سر کو جھٹک دیا تھا۔

”نہیں، میری کسی بات پر تو یہ کبھی اس طرح نہیں ہنس سکتیں۔ بلکہ یہ تو مجھے بھی کبھی نہیں کہیں کہ میں بھی

بلند آواز میں نہ ہنسوں۔“

اس نے سوچا تھا۔

”کیا میں کبھی عمر کی طرح.....!“

ایک بار پھر اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی۔ ایک بار پھر اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔

”علیہ! اتنا ہارے کتنے فریڈ ز ہیں؟“

عمر نے اس سے پوچھا تھا۔

”کتنے؟“

وہ اس کے سوال پر کچھ حیران ہوئی تھی۔ چند لمحوں تک اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔

”جلدی کتنی کر اور مجھے بتاؤ۔“

عمر نے اس کی خاموشی سے خود ہی نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔

”کیا کتنی کروں؟“

وہ کچھ اور حیران ہوئی تھی۔

”بھئی فریڈ ز اور کیا۔“

عمر نے کہا تھا۔

”میری صرف ایک فریڈ ہے۔“

”I can't believe it! لاڑکیوں کی کم از کم ایک دوست تو نہیں ہو سکتی۔“

عمر کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا، اور علیہ اس کے چہرے کے تاثرات سے جھنجھلا گئی تھی۔

”ایلاڑکیاں لاڑکوں سے زیادہ سوشل ہوتی ہیں، اور ظاہر ہے پھر فریڈ ز تو بننا ہی ہوتے ہیں۔“

عمر کو فوراً ہی اس کی تنگی کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے سنبھل کر ایک لالچک پیش کی۔

”میں نے زیادہ سوشل نہیں ہوں۔“

اس نے جیسے جتنا تھا۔

"But you should be." (لیکن تمہیں ہونا چاہئے) کیوں کر گئی! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔
 عمر نے بات کرتے کرتے داد کی طرف دیکھا۔ وہ یکدم چپ ہو گئی تھیں۔
 "میں عمر لڑکیوں کے لئے زیادہ سوشل ہوتا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ آج کل پتہ ہی نہیں ہوتا دوسرے لوگ
 کس طرح کے ہوں۔"

نانو نے کھٹکنا ہوا کرتوجہ پیش کی۔

"What do you mean?"

وہ کچھ حیران ہو گیا تھا۔

"کچھ نہیں، بس دیکھیے..... اصل میں علیزہ کو زیادہ لوگوں میں کس اپ ہونا اچھا نہیں لگتا۔"

نانو نے بات کچھ بدلنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں مگر ایک دوست تو بہت کم ہے۔"

وہ اب بھی حیران تھا علیزہ کو اپنا آپ اس طرح سے زیر بحث لانا اچھا نہیں لگتا تھا۔

"ہر ایک کی اپنی چرائی ہوئی ہے، مجھے اچھا لگتا ہے کہ میری بس ایک ہی فریڈ ہو تو اس میں عجیب بات
 کون سی ہے؟"

اس بار علیزہ نے دو کچے اعزاز میں عمر سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہتے کہتے رک گیا
 تھا۔ شاید وہ اس تاثرات سے اس کی اندرونی کیفیات سمجھ گیا تھا۔ علیزہ کو اچانک اپنے لہجے کے کمرہ سے بے گنا
 احساس ہوا تھا اسے کچھ ندامت سی محسوس ہوئی۔

"ابھی اس نے مجھے اتنا جتنی فریڈ دیا ہے اور میں پھر بھی اس کے ساتھ اس طرح کر رہی ہوں۔"

اس نے جیسے اپنے آپ کو یاد دہانی کروانے کی کوشش کی تھی۔

"میری فریڈ بہت اچھی ہے۔ وہ اسکول سے میری فریڈ ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مجھے اچھا نہیں لگا، بس
 ای لئے بھی میری ایک ہی فریڈ ہے۔"

اس نے جیسے عمر کی جتنی کرنے کی کوشش کی اس بار اس کا لہجہ کمزور تھا۔

"کیا آپ کے بہت سے فریڈ ہیں؟"

اس نے صرف موضوع بدلنے کے لئے پوچھا تھا۔

"ہاں! میرے بہت سے فریڈ ہیں۔ مجھے فریڈ بنانا بہت اچھا لگتا ہے۔ جیسے آج میں نے تم کو اپنی
 فریڈ بنایا ہے۔"

عمر نے خوشگوار لہجہ میں اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا تھا۔

"فریڈ ز زیادہ ہوں تو زیادہ سڑا آتا ہے۔"

"may be." (لیکن ہے)

اس نے اختلاف کرنے کی بجائے ہم انداز میں ہی جواب دے دیا تھا۔

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی تھی۔ عمر نے اپنی کھڑکی دیکھی اور پھر کھڑا ہو گیا تھا۔

"مجھے لائبریری جانا ہے، میں دو تین گھنٹوں تک واپس آ جاؤں گا۔"

اس نے نانو کو اطلاع دی تھی مجرودہ لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد وہ باہر لان میں
 نکل آئی تھی۔ لان کے ایک کونے میں بیٹھ کر وہ کچھ دیر پہلے کے واقعات کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ عمر کے بارے
 میں کوئی حتمی اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔ وہ یہ سمجھنے سے کام لیتی تھی کہ واقعی اتنا شخص ہے جتنا وہ نظر آ رہا ہے۔ یا پھر اس کے
 اندازہ سے ٹھیک ہیں۔ وہ عمر کو کچھ نہیں پاری تھی۔ اس کی شخصیت علیزہ کو بہت عجیب لگتی تھی۔ اس کے موڈ کھڑکی کی سیڑیوں
 سے تیز چڑھتا دکھائی دے بدلے تھے۔ وہ جب بھی اپنے کمرے سے نکل کے لاؤنج میں آتا تو عمر میں جیسے زندگی کی ایک
 لہر دوڑ جاتی تھی، نانا، نانو سے لے کر ملازموں تک ہر کوئی اسے پسند کرتا تھا اور اس کی پسند پسند کا خیال رکھتا تھا۔

اس کے پاس یقیناً کوئی ایسی خوشی تھی جس سے وہ دوسروں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔ مگر علیزہ ابھی تک اس
 بارے میں بہت متکا تھی۔ اسے آخر مجھے پر فہم دینے کی اس ضرورت تھی، وہ ابھی سوچ رہی تھی۔

"اس کا خیال ہو گا کہ میں کثرت لے کر خوش ہو جاؤں گی، اور باقی لوگوں کی طرح وہ مجھ پر بھی قبضہ کر لے
 گا۔ مگر.....!"

وہ اب الجھن میں گرفتار ہو گئی تھی کہ کثرت کے بارے میں کیا سوچے۔

"کیا میں نے اس سے کثرت لے کر ٹھیک کیا یا پھر یہ میری غلطی تھی؟"

وہ ابھی تک سوچوں میں گم تھی۔ بہت دیر تک سوچوں میں گم رہنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا۔

"نہیں! مجھے کثرت واپس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ پھر تاناخو ہو سکتی ہیں۔"

اسے خیال آیا تھا۔

"مگر میں اب دوبارہ اس سے کوئی کثرت نہیں لوں گی کیونکہ مجھے اس سے دوستی نہیں کرنا ہے۔"

اس نے ہلکا خٹکے کر لیا۔

چند دنوں بعد جب عمر نے اسے ایک اور پر فہم دیا تو وہ انکار نہ کر سکی، اور پھر یہ ایک روشن بن گئی تھی وہ
 جب بھی عمر سے باہر کسی کام کے لئے جاتا اس کے لئے کچھ نہ کچھ لا رہتا۔ بعض دفعہ یہ بڑی معمولی چیزیں ہوتی
 تھیں۔ مثلاً آئس کریم کا ایک کیک، ایک بسٹ، چوڑھم کا ایک پیکٹ، کبھی لیڈر پیچ، کبھی ناول۔ وہ ہر بار یہ طے کرتی کہ
 اگلی بار اس سے کچھ نہیں لے گی مگر اگلی بار خاموشی سے اس کا کثرت لے لی۔ وہ اسے ہر چیز کثرت کہہ کر دیتا تھا۔

"علیزہ! میں تمہارے لئے ایک کثرت لایا ہوں۔ I swear، (میں قسم کھا کر کہتا ہوں) ایسا کثرت تمہیں
 پہلے کبھی کسی نے نہیں دیا ہو گا، بلکہ تمہیں کیا کسی نے بھی کسی کو نہیں دیا ہو گا۔"

وہ باہر سے آئے پر کھتا اور وہ تجسس ہو جاتی۔

"اور یہ کثرت ہے ایک عدد، بس۔"

مرنے اے سمجھایا۔

”میں پائش کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، اس لیے صحیح رائے دینا تو بہت مشکل ہے۔ آپ کو نانو سے پوچھنا چاہئے، آپ کو زیادہ بہتر طریقے سے بتا سکتی ہیں کہ یہ پائش کیسے ہیں؟“

اس نے صرے کہا۔

”میں حیران ہوں کہ تمہیں گاؤں تک سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہیں منجھڑے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہے مجھے منجھڑ کو ٹریک کرتی ہے گاؤں تک نہیں۔“

اس نے جیسے غصے سے پوچھا کہ بتایا تھا۔

”یہ پائش کہاں سے لائے ہو؟“

نارواہی وقت لاؤنچ میں آئی تھیں۔

”تذاتی میڈیم ہے۔ آپ تائیں کیسے کہتے ہیں۔“

اس نے فوراً نانو سے رائے لینے کی کوشش کی تھی۔

”اچھے ہیں، بہت اچھے ہیں، مگر قیمت کیا ہے ان کی؟“

نانو نے فوراً تعریف کی تھی مگر ساتھ ہی سوال بھی داغ دیا تھا۔

مرنے نے انڈر پائش کی قیمت بتائی تھی۔

”تمہیں زیادہ بچنے دے دیئے ہیں ان لوگوں نے، ان کو پتہ چل گیا کہ تم بہت دیر کے بعد یہاں ہو رہے ہو۔ انہوں نے تم سے دوگنی قیمت وصول کی ہے۔“

نانو نے قدرے افسوس سے کہا تھا۔

”کیونکہ یہی بات ہے کہ گئی! ایسا ہیلا ہار نہیں ہوا۔ یہ یہاں کا کچر ہے۔ وہ کہتے ہیں Make hay

while the sun shines.“

اس نے بہت عجیب سے لہجہ میں کہا تھا۔ علیحدہ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا وہ اب بھی بول رہا تھا۔

”یہاں سب کچھ بہت خراب ہے، جو سو روپے کی کرنشیں کر سکتا ہے وہ سو روپے کی کرنشیں کرتا ہے اور جو دو

روپے کی کرنشیں کر سکتا ہے وہ دو روپے کی کرنشیں کرتا ہے، لیکن ان سب چیزوں سے آپ بہت کچھ بچتے ہیں۔ ایک

روپے کی چیز میں خرید کر کم از کم یہ پتہ چل جاتا ہے کہ دوسرا ایسے فائدہ کے لئے کسی حد تک جاسکتا ہے۔“

وہ مکملی بار اس طرح باتیں کر رہا تھا۔ ورنہ پہلے علیحدہ نے ہمیشہ اسے صرف ٹوٹی سرکوں اور ٹیک جام کے بارے میں بولتے سنا تھا۔

”تم جوائن کرو گے ماسٹر سرس، تو پھر تم جیتنے لانا، ان چیزوں میں جن پر تمہیں اعتراض ہے۔“

نانو نے اس سے کہا تھا۔

اور وہ کاغذ میں لپٹا ہوا ایک عدد بھڑاس کی طرف بڑھا دیتا۔

”علیحدہ! آج میں تمہارے لئے دنیا کی سب سے خاص چیز لے کر آیا ہوں، اور یہ چیز بہت ہی خاص لوگوں کو دی جاتی ہے۔“

انگی بار اس کے الفاظ کچھ اور ہوتے۔ علیحدہ ایک بار پھر دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتی۔ وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا اور Kit Kat کا ایک پیکٹ اسے نکالتا۔

”آج میں تمہیں دنیا کی سب سے خطرناک اور پراثر چیز دوں گا۔“

علیحدہ ایک بار پھر اندازے لگانے میں مصروف ہو جاتی وہ کہتی، تیس روپے کا ایک بال پوائنٹ اسے ایک مسکراہٹ کے سامنے پیش کر دیتا۔

”اس بار میں تمہیں ایک ایسا گنٹ دوں گا جو تمام عمر تمہارے ساتھ رہے گا، اور تم ساری عمر اس کو استعمال کرتی رہو گی۔“

علیحدہ پھر بوجھنے میں ناکام رہی، اور اس کے سامنے ایک کتاب پیش کر دی جاتی۔

اس بار میرا گنٹ سب سے unique (ذرا) ہے۔ یہ تمہیں فٹ اور سمارٹ رکھے گا، اور تم کو بھی، بھی ڈانٹک کر نہیں پڑے گی۔“

چونکہ ایک پیکٹ اس کے سامنے رکھ کر فرماتا۔

”بس تم ہر بار بھوکے گھٹے پر اسے منہ میں ڈال لیتا۔“

وہ صرے سے کہہ کر چلا جاتا۔ بعض دفعہ اسے ہنسی آ جاتی بعض دفعہ وہ الجھ جاتی۔ بعض دفعہ اسے غصہ آتا اور بعض دفعہ وہ صرے کے بارے میں سوچ میں پڑ جاتی۔

اس دن وہ مارکیٹ سے واپسی پر اپنے ساتھ کچھ پائش لے کر آیا تھا۔

”دیکھو علیحدہ! یہ پائش کیسے ہیں؟“

وہ ان پردوں کو علیحدہ کو دکھا رہا تھا۔ آج کل وہ ہر بات میں علیحدہ کی رائے لینا ضروری سمجھتا تھا۔

”میں تذاتی میڈیم کے پاس سے گزر رہا تھا وہاں سے انہیں لایا ہوں۔“

”اچھے ہیں!“

علیحدہ نے ایک نظر ان پائش کو دیکھا تھا اور پھر انہیں دیکھتے ہوئے، بڑے عام سے انداز میں تبصرہ کیا تھا۔

وہ کچھ ہانپیں ہو گیا تھا۔

”صرف اچھے ہیں!“

علیحدہ نے کچھ ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”تو پھر مجھے کیا کہنا چاہئے؟“

”اپنی رائے دو کہ اچھے ہیں تو کیوں اچھے ہیں، برے ہیں تو کیوں برے ہیں۔“

وہ یک دم نکلکھا کر بٹنے لگا۔

”آپ بھی بہت عجیب باتیں کرتی ہیں، مگر نی!

”آپ کا خیال کیا ہے کہ میں سول سروس پر سب ٹھیک کرنے کے لئے جوائن کر رہا ہوں۔ مجھے سوشل ورک کا کوئی شوق نہیں ہے، اور ویسے ہی ایک آدمی کوئی تبدیلی نہیں لاسکتا۔ میں بدلنا چاہوں بھی تو نہیں بدل سکتا۔ یہاں ہر چیز رotten (فسد) اور Rusted (پچھندی زدہ) ہے کہ جب تک آپ اگر آپ ایک چیز ٹھیک کریں گے تو پچھلے والی اس حالت میں آجاتی ہے۔ ویسے گھر لی! آپ نے کبھی اپنے بیڑوں کو کیوں نہیں کہا۔ آپ کے تو سامنے بے نیل سول سروس میں ہیں۔ میری جڑیں کے لئے ریٹارم کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ مگر مجھ سے پہلے کی جڑیں ہی کام آسانی سے کر سکتی تھیں۔ جب لوگ اسے مجھ سے ہوئے تھیں تھے، انہیں کنٹرول کرنا بہت آسان تھا۔“

وہ اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”جب تمہارے پاپا اور آنکھ نے سول سروس جوائن کی تھی تو میں نے انہیں بھی بہت سی نصیحتیں کی تھیں۔ صرف میں نے ہی نہیں بلکہ تمہارے دادا نے بھی۔ میں آج تک حیران ہوں کہ وہ چاروں، ان ساری نصیحتوں کو کیسے بھول گئے۔ مجھے نہیں پتہ ان چاروں کو زندگی میں کیا چاہئے تھا۔ میں نے انہیں دینا کی ہر چیز دی تھی ہمارے پاس وہ سب کچھ تھا جو ایک خوشحال زندگی گزارنے کے لئے کافی تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان چاروں کو ان چیزوں کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر میرا خیال غلط تھا۔ ان چاروں کو اپنی زندگی میں ہر چیز ایک کی تعداد میں نہیں بلکہ درجنوں کی تعداد میں چاہئے تھی۔ جب ذہن میں یہ سب کچھ ہو تو صحت الٹا اڑا کر کرتی ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ میں نے جتنا انہیں سمجھانے کی کوشش کی، وہ.....“

مگر نے ان کی بات سنتے سنتے بات کاٹی۔

”اس سے ایک بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ گھر لی! آپ کی باتوں میں انہیں شاید پھر شاید کے سمجھانے کا طریقہ غلط تھا۔ جب جو بھی ہو، بہر حال اب تو سب کچھ جیسا ہو رہا ہے ہونے دیں۔ چیزوں کو اب بدلنا ناممکن ہے اور ناممکن کام کرنے کے لئے جن لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے ویسے لوگ ہماری قوم میں نہیں ہیں۔ میں تو فائر سروس جوائن کرنے کے بعد ڈیڑی کی طرح پیش کرنا چاہتا ہوں، دیکھیں زندگی گزارنا چاہتا ہوں جیسی وہ گزار رہے ہیں۔ دیکھیں، بات کہاں سے کہاں چلی گئی، میں آپ سے پلاش کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“

اس نے بات کا سمرخوہ بدل دیا تھا۔ علیزہ بڑی بے زاری سے یہ ساری گفتگوں کر رہی تھی۔

”میں دران پلاش کو لگوں۔ گھر لی! آپ پلیس کی میرے ساتھ باہر لان میں۔“

اس نے دادو کو اڈا اڈا کیا تھا۔

”نہیں بھئی مجھے باہر نہیں جانا۔ کچھ کام کرتے ہیں مجھے، تم خود ہی مانی کے ساتھ جا کر یہ پلاش لگواؤ۔“

نانو نے اس سے کہا۔

”میں اس لئے آپ کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا کہ آپ لان میں جگہ سیٹ کر لیں، ان پلاش کے لئے

بعد میں آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو کہ میں نے غلط جگہ پر پلاش کیوں لگوا دی ہے۔

”نہیں! مانی اچھا ہے، وہ تمہیں بتا دے گا کہ یہ کہاں ٹھیک لگ رہے ہیں اور کہاں نہیں۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی تم جہاں بھی پلاش لگواؤ گے مجھے برا نہیں لگے گا کیونکہ وہ تمہارے لگوائے ہوئے پلاش ہوں گے۔“

عمر نے نانو کی بات پر مسکرا کر انہیں دیکھا تھا۔ علیزہ نے نانو کی آنکھوں کی چمک کو کچھ اور مگر ہوتے دیکھا اسے ان دونوں کی مسکرائشیں بری لگی تھیں۔

”چلو علیزہ! ہم دونوں پلاش لگواتے ہیں۔“

عمر نے کھڑے ہوتے ہوئے اسے آفر کی تھی۔

”میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے کہ مجھے گاڑی کے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر آپ مجھے ساتھ لے جا کر کیا کریں گے۔“

علیزہ نے سنجیدہ سے اسے کہا تھا۔

”تم آؤ تو، دلچسپی بھی پیدا ہو جائے گی۔ میں اسی لئے تو تمہیں ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔“

عمر نے بڑے شاش ریش لبھو میں اس سے کہا تھا۔

”نہیں میں نے آپ سے کہا۔۔۔“

علیزہ نے ایک بار پھر کچھ کی کوشش کی مگر کمر نانو نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

”آم ن علیزہ! جب وہ بار بار تم سے کہہ رہے تو اتنا غور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلی جاؤ اس کے ساتھ۔“

علیزہ نے نانو کے چہرے کو دیکھا تھا، وہاں ناگوار کی تاثرات نمایاں تھیں۔ وہ خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔

عمر لازم کو پودے اٹھانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ دیکھے دل کے ساتھ باہر لان میں آگئی تھی۔ کچھ دیر بعد عمر بھی لان میں نکل آیا تھا۔ وہ بے مقصد لان میں چکر لگاتے لگی تھی۔

عمر مانی کے ساتھ مل کر لان میں پودے لگوا رہا تھا کہ بگ بگ وہ علیزہ سے بھی رانے لے لی۔ وہوں ہاں میں جواب دے کر اس کے پاس سے ہٹ جاتی۔ وہ مانی سے پوچھ لگواتے ہوئے خامسے غور سے اس کے پکڑوں کو دیکھتا اور کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔

تقریباً ایک گھنٹے میں مانی نے سارے پودے لگا دیے تھے۔ عمر نے واپس اندر جانے کی بجائے اپنے کمرے میں رکھے ہوئے ان ڈور پلاش بھی باہر ہی لگوا دی تھے۔ علیزہ نے بے زاری سے لازم کو اڈا اور پلاش کو باہر لاتے دیکھا۔

”ان پلاش کی کٹنگ وغیرہ کر دیتے ہیں۔ پھر کل تک انہیں نہیں لان میں ہی رہنے دوں گا۔ تا کہ انہیں کچھ روشنی وغیرہ مل جائے۔ لہذا علیزہ! تم بھی ان پلاش کو prune کرنا (تراشنا) شروع کر دو کہ کام چلدی ہی فتم ہو جائے گا۔“

اس نے علیزہ کو پاس بلا کر اسے ایک قیمتی تھما دی تھی۔ وہ بے دلی سے پودوں کی کٹنگ کرتے لگی۔ عمر بڑی دلچسپی اور مہارت سے پودوں کی تراش فراش کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ ہر پودے کے بارے میں بھی اسے کچھ بتاتا

”اور خاص طور پر Verseace کی شرس“

علیہ وہ اس کے سوال سے زیادہ سکرانٹ سے گزربوئی تھی۔

”ایسے سوال کی کیا تک نفی ہے؟“

اس نے عمر جہانگیر کے چہرے سے نظر ہٹاتے ہوئے کچھ جھپٹ کر کہا تھا۔

”مجھے کیا پتہ کون سا کرا اچھا لگتا ہے؟“

وہ ہاتھ سے سامنے رکھتے ہوئے پائش کو سنوارنے لگی تھی۔

”اوہ..... میں نے سوچا، شاید یہ کچھ بہت سوٹ کر رہا ہے۔ اس لئے تم اتنی دیر سے اور اسے غور سے

میرا چہرہ دیکھ رہی ہو۔“

علیہ نے عمر کے چہرے کو دیکھا تھا، جس پر باپوی چھائی ہوئی تھی۔ اسے ان تاثرات کے اصل یا نقلی ہونے

کو شاکت کرنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ وہ ہر طریقہ انسان کے ساتھ پائش کے ساتھ معروف تھا۔

”مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں آپ کو ”خو“ سے دیکھوں۔ میں آپ کورف ”دیکھ“ رہی تھی۔“

اس نے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ وضاحت کی تھی۔

”اور کافی دیر سے بھی تو دیکھ رہی تھیں۔“ ”دیر سے اس لئے دیکھ رہی تھی کیونکہ آپ بات کر رہے تھے۔“

اس نے جیسے احتجاج کیا تھا۔

”اچھا سو رہی تھیں ایسے ہی غلط فہمی ہو گئی۔ اصل میں لیو (اسد) ہوں نا اس لئے مجھے ایسی غلط فہمیاں اکثر ہوتی ہی رہتی ہیں۔“

اس نے بڑے دوستانہ انداز میں معذرت کرتے ہوئے، وضاحت کی تھی۔ مگر اس بار علیہ نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ناگواری سے اپنے سامنے بڑے ہوئے پائش کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے فحشی افشا کر اسے ان کیوں نہ دیکھا وہ کدال کے ساتھ مٹی نرم کر رہا تھا۔

علیہ نے کھپکھپاتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اپنے سامنے بڑے ہوئے پورے کی ایک بڑی شار کاٹ دی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے ایک بار پھر عمر کی طرف دیکھا تھا، اور دھک سے رو گئی تھی۔ وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔ بہت غور سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پورے بالکل سے ٹاٹھا تھا۔ وہ اندازہ نہیں کر پائی۔ کہ وہ کس وقت اس کی طرف کب متوجہ ہوا تھا، اور کیا اس نے دیکھا یا تھا کہ وہ.....!

”سو رہی..... نہیں ہے کیسے کتنی، میں تو بڑی احتیاط سے انہیں کاٹ رہی تھی۔“

اس نے ہونٹوں پر دیاں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ اپنی بات کے جواب میں اس نے عمر جہانگیر کے چہرے پر ایک خوبصورت سکرانٹ ابھرتے دیکھی تھی۔

”کوئی بات نہیں، ایسا ہو جاتا ہے۔ تم دیکھنا، اب یہ بہت تیزی سے بڑھے گا اور پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو جائے گا۔ مجھ سے جب بھی کوئی پلانٹ اس طرح کٹتا ہے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھا ہو جاتا ہے۔“

رہا تھا۔ وہ کارڈینا کی کنگمہ کر رہی تھی کہ اس نے عمر کو کہتے ہوئے سنا۔

”یہ میرا سب سے ٹھوٹ پلانٹ ہے۔“

وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ اس پلانٹ کو دیکھ رہا تھا۔

”مجھے زندگی میں بہت زیادہ چیزوں میں دلچسپی نہیں ہے، مگر جن چیزوں میں ہے ان سے بہت دلچسپی ہے۔

یہ سارے پائش بھی ان ہی چیزوں میں شامل ہیں۔ پتہ ہے علیہ وہ پائش بعض دفعہ مجھے اپنے فریڈز کی طرح لگتے

ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے یہ میری آواز سننے میں، شاید جواب بھی دیتے ہیں، میں سمجھتا تھا جب مجھے ان دور

پائش لگانے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاید میں سات یا آٹھ سال کا تھا جب اپنے ہاتھوں سے ایک پلانٹ لگا یا تھا بعد

میں تو جیسے عادت سی ہو گئی۔ یہ سکرے میں ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ سکرے میں کوئی اور زندہ چیز موجود ہے، جو سانس

بھی لیتی ہے، اور شاید میرے وجود کو بھی محسوس کر لیتی ہے۔“

علیہ کو اس وقت یوں لگا جیسے اس کا دماغ خراب ہے۔ اس نے کچھ دیر جرائی سے اس کا پتھرہ دیکھا تھا۔

”تم سوچ رہی ہو میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

عمر نے اس کا ذہن پڑھ لیا تھا۔

وہ گزربوئی تھی۔

”تم اگر ایسا سوچ رہی ہو تو غلط نہیں سوچ رہی۔ ہو سکتا ہے۔ میرا دماغ واقعی خراب ہو گیا ہو مگر میں جس کلچر

جس سوسائٹی سے آیا ہوں، وہاں سب کے دماغ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب انسانوں سے آپ کی محبت ختم ہو جائے

تو پھر چیزوں سے محبت شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے باہر لوگوں کو، جانوروں سے محبت ہوتی ہے، پائش سے محبت

ہوتی ہے، بینکوں سے محبت ہوتی ہے۔ یوزیم، آرٹ گیلری اور تھیٹر سے محبت ہوتی ہے۔ میں بھی اسی ماحول میں پیدا

ہوا ہوں وہاں بڑا ہوا ہوں مجھے بھی انسانوں کے بجائے چیزوں سے زیادہ محبت ہے۔ غصے سے ٹھک میں سب سے رچے

بعض دفعہ مجھے لگتا ہے کہ میں بھی cold blooded، جانور بن گیا ہوں۔“

وہ بات کرتے کرتے اچانک قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا تھا۔

”ہے نامہ سے کی تھیوری؟ Cold blooded animal!“

اس نے علیہ سے پوچھا تھا، مگر علیہ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کی رائے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ خود ہی اپنے جملے کو انجوائے کر رہا تھا۔ سنجیدہ محنت کر کے کرتے وہ اچانک غافل کرنے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر غور سے اسے دیکھتی رہی، جیسے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو، اور عمر جہانگیر سے یہ بات نہیں سمجھ رہی تھی۔ وہ کچھ بولنے بولنے بات بدل گیا تھا، بڑی مہارت کے ساتھ اس نے سب کچھ کیونکر فلاح کر لیا تھا، اور یہ کام کرنے میں کوئی اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

”وائٹ کلچر پر بہت اچھا لگتا ہے، ہے نا علیہ؟“

اس نے یک دم سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی بے خوفی اور بے تکلفی سے پوچھا تھا۔

اس نے عجیب سی متعلق پیش کی تھی۔ وہ اس کی اس حرکت سے بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ دم سادے، ہونٹ پیچھے چند لمحوں تک دیکھتی رہی، وہ ایک بار پھر پلاسٹک کی طرف متوجہ ہو چکا تھا پھر ایک دم وہ اٹھ کر اندر بھاگتی چلی گئی تھی۔

عمر جہانگیر نے پرسکون انداز میں مراٹھا کر اسے بھاگتے ہوئے اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا، پھر اس نے اس پودے کی کٹی ہوئی شاخ کو اٹھا لیا تھا۔ لاؤنج میں داخل ہونے سے پہلے اس نے مڑ کر ایک بار پیچھے دیکھا تھا تو عمر پودے کی اس کٹی ہوئی شاخ کو اٹھا رہا تھا۔ وہ غیر ارادی طور سے دردناک میں رک گئی۔ وہ کچھ دیر تک اس شاخ پر ہاتھ پھیرتا رہا تھا۔ وہ دور سے اس کے تاثرات نہیں دیکھ پائی تھی۔ مگر دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اسے اس شاخ کو پودے کے پائ میں گاڑتے دیکھا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔



باب ۵

”علیوہ بی بی! یہ پودے اندر لے جاؤں؟“

ملازم نے ایک بار پھر اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا تھا۔ علیوہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تھا، سب کچھ عائب ہو گیا تھا۔ وہاں صرف وہی تھی اور سامنے پڑے ہوئے پودے۔

”علیوہ بی بی! یہ پودے اندر لے جاؤں؟“

ملازم ایک بار پھر اس سے بچھڑا تھا۔ علیوہ نے ایک مہر اسانس لیا۔

”ہاں! اندر لے جاؤ۔“

وہ اٹھ کر کمزری ہو گئی، اور ملازم پودے اٹھا کر اندر جانے لگا تھا۔ یک دم ہی اس کی ان پودوں میں دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

”مالی بابا! یہ کچھ پلاسٹک رو گئے ہیں، آپ انہیں دیکھ لیں۔“

کچھ دور لان میں کام کرتے ہوئے مالی کو اس نے آدلا دے کر بلایا تھا، اور خود اندر آ گئی تھی۔

”ہائو! وہ پرسوں کتنے بیج کی فلائٹ سے آئے گا۔“

اندرا آتے ہی وہ ایک خیال آنے پر چنک کر طرف لگی تھی۔ جہاں ناٹو خانساں کو کچھ ہدایات دینے میں مصروف تھیں۔

”پرسوں رات دو بجے کی فلائٹ سے آئے گا۔“

ناٹو نے اسے بتایا تھا۔

”دو بجے کی فلائٹ سے؟“

وہ کچھ مایوس ہو گئی تھی۔

”پھر تو ہم لوگ اسے ریسیو کرنے نہیں جا سکیں گے۔ ڈرائیور کو ہی بھیجتا پڑے گا۔“

اس نے ناٹو سے کہا تھا۔

”وہ تو کہہ رہا تھا کہ میں ڈرامیور کو بھی نہ سمجھوں، وہ خود ہی آجائے گا مگر میں نے زبردستی اس سے کہا کہ وہ ڈرامیور کے ساتھ آئے۔“

ناٹو خانساں کو ہدایت دینے کے دوران اس سے بھی گفتگو کرتی جا رہی تھیں۔

”ناٹو اگر تم دونوں اسے ریسیور کرنے چلی جائیں تو؟“

اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کچھ ملتایا نہ انداز میں ناٹو سے کہا تھا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رات کے دو بجے ہم دونوں اسے ریسیور کرنے چلی پڑیں۔ آج کل ایسے حالات نہیں ہیں علیزہ اس طرح کھر سے نکلا جائے۔ تمہیں اندازہ ہو جاتا ہے اس بات کا۔“

”اچھا ناٹو! تو پھر آپ مجھے ڈرامیور کے ساتھ بھیج دیں۔“

”تمہارا داماغ تو ٹھیک ہے علیزہ! میں اس سے بھی بڑی محنت کروں کہ جواں چہلن لڑکی کو اس طرح اکیلے رات ڈرامیور کے ساتھ دو بجے ایئر پورٹ بھیج دوں۔“

”ناٹو! کچھ نہیں ہوتا، پلیز!“

”مجھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جہیں بالکل بھی گیا نہیں بھیج سکتی، اور جہیں آخر اتنی بے چینی کیوں ہو رہی ہے۔ اسے آخر نہیں آتا ہے۔ خالی ریسیور کرنے سے کیا ہوگا۔“

ناٹو نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

”ناٹو! رکھیں، اسے برا نہیں لگے گا کہ وہ اسے سالوں کے بعد رہا ہے اور کوئی اسے ریسیور کرنے تک نہیں آیا۔“

علیزہ نے کچھ سنبھل کر کہا تھا۔

”نہیں، اسے برا نہیں لگے گا کہ وہ کوئی اچھی نہیں ہے، جانتا ہے ہم دونوں یہاں اکیلے ہیں، اور اس طرح رات کو اسے ریسیور کرنے کے لئے آنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ تمہیں میں نے بتایا ہے کہ وہ تو ڈرامیور بھیجے سے بھی منع کر رہا تھا یہ تو میں نے ہی ضد کی۔“

”ناٹو! پلیز.....!“

”علیزہ! انجمن کی طرح خدمت کیا کرو۔ کسی کہہ دیا نہ کہ اسے ڈرامیور سے ریسیور کرنے جائے گا۔“

ناٹو نے فحاشی لہجے میں کہتے ہوئے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی کہ وہ کچھ بددل ہو کر نکلنے سے باہر آ گئی تھی۔

شام ہو رہی تھی اسے کمرے میں آکر اس نے لائسنس آن کر دی تھیں۔ کچھ دیر تک کمرے کے چھ مچل کھڑی

سوچتی رہی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے لال لگ رہا تھا جیسے وہ ہر کام نہ چاہی ہو۔ جیسے کرنے کے لئے کچھ اور رہا

ہی نہ ہو۔ کچھ سوچ کر وہ اپنی کچھ کٹال کر بیٹ پر آ گئی تھی۔ فارغ وقت وہ اسی طرح گزارا کرتی تھی۔ پہلے سے بنے

ہوئے کیکڑ کوئٹل کے ساتھ مزید کچھ میڈر دیتی رہی، پھر خالی صفوں کٹال کر ایک چائے کھا چکا ہوتا تھی۔ اس کچھنگ کرتے کرتے

اسے بھی نہ چٹا کس وقت وہ چہرہ اسے سنا سکتے تھے۔ اس نے ہاتھ روک لیا اور چہرے کو چھپانے کی کوشش کرنے

لگی۔ اسے بہت دیر نہیں لگی۔ وہ اس چہرے کو چھپان چکی تھی۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ روانی سے کچھ بک پ چلے گا۔



باب ۶

“These are simply fantastici”

اس دن وہ لاؤنچ میں بیٹھی اپنی کچھ بک میں کڑی کا کچھ بنا رہی تھی۔ بہت دیر تک اس کام میں مصروف رہنے کے بعد وہ اسکاٹ گئی تھی۔ کچھ بک کو صوف پر رکھنے کے بعد وہ کچھ دیر تک کڑی کو سہلاتی رہی پھر اسے ہاتھ میں لے کر کھانے کی کوئی چیز لینے بہن میں چلی گئی۔ وہاں اسے دس پندرہ منٹ لگ گئے جب وہ دوبارہ لاؤنچ میں داخل ہوئی تو نہ صرف عمر وہاں موجود تھا بلکہ وہ صوف پر دروازہ کھل پر اپنی ناٹیں رکھے، ایک ہاتھ میں چائے کا گلاسے دوسرے ہاتھ سے اس کی کچھ بک دیکھنے میں مصروف تھا۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا تھا علیزہ کو دیکھ کر سسکا رہا تھا اور اس کے ایک پیچ پر تبصرہ کیا تھا۔ علیزہ کو اس کا اس طرح غیر اجازت اپنی کچھ بک دیکھنا اچھا نہ لگا تھا، مگر وہ خاموش رہی تھی۔

پائیس والے واقعہ کے بعد وہ آج پہلی بار اس سے بات کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ دوسرے صوف پر بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی تھی۔

”علیزہ! پیشینگر میں دلچسپی ہے؟“

اس نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ علیزہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر دوڑائی۔

”اگر ایک پیچ بتا لیتی ہو تو ظاہر ہے کہ پیشنگ میں دلچسپی ہوگی۔“

وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی اور وہ غور سے اسی کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگا۔

”کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟“

”اے۔۔۔ لیو!“

جواب اتنی ہی مختصر تھا۔

”کہاں تک پڑھنے کا ارادہ ہے؟“

”پڑھ نہیں!“

”کیوں؟“

”وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔“

”تم نائن آئرس میں کچھ کرنا۔“

”کیا؟“

”کچھ بھی مگر آرٹ سے متعلق ہو۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ تم بہت اچھی آرٹسٹ بن سکتی ہو۔“

”آپ مجھے مشورہ دے رہے ہیں۔ خود آرٹسٹ کیوں نہیں بنے؟“

”کلواؤڈ جواب آیا تھا۔ مگر جھانکیر نے اکتیا پر مسکرایا۔ علیرہ کا چہرہ سیاہ تھا۔ وہ چند لمحوں سے دیکھا رہا۔“

”آرٹسٹ بننے نہیں ہیں، بنے بنائے ہوتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر بن سکتے ہیں انجینئر بن سکتے ہیں مگر آرٹسٹ

نہایت مشکل ہوتا ہے۔ تم سے اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ تم میں ٹیلنٹ ہے۔ تم کچھ کر سکتی ہو اس کیلئے میں۔“

اس سے بات کرتے ہوئے عمر نے اکتیج کو بک بک کر کے علیرہ کی طرف بڑھا دی۔“

”مجھے آرٹسٹ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، چاہے وہ کیسا بھی آرٹسٹ کیوں نہ ہو، نہ ہی میں آرٹسٹ میں کچھ کرنا

چاہتی ہوں۔ مجھے تنقید میں دلچسپی ہے، اور میں وہی پڑھوں گی۔“

اس نے اکتیج کو بکڑتے ہوئے دو ٹوک انداز میں عمر سے کہا تھا۔

”ٹھیک ہے تم تنقید ہی پڑھ لیتا، لیکن میرا ایک اکتیج تو بنا سکتی ہو، کیوں علیرہ! میرا اکتیج بناؤ گی!“

”میں صرف ان ہی لوگوں کے اکتیج بناتی ہوں جن کے چہرے مجھے اچھے لگتے ہیں۔“

وہ ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”اس کا مطلب ہے۔ میرا چہرہ تمہیں اچھا نہیں لگا؟“

عمر نے اس سے پوچھا لیکن وہ خاموشی سے ٹی وی دیکھتی رہی۔

”میرا خیال تھا کہ میرا چہرہ اچھا خاصا ہے دیئے علیرہ میرے چہرے میں کیا defect ہے، تم یہ بتا دو۔“

عمر جیسے اس کے ساتھ گفتگو کو انجھانے کر رہا تھا۔

”مجھے کیا پتہ، بس مجھے آپ کا چہرہ اکتیج کے لئے پسند نہیں ہے۔“

”اور کرنی کا چہرہ پسند ہے؟“

علیرہ نے کچھ ناراضگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ چاہے گامگ نہیں پر رکھ کر اٹھ رہا تھا۔

”مجھے کوئی بھی چہرہ کرنی سے زیادہ اچھا نہیں لگتا، آپ اس طرح کرنی کی بات مت کریں۔“

اس نے کچھ بگڑ کر اس سے کہا تھا۔ ”سوری!“

علیرہ نے اس کی معذرت پر کوئی دھیان دینے بغیر دوبارہ اپنی توجہ ٹی وی کی طرف مبذول کر لی تھی۔ وہ کچھ

دیر وہاں لاؤنج میں کھڑا رہا، اور پھر وہاں سے باہر نکل گیا۔

باب ۷

علیرہ نے اکتیج مکمل کر لیا تھا۔ مگر جھانکیر کے اکتیج کو اکتیج بک سے نکالنے کے بعد وہ ایک بار پھر اٹھ کر اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔ لائٹ آن کرنے کے بعد وہ سٹڈی ٹیبل کی طرف گئی اور وہاں اکتیج رکھنے کے بعد اس نے پھر دہشت اس کے اوپر دکھایا۔ وہ جانتی تھی عمر جھانکیر کے لئے یہ ایک خوشگوار سربراہ ہو گا۔

یہ پہلا اکتیج نہیں تھا جو اس نے عمر جھانکیر کے لئے تیار کیا تھا۔ پچھلے کئی سالوں میں ایسے کئی اکتیج اس نے تیار کئے تھے۔ اس کا چہرہ ان چند چہروں میں سے تھا جو کسی بھی لمحہ ان کے ذہن سے غائب نہیں ہوتے تھے۔ بعض دفعہ جب وہ عمر کا لائی بہت اچھا اکتیج بناتی تو اسے پوسٹ کر دیتی۔ جواب میں بعض دفعہ وہ عمر کے طور پر کارڈ بھیج دیتا یا پھر فون کر لیتا۔ علیرہ کے لئے اتنا ہی کافی ہوتا تھا۔ اگر وہ یہ دونوں کام نہ بھی کرتا تو بھی شاید اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی اکتیج کو دیکھتی رہی پھر اس نے جبکہ کہ اکتیج کے نیچے ایک کونے میں کچھ لکھ دیا تھا۔ سیدھی ہو کر وہ مسکرائی تھی اور اس نے چین کو دوبارہ ہالٹرز میں رکھ دیا تھا۔



ناٹور اور ناٹا کے بھی ذیل اسٹینڈرڈز ہیں، مجھے وہ کسی اور طرح سے فریٹ کرتے ہیں۔ عموماً کوئی اور طرح سے۔ مجھے وہ کچھ اور طرح کا دیکھنا چاہتے ہیں اور عموماً کوئی اور طرح کا، اور پھر بھی ناٹو کہتی ہیں کہ ان کے لئے سب ایک جیسے ہیں۔ وہ سب سے ایک جتنا پیار کرتی ہیں۔ حالانکہ ایسا تو نہیں ہے۔ اب کیا عمر سے وہ میرے جتنا ہی پیار کرتی ہیں..... بالکل بھی نہیں..... میں ان کے پاس اسنے سالوں سے رہ رہی ہوں اور عمر..... عموماً کو آئے ہوئے تو چند ہفتے ہوئے ہیں اور..... اور ناٹو نے کتنی آسانی سے اسے میری جگہ دے دی..... حالانکہ عموماً کو تو اس جگہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اسے ناٹا ناٹو کی محبت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ اس کے پاس تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔“

علیہ کو ناٹو سے شکایت ہونے لگی تھی اور ناٹو سے بہت سی شکایتیں ہوتی رہتی تھیں، اور وہ کبھی بھی ان کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ صرف اس کے دل میں ایک اور گرہ کا اضافہ ہو جاتا تھا۔

اس دن دوپہر سے کچھ پہلے وہ کڑی کو کھلا رہی تھی جب ناٹو نے ملازم کے ذریعے اسے لاؤنج میں بلوایا تھا۔

”علیہ تمہارے پاپا کا فون ہے، وہ تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“

اسے دیکھتے ہی ناٹو نے فون پر بات کر رہی تھیں، ریسپونڈر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

وہ بے اختیار خوش ہوئی تھی۔

”پاپا کا فون ہے؟“

اس نے کچھ بے یقینی سے کہا۔

عام طور پر وہ دو یا تین ماہ بعد ایک بار اسے کال کرتے تھے، اور وہ بھی رات کے وقت، مگر اس بار ڈیڑھ ماہ کے بعد ہی دوسری کال کر لی تھی۔

”ہیلو علیہ! کیسی ہو تم؟“

فون پر اس کی آواز سننے ہی پاپا نے کہا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں پاپا! آپ کیسے ہیں؟“

اس نے جواباً پوچھا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں تم آسٹریلیا گئی ہوئی تھیں؟“

انہوں نے پوچھا تھا۔

”ہاں پاپا! ایک ماہ وہ کر آئی ہوں می نے لگایا تھا۔“

اس نے کہا تھا۔

”سب لوگ ٹھیک ہیں وہاں؟“

”ہاں! سب ٹھیک ہیں۔“

”انجوائے کیا وہاں؟“

باب ۸

عمر اچانک بہت ریزہ رہ گیا تھا۔ باقی سب کی طرح یہ تبدیلی علیہ نے بھی نوٹ کی تھی۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتا اور جب کھانے کے لئے باہر آتا بھی تو خاموشی رہتا۔ ناٹور ناٹا کے ساتھ پہلے کی طرح فلی مذاق نہیں کرتا تھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو پہلے کی طرح ہی ہوں۔ بس ذرا پیچڑی ہے جسے زیادہ معروف ہو گیا ہوں۔“ اس دن رات کے کھانے پر ناٹو نے اس سے کہہ ہی دیا، اور جواب میں اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ وضاحت کر دی۔

”خاموشی تم پر سوٹ نہیں کرتی عمو!“

ناٹا نے دوش ڈھال لیتے ہوئے لنگھو میں حصہ لیا تھا۔

”اچھا تو پھر کیا سوٹ کرتا ہے؟“

عمر نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا تھا۔

”تم دیکھو ہی اچھے کتے ہو، جیسے پہلے تھے، بگڑا کر رہ گئے ہوئے، جیتے لگتے ہوئے، شور مچاتے ہوئے۔“ ناٹو نے کہا تھا۔

”رہنے دیں گئی! میں اب چوبیس سال کا ہوں، آپ میری جو باتیں بیان کر رہی ہیں اس سے تو میں چھ سال کا بچہ لگتا ہوں۔“

عمر نے ایک شرمندہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا، وہ اب سلا دکھا رہا تھا۔

”ہم لوگوں کے لئے تم کبھی بھی بچپن سال کے نہیں ہو گے، ہمیشہ چھ سال کے ہی رہو گے، اور ہم لوگ

چاہیں گے کہ تم بھی خود کو چھ سال کا ہی سمجھو۔“

علیہ نے بڑی تنبیہ کی سے نظریں اٹھا کر ناٹو دیکھا، وہ اپنے ساتھ کسی پریشانی سے عمو کا گال چوسے ہوئے اس سے کہہ رہی تھیں۔ عمر نے ناٹو کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا صرف خاموشی سے سلا دکھا رہا تھا۔

”میں بھی تمہیں بہت مس کرتا ہوں طیرہ!“

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

”پھر تم جاری ہو؟“

فون کارڈیور کاٹوں سے جاتے ہی ہانوں نے اس سے سوالی کر دیا۔

”ہاں ہاؤ!“

”میں تمہاری سیٹ بک کر دیتی ہوں۔ کتنے دن رہو گی وہاں؟“ ہانوں نے اس سے پوچھا تھا۔

”کم از کم ایک ہفتہ اور زیادہ سے زیادہ کا کوئی پتہ نہیں۔“

اس نے سسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”لیکن ایک ہفتہ کے بعد تمہارا کالج بھی تو مکمل رہا ہے۔“

ہانوں نے جیسے اسے یاد دلایا تھا۔

”ہاں! اچھے پتہ ہے لیکن ہاؤ! کچھ نہیں ہوتا، اگر میں کالج سے کچھ چھٹیاں بھی لے لوں۔ آپ کو تو پتہ ہے

کہ میں کتنی دیر کے بعد پاپا سے مل رہی ہوں۔“

”لیکن تمہاری سٹڈیز کا حرج ہو گا۔“

”کچھ نہیں ہو گا ہاؤ! میں وہاں آنے کے بعد سب کچھ کو کر لوں گی۔ آپ جانتی ہیں مجھے یہ کرنے میں

کوئی پرابلم نہیں ہو گا۔“

اس نے اصرار کیا تھا۔

”ٹھیک ہے تم شہلا کوٹون پر کالج میں Application دینے کے لئے کہہ دیتا۔“

ہانوں نے ہدایت دیتی ہوئی اندھنری ہوئی تھیں۔

اس رات وہ بے سوا خوابوں میں تھی اور یہ خوشی کسی سے بھی چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ حتیٰ کہ عمر سے بھی رات کے

کھانے پر ہانوں نے تانا کراس کے کراچی جانے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ عمر نے اس وقت فور سے اس کا چہرہ دیکھا

تھا۔ وہ آج پہلی بار کھانے کی ٹیبل پر سسک رہی تھی۔ تانا کچھ دیر اس سے اس کے پاپا کا حال احوال پوچھ رہے۔ وہ

بڑے جوش و خروش سے پروگرام کے بارے میں باتیں رہی۔ رات کو وہ اپنا سامان پیک کر رہی تھی جب ہانوں اس کے

کمرے میں آئی تھیں۔

”کل صبح تو بیچے کی ملاقات ہے، تم سات بجے تک تیار ہو جانا۔ میں تم کو کہہ رہا ہے وہ تمہیں ایئر پورٹ

ڈراپ کر دے گا۔“

انہوں نے اسے اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا۔

”عمر ڈراپ کرے گا مگر عمر کیوں ہاؤ؟ ڈرائیو کو کہیں نا!“

وہ کچھ پشیمانی تھی۔

”ہاں! بس تھوڑا بہت۔“

”کتنی چھٹیاں رو گی ہیں باقی؟“

انہوں نے پوچھا۔

”بیس ایک ہفتہ۔“

”اچھا بھرا لیا کر ایک ہفتہ کے لئے میرے پاس آ جاؤ۔“

”آپ کے پاس، مسقط؟“

وہ حیران ہوئی تھی۔

”نہیں، مسقط نہیں، کراچی میں آیا ہوا ہوں۔“

”پاکستان آئے ہوئے ہیں، کب آئے ہیں؟“

وہ بے اختیار خوش ہوئی تھی۔

”کافی دن ہو گئے ہیں، میرا دل چاہ رہا ہے تمہیں دیکھنے کو۔“

”میرا دل بھی آپ کو دیکھنے کو چاہ رہا ہے۔“

”تو بس ٹھیک ہے۔ تم کل کراچی آ جاؤ۔“

انہوں نے حتیٰ انداز میں کہا تھا۔

”آپ نے ہاؤ سے بات کر لی؟“

اس نے حاشیہ مہرے سے پہلے اس سے پوچھا تھا۔

”ہاں! میں نے انہیں بتا دیا ہے۔ ایئر پورٹ سے فون کر دیتا۔ میں ڈرائیو بھیج دوں گا۔ مگر کابھی نہیں پاپا!“

”میں پاپا۔“

”اور سو پائل کا؟“

”وہ بھی ہے!“

”بیس ٹھیک ہے۔ اب تم سے کراچی میں ملاقات ہو گی۔ خدا حافظ۔“

انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

”پاپا!“

اس نے بڑی تیزی سے کہا تھا وہ فون بند کرتے کرتے رک گئے۔

”کیا بات ہے طیرہ!“

انہوں نے پوچھا تھا وہ چند لمحوں خاموش رہی۔

”پاپا! میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔“

اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔

”ذرا تیر آج نہیں آیا، مجھے نہیں پتہ کل بھی آتا ہے یا نہیں، ویسے بھی ذرا تیر رساڑھے آٹھ بجے آتا ہے اور جہیں آٹھ بجے تک انیئر پورٹ پر پہنچ جانا چاہئے آج ذرا تیر آ جاتا تو میں اسے کل جلدی آنے کا کہہ دیتی۔“

”آپ ہمارے کہو دیں، مجھے ذرا پتہ کرنے کے لئے؟“

اس نے بھر اسرار کیا تھا۔

”تمہارے ہانا کو میں اتنی صبح کہاں اٹھاؤں، جہیں عمر کے ساتھ جانے میں کیا پراہلم ہے؟“

”نہیں، بس ویسے ہی؟“

”کچھ نیچے کی ضرورت نہیں، بس وہی جہیں صبح چھوڑنے جائے گا۔“

نانو نے حتمی طور پر کہا تھا۔

علیہ نے ہونٹ پیچھے لے لئے تھے۔

”وہ تو صبح اٹھتے ہی نہیں، تو پھر کل.....“

نانو نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

”یہ تمہارا نہیں میرا پراہلم ہے، کل وہ آٹھ بجائے گا اور نہیں بھی اٹھا تو میں اسے اٹھا دوں گی۔“

نانو کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

اگلی صبح وہ بہت ایکساٹیو تھی۔ اپنا ایک لے کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں عمر نہیں تھا۔

”تم بیچہ کرنا بیچ کرلو۔“

نانو نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

”نہیں نانا! مجھے کچھ بھی نہیں کھانا، بس آپ ملازم سے کہیں، میرا ایک گاڑی میں رکھ دے۔“

اس نے بیک فرش پر بیٹھ کر کہتے ہوئے کہا تھا۔

”کچھ کھائے پیئے بغیر عمر سے لگنا ٹھیک نہیں ہے، ناشتہ کرلو۔“

”نانو! مجھے بھوک نہیں ہے۔“

”بھوک ہے یا نہیں، جہیں کچھ نہ کچھ ضرور کھانا ہے۔“

”میں ملین میں کھاؤں گی۔“

”ملین میں پتہ نہیں کیا ملے اور کیا نہیں، بس تم یہیں کھاؤ۔“

نانو کی برادر قرار تھی۔

”بلیئر نانا! میرا دل نہیں چاہ رہا بلیو۔ میرا دل واقعی نہیں چاہ رہا۔“

وہ منمنائی تھی۔

”چلو یہ جڑ ہی ملی تو۔“

علیہ نے کچھ سوچ کر جوں کا کھاس اٹھا لیا تھا۔

نانو نے ملازم کو آواز دے کر بیک گاڑی میں رکھنے کے لئے کہا تھا۔

”آپ دیکھ لیں کہ عمر ابھی تک نہیں آیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا۔“

اس نے جوں کا کھاس خالی کر دی کہا۔

”وہ ابھی تک سو رہا ہوگا۔ آپ نے خواہ مخواہ ہی اسے مجھے چھوڑنے کے لئے کہا۔“

علیہ نے کھڑکی دیکھی۔

”میں پتہ کرواتا ہوں، سو بھی رہا ہوگا تو ملازم اٹھا دے گا۔ یہ کون سا اتنا بڑا پراہلم ہے۔“

نانو نے اطمینان سے کہا تھا۔ ملازم کو آواز دے کر انہوں نے اسے عمر کے کمرے میں بھیجا تھا۔ ملازم چند

منٹوں میں ہی واپس آ گیا تھا۔ عمر اس کے پیچھے تھا۔ اس کے پیچھے سے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی سو کر اٹھا ہے، وہ

ناٹ سوٹ اور سلپرز میں ہی بیٹھ تھا۔ نانو نے مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا۔

”جہیں یاد نہیں رہا کہ جہیں آج علیہ کو انیئر پورٹ چھوڑنے جانا ہے؟“

نانو نے اس سے پوچھا۔

”مجھے جگانے کے لئے، ملازم کو بھیجا پڑا۔“

”نہیں ملازم کے جانے سے پہلے ہی اٹھا ہوا تھا۔ مجھے یاد تھا۔ میں اللام لگا کر سویا تھا۔“

”علیہ نے سات بجے تیار ہو کر بیچے آتا تھا۔ میں نے سوچا، چندر منٹ میں وہ بریک فاسٹ کرے گی۔

میں سات بج کر دس منٹ کا اللام لگا کر سویا اور باؤنج منٹ میں یہاں ہوں۔“

اس نے اٹھیں سے بانوں میں کھنکھی کرتے ہوئے بتایا۔ اس کی ہر چیز ہمیشہ کی طرح تھی۔ نانا اس کی بات

کے اختتام پر کچھ غریب انداز میں علیہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ وہ کچھ کہے بغیر نظریں چمائی۔

”چلیں علیہ!۔“

عمر نے اس بار علیہ سے پوچھا۔ وہ خاموشی سے کھڑکی ہو گئی۔

”آؤ، میں جہیں باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔“

نانو نے علیہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

عمران کے آگے چلنا ہوا باہر نکل آ گیا۔ وہ گاڑی ٹارٹ کر رہا تھا جب نانو نے اسے گلے لگا کر خدا حافظ کہا تھا۔

”وہاں جاتے ہی مجھے رنگ کر لینا۔ مجھے تسلی ہو جائے گی۔“

انہوں نے علیہ سے کہا تھا۔

”اور کوشش کرنا کہ جلدی آجائے۔“

علیہ نے مسکرا کر سر ہلا دیا تھا۔

عمر نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔ علیہ نے ایک بار پھر نانو کی طرف ہاتھ ہلایا، اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ نانو

دوپن پورچ میں کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی تھیں۔

”بہت خوش ہو علیزوہ!“

گاڑی سڑک پر لاتے ہی عمر نے اس سے پوچھا تھا۔

”ہاں!“

اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔

”تمہارے پاپا بھی بہت خوش ہوں گے؟“

”ظاہر ہے، وہ تو مجھ سے بھی زیادہ خوش ہوں گے!“

اس نے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

”دہاں! اتیر پورٹ پر کون ریسیو کرے گا تمہیں؟“

عمر نے سر دھٹک کر تے ہوئے پوچھا۔

”ظاہر ہے کہ، پاپا ہی ریسیو کریں گے۔“

اس نے بے اختیار جھوٹ بولا تھا۔

”تمہارے پاپا کافی سال کے بعد آئے ہیں پاکستان؟“

اس نے پوچھا تھا۔

”ہاں! تین سال کے بعد۔“

”تم تین سال کے بعد مل رہی ہو؟“

”چار سال بعد!“

”ہر سال کیوں نہیں آتیں؟“

”ہیں! دیسے ہی، پاپا تو مجھے مہلہ بلاتے رہے ہیں مگر میرا دل نہیں چاہتا وہاں جانے کو۔ میں جی کے پاس چلی جاتی ہوں، اس لئے کہ منتظر میں بہت گری ہوتی ہے۔ میں سوچتی ہوں شاید مجھے وہاں کا موسم سوت نہ کرے۔ مجھے اصل میں آسٹریلیا میں زیادہ مزہ آتا ہے۔“

وہ کیے بعد دگرے وضاحتیں کرتی جا رہی تھی۔ عمر جھانکنے گردن موڑ کر چند لمے اسے دیکھا تھا۔

”ہاں! واقعی آسٹریلیا میں رہنے میں زیادہ مزہ آتا ہے، میں بھی چند سال پہلے وہاں گیا تھا۔“

اس نے جیسے اس کے جھوٹ میں اس کی مدد کی۔

علیزوہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا، وہ ایک بار پھر دیکھ سکرین کی طرف متوجہ تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر اور پرسکون تھا۔ وہ کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔

”ہاں، آسٹریلیا میں زیادہ مزہ آتا ہے، اس لئے میں وہاں جاتی ہوں۔“

اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ رستے میں ایک غلاور شاپ پر اس نے گاڑی روک دی۔ کچھ کبے بغیر وہ گاڑی سے اتر گیا تھا۔ چند منٹ بعد جب اس کی واپس ہوئی تو اس کے ہاتھ میں سفید لٹلیس کا کبے تھا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے علیزوہ کی گود میں رکھ دیا۔ وہ حیران ہو گئی۔

”یہ تمہارے لئے ہے۔“

اس نے ایک سکرابٹ کے ساتھ کہا تھا۔

”مگر کس لئے؟“

”پھول دینے کے لئے کسی وجہ کی ضرورت تو نہیں ہوتی ہے۔ بغیر کسی وجہ کے بھی تو دیے جاسکتے ہیں، اور میں تو دیے بھی جنہیں بہت سے گفت دیتا رہتا ہوں۔ تم انہیں بھی گفت سمجھو۔“

اس نے گاڑی ٹائٹ کرتے ہوئے کہا تھا، وہ کچھ دیر اس کا چہرہ ہی دیکھتی رہی۔

”ٹھیک ہے!“

کچھ دیر کے بعد اس نے کہا تھا۔

”وکرنگ!“

اس نے اسی پرسکون انداز میں کہا تھا۔

اتیر پورٹ پر گاڑی پارک کرنے کے بعد اس نے علیزوہ کا بیگ اٹھا لیا تھا۔ علیزوہ نے اس سے بیگ لینا چاہا۔

”اٹھیں! آل رائف علیزوہ! میں جنہیں اندر چھوڑ آتا ہوں۔“

اس نے بیگ نہیں دیا تھا۔ علیزوہ نے دوبارہ اصرار نہیں کیا تھا۔

”تم رابلیں کب آؤ گی؟“

اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”تقریباً ایک ہفتے کے بعد یا شاید کچھ دن زیادہ لگ جائیں۔“

اس نے اسے بتایا تھا۔

”واپسی پر جنہیں ایک اور خوشخبری ملے گی۔“

اس نے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ علیزوہ نے چمک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ٹائٹل اینڈز میں مسکرایا تھا۔

”کیسی خوشخبری؟“

”یہ تو جنہیں واپسی پر ہی پتہ چلے گی!“

”مگر پھر آپ تائیں تو کسی؟“

اس نے اصرار کیا تھا۔

”ہیں! یہ تو جنہیں واپس آنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔“

وہ فیس سے مس نہیں ہوا تھا۔ علیزوہ نے اس کی طرف دیکھ کر کندھے اچکا دیے۔

بیگ اسے چھوٹے ہوئے اس نے علیزوہ کو خدا حافظ کہا تھا۔ وہ اندر جانے کے لئے موڑ گئی تھی۔

”علیزوہ!“

اسے لپٹے پیچھے اس کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔

”I will miss you!“

اپنی مخصوص سکرابٹ کے ساتھ اس نے انگلیں میں کہا تھا۔ وہ کچھ جھرتی سے اسے دیکھتی ہوئی واپس موڑ گئی۔

”البتہ کل کے لئے میں کافی ڈشز بخوار ہی ہوں، تم دیکھ لیتا بلکہ خود بھی خانساں سے کہہ دینا، اگر کوئی خاص چیز وہ بھول جائے تو۔“

وہ اب دوبارہ ملازم کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

”میں دیکھ لوں گی، آپ گھر نہ کریں۔“

وہ مکن سے باہر آگئی تھی، لاڈلج کی گھڑی تین بج رہی تھی۔

”اور وہ رات کے تین بجے گھر پہنچے گا۔ اسی پرے بارہ گھنٹے باقی ہیں اور مجھے ان بارہ گھنٹوں میں کیا کرنا چاہئے؟“

اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی۔

اپنے کمرے میں جا کر رات کو بیٹنے کے لئے کپڑے دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ پھر ایک لباس اس نے منتخب کر لیا تھا، ایک خیال آنے پر وہ وہیں مکن میں آگئی تھی۔

”ناؤ! عمر ڈرائیور کو پھانے گا کیسے؟ یہ ڈرائیور تو گیا ہے اور ڈرائیور بھی عمر کو نہیں پہچانتا!“

”میں نے ڈرائیور کو عمر کی تصویر دکھا دی تھی۔ جزیرہ امتیاد کے طور پر میں نے اسے کارڈ پر عمر کا نام لکھ دیا ہے۔ عمر کارڈ اس کے پاس دیکھ کر خود ہی آ جائے گا۔“

”ہاں! ایک ٹیک ہے۔“

وہ مطمئن ہو کر وہاں اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

رات کا کھانا اس نے ناؤ کے ساتھ آٹھ بجے کھالیا۔ پہلی بار کاک کو بار بار دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وقت کو پر نہیں لگتے بلکہ بعض دفعہ وقت بالکل گم بھی جاتا ہے۔ اس کی تیز رفتاری ہی صبر آزمائیں ہوتی۔ بعض دفعہ اس کی سست رفتاری بھی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

”ناؤ، آپ ڈرائیور کو کتنے بجے بھیجیں گی؟“

کھانے سے فارغ ہو کر طیز رو نے پوچھا تھا۔

”ایک بجے۔“

”آپ عمر کا انتظار کریں گی؟“

”ظاہر ہے، مجھے تو ویسے بھی رات کو نیند نہیں آتی مگر تم جاہو تو جا کر سو جاؤ۔“

”نہیں ناؤ! میں بھی انتظار کروں گی۔“

”تمہیں صبح یونیورسٹی جانا ہے۔“

ناؤ نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں! مجھے پتہ ہے لیکن کچھ نہیں ہوگا۔“

اس نے ان کی یاد دہانی کو کسی ان سی کرتے ہوئے کہا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ ناؤ کے ساتھ لاڈلج میں بیٹھ گئی۔ ٹی وی پر پروگرام دیکھتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ

باب 9

اچھے دن یونیورسٹی میں اس کا دل نہیں لگتا۔ مگر وہاں آتے ہی وہ سیدھا کچن میں لگی۔

”ناؤ رات کے لئے کیا پکوا رہی ہیں؟“

”کوئی خاص چیز کھانے کو دل چاہ رہا ہے؟“

ناؤ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

”نہیں! میں اپنے لئے نہیں عمر کے لئے پتھر چری ہوں۔ اس کے لئے کیا بخوار ہی ہیں۔“

ناؤ کوئی پریشانی ملازم سے فریاد صاف کر داری تھیں۔ انہوں نے کچھ جبرانی سے دیکھا تھا۔

”عمر کے لئے تو کچھ بھی نہیں بخوار ہے۔“

”کیوں ناؤ؟“

وہ کچھ حیران رہ گئی۔

”آپ کو یاد ہے تاکہ وہ رات کو آ رہا ہے؟“

”ہاں، مجھے یاد ہے، وہ دو بجے کی فلائیٹ سے یہاں آئے گا۔ پہنچتے پہنچتے اسے تین بج چائیں گے ظاہر ہے کہ اس وقت وہ کھانا نہیں کھائے گا سیدھا حواسوٹے کے لئے چلا جائے گا۔“

”بھروسے کی تو! افرض کریں اس نے کھانا نہ کھایا ہوا تو؟“

”یہ فرض کرنے والی بات ہے ہی نہیں، وہ رات کا کھانا یقیناً فلائیٹ میں ہی کھائے گا۔ تم جانتی ہو کہ

کھانے کے معاملہ میں وہ کتنا باقاعدہ ہے۔“

”بھروسے کی تو! ابھوک کا کیا ہے۔ وہ تو کسی بھی وقت گم سکتی ہے، اگر اس نے کچھ کھانے کے لئے انگ لیا؟“

”بعض دفعہ تم حماقت کی حد کر دیتی ہو طیزو! اس طرح بات کر رہی ہو جیسے عمر کھانے کے لئے کچھ ہو

تی نا۔ جنہیں پتہ ہے ہر وقت فریج میں دو تین ڈشز ضرور ہوتی ہیں۔ بھوکا نہیں سوئے گا وہ۔“

طیزو کچھ خرمندہ کی ہو گئی تھی۔

عمر کے بارے میں بھی باتیں کرتی جا رہی تھیں۔

ایک بیجے انہوں نے باہر گاڑی کے اشارت ہو کر جانے کی آواز سنی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں بہت سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھیں۔

..... ڈیڑھ دو ڈھائی تین

سواتین بیجے انہوں نے گیٹ پر پارکن کی آواز سنی تھی۔

”عمر آگیا ہے۔“

بے اختیار علیزہ کے منہ سے نکلا تھا۔ وہ نانو کے ساتھ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آگئی تھی۔ گاڑی پورچ میں داخل ہو رہی تھی۔

علیزہ کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ گاڑی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے حیرانی سے دیکھا۔

”نانو! گاڑی میں عمر نہیں ہے۔“

”پتہ نہیں کیا بات ہے؟“

نانو بڑبڑاتی تھیں۔ ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آگیا تھا۔

”کیا ہوا؟“ عمر کہاں ہے؟ نانو نے اس سے پوچھا۔

”وہ جی فلائیٹ کیسٹل ہوگئی موسم کی وجہ سے۔“

”کیا فلائیٹ کیسٹل ہوگئی؟ مجھے تو عمر نے کوئی اطلاع نہیں دی، اگر ایسا کچھ ہوتا تو وہ مجھے بتا دیتا۔“

جسہیں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔

نانو نے فکر مند سی کہا تھا۔

”نہیں جی، میں تو انکار کی کاؤنٹر سے پتہ کر دیا تھا۔ آپ بے شک خود ہی فون کر کے پتہ کر لیں، میں نے تو کچھ لوگوں سے بھی پوچھا تھا، انہوں نے بھی یہی کہا تھا۔“

نانو ابھی بھی بے یقینی تھی۔

”کچھ میں نہیں آ رہا، اگر اس نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔“

”ہو سکتا ہے عمر بھول گیا ہو۔“

علیزہ نے کچھ مایوسی سے کہا تھا۔

”نہیں! عمر اتنا لا پرواہ تو نہیں ہو سکتا۔“

”یکدم صاحب! میں کیا کروں؟“

ڈرائیور نے پوچھا تھا۔

”ٹھیک ہے تم بھی جا کر سو جاؤ!“

علیزہ نے نانو کے ساتھ اندر جاتے ہوئے کہا۔

”عمر کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔“

نانو اب بھی گھرنے لگی تھیں۔

”ہو سکتا ہے ابھی کچھ دیر تک اس کا فون آجائے، یا صبح فون کر دے۔“

علیزہ نے نانو کو تسلی دی تھی۔

”ہاں، ہو سکتا ہے۔“

”اب آپ سو جائیں نانو!“

”ہاں، میں تو سو جاؤں گی۔ تم بھی جا کر سو جاؤ!“

وہ سر ہلا کر وہاں سے ہٹ گئی۔ وہ بے دلی کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی تھی اس کی آنکھوں نے فیکسل طور پر غائب ہو چکی تھی۔ وہ اب جھنجھلا رہی تھی۔

”کیا فائدہ ہوا اس طرح؟ حقوں کی طرح انتظار کرنے کا۔“ نانو ٹھیک کہتی ہیں، بعض دفعہ کمر میں واقعی حد کر دینی ہوں حماقت کی۔“

اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آگئی تھی۔

”عمر کو آتے آتے پر اطلاع تو دینی چاہئے تھی۔ اسے سوچنا چاہئے تھا، یہاں سب لوگ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ بے اختیار اس کا قدم عمر کے کمرے کی طرف اٹھ گئے تھے۔ کمرے کی لائٹ جلا کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی تھی۔ اسے کمرہ یکدم بہت اداس لگنے لگا تھا۔ کچھ دیر پہلے عمل نظر آنے والی ہار چیر یک دم مکمل نظر آنے لگی تھی۔ وہ کچھ اور دل گرفتہ ہوگئی۔ کمرے میں دھکی تازہ پھولوں کی اوریج مینس کو لے کر وہ بیڑ پر بیٹھ گئی اور اس نے انہیں دوبارہ ترتیب دینا شروع کر دیا چند منٹوں میں یہ مصروفیت بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس نے انہیں نئی جگہوں پر رکھا تھا۔ دم آواز میں سنیر بول کر دیا تھا۔ کل کمرے کی صفائی کرواتے ہوئے بھی وہ بھی کیسٹل سن رہی تھی۔

”Every thing I do I do it for you!“

برائن اینڈرزی کی خوبصورت آواز کمرے میں ابھرنے لگی تھی۔

”اگر وہ آجاتا تو اس وقت یہ کمرہ اداس اور اکیلا نہ ہوتا۔“

وہ لاشعوری طور سے ایک بار پھر اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ریک میں پڑا ہوا ایک ناول اٹھا کر وہ بیڑ پر بیٹھ گئی تھی، وہ جیسے کمرے کی تہائی اور اداسی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جیسے عمر کی کو پورا کرنا چاہ رہی ہو۔

ناول پڑھتے ہوئے اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا اور کیا کر رہا ہوگا۔

”وہ جہاں بھی ہوگا سو رہا ہوگا۔“

فورا اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

”اور یہاں پر لوگ اس کے انتظار میں جاگ رہے ہیں۔“

اس کی نگاہ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ ناول پڑھتے ہوئے اسے اپنی آنکھیں پوچھ رہی تھی کہ وہ کونسی کھول کر دے گی۔ اس نے آنکھوں کو بند کر کے اس نے آنکھوں کو کچھ آرام پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ دوبارہ آنکھیں کھولنے کی اسے کوشش ہی نہیں کرتی پڑی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔

جس وقت دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تھی تو کمرے میں سورج کی روشنی پھیل چکی تھی۔ آنکھیں کھول کر وہ کچھ دیر تک وہ دیکھنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ ہے کہاں؟ پھر کچھ دم وہ جان گئی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ اسے خبر تھی کہ وہ وہاں کیسے سوئی تھی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ سونے سے پہلے کیا کر رہی تھی، اسے یاد آ گیا وہ ناول پڑھ رہی تھی۔

”اور پھر مجھے نیند آئی ہوگی۔“

اس کی نظر سامنے دیوار پر لگے ہوئے وال کلاک پر پڑی تھی، ساڑھے دس بجتے والے تھے اور وہ کچھ کا ہوئی تھی۔

”میں اتنی دیر تک سوئی رہی۔“

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”نانو نے یہ سوچ کر مجھے اٹھانے کی کوشش نہیں کی ہوگی کہ میں رات کو دیر سے سوئی تھی، اب اپنی نیند پوری کر لوں۔“

اس نے سوچا تھا، ہائیں ہاتھ سے بچا رہی روکتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں سے کھل جانا چاہا، اور ایک بار پھر رات گئی تھی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ کیا رات کو اس نے اپنے اوپر کھل لیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ جس وقت وہ ناول پڑھ رہی تھی اس وقت اس نے کھل نہیں اڑھا تھا۔

”ہوسکتا ہے نیند میں لے لیا ہو۔“

اس نے سوچا تھا۔ کھل جانے کے بعد اس نے بیڈ پر ناول دیکھنے کی کوشش کی تھی، ناول بیڈ پر نہیں نظر آیا تھا۔ اس نے بچے کا رینگ پر دیکھا۔ ناول وہاں بھی مگر نہیں تھا۔ وہ کچھ اچھٹی تھی۔ ناول کو وہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس نے گردن موڑ کر سائیز ٹیبل پر دیکھا، اور کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ ناول کو وہاں ہونا چاہئے تھا۔ اسے یاد ہی نہیں تھا کہ اس نے ناول وہاں رکھا تھا۔ وہ ہوسکتا ہے کہ کمرے سے سونے کے بعد ناول وہاں آئی ہوں اور ناول اٹھا کر یہاں رکھ دیا ہو۔ اسے بالآخر خیال آیا اور وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

”پتہ نہیں کمرے میں ہونے پر نانو نے کیا سوچا ہوگا؟ اور اب مجھے کیا بھانا نہ کرنا چاہئے؟“

کھل جہ کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ کھل کرنے کے بعد اس نے سوچ بیکل کو دیکھا۔ سارے سوچر آف تھے، میسر بھی آف کر دیا گیا تھا اور اب تو اس بات میں کئی شک ہی نہیں رہ گیا تھا کہ، ناول وہاں آئی تھیں اس نے بیڈ کی چادر ٹھیک کی اور اپنا وہ پتہ اٹھا کر کمرے سے نکلے گی تھی کہ جب اس کی نظر ڈرینگ ٹیبل پر پڑی تھی وہ

ساکت ہو گئی تھی، وہاں ایک والٹ اور دست داج پڑی تھی۔ وہ بے چینی سے ان چیزوں کو دیکھتی رہی تھی پھر اس نے کمرے کا قفسہ کھلی جائزہ لیا کرے میں اس کو کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر خیال آنے پر وہ لپک کر ڈرینگ روم کی طرف گئی اور دروازہ کھولے ہی اس کے کہوں پر ایک سکراہٹ نمودار ہو گئی۔ وہاں دو بھاری بھر کم سوٹ کپس پڑے ہوئے تھے۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر آئی تھی، ناول کو آوازیں دیتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی۔

”ادھر کچن میں ہوں علیزہ! کیا ہو گیا ہے؟“

ناول کی آواز اسے سنائی دی، وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

ناول سلام دعا رہی تھیں۔

”ناو! عمر آ گیا ہے؟“

ناول نے اپنی سکراہٹ چھپائی تھی۔

”دیکھیں تم نے کس نے کیا؟“

انہوں نے انہماں بنے ہوئے کہا۔

علیزہ نے ان کی سکراہٹ دیکھ لی تھی۔

”ناو! پلیز، رجوع نہ ہو لیس عمر آ گیا ہے۔ مجھے پتہ ہے۔“

وہ کرسی کھینچ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”ہاں آ گیا ہے مگر ساڑھے چار بجے آیا ہے؟“

”مگر اس کی تو فلائیٹ تو کینسل ہو گئی تھی۔“

”ہاں! مگر وہ اس فلائیٹ سے نہیں آیا۔ اور تو تم نے یہ کیا بے وقوفی کی۔ سارا دن کمرہ تیار کرنے کے بعد خود وہاں جا کر سو گئیں۔“

ناول نے اسے ڈانٹا شروع کر دیا۔

”وہ ہے چارہ تھا کہ ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں گیا تو وہاں تم سوئی ہوئی تھیں۔ وہ وہاں آ گیا، میں جہیں چکا جا رہی تھی مگر اس نے صبح کر دیا نذر جانے سے۔ اس نے کہا کہ وہ نہیں اور سو جائے گا۔ میں نے اسے ایک کمرہ کھول دیا مگر کھل وغیرہ سارے اسٹور میں سے پھر میں نے اسے اپنے کھل دے دیا اور وہ تیار ہو کر کمرے سے کھل لے آئی۔“

ناول سلام دعا کرتے ہوئے اسے بتا رہی تھیں۔

”میں دیکھ ہی اس کے کمرے میں گئی تھی پھر پتہ نہیں، کب مجھے نیند آ گئی۔ مجھے کیا پتہ تھا آج ہی

آجائے گا، لیکن وہ آیا کیسے؟“

”جیسی پر آیا ہے؟“

”اب کہاں ہے؟“

”ابھی سویا ہوا ہے۔“

”کہاں؟“

”میرے کمرے کے ساتھ والے کمرے میں، اب تم اس کو چگانے مت پہنچ جانا۔“

”نہیں نا! میں کیوں اسے چکاؤں گی؟“

”وہ کچھ شرمندہ ہوئی تھی۔“

”ڈپے وہ کب اٹھے گا؟“

”کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تھا۔“

”پتہ نہیں لیکن میرا خیال ہے لچ تک اٹھ ہی جائے گا۔ اسی لئے میں لچ پر اس کے لئے خاص طور پر ڈشیز

تیار کروا رہی ہوں۔“

نانو نے اسے بتایا تھا۔

”یو ٹیوڈی کا نام تو نکل گیا ہے، اب تم منہ ہاتھ دھو لو، کپڑے پہنچ کر داور آ کر کچھ کھا لو۔“

نانو نے اس سے کہا تھا، دوسر بلاتی ہوئی کچھ سرور کی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

پندرہ منٹ میں وہ ہاتھ دھو کر وہ دروازہ کچن میں آ گئی تھی۔

”نانو! میں لچ کی کمرن کی، ابھی کچھ کھالیا تو پھر بھوک نہیں رہے گی۔“

اس نے آتے ہی اعلان کیا تھا۔

”ٹھیک ہے مت کھاؤ۔“

نانو نے اسرار نہیں کیا تھا۔

”آپ نے عمر کے ساتھ باتیں کی تھیں؟“

اس نے بڑی دلچسپی سے پوچھا تھا۔

”نہیں!“

”کیوں؟“

”مجھے کیا تمہیں کتنی سڑھے چاہیے تو وہ بے چارہ آیا تھا اور میں اس وقت اس سے کیا باتیں کر رہی تھی۔“

نانو سرور کی گاڑی تک کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”کیسا لگ رہا تھا؟“

علیہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

”He has always been handsome“ (وہ ہمیشہ سے پسندم ہے۔)

نانو نے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

”نانو! میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ وہ پہلے سے کچھ بدلا ہوا ہے یا نہیں۔“

”علیہ! ابھی اٹھ جانے کا تو دم کچھ لینا کہ بدلا ہے یا نہیں!“

نانو نے سرکراتے ہوئے کہا تھا۔



باب ۱۰

ایئر پورٹ پر ڈرائیور اس کے نام کا کارڈ لئے موجود تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ ایئر پورٹ سے گھر تک کا راستہ بھی خاموشی سے طے ہوا۔ ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا اور وہ سڑک پر نظر آنے والی ٹریفک دیکھتی رہی تھی۔ جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا اس کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ مسلسل اپنے باپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

”وہ یقیناً مجھے دیکھ کر حیران ہوں گے، کیونکہ اب میں بہت بڑی ہو گئی ہوں۔ ہو سکتا ہے اب میرا قد بھی ان کے برابر آ گیا ہو۔“

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

”پاپا یقیناً مجھے بہت مس کر رہے ہوں گے۔ اسی لئے تو انہوں نے مجھے یہاں آتے ہی بلا لیا ہے۔“

اسے کچھ فکر کا احساس ہوا تھا۔

گاڑی اب اس کے دوسٹیاں گھر پہنچ گئی تھی۔ ڈرائیور کے ہارن بجانے پر گیٹ کھل رہا تھا۔

سامنے پورچ خالی نظر آ رہا تھا۔

”ابھی ہارن سننے پر پاپا باہر آ جائیں گے۔“

اس نے کچھ سرور ہو کر سوچا۔

گاڑی اب پورچ میں پہنچ گئی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر بیٹے اتر آئی۔ پورچ ابھی بھی خالی تھا۔ ڈرائیور اب ڈکی سے اس کا سامان نکال رہا تھا۔

وہ ابھی بھی اندر سے پاپا کی ادور کی آمد کی منتظر تھی۔ ڈرائیور نے ڈکی سے سامان نکالنے کے بعد اسے کہا۔

”علیہ! لی لی! اندر آ جائیں۔“

یہ کہتے ہوئے وہ پیچھے دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اسے یک دم ہلائی ہوئی تھی۔

”پاپا! علیہ! لاؤنج میں ہوں گے اور میرے اندر آئے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

اس نے فوراً خود کو کھلی دی تھی۔ ڈرائیور کے پیچھے دو بھی اندر داخل ہو گئی تھی۔ لاؤنج خالی تھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ڈرائیور نے ایک کونے میں اس کا بیگ رکھ دیا تھا۔

”آپ بیٹھ جائیں، میں اب تیار ہوں۔“ ڈرائیور اس سے کہتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

علیہ کو وہ خود سے زیادہ اس گھر کا ایک فرد لگتا تھا۔ کسی مہمان کی طرح وہ ایک صوف پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی مایوسی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ گھر میں اپنی خاموشی تھی وہاں ملازمین کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں۔ اس گھر میں ہمیشہ اپنی ہی خاموشی رہتی تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک وہ ہمیشہ بارہاں آئی تھی، ہمیشہ اسی خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا ہاں پہلے فرق یہ تھا کہ پاپا اسے دروازے پر مڑا کرتے تھے اور اس خاموشی کو وہ بعد میں محسوس کیا کرتی تھی۔ آج خاموشی کو اس نے پہلا محسوس کیا تھا اور پاپا سے وہ ابھی نہیں ملتی تھی۔

بچپنی بار جب وہ یہاں آئی تو دادا کے علاوہ چچی اور ان کے دو بچوں سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس گھر کے کینوں کی تعداد اس اپنی ہی تھی۔

”اب پاپا اور ان کی بیٹی“

اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔ کمرے میں ڈرائیور کے ساتھ ایک عورت داخل ہوئی۔ علیہ نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ خانا سہا کی بیوی تھی۔ پچھلے کئی سال سے وہ دونوں وہیں کام کر رہے تھے۔ اس عورت نے آتے ہی بیوی گرم جوشی اور اکابر سے علیہ سے ہاتھ ملایا۔ اس کا حال احوال پوچھا تھا۔

”سب لوگ تو ابھی سو رہے ہیں، آدھے گھنٹے تک اٹھ ہی جائیں گے۔ صاحب نے آپ کے آنے کے بارے میں ہمیں رات کو بتا دیا تھا، اور کہا تھا کہ جب آپ آئیں تو میں آپ کو کمرے میں پہنچا دوں اور آرام کرنے کے لئے کہوں!“

ڈریو نے اسے آگاہ کیا تھا۔ علیہ کو ایک اور جھٹکا لگا۔

”پاپا سو رہے ہیں؟“

اسے یقین نہیں آیا تھا۔

”ہاں! یہاں سب لوگ دیر سے ہی اٹھتے ہیں، لیکن آدھے گھنٹے تک اٹھ ہی جائیں گے۔ آپ میرے ساتھ آئیں میں آپ کو آگاہ کر دے گا دیتی ہوں۔ آپ چاہیں تو کچھ دیر آرام کر لیں۔“

ڈریو نے اس کا بیگ اٹھا لے ہوئے نکلتا تھا۔ اب وہ اس کے آگے چل رہی تھی، اور علیہ کا سارا جوش و خروش سرد ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے ڈریو کے پیچھے چلتی گئی تھی۔ ڈریو نے ایک کمرے کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا تھا۔ وہ کمرے تک علیہ کو کیڑھا کر بھیجتی تھی۔ جب بھی علیہ کو وہ کمرہ اچھی طرح یاد تھا۔ ہمیشہ یہاں آنے پر وہ اس کمرے میں غمگینا کرتی تھی۔ کمرے کی کھرابی اور پردوں کا رنگ بدلا چکا تھا۔ گھر میں کسی بھی قسم کی ڈریو نے کمرے کے ایک کونے میں اس کا بیگ رکھ دیا تھا۔ علیہ خاموشی سے بیڈ پر جا کر بیٹھی گئی تھی۔

”آپ کے لئے چائے لاؤں؟“

ملازمہ نے اس سے پوچھا تھا۔

”نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

کچھ بجے ہوئے دل کے ساتھ اس نے ڈریو سے کہا تھا۔

وہ سر ہلاتی ہوئی اس کمرے سے نکل گئی۔ وہ چپ بیڈ پر سیدھا لیٹ گئی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہاں میں اس وقت ڈانویا کر رہی ہوں گی۔ وہ یقیناً دوپہر کا کھانا تیار کر رہی ہوں گی، اسے خیال آیا تھا اور شاید مجھے یاد کر رہی ہوں گی۔ اس نے خود کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔

بیڈ پر سیدھا لیٹ کر وہ بہت دیر تک چمت کر کے متعدد دھنسی رہی پھر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں جب وہ غنودگی کے عالم میں تھی تو اس نے دروازہ پر دستک پڑی تھی۔ بے اختیار اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دستک ایک بار پھر ہوئی، اور وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”تس کس ان!“ اپنے ذہن پر چھائی ہوئی غنودگی کو اس نے جب تک کر دود کرنے کی کوشش کی تھی۔ دروازہ کھول کر خانا سہا کی بیوی اندر آئی تھی۔

”علیہ بی بی! اسکندر صاحب اٹھ گئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔“

اس نے اندر آتے ہی اطلاع دی۔ علیہ بے اختیار اپنے بیڈ سے اٹھ کر کمرے ہو گئی تھی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کی مایوسی ایک دم غائب ہو گئی تھی۔

”پاپا کہاں ہیں؟“ اس نے ڈریو سے پوچھا تھا۔

”وہ کچھ کرنے کے لئے ایک دم روم میں گئے ہیں۔“

ڈریو نے اسے بتایا تھا۔

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

”ڈرائنگ روم میں وہ صرف اکیلے ہی ہیں؟“

اس نے کو بیڈ روم میں آ کر ڈریو سے پوچھا تھا۔

”نہیں، سب لوگ وہیں ہیں، بیوے صاحب، شہزاد بی بی اور ظہر۔“

اس نے علیہ کو دادا، چچی اور ان کے بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

”وہ کل مکان میں ہیں؟“

اس نے اپنے چچا کے بارے میں پوچھا تھا۔

”چھوٹے صاحب تو ٹیکسری گئے ہیں اور تانیہ بی بی ابھی سکول سے ہی نہیں آئیں۔“

ڈریو نے گھر کے باقی دو افراد کے بارے میں بھی اسے اطلاع دے دی، اور وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔

جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سب لوگ گفتگو میں مصروف تھے۔ سکندر اسے کچھ کراہتی کرسی پر

اس کی چچی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے خاموشی سے پلٹ اپنے آگے سرکا لی اور اس میں چاول ڈالنے لگی۔ سکندر ابھی بھی اپنے والد سے باتوں میں معزوف تھے۔ چچی اور ملو خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے، اور وہ جوکل سے یہ سوچ رہی تھی کہ یہاں آتے ہی سب اسے خاص اہمیت دیں گے۔ کیونکہ وہ چار سال کے بعد وہاں آئی تھی۔ بے مدد گر تھی۔ یہاں کسی کو اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔

”جی کہ میرے پاپا کو بھی نہیں، جوکل یہ کہہ رہے تھے کہ وہ مجھے بہت مس کر رہے ہیں۔“

اس نے بے دلی سے چاول کھاتے ہوئے سوچا۔ چچی نے کھانے کے دوران دو چار بار ڈشز اس کی طرف بڑھائی تھیں، مگر جب اس نے کھانے میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تو ان کا جوش و خروش بھی غصٹا پڑ گیا۔ اس نے اعزاء لگانے کی کوشش کی تھی کہ نالو کے ساتھ کھانا کھائے اور پاپا کے ساتھ کھانے میں کیا فرق ہے؟ اسے احساس ہوا تھا دونوں جگہ اس کے لئے کوئی خاص تہہ ملی نہیں تھی۔

کھانے کے دوران اس کے دادا ابو نے دو تین بار اسے مخاطب کیا تھا۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ آئی ٹی کمرہ بھی ملو کے ساتھ ڈانگ روم میں سے نکل گئی تھی۔ تب اس کے پاپا نے اس سے دوبارہ گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

”اسٹوڈیو کیس جاری ہیں تمہاری؟“

انہوں نے سوئٹ ڈش نکالنے ہوئے پوچھا تھا۔

”بہت اچھی!“

وہ باپ کے مخاطب کرنے پر ایک بار پھر خوش ہو گئی تھی۔

”کوئی کلاس میں ہو؟“

اسے ان کے سوال پر یک دم دھچکا لگا تھا۔ اس کا خیال تھا انہیں یہ یاد ہو گا ہر بار فون پر وہ انہیں اپنی کلاس کے بارے میں ضرور بتایا کرتی تھی۔

”اے۔ لیڈر میں“

مدھم آواز میں اس نے کہا تھا۔

”آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”آگے کے بارے میں ابھی سوچا نہیں، آپ بتائیں پاپا! مجھے آگے کیا کرنا چاہئے؟“

اس نے بڑے اشتیاق سے سکندر سے پوچھا تھا۔

”جو تم کرنا چاہتی ہو وہ کرو۔“

انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”مگر میں وہ کرنا چاہتی ہوں جو آپ چاہتے ہیں!“

اتھ کر اس کی طرف آئے اور اسے خود سے لپٹا لیا تھا۔

”میں تو تمہیں پہچان ہی نہیں سکا علیزہ! تم تو اتنی بڑی ہو گئی ہو؟“

انہوں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا تھا علیزہ! کچھ سرخ ہو گیا تھا۔

”اب تو تم میرے جتنی ہو گئی ہو!“

انہوں نے اسے بہلاتے ہوئے کہا تھا۔

”کیسی ہو تم؟“

”میں ٹھیک ہوں پاپا! آپ کیسے ہیں؟“

اس نے جواب پوچھا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں، اور تمہیں سفر میں کوئی پرالیم تو نہیں ہوا؟“

انہوں نے اس کے گال پر تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں!“

اس نے مختصر اجواب دیا تھا۔

”اپنے دادا ابو اور آئی سے ملی ہو؟“

اسے ساتھ لئے ہوئے ڈانگ نکلنے کی طرف جانے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

”نہیں جب میں آئی تو سب لوگ سو رہے تھے۔“

اپنی آئی کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، اور دادا ابو نے حسب عادت اس کے سر پر ہاتھ بھیرتے ہوئے اس کا حال احوال دریافت کیا۔ آئی نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر اسے گلے لگے کیا تھا۔

”تمہارے پاپا ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں کہ تم تو اتنی بہت بڑی ہو گئی ہو۔“

انہوں نے اس کے سر پر ایک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

آئی میں چار سال بعد یہاں آئی ہوں۔ چار سال میں مجھے کچھ تو بڑا ہونا ہی تھا۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے، بارہ سالہ ملو سے ہاتھ ملاتے ہوئے دھکی آواز میں کہا۔ اس کی چچی جواباً

صرف ہلکے سے مسکرا دیں تھیں۔ سکندر اب اپنی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

”یہاں میرے پاس آ جاؤ علیزہ!“

انہوں نے اپنے بائیں طرف والی کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے ان کی طرف

آئی تھی۔ سکندر اب دوبارہ اپنے باپ سے باتوں میں معزوف ہو چکے تھے۔ وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی، ان کے چہرے پر

چند جھروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ کچھلی ہانکے نسبت زیادہ تریش اور سارٹ نظر آ رہے تھے۔ اسے وہاں ان کے پاس

بیٹھ کر عجیب قسم کے تنھن کا احساس ہونے لگا۔

”علیزہ! کھانا شروع کر دو، جی تم کس چیز کا انتظار کر رہی ہو؟“

”جہاد کی آغوش میں جیٹے کی ہوئی ہیں، شام کو آجائیں گی تو تم مل لینا ان سے۔“

انہوں نے اسے تاپایا تھا۔ علیحدہ نے غور سے باپ کا چہرہ دیکھا وہ بہت مطمئن نظر آ رہے تھے۔

”وہ آپ کے ساتھ آئی ہوئی ہیں۔“

”ہاں اور میرے ساتھ آئی ہوئی ہیں۔“

وہ کچھ چپ کی ہو گئی۔ اس کے باپ نے اس کی خاموشی کو بغور نوٹ کر لیا تھا۔

”تمہارے لئے کچھ چیزیں لے کر آیا ہوں، کچھ چیزیں جہاد کی آغوش میں پسند کی ہیں۔ شام کو جب وہ

آئیں گی تو خود ہی تمہیں دین گی۔“

انہوں نے اسے اطلاع دی تھی۔

”مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔ تم آرام کرو یا پھر اپنی آغوش وغیرہ سے اٹھیں کرو، شام کو تم سے

دوبارہ ملاقات ہو گی۔“

انہوں نے سویت ڈش ختم کرنے کے بعد منجیل سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے ان

کے ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

”کیا میں اس طرح ان کے ساتھ ایک بیٹہ گزاروں گی۔“

اپنے کمرے میں جانے کے بعد اس نے کچھ دل رکھتی سے سوچا تھا۔

”پاپا کو پتہ ہونا چاہئے تھا کہ میں چار سال کے بعد ان سے مل رہی ہوں کیا ان کے پاس میرے لئے تمہوڑا

سادت بھی نہیں ہے؟“

وہ ایک بار بھر بیڑ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

دو تین سال کی تھی، جب اس کے والدین کے درمیان طلاق ہو گئی تھی۔ طلاق کی وجوہات پر دونوں میں

سے کسی نے بھی روشنی ڈالنا پسند نہیں کیا تھا اس لئے وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے والدین کے درمیان کون سے

اختلافات تھے۔ ان دونوں سے یہ سوال پوچھنے کی ہمت وہ بھی نہیں کر سکی مگر ثانو سے اس نے چند ایک بار یہ سوال

پوچھا تھا اور ملنے والا جواب اس کی تسلی نہیں کر سکا تھا۔ وہ ہمیشہ یہی کہہ دیتی تھیں کہ ان دونوں کے درمیان اظہر

اشیاء تک نہیں ہوئی۔

طلاق کے بعد علیحدہ اپنی ماں کی کسٹڈی میں رہی تھی۔ سکندر نے اس سلسلے میں پورا تعاون کیا تھا۔ طلاق کے

ایک سال کے اندر علیحدہ کی مامی کی دوسری شادی ہو گئی تھی اور جب بے طے آیا تھا کہ علیحدہ اپنے تانی، ناناکے پاس رہے گی۔

سکندر نے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ وہ خود بھی دوسری شادی کرنا چاہ رہے تھے، اور علیحدہ کی ذمہ

داری اٹھانے سے کچھ گریزاں تھے، ان کے اپنے کمر میں ایسا کوئی نہیں تھا جو علیحدہ کو بال سکتا اور وہ اسے اتنی چھوٹی عمر

میں اپنے ساتھ مقعد بھی نہیں لے جاسکتے تھے اور نہ ہی وہ بے جانا چاہتے تھے کیونکہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی۔

”بھئی، میں کیا تاکتا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے یہ تو تمہیں خود طے کرنا ہے یا پھر جہاد کی مامی اور ثانو سے

کریں گی۔“

سکندر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

”نوپایا! ان سے نہیں آپ سے گائیڈنس لینا چاہتی ہوں، یقین کریں میں وہی کردوں گی جو آپ مشورہ

دیں گے۔“

اس نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جیسے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔

اس کے پیالے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

”جوش میں کہوں گا۔ پوچھ لیں گے اس پر بعد میں بات کریں گے۔“

انہوں نے بات کا موضوع بدل دیا تھا۔

”تمہارے تانا تانی کیسے ہیں؟“

”ہالک ٹھیک ہیں!“

”تمہارا خیال رکھتے ہیں؟“

انہوں نے جیسے کچھ جانچنے کے لئے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں، اور ثانو تو ایک منٹ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ تانا بھی بہت کیرنگ

ہیں۔ ابھی بھی کہاں آئے پر وہ دونوں بہت اداس ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ وہ مجھے بہت مس کریں گے۔ اصل

میں ان دونوں کو میری بہت عادت ہو گئی ہے۔ میں نہیں ہوتی تو وہ تہا کی شکار ہو جاتے ہیں۔ ثانو تو آئے ہی نہیں

دے وہی تھیں کہ میں ابھی چند ہفتہ پہلے ہی آئر لیا ہے آئی ہوں، اور اب بھر جا رہی ہوں۔ مگر میں شکر کر کے آئی

ہوں، وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، بھر بھی پیلا میرا دل وہاں نہیں لگتا۔“ اس نے جھوٹ کا ایک اظہار صبح کرتے

ہوئے کہا تھا۔ سکندر اس کی باتوں سے جیسے مطمئن ہو گئے تھے، ایک بار پھر وہ سویت ڈش کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”کیوں! دل کیوں نہیں لگتا؟“

انہوں نے پوچھا تھا۔

”میں! آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔“

وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، مگر وہ کچھ جھجک کر بات بدل گئی تھی۔

”تمہیں ان کی محبت کی قدر کرنی چاہئے۔ آخر وہ جہاد کی اتنی پرداد کرتے ہیں، تمہیں کوشش کرنی چاہئے کہ

تمہارا دل بھی وہاں لگا رہے!“

انہوں نے جو کہا تھا۔ وہ ان سے نہیں سنتا چاہتی تھی۔ کچھ مایوس ہو کر اس نے باپ کی طرف دیکھا تھا۔

”میں کوشش کرتی ہوں۔“

کچھ بے دلی سے اس نے کہا تھا۔

اس لئے انہوں نے طلیزہ کو مستقل طور پر اس کے فضیال کے حوالے کر دیا تھا، ہر ماہ وہ اس کے اخراجات کے لئے ایک ایسی خاصی رقم اس کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کر دیا کرتے تھے اور ان کی یہ روشیں اب تک جاری تھی۔

طلاق کے دو سال بعد انہوں نے اپنی پسند کی دوسری شادی کر لی تھی اور وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ مسقطا لے گئے تھے۔ طلیزہ سے چند ماہ کے وقفے سے وہ فون پر باتیں کیا کرتے تھے اور پاکستان آنے پر چند دن کے لئے اس کو اپنے پاس بلوا لیا کرتے تھے۔ ان کے خیال میں ان کی ذمہ داری سنبھال پر پوری ہو جاتی تھی۔

طلیزہ کی کسی اپنے شوہر کے ساتھ آسٹریلیا میں مقیم بعض اساتذہ طلیزہ کے ساتھ ان کا سلوک بھی سکندر سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ وہ چینیوں میں طلیزہ کو اپنے پاس آسٹریلیا بلوا لیا کرتی تھیں۔ چھٹیاں گزارنے کے بعد طلیزہ واپس پاکستان آ جایا کرتی تھی۔ پچھلے کئی سالوں سے کمریوں کی چینیوں میں اس کا بھی معمول تھا۔

اس کی کمی اور پاپا بہت پر سکون زندگی گزار رہے تھے۔ شاید ان میں سے کسی کو بھی اچھا سا بھرتہ زندگی کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ وہ ہر بار ان سے ملنے کے بعد سوچا کرتی تھی کہ اس کے بغیر بھی وہ دونوں بہت خوش تھے شاید ان دونوں کو بھی اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی ہوگی اور وہ صرف فرض نبھانے کے لئے اسے اپنے پاس بلا لے جوں گے۔ ماں باپ سے ملنے کے لئے وہ جتنی بے تاب رہی تھی۔ ان سے ملنے کے بعد اس کی بے چینی اور باہمی بھی اتنی بے چین ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

دو برس وقت دوبارہ بیدار ہوئی تھی اس وقت شام ہو رہی تھی۔ اپنا بیگ کھول کر اس نے کپڑے نکالے تھے اور پہنانے کے لئے وہ ہاتھ روم میں چلی گئی تھی۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تھی، وہاں کوئی نہیں تھا۔ کچھ سوچ کر وہ باہر ان میں نکل آئی تو آٹنی شامہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ موجود تھیں۔ طلحہ سائیکل چلا رہا تھا اور تائی آٹنی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ آٹنی یہاں آنے کے بعد تائی شامہ سے نہیں ملی تھی۔ کچھ سال چار سال پہلے وہ یہاں آئی تھی تو تائی شامہ صرف چار سال کی تھی۔ وہ چلتی ہوئی ان کے پاس آگئی۔ آٹنی شامہ سے تائی سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ طلیزہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا اور تائی نے کچھ شراتے ہوئے ہاتھ ملایا۔ وہ کرسی کھینچ کر ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر تک تینوں خاموش رہے پھر طلیزہ نے پوچھا

”اگلے ستان ابھی واپس نہیں آئے؟“

”نہیں، وہ تو بچے کے قریب آتے ہیں۔“

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی اور طلیزہ کی طرح شاید آٹنی شامہ بھی اسی الجھن میں گرفتار تھیں کہ اس سے کیا بات کی جائے۔ ایک بار پھر طلیزہ نے ہی پہل کی تھی۔

”پاپا تکب آئیں گے؟“

”وہ تمہاری آٹنی کو لینے گئے ہیں اور میرا خیال ہے۔ کچھ دیر تک آجائیں گے۔“

آٹنی نے اسے بتایا۔

”دادا اب کہاں گئے ہیں؟“

”پاپا گالف کھیلنے گئے ہوئے ہیں وہ بھی آنے والے ہی ہوں گے!“

طلیزہ ایک بار پھر اگلے سوال کی تلاش میں سرگرداں تھی مگر اس بار آٹنی شامہ نے اس کی یہ مشکل حل کر دی تھی۔

”کراچی کیسا کلا؟“

فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ صبح اخیر پورٹ سے ممر تک دیکھے جانے والے کراچی کے بارے میں وہ کیا تبصرہ کر سکتی تھی۔

”اچھا ہے!“

اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

”لے آ جایا کرو گی کبھی، تم صرف تب ہی آتی ہو جب تمہارے پاپا آتے ہیں۔“

انہوں نے شہرہ کیا تھا یا دولت دی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ اسے اندازہ لگانے میں بھی کبھی نہایت نہیں رہی تھی۔ وہ ان سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ اسے صرف پاپا کے آنے پر ہی بلایا جاتا ہے۔ وہ خاموش رہی۔

”اپنی مٹی سے ملتی رہتی ہو؟“

انہوں نے اچانک پوچھا تھا۔

طلیزہ نے انہیں دیکھا وہ بہت تجسس نظر آ رہی تھیں۔

”ہاں اکی کے پاس تو جاتی رہتی ہوں، ہر سال چھٹیاں وہیں ان کے پاس گزارتی ہوں۔ وہ جانتی ہیں کہ میں ان کے پاس وہیں رہوں لیکن یہ مجھے بہت مشکل لگتا ہے۔ یہاں تاتا اور تانو ہیں میرے بغیر وہ بالکل اکیلے ہو جاتے ہیں۔ ان کے بغیر میرا کہیں اور دل نہیں لگتا۔ اس لئے میں ہر بار مکی کو بارش کر کے واپس آ جاتی ہوں۔“

اس نے ایک بار پھر محسوس کا چال بازی شروع کر دیا۔ آٹنی شامہ نے بھی جواب کچھ نہیں کہا تھا۔

”سکتے دن کے لئے آئی ہو؟“

کچھ دیر بعد انہوں نے اچانک پوچھا تھا۔

یہ تو پاپا پر ڈھیلہ کرتا ہے، وہ جاہ رہے ہیں کہ جب تک یہاں ہیں میں ان کے پاس رہوں۔“

اس نے جال کو ایک اور گرہ لگائی تھی۔

”یعنی دو ہفتوں کے لئے۔“

شامہ آٹنی نے کہا تھا۔

طلیزہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

”کیا پاپا اس بار صرف دو ہفتوں کے لئے آئے ہیں۔“

”نہیں سکندر بھائی کو تو پاکستان آئے یہ چوتھا مہینہ ہے، اب تو وہ ہفتہ بندہ واپس جانے والے ہیں۔“

وہ چاہے کے باوجود مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔

گیت پر ہارن کی آواز سنا دی تھی "لگتا ہے تمہارے پایا آگئے ہیں۔"

شمارہ آئی نے گیت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا، وہ بھی گیت کی جانب متوجہ ہو گئی جہاں کھلے گیت سے ایک گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔ گاڑی پورچ میں جا کر رکی تھی۔ پھر اس نے گاڑی میں سے اپنے پایا اور ان کی بیوی کو اترتے دیکھا تھا۔ چھٹی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے چھوٹے دونوں بھائی گاڑی سے اتر رہے تھے۔

پاپائے اپنی بیوی سے کوئی بات کی تھی اور وہ لان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں پھر علیہ نے پایا کے ساتھ انہیں اپنی جانب آتے دیکھا۔ ان کے قریب آنے پر علیہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

چھٹی سیٹ پر پارک کی طرح اس بار بھی انہوں نے اسے گنگے لگا کر اس کا گال چوما تھا اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی علیہ وہ کوان کے انداز میں گرم جوش محسوس نہیں ہوئی تھی۔ سب بالکل غافل تھا۔

"حسن۔ احسن! اور آدھرا بھی۔ علیہ۔ سے آکر ملو۔"

اس کی دوسری می اپ اپنے بیٹوں کو آواز دے کر بلا رہی تھیں۔ وہ دونوں قریب آگئے تھے اور ان کے پیچھے موجود وہ علیہ کو جھران کر دیا تھا۔ حسن اور احسن نے پاس آکر علیہ کے ہاتھ ملانے تھے مگر اس کی نظر اس ای وجود پر مرکوز رہی تھیں۔ اس نے پایا کو اس شخص کی ساڑھے تین سالہ بیٹی کو اٹھاتے اور پھر اس کا گال چومتے دیکھا تھا۔

"علیہ! وہ سریم ہے تمہاری چھوٹی بہن اور سریم! یہ تمہاری آپتی ہیں۔"

پاپائے اس سے کہا تھا۔ وہ دم سادے سریم کے بجائے پایا کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ساری غالی جگہیں اس کے وجود کے بغیر ہی پر کر گئی تھیں۔

"شاید اسی لئے پاپائے مجھے مس نہیں کیا کیونکہ اب صرف میں ہی نہیں ان کی ایک اور بیٹی بھی ہے جو ہر وقت ان کے پاس ان کے سامنے رہتی ہے اور جسے وہ گود میں بھی اٹھاتے ہیں اور اس کا چہرہ بھی جوتے ہیں۔"

وہ کوشش کے باوجود چہرے پر کوئی تسکین نہیں لاسکی صرف خاموشی سے پاپا اور سریم کو دیکھتی رہی جو ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے۔ اب اندر چلنا چاہئے، یہاں تو بہت اندھیرا ہو گیا ہے۔" پاپائے اچانک کہا تھا۔

"ہاں نمک ہے اندر چلتے ہیں۔" شمارہ آئی نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ خاموشی سے ان سب کی پیروی کرنے لگی تھی۔

"پاپا اب بھی میری ضرورت پڑے گی نہ ہی میں یاد آؤں گی کیونکہ اب ان کی فطرت مکمل ہو گئی ہے۔

میرے لئے اب ان کے پاس بھی کوئی شک نہیں ہے اور اہمیت تو شاید سریم کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ وہ ایک مکمل فطرتی علیہ کے بغیر بھی۔"

اس نے اپنے آگے چلتے ہوئے پاپا، اپنی دوسری می، احسن اور سریم کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

"میں تو ان کے لئے ایک ایک سڑا چیز ہوں اور پاپائے مجھے سریم کے بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھا

آئی شمارہ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا تھا۔ گرہ ایک دم سے جیسے مکمل گئی تھی اور علیہ کو بری طرح سے جھکا لگا تھا۔

"چارہ ماہ سے پاپا یہاں ہیں، یعنی میرے آسٹریلیا جانے سے بھی بہت پہلے پاپا پاکستان آئے تھے اور اب فون پر بات کرنے کے باوجود انہوں نے مجھے بتایا نہیں۔ انہیں میرا خیال اس وقت آیا جب وہ واپس جا رہے ہیں۔"

وہ کچھ نہیں بول سکی۔

"کیا پاپا کو بالکل ہی بری ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

اس نے سوچا۔

"مکمل انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ بھی مجھے مس کرتے ہیں تو کیا وہ جھوٹ بول رہے ہیں؟"

وہ الجھ کر تھی۔

"میں پاپا کی انگوٹھی پہنی ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاپا مجھے مس نہ کر سکیں ہوں، ہو سکتا ہے وہ واقعی محسوس ہوں۔"

اس نے ایک بار پھر خود کو بھانسنے کی کوشش کی۔ آئی شمارہ اس سے کچھ کہہ رہی تھیں وہ چونک کر ان کی

طرف متوجہ ہو گئی۔

"سکندر بھائی اگلے سال پاکستان شفٹ ہو رہے ہیں۔"

اس کے لئے یہ خبر بھی حیران کن تھی۔

"پاپائے مجھے نہیں بتایا۔"

اس نے سوچا تھا۔

"اگلے سال؟"

اس نے آئی شمارہ سے پوچھا تھا۔

"ہاں اگلے سال تک ان کا مگر مکمل ہو جائے گا۔"

آج شاید اس کے لئے خیراتوں کا دن تھا۔

"پاپا مگر غور ہے ہیں؟"

"ہاں مگر تو انہوں نے پچھلے سال ہونا شروع کر دیا تھا، اب تو کافی حد تک مکمل بھی ہو گیا ہے۔ اگلے سال

تک فرسٹنگ بھی ہو جائے گی اور وہ پاکستان شفٹ ہو جائیں گے۔"

وہ کم مہم کی آئی شمارہ کی بات سنتی رہی سکندر نے اس سے اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ ان کے ذہن سے نکل گیا ہو اور ابھی اس سے میری تفصیلی بات بھی کہاں ہو گئی ہے۔ شاید وہ

مجھے بتائیں۔" ہمیشہ کی طرح اس نے خود کو غلط فہمیوں میں جکڑنا شروع کر دیا تھا۔

"مگر پچھلے سال سے اب تک پاپائے بات ہوئی ہے انہوں نے ایک بار بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا نہ ہی

اس بات کا کہ وہ پاکستان شفٹ ہونا چاہ رہے ہیں۔"

سب لوگوں نے خود ہی مجھے اپنی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔ کئی نے، پاپا نے اور شاید..... شاید ناٹا اور ناٹو نے بھی۔“ اس کی آفرنگ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

”میرے یہاں آنے سے کئی کو فرق نہیں پڑا۔ سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ پھر..... پھر پاپا کو مجھے یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا یہ کئی نہیں تھا کہ وہ فون پر ہی مجھے جانے سے پہلے خدا حافظ کہہ دیتے۔“ وہ اب رنجیدہ ہو رہی تھی۔

اس رات وہ بہت دیر تک جاگتی رہی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اگلے دن وہ بہت دیر سے اٹھی تھی، لیکن اس کے باوجود جب وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی تو ابھی تک کئی بھی بیدار نہیں ہوا تھا۔ وہ لاؤنچ میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی تھی۔

دو پہر کوچ کرتے ہوئے پاپا نے اس سے کہا تھا۔

”علیہ! آج ہم شام کو تمہیں سیر کرانے کے لئے جا رہے ہیں۔ تم کئی سے کھر پری ہو۔ آج ہمیں ایک دو جگہوں پر لے کر جائیں گے۔ تم کہاں جانا چاہتی ہو؟“

انہوں نے بات کرتے کرتے اپنا کب اس سے پوچھا تھا۔

”کیسں بھی۔“ اس نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر تم شام کو تیار رہنا۔ ہم سب باہر ملیں گے۔“

انہوں نے کہا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ ان سے کہے کہ وہ سب کے ساتھ نہیں صرف اکیلے ان کے ساتھ باہر جانا چاہتی ہے۔

ان کے ساتھ باتیں کرتا چاہتی ہے اور ان سے بہت سے سوال پوچھنا چاہتی ہے۔ مگر اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

شام کو پاپا، نرالا آئی، حسن، احسن اور مریم کے ساتھ گاڑی کی کچھل سیٹ پر بیٹھی دو بے حد ناخوش تھیں۔

”ایسا کرتے ہیں کہ سپیکٹیشن چلتے ہیں۔ پھر کئی ریسٹورنٹ میں ڈنر کریں گے اس کے بعد جہاں علیہ چاہے گی وہاں جائیں گے۔“

پاپا نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پروگرام طے کیا تھا۔

”پاپا! آپ جہاں مرضی لے جائیں۔“

اس نے پھر بات ان کی ہی مرضی پر چھوڑ دی۔

”پاپا! ایسا کرتے ہیں کہ ڈنر کے بعد آپ کو اپنا گھر دکھانے چاہیں گے۔ آپ! آپ! ہمارا گھر دیکھ کر حیران ہو جائیں گی۔“

حسن نے دوسرا جملہ اس سے کہا تھا۔ گاڑی میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید پاپا احسن سے اس تجویز کی امید نہیں کر رہے تھے۔

”ٹھیک ہے نا پاپا! آپ کو گھر دکھانے چاہیں گے۔“

احسن نے پاپا کی خاموشی کو رفاہی انداز میں سمجھتے ہوئے کہا تھا، علیہ! منتظر تھی کہ پاپا احسن کی بات کے جواب میں کچھ نہ کہے کہیں گے مگر انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ خاموش رہے تھے۔

تو بچہ ایک ریسٹورنٹ میں انہوں نے ڈنر کیا اور اس کے بعد جب وہ گاڑی میں بیٹھے تو احسن نے ایک بار پھر شور مچا دیا۔

”پاپا! اب ہم آپ کے گھر جائیں گے۔ آپ کو گھر دکھانا ہے نا۔“

”ہاں ٹھیک ہے وہیں جا رہے ہیں، مجھے یاد ہے۔“

اس نے پاپا کی مدد میں آواز میں سنا تھا۔

انہوں نے گاڑی کا رخ سڑک سے ہٹا کر ایک دیر سے علیہ کو دکھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

سکندر اس کے چہرے سے کئی بھی اندازہ لگانے میں ناکام رہے تھے۔

آدھ گھنٹہ گاڑی ڈرائیو کے بعد علیہ نے ایک چھوٹے سے بنگلے کے سامنے گاڑی رکتے دیکھی تھی۔

دروازے پر ایک چرکیدار سوجھتا جس نے دروازہ کھول دیا تھا۔ سکندر گاڑی کو اندر پورچ میں لے گئے، بنگلے کی

بیرونی لائش آن تھیں، اور ان لائش کی روشنی میں پورچ اور لان میں پڑا ہوا تحیرانی سامان نظر آ رہا تھا۔ سکندر نے

چرکیدار کو اندر روٹی دروازہ کھولنے کے لئے کہا تھا۔

علیہ، حسن اور احسن کے ساتھ گاڑی سے نکل آئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے پاپا سے اس کی انگلی ختم ہو گئی تھی

گھر کو دیکھتے ہوئے اسے ایک خوشگوار احساس نے گھیر لیا تھا۔ اس کے باپ کا پاکستان میں ہونے کا یہ مطلب تھا کہ وہ

ان کے پاس مستقل طور پر رہ سکتی تھی۔ احسن اسے بلائے پر جوش انداز میں کمرے دکھا رہا تھا اور سکندر اور نرالا لاؤنچ

میں چرکیدار کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ شاید یہ کچھ چاہتا دے رہے تھے۔

”یہ پاپا اور کئی کا کمرہ ہے!“

اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے علیہ سے کہا تھا۔

اس نے کچھ دیکھ کر غائب ہو کر رہنے میں جھانکا تھا۔ احسن نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی

تھی۔ چند لمحوں تک اس کمرے میں رہنے کے بعد وہ ان کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

”یہ ساتھ والا کمرہ مریم کا ہے۔“ احسن نے ایک اور کمرے کا دروازہ کھول کر لائٹ آن کی تھی۔ اس بار

علیہ نے اندر جانے کی بجائے باہر سے ہی جھانکنے پر اکتفا کیا تھا۔

”اور یہ سامنے والا کمرہ گیسٹ روم ہے!“

وہ اب اسے ایک اور کمرہ دکھا رہا تھا۔

”اب آئیں، اوپر چلتے ہیں اور آپ کو اپنا بیڈ روم دکھاتا ہوں۔“ وہ یک دم پر جوش نظر آنے لگا تھا۔

”اور پھر بیڈ روم نہیں دکھاؤ گے؟“ حسن منہ بولا تھا۔

”ہاں! تمہارا بھی دکھاؤں گا۔“

اس نے علیہ کے ساتھ بیڑیاں چڑھتے ہوئے حسن کو چکارا تھا۔

اوپر آنے کے بعد احسن نے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔ "اور یہ اس گھر کا سب سے

خصوصیت بیڑیوں ہے، میرا بیڑیوں۔"

علیہ ہنسی سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے صرف بے دلی سے مسکراتی تھی۔

"اور یہ میرا بیڑیوں ہے۔"

حسن اتنی دیر میں ایک اور کمرے کا دروازہ کھول چکا تھا، اور اس کے پیچھے علیہ بھی اس کے کمرے میں

داخل ہو گئی تھی۔

"بس اب بیچے چلتے ہیں۔"

احسن نے اس کے پیچھے آکر کہا تھا۔

اسے ایک جھکا لگا تھا۔

"اسن! میرا بیڑیوں کہاں ہے؟"

اس نے احسن کے کمرے سے نکلنے ہوئے کچھ اشتیاق سے احسن سے پوچھا تھا۔

"آپ کا بیڑیوں؟"

وہ اس کی بات پر حیران ہوا تھا۔

"مگر آپ تو ہمارے ساتھ نہیں رہیں؟"

اس نے علیہ سے کہا تھا۔

"اس گھر میں تو بس اتنے ہی بیڑیوں ہیں۔"

علیہ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

"بس اتنے ہی بیڑیوں ہیں؟"

اس نے کچھ بے یقینی سے کہا تھا۔

"ہاں! بس اتنے ہی بیڑیوں ہیں، آپ کو ہمارا گھر اچھا لگا؟"

اس نے بات کرتے علیہ سے پوچھا۔

"ہاں!"

اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

وہ ان دونوں کے ساتھ ایک بار پھر پیچھے لاؤنج میں آگئی۔

"پاپا! آپ پوچھ رہی تھیں۔ میرا بیڑیوں کہاں ہے؟"

حسن نے پیچھے آتے ہی پاپا کا اطلاع دی تھی۔ علیہ کی نظر اس سکندر سے ملی تھیں۔ وہ بڑی مہارت سے

نظریں چراگئے۔

"گیسٹ روم ہے، تاہم جب بھی آیا کرو گی وہاں رو سکتی ہو؟"

سکندر نے کمال فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب چلنا چاہئے۔"

وہ کبھی غزالہ کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ وہ بھی حسن اور احسن کے ساتھ دروازے کی طرف

جائے لگی تھی۔

"تمہارا کالج کب ختم ہوگا؟"

سڑک پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سکندر نے اس سے پوچھا تھا۔

"اس سٹرڈے کو!"

اس نے باہر سڑک گھومتے ہوئے کہا تھا۔

"ہوں! تو اس کا مطلب ہے کہ جمعات کو تمہاری سیٹ بک کروا دینی چاہئے۔ کیونکہ جس کو تم ریسٹ کر سکو

گی۔ واپس جا کر اور پھر رفتہ سے تم کو کالج جانا کرنا ہوگا۔"

وہ چپ چاپ ان کی سیٹ کی پشت کو دیکھتی رہی تھی۔

"تو پاپا! ہم مری کب جائیں گے، آپ نے تو کہا تھا کہ ہم بدھ کو اسلام آباد چلے جائیں گے۔"

احسن نے سکندر کو یاد دہانی کر دینی تھی۔

"ہاں! بیٹا وہ پروگرام پہلے تھا اب تمہاری آپنی آئی ہوئی ہیں، تو ظاہر ہے انہیں اکیلے چھوڑ کر تو نہیں جاسکتے

تہا۔" سکندر نے احسن سے کہا تھا۔

"تو ہم علیہ آپنی کو بھی اپنے ساتھ مری لے جاتے ہیں پھر تو کوئی بھی پرانہ نہیں ہوگا۔"

احسن نے ایک ہی سیکنڈ میں مل چل کر دیا تھا۔

"نہیں تمہاری آپنی کی چٹیاں ختم ہو رہی ہیں، انہیں کالج جانا ہے اور انہیں قمری میں کچھ دن لگ جائیں

گے۔" غزالہ نے فوراً اپنے بیٹے کو حیرت کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اب کیا ہے جن کو سکندر آپ ہم لوگوں کو اسلام آباد ڈیوڑی بھر آپ بعد میں آ جائیں۔"

"ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔ تو پھر ٹھیک ہے میں تم لوگوں کی سٹیشن بھی بک کروا دیتا ہوں۔"

سکندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"پاپا آپ جمعات کی بجائے میری کئی سیٹ بک کروادیں۔"

اس نے مدھمسی آواز میں سکندر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں کل کی سیٹ کیوں؟"

سکندر نے جواب اس سے پوچھا۔

"پاپا میں واپس جا کر قہوڑا پڑھتا جا رہی ہوں، پوری چٹیاں میں کچھ بھی نہیں پڑھ سکی، اور اب دو تین دن

میں کتابوں کو پڑھنے کی کوشش کروں گی۔"

میں نے ملیر، ایسی تم کل ہی تو آئی ہو، اور اتنی جلدی چلی جاؤ گی؟"

غزالہ نے بہت پارہ بھرے اعزاز میں اس سے کہا تھا۔

"ناؤ اور ناؤ، مجھے بہت مس کر رہے ہوں گے۔ اس بار میں چھٹیوں میں ان کے ساتھ زیادہ وقت نہیں

گزار سکی۔" اس نے ایک اور جلدی تھی۔

"ٹھیک ہے اگر تم ایسا ہی مناسب سمجھتی ہو تو ایسا ہی کر لیتے ہیں۔"

اس نے پایا کو کہتے ہوئے ساتھ، انہوں نے اسے روکنے کی کوشش بالکل نہیں کی تھی۔ اس نے آنکھوں میں

اترنے والی نمی کو ہونٹ سمجھ کر ضبط کیا۔

"پھر کل شام کی سیٹ بک کروا دیتا ہوں۔"

اگلی شام انٹر پورٹ کے لئے روانہ ہوئے ہوئے اس نے پایا نے ایک بیک ابھر دیا تھا۔ "اس میں

تمہارے لئے کچھ چیزیں ہیں۔ میں نے اور تمہاری آئی نے خریدی ہیں۔"

اس نے مجھے دل سے بیک تمام لیا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا، وہ ان سے کہے۔ "مجھے صرف چیزوں کی

ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔"

"لاہور پہنچتے ہی مجھے فون کر دینا۔"

اس نے پایا کو کہتے ہوئے ساتھ، غزالہ نے آگے بڑھ کر بیٹھ کر طرح اسے گلے سے لگا کر چوما تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

انہوں نے اس سے ملیرہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

انٹر پورٹ پر پہنچ کر اس نے ناؤ کو فون کیا تھا، اور اپنے آنے کی اطلاع دیتے ہوئے ڈرامہ کو بھیج دیا تھا۔

تھا، ناؤ کے کسی سوال سے نہ بچنے کے لئے اس نے جلدی سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

"جیہیں تو ابھی بہت دن وہاں رہنا تھا اور وہی دن میں واپس آجئیں؟"

ناؤ نے اس کا استقبال کرتے ہی پہلا سوال کیا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی تھی۔ ناؤ نے بیٹھ کر طرح آتے

ہی اسے گلے نہیں لگایا تھا۔

"ہاں! بس میرا دل ہی نہیں لگا وہاں۔ پایا تو بہت اصرار کر رہے تھے۔ کہ میں ابھی واپس نہ جاؤں، وہ تو

مجھے کچھ دن کے لئے مری لے جانا چاہ رہے تھے مگر میں پور ہوئی۔"

"ٹھیک ہے سو جاؤ۔" ناؤ یک دم اٹھ کر چلی گئی تھی۔ وہ کچھ اور الجھ گئی تھی۔ ناؤ نے اس سے کھانے کا

پوچھا تھا۔ نہ ہی ناؤ سے ملنے کے لئے کہا تھا بلکہ صرف ایک جگہ کہہ کر اٹھ گئی تھی۔

وہ اچھے ہوئے ذہن کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں آگئی تھی۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

اس وقت وہ اسی سوچا جاتی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن صبح جب وہ کچن میں آئی تھی، تو اس وقت دس بج رہے تھے۔ ناؤ اس وقت خانساماں کو کچھ

ہدایات دے رہی تھی۔

"السلام علیکم! ناؤ!"

اس نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے ناؤ کو مخاطب کیا تھا۔

"والیکم السلام!"

انہوں نے اسے دیکھے بغیر ہی اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"ناؤ کہاں ہیں ناؤ! رات تو میں ان سے مل ہی نہیں سکی۔"

اس نے سے پوچھا۔

"کسی کام سے باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"جہاں نہیں!"

اسے ان کی آواز ایک بار پھر بہت ترش محسوس ہوئی تھی۔

"ناؤ مجھے بریک فاسٹ کرنا ہے۔" اس نے کہا تھا۔

"میں مریہ سے کھدتی ہوں وہ تیار کر دیتا ہے!"

انہوں نے خانساماں کا نام لینے ہوئے کہا تھا۔ وہ کچن میں پڑی ہوئی ڈانگ ٹھیل کی کرسی سمجھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"تم جا کر ڈانگ روم میں بیٹھو۔"

ناؤ نے اچانک حیران آواز میں اسے جھڑکے ہوئے کہا تھا، اور اس کے لئے ان کا یہ دماغ غیر متوقع تھا۔ چند

لمحوں تک وہ نہ سمجھنے کی حالت میں ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے؟"

اس بار ان کی آواز پہلے سے زیادہ کڑھ گئی تھی۔ ملیرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ چپ چاپ کچن سے نکل

کر ڈانگ روم میں آگئی تھی۔ ناؤ کی ڈانٹ اس کے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھی مگر آج اسے یہ ڈانٹ بلا جواز لگی تھی۔

خانساماں نے ڈانگ ٹھیل پر اس کے لئے ناشتہ کار شروع کر دیا۔ اس کی بھوک اڑ چکی تھی، وہ چند منٹ

تک بے مقصد خانساماں کو ہی ناشتہ کراتے دیکھتی رہی پھر کمزری ہو گئی۔

"مریہ! پایا مجھے نہیں سمجھتا کہ ناؤ۔"

"کیوں ملیرہ! بی بی! کیا ہوا؟"

خانساماں نے کچھ حیران ہو کر پوچھا تھا۔

"بس مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"بی بی آپ ناشتہ کر لیں۔ آجکل بڑی پیچیدہ مسئلہ بہت حصہ میں ہیں۔ آپ اس طرح اٹھ کر چلی جائیں گی

ای شخص دین میں رہی تھی پھر بچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تاہم میں سے باہر نکلتی رہی تھی۔

”میں نے مرید سے کہہ دیا ہے وہ کھانا لگا دے گا۔ تم آ جاؤ!“

انہوں نے اسے دیکھنے ہی کہا تھا۔ وہ ایک بار بھران کے ساتھ واپس ڈانٹنگ میں آ گئی تھی۔ اس بار عمر جہانگیران کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے تھوڑے ہی کونڈے کے ایک طرف ٹھیل پر رکھ دیا تھا اور وہ نانو کے ساتھ ٹھیل پر آ کر بیٹھ گئی۔

”علیہ! مجھ سے صبح بچہ رہی تھی کہ تم کیسے لگ رہے تھے، بدل تو نہیں گئے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم خود ہی دیکھ لیتا۔ اب تاؤ علیہ! پہلے سے بدل گیا ہے اور ویسا ہی ہے؟“

نانو نے عمر سے بات کرتے کرتے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ ان کے اس سوال پر کچھ شرمندہ ہو گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ نانو عمر کے سامنے یہ بات کہہ دیں گی۔ عمر اب اس کی طرف متوجہ تھا۔

”کیوں علیہ! کیا میں کچھ بد ہوں؟“ اب وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

”پتہ نہیں، میں اندازہ نہیں کر سکتی۔“ اس نے کچھ شرمندہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”تمہارا ماسٹرز کیسا جا رہا ہے؟“

اس بار اس نے ایک اور سوال کیا تھا۔

”ٹھیک جا رہا ہے!“

”کون سا سبکدوش ہے تمہارے پاس؟“

”سوشیا لوجی!“

”مگر پہلے تو تم آکاسس میں انٹرنل تھیں، یہ ایک دم سوشیا لوجی کیسے؟“

وہ بہت تنجید کی سے پوچھ رہا تھا۔

”میں ایک این ایس او کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں اور سوشیا لوجی پڑھنے سے مجھے بہت ہی بنیادی باتوں کا پتہ چل جائے گا اور مجھے اپنے کام میں زیادہ پراہٹ نہیں ہوں گے۔“

اس نے دھیمی آواز میں وضاحت کی۔

ڈانٹنگ ٹھیل پر اب کھانا لگا یا جا رہا تھا۔

”اور.....! یعنی اس علیہ! سکندر سوشل ورک میں انٹرنل ہیں۔ این ایس او کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہیں۔ بیگمات والے کام، تھوڑے ہی میں تصویریں لگوانے کے لئے، سوشل ورک، مختلف مقاصد کے لئے ٹکٹ خریدے بغیر ہی Charity Walks میں شرکت، غریب لڑکیوں کے پیچھے کے لئے جڑاؤں روپیہ روز فریج کرنے والوں سے دس روپیہ کے ٹکٹ کے ذریعہ فنڈ اکٹھا کرنا، کنگن مختلف ڈورڈا بنجیز سے لئے والے فنڈز سے پلاس خرید لیتا۔ مختلف مقاصد کے لئے فنڈز اکٹھے کرنے کے لئے علی حیدر اور حدیثہ کیانی کے ساتھ کنسرٹس اورچ کرنا اور وہاں اپنی پوری ٹیلی کے ساتھ ٹکٹ کے بغیر موجود ہونا۔ تو آپ بھی کچھ اس قسم کے سوشل ورک میں انٹرنل ہونا چاہ رہی ہیں؟“

کمرے میں آ گئی تھی اور اس نے دو دن پہلے لئے والی ایک اسائنمنٹ پر کام کرنا شروع کر دیا تھا مگر بار بار اس کا ذہن عمر کی جانب ہی جا رہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح بارہوے تک وہ اس اسائنمنٹ کو لکھتی رہی تھی اور پھر اٹھ کر ایک بار پھر بچن میں آ گئی۔

نانو شامی کپڑوں کے لئے بنایا جانے والا معائنہ چیک کر رہی تھیں۔ علیہ نے بہت عرصہ کے بعد انہیں اس جوش و خروش کے ساتھ جگہ میں کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی باہر لان میں آ گئی کچھ پھول اور شاخیں کاٹنے کے بعد وہ ایک بار پھر ڈانٹنگ روم میں آ گئی تھی اور وہاں اس نے انہیں ڈانٹنگ ٹھیل پر پڑے ہوئے گلے دان میں اورچ کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ترتیب مکمل کر چکی تھی اور ٹھیل سے فالو پھول اور شاخیں اکٹھی کر رہی تھی جب اس نے ڈانٹنگ روم میں وہی مخصوص مردانہ آواز سنی۔

”ہیلو علیہ! وہ کچھ بڑا آگاہی تھی۔“

ڈانٹنگ ٹھیل کی دوسری طرف ایک کمری کی پشت پر وہ اپنا کونٹ لٹکا رہا تھا۔ وہ دم نہادے اسے دیکھتی رہی تھی۔ وہ اب ٹھیل پر اپنا موبائل اور سن گلاسز رکھ رہا تھا۔ گزرتے ہوئے چند سالوں نے اس میں کچھ تبدیلیاں کر دی تھیں۔ اس کا میجر سناسکل بدل گیا تھا۔ سول سرشس کے میجر کٹ میں وہ بہت سویر لگ رہا تھا۔ دائیں ٹرٹ کے ساتھ نیلی ٹائی لگائے وہ بہت فائن گینٹ اپ میں تھا۔ علیہ نے ڈانٹنگ روم میں پھیلی ہوئی کون کی مہک کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنا کونڈا تبدیل کر چکا تھا۔

”کیسی ہو تم؟“

وہ ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ علیہ نے اس کے چہرے پر بہت مدہمی مسکراہٹ دیکھی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟“

علیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

اور وہ ایک بار پھر جہاں مسکرا رہا تھا۔

”Perfectly Alright، (بالکل ٹھیک) مگر یہ کہاں ہیں؟“

اس نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہی پوچھا تھا۔

”وہ جگہ میں ہیں!“

اور وہ کچھ کہے بغیر بچن کی طرف چلا گیا۔

”کیا اس مجھ سے صرف اتنی ہی بات کرنی تھی؟“

علیہ نے ٹھیل پر سے شاخیں اٹھاتے ہوئے سوچا تھا۔ بچن میں سے اس کی آواز آ رہی تھی۔ وہ شاخیں اور پھول لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جب وہ واپس ڈانٹنگ میں آئی تو وہ ٹھیل پر بیٹھا تھوڑے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے وہاں آنے پر بھی وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ علیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے یا پھر بچن میں چلی جائے۔ چند سیکنڈز وہ

وہ اب ایک گلاس میں پانی ڈال رہا تھا۔ علیزہ کچھ بول نہیں سکی۔ اسے عرجا گنیر سے ایسے تیرے کی توقع نہیں تھی۔
”عرجا کی باتیں تو نہیں کرتا تھا اور مجھ سے..... مجھ سے تو کبھی بھی نہیں۔“

وہ ایک شاگ کے عالم میں سوچ رہی تھی۔ وہ اب پانی پی رہا تھا۔
ناؤ شاید علیزہ کے تاثرات سے بہت کچھ گھٹی تھیں اس لئے انہوں نے بات کا موضوع بدل دیا تھا۔
”علیزہ! تو اس قسم کے کام نہیں کر سکتی۔ تو تم بتاؤ جنہیں قاتل دروں چھوڑنے کی کیا سوچ ہے؟“
عمر نے پانی پی کر گلاس بھل پر رکھ دیا تھا ایک بار پھر وہ علیزہ کی طرف متوجہ تھا۔

”ڈورزا ایجنسیز اور این جی اوز کے بارے میں بہت سی رپورٹس میری نظروں سے گزرتی ہیں۔ یہ سب بیورو کرپشن اور سیاست دانوں کی نیکیات کے ایڈ و بھرا دور وقت گزار رہی ہوئے۔ علیزہ! تم تو کسی بیورو کرپٹ کی سیاست دان کی بیوی بننے نہیں چاہتی۔ پھر تم انکی ایجنسیز میں کیوں انٹرپلا ہو رہی ہو؟“
اس بار اس کا لہجہ نرم مگر الفاظ ویسے ہی جیسے تھے۔ وہ دیکھیں عرجا گنیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ عراجب ناؤ کے ساتھ بات کر رہا تھا۔

”میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ وہاں سے شاید کل واپس ہوں!“
ناؤ قدرے حیران ہوئی تھیں۔ ”کیوں اب اسلام آباد جانے کا ارادہ کیسے بن گیا ہے۔ ابھی تو صبح تم آئے ہو۔ آج ہی اسلام آباد میں کون سی مصروفیت یاد آگئی ہے؟“
”اسلام آباد تو ابھی کافی پکڑ لگنے پڑیں گے۔ قاتل آفس میں کچھ کام چلتا ہے ہیں پھر انٹرپرائز مشنری کا بھی ایک پکڑ لگا ہے۔“

اس نے پلٹ اپنے آگے کرتے ہوئے کہا تھا۔
”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ قاتل دروں کیوں چھوڑ دی تم نے؟“
ناؤ کو کواجک یاد آگیا۔
”میں میرا دل نہیں لگاں میں!“
اس نے سلاہ پلٹ میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

”دعیں چار سال بعد تمہیں پتا چلا کہ تمہارا دل اس میں نہیں لگ رہا۔ اگر دل نہیں لگ رہا تھا تو تمہیں پہلے ہی قاتل دروں میں نہیں جانا چاہئے تھا۔“ ناؤ نے اس سے کہا تھا۔
”قاتل دروں کو قاتل آفس میں ہی سرور کبے ہیں۔“

علیزہ اس کے جملے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس نے عمر کے منہ سے پہلی بار اس طرح کا کوئی لفظ سنا تھا۔
”یہ وہ سرور ہے کہ جس میں کام نہ کر کے گالیاں پڑتی ہیں اور کام کر کے زیادہ گالیاں۔“
”جس کو اس مت کہ تمہارا باپ بھی تو اسی سرور میں ہے۔ اس نے تو تمہیں اس طرح کی بات بھی نہیں کی۔“
ناؤ نے اسے جھڑپتے ہوئے کہا۔

”پاپا کی کیا بات ہے وہ جاب تو ابھی کرتے ہیں۔ وہ تو پیش کرتے ہیں۔ میں تو جاب کرنے والوں کی بات کر رہا ہوں۔“

اس کے لہجہ میں طنز تھا۔
ناؤ نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔
”تمہارے اور جہا گنیر کے درمیان اب کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟“
انہوں نے قدرے ہلکی آواز میں پوچھا تھا۔

عرجا کھانا کھانے میں مشغول رہا تھا۔
”میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے عرجا؟“
ناؤ نے اسے ایک بار پھر مخاطب کیا تھا۔
”گر بی بی بریانی کس نے بنائی ہے؟“
”کیوں اچھی نہیں ہے کیا؟“

”اچھی ہے اسی لئے تو پوچھ رہا ہوں!“
”میں نے بنائی ہے۔“
”پچھلے تین سالوں میں، میں نے انکی بریانی نہیں کھائی۔“
اس نے مسکراتے ہوئے تعریف کی۔
”آج میں نے تمہاری ہر نفرت و دش خود بخود مٹائی ہے۔“
ناؤ نے فخریہ انداز میں کہا۔

”اور جب تم تک تم کہاں رہو گے، میں تمہارے لئے کھانا خود ہی بناتی رہوں گی۔“
”اس کا مطلب ہے کہ مجھے اپنے انکسرس سائز آؤرز بڑھا دینے چاہئیں۔ ورنہ یہاں سے جاتے ہوئے میں کسی بھی سائز میں نہیں ہوں گا۔“

اس نے خوشگوار لہجہ میں کہا تھا۔
”تم نے مجھے بتایا نہیں، تمہارے اور جہا گنیر کے درمیان اب کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟“
ناؤ اپنا سوال نہیں بھولی تھی۔
علیزہ نے اس کے چہرے پر ایک بار پھر تازہ دیکھا تھا۔
”کوئی جھگڑا نہیں ہے گر بیبی!“
اس نے انہیں بھلائی کی کوشش کی تھی۔

”تم نے خود فون پر کہا تھا کہ تمہارا جہا گنیر کے ساتھ جھگڑا ہو گیا ہے! اور اب تم کہہ رہے ہو کہ کوئی جھگڑا ہی نہیں ہوا ہے۔“

”مجھے نہیں پتہ کہ وہ کیوں گھر چھوڑ گیا ہے۔ بہت بیوی نانوا کو میں نے اسے گھر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا۔ میں آخر اس سے ایسی بات کیوں کہتی۔“

وہ اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

تم نے اسے گھر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا مگر تم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ یہاں نہیں رہے۔
وہ نانوا کے اس الزام پر ہچکا رہ گئی۔

”نانو میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔“

”میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا علیحدہ کہ تم اس طرح کی حرکتیں کر دو گی۔ تم نے میری ساری عمر کی محنت پر پانی پھیر دیا ہے۔“

”نانو بلیزا! آپ اس طرح مت کہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کی وجہ سے عمر گھر چھوڑ کر چلا گیا ہو۔“
”علیحدہ! میں نے اس سے بات کی تھی، تمہارا کیا مطلب ہے، میں نے اسے ایسے ہی جانے دیا ہے، اسی لئے مجھے بتایا تھا کہ جہیں اس کا یہاں رہنا پسند نہیں ہے اور وہ یہاں رہ کر خواہ مخواہ کی ٹینشن کھڑی نہیں کرنا چاہتا، اور میں بھی جانا چاہتی ہوں کہ جہیں اس کے یہاں رہنے پر کیا اعتراض ہے؟“

نانو نے تیز آواز میں بات کرتے ہوئے کہا تھا۔ علیحدہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”نانو وہ جھوٹ بولتا ہے۔“

”وہ جھوٹا ہے اور تم؟“

”نانو! اس نے آپ سے ایک بات کہہ دی اور آپ نے سوچے سمجھے بغیر اس کی بات کا یقین کر لیا۔ اب میں جب اس کی ٹینشن دے رہی ہوں تو آپ میری بات ہی سننے کی تیار نہیں ہیں۔“

وہ بالکل رو دھائی ہو رہی تھی۔

”آپ کو عمر کی ہر جھوٹی بات پر یقین آ جاتا ہے مگر میری بات پر یقین نہیں ہے۔“

”عمر جھوٹ نہیں دیتا؟“

نانو کے چہلے نے اس کی ریجنگ میں اضافہ کر دیا تھا۔

”اور میں..... آپ سمجھتی ہیں کہ میں جھوٹ بولتی ہوں؟“

”مجھے تم سے فضول بحث نہیں کرنی۔ میں صرف یہ جانتا چاہتی ہوں کہ جہیں عمر کا یہاں رہنا پسند نہیں ہے؟“

”نانو! میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے اس کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسے ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، یہاں تو بہت سے لوگ آتے اور رہتے ہیں، کیا میں نے پہلے کبھی کسی کے رہنے پر اعتراض کیا ہے مگر اب عمر کے رہنے پر کیوں کروں گی۔“

اس نے ایک کے بعد ایک وضاحت دیتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ اسے دوبارہ واپس بلا لیں۔“

باب ۱۲

وہ نانوا کے پیچھے ان کے بیڑہ روم میں داخل ہو گئی تھی۔

”بیٹھو۔“

نانو نے اندر داخل ہوتے ہی اس سے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے صوف پر بیٹھ گئی تھی۔ نانو خود اپنے بیڑہ پر بیٹھ گئیں۔

”تم نے عمر سے کیا کہا تھا؟“

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے اسی اکلڑے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

”میں نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔ یہ سب کچھ عمری کا کیا دھرا ہے۔“ اس نے نانوا کے سوال پر سوچا تھا۔

”میں بھی نہیں نانوا۔“

”میں نے اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا۔ صرف یہی پوچھا ہے کہ تم نے عمر کو کیا کہا تھا۔“

”تو کس بارے میں؟“

”اس گھر سے چلے جانے کے بارے میں!“

علیحدہ بالکل ساکت ہو کر رہ گئی۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں نانوا، میں نے اس سے کیا کہا ہے؟“

”تمہاری وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں نے اس سے کیا کہا ہے؟“

اس بار نانوا کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا۔

وہ تھرائی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”نانو! میں نے اس سے گھر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا، آئی سوئیرا میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔“

وہ رو دھائی ہو گئی تھی۔

”تو بھروسہ کی وجہ سے بغیر میری گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“

اس بار نانوا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

ناو کچھ دیر اسے دیکھتی رہی تھیں۔

”وہ اب یہاں واپس نہیں آئے گا۔ یہ بات صاف صاف کہہ کر گیا ہے، کم از کم رہنے کے لئے تو وہ بارہ واپس نہیں آئے گا۔“

”آپ بتائیں ناو! اس میں میرا کیا قصور ہے۔ وہ اپنی مرضی سے یہاں آیا۔ اپنی مرضی سے واپس یہاں سے چلا گیا۔ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔“

”مگر تم اس کے ساتھ وہ سلوک نہ کر تھیں جو تم نے کیا تو شاید وہ اس طرح سے یہاں سے نہ جاتا۔“ ناو ابھی بھی اپنی بات پر ہی ہوئی تھیں۔

”میں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ناو! میں نے تو اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔“

”علیحدہ اتم نے مجھے بہت ہدایاں کیا، مجھے کم از کم تم سے اس طرح کے رویے کی توقع نہیں تھی۔ اسنے سالوں سے میں اپنی محبت سے تمہاری پرورش کرتی رہی ہوں اور تم نے چند ہفتے میں اس ساری محبت پر پانی پھیر دیا۔ کیا سوچنا جو عمر کا کرشمہ میں نے تمہیں اس طرح کی تربیت دی ہے اور جب وہ جا کر اپنے باپ سے اس بات کا ذکر کرے گا تو جہاگیر میرے اور تمہارے بارے میں کیا سوچے گا۔ یہ مگر صرف تمہارا نہیں، اس سب کا بھی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ یہاں بہت کم آکر رہتے ہیں مگر نہ رہنے سے اس گھر ان کا حق تو ختم نہیں ہو جاتا۔ عمر ہو یا تمہارا کوئی اور کزن، جنہیں کوئی اختیار حاصل نہیں کرتا ان کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہ کر دیا اپنی پابندی کا اظہار اپنے رویے سے کرو۔“

وہ چپ چاپ ناو کی باتیں سنتی رہی تھی۔ ناو بہت دھڑا دھڑاٹ دیا کرتی تھیں مگر آج ان کا رویہ بہت زیادہ سخت تھا۔ جس طرح آج وہ اس سے بات کر رہی تھیں۔ اس طرح سے انہوں نے پہلے کسی نہیں کی تھی۔

”عمر کے ساتھ تو غیر جو کچھ تم نے کیا سو کیا مگر آئندہ یہ حرکت بھر کی مت کرنا۔ اب بچی نہیں ہو جسے ساری باتیں سمجھنا پڑیں۔ بڑی ہو چکی ہو، ہر چیز سمجھ سکتی ہو۔ بہتر ہے کہ اپنے رویے کو ٹھیک کرو۔ اب جاؤ یہاں سے۔ مجھے کچھ کام ہے۔“

انہوں نے ایک لمبے چوڑے وعظ کے بعد بات ختم کر دی وہ شاک کی حالت میں ان کے بیڑم سے نکل کر آئی تھی۔

”سارا قصور صرف میرا ہے اور کسی کا نہیں۔ عمر کا بھی نہیں۔ اس کے یہاں سے چلے جانے کی وجہ سے میری ہر خوبی غای می تبدیل ہو گئی ہے۔ ناو کو میں بدترین لگنے لگی ہوں۔ عمر کی ناوکو پرادہ ہے، میری نہیں!“

وہ اپنے بیڑم کی طرف جاتے ہوئے کچھ اور اپنی دل گرفتہ ہو گئی تھی۔

”میری کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے۔ تم کی کوئیں، بابا کو کوئیں، ناو کو کوئیں نہیں، ضرورت تو عمر جیسے بندے کی ہوتی ہے۔ جس کی دنیا میں کوئی دیکھ ہو۔“

اس کی رنجیدگی میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”کس قدر فزاد انسان ہے۔ مجھ سے اور طرح کی باتیں کرنا تھا اور میرے جاتے ہی یہاں جکر چلانے شروع کر دیئے مجھے اپنا دوست کہہ کر اس نے میرے ساتھ ایسے کیا۔“

اور مگر جہاگیر کے لئے اس کی پابندی کی میں کچھ اور ہی اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ پھر کوسرید کے بلانے پر بھی دوڑنے لگے تھے، اس کا خیال تھا کہ ناو اسے آکر خود ہی لٹنے کے لئے کہیں گی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ناو نے اسے دوبارہ لٹنے کے لئے نہیں کہا اور وہ بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔

شام کو سوکر اٹھنے کے بعد وہ نہانے کے لئے کچھ حرم میں چلی گئی۔ اس وقت اسے واقعی ہجرت لگ رہی تھی نہانے کے بعد غم دلی سے وہ اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی کانوں میں پڑنے والی آواز سے اس کا خون کولے لگا تھا۔ وہ عمر کی آواز تھی۔ ”اگر وہ لاؤنج میں داخل نہ ہوئی ہوتی تو اور میرے اسے نہ دیکھا ہوتا تو وہ وہیں سے واپس اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ اس وقت وہ کسی صورت بھی عمر کی شکل دیکھنا نہیں چاہتی تھی مگر لاؤنج میں داخل ہوتے ہی عمر کی نظر اس پر پڑی تھی۔ نہ صرف اس نے علیحدہ کو دیکھ لیا تھا، بلکہ فوراً اسے مخاطب بھی کیا تھا۔

”علیحدہ! اپنی جلدی واپس!“

اس نے کچھ حیرانی سے علیحدہ سے پوچھا تھا۔ علیحدہ نے ایک نظر منوڑ پر بیٹھے ہوئے عمر کی ڈالی اور پھر ناو کی ساری نصیحتوں کو بالائے طاقت دیکھتے ہوئے کوئی جواب دینے بغیر کچن میں چلی گئی۔ اپنے پیچھے سے ایک بار پھر عمر کو اپنا نام پکارتے ہوئے سن کر اس وقت وہ دنیا کا آخری شخص تھا، جس سے وہ بات نہ کرنا چاہتی تھی۔

”اگر یہ یہاں سے چلا گیا ہے تو اب یہاں کیا لینے آیا ہے۔“

اس نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کچی سے سوچا تھا۔

”اور اسے اس بات سے کیا کر میں اتنی جلدی واپس کیوں آئی ہوں۔“

اس وقت اس کا فہم آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

”سر یہ بابا! مجھے کچھ کھانے کے لئے دے دیں۔“

اس نے کچن میں داخل ہوتے ہی خانسانا سے کہا تھا۔

”علیحدہ! بی بی! آپ کچھ دیر انتظار کر لیں۔ ابھی کھانا ناگنے ہی والا ہوں۔ پھر آپ سب کے ساتھ ہی کھانا کھا لیجئے۔“ خانسانا نے اس سے کہا تھا۔

”نہیں مجھے ابھی کچھ کھانا ہے اور ان سب کے ساتھ بیٹھ کر کچھ نہیں کھانا۔“

اس نے خند کی تھی۔ خانسانا نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔ علیحدہ نے کچھ خند کی تھی، اور پھر اس طرح کی خند..... اس نے کچھ کہنے کی بجائے کھانے کی کچھ چیزیں کچن کی ٹیبل پر رکھنی شروع کر دیں۔ اس وقت علیحدہ نے لاؤنج میں سے ناو کی آواز سنی تھی۔ وہ اس کا نام پکارتے تھے۔ وہ اسے اختیار کچن سے باہر نکال آئی۔

”علیحدہ! تم رات کو مجھ سے ملیں گی نہیں۔ آجے ہی سو گئیں۔“

انہوں نے اسے دیکھتے ہی کٹھہر کیا تھا۔

”کراچی سے اتنی جلدی کیوں داہیں آگئیں؟“

انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”بس میرا دل نہیں لگا دیا، حالانکہ بابا تو بہت کہہ رہے تھے اور ناراض بھی ہو گئے تھے میرے اس طرح سے جلدی چلے آنے پر مگر میں آپ لوگوں کو کس کر رہی تھی۔“ اس نے ایک بار پھر جھوٹ بولنا شروع کر دیا تھا۔

”بہت اچھا کیا اتنی جلدی داہیں آکر!“

نانا نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا، اور کچھ مطمئن ہو گئی تھی کہ کم از کم نانا تو اس سے ناراض نہیں تھے۔ اس نے سوچا عمر خانو کے ساتھ صوفہ پر بیٹھا بڑی خاموشی سے اس کی نانا کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ اس بار اس نے علیحدہ کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”مرید سے کو کھانا گادے!“

نانا نے نانو سے کہا تھا۔

”مگر بیٹا! میں تو کھانا نہیں کھاؤں گی۔“

عمرانہ کھڑا ہوا تھا۔

”کیوں، اب تمہیں کیا ہوا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں بس مجھے ابھی تھوڑی دیر میں داک پر جانا ہے اور اب میں نے کھانا داک سے داہیں پر کھانا شروع کر دیا ہے۔“

”یہ ایک اچھی حرکت ہے۔ داک سے داہیں پر کھانا۔“

نانا نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

”میں تو اپنی کچھ چیزیں لینے آیا تھا۔ یہ تو بس گرنی ہے پکڑ کر غصا لیا۔“

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”جو چیزیں تمہیں لینے ہیں، ضرور لو لیکن کھانا کھا لے بغیر تم یہاں سے نہیں جاسکتے۔ سمجھتی تم؟“

نانا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے کچھ اور کیچے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ علیحدہ کو ایک بار پھر اپنا آپ بیک گراؤڈ میں جانا ہوا محسوس ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا وہاں صرف عمر خانو، نانو ہی تھے، کوئی چوتھا شخص نہیں۔ کسی چوتھے شخص کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نانا کی پوری توجہ اب عمر پر مرکوز تھی۔ وہ طول ہونے لگی تھی۔

خاندانوں نے کھانا لگا دیا تھا اور علیحدہ نے بڑی خاموشی کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ عمر کے ساتھ بھیل پر اس کی دوبارہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی، نہ ہی وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ نانا سے باتوں میں مشغول تھا اور کھانا کھانے کے بعد نانا کی کپڑے بدلنے اسے کمرے میں چلے گئے تھے۔ نانا کا بیٹا بنانے کے لیے بچپن میں ہی میں اور ان کے جانے کے بعد عمر ہی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ علیحدہ ڈانٹنے بھیل پر بالکل اکیلی بیٹھی رہ گئی تھی۔ بڑی بے دلی کے ساتھ وہ اپنی

پلیٹ میں موجود کھانا کھاتی رہی۔ پھر یک دم پلیٹ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عمر کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے وہ چنگاچی تھی پھر اس نے دروازے پر دستک دی۔

”لےیں کم ان؟“

اندروں سے عمر کی آواز ابھری تھی۔

وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ عمر کا ہنٹ پر ایک بیک کوملے کچھ چیزیں اس میں رکھنے میں مصروف تھا۔ علیحدہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوا تھا مگر پھر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”آؤ علیحدہ!“ وہ بدستور اپنے کام میں مصروف تھا۔

”بیٹھ جاؤ!“ ایک بار پھر علیحدہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میں بیٹھنے کے لئے نہیں آئی۔“ اس نے نگلی سے کہا تھا۔

وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا اور پھر بولے سے ہنس دیا۔ ”اچھا۔“ وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

”آپ نے نانو سے میرے بارے میں کیا کہا ہے؟“ اس نے سراٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

”کچھ بھی نہیں!“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے نانو سے کہا کہ میں نے آپ کو اس گھر سے جانے کے لئے کہا ہے۔“

”کم آن علیحدہ! میں نے ایسا کچھ نہیں کہا!“

اس بار اس نے ایک بار پھر بڑے پرسکون اور غمگین ہونے لگے کچھ میں کیا۔

”آپ نے نانو سے کہا کہ میں یہاں آپ کا رہنا پسند نہیں کرتی۔“

”ہاں یہ میں نے کہا تھا۔“ اس کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔

”آپ نے یہ کیوں کہا تھا؟“ وہ تیز آواز میں بولی تھی۔

”کیا میں نے غلط کہا ہے؟“ اس نے بہت سیہ حاسواں کیا کیا تھا۔ وہ چھوٹے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ

س کے جواب کا انتظار کرتے بغیر ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

”آپ نے نانو کو میرے خلاف کر دیا ہے۔“ وہ کماؤں کے حلیف کی طرف جاتے جاتے مڑا تھا۔ ”میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔“

”آپ نے کیا ہے؟“

”میں نے جو کچھ میں کیا ہے، وہ تمہاری خوشی اور convenience (سہولت) کے لئے کیا ہے اور اس میں گرنی تمہارے خلاف کرنے کی اتنا حرکت شامل نہیں ہے۔“ وہ اب کتابیں حلیف پر سے اٹھا رہا تھا۔

”آپ کی وجہ سے نانو مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کر رہی!“ اس بار وہ روہاٹی ہو گئی تھی۔

اس نے مڑ کر علیحدہ کو دیکھا تھا اور پھر بڑی تیزی سے کہا تھا۔ ”وہ گراہیا کر رہی ہیں تو غلط کر رہی ہیں، میں

لے کر آ گیا۔ اس نے پانی پینے کے بعد اس خاموشی سے گھاس داہیں اسے تھما دیا تھا۔

”رونا کس بات پر آیا تھا؟“ وہ اب اس کے پاس بیٹھ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

علیہ کو اب شرمندگی محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے رونا نہیں چاہتے تھے مگر اس کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔

”کراہی میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“

علیہ نے خوف کے عالم میں سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بلا کا قیافہ شاس تھا۔ وہ بڑے غور سے اس کا چہرہ

دیکھ رہا تھا۔ علیہ کو دل چاہا اسے بتا دے کہ اس کے باپ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا مگر وہ ایک بار بھر کر گئی۔

اس کی آنکھیں ایک بار پھر دھندلانے لگی تھیں۔ اس بار مرنے کی بڑی نرمی سے اپنی انگلیوں سے آنسو پوچھ دیے تھے۔

”دہنے سے کیا ہوگا علیہ؟ زندگی میں تو بہت کچھ نہیں کرنا پڑتا ہے۔ ہر بار آنسو پر اٹھ نہیں کرتے۔“

اس کا خیال تھا۔ مگر اس سے پوچھنے کا کہ وہاں ایسا کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی دل گرفتہ تھی، مگر عمر

نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس کے بجائے نرم لہجے میں ایک نصیحت کی گئی تھی۔

”پلٹا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ میرے پاس جب جس کی روپے آئے، میں تمہیں ایک گھر ضرور گفٹ کروں

گا۔“ علیہ نے جراتی سے مگر گودھ دیکھا تھا۔

”آئی ایم سیریس!“ وہ علیہ کی حیرانی کو مہربان کیا تھا۔

”مجھے گھر نہیں چاہیے۔“

”تو پھر کیا چاہئے؟“

”کچھ بھی نہیں!“

وہ ابھی بھی اتنی ہی ملول نظر آ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

”آپ پھر یہاں رہیں گے نا؟“

اس نے اچھا کراٹھا کر عمر سے پوچھا تھا۔

”ہاں! رہوں گا۔“

مگر کو اس کے چہرے پر کچھ اطمینان نظر آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”پھر یہ چیزیں داہیں رکھ دیں۔“

اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

”میں رکھ دوں گا لیکن آج تو مجھے جانا ہی ہوگا کیونکہ میرا باقی سامان تو وہیں ہے۔“

اس نے کہا تھا۔

وہ اٹھ کر دو بارہ اپنے بیگ کی طرف جھانک گیا تھا۔ اب وہ بیگ میں سے چیزیں داہیں نکال رہا تھا۔ علیہ نے

کچھ مطمئن ہو کر اسے دیکھا تھا اور کمرے سے لٹکنے کے لئے مزگنی۔ دروازہ کے پتھل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی نظر

کمرے کے کونے میں پڑی ہوئی ایک چیز پر پڑی تھی اور وہ مصحف کریم تھی۔



باب ۱۳

”عمر کے بارے میں کیا بات کر رہے تھے؟“

وہ بھی کچھ فکر مند ہو گئی تھی۔ ناواب بہت ابھی ہوئی تھی۔

”تجارتیں اب کیا پر اٹھ رہے؟“

ناواب بڑبڑاتی تھیں۔

”انگل جہاگیر کل پاکستان آئیں گے؟“

اس نے اس سوال بدل دیا تھا۔

”نہیں! پاکستان تو وہ دو دن پہلے ہی آ چکا ہے!“

”انہوں نے آپ کو پہلے انعام کیوں نہیں کیا؟“

”پتہ نہیں!“

”لے لے بھی نہیں آئے؟“

”اب میں کیا کر سکتی ہوں۔ اس کی مرضی ہے۔“

”پہلے تو سید صاحبین آ چکے تھے۔“

”پہلے تو بات ہی اور تھی۔ پہلے تو تمہارے نانا کی وجہ سے وہ سید صاحبین آ چکے تھے۔ اب جب سے ان کی

دھجھ ہوئی ہے جہاگیر بہت لاپرواہ ہو گیا ہے۔“

”انگل لاہور میں ہی ہیں؟“

”ہاں۔۔۔ یہ میں نے نہیں پوچھا۔ ہو سکتا ہے لاہور میں ہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابھی کراچی میں ہو۔“

”کل کس وقت آ رہے ہیں؟“

”سمندر ہاتھ کر شام کو آئے گا۔“

”آپ نے ان سے پوچھا کہ یہاں کتنے دن رہیں گے؟“

بھی بیٹھیں دیکھی تھی۔ بہت عرصہ کے بعد وہ اس طرح پریشان نظر آ رہی تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد عمر کا فون آ گیا تھا۔ وہ انٹر پورٹ پر تھا اور ڈرامہ دیکھنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ نانو نے اس کا فون ریسید کیا تھا اور ڈرامہ دیکھ کر بھجوا دیا تھا۔

ایک کہنے کے بعد پورج میں گاڑی رکھنے کی آواز سنائی دی تھی۔ علیزہ نے اگلے کے چہرے پر نظر دوڑائی تھی، وہاں تاؤ شی اضافہ ہو گیا تھا۔ پچھلے ایک گفتگو سے وہ نانو اور اگلے جہانگیر کی باتیں سن رہی تھی، اور وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے فٹلی کمبرز کے بارے میں معمول کی گفتگو میں مصروف تھے۔ مگر ان کی گفتگو میں گرم جوشی یا خوشی نہیں تھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ صرف وقت گزارنے کے لئے باتیں کر رہے تھے۔

علیزہ نے ایک گہری سانس لی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھلا اور عمر اپنی ہی روم میں اندر آ گیا تھا۔ پہلا قدم اندر رکھتے ہی وہ حلقہ کرک گیا۔ علیزہ نے اس کے چہرے پر موجود ہلکی سی مسکراہٹ کو غائب ہوتے دیکھا۔ وہ اگلے جہانگیر کو دیکھ چکا تھا اور علیزہ نے اس سے پہلے اس کے چہرے کو کبھی اتارے تاثر نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اگلے جہانگیر کو ایک نظر دیکھا اور پھر گہری نظروں سے نانو کو دیکھا تھا، اور اس وقت علیزہ کو اس کی آنکھوں میں شہو نظر آ گیا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ اب آگے بڑھ آ گیا تھا۔ السلام وعلیکم کے دو لفظ کہنے کے بعد وہاں رکے یا کسی کو دیکھے بغیر لاؤنج سے گزر گیا تھا۔ اگلے جہانگیر نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے چہرے پر بہت عجیب تاثرات تھے۔

”علیزہ! تم جاؤ اور اسے کہو کہ کپڑے بدل کر کھانے کے لئے آ جائے، کھانا تیار ہے۔“

نانو نے اسی لمحے علیزہ کو مخاطب کیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھیجی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

عمر کے بیڈ روم کے دروازے پر اسے دو تین بار دستک دینی پڑی تھی پھر وہ رک گئی۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی ڈریسنگ میں کپڑے تبدیل کر رہا ہو۔ اس نے سوچا تھا۔ چند منٹ وہاں ہیں دروازہ کے باہر کھڑی انتظار کرتی رہی پھر اس نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی تھی اس بار اسے انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ فوراً ہی اسے عمر کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ عراب سفید شلوار قمیض میں لمبیں تھا اور موہلی پر کوئی نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔

”نانو کہہ دیں کہ آپ کھانے کے لئے آ جائیں!“

علیزہ نے نانو کا بیٹام اسے دیا تھا۔

”پاپا کب آئے ہیں۔“

اس نے علیزہ کی بات کے جواب میں سوال کیا تھا۔

”انگل آج شام کو آئے ہیں۔“

”اور تم لوگوں کو پہلے سے پایا کے آنے کا پتا تھا؟“ اس بار اس کا لہجہ بہت نیچا تھا۔

”کل اگلے فون کرنے کے نانو کو اپنے آنے کا پتا تھا۔“

”صبح میں نے مگر یہی کوفون کیا تھا تو انہوں نے مجھ سے پایا کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔“

”تعب ہے، ہوشیار ہو، علیزہ! بھلا میں یہ کیسے پوچھ سکتی تھی۔ وہ جہانوں کو پہلے ہی اس کی واپسی کی فکر پڑ گئی ہے۔“

علیزہ کا چہرہ غصے سے تھوڑا سرخ ہو گیا تھا۔

”نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں تو اس لئے پوچھنا چاہ رہی تھی تاکہ ان کا کمرہ اسی طرح سیٹ کر سکوں۔“

”ہاں، کہہ دیجیے رہا ہے کہ یہیں رہے گا مجھ سے کہہ رہا تھا کہ عمر کو اس کی آمد کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں۔ میں نے کہا کہ عمر تو یہاں ہے ہی نہیں۔ کہنے لگا کہ پھر میری اسے میرے آنے کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے۔“

”انگل جہانگیر نے ایسا کیوں کہا۔“

علیزہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

”خیر عرصہ سے وہ اپنی آمد کیوں چھپانا چاہ رہے ہیں؟“

”یہ تو میری بھی سمجھ میں نہیں آتا۔“

”پتا نہیں انگل جہانگیر اور عمر کا اتنا جھگڑا کیوں ہوتا رہتا ہے؟“

”دونوں غصہ دو ہیں۔ دونوں اپنی اپنی منوانے والے ہیں۔ پھر جھگڑا نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ بہر حال تم جہانگیر کے لئے بھی کمرہ تیار کر دو۔“

”نانو انگل اکیلے آ رہے ہیں؟“

”ہاں! اکیلا ہی آ رہا ہے۔“

نانو انگل کی طرف جلی جی تھیں۔

علیزہ کچھ دیر خاموشی سے وہاں بیٹھی کچھ سوچتی رہی پھر اٹھ کر عمر کے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ کمرے میں عمر کے گلوں کی میبک ایک جگہ موجود تھی۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے انڈی ٹیبل کی طرف گئی تھی، وہاں عمر کا وہ انکسچ موجود نہیں تھا جس نے کل وہاں رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمر وہ انکسچ دیکھ چکا تھا۔ اسے نامعلوم خوشی ہوئی تھی۔ وہ وہاں مڑنے لگی تھی جب اس کی نظر انڈی ٹیبل کے پاس پڑی ویسٹ بیک پر پڑی تھی۔ اس میں صرف ایک مڑا تو کاغذ پڑا ہوا تھا اور وہ اس کا نڈو کا تھکے بغیر بھی جانتی تھی کہ وہ کونسا کاغذ تھا۔

☆☆☆

انگل جہانگیر دوسرے دن شام کو پہنچ گئے تھے۔ ان کا موڈ واپسی اس بار کچھ اور ہی طرح کا تھا۔ ہر بار جب بھی آتے تھے تو بہت خوشگوار موڈ میں ہوتے تھے۔ علیزہ سے کافی گرم جوشی سے حال احوال پوچھا کرتے تھے مگر اس بار وہ بہت سنجیدہ تھے۔ علیزہ سے ان کی دہائی سلام دعا ہوئی تھی اس کے بعد وہ نانو کے ساتھ ان کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہاں ان دونوں کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں، وہ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اس نے جاننے کی کوشش ہی کی۔ اس نے بس ملازم کے ہاتھ جائے اور کچھ کھانے کی چیزیں اندر بھجوا دیں تھیں۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد انگل نانو کے ساتھ باہر لاؤنج میں نکل کر آ گئے تھے۔ علیزہ نے نانو کے چہرے پر

”اگلے دنے ناؤ کو صبح کو دیا تھا کہ وہ ان کے آنے کے بارے میں آپ کو کچھ بھی نہ بتائیں۔“

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ یہی جیسے اس کی بات کو جانچ رہا ہو۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ، میں آ رہا ہوں۔“

اس نے ایک بار بھر سوہنل پر کال لائی شروع کر دی تھی۔ وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

لاؤنج میں آ کر اس نے ناؤ کو اس کے آنے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ملازم نے چند منٹوں بعد انہیں کھانا لگنے کی اطلاع دی تھی اور وہ تینوں اٹھ کر ڈائننگ روم میں آ گئے تھے۔

ان کے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہی عمر ڈائننگ روم میں آ گیا تھا۔ کچھ کے بغیر وہ ایک کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

ملازم نے سوپ سرور کا شروع کر دیا تھا۔

”نہیں، مجھے سوپ نہیں چاہیے۔“

نہ

اس نے سوپ کا پیالہ ایک طرف کرتے ہوئے چاولوں کی ڈش اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

سب نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ ناؤ باری باری اگلے جہانگیر اور عمر کو ڈش سرور کر رہی تھیں۔ ہر سرور کے بعد ایک لطف کے بغیر پوری سنجیدگی سے کھانا کھاتا رہا۔ اس نے ایک بار بھی اگلے کی طرف دیکھنے یا انہیں مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دوسری طرف اگلے جہانگیر بھی بہت خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ علیزہ

کھانا کھاتے ہوئے باری باری اگلے جہانگیر اور عمر پر نظر دوڑاتی رہی۔

عمر نے سوپ ڈش کھانے کے بعد پلیٹ کھسکا کر ٹیبلن اٹھا لیا تھا، اور وہ منہ پر چھو رہا تھا۔ جب ناؤ نے

اسے مخاطب کیا تھا۔

”عمر! آپ تم میرے کمرے میں چلنا چھوٹے سے اور جہانگیر نے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

علیزہ نے نیکدم اس کے چہرے پر تاؤ دوڑا دیا۔

”مجھے اس وقت کسی سے کچھ بھی بات نہیں کرنی ہے میں بہت تھک چکا ہوں اور جو واحد چیز میں اس وقت

چاہتا ہوں وہ تندر ہے۔ جہاں تک آپ کی بات سننے کا تعلق ہے تو وہ میں صبح من لوں گا اور اس کے علاوہ مجھے کسی

دوسرے کی نہ تو کوئی بات سننا ہے اور نہ ہی کسی سے کوئی بات کرنا ہے۔“

وہ کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ علیزہ جان کی تھی کہ اس کا اشارہ کسی کی طرف ہے۔ اس نے اگلے

جہانگیر کے ہاتھ پر مل پڑے دیکھے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی پلیٹ پیچھے سرکادی تھی۔

”کیوں، مجھ سے بات کرتے ہوئے تمہیں کیا تکلیف ہوتی ہے؟“

علیزہ نے انہیں تیز آواز میں کہتے ہوئے سنا تھا۔

”مجھے آپ سے جتنی باتیں کرنا تھیں، میں کر چکا ہوں۔ مزید باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔“

عمر نے ٹیبل باران کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

”مگر مجھے تم سے بہت سی باتیں ابھی کرنی ہیں یہ تم ابھی طرح سن لو۔“

”تم اس طرح سے فرار حاصل نہیں کر سکتے۔“

اس بار اگلے جہانگیر نے تقریباً چلائے ہوئے کہا تھا۔ ناؤ نے اگلے جہانگیر کے کندھے کو دبا یا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے جہانگیر؟ کیوں اس طرح سے چلا رہے ہو؟ آرام سے بات کرو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

”نہیں گریبانہیں چلائے دیں۔ پچھلے تیس سالوں میں انہوں نے چلانے کے علاوہ اور کیا ہی کیا ہے۔“

”عمر! تم بھی تیز سے بات کرو، وہ باپ سے تمہارا۔“

اس بار ناؤ نے عمر کو جھڑکا تھا۔

”یہ باپ نہیں ہیں بلکہ راجہ ہیں۔ ان کے نزدیک ہر چیز جیکے دانی ہے۔ چاہے وہ دلچیز ہوں یا پھر اولاد۔“

اس نے نئی سے اگلے جہانگیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ سن رہی ہیں اس کی باتیں۔“

اگلے جہانگیر نے تڑپ سے ناؤ سے کہا تھا۔

”آپ نے ہی خواہش کی تھی باتیں سننے اور سنانے کی۔ یہ میری خواہش نہیں تھی۔“

”عمر تم بیٹھ جاؤ۔“

ناؤ نے عمر سے کہا تھا۔

”مجھے بیٹھنا ہی نہیں ہے۔ جب مجھے کوئی بات ہی نہیں کرنا ہے تو پھر مجھے یہاں بیٹھ کر کیا کرنا ہے۔“

وہ لیے لیے ڈگ بگڑتا رہا اسے چلا گیا تھا۔ اگلے جہانگیر ہونٹ کھینچتے ہوئے اسے جانا دیکھتے رہے تھے۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔“

انہوں نے اس کے جاتے ہی ناؤ سے کہا تھا۔

”اس وقت اسے سونے دو۔ وہ تھکا ہوا ہے۔ اس لئے زیادہ مغل ہو گیا ہے۔ تم صبح دوبارہ اس سے بات

کرنے کی کوشش کرنا اور کچھ نئی سے بات کرنا۔ وہ کوئی چھوٹا سا بچہ نہیں ہے، جہاں ہے اطمینان نہ ہے، اور اس

طرح وہ کبھی بات نہیں سنے گا۔“

ناؤ اگلے جہانگیر کو سمجھا رہی تھیں۔

”آپ کا کیا خیال ہے کہ میں نے اس سے نئی سے بات نہیں کی ہے، میں اس سے ہر طرح سے بات کر چکا

ہوں مگر وہ اپنی بات پر جتا ہوا ہے۔ اسے احساس ہی نہیں ہے کہ اس کی ضد میرے لئے کتنی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔“

وہ تیز آواز میں ناؤ سے بات کر رہے تھے جو بڑی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

”ٹھیک ہے فی الحال ابھی تو کچھ نہیں ہو سکا۔ وہ سونے چلا گیا ہے۔ تم بھی جا کر سو جاؤ۔ صبح دیکھوں گی کہ

میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟“

ناؤ نے اگلے جہانگیر کو دلا دیتے ہوئے کہا، اور وہ اگلے جہانگیر کو اپنے ساتھ لے کر ٹیبل سے اٹھ گئیں۔

علیزہ چپ چاپ وہیں بیٹھی اگلے جہانگیر کی گفتگوں سمجھانے کی کوشش کرتی رہی۔ ملازم ٹیبل سے کھانے کے

برتن اٹھانے لگا۔ وہ سوچتی رہی کہ اس بار عمر اور اکل کے درمیان جہ تازہ کیا ہو سکتی ہے۔

ان دونوں کے درمیان ہونے والا یہ پہلا جھگڑا نہیں تھا۔ علیہ وکالیہ بہت سے مواقع یاد تھے، جب ان دونوں کے درمیان اختلافات ہوتے رہے تھے۔ مگر اس بار معاملہ یقیناً زیادہ سیریش تھا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ یونیورسٹی چلی گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی واپسی تک اکل جہانگیر اور عمر کے درمیان جو بات ہونا ہوگی، ہو سکتی ہوگی، اور گھر کا اعصاب شکن ماحول بدل چکا ہوگا۔ مگر یہ سب کچھ واپسی پر اسے پتہ چلا تھا کہ عرصہ ہی نہیں چلا گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ اکل جہانگیر کا پارہ آستان سے ہاتھ کر رہا تھا اور نانو کی کچھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

عمر شام کے وقت واپس آیا تھا اور اس بار اکل جہانگیر نے وقت ضائع کیے بغیر اپنے بھٹے بات کرنی شروع کر دی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے اور علیہ وکالیہ چہرے پہلے ہی نہیں چائے دیکر آئی تھی۔

”میں آپ کو کل بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے آپ سے کوئی بھی بات نہیں کرنی۔“

عمر نے لاؤنج میں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔

”عمر! اس طرح.....!“

عمر نے نانو کو بات بھی مکمل نہ کرنے دی تھی۔

”کر رہی! میں یہاں اسے لے آیا ہوں تاکہ مجھ کو دن سکون سے گزار سکوں۔ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر میں

یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

یہ کہہ کر وہ لاؤنج سے نکل گیا۔ نانو نے اسے آواز دی تھی مگر اس نے ان کی آواز کو نظر انداز کر دیا تھا۔

”علیہ وکالیہ اس سے جا کر کہو کہ آج کا رے تو پنی لے۔“

نانو نے علیہ وکالیہ سے کہا۔ وہ اندھ کر عمر کے کمرے کی طرف آگئی تھی۔ وہ سب کی آواز سننے ہی اندر سے عمر نے آواز دی تھی۔

علیہ وکالیہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔ وہ اپنے گلے میں بندھی ہوئی ٹائی کھول رہا تھا۔ علیہ وکالیہ نے نانو کا پیغام اسے پہنچا دیا تھا۔

”نہیں، مجھے چائے نہیں پینی!“

اس نے بڑی ترشی سے کہا۔

علیہ وکالیہ نے اس کے چہرے پر چمکن کے آثار دیکھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ شاید وہ رات کو دیر سے سویا تھا۔ علیہ وکالیہ کو بے اختیار اس پر ترس آ گیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اکل جہانگیر کو یہاں سے واپس بھیج دے۔

”اگر وہ بات نہیں کرنا چاہتا تو نانو اور اکل اسے کیوں مجبور کر رہے ہیں؟“

اس نے خود ہی جواب داری سے سوچا تھا۔

”میں چائے یہاں لے آؤں؟“

علیہ وکالیہ نے ہمدردی سے اس سے پوچھا تھا۔

”نہیں! ضرورت نہیں ہے!“

اس نے بڑی رکھائی سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اسی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

”وہ چائے پینا ہی نہیں چاہتا!“

اس نے لاؤنج میں آ کر کہا تھا۔

”وہ میرا سامنا کر نہیں چاہتا، آپ دیکھو یہ جی کہ وہ میرے ساتھ کیا کر رہا ہے۔“

اس نے اکل جہانگیر کا چہرہ سرخ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

”علیہ وکالیہ! تم اس سے جا کر کہو کہ باری ہوں۔“

نانو نے اکل جہانگیر کو جواب دینے کے بجائے اس سے کہا تھا۔ وہ ایک بار پھر واپس پلٹ گئی تھی۔ اسے اپنے پیچھے اکل جہانگیر کی آواز سنائی دی تھی وہ ایک بار پھر نانو سے کچھ کہہ رہے تھے۔

عمر اس بار اس کے پیغام پر جھڑک اٹھا تھا۔

”میں ایک بار بتا چکا ہوں کہ مجھے چائے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی مجھے باہر آنا ہے۔ تم جا کر گرہنی سے

کہہ دو اور پلایز اب دوبارہ یہاں کوئی پیغام لے کر آنا۔ بار بار مجھے ڈسٹرب مت کرو۔“

اس نے خاصی ترشی سے علیہ وکالیہ سے کہا تھا۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ عمر نے کبھی اس طرح اسے جھڑکا ہو۔ وہ

ایک بار پھر پلٹ گئی تھی اور اب ہی ایک منجکے سے دروازہ کھول کر اکل جہانگیر اندر آ گئے تھے۔

”آپ کو میرے کمرے میں اس طرح داخل ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

اس نے عمر کو تیز آواز میں کہتے ہوئے سنا تھا، علیہ وکالیہ کی کچھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ وہاں ٹھہرے یا چل جائے۔

”یہ کمرہ میرے باپ کا ہے!“

اکل جہانگیر نے جواب کہا تھا۔

”لیکن آپ کا نہیں ہے۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔“

عمر نے ترشی سے ان سے کہا تھا۔

”میں نے اپنی زندگی میں تم جیسا خود غرض، خود پسند اور غیر ذمہ دار شخص نہیں دیکھا۔“

اکل نے اس کی طرف اٹکی سے اشارہ کیا تھا۔

”ہاں! میں خود غرض، خود پسند اور غیر ذمہ دار ہوں..... کیونکہ آپ کا ہی بیٹا ہوں۔“

عمر نے انہیں اسی لہجے میں جواب دیا تھا۔ علیہ وکالیہ کو اکل جہانگیر کے پیچھے دروازے میں ناظر آئی تھیں۔

”تم میرے آخری کارنامہ صاف بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”مجھے جتنی بات کرنی تھی، کر چکا ہوں اب اور کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کو پہلے بھی میں انکار کر چکا ہوں

اور انکی ریچریشن والے شخص کا حوالہ دیتا بہت بڑی حماقت ہے، اور میں انکی حماقت نہیں کرتا۔ عمر کو جہاں گھر جیسے لاحقہ کے بغیر بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں اور وہ اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر میرے نام کے ساتھ آپ کا نام ہے تو یہ میری جھوٹی ہے، میری ضرورت نہیں۔ مجھے فاران سروس میں لا کر آپ نے میری جو نیوکر، میں دو لوگ چکا ہوں۔ اب نہ تو آپ ہی میرے لئے کچھ کریں نہ میں آپ کے لئے کروں گا۔“

”تم میرے کسی احسان کو لوٹا نہیں سکتے۔ میں نے تمہارے لئے جو کچھ کیا ہے، وہ بہت کم لوگ اپنی اولاد کے لئے کرتے ہیں، اور جو کچھ تم بدلے میں میرے ساتھ کر رہے ہو وہ بھی کوئی اولاد بہت کم کرتی ہے۔“

”آپ نے میرے لئے ایسا کچھ بھی نہیں کیا جو دنیا سے لوٹا ہو۔“

”میں نے سمجھنا سے آج تک تمہاری ہر خواہش پوری کی۔ تم پر روپیہ جیسے پانی کی طرح بہایا۔ سب سے اچھے انہی ٹیوشن میں جنہیں تعلیم دلوائی، تمہارا کیریئر بتایا اور تم کہتے ہو کہ میں نے تمہارے لئے کچھ نہیں کیا۔“

”آپ نے مجھ پر یہ ساری ان فوٹنٹ اپنے ہی فائدہ کے لئے کی۔ مجھ پر روپیہ اس لئے بہایا تاکہ بعد میں آپ میری اچھی قیمت وصول کر سکیں۔ جس طرح اب آپ وصول کرنا چاہ رہے ہیں۔ آپ نے کوئی چیز بھی میری خوشی کے لئے نہیں کی۔ اپنے فائدہ اور نقصان کے لئے سوچ کر کی۔ آپ وہ انسان ہیں جو اپنے علاوہ کسی دوسرے کے لئے کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ آپ کی ہر سوچ ”میں“ سے شروع ہوتی ہے اور ”میرے لئے“ پر ختم ہو جاتی ہے۔ آپ لوگوں سے تعلق جب تک رکھتے ہیں جب تک وہ آپ کے لئے فائدہ مند ہیں۔ جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو آپ کے لئے ان کی اہمیت بھی ختم ہو جاتی ہے اور ان لوگوں میں، میں بھی شامل ہوں۔“

اس کی سختی ہی جتنی بھی جاری تھی، جیسا جھگڑنے سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ میرا جھوٹا تم میری ٹیلی کا حصہ ہو۔“

علیہ نے عمر کے چہرے پر اضطراب دیکھا تھا۔

”اور آپ بھی یہ نہ بھولیں کہ آپ کسی ٹیلی میں ہو ہی نہیں سکتے۔ ٹیلی آپ کی سب سے آخری ترجیح ہے۔“

اس نے عمر کو انگلی اٹھا کر کہنے ہوئے سنا۔

”میرے بارے میں تو بے دینی کی کوشش مت کرو۔ میں کون ہوں اور کیا ہوں، میں ابھی طرح سے جانتا ہوں تم صرف اپنے بارے میں ہی بات کرو۔“

”کیوں بات نہ کی جائے آپ کے بارے میں؟“

”میں تم سے یہاں کوئی فضول بحث کر رہی نہیں آیا ہوں۔ مجھے تم سے صرف ایک سوال کا جواب چاہئے اور وہ بھی صرف ہاں میں۔“

ان کا لہجہ بے حد سرد اور خشک تھا۔

”اور میرا جواب ”نہیں“ میں ہے۔“

وہ اتنا ہی بے خوف تھا۔

ہوتی ہے وہاں تم جیسے جو غیر آفسر کی پوسٹنگ میری مدد کے بغیر کیسے ہو سکتی تھی۔ جو عمارت میں نے تمہیں تمہاری سروس میں دیا، وہ بہت کم لوگوں کو ملتا ہے مگر جنہیں میرا کوئی احسان یا دلی نہیں ہے۔“

”آپ نے میری پوسٹنگ اس لئے وہاں کر دئی تاکہ آپ اس سینٹ کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکیں۔ آپ مجھے فاران سروس میں لے کر ہی اس لئے آئے تھے تاکہ مجھے استعمال کر کے اپنے لئے کچھ اور فائدہ حاصل کر سکیں۔“

”تمہاری اس ضد کی وجہ سے جانتے ہو کہ کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے؟“

اس بار ان کا لہجہ قدرے نرم تھا۔

”میری بلا سے، آپ کو کیا نقصان پہنچتا ہے اور کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ یہ آپ کے سونے کی باتیں ہیں۔“

”میری نہیں۔“ وہ ابھی بھی اتنا ہی سخت تھا۔

”تم اس لڑکی سے شادی نہیں کرو گے؟“

”نہیں۔ میں کسی بھی قیمت پر شادی نہیں کروں گا۔“

”جانتے ہو اس لڑکی سے شادی کر کے تم کہاں پہنچ سکتے ہو؟“

”آپ میرا ہورہ بننے کی کوشش مت کریں میں اس سے شادی کر کے کہیں نہیں پہنچوں گا۔ ہاں آپ کے سارے پر اہل عمل ہو جائیں گے۔ سروس میں آپ کو دو سال کی ایک ٹینشن مل جائے گی آپ کے خلاف چلنے والی انکار کیڑی کی رپورٹ غائب ہو جائیں گی۔ انہی کے فٹرز میں کیا نہ لایا بلاڈر رگول ہو جائے گا اور مستقبل کے لئے جو پرمٹ اور گنے آپ کو چاہئیں وہ بھی آپ کو مل جائیں گے۔ مگر مجھے اب آپ کے لئے بلیک چیک نہیں بنانا۔“

”تم اس سب کے لئے بہت بچھتاؤ گے۔“

”میں پہلے ہی بہت بچھتا چکا ہوں اور اب اور نہیں بچھتاؤں گا۔“

”میں نہیں آسان پر لے جانا چاہتا ہوں اور تم ایک کمرے کے کمرے بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو۔“

”ہاں آپ مجھے آسان پر لے جانا چاہتے ہیں لیکن میرے گھر میں پھنساؤ ڈال کر مجھے اوپر اٹھانا چاہتے ہیں۔“

”میں جانتا ہوں میرے خلاف یہ سب کچھ تمہارے دماغ میں ڈالنے والا کون ہے۔ میں اس عورت کو دیکھ لوں گا۔“

جہاں گھر نے زہریلے لہجہ میں کہا تھا۔

”وہ عورت میری ماں ہے، اور میں اس سے بچھلے پھر سال سے نہیں ملا، اور آپ کو جاننے کے لئے مجھے کسی سے کچھ سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بغیر ہی میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔“

”جنہیں یہ جو بولنا آگیا ہے تو صرف میری وجہ ہے۔ میرے نام، میری مدد کے بغیر تم نے کوئی ہاتھ ملا بھی پسند نہ کرے گا۔“

”آپ کا نام میرے لئے کسی غم کا باعث نہیں ہے۔ آپ اپنی ریچریشن بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔“

جیٹریٹل چھڑا آسان نہیں ہے۔ میری کچھ جہاں تک ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جس شخص کی بیٹی سے تم شادی کرنے پر انکار کر رہے ہو، وہ شخص میرے پیچھے ہٹ جانے پر ہمیں زندہ گاؤں کے کیرئیر کی قوت ہی نہ کرے۔ اس انکار کے بعد کم از کم اس ملک میں تمہارے لئے کوئی کیریئر ہے نہ ہی کوئی فوج۔ باہر تم رہنا نہیں چاہتے۔ اندر میں جنہیں رہنے نہیں دوں گا۔ جاب کے چند ہزار روپوں میں تم گزارہ نہیں کر سکتے میری طرف سے اب دوبارہ جنہیں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں ملے گی۔ تم اپنی جاب کے ذریعہ پیسہ بنانے کی کوشش کرنا، اور یہ ہم ہونے ہی نہیں دیں گے، اور پھر ایک سال کے اندر اندر تم میرے پاس معافی مانگتے آؤ گے۔ جب تم میری ہر بات مانسنے کے لئے تیار ہو گے لیکن اس وقت میں تم پر قہقہوں کا بھی نہیں اس کے بجائے جنہیں غور کرادوں گا۔ یہ ہے تمہارا بھارتی فوج جسے حاصل کرنے کے لئے تم قانون رول چھوڑ کر یہاں آ گئے ہو۔“

انگل جہانگیر کے لہجہ میں یہ مدد ہر تھا۔ طیارہ ساکت کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ تاہم اس وقت بالکل ہی خاموش تھیں اور عمر..... عمر کے چہرے پر تو اس وقت وحشت کے علاوہ اور کچھ دیکھ نہیں رہی تھی۔ وہ خاموشی سے گہرے سانس لے رہا تھا، مگر اس کی سرخ آنکھیں اور سینے ہونے ہونٹ اسے پر سکون ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

”آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس بار آپ سے بیچا چھڑانے کے لئے میں کس حد تک پاسکتا ہوں۔“ وہ غریبا۔

”میں تمہارے لئے کوئی جانے فراموش نہیں چھوڑوں گا۔“

”جہانگیر نے اسے ہی سزا دی تھی میں کہا تھا۔“

”آپ ہر راستہ بند نہیں کر سکتے کوئی نہ کوئی راستہ تو انسان کے پاس ہوتا ہے۔ میرے پاس بھی ہے۔“

طیارہ نے اے اے لے دھموس سے پیچھے جاتے اور کہتے ہوئے ساتھ اس نے انگل جہانگیر کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ دیکھی تھی اور ہر..... ہر اس نے عمر جہانگیر کو کھلی کی تیزی سے سائیزنگ کی اور دھمکوتے اور پورا ٹکالے دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنے اوپر دو خوف سے سر دھتے پایا تھا۔

”عمر.....“

اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ رپا اور کاسٹیلنی کچھ ہٹا رہا تھا۔



جہانگیر اسے چند لمحوں کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں جنہیں اپنی جائیداد سے عاقی کر دوں گا۔ میں بھی دیکھوں کہ میری مذکے بغیر تم کیسے سہرا دینا کرتے ہو۔“

”مجھے آپ کی جائیداد میں سے کچھ نہیں چاہئے مگر جو کچھ دارانے آپ کے لئے چھوڑا ہے اس میں سے مجھے میرا حصہ چاہئے۔ خاص طور سے وہ بیک اڈونٹ جسے ان کی وصیت کے باوجود بھی میرے حوالے نہیں کیا۔“

”میں جنہیں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔“

”میں آپ سے بیک نہیں مانگ رہا ہوں۔ اپنا حق مانگ رہا ہوں، وہ سب کچھ مانگ رہا ہوں جو آپ کا ہے ہی نہیں، جو پہلے سے میرا ہے۔“

”کچھ بھی تمہارا نہیں ہے۔“

”کیوں میرا نہیں ہے؟“

وہ یک دم چلا یا تھا۔

”تم میری بات نہیں مانو گے تو میں جنہیں کچھ نہیں دوں گا۔ شاپنی جائیداد سے نہ پاپا کی جائیداد سے۔“

جہانگیر نے زہریلے لہجہ میں کہا تھا۔

”میں اپنی پوری زندگی کسی سے نہیں، نہیں تھی، اس لئے مجھے اس لفظ کی عادت ہی نہیں ہے۔ اب تم سے بھی یہ لفظ نہیں سن سکتا۔ بات اگر قیمت چکانے کی کرتے ہو تو ٹھیک ہے مگر تم بھی قیمت چکاؤ۔ جنہیں اپنے آپ پر خرچ کیا جائے والا روپیہ ایک انویسٹمنٹ ٹکن ہے تو ٹھیک ہے۔ تم اسے انویسٹمنٹ سمجھو اور پھر مجھے اس پر نتائج دو، اس شادی کی صورت میں۔“ وہ ہنسنے لگے۔

”اور میں بھی نہیں کروں گا، کبھی نہیں کروں گا۔ آپ نے مجھ پر جو خرچ کیا، اپنی مرضی سے کیا۔ میں نے آپ سے کچھ بھی خرچ کرنے کے لئے نہیں کہا اور جو آپ نے کیا وہ ہر باپ کرتا ہے۔ آپ نے ایسا خاص کیا کیا جس کی قیمت میں آپ کو چکاؤں؟“

”تم تو مجھے اپنا باپ مانتے ہی نہیں، پھر کس حوالے سے ان ساری گوریز پر کوئی بات سمجھو۔ تم میری بات نہیں مانو گے تو میں جنہیں سڑک پر لے آؤں گا اور میں یہ بھی بھول جاؤں گا کہ تم سے کبھی میرا کوئی رشتہ تھا۔“

”میں پھر بھی آپ کی بات نہیں مانوں گا، اور جائیداد میں جو میرا حصہ ہے، میں وہ بھی لوں گا۔ جو راستے آپ استعمال کریں گے وہ راستے میرے لئے بھی انجان نہیں ہیں۔“

”مگر تم یہ شادی نہیں کرتے تو وہ سارا روپیہ لوٹاؤ جو میں نے تم پر خرچ کیا ہے۔ پاپا کی جائیداد سے لئے والا حصہ بھی ان ہی اخراجات میں آ جاتا ہے۔ جو میں نے تم پر کئے تھے، اور اس کے علاوہ جتنی تم جنہیں بے کرتی ہے، وہ میرا ویل بہت جلد تباہ ہو گا۔ اگر تم اپنے حصہ کے لئے کورٹ میں جانا چاہتے ہو تو شوق سے باؤ میں بھی تو دیکھو کہ تم کتنے پانی میں ہو۔ جہاں تک تمہارے کیریئر کی بات ہے تو قانون رول تو تم نے چھوڑ دی ہے۔ اور تم سوچ دیتے ہو کہ تم نے مجھ سے بیچا چھڑا لیا ہے۔ تم پولیس جوائن کر رہے ہو، اس کے بعد میں جنہیں تباؤں کا کچھ ہے

مر کے واپس آ جانے سے تانوکا روہیہ یک دم ہانپٹ ٹھیک ہو گیا تھا، اور اس پر علویہ نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

مر کے بچے زبردست ہو چکے تھے اور ان دونوں کا سامنا بہت کم ہی ہوتا تھا۔ خود علویہ بھی کالج جانا شروع کر چکی تھی، اور اپنے سیمسٹر کی تیاری میں مصروف تھی۔

اس رات جب دو بجے کے قریب مرسونے کی تیاری میں مصروف تھا جب پیاس گئے پر اس نے ریفریجریٹر میں پڑی ہوئی بوتل کو خالی پایا اور پھر پانی پینے کے لئے وہ بکن کی طرف آیا تھا لاؤنج میں سے گزر رہے ہوئے وہ غصہ ٹھٹھ کر رہ گیا۔ لاؤنج میں ابھی روشنی کا بلب آن تھا اور اس کی روشنی میں اس نے کسی کو لاؤنج کا دروازہ کھولنے دیکھا اسے پہچانے میں دیر نہیں لگی، وہ علویہ تھی۔

”مہم رات کے اس وقت لاؤنج کے دروازے پر وہ کیا کر رہی ہے؟“ اس نے حیرانی سے سوچا اور اسے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ اس کا خیال تھا کہ علویہ واپس پلٹ کر دیکھے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ واپس پلٹے بغیر وہ دروازہ کھول کر لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

”علویہ!“ مرنے کو حیران ہو کر اسے آواز دی مگر وہ متوجہ نہیں ہوئی۔ مر کچھ حیران ہو کر خود بھی اس کے پیچھے لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ علویہ آہستہ آہستہ ٹین کیٹ کی طرف جا رہی تھی۔

مر نے ایک بار پھر اسے آواز دی مگر وہ متوجہ نہیں ہوئی۔ مر کچھ اور حیران ہوا۔ وہ اب بھی گیٹ کی طرف چلتی جا رہی تھی۔ وہ کچھ پریشانی کے عالم میں اسے جانا نہ دیکھا رہا۔ وہ اب گیٹ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ گیٹ پر موجود چوکیدار کسی سے اٹھ کر اس کے پاس آ گیا اور اس سے کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی اور اب گیٹ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مر حیران قدموں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ آیا۔ چوکیدار کچھ سراسیمہ نظر آ رہا تھا۔

”جناب! یہ علویہ بی بی کی ٹین کھولنے کے لئے کہہ رہی ہیں۔“ چوکیدار نے مر کے آتے ہی اس سے کہا مر اس سے کچھ کہے بغیر علویہ کی طرف بڑھ گیا وہ گیٹ پر لگے ہوئے تالے کے ساتھ الجھی ہوئی تھی۔

”علویہ! کیا بات ہے؟ کہاں جانا چاہتی ہو؟“ اس نے علویہ سے پوچھا۔

”گیٹ نہیں کھل رہا۔ باہر جانا ہے۔“

وہ اب بھی گیٹ کھولنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

”بھئی تو پوچھ رہا ہوں کہ کہاں جانا ہے؟“

”پاپا کے پاس جانا ہے۔“

”علویہ!“

مر ساکت رہ گیا۔

”گیٹ کھول دو چوکیدار..... گیٹ کھول دو۔“

باب ۱۴

کمرے کے کونے میں وہی پلائٹ پڑا ہوا تھا۔ جس کی ایک شاخ اس نے چند دن پہلے ہی کاٹ دی تھی۔ مگر حیرانی اسے پلائٹ کو دیکھ کر نہیں ہوئی، بلکہ یہ پلائٹ کی اس کاٹ جانے والی شاخ کو دیکھ کر ہوئی جو اس نے جان بوجھ کر کاٹ دی تھی، اور اس وقت وہ شاخ اس کتلے میں ہی لگی ہوئی تھی۔ شاخ مر جھانپتی تھی مگر اسے کتلے سے نکال کر پھینک نہیں گیا تھا۔

علویہ کی شرمندگی میں ایک دم ہی ڈیروں اضافہ ہو گیا چند لمبے دروازہ کے چینل پر ہاتھ رکھے وہ اس شاخ کو دیکھتی رہی پھر اس نے عمر کی طرف دیکھا تھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، وہ تو اپنے بیک سے چیزیں نکال رہا تھا۔ علویہ کو کمال لاکچر ہوا۔

”پتہ نہیں، مگر اس پورے سے سختی تھی، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

اس نے ایک بار پھر شاخ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

ای ٹو عمر اس کی طرف متوجہ ہوا اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی نظریں کمرے کے کونے تک گئی، اور علویہ کو پلائٹ پر نظریں جتائے دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھا۔

”مجھے اپنی ہر چیز سے خاص قسم کی محبت ہوتی ہے۔ اس لئے میں انہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، اور اسے بھی میں نے اسی لئے ہاں لگایا تھا۔“

علویہ اس کی آواز پر چونکی وہ اسی سے مخاطب تھا۔

”مگر یہ تو شک ہو رہی ہے؟“

”جب پوری طرح شک ہو جائے گی، جب پریک دوں گا!“

اس نے بڑے ہی ناراض لہجہ میں علویہ سے کہا اور ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ علویہ ابھی

بھری نظروں سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔

وہ اب بھی خوفزدہ تھی۔
 ”نیند میں چلنے کی عادت!“
 علیزہ نے بے بسی سے سر جھکا لیا اور عمر کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔
 ”مجھے نہیں پتا۔“

ہاں وہ جانتے ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ میں ٹھیک ہو چکی ہوں۔ وہ پریشان ہوں گے پتیز آپ ان سے بات نہ کریں۔“

نہیں یہاں ہے ہے رک گیا۔ وہ اب کی اسی طرح بے بس و حرکتھی۔

مرو کاس پر ترس آ گیا۔

”انہوں نے کسی سے تمہارا فریٹس کر دیا ہے۔“

”ہاں وہ..... وہ ایک سائیکالوسٹ سے سیشن کروا رہے ہیں۔“

اس نے اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”پھر؟“

”پھر میں ٹھیک ہو گئی تھی؟“

”قواب کیوں؟“ عمر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”چاہئیں۔ میری کچھ میں نہیں آتا مگر آپ ناٹو سے بات نہ کریں۔“

”ان سے بات کرنے کا فائدہ ہی ہوگا۔ سائیکالوسٹ سے دوبارہ سیشن ہوں گے تو تم پھر ٹھیک ہو جاؤ گی۔“

عمر نے اسے تسلی دی۔

”میں یہ سب نہیں چاہتی۔“

دوسرے چکر کو دہرائی ہوئی آواز میں چلائی تھی۔

”آپ سمجھتے نہیں میرے انگریزا شروع ہونے والے ہیں، میں سیشن میں تھی، اسی لئے ایسا ہوا۔ اب میں

ریٹیکس ہونے کی کوشش کروں گی تو سب کچھ ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ ناٹو اور ناٹافول میں پریشان ہوں گے۔ مجھے بھی

ڈسٹرب کریں گے۔ میں بھی اپنے پیچھے زچہ تو نہیں دے پاؤں گی۔ پلیز آپ ان کو حکمت بتائیں۔“

اس کے لہجہ میں اتنی بے چارگی تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔

”ٹھیک ہے میں اس سے بات نہیں کروں گا۔“

اسے یک دم علیزہ کے چہرے پر اطمینان نظر آیا۔

”تھیں یو۔“

اس نے بے اختیار عمر سے کہا۔

”کوئی بات نہیں؟“

وہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔ علیزہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اگلے چند عمرات کو خود لاؤنچ لاک کرنا تھا اور سونے سے پہلے باہر کا بھی ایک چکر لگنا تھا۔ پھر

علیزہ کے کمرے کے پینڈل بہت آہستگی سے کھڑک چپک کر تار اور دروازہ ہمیشہ ہی اسے لاکڈ ہی ملا۔ وہ مطمئن ہو گیا کہ

علیزہ نے اس کی ہدایات پر عمل کیا تھا اور اس رات کا واقعہ واقعی اپنی سیشن کا نتیجہ تھا۔

مگر یہ اطمینان زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہا تھا۔ اس رات وہ اپنے آخری بیچ کی تیاری میں مصروف تھا۔

اس نے رات کے پچھلے پہر گھر میں مدغم شوہر بنا۔ کچھ چمک کر اس نے غور سے شوہر کی توصیت سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ

جینوں کی آواز تھی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے کمرے سے نکل آیا۔ جینوں کی آواز علیزہ کی تھی، اور اس کے کمرے سے آ رہی تھی۔ عمر بے اختیار بھاگتا ہوا اس کے کمرے کی طرف گیا دروازہ لاکڈ تھا اور اندر سے وہ کچھ کہتے ہوئے زور سے چیخ رہی تھی۔ عمر نے پوری قوت سے دروازہ ہچکایا۔

”علیزہ! کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟“

اس نے عمر کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ اب بھی اسی طرح چیخ رہی تھی۔ عمر کی سرایتنگی میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے ایک بار پھر پوری قوت سے دروازے کو ہچکایا۔

”علیزہ!..... علیزہ! دروازہ کھولو۔“

فار کا ڈیسک..... دروازہ کھولو۔“

اندر کیا ہو رہا ہے۔ علیزہ..... علیزہ.....“

اس بار اندر یک دم خاموشی چھا گئی تھی اور اس خاموشی نے عمر کے اضطراب میں اور اضافہ کیا تھا۔

”علیزہ! علیزہ! دروازہ کھولو۔ کیا ہوا ہے؟“ اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہتے ہوئے دروازہ ہچکایا اور تب ہی اس نے ناٹو اور ناٹو کو تیز زور دیا کہ آگے پیچھے آتے دیکھا۔

”مگر بی! علیزہ! ابھی کچھ دیر پہلے اندر چیخ رہی تھی، پتہ نہیں کہ اسے کیا ہوا ہے؟“

عمر نے اضطراب کے عالم میں ناٹو سے کہا۔ ان کے چہرے پر بھی تشویش تھی مگر وہ عمر کی طرح گھبراہٹ نہیں محسوس

”دوبارہ ڈرنگی ہو گی!“

انہوں نے دروازہ ہچکاتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا؟“

عمر نے حیرانی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

”دوبارہ ڈرنگی، کس چیز سے ڈرنگی؟“

ناٹا نے اس کے کندھے پر ہتھکی دیتے ہوئے کہا۔ ”پریشان مت ہو۔ وہ فینڈ میں ڈر جاتی ہے۔“

عمر ساکت کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ بھی اب ناٹو کے ساتھ مل کر دروازہ ہچکا رہے تھے۔

علیزہ لائٹ جلاؤ۔ میری جان دروازہ کھولو۔ گھبراؤ مت۔“

ناٹو اب اسے ہدایت دے رہی تھی۔ چند منٹوں بعد عمر نے دروازے کی جھری سے کمرے میں روشنی

ہوتے دیکھی۔ پھر چند منٹوں بعد دروازہ کھل گیا۔

علیزہ کا رنگ زرد تھا اور وہ کانپ رہی تھی۔ عمر نے اس کے چہرے کو پسینے سے بیجا ہوا دیکھا۔ ناٹو نے

آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لٹائایا۔

”کیا ہوا میری جان؟“

وہ اسے ساتھ لٹاتا ہوئے پوچھ رہی تھی۔

تاتا بھی کرے کے اندر چلے گئے، لیکن عمر اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ وہ وہیں کوریڈور میں کھڑا کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

”تم ذہن پر اس چیز کو سارمت کرو۔ اس کے ساتھ پہلے بھی ایسا ہوتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے پیرش کے پاس رہ کر آتی ہے تو پھر اسی طرح ڈر جاتی ہے، یا پھر تیندیش پھیلنے لگتی ہے۔ تم اگر پہلے مجھے اسی رات کے بارے میں بتا دیجے تو میں غلط ہو جاتی اور اسے سائیکالوسٹ کے پاس لے جاتی“

اگلی شام عمر خانو کے ساتھ علیہ کا پرانہلم ڈکس کر رہا تھا۔ اس نے انہیں اسی رات علیہ کے باہر جانے کے بارے میں بتا دیا تھا اور اس کے پچھتے پر خانو نے اسے علیہ کی پرانہلم کے بارے میں بتا دیا تھا۔

”سائیکالوسٹ کیا کہتا ہے؟“

”وہ کہتا ہے کہ Insecurity (عدم تحفظ) کے احساس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ وہ خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتی، اور پیرش کے لئے کے بعد یہ احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے، اور پچھلے کئی سالوں سے انہیں یہ احساس ہو رہا ہے۔ وہ پیرش سے مل کر آتی ہے، اس کے بعد اگلے دو تین ماہ اسی طرح ڈر رہتی ہے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاتی ہے۔ سائیکالوسٹ کی عادت ہے کہ پیرش کے پاس نہ جانے دیں۔ کم از کم اسے ایک سال تک ان کے پاس رہنے کے لئے نہ بھیجیں اور پھر دیکھیں کہ وہ کیسے ٹی ہو کر رہتی ہے۔ لیکن میں اسے روک نہیں سکتی کہ وہ ماں باپ کے رابطہ کرتے ہی ان کے پاس جانے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔“

”مگر کل رات تو وہ بہت بری طرح ڈر رہی تھی۔ آپ نے اس کی حالت دیکھی۔ وہ تو.....!“

”اب چند دن میں اس کے پاس سوسن کی تو وہ ٹھیک ہو جائے گی، اور کل دوبارہ اسے سائیکالوسٹ کے پاس لے کر جاؤں گی۔“

خانو نے اسے بتایا۔

”مگر تم! آپ سائیکالوسٹ بدل دیں۔ اگر اتنے سالوں میں یہ سائیکالوسٹ اس کا علاج نہیں کر سکا تو کوئی دوسرا سائیکالوسٹ دیکھیں۔“

”سائیکالوسٹ بدلنے سے کیا ہوگا؟“

”ہو سکتا ہے، کوئی دوسرا سائیکالوسٹ اسے زیادہ بہتر طریقہ سے ٹریٹ کرے۔“

”میں نے نہیں بتایا ہے نا اسے یہ پہلے صرف چند ماہ ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی جب وہ اپنے پیرش سے مل کر آتی ہے، اور پھر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاتی ہے۔“

مگر مگر تم! ان دو تین ماہ میں ہی اسے کوئی نقصان بھی تو پہنچ سکتا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اس رات وہ باہر گیسٹ تک پہنچ گئی تھی، اور اسے بالکل پتہ نہیں تھا۔ اگر اسی طرح تیندیش حالت میں اس نے کچھ اور کر لیا تو؟“

”عمر خانو! مگر منہ تھا۔“

”سیری کچھ میں یہ نہیں آتا کہ اسے کس قسم کا عدم تحفظ ہے؟ کسی پر لکھیں چاہئے۔ میں نے اسے ہر چیز

تو دے رکھی ہے کسی چیز کی کہ نہیں ہے۔“

”مگر تم! اجڑی انسانوں کی جگہ نہیں لے سکتیں، وہ اپنے والدین کو کس کرتی ہے۔ آپ والدین کی کمی کو چیزوں سے پورا نہیں کر سکتیں۔“

عمر نے غصیدگی سے کہا۔

”ٹھیک ہے کہ اس کے والدین اس کے پاس نہیں ہیں، مگر پھر بھی وہ دونوں جس طرح اس کا خیال رکھتے ہیں، بہت کم لوگ یہ دیکھتے ہوں گے۔ ہر سال ٹھینڈ ٹھینڈوں میں اسے اپنے پاس بلواتی ہے۔ باپ سے ہر سال نہ سکیا محروہ دو تین سال بعد ملتی ہی رہتی ہے۔ دونوں ہاتھ اس سے اسے فون کوٹے رہتے ہیں۔ ہر آنے جانے والے کے ہاتھ اس کے لئے کچھ نہ کچھ بچھڑاتے رہتے ہیں۔ ہر ماں کے اخراجات کے لئے جو رقم بچھڑاتے ہیں وہ اگ ہے۔ پھر میں ہوں۔ اس کے نانا ہیں۔ جتنی دیکھ بھال ہم لوگ کرتے ہیں شاید ہی کوئی کرتا ہوگا، پھر بھی اسے ان سیکرٹری کا احساس ہے پھر بھی اسے پریشان نہیں چاہئے اور کیا دیا جاسکتا ہے اسے؟ اس کے علاوہ بھی تو جیملی میں بہت سے بچوں کے ساتھ جیملی پرانہلم ہے۔ مگر انہوں نے تو ایسی چیزیں اپنے اندر ڈھیلپ نہیں کیں۔ تم بھی تو ہو، جہاں سے پیرش میں بھی تو Divorce ہو گئی تھی۔ کتنے سالوں سے تم بھی تو پور ڈنگ میں رہتے آ رہے ہو۔ تم نے بھی تو سب کچھ سنبھالا ہے نا!“

خانو نے اس کے سامنے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔

”یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، مگر تم!“

عمر نے مدح آمیز آواز میں کہا۔

”یہ چیز ہمیشہ تکلیف دیتی ہے!“

خانو چہرے کے ایک طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”میں جانتی ہوں، یہ تکلیف دہ ہے۔“

مگر تم نے تو اس چیز کو اپنے اعصاب پر سوار نہیں کیا۔ میں جانتی ہوں کہ وہ بھی اسے lightly لے۔ اسے اور دوسروں کے لئے مسئلے نہ کھڑے نہ کرے۔ میں نے اس کی پرورش بہت سخت سے کی ہے، اور اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں نے اپنی کتنی ہی مصروفیات اس کی خاطر فرم کر دیں۔ اب اس قسم کا ہمیں مجھے کتنا نہیں کرنا چاہئے۔ اسے اعزاز دیں ہی نہیں۔“ خانو بہت شام کی نظر آ رہی تھی۔

”مگر تم! وہ جان بوجھ کر یہ سب نہیں کرتی۔ یہ اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔“

”میں جانتی ہوں، وہ یہ سب جان بوجھ کر نہیں کرتی مگر وہ خوش رہنے کی کوشش نہیں کرتی۔ کیوں چیزوں کو اپنے اعصاب پر اتنا سوار کر لیتی ہے۔ تم نے غور کیا ہے جب سے وہ کراچی سے ہو کر آئی ہے اس وقت سے وہ بالکل ہی غم مہم ہو گئی ہے۔ کسی بھی کام میں وہ کبھی نہیں لگتی۔ ہر سال ایسا ہی ہوتا ہے۔ ٹھینڈ کے پاس رہ کر آئے تب بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔“

”تو پھر آپ اسے وہاں جانے سے روک دیا کریں۔“
 ”نہیں کیسے روکوں، وہ خود وہاں جانا چاہتی ہے اور خود اصرار ہے ٹھینے کے پاس جانے سے اسے نہیں روک سکتی۔“
 ”تو پھر اس کے باپ کے پاس جانے سے کیسے روکوں؟“
 ”مگر بیٹی! چلیں چھوڑیں کوئی اور بات کرتے ہیں۔“
 ”میرے انہیں زیادہ فکر مند دیکھتے ہوئے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی تھی۔“
 ”بس علیزہ اسے لیوا کر لے تو میری بھی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔“
 ”میرا ان کی اس بات پر کچھ حیران ہوا تھا۔“
 ”آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔“
 ”اس کا باپ اب اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس بار وہاں جانے سے پہلے اسے ۱۲ سالہ عرصہ سے بات کی تھی۔“

”علیزہ کی شادی!“

”جیسے چلا ہی اٹھا۔ نانو نے اسے حیرانی سے دیکھا۔“



باب ۱۵

علیزہ اس کے ہاتھ سے ریلوے لائن پر چلتی رہی۔ مگر وہ کوشش کے باوجود بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں پائی۔ عمر سبکی کچھ بنا چکا تھا، اور ریلوے لائن اپنی کینٹی کی طرف لے جا رہا تھا۔ جب انکل جہانگیر کینٹی کی سیڑھی سے اُلٹے اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ چھڑاتا۔ انہوں نے اس کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔ تھپڑ اتنا زبردست تھا کہ وہ نہ صرف چند قدم پیچھے چلا گیا، بلکہ ریلوے پر اس کے ہاتھ کی گرفت بھی کمزور پڑ گئی۔
 انکل جہانگیر نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریلوے پر اس سے جھین لیا اور اس کے چہرے پر ایک اور تھپڑ مارا۔ علیزہ نے اس کی ناک میں سے خون بہتے دیکھا۔ انکل جہانگیر اب اسے گالیاں دے رہے تھے۔ نانو نے ایک دم آگے بڑھ کر انہیں پیچھے کھینچ لیا۔ عراب سامنے کودا انگلیں جپکائے بغیر انہیں دیکھ رہا تھا۔ علیزہ نے بھی کسی کے لئے اس کی آنکھوں میں اتنی نفرت نہیں دیکھی تھی۔ جتنی وہ اس وقت عمر کی آنکھوں میں انکل جہانگیر کے لئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ناک سے پٹکا ہوا خون اس کی سفید شرٹ پر گر رہا تھا۔ مگر وہ جیسے اس سے بالکل بے خبر تھا۔
 ”مجھ پر چلا نہیں مٹ۔“ اس نے اب عمر کو انکل جہانگیر سے کہتے سنا۔
 ”مجھ پر اب ہاتھ اٹھا کر بہت بچھتا نہیں گے۔“

”کیا کرو گے تم؟ یہ زبردست جواب بھی کیا ہے؟ خود کئی کرتا چاہے ہو تو جاؤ باہر سڑک پر جا کر کرو۔ وہاں جا کر شرٹ کروائے آپ کو لیکن میرے گھر میں نہیں۔“
 ”نہیں! ایسے ہی مردوں کا جیسے مرنا چاہتا ہوں۔“
 ”اس سے کیا ہو گا۔ مجھے کوئی بھی فرق نہیں پڑے گا۔ تھپڑ چوں دن لوگ بات کریں گے مگر بھول جائیں گے۔ جہانگیر معاذ کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔“

”چار، چوں ہی کسی گریبات تو کریں گے آپ کے بارے میں۔“

اس سے پہلے کہ انکل جہانگیر اس کی بات کے جواب میں کچھ کہتے نانو نے انہیں کہا تھا۔

”جہانگیر! بس کرو۔ اس بحث کو بند کرو۔ یہاں سے باہر نکلو۔“

انہوں نے اگل جہانگیر کا بازو سے پکڑ کر باہر لے جانے کی کوشش کی تھی۔

”نہیں، مجھے یہاں سے باہر نہیں جانا، کیا سمجھتا ہے؟ خود کو؟ میں اسکی بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گا۔“

انہوں نے خود کو نانو سے چھڑاتے ہوئے کہا تھا۔

”بلیئر جہانگیر انی الحال یہ سب قسم کر۔ مجھے اسی طرح پریشان مت کرو۔ ابھی اسے اکیلا چھوڑ دو۔“

نانو نے ایک بار پھر ان کا بازو پکڑ کر انتہائی اعزاز میں اگل جہانگیر ہانکل ہی جیسے ہوئے تھے۔

”آپ اس کو نہیں جانتی ہیں۔ یہ تھانسا اس نے بلیئر ہانکل سے کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ دو اسی طرح

لڑنے کے بعد سلیپنگ مٹو کھا چکا ہے۔“

انہوں نے آشکاف کیا، عظیمہ نے شاک کے عالم میں عمر کو دیکھا وہ اب بھی اسی طرح باپ پر نظریں

بجائے ہوئے تھا۔

”مجھے شرم آتی ہے اسے اپنی اولاد کہتے ہوئے!“

”آپ کو باپ کہتے ہوئے مجھے بھی اتنی ہی شرم آتی ہے۔“ اس نے اگل جہانگیر کو سر دھجے میں جواب دیا۔

”جہانگیر اعدا کے لئے دوبارہ جھگڑا شروع کر رہا ہے۔ میرے ساتھ باہر آؤ!“

نانو نے اگل جہانگیر کے کمرے سے پہلے ہی انہیں باہر کھینچنا شروع کر دیا۔ اگل کچھ کہنا چاہتے تھے مگر نانو

کسی نہ کسی طرح انہیں کھینچتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئیں۔ عمر اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا انہیں باہر جاتا

دیکھتا رہا۔ کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی اس کی نظریں عظیمہ پر جم گئیں۔

”تم ہی یہاں سے جاؤ!“

اس نے دوشی سے عظیمہ کو کہا تھا۔ وہ اب ہاتھ کی پٹت سے ناک صاف کر رہا تھا، اور شاید تب ہی اسے

پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔ عظیمہ اس کے کہنے کے باوجود بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹی۔

عمر نے ایک بار پھر سراغدار سے دیکھا اور اسے وہیں کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے کی نگاہاری بڑھ گئی۔

”جسٹیس کہا ہے نا۔ جاؤ یہاں سے!“

اس بار اس نے بھرائی ہوئی آواز میں عظیمہ کو کہا۔

”بلیئر، میں آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مگر مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔“

”پھر مجھی..... پھر مجھی میں یہیں رہنا چاہتی ہوں۔“

وہ اس وقت کسی بھی قیمت پر عمر کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

”عظیمہ! مجھے اس وقت یہ نیکرو بالکل خالی چاہیے۔ میں تمہاری موجودگی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے

یہاں سے چلی جاؤ۔“

اس نے تیز آواز میں بولتے ہوئے اس سے کہا اور وہ اپنے اختیار اور رائے کی عمر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ

کر بیٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اب اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن اس کی ناک سے چلتے ہوئے خون کے قطرے اب بھی اس کی گھٹن پر گر رہے تھے۔ عمر دونوں ہاتھوں سے سر کو پکڑے بہت گہرے سانس لے رہا تھا۔ عظیمہ کی ہجھکی نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ چند لمحوں پہلے اس نے آؤں کو پھینچتے ہوئے وہ اسی طرح کمرے کے وسط میں کھڑی رہی۔ پھر ایک خیال آنے پر وہ ڈریسنگ روم پر پڑے ہوئے کچھ ٹیبلٹیں اٹھا لی تھیں۔

عمر کے بالکل بالکل تقابل کھنکھنوں کے مل کا لین پر بیٹھے ہوئے اس نے ایک ٹیبلٹ سے اس کی ناک سے بہتا ہوا خون صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کزنٹ کھا کر بیٹھے ہاتھ عظیمہ کو اس کے چہرے پر پہلے والی دھت نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اب تھا کہ اب ہانگ رہا تھا۔ چند لمحوں پہلے وہ عظیمہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹیبلٹ لے لئے اور خود اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔ عظیمہ ہیکل ہیکل سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کی نظریں عمر کو مضرب کر رہی تھیں۔

”میں آپ کے لئے کچھ لے کر آؤں؟“

عظیمہ نے اچانک ہی اس سے پوچھا۔ وہ چہرہ صاف کرتے کرتے رک گیا۔

”نہیں میری بڑا ہے؟“

اس نے عجیب سے لہجے میں عظیمہ سے پوچھا۔ وہ ایسے کسی سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ چند لمحوں جبرانی

سے اس کا منہ دیکھتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”ہاں! سب سے زیادہ۔“

”ٹھیک ہے پھر مجھ جی بات مانو اور وہاں سے چلی جاؤ۔“

عظیمہ کو اس کے سطلے پر شاک لگا۔

”اس وقت مجھے صرف تمہاری درکار ہے۔“

اس نے ایک بار پھر کہا وہ چند لمحوں پہلے کبے بغیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی، جو اس کے جواب کا مختصر تھا۔

پھر اس نے کہا۔

”اگر آپ وعدہ کریں کہ آپ نہیں کریں گے تو میں چلی جاتی ہوں۔“

”کیا نہیں کروں گا؟“

اس نے عظیمہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”جو کچھ وہ پہلے آپ.....!“

عظیمہ نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ خاموشی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔

”آپ نہیں کریں گے؟“

اس بار عظیمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ”نہیں کروں گا۔“ بہت دھچھے

لہجے میں کہتے ہوئے اس نے عظیمہ سے آنکھیں چرائی تھیں۔ اسے عمر کی آنکھوں میں کی کی ہلکی سی چمک نظر آئی۔ اس کے

لہجے میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہنکا چکا تھا۔

معاذ حیدر نے ملازمت صاف ہاتھوں سے چھوڑی تھی۔ چھوٹی مولیٰ چڑوں کو اگر ایک طرف رکھ دیں تو انہیں اپنی ملازمت کے دوران کسی انکسپلن کا سامنا کرنا پڑا تھا، نہ ہی انہیں کوئی ایسا کام کرنا پڑا تھا کہ جس پر انہیں نگرانی ہو یا ان کا غیر خود کو مجبور تصور کرنا ہو۔ روٹے میں باپ سے کسی چوڑی یا کیرنی تھی، اور انہوں نے اسی روپے سے اولاد کو بیرون ملک تعلیم کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ لیکن بیرون ملک قیام کے دوران ان کے بیٹوں کی مکمل بریں واشنگ ہو گئی تھی۔ وہ چاروں زندگی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے باپ نے اپنی سروس میں صرف اچھی ریویوشن کئی ہے اور یہ کمائی ان کی محنت کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی۔ ان چاروں نے سول سروس جوائن کرتے ہوئے اپنے ذہن میں کچھ اور معاہدہ رکھے تھے اور پھر انہوں نے ہمیشہ ان ہی معاہدے حصول کے لئے کام کیا تھا۔ چاروں نے اپنی سروس کے دوران ہر طرح کی کمپن کی۔ مگر اس کے باوجود وہ فیملی بنک گراؤ اور تعلقات کی وجہ سے ایسے اہم معاہدوں تک پہنچ گئے تھے جس کی مثال صرف پاکستان میں ہی ملتی تھی۔

معاذ حیدر سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے کسی اپنی اولاد کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے خود کو ضرورت سے زیادہ برلن ٹھہرا کر ان کی ضروریات ہمیشہ ان کے اپنے بچوں کے ساتھ رابطوں میں آڑے آتی رہیں۔ مگر انہوں نے اس کی خاص پروا نہیں کی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بچوں کی انڈیل تربیت کر رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں دنیا کی ہر نعمت دے رکھی تھی۔ اس لئے وہ ہر لحاظ سے ایک مثالی باپ ہیں۔ بعد میں بھی بیٹوں کو کسی چیز سے منع کرنے کے بجائے انہوں نے اس چیز کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے انہیں ہر کام کی اجازت دے دی تھی۔

جب ان کے بیٹوں کی کمپنیاں کا ذکر ہوئے تو تب بھی انہوں نے انہیں روکنے کے بجائے انہیں بھانے کے لئے اپنے تعلقات کو بخوبی استعمال کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے بیٹے جو کچھ کر رہے ہیں وہ ساری بیوروکریسی کرتی ہے اور ان چڑوں کے بغیر ان کے بیٹے اپنا کیریئر نہیں نکالتے۔ کبھی اگر انہیں پھنسا دیا ہو تو وہ خود کو سول دیپلوم سے بھگا لیتے۔

ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کو انہوں نے اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی، لیکن بیٹیوں کو فائنت میں پڑھانے کے بعد بہت ہی کم عمری میں ہی ان کی شادیاں کر دی تھیں۔ ان کے بیٹے اور بیٹیاں مالی لحاظ سے جتنے آسودہ تھے، انہی زندگی میں اتنے ہی زیادہ مسائل کا شکار تھے۔

ان کے سب سے بڑے بیٹے یازن نے بیرون ملک تعلیم کے دوران ہی ان کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی سے ایک برٹان لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ ایک ڈیڑھ سال یہ شادی کی نہ کسی طرح چلتی رہی پھر دونوں میں طلاق ہو گئی تھی۔ پاکستان آنے کے بعد انہوں نے سول سروس جوائن کرنے کے بعد ماں باپ کی مرضی سے دوسری شادی کی۔ یہ شادی کچھ عرصہ تو اچھی طرح چلتی رہی۔ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے چھپ کر ایک شادی کر لی۔

اس بار ان کی بیوی ایک ایم اے کی عورت تھی۔ اس شادی کا علم ہونے پر خاندان میں بہت ہنگامہ ہوا۔ کیونکہ ان کی دوسری بیوی کا تعلق معاذ حیدر کے اپنے ہی خاندان سے تھا۔ خاندان کے بہت زیادہ دباؤ پر انہوں نے اسے

وہ جو میل دل سے اس کے قریب سے اٹھ گئی۔ مگر ایک بار پھر اپنا خون بند کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ہماری قدموں سے چلے ہوئے وہ باہر نکل آئی، اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے دروازہ لاک ہوئے کی آواز سن لی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ اب وہ اندر کیا کر رہا تھا یا کیا کرنے والا تھا وہ وہاں سے نہیں جانا جانتی تھی۔ علیحدہ وہیں دباؤ سے ٹیک لگا کر کمری ہو گئی چند منٹ پہلے جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھا، لیکن غیر متوقع ہونے سے زیادہ ناقابل یقین تھا۔

انکل جہانگیر اور عمر کے درمیان ہمیشہ ہی اختلافات رہے تھے، اور ان سے کوئی بھی بے خبر نہیں تھا، لیکن یہ کسی کے لئے شوقین کا باعث بھی نہیں تھے۔ ایسے اختلافات صرف عمر اور جہانگیر کے درمیان ہی نہیں تھے، بلکہ خاندان کے تمام لوگوں کے درمیان تھے۔

☆☆☆

معاذ حیدر انگریزوں کے زمانے میں انگریز سول سروس میں شامل ہوئے تھے۔ اپنی زمانے میں انگریز سول سروس میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، اور جو تھے، وہ سول سروس میں رہنے کے لئے بڑی باضابطگی سے کام کرتے تھے۔ اپنے انگریز افسروں کے سامنے برٹش گورنمنٹ سے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے بعض اوقات انہیں آؤٹ آف دوائے جا کر کام کرنا پڑتا، مگر ان کے خیر کے لئے یہ بات بہت کافی تھی کہ ان کے آفسیروں سے خوش تھے۔ سول سروس ان زمانے میں بھی ان کی ضرورت نہیں، شوق تھا۔ ان کا خاندان مالی طور پر اتنا مستحکم تھا کہ نوکری کی ضرورت نہ تو کسی کو پیش آتی تھی اور نہ ہی اسے پسند کیا جاتا تھا۔ مگر معاذ حیدر کے باپ نے اس فریڈن کو توڑا اور اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے بعد سول سروس میں لے آئے۔ بنیادی طور سے وہ ایک جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کے مزاج میں جاگیرداروں والی تمام چیزیں کو کوشش کے باوجود ختم نہیں ہو سکی تھیں۔ سول سروس جوائن کرنے کے بعد سول سروس میں تعلیم ہو گیا تھا معاذ حیدر مشرقی پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان ہجرت کی۔ جتنا عرصہ وہ سول سروس میں رہے، انہوں نے بہت محنت سے کام کیا۔ جب انہوں نے ملازمت سے ریٹائرمنٹ لی۔ تب تک ان کے چاروں بیٹے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے وقفے سے سول سروس سے منسلک ہو چکے تھے۔

ان کا سب سے بڑا بیٹا یازن حیدر بیرون ملک لاء کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد باپ وطن واپس آ کر فاران سروس جوائن کر چکا تھا۔ دوسرے بیٹے سعد حیدر نے بھی بوئے بھائی کی بیرونی کرتے ہوئے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سول سروس جوائن کر لی، لیکن بوئے بھائی کے برعکس انہوں نے ڈسٹرکٹ جینٹل گروپ کا انتخاب کیا تھا۔ جہانگیر اور جہانگیر نے بھی بوئے بھائی کی طرح بیرون ملک تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد فاران سروس جوائن کر لی۔ سول سروس میں اپنی ساری اولاد نیچے والے معاذ حیدر والی تھی، ان کے بھائیوں نے بھی قیام پاکستان کے بعد اپنی اولادوں کے لئے اسی شعبے کا انتخاب کیا تھا، اور اس وقت ان کا تقریباً سارا خاندان سول سروس کے مختلف شعبوں سے منسلک تھا۔

طلاؤ دے دی، اور اس کے بعد انہوں نے کوئی اور شادی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ کسی طرح اپنی دوسری شادی کو بھی بھانے آ رہے تھے۔ ان کے تینوں بیٹے بھی اب سول سروس میں آ چکے تھے۔

دوسرے بیٹے سعد نے بھائی کے نقش قدم پر چل کر بھائی کے پاس کی مرضی کے مطابق خاندان میں ہی شادی کی۔ آٹھ سال تک یہ شادی چلی پھر دونوں کے درمیان اختلافات طلاق تک جا پہنچے۔ سعد حیدر نے دوبارہ ماں باپ کے اصرار کے باوجود بھی دوسری شادی نہیں کی۔ ان کے دو بیٹے تھے اور وہ دونوں بیٹے اپنی ماں کے پاس تھے۔ تیسرے بیٹے عاصم کی اپنی مرضی سے شادی کی تھی، اور ان کی شادی تمام تر اختلافات کے باوجود ابھی تک قائم تھی۔ ان کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔

چوتھے بیٹے جاگیر نے پہلی شادی اپنی پسند سے کی تھی۔ گیارہ سال شادی قائم رہی پھر دونوں کے درمیان طلاق ہو گئی۔ جاگیر نے اپنی بیوی کے اصرار کے باوجود عمر کو اپنی بیوی کے حوالے نہیں کیا۔ بلکہ بڑے پاس ہی رکھا۔ طلاق کے دو ہی ماہ کے اندر انہوں نے دوسری شادی کر لی۔ اس بیوی سے ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ کراچی کی ایک اڈال سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے تیسری شادی کر لی تھی۔

ان کی بیوی بیٹی سیدہ اپنے باپ کے بہن بھائیوں کے مقابلے قدرے پر سکون زندگی گزار رہی تھی، اس کے دو بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ جبکہ سب سے چھوٹی بیٹی شہینہ کو شادی کے کچھ عرصہ کے بعد طلاق ہو گئی تھی۔ علیہ کو اس کی ماں نے اپنی قبول میں لے لیا تھا مگر دوبارہ شادی کرنے کے بعد اسے اپنے ماں باپ کے پاس ہی چھوڑ دی تھی۔

حماز حیدر اور ان کی بیوی نے اپنے بچوں کی نجی زندگی کو خاص طور سے تھاکام ہوتے دیکھا تھا، اور انہیں ہمیشہ یہ حیرت ہوتی تھی کہ ان کی تربیت میں ایسی کوئی کڑی رو نہیں تھی کہ جس نے ان کی اولاد کو زندگی کے اہم فیصلے کرتے ہوئے بہت سے مسائل سے دوچار رکھا۔

عمر جاگیر اور اس کے باپ کی طرح حماز حیدر کے سارے بیٹے اپنی اولادوں کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں رکھ پائے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ علیہ وقتاً فوقتاً عمر اور جاگیر اکل کے درمیان ہونے والے جھگڑوں کے ساتھ اپنے دوسرے اکل اور ان کی اولادوں کے درمیان ہونے والے جھگڑوں سے بھی آگاہ ہو رہی تھی۔ عمر اس نے کبھی کسی جھگڑے کا تاثر ہیہ ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

”اور بھر عمر..... کیا عمر یہ سب کر سکتا ہے؟“

اسے کمرے سے باہر آ کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ عمر نے خود کسی کی کوشش کی تھی۔

”کیا اتنی معمولی سی بات پر عمر خود کسی کر سکتا ہے؟“

”اور اکل جاگیر کب کب سے تمہارے پاس پہلے بھی دو بار ملینگ پلاؤ.....؟“

علیہ نے کچھ بے چینی سے کمرے کے دروازہ پر دیکھا تھا۔

”عمر! کیا تمہیں نہیں..... عمر کبھی بھی ایسا نہیں تھا بھرا بھرا..... اب اسے کیا ہو گیا ہے۔“

اس نے دروازے اور فرش کے درمیان والی درز سے کمرے کی روشنی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

”یہ چار سال پہلے والا عرصہ نہیں ہے۔ یہ تو.....“
وہ آگے کچھ سوچ نہیں کی تھی۔

نانو نے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ان سے بلند آواز میں اکل جاگیر کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔
”میں کوئی اکلہا کام تو کرنا نہیں جانتا۔ ہمارے خاندان میں وہ کوئی پہلا تو نہیں ہے جس کے لئے ایسا سوچا جا رہا ہے۔ کیا انا نے اپنے بیٹے کی شادی خود کو بھانے کے لئے نہیں کی تھی اور اس کے بیٹے تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔ آپ بتائیں کیا وہ خوش نہیں ہے۔ اس کی بیوی اسے کہاں سے کہاں لے گئی، اور اس وقت وہ پرائم شفر نیکروٹ میں بیٹھا ہے۔ میں کر رہا ہے۔ کیا سعد اور عاصم نے اپنے بیٹوں کی شادی اپنی مرضی سے کر کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کئے، اور اگر میں بھی ایسا کرنا چاہتا ہوں تو کیا غلط ہے۔ خال خالی افسری حاصل کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب تک اوپر ہاتھ پکڑ کر بیٹھنے والا نہ ہو، آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس کا خیال ہے کہ اسے ابھی تک جو کچھ ملتا رہا ہے۔ اس کی اپنی قابلیت کی بنیاد پر ملتا رہا ہے۔ میں اگر اس کے پیچھے نہ ہوتا تو اسے پتا چل جاتا کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔“

اکل جاگیر کی آواز سے ان کے فہم کا بخوبی اعزاز ہوا تھا۔ وہ نہ چاہے ہوئے بھی ان کی بات نہیں سننے لگی تھی۔
”مگر جاگیر! اگر وہ یہ شادی کرنا نہیں چاہتا تو اسے مجبورت کرو۔ میں بہت ڈر گئی ہوں۔ اگر اسی طرح وہ کچھ کر بیٹھا تو.....“

نانو نے اپنا خوف ظاہر کرتے ہوئے کہا مگر اکل جاگیر نے ان کی بات کاٹ دی۔
”تو..... تو کیا ہو گا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اس کی بیک میلنگ کے سامنے جھک جاؤں۔ نہیں، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔“

”جاگیر وہ تمہارا اکلوتا بیٹا ہے۔ تم.....؟“
اکل جاگیر نے ایک بار پھر نانو کی بات کاٹ دی تھی۔
”اگر اکلہا بیٹا میرے کام نہیں آ سکا تو مجھے ضرورت نہیں ہے ایسے اکلے بیٹے کی۔ میری طرف سے وہ بھاڑ میں جائے۔“

”جاگیر! ایسے موت کھو!“

”کیوں نہ کہوں۔ میں نے تو اسے دنیا کی ہر گز مر دے رکھی ہے، اور آج سے نہیں بچیں گے۔ اور..... یہ میری ایک بھی بات پر تیار نہیں ہے۔ وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا تو پھر کہاں کرنا چاہتا ہے۔ وہ..... اچھے کردار کی نہیں تو پھر میں اسے ایک اور لڑکی دکھا دیتا ہوں۔ یہ وہاں شادی کر لے کر نہیں، یہ وہاں بھی شادی نہیں کرے گا۔ یہ ایسی کسی جگہ شادی نہیں کرے گا جہاں میں اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسے لگتا ہے اب اس کا حودا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ باپ کو کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ ہاں باپ اس کا ملازم ہے، وہ اسے ساری عمر اکلے بچکا رہا ہے اور بچکا رہا ہے۔“

”جہانگیر! تم اس معاملہ میں ضد نہ کرو۔ جوان اولاد سے ضد کرنا فحش نہیں ہے اور پھر جوان بیٹے سے..... تم سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ تمہاری بات نہیں مانتا تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس طرح اس کے پیچھے مت پڑو۔ آج اس نے جو کچھ کرنے کی کوشش کی ہے اس نے مجھے دہلا دیا ہے۔“

”آپ خوفزدہ مت ہوں..... یہ پہلے ہی دو بار دہرا کر کے کی کوشش کر چکا ہے۔“

انگل جہانگیر اب بھی تنگ تھے۔

”اگر وہ پہلے ہی دو بار یہی کوشش کر چکا ہے تو جہیں زیادہ خطر مند ہونا چاہئے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی اس حد تک زچ ہو چکا ہے کہ اس آخری قدم کو اٹھانے سے بھی گریز نہیں کر رہا۔“

نانو نے انگل جہانگیر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔

”آپ اسے مجھ سے بہتر نہیں سمجھتے، میں جانتا ہوں، مجھے اسے کس طرح سے پیشکش کرنا ہے اور میں کروں گا۔ آپ اس معاملے میں اس کی سائیڈ مت لیں۔“

”میں اس کی سائیڈ نہیں لے رہی۔ میں صرف جہیں سمجھا رہی ہوں۔ کہ یہ سب فحش نہیں ہے۔ تم کسی تیرہ سالہ لڑکے کو پھنسل نہیں کر رہے۔ تیس سالہ مرد کا سامنا ہے جہیں۔ اسے پچھتو کرسی چیز کو اس پر ٹھونسنے کی کوشش مت کرو۔“

”اس پر کسی بھی چیز کو ٹھونسنے کی کوشش نہ کرو اور اپنا کیرئیر تباہ کرلو۔“

”اگر وہ نہ ہوتا تو پھر تم کیا کرتے، پھر بھی تو کسی نہ کسی طرح خود کو مصیبت میں سے نکالتے ہی یا پھر اب بھی کچھ نہ کچھ کرلو۔“

”حب کی بات اور ہوتی مگر اب میں سوچ کر نہیں چل رہا ہوں کہ وہ نہیں ہے۔ اب اگر وہ ہے تو پھر اسے میرے کام آنا ہوگا۔ جیسے میں ہمیشہ اس کے کام آتا رہا ہوں۔“

”جہانگیر! تم اتنی ضد نہیں کر رہے ہو؟ جہیں یادیں ہے تمہارے باپ نے کبھی تم چاروں کے ساتھ اس طرح ضد نہیں کی تھی۔ تم لوگوں نے جو کرتا چاہا، انہوں نے تمہیں کرنے دیا۔ چاہے وہ اپنی مرضی سے شادی یا طلاق جیسا اتفاق نہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہوں۔“

”مجھے ڈیڈی کی مثال مت دیں۔ حب حالات اور تھے، لیکن اب صورت حال کچھ اور ہے۔“

انگل جہانگیر نے تیزی سے کہا تھا۔

”اس لئے صورت حال اور ہے، کیونکہ تم کسی اور کے ہاں ہو، جیسے نہیں۔ اب تمہاری ڈیڈا غریبی بدل گئی ہیں۔“

”جسٹس آپ ایسا ہی سمجھ لیں ڈیڈی اور طرح کے تھے، میں اور طرح کا ہوں۔“

”جہانگیر! ابھی اسے چھوڑ دو، تم اس کے پیچھے کس حد تک بھاگ سکتے ہو۔ اسے مجبور کرو گے تو وہ یہاں سے چلا جائے گا پھر کیا کرے۔ کہاں کہاں اس کے پیچھے جاؤ گے؟“

”آپ اسے سمجھانے کی بجائے مجھے سمجھا رہی ہیں؟“

”میں اسے کبھی سمجھاؤں گی مگر تم خود کو ٹھونڈا غصا تو کرو۔ میں تمہاری طرح اس کے پیچھے بچے جھانڈ کر نہیں پڑ سکتی۔ ابھی اسے کچھ بھی مت کہو۔ ابھی اسے اس کی مرضی کے مطابق جو وہ چاہے وہ کرنے دو۔ کچھ عرصہ گزار جائے گا تو اس کا غصہ بھی غصا ہو جائے گا، پھر میں اس سے بات کروں گی۔“

نانو انگل جہانگیر کو سمجھا رہی تھیں مگر وہ کچھ سمجھنے پر تیار نہیں تھے۔ وہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ علیحدہ نے ایک بار پھر دروازے کو دیکھا۔ کمرے میں بالکل خاموشی تھی پتا نہیں وہ اندر کیا کر رہا تھا۔ پھر اسے پتا نہیں کیا خیال آیا اور وہ لان میں چلی گئی۔ عمر کے کمرے کی کونزیاں باہر لان میں کھینچی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کونزیاں میں سے اندر کچھ سنے گی، لیکن اسے یادی ہوئی۔ کونزیاں بند تھیں اور ان کے آگے پردے سے ہوتے تھے۔ وہ کبھی بھی طرح اندر نہ دیکھ سکتی۔

کچھ دیر وہ بانسی آہٹ کے کونزیاں کے سامنے کھڑی رہی اور ایک بار پھر اندر داخل آ گئی۔ نانو اور انگل جہانگیر کی بحث اب بھی جاری تھی۔ وہ عمر کے کمرے کی طرف جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ گئی۔ کپڑے بدل کے وہ بستر پر لیٹنے کے باوجود اس کی آنکھوں میں تیندے کوئی آنا نہیں تھے۔ وہ عمر کے دعوہ کے باوجود اس کے بارے میں پریشان تھی اور اسے جراتی تھی کہ انگل جہانگیر عمر کے بارے میں فکر مند کیوں نہیں ہیں۔ انہیں اس کی زندگی کی پرواہ کیوں نہیں ہے۔ کچھ بے چین ہو کر وہ ایک بار پھر اٹھ گئی اور کمرے کے پتھر لگانے لگی۔ پھر تھک کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

سو نے سے پہلے ایک خیال آنے پر وہ دوبارہ اپنے کمرے سے نکل کر عمر کے کمرے کی طرف گئی تھی۔ نانو کے کمرے کا دروازہ اب تھا وہاں اب خاموشی تھی۔ عمر کے کمرے کی لائٹ اب بھی آن تھی لیکن کمرے میں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ عمر کبھی بھی لائٹ آن کر کے نہیں سوتا تھا۔ یہ بات وہ ابھی طرح جانتی تھی، اور اگر اس وقت وہ نہیں رہا تو پھر کیا کر رہا تھا۔ اس نے بے فکر انداز سے سوچا۔

کچھ دیر کمرے کے سامنے کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس کمرے میں آ گئی۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ بہت دیر تک عمر کے بارے میں سوچتی رہی۔

انگل جہانگیر اس کی آنکھ پر سے کھلی گھڑی ساڑھے نو بج رہی تھی۔ انہیں کھولنے ہی جو پہلا خیال اس کے ذہن میں آیا وہ عمر کا تھا۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی، مگر میں بالکل ہی خاموش تھی۔ عمر کے کمرے کا دروازہ اب بھی بند تھا۔ وہ دروازہ پر دستک دینا چاہ رہی تھی لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔

نانو کو غصہ ہے ہوئے وہ کچھ میں آ گئی۔ اسے نانو تو دوسرے پریشان لگ گئیں۔ لیکن میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

”میں جہیں جگہ ہی والی تھی۔ اچھا ہوا کرتا خود گھٹن۔ آج یونیورسٹی جانے کا ارادہ نہیں ہے؟“

”نہیں نانو! میں آج یونیورسٹی نہیں جاؤں گی!“

اس نے ڈانٹنگ ٹون میں کہا کہ میں کبھی ہونے کا تھا۔

”معمود یہ دونوں چیزیں استعمال نہیں کرتا تھا۔ بھراب کیوں؟“ اس نے ہائیسی سے سوچا، چند لمحے وہیں کھڑی وہ بے مقصد عمر کو دیکھتی رہی۔ پھر کچھ ہائیسی سے اسی طرح دیکھتے تھوں سے کمرے سے باہر نکلی گئی تھی۔ ناؤ کے کمرے میں چابی رکھنے کے بعد وہ ایک بار پھر لاؤنچ میں آ گئی تھی۔

لاؤنچ کے صوفہ پر بیٹھ کر وہ ایک بار پھر رات کے واقعات کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

”کیا عمر لگتا ہے؟“

وہ اچانک ناؤ کی آواز پر چڑکی تھی۔ وہ چائیں کس وقت پکے سے نکل کر لاؤنچ میں آ گئی تھیں۔ علیزہ نے انہیں دیکھتے ہوئے نئی سر بلاویا۔ ناؤ کچھ گھرنے لگی تھیں۔

”بہسی تک نہیں جاگا؟ تم نے اسے جگانے کی کوشش کی؟“ انہوں نے علیزہ سے پوچھا تھا۔

”نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر نئی سر بلاویا ہونے کہا۔

”کیوں نہیں جگا یا؟ تمہیں جگانے کی کوشش کرنی چاہئے تھی۔“

وہ کچھ خفا ہو کر بولی تھیں۔

”آپ نے کہا تھا کہ اسے سوئے دو۔“

اس نے انہیں یاد دلایا تھا۔

”ہاں، میں نے کہا تھا لیکن اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ مجھے خود ہی جا کر دیکھنا چاہئے۔“

ناؤ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ علیزہ خاموشی سے انہیں لاؤنچ سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

ناؤ کی داہلی بہت جلدی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تقریباً دس منٹ کے بعد واپس آئی تھیں۔

”آپ نے اسے اٹھا دیا۔“

علیزہ نے ان کے پیچھے پر موجود طریقان دیکھ کر کہا تھا۔

”ہاں بہت دیر دروازہ بھانپا پڑا لیکن وہ اٹھ گیا۔ کہہ رہا ہے ابھی آتا ہوں۔“

انہوں نے ایک بار پھر بکریں میں جاتے ہوئے کہا تھا۔

علیزہ نے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ کیا ناؤ عمر کے کمرے کے اندر گئی تھیں یا عمر نے دروازہ کھولے

غیر انہیں اندر سے ہی جواب دے دیا تھا۔

”ناؤ! آپ عمر کے کمرے میں گئی تھیں۔“

علیزہ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہی بلند آواز میں پوچھا تھا۔

”نہیں! اندر نہیں گئی، کیوں پوچھ رہی ہو۔“

ناؤ نے بکریں سے باہر آئے بغیر جواب دیا تھا۔

”بس ایسے ہی۔“

اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا تھا۔

اس کا مطلب ہے ناؤ نے وہ بڑبڑائیں نہیں دیکھی ہیں۔ یہ اچھا ہی ہوا ورنہ ناؤ کو تکلیف پہنچتی۔ انہوں نے تو کبھی یہ نہیں سوچا ہو گا کہ عمر ڈنک کرے گا اور پھر یوں ان کے گھر پر ان کے سامنے۔ علیزہ نے کچھ مطمئن ہو کر سوچا تھا۔ عمر نے بھی اسی نے دروازہ کھولے بغیر ناؤ کو بھابھ دیا ہو گا تا ناؤ اندر آ کر بڑبڑائیں نہ دیکھ سکیں۔ مگر آخر عمر یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہے۔ وہ تو ایسا نہیں تھا۔ وہ تو کبھی بھی ایسا نہیں تھا؟ اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا تھا۔

☆☆☆

اسے کہیں بہت دور سے عورت کی شور کی دے رہی تھی۔ لاشعور میں اٹھنے والا شور آہستہ آہستہ جیسے بلند ہوتا جا رہا تھا۔ یوں جیسے دروازے پر کوئی دھک دے رہا ہو۔ شعور نے آہستہ آہستہ اس شور کو پہچان لیا تھا۔ عمر نے اونٹنہ سے بڑے ہوئے آنکھیں کھولی شروع کر دیں۔ چند لمحوں تو وہ آنکھیں کھولنے میں بالکل ہی ناکام رہا۔ مگر پھر کچھ جدوجہد کے بعد اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ کمرے میں روشنی تھی۔ کچھ دیر تک تو وہ اپنے ارد گرد کے ماحول کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہا، اور پھر اس کا دھیان دروازے پر ہونے والی دھک پر چلا گیا۔ کوئی بڑی مستقل مزاجی سے دروازہ بھابھ رہا تھا اور ساتھ اس کا نام بھی پکار رہا تھا۔

عمر کا سر پھلکا رہا تھا، وہ لیٹے لیٹے ہی کرٹ لے کر سیدھا ہو گیا اور آواز کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ آواز کو شناخت کرنے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ مگر وہ آواز کو پہچان گیا، وہ آواز ناؤ کی تھی اور وہ بار بار اسی کا نام پکار رہی تھیں۔

”مگر مٹی! میں جاگ گیا ہوں ابھی باہر آ جاؤں گا۔“

اس نے بے اختیار بلند آواز میں ان کی آواز کے جواب میں کہا تھا۔

اس وقت اس کے دروازے پر ہونے والی دھک اس کے اعصاب کو چھبھو رہی تھی اور وہ اسے روک دینا چاہتا تھا دھک یک دم رک گئی تھی۔

”ٹھیک ہے، عمر جلدی باہر آ جاؤ بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں کھانا لگوا رہی ہوں۔“

اس نے کڑی کو کہتے ہوئے سنا۔

وہ کچھ کہے بغیر ہی چپ چاپ بستر میں پڑا رہا، انہیوں کے پردوں سے اس نے اپنی کینڈیوں کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ سر میں ہونے والی اس تکلیف سے نہایت حائل نہیں کر سکا تھا۔ اس کے لئے یہ ساری کیفیات ہی نہیں تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زبردست قسم کے hang over کا شکار ہو رہا ہے۔

کچھ دیر وہ اسی طرح لیٹا اپنے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر جدوجہد کرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے سر کو دو تین بار جھٹک کر کمرے میں گئے والے کلاک پر نظر دوڑانے کی کوشش کی تھی مگر وہ وقت دیکھتے میں کاسیاب نہ ہو سکا۔

سامنے تپائی پر پڑی ہوئی بوتلوں نے ایک بار پھر رات کے تمام مناظر کو اس کے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک نیا مسکراہٹ ابھرنی لگی۔

”اور اس کمرے کے باہر ایک بار پھر وہی شیطان ہو گا۔ کاش میں کہیں غائب ہو سکتا؟“

اس نے کمل کو ایک جھکے سے دور بچھتے ہوئے سوچا تھا۔ بیڈ سے کھڑا ہونے کی کوشش میں وہ لڑکھڑایا۔ اسے تلی ہوئی تھی۔

چنگوٹوں کے لئے وہ ایک بار پھر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ پھر ات کر کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنگیوں کو دبا تے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ ڈرینگ روم کی طرف چل دیا۔ ڈرینگ روم میں داخل ہونے کے بعد اس نے وارڈ روم میں پڑا ہوا بریف کیس نکال لیا تھا وہ اب جلد از جلد اس hang over سے نجات حاصل کرنے کے لئے بریف کیس میں پڑی ہوئی گولیاں لیتا جاتا تھا۔ مگر بریف کیس کھولنے کے بعد بھی وہ بریف کیس میں سے اچھٹا پلو ہر گولیاں نکال نہیں کر پاتا تھا۔

”اف“

اس نے بریف کیس کو دھریک دیا تھا۔ کچھ دم گھومتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ڈرینگ روم کے اسٹول پر بیٹھا رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے وارڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔ قی کو پوری رفتار سے کھولتے ہوئے وہ دھڑکیں کے سامنے جھک کر دیکھا کہ اچھٹا پلو کی انگلیاں اپنے حلق میں ڈالنے لگی ہیں کوشش کا مایاب رہی۔ اسے اپنا منہ خالی ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ گھاس کے چکراتے ہوئے سر کو زیادہ افاقہ نہیں ہوا تھا۔

چند منوں بعد اس نے صاف سے ہاتھ دھوئے کے بعد اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیئے تھے۔ مگر یہ ترکیب بھی کچھ زیادہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ اسی طرح وہیں کھڑا رہا۔ پھر کچھ بے چارگی کے عالم میں وارڈ روم سے نکل آیا۔ اب جگہ میں جانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ جاتا تھا۔ کچن میں اس وقت خانا سٹا کے علاوہ گریٹ بھی ہوں گی اور شاید علیزہ بھی اور وہ اس حالت میں ان لوگوں کے سامنے نہیں جانا پاتا تھا۔ مگر اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ ڈرینگ روم سے نکلا تھا اور پھر اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔

دروازہ کی ٹاپ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے لاک کھولنے کی کوشش کی تھی اور ٹھیک گیا تھا۔ اسے بہت اچھی طرح یاد تھا کہ رات کو علیزہ کے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کمر دروازے کو لاک کرنے کا کیا تھا۔ مگر اس وقت لاک کھلا ہوا تھا۔ وہ hang over کا شکار تھا مگر وہ رات کو ہونے والے تمام واقعات یاد رکھتا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے دروازے کو خود لاک کیا تھا مگر علیزہ یا کوئی اور وہ دروازے کے کمرے میں نہ آئے اور اس کے بعد وہ ڈرنگ روم کے لگے تھا۔

”اور اب یہ دروازہ کھلا ہوا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی رات کے کسی وقت یا پھر صبح میرے کمرے میں مجھے دیکھنے آیا تھا، اور وہ کون ہو سکتا ہے؟“ اس نے ٹاپ پر ہاتھ رکھے ہوئے چند لمحوں کے بعد سوچا تھا، اور پھر جیسے اس کے ذہن میں ایک جھمکا ہوا تھا۔ وہ ہونٹوں کو پیچھتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ لاؤنج سے گزر کر وہ کچن میں آ گیا تھا۔

”وہ عمر اچھا کئے؟“

گرہٹی نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا ان کی طرف دیکھے بغیر وہ فریج کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”جہیں کچھ جاتے؟“

گرہٹی نے اسے فریج کا دروازہ کھولتے دیکھ کر پوچھا تھا۔ اس نے ابھی کوئی جواب دینے کے بجائے فریج کے اندر جھانکتے ہوئے سر کے کی بوتل تلاش کر شروع کر دی۔ گرہٹی اب کچھ کہنے کی بجائے خاموشی سے اس کی حرکات کو دیکھتی رہیں۔ وہ سر کے کی بوتل نکال کر کچن میں پڑی ہوئی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی سمجھ کر اس پر بیٹھ گیا تھا۔

”مریہ بابا! ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی دیں۔“

اس نے سر کے کی بوتل کھولتے ہوئے کہا تھا۔

گرہٹی دم بخود اس کی کارروائی دیکھ رہی تھیں۔ مریہ بابا نے خاموشی سے ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے سر کے کی بوتل میں سے کچھ سر کر اس گلاس میں اڑایا اور گلاس ہاتھ میں لے کر اسے پینے لگا۔ چند گھنٹے پہلے کے بعد اس نے یک دم خود کو بہر محسوس کیا تھا۔ گلاس میں اس نے کچھ اور سر کر اڑایا تھا اور پھر گلاس ہاتھ میں لے کر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس بار ناتو نے اس سے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سب کچھ سمجھ چکی تھیں اور اس وقت وہ اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ گلاس لے کر کچن کے دروازے سے نکلا تھا اور اس کی نظر لاؤنج کے سامنے والے صوفے پر پڑی تھی۔ لاؤنج سے پہلے گزرتے ہوئے وہ علیزہ کی طرف بٹھ ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ نہیں سکا تھا مگر اب علیزہ اس کے ہانگل سامنے تھی اور عریک دم غصہ ناک ہو گیا تھا۔ اس نے بلڈ آڈاز میں علیزہ سے کہا تھا۔

”دوسرے کے معاملات میں اتنی دلچسپی کیوں ہے جہیں؟“

علیزہ نے بے حد جراتی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اس کے سامنے سے گزر کر کچن میں گیا تھا اور اب کچن سے باہر نکل کر وہ ایک دم اس ٹون میں اس سے بات کرنے لگا تھا۔ اس کی آواز کی کڑکٹ اور چہرے پر موجود نفی علیزہ کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ وہ زور چہرے سے اس کے جملے کا مقصد سمجھنے کی کوشش کرتے تھی۔

وہ کچھ آہستہ آہستہ بڑھ آیا تھا اور علیزہ نے اس کے پیچھے ہٹ کر کچن سے نکلنے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا مرے؟ کیوں شور کر رہے ہو؟“

”میرا دماغ خراب ہو گیا ہے، اس لئے شور کر رہا ہوں!“

وہ ناتو کی بات پر اور بھی جڑ گیا۔

”آؤ خبر ہو کیا ہے؟ جس پر اسے ناراض ہو رہے ہو؟“

نالو نے زنی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”یہ سوال مجھ سے نہیں اس سے پوچھیں۔“

اس نے علیزہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو بالکل بے حس و حرکت موڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نالو کو جیسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا تھا۔

”علیزہ سے پوچھوں؟ علیزہ نے کیا کیا ہے؟“

”اس کے نزدیک دوسروں کی زندگی قاتل شاہ ہے جسے دیکھ کر انجائے کرنا اس کا فرض بنتا ہے۔“

نالو اس کی بات بالکل نہیں سمجھتی تھی۔

”عمر! مجھے بتاؤ اس نے کیا کیا ہے؟“

”میں نے آپ سے کہا ہے تاکہ مجھ سے مت پوچھیں اس سے پوچھیں۔“

عمر اس کی بات پر یک دم بھڑکا تھا۔ نالو نے حیرت سے علیزہ کو دیکھا تھا جس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔

اس کے دم دھماں میں بھی تھا کہ عمر کے سر میں آنے کی بات جان جائے گا اور پھر اس پر اس طرح بنگارہ کھڑا کر دے گا۔

”کیا حق پہنچتا ہے جہیں کہ تم لوگوں کی ذاتیات میں دخل اندازی کرو مگر اٹھا کر چوری پیچھے دوسروں کے

کردوں کے لاک کھول کر دہاں جاؤ۔“

اس کی آواز اتنی بلند اور لہجہ اتنا خشن تھا کہ علیزہ کے ہاتھ ہیر کاٹنے لگے تھے۔

”تم ہوتی کون ہو، یہ سب کچھ کہنے والی۔ یہ مگر تمہارا یا تمہارے باپ کا نہیں ہے کہ تم یہاں کے ہر

کمرے میں جھانکنے لگو۔“

وہ انگلی اٹھا کر خیمہ آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

”جتنا حق تمہارا اس مگر ہے اتنا ہی میرا ہے اس کے جہیں اپنی حدود کا پتا ہونا چاہیے۔“

”عمر! اتنے غصہ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علیزہ کا کوئی قصور نہیں ہے میں نے ہی اسے تمہارے

کمرے میں جانے کے لئے کہا تھا۔“

نالو نے بڑی زنی سے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ عمر کو ایک دم دھچکا لگا تھا۔

”آپ نے کہا تھا؟“

”ہاں! میں نے کہا تھا؟“

عمر نے اپنے بازو پر رکھا ہوا ان کا ہاتھ ایک جھٹکے سے ہٹا دیا۔

”آپ نے کیوں کہا تھا؟“

”جہیں اتنی دیر ہو گئی تھی، تم اتنی ہی نہیں رہے تھے۔ میں پریشان ہو گئی تھی، اس لئے میں نے علیزہ سے کہا

کہ وہ لاک کھول کر اندر جائے اور دیکھے کہ تم ٹھیک ہو۔“

نالو نے بہت مہارت سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا تھا۔

”میں چاہتا ہوں گا، اہلوں کا اور آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس طرح میرے کمرے میں جا سوں

مجھیں۔“

وہ اب نالو سے الجھنے لگا تھا۔

”کیوں مجھے تمہارے بارے میں پریشان ہونے کا کوئی حق نہیں ہے؟“

نالو نے اس سے ٹکڑہ کیا۔

”نہیں! آپ کو میرے بارے میں پریشان ہونے کا کوئی حق ہے نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ میں یہاں

اس لئے نہیں آیا کہ اپنے روم میں بھی آزادی سے نہ رہ سکوں۔“

”عمر! جو لوگ تم سے محبت کرتے ہیں وہ.....!“

اس نے جھنجھلائے ہوئے آواز میں نالو کی بات کاٹ دی تھی۔

”جہنم میں جاؤں گا جس دن لوگ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے کہ کسی کی محبت کی..... نہ ہی

محبت کرنے والے لوگوں کی۔ میں ٹھک چکا ہوں اور بھگ آ چکا ہوں ان لغویات سے۔“

اس کے لیے جس اتنی بیزاری تھی کہ نالو چپ کی چپ ہی رہ گئی تھیں۔

وہ جھنجھلا یا ہوا اپنے کمرے کی جانب جانے لگا تھا، لیکن جاتے جاتے وہ ایک بار پھر رکا گیا اور اس نے

انگلی اٹھا کر علیزہ سے کہا تھا۔

”آج سچہ بھی ایسی کوئی حرکت میرے ساتھ مت کرنا۔“

اس کے جواب یا رد میں سے پہلے ہی وہ لاؤنچ سے نکل گیا تھا۔ چند لمحوں بعد علیزہ نے ایک دھماکے کے

ساتھ اس کے کمرے کا دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ نالو ابھی بھی وہیں کھڑی تھیں اور اب علیزہ کے لئے ان سے نظر لٹانی

مشکل ہو گئی تھی۔

وہ یک دم اٹھ کر ہی بھاگتی ہوئی لاؤنچ سے نکل گئی تھی۔ اس نے اپنے مقصد میں نالو کی آواز نہ سنی تھی مگر وہ

رکی نہیں تھی۔

وہ ان کے سامنے روٹا نہیں چاہتی تھی۔

”وہ مجھ سے اس طرح کیسے بات کر سکتا ہے؟“

اسے اب بھی یقین نہیں آیا تھا کہ یہ سب اس نے عمر سے سنا تھا۔ اس نے موڈ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں

سے اپنے چہرے کو چھپا لیا تھا۔

”عمر! اتنا..... تلخ کیسے ہو سکتا ہے..... اور..... اور وہ بھی میرے ساتھ؟“

اس نے پتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ سوچا تھا۔

”اس نے کبھی مجھے اس طرح نہیں ڈانٹا..... کبھی ہاں بات نہیں کی پھر اب کیوں؟“ اس کے آنسوؤں

اٹھا کر نانو کو دیکھا تھا۔ وہ کچھ کھپائی سی ہو کر اب اپنی پلیٹ میں چاول نکال رہی تھی۔

مریہ بابا فیملی پر کوئی چیز رکھنے آئے تھے جب عمر نے ان سے کہا تھا۔

”مریہ بابا! ڈرائیو نہ کھیں وہ گاڑی نکالے اور میرے کمرے میں جو بیگز ہیں، وہ ذرا گاڑی میں رکھوا دیں۔“

علیڑہ کا ہاتھ رک گیا تھا۔ وہ اسی اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ علیڑہ نے نانو کو دیکھا تھا وہ بھی عمر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مریہ بابا ہر جا چکے تھے۔

”سامان کیوں؟“

نانو نے کچھ بے چین ہو کر پوچھا تھا۔

”میں یہاں سے جا رہا ہوں!“

بڑے اطمینان سے جواب دیا گیا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

”فی الحال تو ہوش میں جنگ کروائی ہے۔“

”مگر کیوں؟“

”کیوں سے کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے مجھے یہاں سے جانا ہی تھا، یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں نے یہاں آ کر غلطی کی تھی۔“

وہ کباب کے ٹکڑے کرتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہہ دیا تھا۔

”عمر! یہ تمہارا گھر ہے۔“

”نہیں گریٹی! یہ میرا گھر نہیں ہے، یہ آپ کا گھر ہے، علیڑہ کا گھر ہے میرا نہیں۔“

اس کا لہجہ بہت دو ٹوک تھا۔

”اگر آپ میری وجہ سے میرے گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو پلیز میں اپنی غلطی کے لئے ایکسکسز دکرٹی ہوں۔ آپ مجھ سے ناراض ہو کر یہاں سے نہ جائیں۔“

اس بار علیڑہ نے اس سے کہا تھا۔

”میں کسی سے بھی ناراض ہو کر یہاں سے نہیں جا رہا۔ بس مجھے اب یہاں نہیں رہنا۔“

اس نے علیڑہ کی طرف دیکھے بغیر ہی کہا تھا۔

”مگر تم تو یہاں رہنے آئے تھے۔“

”ہاں، میں رہنے آیا تھا، اور مجھے نہیں آتا چاہئے تھا۔ میں نہیں جانتا تھا یہاں آپ کا بیٹا میرے پیچھے آ جائے گا۔“

”مگر اب تو وہ چلا گیا ہے۔“

”ابھی چلا گیا ہے مگر میں دوبارہ آنے سے کسی کیسے روک سکتا ہوں۔“

”عمر! جب تک تم یہاں ہو میں اسے یہاں نہیں آئے دوں گی، آئے گا بھی تو بھی کوئی تم سے اس معاملے پر بات نہیں کرے گا۔ مگر تم یہاں سے مت جاؤ۔“

”نہیں گریٹی! مجھے یہاں نہیں رہنا ہے۔ مجھے یہاں سکون نہیں ہے۔“

اس نے بے حد عجیبگی سے کہا تھا۔

”تمہیں یہاں سکون ہے یا نہیں مگر تم یہاں سے کہیں نہیں جا رہے، جس قسمیں کہیں جانے نہیں دوں گی۔ یہ بات تم کان کھول کر سن لو۔“

نانو یک دم کہتے ہوئے میرے اٹھ گئی تھی۔

”مریہ..... مریہ! اس کا سامان واپس اندر رکھ آؤ..... وہ کہیں نہیں جا رہا۔“

انہوں نے مریہ کو یکجہ لاتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

”گریٹی! جذباتی مت ہوں میں یہاں نہیں رہنا چاہتا اور نہ ہی رہوں گا۔ مجھے جانے دیں۔“

اس کا لہجہ ہنوز سرد تھا۔

”کیا ہو گیا ہے عمر؟ کیوں کر رہے ہو اس طرح؟ اسے مضہبی نہیں تھے تم؟“

علیڑہ نے گریٹی کی آنکھوں میں آنسو اٹھتے ہوئے دیکھے تھے۔ اس نے عمر کو ان سے نظریں چراتے ہوئے اور ہر حرکت خوردہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے دیکھا تھا۔

”مریہ..... اسامان واپس رکھ آؤ۔“

نانو نے ایک بار پھر خانساں سے کہا تھا: عمر اس بار بالکل خاموش رہا۔ مریہ بابا چند لمبے اس کے رد عمل کا انتظار کرتے رہے اور پھر خاموشی سے بیگڑا اٹھا کر واپس مڑ گئے۔ علیڑہ کے چہرے پر اطمینان جھلکے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ لٹی کرنے کے بعد گھر سے نکل گیا تھا۔ نانو دھتے دھتے سے اس کے مہمان پر کال کرتی رہیں۔ وہ رات میا رہا بچے کے قریب واپس آیا۔ علیڑہ اس وقت اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ نانو نے اس سے کھانے کا پوچھا اور اس نے انکار کر دیا تھا۔ وہ کھانا باہر سے کھا کر آیا تھا۔

اگلی صبح جس وقت علیڑہ ناشتہ کی میز پر آیا اس وقت وہ وہاں نہیں تھا۔ علیڑہ نے نانو سے عمر کے بارے میں پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خاموشی سے ناشتہ کرنے کے بعد وہ یونیورسٹی چلی گئی تھی۔

لیکن یونیورسٹی میں بھی سارا دن اس کا ذہن اسی اشتیاق کا شکار رہا تھا۔ جس کا سامنا وہ پچھلے دو تین دن سے کر رہی تھی اور اس کی یہ کیفیت شہلا سے بھی نہیں رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“

تیسرے بیڑے میں اس نے کہا میں اٹھا کر کلاس سے نکلے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

”کچھ بھی تو نہیں!“

علیہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ شہلا کو اس کی آنکھوں میں امن دے ہوئے آنسو نظر آ گئے تھے۔
 ”عمر نے کچھ کہا ہے؟“

اس نے سر جھکا لیا تھا شہلا نے ایک گہری سانس لی۔

”ہر بار تم دونوں کے درمیان کسی نہ کسی بات پر کچھ نہ کچھ ضرور ہو جاتا ہے۔ اب کیا ہوا؟“

”وہ بالکل بدل گیا ہے شہلا! پہلے جیسا نہیں رہا۔“

اس نے دائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”وقت ہر چیز کو بدل دیتا ہے، کوئی بھی چیز ہو یا انسان وہ ایک جیسا نہیں رہ سکتا۔ اس لئے مجھے یہ سن کر

حیرت نہیں ہوئی عمر بدل گیا ہے۔“

علیہ وہ بے بسی سے اپنا پنچلا ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

”دو چار سال بعد تم اس سے ملو گی تو وہ اور زیادہ بدلا ہوا لگے گا۔ It's but natural۔ شہلا بے حد پر

سکون تھی۔“

”شہلا! وہ مجھے کبھی بھی اس طرح فریٹ نہیں کرتا تھا۔ جس طرح اب ان دو چاروں میں مجھے یوں

لگا جیسے وہ مجھے اپنی کزن نہیں سمجھتا، اس کے لئے میں ویسے ہی ہوں جیسے، مالی، ڈرائیور، خانا ماں.....“

”پر ٹیکنیکل بنو علیہ! دوسروں سے بہت زیادہ تو تفہات نہیں رکھنی چاہئیں؟“

شہلا نے بہت ہی گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”شہلا وہ میرا دوست تھا کیا دوستوں سے بھی تو تفہات نہیں رکھنی چاہئیں۔“

”تم اسے صرف دوست نہیں سمجھتیں، صرف دوست سمجھتیں تو یہاں بیٹہ کر یہ سب کچھ نہ تار ہی ہوتیں۔“

علیہ نے سر جھکا لیا تھا۔

”بہر حال اب کیا ہوا ہے؟“

علیہ نے کچھ ہنچا پاتے ہوئے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ شہلا بھی اتنی ہی شاکہ ہو کر ساری بات سنتی رہی۔

”مجھے تو یقین نہیں آتا شہلا! عمر یہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ کبھی بھی ایسا نہیں تھا، پھر اب کیوں؟ اب جب وہ

سیٹل ہو چکا ہے، تو اتنے بڑے تغیرات کیوں؟“

”تم اس تغیر کی وجہ جاننے میں دلچسپی مت لو۔“

”کیوں؟“

”علیہ! تم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتیں وہ اب جس مدار میں داخل ہو چکا ہے، وہاں کوئی علیہ نہیں ہے

نہی اسے ضرورت ہے۔“

”میں اس کی دوست ہوں۔“

”پتہ نہیں کہ اسے دوستوں کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔“

”تو پھر اتنی خاموش کیوں ہو؟“

”میں ہمیشہ ہی خاموش رہتی ہوں!“

”ہاں مگر اس طرح نہیں؟“ علیہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”آؤ آج کینال پر چلیں!“

شہلا کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

”کھانسر چھوڑ دیں؟“

”ہاں! کبھی کبھی تو ایسا ہی کرنا چاہئے۔“

”ٹھیک ہے چلو!“

شہلا نے مزید کچھ بھی نہ کہا تھا

نہر کے کنارے بہت دیر تک وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے بیٹھی رہی جس پھر خاموشی کو شہلا نے ہی توڑا تھا۔

”اب بتا دو کیا ہوا؟“

علیہ وہ اس کے سوال پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”تم پریشان ہو؟“

”پریشان نہیں ہوں اداس ہوں!“

وہ ایک بار پھر نہر کے پانی کو گھورنے لگی تھی۔

”اداس کیوں ہو۔“

شہلا نے بڑی لامعت سے پوچھا تھا۔

”پتا نہیں۔“

”مگر میں تو سب کچھ ٹھیک ہے؟“

”ہاں!“

”جیئرس یاد رہے ہیں؟“

”نہیں۔“

”ناٹو نے کچھ کہہ دیا ہے؟“

”نہیں۔“

شہلا جھجھکی۔ ”تو پھر کیا مسئلہ ہے پھر اداس کیوں ہو؟“

علیہ خاموش رہی تھی۔

”عمر سے تو کوئی جھگڑائیں ہو گیا؟“

شہلا کو اچانک خیال آیا تھا۔

”میرا دل نہیں چاہتا“

”علیہ! میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ عمر آج کل پریشان ہے ان کی کسی بات پر خفا ہونا مناسب نہیں۔ وہ شاید خود بھی نہیں جانتا کہ کیا کر رہا ہے، اور کیا کہہ رہا ہے۔ اگر مجھے سے قائل ہوتا تو قاتل مردوں میں اتنی اچھی پوسٹ چھوڑ دیوں صرف باپ کی ضد میں پاکستان آ جاتا۔“

”ناؤ میں اس کی کسی بھی بات پر ناراض نہیں ہوں۔“

”میں بے خوف نہیں ہوں، تمہیں کل کی باتیں کیا بری نہیں لگیں۔“

”بری لگی ہوں تو میں کیا کروں۔ میں یہاں سے جا تو نہیں سکتی۔“

اس نے سر جھکائے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔

”اس نے جو بھی کہا، اسے بھول جاؤ۔ فدرس انسان بہت سی باتیں کہہ دیتا ہے۔“

ناؤ اسے سمجھانے لگی تھیں۔

”اب دیکھو، وہ صبح جاتے ہوئے مجھ سے خاص طور پر کہہ کر گیا ہے کہ تمہاری چیزیں تمہیں دے دوں۔“

علیہ اس بار خاموش رہی تھی۔

ناؤ اسے لے کر اپنے کمرے میں آگئی تھیں۔ انہوں نے عمر کا دیا ہوا بیگ کھولا، اور اس میں موجود چیزیں نکال کر بیڈ پر رکھنا شروع کر دیں۔ اسے پہلی بار عمر کی لائی ہوئی کوئی چیزیں دیکھ کر خوشی نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ اس کی رنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔

”اے معلوم ہونا چاہئے، مجھے اس کی لائی ہوئی چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اس نے سوچا تھا۔ چیزوں کا ڈھیر اٹھانے کے بعد وہ کھڑی ہوئی تھی جب ناؤ نے اس سے کہا۔

”جب عمر واپس آئے تو تم ان چیزوں کے لئے اس کا شعر یہ ادا کرنا۔“

وہ ان کی ہدایات سن کر خاموشی سے کمرے سے نکل آئی۔

اپنے کمرے میں آ کر پہلی بار اس نے عمر کی دئی ہوئی چیزوں کو بار بار دیکھنے کی بجائے ایک شاپ میں ڈال کر دارڈروب کے ایک کونے میں رکھ دیا تھا۔

سال میں دو تین بار جب اس کی اور پیپا اس کے لئے چیزیں بھجوا کر کرتے تھے تو وہ انہیں بھی اسی طرح دیکھے بغیر دارڈروب میں رکھ دیا کرتی تھی، اور پھر انہیں صرف اسی وقت دیکھا کرتی تھی کہ جب اسے کسی کو کوئی کٹھ دینا ہوتا وہ انہیں چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ نکال کر کٹھ کر دیتی یا پھر خود اسے اپنے استعمال کے لئے کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو وہ ان شاپرز کی طرف متوجہ ہو جاتی۔

مگر عمر بھی اس کے لئے کچھ لانا یا بھجیتا تو وہ کبھی بھی ان چیزوں کو دارڈروب میں نہیں رکھتی تھی۔

وہ انہیں کمرے میں اپنے سامنے رکھتی تھی یا پھر فوری طور پر انہیں اپنے استعمال میں لے آتی تھی۔

☆☆☆

”دوستوں کی ضرورت ہمیشہ ہوتی ہے۔“

”لیکن ہر ایک کو نہیں۔ عمر کے ساتھ جو بھی ہو رہا ہے وہ عارضی ہے وہ اس فیر سے نکل آئے گا۔ وہ سمجھ رہا ہے، بہت جلدی اپنی پراپلو کوئل کر لے گا۔ تمہارے کزن میں یہ ایک خاص خوبی ہے اور ایسے بندوں کو کسی علیہ کی ضرورت نہیں ہوتی جو ان سے بھردی کمرے یا ان پر ترس کھائے، اس لئے تم اس کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دو۔“ شہلا بہت نرمی سے اسے سمجھاتی رہی۔ وہ اسے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔ وہ شہلا کے ساتھ سب کچھ شیئر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بہت دیر تک وہاں بیٹھے رہنے کے بعد شہلا نے کہا تھا۔

”اب چلیں، بہت دیر ہو گئی ہے۔“

علیہ کچھ کہے بغیر ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس دن صبح آنے پر ناؤ نے اسے بتایا تھا کہ عمر اسلام آباد چلا گیا ہے۔ اب وہ کچھ دن بعد آئے گا۔ علیہ نے کسی بھی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لچک کرنے کے بعد وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ رہی تھی جب ناؤ نے اس سے کہا تھا۔

”مگر تم دونوں کے لئے کچھ چیزیں لایا ہے، وہ بیک دے گیا ہے۔ میں نے ابھی کھولا نہیں، سوچ رہی تھی کہ تم یو غدر سنی سے آ جاؤ تو کھولوں گی۔“

علیہ وہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اگر ایک دن پہلے عمر میں وہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو شاید اس وقت وہ بڑی بے تابی سے ناؤ کی بات پر کچھ نہ کچھ ہنسی کرباب اسے کوئی بے تابی نہیں ہوتی تھی۔

”آپ خود بیک کھول لیں گے۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے۔“

اس نے بے دلی سے کہا تھا۔

”علیہ! یہاں بیٹھو۔“

”ناؤ! ہائیڈر جھکے یو غدر سنی کا کچھ کام کرنا ہے۔“

”علیہ! ایڈیٹ جاؤ۔“

ناؤ نے اس بار کچھ ڈانٹنے ہوئے کہا تھا۔ وہ کچھ سال کی کسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”تم عمر سے ناراض ہو؟“

انہوں نے بغیر کسی تہذیب کے پوچھا۔

”نہیں!“

”تو پھر اس کی لائی ہوئی چیزیں کیوں نہیں لیتا چاہتیں۔“

وہ خاموش رہی تھی۔

”میں کچھ پوچھ رہی ہوں؟“

”ہیں ویسے ہی!“

”ہیں ویسے ہی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“

سے اس طرح کے عمل کی توقع نہیں تھی۔

اس نے بلند آواز میں کہا تھا۔

”علیہ! اندر آ جاؤ۔“

اندر سے کہا گیا تھا۔

”آپ کے کسی دوست کا فون ہے۔“

اس نے اس کی بات کے جواب میں ایک بار پھر اپنا جملہ دہرایا تھا۔

”میں آ رہا ہوں۔“

اس بار چند لمحوں کے وقفہ کے بعد اس نے کہا تھا۔

وہ دواہیں بگھن میں آ کر کائی ٹیکر میں پانی ڈالنے لگی۔ چند لمحوں بعد اسے لاؤنج میں عمر کی آواز سنائی دی

تھی۔ وہ فون پر باتیں کر رہا تھا۔ علیہ! اپنے کام میں مصروف رہی۔ وہ اس وقت فرنیچ سے کمر کھال رہی تھی جب اس نے عمر کی آواز سنی تھی۔

”میں نے تم کو کمرے میں آنے سے منع نہیں کیا۔“

اس نے مڑ کر دیکھا، وہ بگھن کے دروازے میں کھڑا تھا۔

”آپ جب چاہیں میرے کمرے میں آ سکتی ہیں۔“

وہ مڑ کر دوبارہ کمرے کا کینٹ ٹکا لے گئی۔

”اس دن اعتراض مجھے صرف تمہارے آنے کے طریقے پر ہوا تھا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ وہ زیادہ مناسب نہیں تھا۔“

وہ ایک بار پھر کمرہ پر تھا۔ علیہ! کمرے کو چالے میں نکالنے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، وہ اس کے وہاں کھڑے ہونے سے انہی لگی۔

”میں اتنا بدامنی نہیں ہوں کہ آپ میری بات کا جواب دینا بھی پسند نہ کریں۔“

وہ کچھ کبے بغیر ہی کمرے کو چھیننے لگی۔ عمر اسے بھی کسی آپ کہہ کر مخاطب نہیں کرتا تھا۔ اسے تیرائی ہو رہی تھی اس وقت وہ اسے آپ کہہ کر کیوں مخاطب کر رہا ہے۔

”تمہیک ہے جواب منت دیں کائی کا ایک کمرے تو دے سکتی ہیں؟“

اس کی آگلی فرمائش نے علیہ! کو کچھ اور حیران کیا تھا۔

وہ اب آگے بڑھ کر بگھن میں موجود ڈائمنگ نیپل کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ علیہ! کچھ دیر پیش و پیچ میں گرفتار

رہی پھر اپنی سابقہ خاموشی کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے ایک کی بجائے کائی کے دو گ تیار کرنے شروع کر دیے۔

کائی تیار کرنے کے بعد اس نے دونوں گ اٹھائے اور ایک گ عمر کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ دوسرا گ لے کر وہ بگھن کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی تو اسے عمر کی آواز سنائی دی۔

”آپ کائی میرے ساتھ بیٹھ کر بیٹیں۔“

”مجھے کچھ کام کرنا ہے۔“

اس نے جواب دیا کہا تھا۔

”میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ کائی پیٹے میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ لگیں گے۔“

اس نے ایک بار پھر کہا۔

”نہیں۔ مجھے یہ بخورشی کا بہت سا کام کرنا ہے۔“

اس نے سر جھٹکا ہے ہوئے ایک بار پھر انکار کر دیا۔ عمر اس بار پھر اصرار کرنے کے بجائے تیزی سے اٹھ کر

بگھن سے نکل گیا۔ علیہ! بچکا اسے جانتا دیکھتی رہی۔ اسے عمر سے اس قسم کے رد عمل کی توقع نہیں تھی۔

کائی کاگ اب بھی ویسے ہی میز پر پڑا ہوا تھا، اور اس میں سے نکلے والے دواہوں دیکھ کر علیہ! کو انہوں ہو رہا تھا۔ وہ ابنازہ نہیں کر پارہی تھی کمر باراض ہو گیا ہے یا ویسے ہی اٹھ کر چلا گیا ہے۔

☆☆☆

دو دن کے بعد چھٹی کا دن تھی، اور علیہ! دس، گیارہ بجے کے قریب لان میں اپنی ایک پیٹنگ مکمل کرنے میں مصروف تھی۔ آسان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، اور غرضی ہوا چلنے کی وجہ سے خاصی خشک تھی۔ مگر وہ جان بوجھ کر لینڈ ایکسپ مکمل کرنے کے لئے باہر آ گئی تھی۔

ہلکے کواٹھ میں تھا ہے ہوئے وہ برش کے ساتھ کیوس پر اسٹروس لگا رہی۔ سورج کی روشنی نہ ہونے کی وجہ سے اسے شیڈ زد دینے میں بہت غور و خوض کرنا پڑ رہا تھا۔ شاید وہ ابھی کچھ اور دیر اسی اٹھانک سے اپنے کام میں

مصروف رہتی۔ مگر کیوس پر پڑنے والے بارش کے ایک قطرے نے اسے چٹکا دیا تھا۔ اس نے ٹکلی کی سی تیزی سے کیوس کو ایزل سے اتار لیا۔ پیچھے مڑتے ہی اس کی نظر عمر پر پڑی تھی۔ وہ لان کے بالکل ہی سامنے شیڈ کے نیچے

برآمدہ کی میز چینل پر اس جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ جہاں اس نے اپنے برش اور پیٹنگ باکس رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھکرائی جانتی تھی وہ کب سے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ علیہ! کو اس کی آمد کا پتا نہیں چلا تھا۔ پھر اس نے کیوس کو اپنے

کلرز کے پاس چا کر رکھ دیا۔ دواہیں لان میں آ کر اس نے اپنا ایزل اٹھایا اور اسے دھیں دھیں لے آئی۔ عمر اب اس کی پیٹنگ دونوں ہاتھوں میں تھا ہے دیکھ رہا تھا۔ علیہ! خاموشی سے اس کے قریب آ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

”علیہ! انہیں اب مجھے صاف کر دینا چاہئے۔“

وہ پیٹنگ باکس اور برش اٹھا کر کھڑی ہو رہی تھی۔ جب عمر نے نظریں اٹھا کر اس سے کہا۔ وہ اس کے اس بلے پر حیران رہ گئی تھی۔

”میں آپ سے ناراض نہیں ہوں تو پھر معافی کس بات کی؟“

عمر نے کچھ کہنے کے بجائے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

”میری کبواں پر ہضم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“

”آپ ناراض تھے مجھ سے، میں تو ناراض نہیں تھی۔“

عمر کا رد عمل اس کے لئے بے حد حیران کن تھا۔ وہ ایک دم ٹھکھلا کر بیٹھنے لگا تھا۔ چند لمے پہنچے کے بعد اس

”میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا علیزہ؟ تم سے؟“
”مگر آپ سمجھتے ہیں؟“

اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔
”نہیں، میں تم سے ناراض نہیں تھا۔ ناراض ہونے کے لئے شایستگی کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور مجھے تم سے
بھی کوئی شایستگی نہیں ہو سکتی۔“

اس نے سر اٹھا کر بے یقینی سے عرجا تکیر کو دیکھا تھا۔

”دنیا میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی کوئی بات آپ کو بری نہیں لگتی جس پر کسی آپ کو غصہ نہیں
آتا۔ جس سے کبھی آپ ناراض نہیں ہوتے۔ ناراض ہونا چاہیں تو بھی نہیں ہو سکتے۔ میرے لئے وہ کوئی نہ کوئی تم ہو۔“
”مگر کیا ہو گیا ہے؟“

علیزہ نے سوچا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

اس کی بے یقینی میں کمی نہیں آئی تھی۔

”آخر آل آپ یہ تو ضرور چاہتے ہیں کہ آپ کے مرنے پر کوئی ایسا شخص آپ کے لئے روئے سمجھے آپ
نے ساری زندگی روئے نہ دیا ہو۔“

”میں جانتا ہوں علیزہ! میرے مرنے پر میرے لئے رونے والی صرف تم ہو گی۔“

وہ ہنسنے لگی اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اب مسکرا رہا تھا۔

”آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

اس نے یکدم خوفزدہ ہو کر کہا میرے ساتھ قہر مار کر ہٹا۔

”کچھ نہیں..... میں کچھ بھی کرنا نہیں چاہتا۔“

”پھر آپ اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟“

”دیکھی باتیں؟“

”یہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں!“

”میں کیا کہہ رہا ہوں!“

علیزہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا کہے وہ جانتے ہو جیسے ہوئے.....!

”موت اور زندگی کے علاوہ بھی تو بہت سی چیزیں ہیں۔“

”مثلاً؟“

”جیسے یہ کہ انسان کو اپنی زندگی اپنے ہی ہاتھوں ختم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

اس نے کچھ ڈرتے ہوئے کہا۔

”اور؟“

”اور یہ کہ انسان کو ہر حال میں خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔“

”اور؟“

”اور یہ کہ زندگی میں آنے والے ہر اہم کار کا بہت قدری سے مقابلہ کرنا چاہئے۔“

”ہاں؟“

علیزہ نے کچھ شرمندہ ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ اس کی بات کے جواب میں اپنے رویے کی وضاحت کرے
گا۔ اپنے اس اقدام کو کچھ بات کرے گا مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔

”یہ پینٹنگ تم مجھے دے دو؟“

اس کی ساری باتوں کے جواب میں اس نے دونوں ہاتھوں میں پینٹنگ اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ اس کا کیا کر رہے ہیں؟“

علیزہ نے بات کا موضوع بدل جانے پر کچھ ہاپوسی سے کہا۔

”میں اسے اپنے بیٹے روم میں لگاؤں گا یا پھر اپنے آفس میں!“

”یہ ابھی مکمل نہیں ہوئی۔“

”مجھے تو یہ مکمل لگ رہی ہے!“

”نہیں، کچھ ٹرو کس رہے ہیں اور پانی کے اس قطرے کی وجہ سے یہاں ابھی خراب ہو گیا ہے۔ اسے بھی
ٹھیک کرنا ہو گا۔“

علیزہ نے ہاتھ سے تصویر کی مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں مجھے یہی اس طرح چاہئے۔ کسی مزید تبدیلی کے بغیر۔“

”مگر بارش کے اس قطرے سے والی جگہ کو تو مجھے ٹھیک کرنا پڑے گا۔“

”تم بارش کے اس قطرے سے والی جگہ کو ٹھیک کرنے کے بجائے یہاں اپنا نام لکھ دو۔“

”مگر.....“

”اگر مگر کچھ نہیں پس تم برش لو اور یہاں اپنا نام لکھ دو۔“

علیزہ نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر برش نکال کر سفید گھر سے تصویر کے درمیان میں بارش کے اس
لرے کی وجہ سے پھیلے ہوئے رنگوں میں کچھ سے ولی سے اپنا نام لکھ دیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے سارا عمل دیکھتا رہا اور
ب اس نے اپنا نام لکھ دیا تو اس کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”ہاں..... ٹھیک ہے اب یہ مکمل ہو گئی ہے۔“

اس نے علیزہ کے ہاتھ سے پینٹنگ لیتے ہوئے، مطمئن لہجہ میں کہا تھا۔

علیہ کی باپ کی بیٹی کے ساتھ ہو گیا۔ مگر جاکر perfectionist (کمالیت پسند) تھا اور اب وہ ایک نامکمل تصویر کے درمیان موجود ہے اور اس پر لکھے نام کو سراہ رہا تھا۔

”میرا کہہ چھیں بہت مس کرتا ہے۔“

اس نے چرک کر اس کی طرف دیکھا۔

”اسے ایک پری کی عادت ہو گئی ہے میرے جیسا جن اس کو پسند نہیں آ رہا ہے۔“

وہ بڑی سنجیدگی سے علیہ کو بتا رہا تھا۔ علیہ کا چہرہ چند لمحوں کے لئے سرخ ہوا پھر وہ ایک دم ٹھکڑا کر فیس پڑی۔



باب ۱۶

نانو نے فنگلی سے عمر کو دیکھا تھا۔ ”اس طرح چلانے کی کیا ضرورت ہے؟“

”مگر بی بی بات ہی ایسی کی ہے آپ نے۔“

”کیوں! ایسی کیا بات کی ہے میں نے؟ کیا لڑکیوں کی شادیاں نہیں ہوتی؟“

”ہوتی ہیں مگر بی بی؟ عمر اس طرح اس عمر میں؟“

وہ اب بھی حیران تھا۔

”ہاں! اسی عمر میں ہم جانتے ہو ہماری لیلیٰ میں لڑکیوں کی شادیاں بہت جلدی کر دی جاتی ہے۔“

”ہاں! پہلی شادی اسی عمر میں کر دی جاتی ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”میرا مطلب بہت صاف ہے مگر بی بی اور آپ جانتی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آپ خود شاید چاہیں کہ

ہماری لیلیٰ میں لڑکیوں کی کم عمری میں کی جانے والی شادیاں میں سے کتنی کی شادیاں کا سیاب راقی ہیں۔“

”عمر؟“

عمر نے ان کی بات کاٹی تھی۔

”مگر بی بی! چلیز میری بات سنیں۔ آپ نے غصینہ چوچو کی شادی بھی بہت کم عمری میں کر دی تھی۔ نتیجہ کیا

لگا، اور اگر آپ علیہ کی شادی ابھی کر دیں گی تو اس پر بہت غم کریں گی۔“

نانو نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

”تم ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ مجھے ان باتوں کے بارے میں سمجھانے لگو۔“

”میں آپ کو سمجھا نہیں رہا ہوں میں تو آپ کو صرف بتا رہا ہوں، کہ آپ ٹھیک نہیں کر رہی ہیں شادی علیہ

کے پر ابھر کا مل نہیں ہے۔“

”عمر! تم ابھی چو نے ہو اور اسے پیچور بھی نہیں ہو کہ ان باتوں کو سمجھ سکو۔“

نانو نے بڑی حثایت سے اس کو کہا تھا۔

”مگر میں ان باتوں کو سمجھنے کے لئے پچھڑی کی ضرورت ہے اور نہ ہی عمر کی جس واحد چیز کی ضرورت ہے وہ کامن سنس ہے اور میرا خیال ہے۔ یہ چیز میرے پاس ہے۔“

نانو کچھ دیر تو اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں بول سکی تھیں۔ وہ صرف خاموشی سے دیکھتی رہیں۔

”علیحدہ کے ساتھ یہ نہ کریں وہ بالکل بچی ہے۔“

عمر نے دھمکے لگے میں نانو سے کہا تھا۔

وہ بچی نہیں ہے سترہ سال کی ہو چکی ہے۔“

نانو نے سچم آواز میں کہا تھا۔

”سو اٹ کر میری سترہ سال پر آپ کی زندگی ختم کر رہے ہیں۔ میں اپنی پہلی کو سمجھ نہیں سکا بعض چیزوں میں اتنے براڈ اسٹنڈ بعض میں اتنے اڈیل، اتنے کنزرویٹو، اتنے نیرو ماکنڈ اسٹے Paradox تو نہیں ہونے چاہئیں آپ کی زندگی میں۔“ وہ پیسے پھٹ پڑا تھا۔

گرمائی نے بڑے پرسکون انداز میں اس کی بات سنی۔

”عمر! تم خواہ تو وہ جذباتی ہو رہے ہو۔ میں نے جس شخص کو اس کے لئے منتخب کیا ہے وہ اسے بہت خوش رکھے گا۔“

”میں شخص کا انتخاب کیا ہے آپ نے اس کے لئے؟“

اس نے کچھ تجسس ہو کر پوچھا تھا۔

”اسامہ کا، حینہ نے دو سال پہلے مجھ سے علیحدہ کے بارے میں کہا تھا، ابھی دو بارہ پوچھا ہے اس نے۔“

نانو نے بڑے اطمینان سے بتایا تھا۔ عمر طنز سے انداز میں سکرانے لگا تھا۔

”ساری دنیا میں آپ کو علیحدہ کے لئے اسامہ ہی ملا ہے۔“

نانو نے اسے نکلی سے دیکھا مگر عمر نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

”اور آپ کو یہ خوش فہمی بھی ہے کہ اسامہ علیحدہ کو بہت خوش رکھے گا۔“

”کیوں اب کیا تکلیف ہو گئی ہے تمہیں؟“

نانو نے اس بار کچھ مل کر کہا تھا۔

”اسامہ علیحدہ کو کیا کسی لڑکی کو خوش نہیں رکھ سکتا بیوی کے روپ میں۔ ہاں اگر بیوی کا رشتہ نہ ہو تو اسامہ علیحدہ کو کیا ہر لڑکی کو خوش رکھ سکتا ہے۔“

”فضول بکواس مت کرو۔“

”یہ فضول بکواس نہیں، یہ سچ ہے۔“

”تمہاری تو اسامہ کے ساتھ بہت دقتی ہے۔“

”دقتی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اس کے بارے میں سچ نہ بولوں۔“

وہ تازہ تو جواب دے رہا تھا۔

”اسامہ ایک گرو، ہائکس لاکس ہے۔“

”گرو، ہائکس اور گرو ہونے کا مطلب نہیں ہے کہ وہ ایک اچھا عمر بھی ثابت ہو۔“

”وہ ایک دو بار علیحدہ سے ملا ہے۔ اسے وہ اچھی لگی ہے اور اس نے خود ہی ماں سے علیحدہ کے لئے کہا ہے۔“

”مگر میں اسے ہر لڑکی اچھی لگتی ہے۔“

”بکواس! نانو نے اسے جھڑکا تھا۔

”میں اس کیلئے کوئی بات ہے۔ میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں آپ اس کو مجھ سے اچھی طرح تو نہیں جانتے۔ آپ کو پتہ ہے کہ وہ کیلی فورنیا خود کئی میں میرے ساتھ چڑھتا رہا ہے۔ وہ مجھ سے سینئر تھا۔ مگر کلاس کے علاوہ اس کا سارا وقت میرے ساتھ گزارتا تھا۔ اسامہ اور علیحدہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“

اس شخص کا کچھ اہم امت اور ہی طرح کا ہے۔ آپ میری بات کھ لیں کہ یہ دونوں چار دن بھی ساتھ نہیں رہ سکتے۔ وہ علیحدہ بھی لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ تو ویسے بھی بہت بڑا اثر ہے۔“

عمر نے تنبیہ کی سے گرمائی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”شادی سے پہلے لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

اور گرمائی نے اس کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

”یہ لڑکا شادی کے بعد بھی ایسے ہی رہے گا۔ آپ میری بات یاد رکھئے گا۔“

”تم جانتے ہو، وہ تو کتنی اچھی پوسٹ پر کام کر رہا ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ گلے تو ہوں گے کہ۔۔۔۔۔“

عمر نے ایک بار پھر تنبیہ کی سے نانو کی کاٹ دی تھی۔

”جانتا ہوں کہ اس نے پی ایس ایس میں ٹاپ کیا تھا۔ جانتا ہوں کہ اس نے فلی براؤٹ سٹارٹ اپ لیا ہے۔ جانتا ہوں اس نے اپنے کاس میں بھی بڑی شیلڈز لی تھیں۔ یہ بھی پتا ہے کہ وہ اس وقت اپنے کاس میں سب سے اچھی پوسٹ پر ہے، اور آ سبھی وہ بہت حق کرے گا۔ مگر ان سب باتوں سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ایک اچھا شوہر بن سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ وہ ایک اچھا پورکر ہے مگر اچھا شوہر ثابت ہونے کے لئے اچھا انسان ہونا ضروری ہے اور مجھے بڑے افسوس سے آپ کو یہ بتانا پڑ رہا ہے کہ اسامہ اچھا انسان تو ایک طرف اس میں انسانیت نام کی کوئی چیز سرے سے موجود نہیں ہے۔“

”عمر! تم خواہ تو وہ سچے جہاز کراس کے پیچھے نہ ہو گئے، جو کہیں وہ کتا رہا ہے، وہ سارے لڑکے کرتے ہیں تم بھی تو کوئی saint نہیں ہو۔“

”میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں کوئی ولی ہوں، مگر آپ علیحدہ کے ساتھ میری Match Making

نہیں کروا رہی ہیں اس لئے مجھے تو آپ اس بحث سے ویسے ہی نکال دیں۔ بات اس وقت اسامہ کی ہو رہی ہے،

لو کہے بغیر نہ جوانی میں بہت سی حرکتیں کرتے ہیں، مگر حرکتوں میں بھی فرق ہوتا ہے اور انہوں میں بھی۔
 ناہر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ "شادی کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"فیک ہو گا مگر کتنے دن کے لئے، زیادہ سے زیادہ دو یا چار ہفتے کے لئے اس کے بعد آپ کیا کریں گی؟"
 وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

"اسامہ کو اگر یہ پتا چل جائے کہ تم اس کے خلاف بول رہے ہو تو وہ تمہارے ہوش فکھانے لگا دے گا۔"
 ناٹو نے اسے دھمکا تھا۔ وہ بالکل بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

"مگر میں آپ کو گھر کے اندر رہنے والی عورت ہیں اس لئے آپ باہر کی دنیا کو نہیں جانتیں۔ باہر کی دنیا میں
 مرد جو کچھ کرتا ہے اس کا اثر گھر کے اندر کی زندگی پر ہوتا ہے، اور علیزہ اور اسامہ کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ اسامہ کسی بھی
 رشتہ کو ختم دینے سے نہیں لیتا اس کے لئے زندگی صرف ایک انجم ہے۔ منٹ ہے۔ علیزہ بہت حساس شخص ہے وہ اس کے ساتھ
 نہیں چل سکتی، آپ جانتی ہیں، اسامہ علیزہ سے گیارہ سال بڑا ہے؟"

اس نے کچھ عجیبے انداز میں ناٹو سے پوچھا تھا۔
 "مگر سے کوئی فرق نہیں پتا، بلکہ زیادہ مرد والا مرد مجھے طریقے سے ہیوی کر کے دکھاتا ہے۔"
 "اور وہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ مرد کی عمر اٹھاسی کے بجائے اٹھاون سال ہو اور بیوی کی عمر سترہ کے
 بجائے ستائیس سال ہو اور شہر ہر اسامہ اور بیوی علیزہ نہ ہو۔"

"تمہارا خیال ہے، کہ میں سوچے کچھ بھری علیزہ کی شادی کرنا چاہ رہی ہوں؟"
 ناٹو نے ہنسی سے اس سے پوچھا تھا۔

"مگر میں اگر آپ واقعی سوچ رہی ہوں کہ یہ کچھ کر رہی ہوں تو جو کچھ میں نے آپ کو بتایا ہے آپ نے
 اس پر غور ضرور کیا ہوتا۔ کیا آپ نے غمیزہ بھوہو سے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ آپ علیزہ کی شادی کرنا چاہتی ہیں؟"
 عمر نے ناٹو سے پوچھا تھا۔

"عمر! علیزہ کی شادی کی جتنی جلدی ہے اس کے باپ کو اس سے بھی زیادہ جلدی ہے، اس لئے پہلے تو
 تم یہ بات ذہن میں رکھو کہ علیزہ کی شادی میں مجھ سے زیادہ اس کا باپ اثر خیز ہے۔ جہاں تک غمیزہ سے بات کرنے
 کا تعلق ہے تو ظاہر ہے میں اس سے بات کی ہے جب ہی یہ سب کچھ کر رہی ہوں وہ دونوں چاہتے ہیں کہ وہ اپنی
 ذمہ داری کو جلد از جلد پورا کر دیں۔"

"ذمہ داری پوری کرنا ایک بات ہوتی ہے اور ذمہ داری سے جان چھڑانا دوسری بات۔ جو کچھ غمیزہ بھوہو
 اور ان کے ساتھ شہر کرنا چاہتے ہیں وہ ذمہ داری سے جان چھڑانا کیلاتا ہے۔"

"عمر! تم خواہو اور دوسروں کے معاملے میں دخل اندازی کیوں کر رہے ہو؟"
 "میں اس لئے دخل اندازی کر رہا ہوں کیونکہ مجھے علیزہ سے ہمدردی ہے۔ مگر میں اس نے زندگی کو نہیں

دیکھا ہے زندگی کے بارے میں سرے سے اس کا کوئی نظریہ ہی نہیں ہے۔ اس کا کیڑوں بہت ہی محدود ہے۔ اس کے

لئے زندگی ایک لڑائی لڑنا ہے۔ غمیزہ بھوہو، اس کے باپا، اور یہ گھر..... باہر کی دنیا کے لیے یہ جاننے کا آپ نے
 اسے متوجہ ہی نہیں دیا اور نہ ہی آپ دینا چاہتے ہیں آپ اسے ایک بچہ سے دوسرے بچہ میں فرانسز کر دینا
 چاہتے ہیں۔ میرا نہیں خیال ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے حوالے سے کوئی بھی خواب دیکھے ہوں گے اس کے خوابوں میں
 بھی غمیزہ بھوہو اس کے باپا اور آپ لوگ ہی ہوں گے۔ اسامہ بہت چالاک ہے۔ وہ گزراہ نہیں کر سکا۔ علیزہ کے ساتھ"
 "اچھا ٹھیک ہے اسامہ مناسب نہیں ہے اس کے ساتھ تو ایک دو اور پر پزل بھی ہیں اس کے لئے میں ان
 میں سے کسی کو دیکھ لو گی۔"

"یعنی آپ کو شادی ضرور کرنی ہے اس کی؟"

وہ کچھ جھنجھلا تھا۔ "شادی نہ کروں تو بھرا کر دیوں۔"

ناٹو نے اس سے عجیبے انداز میں پوچھا تھا۔

"اسے پڑھنے دیں۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے دیں بلکہ ہو سکے تو باہر بھیج دیں۔ دنیا کو دیکھنے دیں، لوگوں کو سمجھنے
 دیں واقعی طور پر کچھ سمجھو ہونے دیں۔ پھر اس کی شادی کریں تاکہ جس کے ساتھ بھی اس کی شادی ہو وہ وہاں ایچ
 جسٹ ہو سکے۔ اپنی اور دوسروں کی زندگی خراب نہ کرے۔"

"اور اس کے باپ سے کیا کہوں؟"

"سمجھا نہیں آئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں آخر کیا تکلیف ہے، علیزہ ان کے پاس نہیں رہتی۔
 انہیں تو کچھ کر نہیں پتا تو پھر انہیں اس کی شادی میں واقعی دلچسپی کیوں ہے؟"

"وہ اس کا باپ ہے، اور علیزہ اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو بہر حال وہ اس کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ جب تم
 باپ بنو گے اور بیٹی کے باپ تو پھر تمہیں ان چیزوں کا احساس ہوگا۔"

"اول تو میں شادی نہیں کروں گا اور اگر کسی بھی تو کم از کم اس طرح کا باپ نہیں بنوں گا۔ میں اپنی بیٹی کو اتنی
 آزادی تو ضرور دوں گا کہ وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارے، اور کم از کم سترہ سال کی عمر میں اس کی شادی
 کرنے کے بارے میں نہیں سوچوں گا۔"

اس نے کچھ جانے والے انداز میں مگر میں نے کہا تھا۔

"آپ غمیزہ بھوہو سے بات کریں، اگر کبھی علیزہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ اسے اپنی زندگی کو سمجھنے کے
 لئے ابھی چند سال دیں۔"

"عمر! تم سمجھتے..... عمر نے ان کی بات کافی دہرائی۔

"مگر میں اس میں ہر جگہ کیا ہے۔ اگر اب شادی کرنے کی بجائے چند سال بعد اس کی شادی کر دی جائے،
 کیا آپ نے علیزہ سے پوچھا ہے اس کی شادی کے بارے میں؟"

ایک خیال آنے پر اس نے مگر میں نے پوچھا۔

"علیزہ سے بھی پوچھ لو گی، جب شادی ہو جائے گی۔ تو اس سے بھی پوچھ لوں گی ابھی تو بات چیت

نہ طلیہ کو خوش رکھ سکتے ہو نہ اسامہ رکھ سکتا ہے۔ کسی تیسرے کا نام لوں گی تو تم اس میں بھی سوراخیاں نمودار گئے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ طلیہ کی شادی سرے سے ہی نہ جائے۔“ ناؤ کا لہجہ طریہ تھا۔
 ”مگر یہی میں.....“ عمر نے کچھ کبکے کی کوشش کی لیکن ناؤ نے کچھ تھوڑا رنگ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔
 ”تم طلیہ کو خوش رکھ سکتے ہو لیکن تم اس سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔“
 ”مگر یہی! میں سرے سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔“
 ”کیوں نہیں کرنا چاہتے؟“
 ”بس نہیں کرنا چاہتا۔“
 ”کوئی وجہ تو ہوگی نا؟“ ناؤ اسے کرید رہی تھی۔
 ”میں آزاد زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ کوئی ذمہ داری سر پر لینا نہیں چاہتا۔ ویسے بھی ہر چیز شادی کے

بغیر مل رہی ہو تو خود کو خواہ مخواہ زنجیروں میں کیوں بکڑا جائے۔“
 ناؤ اس کے جواب سے زیادہ اس کے طعنان پر حیران ہوئی تھی۔ ”تمہارا دماغ خراب ہے عمر؟“
 ”نہیں مگر یہی! میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔ میری زندگی کے سارے راستے بالکل صاف اور واضح ہیں اور ان کے متعلق میرے دماغ میں کوئی ابہام (Ambiguity) نہیں ہے۔ میں نے اپنی ساری فطرت کی زندگی سے یہ سیکھا ہے کہ شادی نہیں کرنی چاہیے۔ زندگی گزارنے کیلئے شادی کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر زیادہ اچھے طریقے سے رہ سکتا ہوں۔“

”جہاں تک رہنا چاہیے، تمہارا یہ اس فطرتی کا تو وہ تمہاری عقل فکڑنے لگا دے۔“
 ”میں نے یہ فطرت ہی ہی کی زندگی کا جائزہ لے کر بنائی ہے۔“
 اس نے ناؤ کی بات پر غور نہ کیا، کچھ دیر ناؤ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکیں۔
 ”میں تم سے طلیہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے پھر اس سے کہا۔
 ”طلیہ بہت کم عمر ہے۔ وہ ابھی تک خود کو کچھ نہیں پائی تو مجھے کیسے مجھ سکے گی اور شادی کوئی ایک دو دن کا ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ ساری زندگی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے بغیر زندگی کیسے گزارنی چاہتی ہے۔“
 ”چلو ٹھیک ہے۔ اب نہیں تو چار سال بعد تو وہ اس قابل ہو سکتی ہے کہ قبول تمہارے ایک اچھی بیوی کی تمام خصوصیات اپنے اندر پیدا کر لے۔ جب کرو گے تم اس سے شادی؟“ ناؤ ابھی بھی اپنی بات پر مصر تھی۔
 عمر پر سوچ انداز میں ان کا چہرہ دیکھ رہا پھر اس نے کہا۔ ”اگر آپ ابھی اس کی شادی ملتوی کر دیتی ہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں چار پانچ سال بعد ضرور اس سے شادی کے بارے میں سوچوں گا۔“
 ”صرف سوچو گے؟“

”مگر یہی! ہر چیز سوچنے سے ہی ہوتی ہے۔“
 ”مگر کوئی واضح یقین دہانی تو ہونی چاہیے۔“

چل رہی ہے۔“ عمر نے حیرانی سے گردن کو دیکھا۔
 ”یعنی آپ طلیہ سے پوچھتے بغیر اس کی شادی طے کر رہی ہیں۔ مگر یہی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟“
 ”کیوں کیا ہو گیا ہے مجھے؟“
 ”جس لڑکی کی آپ زندگی کا فیصلہ کر رہی ہیں۔ اس سے پوچھتے تک کی زحمت نہیں کی آپ نے اگر اسے اعتراض ہوا تو پھر آپ کیا کریں گی؟“
 ”طلیہ اعتراض نہیں کرے گی۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔“
 ”پھر بھی مگر یہی! اس کا حق ہے کہ اس کی شادی کے بارے میں اس سے پوچھا جائے۔ ابھی آپ جلد از جلد اس سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی ہیں مگر ایک دو سال کے بعد وہ پھر ذاتی دوسرے کے آپ کے پاس موجود ہوگی شاید اپنی ہی جیسی کوئی اور لڑکی لے کر پھر آپ کیا کریں گی؟“ عمر نے سختی سے کہا تھا۔
 ”اتنی ہولناک تصویر پیش مت کرو میرے سامنے اسامہ آخری چٹاں تو نہیں ہے اس کے بجائے کسی اور پر غور کیا جاسکتا ہے۔“
 ”چند سال بعد شادی نہیں کر سکتیں اس کی؟“ عمر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
 ”کر سکتی ہوں اگر.....“ ناؤ کچھ کہتے کہتے دھک دھک رہا۔
 ”اگر؟“ عمر نے چوک کر پوچھا تھا۔
 ”کیا تم شادی کرو گے اس سے؟“ وہ ان کے اس سوال پر ساکت رہ گیا تھا۔

چند لمبے دو کچھ کہے بغیر ناؤ کا چہرہ دیکھا رہا جو بہت پر سکون اور بخیرہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کیا وہ فراق تھا یا..... مگر وہ کوئی اندازہ نہیں لگایا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے ہلکی آواز میں ناؤ سے کہا۔
 ”مجھ میں اور اسامہ میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“
 ”مگر یہی! میں نے آپ کو جو کچھ اسامہ کے بارے میں بتایا ہے وہی سب آپ میرے بارے میں بھی بچا

مان لیں۔“
 ”عمر! میں تمہاری بات سمجھ نہیں رہی۔“
 ”میں بھی اسامہ سے بہتر نہیں ہوں جو برائیاں اس میں ہیں وہی سب مجھ میں بھی ہیں، میں بھی طلیہ کو خوش نہیں رکھ سکتا۔“

”عمر! میں تمہاری بات سمجھ نہیں رہی۔“
 ”میں بھی اسامہ سے بہتر نہیں ہوں جو برائیاں اس میں ہیں، وہی مجھ میں بھی ہیں۔ میں بھی طلیہ کو خوش نہیں رکھ سکتا۔“ اس کی تلبیہ کی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں سوچوں گا تو پھر آپ کو اعتبار ہونا چاہیے میری بات پر۔ ٹھیک ہے نا۔ اب آپ علیحدگی کی شادی کے بارے میں حکومت کیجیے گا۔"

نانو کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں اور پھر اچانک ان کے چہرے پر ایک مسکراہٹ لہرائی۔

"تم پسند کرتے ہو نا اسے؟"

وہ ان کی بات پر یک دم چپک گیا۔ "مگر بی علیحدگی کو کوئی بھی ناپسند نہیں کر سکتا۔"

"مگر تمہاری پسندیدگی کی نوعیت مختلف ہے۔" وہ اپنی بات پر مصر تھیں۔

"مگر بی! میں....." وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکا۔ علیحدگی کو اٹھانے سے ایک دم لاواغ میں داخل ہوئی۔

اس کی آدھائی غیر متوقع اور اچانک خبر سن کر وہ بھی کچھ گڑبڑ اٹھیں۔ عرابت کرتے کرتے خاموش ہو گیا۔

علیحدگی کو کوئی کے ساتھ موندنے پر بیٹھ کر خاموشی سے بی بی دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے غور کرنے کی

کوشش نہیں کی مگر ان کی بات کہتے کہتے رک گیا تھا۔

عمر نے علیحدگی کی آمد کو غصہ سے جانا اور گری سے کسی کام کا بھانا کر کے اٹھ گیا۔ مگر بی نے علیحدگی کو دیکھتے

ہوئے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کیا اس نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی۔ مگر علیحدگی کا چہرہ ہے

ناظر تھا۔ وہ کوئی اندازہ نہیں کر سکیں۔

☆☆☆

"پھر اب کیا ملے کیا ہے تم نے؟" نانا اس دو پہر کو کھانے کی میز پر اس سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں گریڈ پانچلے ہی مجھے یہاں بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب مجھ کو واپس جانا ہے۔"

"مگر عبرا! ابھی تم واپس جا کر کروڑ کے کیا کارپانچ ہاؤس کا تمہارا رزلٹ آئے گا۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ

جب تک میںیں رو۔"

"رہنے میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر پاپا کے ساتھ جی کے ہوا تھا کہ بیچ دینے کے بعد واپس آ جاؤں گا اور

اعتراف کی تیاری دوں کروں گا۔"

"مگر یہاں تم کو زیادہ آسانی ہوگی۔"

"آسانی کی تو خبر کوئی بات نہیں ہے، میرے لیے دونوں جگہ پر ایک ہی بات ہے مگر اب پاپا نے کہا تھا تو

ظاہر ہے کہ میرے لیے ضروری ہے کہ واپس چلا جاؤں۔"

نانو نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "جہاں گریڈ سے میں خود بات کروں گی اس کو کیا اعتراض ہو

سکتا ہے، مگر تم بی افعال میںیں رو۔"

نہیں گری بی! مجھے خود بھی دہاں کچھ کام ننانے ہیں اس لئے مجھ کو جانا ہوگا۔"

اس نے ایک بار پھر انکار کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی جہیں! اتنا پر اہم کم بات کا ہے؟"

"پر اہم کوئی نہیں ہے گری بی! میں اب کچھ اٹھا گیا ہوں ایک ہی جگہ کر..... کچھ گھومنا پھرنا چاہتا ہوں۔"

"تو یہاں گھومو پھر دو..... تم نے پاکستان میں کچھ دیکھا ہی نہیں۔"

"یہاں گھومنے کیلئے کیا ہے گری بی؟"

"بہت کچھ ہے، نادرین ایریا کی طرف جاؤ گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"کیوں دہاں ایسا کیا ہے؟"

"تم جاؤ گے تو پتہ چلے گا کہ دہاں کیا ہے۔"

"گری بی! پہلے تو آپ نے لاہور کی تحریروں کے انبار لگائے تھے..... مگر لاہور میں ایسی کوئی بات نہیں

ہے۔ اب نادرین ایریا کی تعریف کر رہی ہیں تو مجھے شک ہے کہ دہاں بھی کچھ نہیں ہوگا۔"

"تم نا اہم جب جاؤ گے تو جہیں پتا چلے گا کہ میں حق کر رہی ہوں، اس کے علاوہ مجورین دیکھنا، سوات

اور گلگت چلے جاؤ، تم دہاں بہت انجمائے کرو گے۔" نانو نے پورا پلان سامنے رکھ دیا۔

"اچھا سوچوں گا۔" اس نے نانو کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"گری بی! اکیلا میں کیسے جاؤں۔ آپ کو پتہ ہے میں اکیلا کچھ بھی انجمائے نہیں کر سکتا۔"

"اکیلا جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے دوستوں اور کزنز کو ساتھ لے جاؤ۔" انہوں نے فوراً تجویز پیش کی۔

"دوست اور کزنز اسے قازخاں ہیں کہ میرے ساتھ چل سکیں۔"

"میں دلیہ کو فون کروں گی۔ وہ تو فوراً چل پڑے گا تمہارے ساتھ۔" نانو نے اسے پوری طرح گھیر لیا۔

"اچھا میں پہلے پاپا سے بات کروں۔" اس نے ایک بار پھر جان بجزانے کی کوشش کی۔

"میں نے کہا تھا مجھے میرے میں خود بات کروں گی۔"

"یعنی گری بی! آپ مجھ کو کی طرح بھی یہاں سے نکلے میں دیں گی۔" عمر نے کچھ بے جا گاری کہا۔

"جہیں چلے تو جانا ہی ہے پھر کیا ہے۔ اگر کچھ عرصہ یہاں ہمارے ساتھ گزار دیں تو۔"

"آپ ابھی تک شک میں آئیں مجھ سے؟"

"نہیں، اب کیں آؤں گی۔" نانو نے کچھ ٹھٹھکی سے کہا۔

"بہت خدشہ کئی پڑتی ہیں آپ کو میری اس لیے پوچھ رہا ہوں۔"

"نہیں! مجھے اچھا لگتا ہے۔ کم از کم کوئی مصروفیت تو ہے۔ مگر میں روتی ہے تمہاری وجہ سے۔"

نانو نے چارے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر جتنے ان کے چہرے کو دیکھا رہا پھر اس کے چہرے پر ایک محب

کی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے ذریعہ کچھ کہا۔

☆☆☆

"میلو پاپا! میں عمر ہوں۔" کال ملنے پر اس نے کہا۔

"ہاں عمر! کیسے ہو؟"

ہوتا کہ میں دیر الگ ہوں؟“

انہوں نے ایک بار بھرات کا موضوع بدل دیا۔

”دیکھیں بھی نہیں..... پھر ٹھیک ہے میں یہیں ٹھیک ہوں۔ گرچی چاہ رہی تھی کہ میں ناردرن امیریاں چلا جاؤں کچھ دنوں کیلئے تو پھر میں وہیں چلا جاتا ہوں۔“

اس نے خاصی بے دلی سے کہا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے تم نے پہلے یہ علاقے نہیں دیکھے۔ تم خاصا انجمائے کرو گے وہاں۔“ انہوں نے فوراً اسے اجازت دے دی۔

”آپ کب پاکستان آرہے ہیں؟“

”ابھی کچھ فاصل ہیں، کچھ دنوں بعد تمہیں دوبارہ فون کروں گا اور بتا دوں گا۔“ انہوں نے اسے بتایا۔

”کچھ اور پوچھتا جاؤ؟“

”نہیں۔“

”ٹھیک ہے پھر مل جائے۔“ انہوں نے ساتھ ہی بات ختم کر دی۔

”نلڈا ہے۔“ عمر خاصا بد دل تھا اور بدلی کے ساتھ ساتھ وہ جبران تھا کہ پاپا سے امریکہ کیوں آئے نہیں

دیتا چاہتے۔

☆☆☆

عمر نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد قدموں کی چاپ ابھری اور دروازہ کھل گیا۔

علیہ اسے دروازے پر دیکھ کر کچھ جبران ہوئی۔

”اندرا جاؤ۔“ وہ دروازے سے ہٹ گئی۔

”بچہ دیکھو ہوئے تمہارے؟“ عمر نے اندر آتے ہی خاصی بے تکلفی سے پوچھا۔

”اچھے ہو گئے۔“

”نلڈا؟“ وہ اب کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

”کرتی کہاں ہے۔“

”وہ باہر ہے۔“

”آج کل کیا کر رہی ہو؟“ وہ کمرے کے وسط میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“

”میں بیٹھ جاؤں۔“ اب اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

”ہاں بیٹھ جائیں۔“

”ٹھیک ہو۔“ وہ اطمینان سے ایک کرسی کی پیچھے گیا۔

”میں ٹھیک ہوں پاپا..... وہ مجھے پوچھتا تھا کہ آپ نے ابھی تک میری سیٹ کب نہیں کروائی؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں، وہ بس کچھ مصروفیت تھی۔“ دوسری طرف جہانگیر معاذ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تو پھر کب سیٹ کدوارے ہیں؟“

”اتنی جلدی کیا ہے واپس آنے کی؟“

عمران کی بات پر حیران ہوا۔ ”پاپا آپ نے ہی کہا تھا کہ کچھ دن کے فوراً بعد واپس آ جاؤں۔“

”ہاں مگر..... اب میں سوچ رہا ہوں کہ تم ابھی وہیں رہو۔“

”مگر کیوں پاپا؟“

”وہاں رہ کر تم اندرونی کی تیاری زیادہ بہتر طریقے سے کر سکو گے۔ تمہارے کزن جنہیں ابھے طریقے سے گائیڈ کر رہے ہیں۔“

”نہیں پاپا! میں آپ کے پاس آ کر بھی ابھی تیاری کروں گا۔ یہ کوئی اشتغال نہیں ہے۔“

”نہیں نہیں۔ پھر بھی جنہیں وہ رہ کر تیاری کرنی چاہیے۔“ انہوں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”پاپا! کیا گرچی نے آپ سے کوئی بات کی ہے؟“ اس نے کچھ بے چینی سے کہا۔

”کیسی بات؟“

”وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں ابھی واپس نہ جاؤں گی مگر میں نے ان سے کہا کہ مجھے فوری طور پر واپس جانا ہے۔ پھر وہ کہنے لگیں کہ میں خود آپ سے بات کروں گی۔“

”نہیں۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی مگر ٹھیک ہے اگر وہ اصرار کر رہی ہیں تو پھر تم وہیں رہو۔“

”مگر پاپا! مجھے بہت سے کام ہیں امریکہ میں۔“

”کام ہی ہو جائیں گے۔ فی الحال تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم وہیں رہو۔“

”میں یاد ہو گیا ہوں یہاں۔ امریکہ آؤں گا تو کچھ کام لوں گا۔ رینکس ہو جاؤں گا۔“ اس نے اصرار کیا۔

”بہر ہونے کی بات ہے تو میں تمہیں کسی دوسرے ملک کا ویزا لگوا دیتا ہوں تم کچھ دن وہاں سیر کرو۔ اسٹین

پلے جاؤ یا پھر یونان۔ یا جہاں بھی تم چاہو۔“

جہانگیر معاذ نے فوراً پیش کی۔ عمر ابھن کا بخار ہو گیا تھا۔ آخر وہ اسے امریکہ آنے سے کیوں روک رہے تھے۔

”پھر بھی پاپا!.....“

”عمر ضد مت کرو۔ جیسا میں کہہ رہا ہوں وہی کرو۔ میں خود بھی سوچ رہا ہوں کہ کچھ عرصے تک پاکستان کا

ایک چکر لگ جاؤں۔“ انہوں نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

”پاپا! کچھ دن کیلئے ہی آنے دیں۔“

”جب میں پاکستان آؤں گا تو واپس ہی پر آ جاتا ہوں میرے ساتھ مگر ابھی نہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ کہاں جانا چاہتے

”میرے ساتھ سوات چلو گی؟“

”کیا؟“ وہ اس غیر متوقع سوال پر حیران رہ گئی۔

”ہاں بھئی! اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ میں نے پوچھا ہے کہ میرے ساتھ سوات چلو گی؟“ وہ اس کی حیرانی پر حیران ہوا۔

”آپ سوات جا رہے ہیں؟“

”ہاں گریٹی کی فرمائش بلکہ ضد پر..... تو پھر چلو گی؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”بس ایسے ہی۔“

”یہ بس ایسے ہی کا ہوتا ہے۔ اگر نہیں جانا تو کوئی وجہ بتاؤ۔“

”مجھے دلچسپی نہیں ہے۔“

”کم آن علیہ! کھوتے پھرنے سے بھی دلچسپی نہیں ہے؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“ ایک بار پھر پوچھا گیا، ایک بار پھر کہا گیا۔

”بس ایسے ہی۔“

”مگر میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔“ اس نے اصرار کیا۔

”کیوں؟“

”کیونکہ تم آج کل فارغ ہو۔“

”نہیں۔ میں فارغ نہیں ہوں۔ مجھے بہت سے کام ہیں۔“

”کام ہوتے رہیں گے۔ تم پہلے کی تیاری کرو۔“

”نا تو نہیں جانے دیں گی۔“ اس بار اس نے ناؤ کا سہارا لیا۔

”کیوں؟“

”اکیلے کیسے آپ کے ساتھ جانے دیں؟“

”وہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھا رہا۔“ میں اکیلا تو نہیں جا رہا، ولید میرے ساتھ جا رہا ہے۔ کچھ دیر دوست بھی ہیں۔“

”پھر ناؤ کبھی بھی جانے نہیں دیں گی۔“

”کیوں؟“

”یہ ابھی بات نہیں ہے، اس طرح آپ لوگوں کے ساتھ جا جائے۔“

”سو اتنا! اس نے خاصی لاواہائی سے کہا۔“ خیر ٹھیک ہے۔ تم نہیں جانا چاہتی تو میں مجبور نہیں کروں

گا۔ یہ بتاؤ کہ ہمارے لیے وہاں سے کیا لاؤں؟“

”وہ اب اٹھ کر کھڑا ہوا گیا۔“

”علیہ! اس کی بات پر چچی۔“ میرے لیے۔“

”ہاں بھئی تمہارے لیے..... بتاؤ کیا لاؤں؟“

”پتا نہیں۔“

”اب یہ بھی نہیں پتا۔“ علیہ! اس بار بھی خاموش رہی۔

”آپ نے تو شاید کچھ دن تک..... میرا مطلب ہے، واہس چلے جانا تھا۔“ علیہ! نے کچھ اکتے ہوئے

اس سے پوچھا۔

”وہ اس کی بات پر کچھ چنکا۔“ اوہ! یہاں تو میرے جانے کا انتظار ہو رہا ہے۔“ عمر نے کچھ نفوس بھرنے

اختیار کیا تھا۔

”علیہ! کچھ شرمندہ ہو گئی۔“

”ہاں جانا تو تھا لیکن بس پاپا ابھی بلوانے پر تیار نہیں ہیں اور گریٹی بھیجے پر۔ اس لیے آپ کو کچھ اور مرمر

مجھے برداشت کرنا پڑے گا علیہ!۔“

”علیہ! کو کچھ لاپسی ہوئی۔ اب تو اس کے بچے زہمی ہو چکے ہیں بھرا ب یہ کیوں نہیں جا رہا؟ اس نے کچھ بے

دلی سے سوچا۔

”عمر بڑے غور سے اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلنے

والی لاپسی اس کی تیز نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔

”تم چاہتی ہو، میں چلا جاؤں؟“ اس نے علیہ! سے پوچھا۔

”میں نے یہ کب کہا؟“

”تم نے کہا نہیں لیکن.....“

”آپ نے خود ہی کہا تھا کہ آپ بیچرے کے بعد واہس چلے جائیں گے۔ اس لیے میں نے پوچھا کیا۔“ اس

نے عمر کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ دیر خاموش رہا۔

”اب یہاں سے جاتا کیوں نہیں؟“ وہ اپنے کمرے میں اس کی مستقل موجودگی سے تنگ آ گئی تھی۔

”کچھ دن دیر سے کسی گھر مجھے یہاں سے چلے جانا ہے میں یہاں ہمیشہ رہنے کیلئے نہیں آیا مگر یہاں سے

جانے کے بعد میں تمہیں مس کروں گا۔“

”وہ ایک دم بخود نظر آئے گا۔“ علیہ! نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

”تم مس کرو گی مجھے؟“ اس نے ایک دم علیہ! سے پوچھا۔ وہ اس کے غیر متوقع سوال پر بس اسے صرف

دیکھ کر رہ گئی۔

"میں شکر کروں گی کہ تم یہاں سے چلے گئے۔" اس نے دل میں سوچا اور جواب میں کہا۔ "ہاں نہیں۔"

"مگر مجھے پتا ہے۔ تم شکر کرو گی کہ میں یہاں سے چلا گیا۔" ایک لمحے کے لیے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"کیا یہ فیصلہ ٹلی جی جیتی جانتا ہے؟" اس نے قیچے کے ساتھ اسے دیکھا جواب مسکرا رہا تھا۔

"نہیں، مجھے ٹلی جی جیتی نہیں آتی۔ میں بس چروں کو پڑھ لیتا ہوں۔"

وہ ایک بار پھر حیران ہوئی۔ "میریجے اس کی ہر سوچ سے آگاہ تھا۔"

"وہیے علیہ تمہیں کیا سب کززا اتنے ہی برے لگتے ہیں؟"

"کیا مطلب؟" وہ اس کی بات پر الجھتی۔

"مطلب....." وہ خود کی اپنے سوال پر غور کرنے لگا۔

"مطلب یہ کہ کیا اسامہ جی اتنا ہی برا لگتا ہے جتنا میں؟"

"مجھے آپ بھی برے نہیں لگتے۔"

"مگر اسامہ زیادہ اچھا لگتا ہوگا۔" وہ پتا نہیں کیا جانتا پتا جانتا تھا۔

"ہاں نہیں، میں نے غور نہیں کیا۔ وہ بھی یہاں بہت کم آتے ہیں۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مگر آتا جاتا رہتا ہے؟"

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ پہلی بار چرکی۔

"بس دیکھنے کی گرتی بات کر رہی تھی اس کے بارے میں اس لیے پوچھ رہی ہوں۔"

"جب یہاں آگڈی میں ٹریننگ حاصل کرتے تھے تو اکثر آیا کرتے تھے۔"

"تمہیں لگتا کیسا ہے وہ؟"

"ٹھیک ہیں۔"

"بس ٹھیک ہیں؟" وہ اب اسے کرید رہا تھا۔

"آپ کیا پوچھتا چاہتے ہیں؟" وہ اب اس کے سوالوں سے بے چین ہو رہی تھی۔

"میں..... کچھ خاص نہیں..... ایسے ہی پوچھ رہا تھا کہ وہ اتنا سمارٹ بندہ ہے۔ میری طرح تم اسے ناپسند نہیں کرتی ہو گی۔"

وہ یک دم بات کا موضوع بدل گیا۔ علیہ اب اس کی تنگدستی سے بری طرح بیزار ہو چکی تھی۔

"اسامہ بہت اچھا دوست ہے میرا۔" وہ اسی طرح کرنے کے وسط میں کھڑا اتار رہا تھا۔ وہ دلچسپی لیے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"تم دونوں ایک ہی پونڈرشی میں پڑتے رہے ہیں کیلی فورنیا پونڈرشی میں۔ پھر اسکا لارپ پر آکسفرڈ چلا گیا۔"

اس کا دل چاہا وہ اس سے پوچھے کہ وہ اسے یہ سب کچھ کیوں بتا رہا ہے مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"مگر جی کہہ رہی تھی، تمہاری بڑی اچھی دوستی جی اسامہ کے ساتھ؟" عمر نے دانستہ جھوٹ بولا۔

"کیا! میری دوستی۔" وہ حیران رہ گئی۔

"کیوں کیا تمہاری دوستی نہیں ہے؟"

"نہیں، وہ مجھ سے بہت بڑے ہیں۔ نا تو کہتی تھی میں انہیں بھائی کہا کروں۔ وہ بہت سنجیدہ رہتے تھے۔"

وہ ناؤ کے جھوٹ پر حیران ہو رہی تھی۔ عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اچھا! ہو سکتا ہے کہ جی کو ہی غلط فہمی ہو گئی ہو۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اب چلا ہوں۔" اس کے اگلے جھلے پر علیہ نے اللہ کا شکر یہ ادا کیا۔

دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ایک بار پلٹ کر علیہ کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا

تھا مگر پھر وہ باہر نکل گیا۔



وہ صاف گولی کا ہوا گھلا چھلکا ریکا رو توڑنے پر جی ہوئی تھی۔
 ”وہ میرا دوست ہے۔“
 ”تمہیں! محالہ دوستی کی حدود سے کافی آگے بڑھ چکا ہے۔“
 ”شہلا! میں۔۔۔۔۔“

شہلانے کچھ تک کر اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم ڈرتی کیوں ہو، یہ مان لینے سے کم اس سے محبت کرتی ہو۔“

”ایسا نہیں ہے۔“

”آپ ایسا ہے بلکہ روپیہ دیا ہی ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟“

”بہت کچھ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ طیلو کو بی بی! آپ کا براہم یہ ہے کہ آپ کی بڑی طرح آنکھیں بند کر کے یہ کچھ لیتی ہیں کہ ساری دنیا اسی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھی ہے۔ آپ کو اس سے محبت ہے تو آپ جا کر اس سے کہیں کہ آپ اس سے محبت فرما رہی ہیں۔ وہ بھی خاموش محبت۔“
 ”اس سے کیا ہوگا؟“

”اس سے یہ ہوگا کہ یا تو عمر صاحب بھی آپ سے اپنی محبت کا اقرار کر لیں گے یا پھر یہ ہوگا جس کا زیادہ امکان ہے کہ وہ آپ کا داغ درست کر دیں گے۔ کم از کم پھر آپ اس محبت سے پکڑے تو کل آئیں گی۔“
 طیلو نے کچھ رنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ”مجھے اس سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔“
 ”کیا مطلب! تم نہیں چاہتیں کہ وہ تم سے اپنی محبت کا اظہار کرے اور شادی کرے؟“ شہلانے کچھ حیران ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

”نہیں۔“

”تو پھر۔“

”میں بس یہ چاہتی ہوں کہ وہ ٹھیک رہے، پریشان نہ ہو، بس وہ خوش رہے۔“

”چاہے اس کی زندگی میں کوئی طیلو سکندر نہ ہو۔“

”چاہے اس کی زندگی میں، میں نہ ہوں۔“

”میں تمہیں کچھ نہیں پاتی۔ تم آخر چاہتی کیا ہو۔ مجھے جو چیز اچھی لگے میں چاہتی ہوں وہ مجھ مل جائے۔“
 پھر سے Possession میں ہو اور تم۔۔۔۔۔ تم عمر سے محبت کرتی ہو تو اس کا اقرار نہیں کرتیں۔ اقرار کرتی ہو تو اسے حاصل کرنا نہیں چاہتیں اور میں سوچتی ہوں کہ اگر تم اس کو حاصل کر لو گی تو پھر تم اسے پاس رکھنا نہیں چاہو گی، ہے نا؟“
 شہلا کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

”کسی چیز کو صرف میری محبت میرے پاس نہیں لاسکتی۔ میں اپنے جیڑ جس سے بھی بہت محبت کرتی ہوں۔“

باب ۷

”موز ٹھیک ہو کیا تمہارے کزن کا؟“ شہلانے ساتھ چلتے چلتے اچانک طیلو پر توجہ۔

”ہاں۔ وہ بچکے سے مسکرائی۔“

”چلو شکر ہے کم از کم تمہارے چہرے پر بارہ بچے والی مستقل کیفیت سے تو چمکا مارا۔“ طیلو اس کی بات پر کچھ جھینپ گئی۔

”کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں بار! میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ اب پہلی کی طرح تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کو مل جایا کرے گی جو کئی دن سے غائب تھی۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”ایک ہی بات ہے۔ مگر کا موز صبح تمہارا موز صبح۔ مگر کا موز خراب تمہارا موز خراب۔“

”تم غلط کہہ رہی ہو شہلا۔“ اس نے جیسے احتجاج کیا تھا۔

”کاش کہ یہ بات واقعی غلط ہوتی مگر ایسا نہیں ہے طیلو سکندر! آپ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔“ اس نے جینڈ بیک میں سے کیونکہ لال کر ساتھ چلتے ہوئے چھینا شروع کر دیا۔

”میں اس کی وجہ سے پریشان تھی مگر۔۔۔۔۔“

شہلانے اس کی بات کاٹ دی۔ ”جہیں میرے سامنے کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”I know you inside out“

اس نے قاش نہ میں نہ ڈالنے ہوئے کہا۔ طیلو کچھ دیر خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی پھر اس نے کچھ دم آواز میں کہا۔

”میری اس کے ساتھ بہت اچھی اعذار سینڈنگ ہے۔“

”صرف اعذار سینڈنگ ہو گئے سے کوئی کسی کیلئے اس طرح پریشان نہیں ہوتا۔“

میری محبت انہیں اکٹھا نہیں رکھ سکی نہ انہیں میرے پاس رکھ سکی ہے۔ عمر سے محبت کروں گی تو کیا ہوگا۔ کیا وہ میرا ہو جائے گا؟

”تو پھر یہ سب کیا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں۔ بس میں اس کی پروا کرتی ہوں اور اسے پہنچنے والی ہر تکلیف مجھے زیادہ اذیت دیتی ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔“

”ہو سکتا ہے عمر..... عمر بھی تم سے محبت کرتا ہو۔ وہ بھی تو تمہاری پروا کرتا ہے۔“ شہلا نے بہت نرمی سے اس سے کہا۔

”ہر جذبہ محبت نہیں ہوتا۔“

”مگر بہت سے جذبے بالآخر محبت پر ہی ختم ہوتے ہیں۔“

”نہیں! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے بھڑکی کرتا ہے۔“

”کم آن علیہ.....“

”ہاں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں شہلا! وہ مجھ سے صرف بھڑکی کرتا ہے جس سے بھڑکی ہو اس سے محبت نہیں ہوتی۔“

شہلا اس کی بات پر کچھ جھگڑی۔ ”کیا مطلب ہے آپ کا علیحدہ لی لی۔ وہ فائنل ایر کا عثمان محمود جو ہر تیسرے دن دانت ٹکانا ہوا آجاتا ہے۔ مس علیہ! آپ کو کوئی ٹولس وغیرہ تو نہیں چاہئیں۔ یا پھر وہ فائنل آئرش ڈیپارٹمنٹ کا قلم جیو جوائن ہرا کٹا کچڑے آپ کے پاس اصلاح کیلئے موجود ہوتا ہے یہ جاننے کے باوجود کہ آپ اس کے ڈیپارٹمنٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہیں میرا خیال ہے بھڑکی تم سے بالکل دیکر کرتا ہے جو ہر بار تمہیں دیکھنے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ مس علیہ! آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ کچھ کھانا یا کیریں بلکہ آئین میں آپ کو چائے پلاتا ہوں۔ اسے بھڑکی کرنے والے میرے پاس ہوتے جاتے اب تک کسی آئین میں حصہ نہ لگی ہوئی۔“

وہ اب علیحدہ کو ہانسنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر علیحدہ کے چہرے پر کسمپاسی نہیں ابھری۔

”ہر بات مذاق نہیں ہوتی، شہلا!“

”مگر کچھ باتیں مذاق ہوتی ہیں اور جس بات پر ہنسی آئے اس پر ہنس لینا چاہیے جیسے تمہارے اس فارمولے پر کہ عمر تم سے بھڑکی کرتا ہے۔“

”یہ فارمولہ نہیں ہے حقیقت ہے۔“

”تم زندگی کو اور دوسرے لوگوں کو جس زاویے سے دیکھنے کی کوشش کرتی ہو وہ زاویہ اب بدل دو۔“ شہلا بیک دم سنجیدہ ہو گئی۔ ”تم میں اتنی خوبیاں ہیں علیحدہ کو ان پر کتاب لکھی جاسکتی ہے مگر تم خود اپنی اہمیت کو ماننے پر تیار نہیں۔“

”شہلا! تم میری باتیں نہیں کر رہی تھیں۔ ہم کسی اور موضوع پر بات کر رہے تھے۔“

”اے بارے میں بات کرنے سے کیوں ڈرتی ہو؟“

”میں ڈرتی نہیں ہوں بس میں.....“

”علیحدہ! تمہارے لیے جو چند چیزیں اہم ہیں ناں ان میں سے ایک عمر جیو جیو بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تم لا کھ کھو کہ تم اسے پانا نہیں چاہتیں مگر تمہیں اس کی خواہش ہے۔“

”مجھے خواہش نہیں ہے۔“

”تو پھر ہر وقت عمر کی باتیں کیوں کرتی رہتی ہو۔ اس فائل کو کھولو اور دیکھو کہاں کہاں تم نے ایک ہی چہرہ اکٹھا کیا ہوا ہے۔ کتنی بار اس کا نام لکھا ہوا ہے اور تم کتنی ہو، جنہیں اس کی خواہش نہیں ہے۔ کس کو فریب دینا چاہتی ہوں، مجھے؟ اپنے آپ کو؟ یا ساری دنیا کو؟“

”میں سمجھی اس سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے اس سے.....“ اس نے اٹھنا جملہ اوصاف چھوڑ دیا۔

”کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔“ شہلا نے اس کی بات مکمل کی۔ ”آخر کیوں؟“

”مجھے خوف آتا ہے۔“

”کس بات سے؟“

”اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ اسے مجھ سے محبت نہیں ہے تو میں..... میں سمجھی دوبارہ اس کے سامنے نہیں جاسکوں گی۔“ اس کے لہجے میں اتنی بے بسی تھی کہ شہلا کو اس پر ترس آ گیا۔

”آؤ کلاس میں چلیں، میرے شروع ہونے والا ہے۔“

بات کا موضوع یک دم بدلے ہوئے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چل پڑی۔ کچھ دیر وہاں کھڑی رہتی تو علیحدہ کی آنکھوں میں لٹکتی ہوئی نمی برسا شروع ہو جاتی۔ وہ اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی۔



”بہت اچانک تو نہیں مگر بہر حال آگیا ہوں۔“

مہر نے جواب دیتے ہوئے علیہ کو دیکھا جو آستین سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کارڈ اٹھا رہی تھی۔

”مگر تمہیں تو ابھی کچھ دن اور رہنا تھا سو ات میں؟“ نالو اب بھی مطمئن نہیں تھیں۔

”ہاں رہنا تو تھا مگر بس اچانک ہی سوڈ بدل گیا۔“

”آپ علیہ کو کیوں ڈانٹ رہی تھیں؟“ وہ اپنا سامان رکھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

”آئے سے پہلے اطلاع دے دیتے تو میں ڈرائیور کو ایئر پورٹ بھجوا دیتی۔“ نالو نے اس کی بات کا جواب دیتے کے بجائے حریف کو دیکھا۔

”مگر میں تو باقی روز آیا ہوں کو سٹر پر۔“

”کیا اکو سٹر پر؟ خواہ مخواہ کی بےوقوفی.....“ نالو بڑبڑائی تھیں۔

”گرہنی اسے بےوقوفی نہیں ایڈجسٹ کر سکتے ہیں۔“ اس کا اطمینان بڑھتا رہا۔

”یہاں تک سچ سلامت پہنچے تھے تو ہاں اس لیے اسے ایڈجسٹ کر رہے ہو۔“

”گرہنی جین کے ذریعے مجھے سچ سلامت پہنچنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔ میں تو اسے بھی ایڈجسٹ کر رہی ہوں مگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ علیہ کو کیوں ڈانٹ رہی تھیں؟“ اس نے کن انکھوں سے سر جھکائے بھیجی علیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”فرسٹ ٹرم کا رزلٹ آگیا ہے اس کا اور بری طرح ٹل ہے۔“

نالو کے چہرے پر ایک بار بھر فکری جھلکے گئی۔ مہر نے علیہ کی گردن کو جریہ جھٹکتے ہوئے دیکھا۔ پھر اسی اطمینان کے ساتھ وہ دوبارہ گرہنی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”بس اتنی ہی بات ہے۔ میں سمجھا تھا نہیں کیا قیامت آگئی ہے۔ ویسے گرہنی اہل تو بس لیتا ہے اگر

دو بری طرح سے ٹل ہے تو کیا کوئی اچھی طرح سے ٹل بھی لیتی ہوتا ہے؟“

”فضول تھا نہیں مت کر مگر انہیں پتا ہے وہ دیکھیں ٹل میں ہے۔“

علیہ کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس سے مل جائے۔

Really? I don't believe it. (جی! مجھے یقین نہیں آتا) مہر نے جیوٹنی کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے علیہ کو دیکھا۔

”اس میں یقین نہ آنے والی کون سی بات ہے۔ کارڈ دیکھ لو اس کا۔“

نالو اس کی بات کو فیکٹ طرح نہیں سمجھ کر مہر کی اگلی حرکت نے انہیں چند سیکنڈ میں سب کچھ سمجھا

دیا۔ مہر نے صوفے پر بیٹھ بیٹھے کچھ آگے کی طرف جھٹکتے ہوئے علیہ کے دائیں ہاتھ کو تھما اور اسی ردائی کے ساتھ

ساتھ ملانے کے بعد اس کی پشت چھتاہٹاے ہوئے کہا۔ Congrats Cousin (مبارک ہو کن) تم نے تو

جبران کر دیا مجھے۔ وہ کام کیا ہے جو اس جیٹلی میں پہلے کوئی مرد بھی نہیں کر سکا۔ Keep it up۔

باب ۱۸

”تم نے رزلٹ دیکھا ہے اپنا؟“ مہر نے نالو کو بلانے کا اڑ میں کیجے بنا۔ ان کی آواز میں بے تحاشہ فضا تھا۔ وہ لاؤنچ کے دروازے میں ہی رک گیا۔ اندر جانے سے پہلے اس نے مہر کو اٹھنے کی کوشش کی۔ اپنا بیگ اس نے اتار کر رکھ دیا۔

”اس طرح اسے لیڈر کی طرح کیئر کر دو گی، دیکھیں..... میں ٹل ہو چھینوں میں کیا کرتی رہی ہو تم؟“

نالو واقعی بہت غصے میں تھیں جبکہ علیہ صوفے کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

”میں! آنکھ نہ زیادہ محنت کروں گی۔“

”کون سی محنت! یہ والی محنت جو تم نے اس بار کی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بچہ ذکر کرتے ہوئے تمہارا

دھیان کہاں ہوتا ہے۔ تمہارے نانا بڑے دیکھیں گے تو جانتی ہو، کتنے ناہن ہوں گے۔“

”نالو! میں نے بہت محنت کی تھی مگر پتا نہیں پھر کبھی.....“ اس نے کچھ دل برداشتہ ہو کر کہا۔

”مجھے سے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کر۔ تم نے بہت محنت کی ہوئی تو اس کارڈ میں نظر آ رہی ہوئی۔ مگر تمہیں

اسٹڈی میں دلچسپی ہی کہاں ہے۔ سارا دن تم کو کتنی کوشاں ہے پھر اتنی رشتی ہو۔ اس سے قاریج ہوئی ہو تو ڈرائنگ اور

پینٹنگ میں وقت برباد کرنے لگتی ہو۔“

”نالو! میں نے ہمیشہ اچھے مارکس لیے ہیں، صرف اس بار.....“ وہ اب روپاسی ہو گئی۔

”اس بار کیا ہوا ہے؟ کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ تمہارا کارڈ اس قابل ہے کہ کسی کو دکھایا جائے۔ جو

بھی دیکھے گا کہے گا شاید میں تم پر تو جی نہیں دیتی ورنہ تم اس طرح کا رزلٹ تو کبھی نہ دکھائیں گے۔“ انہوں نے غصے میں

ہاتھ میں پکڑا اور علیہ کی طرف اچھان دیا۔ کارڈ اس سے گرنا ہوا تھا لیکن پر جا کر۔

مہر نے اس سے زیادہ درد بان کھڑا کرنا ہے کہ کارڈ تھا۔

”ہیلو گرہنی!“ وہ بڑے خوشگوار انداز میں کہتا ہوا لاؤنچ میں داخل ہوا۔

”مہرا تم اتنا اچانک آگئے ہو؟“ نالو نے کچھ حیران ہوتے ہوئے اس سے پوچھا۔

علیہ نے کچھ بدحواس ہو کر اس کے چہرے کو دیکھا مگر وہاں پر تنہی کی کے ساتھ خراجِ حسین کے جذبات اور اثرات نمایاں تھے۔ ناؤ یک دم مشتعل ہو گئیں۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ غنائی اڑا رہے ہو تم میرا؟“

”بالکل بھی نہیں کر رہی ایں تو صرف داد دے رہا ہوں۔“

”فل ہونے والے کو داد دی جاتی ہے؟“

”نہیں خانی داد دینے دی جاتی، حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔“ اس نے بڑے اطمینان سے وضاحت کی۔

”فل ہونے والے کو داد دیتے ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں؟“ ناؤ کا پارہ پانی ہوتا جا رہا تھا۔

”داد اور حوصلہ افزائی صرف ایسے کام پر دی جاتی ہے جو اس سے پہلے نہ کیا گیا ہو جیسے ہماری فیملی میں علیہ والا کام پہلے بھی کسی نے نہیں کیا۔“ اس کا اطمینان اب بھی برقرار تھا۔

”داد اور حوصلہ افزائی ہر ”بھٹے“ کام پر دی جاتی ہے۔“ ناؤ نے اس بار اپنی اپنے چٹا چٹا کر کہا۔

”آپ ثابت کریں کر رہی ناؤ! کر لیں ہو ایک بار کا کام ہے۔“ وہ یک دم جیسے بجٹ کے موڑ میں آ گیا۔

”تم فضول بکواس مت کرو مگر!“

”اس میں بکواس والی بات ہی نہیں ہے۔ آپ تھیں آج تک بھی کسی کو ایگزام میں فل ہونے کی وجہ

سے عہدہ یا چارجی ہوئی یا دوزخ میں بھیجے جانے والوں میں تھے لوگ صرف امتحان میں فل ہونے کی وجہ سے وہاں جائیں گے۔ ایک بھی نہیں تو پھر یہ برا کام تو نہیں ہے۔“

”رات کو تمہارے دادا آئیں گے۔ علیہ کا رزلٹ دیکھیں گے اس کے بعد تم اپنی یہ فخر پران کے سامنے بھی کرنا پھر دو جنہیں تھیں گے کہ فل ہونے سے کتنی نیکیاں ملتی ہیں۔“ ناؤ کے اشتعال میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

”کوئی بات نہیں کر رہی۔ مگر بڑا کام ہے جس بات ہو جائے گی۔ آپ مجھے یہ بتائیں، کچھ پانی دانی پلانے کا ارادہ ہے یا میں دواکس سوات چلا جاؤ؟“

عمر نے ایک بار ہجر ہمارت سے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ناؤ کچھ دیر کچھ کہے بغیر اسے گھورتی رہیں اس کے بعد انہوں نے خاسانا کو آواز دی۔

”ناؤ! ایں جاؤ؟“ عمر نے علیہ کی مناسبت نہایت جیسے ناؤ نے پوری طرح نظر انداز کر دیا۔

”ناؤ! ایں جاؤ؟“

اس نے ایک بار ہجر کہا۔ اس سے پہلے کہ ناؤ اس بار بھی پہلے کی طرح اس کے سوال کو نظر انداز کر تھیں عمر نے مداخلت کی۔

”مگر اپنی علیہ کو کچھ پتہ نہ رہی ہے آپ سے؟“ اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

”میری طرف سے جہنم میں جائے۔“ ناؤ نے غامبی رکھائی اور سر دھری سے کہا۔ علیہ ایک جھکے سے غمی اور تقریباً چھائی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی۔

”آپ بعض دفعہ بہت سچ ہو جاتی ہیں کر رہی! خاص طور پر علیہ کے ساتھ۔“ اس کے جاتے ہی عمر نے تنہی کی سے گریہ کر لیا۔

”ہاں ہو جاتی ہوں۔۔۔۔۔ اس لیے کیونکہ وہ بھی میری توہمت پر پورا نہیں اترتی ہمیشہ مجھے لیٹ ڈاؤن کرتی ہے۔ ایک اسٹڈیز میں مجھے تھوڑا اطمینان تھا تو اس بار وہ فتح ہو گیا۔“ ناؤ نے اسی سر دھری کے ساتھ کہا۔

”وہ اسٹڈیز میں دیک ہے؟“ عمر نے ان سے پوچھا۔

”نہیں۔ کبھی نہیں۔ یہ پہلی بار ہوا ہے۔ اس لیے تو مجھے اتنا خفاک لگا ہے۔“

”آپ نے اس سے پوچھنے کی کوشش کی کہ کتنی بری تو فائنل کیوں تھی اس کی؟“

”اس کے پاس ہر سال کا ایک ہی جواب ہوتا ہے، میں پڑھان ہو گئی اس لیے۔ اب بندہ پوچھے کہ ایسی کون سی پڑھان لایا تو ہو گئی ہیں اسے اس عمر میں کہ وہ ایگزام میں اچھے مارکس سے پاس نہیں کر سکتی۔“

”مگر اپنی اوروہ مضرب تو تھی۔ یہ تو آپ جانتی ہیں شاید ایہ وجہ سے۔۔۔۔۔ گریہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”کم از کم اسٹڈیز کے سلسلے میں، میں اس طرح کا کوئی انکمپیکرڈ سنسن نہیں جانتی۔ وہ مضرب ہو یا نہ ہو، ایگزام میں اسے اچھے کر لے لینے ہوں گے۔“

”آپ کو اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

”میں اسے بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ مگر تم نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔ بچپن سے میرے پاس رہی ہے وہ۔ میری ذمہ داری سمجھتے ہیں سب اسے۔ کیا کہیں گے سب کہ میں اسے پڑھانیں گی۔ لی! انک ڈی تو نہیں کر رہی وہ۔ اسے لیٹر کر رہی ہے۔ کیا اسے لیٹر نہیں سمجھ کر سکتی؟ میں لیٹ جواب دوں گی اس کے مان باپ کو تم جانتے نہیں ہوا میں پوچھو

کو۔ غمیز تو میری جان کھا جائے گی۔ اس دن وہ اپنی تقریر کر رہے تھے تم کہ اس کی شادی ابھی نہ کروں اسے پڑھنے دوں۔ کیسے آگے پڑھ سکتی ہے وہ جب اس نے۔۔۔۔۔“

عمر نے تنہی کی سے ان کی بات سننے سننے بات کاٹی۔

”اس بار اگر اس کی پڑھائیں خراب رہی ہے تو ضروری نہیں اگلی بار بھی ایسا ہی ہو۔ صرف ایک بار خراب رزلٹ پر اس طرح تو نہیں کرنا چاہیے۔“

”میں تو جس طرح ری ایکٹ کر رہی ہوں، کر رہی ہوں مگر تمہارے دادا کو پتا چلا تو وہ اس سے زیادہ بری طرح ری ایکٹ کریں گے۔“

”اس سے کیا ہوگا؟ اس طرح اس کے گریڈ بہتر ہو جائیں گے؟“ ناؤ اس کے سوال پر خاموش رہی تھیں۔

”کبھی آپ اس کی شادی کے پلان بنا رہی ہوتی ہیں کبھی اسٹڈیز میں لا پوائی رہتے پر اپنا بی بی پانی کر لیتی ہیں۔ اس کو کسی کی زندگی اپنی مرضی سے کیوں توڑنے نہیں دیتیں؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ناؤ کے ماتھے پر ہل پر تھکے تھے۔

”میرا مطلب بالکل صاف ہے۔ اس پر اپنی مرضی مت ٹھنسیں، ہر بات میں مداخلت نہ کریں۔“

مطابق برتی ہے..... مگر کتنی دیر تک..... ایک آنک لگی آتی ہے جب سب کچھ Stagnant ہو جاتا ہے۔ پھر اپنے ارد گرد کی دنیا کتنی بڑی لگتی ہے۔ آپ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔ پھر نہ اپنی سمجھ آتی ہے نہ دوسروں کی۔ اس وقت دل چاہتا ہے ہر چیز چھوڑ دی جائے چاہے وہ خوشی رشتے ہی کیوں نہ ہوں۔

ہماری جسمی میں پچھلے کئی سالوں سے یہی سب کچھ تو ہوا ہے۔ ہم سب لوگ ایک ایسی ریس میں دوڑ رہے ہیں جہاں کوئی خشک لائن نہیں ہے۔ یہ ریس بس ختم ہوتی ہے جب آپ گر جاتے ہیں اور گرنے کے بعد دوبارہ اٹھ نہیں جاتا۔ کم از کم طیارہ کو تو اس ریس میں مت دوڑائیں۔ اس کو تو زندگی گزارنے دیں۔ انجوائے کرنے دیں اس کو۔ وہ خواب دیکھنے دیں جو وہ دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کے وجود میں اس کی شخصیات میں خامیوں کی اتنی نیکیں اتنی ہی رحمی سے نہ شوئیں گے ساری عمر ان سے رہنے والا ہوا پس کے دھوکہ آلودہ رکھے اسے.....

وہ بات کرتے کرتے یک دم تیزی سے اٹھ کر لاؤنج سے نکل گیا۔ نانو انگل سائیکل بیٹھی تھیں۔ ایسا کیا ہوا تھا کہ عمر کی آواز یوں بھرا جاتی۔ وہ اپنی آنکھوں میں نمودار ہونے والی نمی کو چھپانے کیلئے یوں بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر وہ سوات سے آتی جلدی واپس کیوں آگیا ہے؟ سوات میں عمر کے ساتھ ایسا کیا ہوا ہے؟ وہ کچھ ماؤف ذہن کے ساتھ مسلسل سوچ رہی تھیں۔



”ہر بات میں مداخلت نہ کروں وہ جو کرنا چاہتی ہے اسے کرتے دوں۔ ٹلس ہوتی ہے ٹلس ہونے دوں۔ خود کو جاہد کرتی ہے تو خود کو جاہد کرنے دوں۔“ مانو نے طحیہ اعجاز میں کہا۔

”کوئی خود کو جاہد نہیں کرے گی وہ۔ اتنی بے وقوف نہیں ہے مگر اس کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے دیں۔ ٹلس ہوتی ہے۔ ہونے دیں۔ اس کا پر اٹھ ہے۔ اس کو اس کا مل ٹالنے دیں۔ شوکر کھاتی ہے، کھانے دیں۔ گرتی ہے، گرنے دیں مگر اس کو کسی سہارے کے بغیر کھڑا ہونا سیکھ دیں۔ زمین پر پڑے کیسے جاتے ہیں یہ اسے آتا چاہیے۔ اس کی انگلی چھوڑ دیں۔“

”وہ اتنی بڑی نہیں ہوتی۔“

تو ہونے دیں نا اس کو بڑا..... آخر اُنہی اتنی دیر آپ اس کو چھوڑا بھیں گی، میری سمجھ میں نہیں آتا یہاں پاکستان میں یہ کیوں ہوتا ہے کیوں آپ کی جڑیں بچوں پر اتنی dominance (تسلط) رکھتی ہے۔ وہ بچو مجھے ہونے اعجاز میں بولا۔

”اسے تم dominance کہتے ہو مگر ہم اسے guidance (رہنمائی) کہتے ہیں۔“ نانو اپنی بات پر قائم تھیں۔

”اور یہ guidance ہوتی ہے جو مشکل وقت میں فیصلے کرنے میں بھی آپ کی مدد نہیں کرتی، کبھی آپ کے کام نہیں آتی۔ مگر اپنی اہر جڑیں کو صرف یہ نہ سکھائیں کہ بانی کا گھاس بکڑ کر بیٹے کا مذہب طریقہ کیا ہے۔ کہاں ٹکلی آواز میں بات کرنا ہے، کہاں اونٹنی میں۔ ڈانٹنگ ٹیکل پر پلیٹ کے رائٹ سائڈ پر نوک ہونا چاہیے یا سہاں۔ مگر کے اندر مارتے ہوئے ڈور میٹ پر جو گرد کو کتنی بار گڑنا چاہیے۔ شرٹ کا سب سے اوپر والا بٹن بند کرنا چاہیے یا نکلا۔

گرتی یا یہ سب کچھ سیکھنا ہماری ضرورت نہیں ہے۔ اس جڑیں کے پر ابھرو اور ہیں۔ آپ کے زمانے کی طرح ہمارا واحد پر اٹھ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو زیادہ سے زیادہ کلچر، لبرل اور اسٹوکرٹ بنا کر پیش کرنا نہیں ہے۔ ہم کو مغرب نہ سکھائیں ہم کو تائیم کی اتنی تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں جہاں ہمارا وجود کیسے قائم رکھیں اپنے لیے کون سی ویلیوز کا انتخاب کریں اور پھر ان ویلیوز کو intact کیسے رکھیں۔ relationships کیسے قائم اور انہیں برقرار کیسے رکھیں۔ اپنا mental equilibrium کیسے رکھیں جب اسٹریس ہو تو اس سے کیسے بچنا اور اپنا، جب ڈپریشن ہو تو اس سے کس طرح نجات حاصل کریں۔ اپنی تھائی کا علاج کس چیز سے کریں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں بتائیں۔ ان کے بارے میں guidance دیں۔

آپ کی جڑیں نے زندگی کو اچھے مارکس اور اچھے میٹرز کے درمیان اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ ہم میں سے بہت سے تو دیسے ہی کم ہو جاتے ہیں جہاں تک طیارہ کا تعلق ہے تو اس کو تو آپ لوگوں کے crippled (معذور) کر دیا ہے۔ میں جب سے یہاں آیا ہوں حیران ہو رہا ہوں آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں، وہ خود کو اچھا سمجھتی ہے۔ آپ اس کو برا کہتے ہیں، وہ خود کو برا سمجھتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی سوچ ہے نہ نظر۔ وہ دنیا میں آپ کی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ آپ کے دماغ سے سوچتی ہے۔ آپ کے معیار کے مطابق فیصلہ کرتی ہے اور آپ کی پسند پسند کے

”ناؤ! وہ لوگ بھی وہی کچھ کھا پئی کر زندہ ہیں جو آپ کے نزدیک ہائی چٹک نہیں ہے اس لیے وہ دن وہ کچھ کھا کر بھی فوت نہیں ہوگی۔“

”ان لوگوں کو عادت ہے وہ اسی ماحول میں پہلے بڑے ہیں، مگر جہیں تو عادت نہیں ہے تم اور طرح کے ماحول میں پلٹا ہو۔“ ناؤ اب بھی اپنی بات پر مصر تھیں۔

”اچھا۔ میں سچ جاتے ہوئے دیکھوں گی۔“ عطیہ نے مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور انہیں مال دیا۔

”دیکھوں گی نہیں۔ میں نے ایک چھوٹے بیک میں تین رکھوا دیے ہیں۔ کوشش کرنا۔ کوئی فضول چیز وہاں سے مت کھاؤ۔ کل کا کھانا تو میں سچ تمہارے ساتھ دے دوں گی۔ شام تک کیلئے کافی ہوگا اور پرسوں تم ان تین کو استعمال کرنا۔“

ناؤ اسے دریافت دے رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ کھانا ساتھ لے جانے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ سب مل کر اس کھانے سے اچھی انجماء منت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس نے سوچا تھا۔

اس کی کلاس اسٹڈی ٹور پر دو دن کیلئے ڈسکے کے قریب کسی گاؤں میں جاری تھی۔ دو دن کے قیام کے دوران انہیں اس گاؤں اور اس سے ملحق علاقوں میں پچھلے کچھ سالوں میں این بی او کی طرف سے ہونے والی دیہی اصلاحات کا جائزہ لینا تھا اور پھر اس پر ایک رپورٹ بھی تیار کرنی تھی۔

عطیہ! اس ٹور کی اطلاع پر سب سے زیادہ ایسیا بیٹھ گئی۔ اسے پہلی بار کسی گاؤں میں جانے کا موقع ملا تھا اور نہ صرف وہاں جانے کا موقع ملا تھا۔ بلکہ وہاں رہنے کا بھی موقع مل رہا تھا۔ اس سے پہلے ہونے والے تمام اسٹڈی ٹور کسی نہ کسی طرح لاہور اور اس کے گرد و نواح تک ہی محدود رہے تھے۔ پہلی بار ایسا ہوا کہ وہ لوگ اتنی دور جا رہے تھے۔ گاؤں میں ان کے قیام کا بندوبست وہاں کے کچھ زمیندار گھرانوں میں کیا گیا تھا۔

ناؤ نے بہت آسانی سے اسے جانے کی اجازت نہیں دی تھی لیکن بہر حال دے دی تھی اور عطیہ کیلئے اتنا ہی کافی تھا اور اب سب سوچے اسے یونینوٹی سے اسے سفر کا آغاز کرنا تھا اور رات کو وہ اپنی بیٹی کے کمرے میں جا کر سو گئی۔

ناؤ نے اس کے سر پر کھڑے ہو کر دریافت دینی شروع کر دی۔

کھانے کی میز پر ناؤ نے یہ خبر عرض کر دی تھی۔ وہ سنان کے ڈوگے میں سے سنان نکالتے نکالتے رک گیا۔

”کیوں عطیہ! گاؤں میں کیا کر کے تم لوگ؟“

”تھوڑی بہت ریسرچ کریں گے۔“

”جا کہاں رہے ہو؟“

عطیہ نے اسے گاؤں کا نام بتایا۔

”کس چیز کے بارے میں ریسرچ کرنی ہے۔“ وہ بہت تجسس نظر آ رہا تھا۔

”وہاں پچھلے کچھ سالوں سے چند این بی او کی کام کر رہی ہیں سوشل ڈویلپمنٹ اور دیہی اصلاحات کے حوالے سے ان ہی کے کام کا جائزہ لینا تھا۔ ان کا طریقہ کار اور ان کی کامیابی سے وہاں کیسے کام کر رہی ہیں۔“

باب ۱۹

”پھر کب تک آ جاؤ گی؟“ ناؤ نے شاید دسویں بار پوچھا۔

”ناؤ! پرسوں شام تک واپسی ہو جائے گی۔“ عطیہ نے دسویں بار بھی اتنے ہی جملے سے جواب دیا۔

”تم تک جب تک واپس نہیں آ جاؤ، مجھے گھر رہے گی۔“

”فکر کرنے والی کون سی بات ہے ناؤ! میں کون سا کیلی جا رہی ہوں۔“ عطیہ نے انہیں تسلی دی۔

”پھر بھی عطیہ! پتا نہیں وہاں کیسا ماحول ہو؟ کیسے لوگ ہوں؟“

”انہی لوگ ہوں گے۔ پہلے مجھے ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے بہت سے مرد بچہ کی سال سے وہاں جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے اچھے لوگ ہوں گے جب ہی تو بازار بازار ڈیپارٹمنٹ وہاں جاتا ہے۔“

عطیہ نے آخری بار اپنے بیک پر چپک کر کہے ہوئے بند کیا۔

”پتا نہیں تم وہاں کیسے رہو گی۔ گاؤں ہے۔“

”ناؤ! کچھ نہیں ہوتا۔ میں کون سا ساری عمر کیلئے وہاں جا رہی ہوں۔ وہی دن کی تو بات ہے پھر آ جاؤں گی نا۔“ اس نے نسر کرتے ہوئے کہا۔

”اپنے ساتھ پانی رکھ لینا تھا گاؤں کا پانی صاف نہیں ہوگا۔ مٹائی بھی تو نہیں ہوتی وہاں۔“

”اب میں پانی تو ساتھ لے کر نہیں جاؤں گی، جیسا پانی سب بیٹیں سے میں بھی لی لوں گی۔“ عطیہ نے صاف انکار کر دیا۔

”تم تیار ہو جاؤ گی۔“

”کچھ نہیں ہوگا ناؤ! اب میں اسٹڈی ٹور پر جا رہی ہوں اور جن ٹونوں کی زندگیوں کو آہرہ کرنے جا رہی ہوں ان کے ساتھ پانی بھی نہ بیوں تو پھر تو میں بس جھوٹ ہی کھوں گی۔ سوشیا لوجی سے میرا بیٹھت۔ ناؤ! آپ کچھ تو سوجھیں۔“

”سوشیا لوجی یہ تو نہیں کہتی کہ بندہ اپنی صحت کا خیال بھی نہ رکھے۔“

جس کا چالبانی کمپنی کے ساتھ مندرج ہے۔ اس دوسری کمپنی نے adidas کے برٹس کو خاصا نقصان پہنچایا۔ ان لوگوں نے بہت سی پرفٹیشن کام کرتے ہوئے ان دیکھی علاقے کے کافی اندر تک رسائی حاصل کی اور وہ عورتیں اور بچے جو پہلے کھڑوں میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ انٹرنیشنل ملازم رکھا اور اپنی ٹیکسٹریز تک لانا شروع کر دیا۔ پھر درکرز کیلئے ٹیلی ویژن کی خبر مار کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں اچھے درکرز نے اس نئی فرم کیلئے کام کرنا شروع کر دیا۔ adidas کو ایک زبردست جھکا لگا۔ فٹ بال کے برٹس کے حوالے سے کیونکہ ان کیلئے کام کرنے والوں کی تعداد میں کمی ہو گئی اور دوسری طرف جس فٹ بال کی انجنگ مسات اٹھ رہے ہیں وہی ہوتی تھی وہ ایک دم گیارہ بارہ روپے میں پڑنے لگا کیونکہ درکرز نے زیادہ دوپہے ملنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف یہ بھی ہوا کہ امریکہ میں فٹ بال کا ورلڈ کپ ہونے والا ہے پھر اوروہیں..... بھی آ رہے ہیں۔ اس لیے وہاں اس وقت فٹ بال کی بہت ڈیمانڈ ہے اور بہت تنگی کی رہی ہے تو فٹ بال کی مارکیٹ میں امریکی کمپنیز کا حصہ کچھ کم ہو گیا ہے۔ پہلے جو فٹ بال صرف امریکن لیگل کے ساتھ کھ رہا تھا اب وہ چالبانی لیگل کے ساتھ کھنے لگے۔ تیسری طرف یورپ تھا جس کی مارکیٹ میں امریکی اور چالبانی لیگول نے افراتفری مچائی ہوئی ہے۔ کم از کم فٹ بال کے حوالے سے۔

اب اس صورتحال پر قہار پانے کیلئے ہر ایک نے اپنے جھنڈے استعمال کرنے شروع کیے اور پہلے ہتھیار کے طور پر یورپین ممالک نے۔ این بی اوڈو آگے لانے کا فیصلہ کیا۔ جواباً امریکہ نے بھی این بی اوڈو کا مقابلہ این بی اوڈو سے ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔ طے یہ کیا گیا کہ اس انڈسٹری کے حوالے سے چائلنڈ لیبر کا انشوا کچھ سالوں میں اٹھایا جائے گا۔

عمر کی معلومات اور باتوں پر اسے جرانی ہو رہی تھی۔

”مگر کیوں؟“

”اس وقت دنیا میں سب سے اچھا فٹ بال اس کو سمجھا جاتا ہے جس کی انجنگ بچے کرتے ہیں۔“

”بچے؟“ ”مٹلیر“ نے بے یقینی سے کہا۔ ”مگر بچے اسے باورق نہیں ہوتے۔“

”ہوتے ہیں۔ آپ وہاں جا کر دیکھیں گی تو ان کی مہارت آپ کو حیران کر دے گی مگر بچوں کو ان کی مہارت کی وجہ سے برتری حاصل نہیں ہے۔ بچوں کی انگلیاں باریک اور نرم ہوتی ہیں ان کے ہاتھ کی انجنگ میں ایک خاص قسم کی نفاست ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب فٹ بال کو چلایا جاتا ہے تو اس وقت باریک انگلیوں کی وجہ سے ڈوری بڑی صفائی سے کھینچی جاتی ہے جسے پکھڑا دیا جاتا ہے جس طرح کارپٹ بناتے ہوئے بھی انٹر نیٹل مارکیٹ میں اس کارپٹ کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے جسے بناتے ہیں کیونکہ جب کارپٹ میں گرہیں لگائی جاتی ہیں تو بچوں کی باریک اور نرم انگلیاں ہڈوں کی نسبت یہ کام زیادہ صفائی اور نفاست سے کرتی ہیں۔

یہی مسئلہ اس علاقے کا ہے۔ غربت بہت ہے اس لیے لوگوں نے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس کام میں لگایا ہوا ہے۔ اب یورپ میں چائلنڈ لیبر پر پین ہے اور وہاں گورنمنٹ سرکاری طور پر ایسی چیزیں اپنی مارکیٹ میں جمیں آنے دی تھی جس کے بارے میں خود اسامی شکی ہو کر یہ بچوں نے بنائی ہے۔ امریکہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ این

”نما کر آپ کا ڈیپارٹمنٹ وہاں کے اسٹریڈ نوڈز کے رپورٹس بتاتا رہے اور یہ این بی اوڈو ہمیشہ گورنمنٹ کی گڈ کمپن میں رہے۔ نام بننا رہے۔ ریپوٹیشن بہتر سے بہتر ہوتی جائے۔ آپ کا ڈیپارٹمنٹ کوئی واحد ڈیپارٹمنٹ نہیں ہوگا جسے وہاں کے ڈوٹ کروائے جاتے ہیں۔ دوسری بہت سی یونیورسٹیز کے ڈیپارٹمنٹس کو بھی اس طرح چلایا جاتا ہوگا۔ خود سوچ ملک کی بارہ اچھی یونیورسٹیز کے کچھ اچھے ڈیپارٹمنٹس کو این بی اوڈو بار بار انوائس کریں اس کے بعد وہ لوگ اپنی ریسرچ میں بارہ رپورٹس میں اس خاص این بی اوڈو ڈاکٹر ایچے لفظوں میں کریں تو کتنا بڑا ہتھیار ہے یہ اس این بی اوڈو کے ہاتھ میں دے دیجی بھی استعمال کر سکتی ہے۔“ وہ اب قدرے سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”کیا این بی اوڈو اس علاقے میں کچھ نہیں کر رہی؟“ ”مٹلیر“ نے قدرے جراتی سے پوچھا۔

”نہیں وہ کر رہی ہیں..... اپنا کام وہ بڑی مستعدی سے کر رہی ہیں مگر وہ کام بہر حال ان کاموں میں شامل نہیں ہے جن کا ذکر تواریز دیو پہلے آپ کر رہی تھیں۔ یہ لوگ وہاں پچھلے کئی سالوں سے کچھ ٹھنڈا کھانے کرنے میں مصروف تھے بلکہ کر چکے ہیں۔“

”کیسا؟“

”یہ علاقہ ہے، ڈسٹر، سیانگٹ، نارووال اور اس کے ارد گرد کے سارے دیہات یہ پچھلے بہت سے سالوں سے بین الاقوامی طور پر بہت مشہور ہو رہے ہیں اور ان پر خاصی نظر رکھی جا رہی ہے۔ کیوں نظر رکھی جا رہی ہے؟ اس کی بہت سے وجوہات ہیں۔ یہ علاقہ مشہور اسپورٹس گڈز کی وجہ سے ہیں۔ سرجیکل انسٹرومنٹس کا کام بھی ہوتا ہے مگر اصل وجہ شہرت اسپورٹس گڈز ہیں اور اسپورٹس گڈز میں بھی فٹ بال۔ اس وقت یورپ امریکہ میں استعمال ہونے والا اسی فیصد فٹ بال اسی علاقے سے آتا ہے۔“

وہ اب بڑی ٹھیکیداری سے اسے تفصیلات بتا رہا تھا۔ چند لمبے پہلے والی سکرابٹ اس کے چہرے سے غائب ہو چکی تھی۔

”لیکن یہ فٹ بال adidas کی اسٹیمپ کے ساتھ پوری دنیا میں چلائی کر دیا جاتا ہے۔ اس علاقے میں جو فٹ بال سٹیشن میں تیار ہوتا ہے وہ انٹر نیٹل مارکیٹ میں ڈالرز میں بکا ہے۔“

”مٹلیر“ نے دیکھی تھی وہاں جا رہی تھی۔

”مگر اس سارے معاملے کا این بی اوڈو کے ساتھ کیا تعلق ہے؟“

عمر نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”اب یہ سارا فٹ بال وہاں کی ٹیکسٹریز میں تیار نہیں ہوتا۔ عجیب بات ہے لیکن نوے فیصد فٹ بال وہاں کے دیہی ایریا میں تیار ہوتا ہے..... گاؤں میں..... چھوٹے چھوٹے گروہوں میں عورتیں اور خاص طور پر بچے تیار کرتے ہیں۔ وہاں سے یہ فٹ بال ٹیکسٹریز میں جاتا ہے۔ ان ٹیکسٹریز میں جنہوں نے joint venture کیا ہوا ہے ملٹی نیشنل کمپنیز کے ساتھ اور اب تک وہاں پر اینٹیز کا ہولڈنگ تاجن کا تعلق امریکہ سے ہے مگر کچھ عرصے پہلے وہاں کچھ چالبانی کمپنیز نے بھی رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ شروع کر دیے ہیں اور اب صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ وہاں فٹ بال کے حوالے سے دو بڑے حریف ہیں۔ ایک وہ فرم جس کا adidas کے ساتھ دیگر ہے اور دوسری وہ

بی اوز جب یہاں آئیں تو انہوں نے ذہنی اصلاحات اور سوشل ڈویلپمنٹ کا نام لے کر facts and figures اکٹھے کرنے شروع کر دیے۔ کسی علاقے میں کس عمر سے کس عمر تک کے بچے یہ کام کر رہے ہیں۔ فنٹ ہال کی انٹرنی سے شکستہ مردوں کی تعداد کتنی ہے۔ ہائڈ لیبر کی ریشو کیا ہے۔ اہل جنوں کا ریکارڈ کیا ہے؟ ان لوگوں کو کس طرح سہولیات میسر ہیں یہ سارا ڈانٹا کھٹا کیا گیا ہے اور آپ دیکھیے گا غلیظہ وی لی! آئندہ چند سالوں میں چائلڈ لیبر اور ہائڈ لیبر کے حوالے سے ان ہی علاقوں کے متعلق انٹرنیشنل میڈیا خاص طور پر چائے گا۔ کچھ پابندیاں بھی لگائی جائیں گی۔“

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

”آجائے گا۔“ عمر نے اطمینان سے کہا۔

”مگر یہ این بی اوز تو تعلیم کے حوالے سے بہت کام کر رہی ہیں۔“

”کام کم کر رہی ہیں، ضرور یاد کر رہی ہیں۔ وہ کس لیے ہے یہ بھی میں آپ کو بتاؤں گا۔ فی الحال تو آپ یہ جان لیں کہ انہی اس علاقے میں موجود فیکٹریز یا فرمز ISO 9000 کے سٹینڈرڈ میٹھے بغیر ہیں اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن Gatt کے ساتھ ہونے والے معاہدوں کے مطابق اگلے کچھ سالوں میں ہر ملک کو اپنی مارکیٹ کھلی رکھنی پڑے گی مگر اس مارکیٹ میں ان ہی فرمز یا کمپنیز کا مال چاہئے کہ جس کے پاس یہ سٹینڈرڈ ہے اور سٹینڈرڈ جاری کیا جاتا ہے جب چائلڈ لیبر ہائڈ لیبر کے حوالے سے اس فرم یا کمپنی پر کوئی الزام نہ ہو مگر این بی اوز نے اسے اچھے طریقے سے ڈیٹا اکٹھا کیا کیا ہے کہ وہ کسی بھی کمپنی یا فرم کو اس حوالے سے پوچھیں یا امریکن مارکیٹ میں بلیک لسٹ کروا سکتے ہیں۔ ان این بی اوز کے پاس مکمل ریکارڈ ہے کہ کون سی فرم کون سے علاقے کے کون سے کمروں سے کتنی تعداد میں کیا چیز تیار کرواتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ مال تیار کرنے میں کچھ ایسے لوگوں کا کس حد تک حصہ ہے۔ اب فرمز گھٹن کس کس علاقے کی کسی فرم سے کسی امریکن ملٹی نیشنل کمپنی کے ساتھ جوائنٹ وینچر کیا۔ اب ان کی شرط یہ ہوتی ہے کہ فنٹ ہال میں ان کا ٹیلیفون گے گا اس لوکل فرم کو نہیں اور ساری دنیا میں وہ فنٹ ہال امریکی فنٹ ہال کے طور پر چلائی کی جائے گی۔ اب اگر یہ لوکل فرم بے طے کر لیتی ہے کہ وہ خود تیار ہو جائے اور کالیکٹڈ فٹم کر کے اپنے لیبل کے ساتھ دنیا میں فنٹ ہال چلائی کرے تو این بی اوز کی مدد سے حاصل کیے جانے والے ریکارڈ کو اس فرم کے منہ پر مارا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آپ چائلڈ لیبر کرواتے ہیں۔ ہائڈ لیبر کے بھی ذمہ دار ہیں اس لیے آپ کو آئی ایس او سٹینڈرڈ جاری نہیں کیا جائے گا جو اگلے چند سال میں ایپورٹ اکیسپورٹ سے تعلق رکھنے والے ہر ادارے کیلئے لازمی ہو جائے گا۔ اب غلیظہ وی آپ بتائیے وہ لوکل فرم ہے چاری کی کرے گی۔ ظاہر ہے وہ بھی بھی کسی ملٹی نیشنل کمپنی کے ساتھ معاہدہ نہیں کرے گی اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔“

غلیظہ کچھ شاکسڈی اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا اگر وہاں اتنی این بی اوز اس طرح کا کام کر رہی ہیں تو ابھی تک میڈیا نے ان چیزوں کو کوئی لائن کیوں نہیں کیا۔ جرنلسٹ تو فوراً ہیچر، خاص طور پر بھیجیں ہوئی چیزوں کو ڈھونڈ لیتے ہیں اور پھر اگر این بی اوز اس طرح کا کام کر رہی ہیں تو ان کی فیلڈ نوٹس بھی تو بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی کو یہ سب

کچھ نظر نہیں آتا۔ یادہ لوگ یہ باتیں میڈیا تک کیوں نہیں پہنچاتے۔“

غلیظہ نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

”اس کی بھی بہت سی وجوہات ہیں۔“ عمر اب بھی سنجیدہ تھا۔ ”اس علاقے کی خوش قسمتی کھد لو یا بد قسمتی مگر یہ پاکستان کے ان علاقوں میں سے ایک ہے جہاں اقلیتوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے اور اقلیتوں کا بھی وہ طبقہ جس کو آپ لوڈ ٹریڈل کلاس کہتے ہیں جن کے پاس صرف یہ آپشن ہوتا ہے کہ وہ تعلیم حاصل نہ کر کے میڈیکل میں سوچے گا کام کر لیں یا تعلیم حاصل کرنے کے بعد باغیچوں میں زسوں یا داروہ ہارنر کے ”اعلیٰ عہدے“ حاصل کر لیں جہاں پر اقلیتوں کیلئے مواقع کو اتنا محدود کر دیا جائے کہ انہیں بلوک یا بد بوائے میں سے کسی ایک کو چننا پڑے تو وہ بد بوائے کو چن لیں گے۔ اس علاقے میں بھی کئی ہویا ہو ہے۔ فیلڈ میں کام کرنے والوں کا انتخاب کرتے ہوئے این بی اوز اقلیتی طبقوں کو ترجیح دیتی ہے ان کے نزدیک وہ قدر سے زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ صرف وہ لوگ ہی این بی اوز کے ساتھ کام کر رہے ہیں ان کے ساتھ ہر طرح کے لوگ شامل ہیں۔ روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے، غلیظہ! اور خاص طور پر جب بے بندہ بے روزگار ہو یہ لوگ کام کا بہت اچھا معاوضہ دیتے ہیں کپ اینڈ ڈراپ کی سہولت دیتے ہیں، کمنا بھی کھینچتے ہیں اس کے علاوہ بھی اور کچھ سہولیات ہوتی ہیں اور جب ایک بے کار بندہ کو پیسے بھجائے انتساب کچھ مل جائے تو وہ اپنی آنکھوں کے ساتھ کاروان اور زبان بھی بند کر لیتا ہے اگر کوئی ذرا زیادہ جب الوطنی کا عجوبہ دینے کی کوشش کرے تو اس کی زبان بند کر کے کیلئے بھی کسی طریقے ہوتے ہیں۔“

اور وہ بے یقینی یہ این بی اوز ان علاقوں سے صرف فیلڈ نوٹس کیلئے لوگ لیتی ہیں۔ آفیسرز یا انٹیلیجنس کے سارے لوگ لاہور، کراچی یا دوسرے بڑے شہروں سے آتے ہیں اور وہ وہی ہوتے ہیں جہنگلی کئی سالوں سے ان این بی اوز کے ساتھ شلک ہیں۔ ان کا کچھ چھپا چھپانے رکھنے کی قیمت وہ ڈالرز اور ڈالرز میں وصول کرتے ہیں۔“

”مگر میڈیا..... میڈیا کیوں خاموش ہے۔ یہ ساری باتیں ان لوگوں سے کیوں پوشیدہ ہیں؟“ وہ اب کچھ فکر مند نظر آنے لگی تھی۔

”کس میڈیا کی بات کر رہی ہیں آپ۔ نیوز چینر کی یا بی وی کی؟“

”دونوں کی۔“

”بی وی تو کبھی این بی اوز کے بارے میں کچھ دکھائیں سکا کیونکہ یہ گورنمنٹ کی پالیسی نہیں ہے۔ میں نے جہیں بتایا ہے کچھ کہ این بی اوز کو جن انجینئرز کے ذریعے روپیہ ملتا ہے وہ فیکٹری کنگسٹون کی آکر کار ہوتی ہیں اور یہ لوگ ہماری حکومت پر بے پردہ ڈالتے رہتے ہیں۔ حکومت کو این بی اوز پر تنقید دی پر دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ اس این بی اوز کو جن کو ہر عمر صرف طاقت ہونے سے تو کچھ نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ کس کس سے لڑے گی۔ وہ کیا کہتے ہیں Beggars Can't be choosers گدا کے پاس انتخاب کی ممکنش نہیں ہوتی تو ہمارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اپنے اپنے مفاد کیلئے ہم ہر چیز کا سودا کر لیتے ہیں اس لیے گورنمنٹ بھی یہی کرتی ہے جہاں تک نیوز چینر کا تعلق ہے تو وہ کہاں کے پارا میں۔ تم کیسا سوچتی ہو کہ وہ واقعی چینر

سے کیسے یہ سب کچھ ممکن ہوں؟ ہے نا؟

”ہاں؟“

”اسل میں جب میں امریکہ میں پہنچا تو ایک ٹریڈ فیلر تھے ہمارے۔ اسی علاقے سے تعلق تھا ان کا۔ میں تو نہیں مر رہا تھا، غصے میں وہاں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دنوں کی ہو گئی میری ان کے ساتھ۔“

”وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے اپنی کئی ٹیلی کا اعتراف کر رہا تھا۔“

”میں کچھ پورٹریٹس پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اسی علاقے سے۔ ہم نے سوچا کہ چلو کچھ ریسرچ کریں کہ آخر یہ

معاہدہ کیا ہے۔ دو ماہ ہم لوگوں نے اس علاقے میں ہی نہیں بلکہ یورپ اور امریکہ میں بھی ایسی خاصی چھان بین کی۔“

حاصل ہونے والے حقائق اور اعداد و شمار خاصے ڈرا دینے والے تھے کہ غلط نہیں تھے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ وہ منگ گئی۔

”کیسے ہو سکتا ہے یہ تو مجھے نہیں پتا کہیں ہو رہا ہے۔ تمہارا ڈیپارٹمنٹ اسٹے سالوں سے اس علاقے میں

آ جا رہا ہے مگر میرے جتنی انفارمیشن نہیں ہوئی۔ اس علاقے کے بارے میں ہر چیز میری فکر میں ہے۔ کچھ پوچھ لو۔“

پاپولیشن کے بارے میں، کسی لوکیشن کے بارے میں، کسی ٹیلیگرافی کے بارے میں، کسی این جی جی کے بارے میں یا اور

کسی چیز کے بارے میں۔ پھر 95 کا انکبا سروے آف پاکستان کو ملنا اور تصدیق کر لینا۔“ عمر کے لیے میں اسے

عجب سا فخر محسوس ہوا۔

”پھر آپ نے کیا کیا؟“ اس نے کچھ بے تاب ہو کر پوچھا۔

”کیا کیا؟ مطلب؟“ عمر بانی پتے پتے رک گیا۔

”آپ نے جب یہ ریسرچ کی تو آپ نے اس سب سے گورنٹ کو مطلع کیا؟“

عمر کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”ہاں گورنٹ کو مطلع کیا۔ کاقاعدہ رپورٹ سب مٹ کی۔“

اس نے ہانی بی کر کہا۔

”پھر گورنٹ نے ایکشن کیا؟“

”بالکل لیا۔ بلکہ فوری طور پر لیا۔“

”گورنٹ نے کیا کیا؟“ اس کا تبس اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

”دو جاہت حسین کو امریکہ سے زمبابوے میں سفر کر دیا گیا اور مجھے پاپائے بلوا کر کہا کہ میں فارمن سروس میں

ہوں اٹلی جس میں میں اس لیے اپنے کام سے کام رکھوں اور فضول معاملات میں اپنی ناگناؤں سے۔“

وہ شاکر نہ رہی۔ عمر کے چہرے پر کمال کا اطمینان تھا۔

”اور رپورٹ..... رپورٹ کیا ہوا؟“ اس نے ایک بار پھر پوچھا۔

”رپورٹ کی ایک ایک کا سوبیٹر کے طور پر میں نے اور دو جاہت نے رکھ لی جو کہ اپنی گورنٹ کو بھیج دی

تھی، وہ انہوں نے فہم کے طور پر امریکہ کے فارمن آفس کو بھیجوا دی۔“ وہ سرے سے لے کر تار ہوا تھا۔

”وہ تو اپنے آپ کو اس ملک کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ ایسی این جی اوز سے اس ملک میں وہ انقلاب آجائے گا جس کی نہیں خواہش ہے۔“ اس کے لہجے میں طنز و کھینچ محسوس ہوئی۔

”تو کیا وہ تعلیم کے حوالے سے وہاں سرے سے کوئی کام نہیں کر رہے؟“ طنز نہ لے پوچھا۔

”کر رہے ہیں..... کر کیوں نہیں رہے! وہی علاقوں میں انہوں نے کچھ اسکول کھولے ہیں اور شرعاً دیا

ہے کہ وہ اس علاقے میں انقلاب لے آتے ہیں۔ انہوں نے قسمت بدل دی ہے علاقے کی۔ حالانکہ ایسی کوئی خاص

چیز نہیں کی ہے انہوں نے وہاں ابھی بھی اتنی ہی غربت ہے جتنی پہلے تھی۔ کسی حد تک بچوں کی اسکول جانے والی تعداد

میں اضافہ ہو گیا ہے اور کچھ نہیں بدلا۔“

وہ ایک بار کھانا کھانے لگا۔

”مگر آپ یہ سب کچھ کیسے اتنے وقتوں سے کہہ رہے ہیں؟ ہو سکتا ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو؟“ طنز

نے قدر سے خطا انداز میں کہا۔

”طنز ہو لی یا آپ نے اپنی ساری زندگی گھر کی چار دیواریوں کے اندر گزاری ہے۔ protected life

آپ کو کیا پتا کہ اس گھر کے باہر کیا کیا ہوتا ہے اور کیسے یہ ہو رہا ہے۔ مخصوص کلاس میں دفعتی ہو۔ مخصوص سوشل سرکل

ہے اور میرا تو خیال ہے کہ اب تک دوست بھی بدلے نہیں ہو سکتے۔ شہلا سے ہی دفعتی ہے نا ب ک؟“

طنز و کھینچ کا احساس ہوا۔ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

”تم سمجھو، تم جنت میں زندگی گزار رہی ہو ابھی تک، اور جنت میں رہ کر دوزخ ایک ایڈیڈن ہی لگتا ہے

جیسے جہنم لگ رہا ہے۔“

”آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ مجھے باہر کی دنیا کی کچھ خبر ہی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے

جیزوں کے بارے میں کتنی Authentic Information (صحیح معلومات) نہیں ہوں جتنی آپ کے گھر

میں ہے خبر نہیں ہوں۔“

اس نے جیسے کچھ برانا نہ کر کہا مگر عمر نے اس کی بات پر کوئی ردیایا نہیں دیا۔

”تم جتنی لوگیاں جن کی زندگی ایک گھر کے اندر گھومتی ہے۔ ان تک پہنچنے والی انفارمیشن اسٹے ذرائع سے

گزارتی ہے کہ اس میں سے سچائی کا عنصر، تلخ سچائی سمجھتی ہو نا، وہ ناگرب ہو جاتا ہے۔ اتنا شفاف ورژن آتا ہے تم

لوگوں کے پاس جیزوں کا کرتم لوگوں کو کوئی پریڈیڈن ہوتی ہے نہ خوف آتا ہے۔ اسی لیے تو تم اطمینان سے زندگی

گزارتے رہے ہو۔“

وہ سلا دکھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”یہ اس لیے ہوتا ہے کیونکہ جب ہم لوگ بات بات جانا چاہتے ہیں تو ہمیں بتائی نہیں جاتی جیسے اس

دست..... عمر نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ایک دم گھٹکلا کر پیش پڑا۔

”اوہ..... ایسا کیا پوچھ لیا آپ نے جو ہم نہیں بتا رہے۔ ہاں یاد آیا، تم پوچھ رہی تھیں کہ میں اسٹے ڈوٹ

”کیا؟“ وہ تقریباً چلا گیا۔

”ہاں! ٹھیک بتا رہا ہوں۔ رپورٹ سب مٹ کر اُن کے ایک ہفتے کے اندر یہ سب کچھ ہوا اور پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک سفارتی ڈنرش امریکہ کے قازن آفس سے قتل کر رکھے والے، جان بچکان والے ایک آفیسر نے بڑی سہولتی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اسے ”ریسرچ ورک“ کیلئے مبارکبادی ساتھ یہ بھی کہا کہ آئندہ بھی اگر ایسا کوئی پراجیکٹ کرنے کا ارادہ ہو تو اسے اسپانسر کر دیں گے۔ مجھے اخراجات کا کوئی پرابلم نہیں ہوگا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس بار یہ رپورٹ حاصل کرنے میں انہیں دو دن لگ سکے کیونکہ پاکستان سے منگوانا پڑی۔ آئندہ میں کبھی کے طور پر ایک کاپی انہیں پہلے ہی بھجوا دوں تو انہیں بڑی خوش ہوگی۔“

علیہ کے کچھ میں نہیں آیا وہ ہنسے یا روئے۔ وہ دونوں کی طرح عمر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ عمر نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں! یہی ایک سپر ہیرو ہے۔ اسی اسی وقت۔ بعد میں، میں ہارل ہو گیا۔ بالکل ویسے ہی جیسے تم ہوجاؤ گی۔“

علیہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”آپ نے کوئی احتجاج نہیں کیا؟“

”میں نے تو نہیں کیا۔ مجھے اپنی فطرت کا احساس ہو چکا تھا۔ ہاں وجہات نے احتجاج کیا۔ اس نے ذمہ داروں سے جانے سے انکار کر دیا تو اسے کہا گیا کہ پھر وہی کر دیں۔ تو اس نے ریزائن کر دیا۔ دراصل وہ سیلف میڈ بندہ تھا۔ یہ انہیں پہنچے بچاتے کیسے اسے اونچے عہدے پر پہنچ گیا۔ اس کی کوئی عینک نہیں تھی۔ بیک ہوئی تو شاید اس کے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوتا۔“

علیہ کو بے اختیار وجہات حسین پر ترس آیا۔

”پھر اب..... اب وہ کیا کر رہے ہیں؟“

”میش کر رہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”ریزائن کرنے کے تیسرے دن اس کو ورلڈ بینک سے جاب کی آفر ہوئی۔ اس نے وہاں کام شروع کر دیا۔ اس وقت وہ تقریباً ایک لاکھ ڈالر کی خواہ پر کام کر رہا ہے۔ اصل میں ہوا یہ کہ وہ رپورٹ ان لوگوں نے بھی دیکھی۔ وہ بڑے سناٹا ہوئے اس بندے سے۔ جان گئے کہ اس میں بڑی صلاحیت ہے۔ پس پھر وہ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ اب وہ وہیں سے نیویارک میں۔“

علیہ کے پاس جیسے لفظ نہیں رہے تھے۔ وہ اس کے سامنے کو ساہیڈ واپس کھول رکھا تھا۔

”مگر وجہات حسین نے کیوں جوائن کیا ورلڈ بینک۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی؟“

”تو کیا کرتا۔ بھوکا رہتا۔ ایک تو اسے حب الوطنی کی تیاری اوپر سے ایما عمار کی کی بنیادی۔ اس سے زیادہ Fatal combination کوئی نہیں ہو سکتا کسی پاکستانی کیلئے۔ پھر اس کے بڑی سچے بچے۔ ذمہ دار یاں نہیں اس پر۔ اس نے جو کیا بالکل ساتھ اور دیکھے کسی کو بھی اچھے نہیں لگتے۔ پھر اس کے بڑی سچے بچے۔ ذمہ دار یاں نہیں اس پر۔ اس نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا۔ میری طرح اس کو بھی اپنی فطرت کا احساس ہو گیا مگر کچھ دیر سے۔“

”عمر! یہ کوئی غلط کام نہیں ہے جو آپ نے کیا یا جو انہوں نے کیا۔“

”کیوں غلط کام نہیں ہے۔ ہماری آپٹیل ڈویژن میں تو یہ کام نہیں آتا تھا۔ انٹیریئر مشنری کا کام تھا یہ ظاہر ہے۔ ہم نے ان کے کام میں ناگ اڑائی۔“

”مگر عمر! آپ یہ نہ کرتے تو شاید سب کچھ جہاد تھا۔ اس نے جیسے اُسی تلی دینے کی کوشش کی۔

”نہیں علیہ! بی بی! ہماری فطرت یہی تھی کہ ہم جانے ہوئے تھے حقائق کو دریافت کرنے چل پڑے تھے حالانکہ وہ باتیں سب کو چاہئیں۔“ اس نے علیہ کو ایک بار پھر چوکایا۔

”کیا مطلب؟“

”ہاں، انٹیریئر مشنری اچھی طرح واقف تھی یہاں تک کہ ایکٹیز بھی۔ ہماری طرح کے کئی اٹو ایسی ہی رپورٹس تیار کر کے پیش کر چکے تھے۔ اس علاقے میں جاؤ گی تو یہ دیکھ کر حیران ہو جاؤ گی کہ ان ایجنسی اوز کے دفاتر کینٹ کے علاقے میں ہیں اور ظاہر ہے تو یہ ممکن ہے کہ آدری کے علاقے میں ہونے والی ایسی سرگرمیاں آدری کی ایکٹیز سے خفیہ ہوں مگر وہ بھی صرف رپورٹس دے دیتے ہیں۔ کچھ کہیں سکتے اس لیے ہم نے کوئی ایسا انداز اور کھسا کام نہیں کیا۔“

وہ اب سوئٹ ڈش پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کبر ہاتھ تھا۔ علیہ کو عمر پر رشک آیا۔ اس کی ہانگری نے اسے ہمیشہ کی طرح حناڑ کیا۔

”کم از کم میرے پاس کبھی بھی عمر جتنی معلوم نہیں ہو سکتیں۔“ اس نے دل ہی دل میں اعتراض کیا۔

”اب جاری ہو وہاں تو آئیں کھلی رکھنا۔ ہر چیز کو اس کی فیس دلیو پر مٹ لیتا۔ تھوڑا سا بھی ریشٹل ہو جاؤ گی تو حقیقت جانتے لگو گی۔ پھر زیادہ سناٹا نہیں ہو سکتی۔“ وہ اب اسے ہدایت دے رہا تھا۔

”لیکن میں اب وہاں جانا ہی نہیں چاہتی۔“ اس نے اعلان کیا۔ عمر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”کیا مطلب ہے جہاد؟“

”آپ کہہ رہے ہیں کہ وہاں تو ایسی کسی چیز کا زہد بھی نہیں ہے، جس کا جائزہ لینے میں جاری ہوں تو پھر ٹھیک ہے وہاں جا کر میں وقت کیوں ضائع کروں۔“ اس نے جیسے فوراً طے کر لیا تھا۔

”یار! عجیب الحق ہو تم۔“ عمر نے کچھ جھلا کر کہا۔

”پہلے جو آپ کے لیے فرمائش کرتے کہا، آپ نے وہ مان لیا۔ پھر آپ نے میری بات سنی تو اس پر یقین لے آئیں۔ سو سنا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ تم آخر اپنا ذہن استعمال کیوں نہیں کرتیں۔ سچائی کو خود دریافت کرو۔ اس کے ہر aspect کو investigate کرو مگر مگر یہ کام خود کرو اپنی sense of judgement استعمال کرو۔“

”نہیں تو ٹھیک ہے۔ وہ نہیں جانا پڑا وہی تو نہ جائے، آخر تم خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ یہ سب فراڈ ہے۔“

نانو نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی۔

”مگر وہ لوگ جن کی زندگیاں گھر سے باہر گزرتی ہیں۔ جن کے بھول وہ چیزوں کے اصل ورژن سے واقف ہوتے ہیں، جنہیں سب کچھ پتا ہوتا ہے۔ جو خود کو باخبر سمجھتے ہیں وہ ان چیزوں کے سدباب کیلئے کیا کرتے ہیں۔ صرف باتیں؟“

وہ عمر کے تاثرات دیکھے بغیر فیملی سے اٹھ گئی۔ عمر نے حیرانی اور خاموشی کے ساتھ اسے باہر جاتے دیکھا چند لمبے وہ اس دروازے کو دیکھتا رہا جہاں وہ غائب ہوئی تھی پھر اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”صرف باتیں؟..... Good“ اس نے نالو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کے لہجے میں سائنس تھی۔ ”علیحدہ! مجھ پر طفر کے لگی ہے مگر بیٹی اور مجھے خوشی ہوئی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے نچلے سے اٹھ گیا۔



”اچھا یہ سب فرائز ہے۔ چلیں اس کے بارے میں تو میں نے اسے بتا دیا۔ زندگی میں آگے چل کر یہ کیسے جانے گی کہ کون کی چیز کیا ہے اور کیا نہیں۔ ایک بار اپنے دماغ اور اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھ لیں، کچھ فیصلہ کر لیں تو آگے بھی کچھ کر سکیں گی۔ تم ضرور جاؤ گی علیحدہ۔ بلکہ دلیوں آکر مجھے بتانا کہ تم نے وہاں پر کیا کیا سیکھا ہے؟“

عمر کا لہجہ یک دم نرم ہو گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ”جو کچھ میں نے جنمیں بتایا ہے وہ اس لیے نہیں بتایا کہ تم وہاں جانا ہی چھوڑ دو۔ میری کسی بات کو اپنی ذہن پر سوار کرنے کی کوشش مت کرو۔ صرف سچی جھوٹ تیار ہے پاس ایک اور ورژن آیا ہے اب مجھیں یہ طے کرنا ہے کہ دونوں میں سے کس version میں پناہ پائی ہے۔“

علیحدہ نے عمر کے چہرے کو گور سے دیکھا۔ ”آپ کو انسو نہیں ہوا کہ آپ کی محنت ضائع ہوئی؟“

”نہیں۔ کوئی انسو نہیں ہوا۔ پیرور کر لیں گی ایسی جتنی اکثر ضائع ہوتی ہیں۔ یہ خود ہماری بے وفائی تھی کہ ہم نے ایسے کام میں اپنا وقت ضائع کیا۔“

”ایسے تو نہیں سوچنا چاہیے۔ اگر سب لوگ اس طرح سوچیں گے تو.....“

اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تو ملک کا کیا ہوگا؟ یہی کہنا چاہ رہی ہو؟“ اس نے غامبی سے رجحان سے جملہ مکمل کیا۔

”ملک کا وہی ہوگا جو اب تک ہو رہا ہے۔ میرے یادداشت حسین جیسے لوگوں سے کوئی انقلاب نہیں آسکتا اور ہم پر کہاں فرض ہے کہ ہم صرف ملک اور قوم کیلئے ایسی حقیقتیں کر کے اپنا کیریئر داؤ پر لگاتے رہیں۔ سول سروس ہم نے سوشل ورک کرنے کیلئے جوائن نہیں کی۔ اپنے انٹیلیجنٹ کو برقرار رکھنے کیلئے اس میں آئے ہیں۔“

علیحدہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ وہ یک دم ہی بہت بدلا ہوا نظر آنے لگا تھا اس کے سامنے چند لمحوں کے اندر اندر اس کا نیا روپ آ گیا تھا۔ indifferent اور indifferent..... کچھ دیر پہلے والا انداز بیکر تھیل ہو چکا تھا۔

”آپ تمہیں پریشان ہو گئی ہو؟“ عمر نے اچانک اس سے پوچھا۔ وہ کچھ گڑبڑا گئی۔

”نہیں، میں پریشان نہیں ہوں۔ میں صرف سوچ رہی ہوں۔“

”مثلاً کیا سوچ رہی ہو؟“ اس نے تینکین سے منہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

”یہی کہ.....“ اس نے کچھ مختصر نظروں سے عمر کو دیکھا۔

”کہ ہم لوگ تو گھر کے اندر زندگی گزارتے ہیں ہمارے سامنے جہزوں کا شفاف ورژن آتا ہے اس لیے ہم ہر بات سے بے خبر رہ جے ہیں۔ ہمیں کوئی پریشانی ہوتی ہے نہ ہی کوئی خوف محسوس ہوتا ہے اور اسی لیے ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔“

عمر اب منہ صاف کرتے کرتے ہاتھ روک کر گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو بڑی روانی سے کبہ رہی تھی۔

”ہاں، انہوں نے ہی کہا مگر اب تم جانتیں چاہتیں تو میں ان سے جا کر کہہ دیتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر کھڑا

ہو گیا۔

”نہیں، ٹھیک ہے۔ میں جانتی ہوں۔“

وہ ایک لمبے کی ہچکچاہٹ کے بعد یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ”that's great“ وہ بے اختیار دسکرایا۔

ساتھ چلتے چلتے دونوں گیت سے باہر آ گئے۔ فٹ پاتھ پر آتے ہی اس نے علیرہ کو مخاطب کیا۔

”تم روٹی رہی ہو؟“ وہ ٹھٹھکی اسے عمر سے ایسے کسی سوال کی توقع نہیں تھی۔

”نہیں۔“ چند لمحوں بعد اس نے کہا۔

عمر نے ایک نظر خاموشی سے اسے دیکھا۔ وہ سامنے سڑک پر دیکھ رہی تھی۔ اس نے علیرہ کے جواب پر کوئی

تبرہ نہیں کیا۔

چند لمبے اسی طرح خاموشی سے چلتے رہنے کے بعد اس نے علیرہ سے پوچھا۔

”بھئی واک کیلئے آتی ہو؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”تم پہلی لڑکی ہو جس کے منہ سے میں یہ سن رہا ہوں۔“ اس نے خاموشی سے ہٹکلی سے کہا۔ اس بار علیرہ

خاموش رہی۔

”تھوڑی بہت انکسرسائز تو ضروری ہوتی ہے۔ بندہ فٹ رہتا ہے۔“

اس نے ایک بار پھر بات کا سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی۔ وہ ایک بار پھر خاموش رہی۔

”انکسرسائز تو کسی کو بری نہیں لگتی۔“ عمر نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کی خاموشی ہنوز قائم تھی۔

”مجھے تو اچھا لگتا ہے جو لگ کرنا، واک کیلئے جانا..... پختے میں دو تین بار چمچ جانا۔“

علیرہ نے اس بات پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ کچھ دیر اس کے جواب کا منتظر رہا پھر جیسے جگ آ گیا۔

”کیا صرف میں ہی لڑکی رہوں گا تم کچھ نہیں کہو گی؟“

علیرہ نے صرف گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”آپ خود باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے تو نہیں کہا۔“ اس نے کچھ فٹنگی سے عمر کو جواب دیا۔

”میں اس لیے باتیں کر رہا ہوں کیونکہ یار میرا دل چاہ رہا تھا آپ سے باتیں کرنے کو۔“

”میں اس لیے باتیں نہیں کر رہی کیونکہ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا آپ سے باتیں کرنے کو۔“ عمر اس کے جواب

پر بے اختیار ہنس پڑا۔

”میں نے یہ واقعی نہیں سوچا تھا کہ تمہارے بات نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔“

باب ۲۰

میں واک کیلئے جا رہا ہوں۔ چلو گی میرے ساتھ؟“ وہ شام کے وقت حسب معمول واک کیلئے نکل رہا تھا جب اس نے لان کے ایک کونے میں علیرہ کو کرسی کے ساتھ دیکھا۔ چند لمبے وہ کھڑا اسے دیکھا رہا پھر اس کی طرف بڑھ آیا۔

قدوں کی چاب پر علیرہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور غور کر دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ساری دوپہر روٹی رہی ہوگی۔ اسے بے اختیار ترس آیا۔

”کیا ہو رہا ہے علیرہ؟“ اس نے بڑے دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

علیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکانے وہ اسی طرح گھاس پر بیٹھی ہوئی کرسی کے بالوں میں اٹھیاں پھیرتی رہی۔

”مجھ سے کیا ناراضی ہے یار؟“ وہ بے تکلفی سے کہتا ہوا خود بھی اس کے پاس گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ اب بھی اسی طرح خاموش اور اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتی تھی۔

”میں واک کیلئے جا رہا ہوں۔ چلو گی میرے ساتھ؟“

ایک بار پھر اس نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔ علیرہ نے کچھ حیران ہو کر سر اٹھایا۔ اس نے پہلے بھی اسے ساتھ چلنے کی آفر نہیں کی تھی۔ پھر آج کیوں؟

”نہیں۔“ اس کے یک طرفہ جواب نے عمر کو ہلایا نہیں تھا۔

”مگر گزرتی کہہ رہی تھیں کہ میں جنہیں ساتھ لے جاؤں۔“

”کیوں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”یہ تو چاہتیں مگر اندر سے لگتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ علیرہ باہر لان میں بیٹھی ہے اسے ساتھ لے جاؤ۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ واک کرے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔“

”یہ انہوں نے کہا؟“ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

عمر نے غصہ لیس اور وہ دونوں ریلز میں داخل ہو گئے۔ شام ہو چکی تھی اور پارک کی لائٹس آن تھیں۔ جوگت ٹریک پر آنے کے بجائے وہ والگ ٹریک پر آ گئے۔ عراب خاموش تھا۔ کائی دیر وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ پھر عراب یک سوئی کی طرف بڑھ گیا۔

”آؤ کچھ دیر وہاں بیٹھتے ہیں۔“ اس نے کہا۔ علیلہ نے خاموشی سے اس کی تاکید کی۔ بیچ پر بیٹھنے کے بعد دونوں کچھ دیر تک پارک میں بھرنے والے لوگوں کو دیکھتے رہے۔

”کراچی میں کیا ہوا قلعہ؟“

بہت نرم اور مدھم آواز میں ایک مجلس کے قریب مہنگوا اس کی ساری حیات تک دم بیدار ہو گئیں۔ گردن موڑ کر اس نے عمر کو دیکھا کہ وہ اسے نظر کر جائے ہوئے تھا۔

”تھیں کوئی چیز پریشان کر رہی ہے؟“ اس کا سوال ذرا مختلف انداز میں دہرایا گیا۔

”کراچی میں کچھ نہیں ہوا۔ اور مجھے۔۔۔ مجھے کوئی چیز پریشان نہیں کر رہی۔ اور۔۔۔ اگر آپ مجھ سے دوبارہ اس طرح کی کوئی بات پوچھیں گے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔“ عمر نے اس کے چہرے پر بے تحاشا خوف دیکھا مگر وہ اس طرح پر سکون تھا۔

”غصہ ہے، میں مان لیتا ہوں کہ کراچی میں کچھ نہیں ہوا اور تم پریشان بھی نہیں ہوا۔ پھر بچہ ز میں کیا ہوا؟“ اس کا لہجہ ابھی نرم تھا۔

”کچھ نہیں ہوا۔ بس میں۔۔۔ میں ڈر ہوں، ڈل ہوں، مجھے کچھ کیس آتا، مجھے کچھ آتی نہیں سکتا۔“

”یہ سب تمہیں کس نے بتایا؟“ وہ اب بھی اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

”ابن نے خود سے سوچا ہے۔“

”غلام سوچا ہے۔“

”نہیں بالکل غصہ سوچا ہے۔“

”ایک ٹیسٹ میں ہونے والی ناکامی تمہارے لیے اتنی بڑی چیز بن گئی ہے۔“

وہ جواب میں کچھ بول نہیں سکی۔ عمر کا ایک احساس ہوا کہ وہ روری تھی۔ پارک میں اندھیرا اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ اس کے چہرے پر پھیلنے والی کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور وہ شاید اب بات کا فائدہ اٹھائے ہوئے بے آواز روری تھی۔

”سنو بھانے کے بجائے تم اپنے پراہلر کو مل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔“

”میں نہیں کر سکتی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میرا کیا فائدہ نہیں۔ نہ خود کو نہ کسی دوسرے کو۔۔۔ تاؤ غصہ کتنی

پڑا میں بیٹھ دوسروں کے سامنے ان کی بے عزتی کا باعث بنی ہوں۔ میں نے سوچ لیا ہے اب میں کچھ نہیں کروں گی۔ میں کانٹے بھی نہیں جاؤں گی۔“

وہ اب بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے گھبراہٹ تھی۔

”اسٹریڈر چھوڑ دو گی پھر گھر میں رو کر کیا کرو گی؟“

”کچھ بھی نہیں کروں گی۔ میں اپنی ساری پینٹنگ کو جلاؤں گی پھر کرسی کو مار دوں گی اور پھر خود بھی مر جاؤں گی۔“

”یکساں مت کرو علیلہ۔“ اسے پیسے کرنٹ لگا تھا۔

”آپ دیکھنا میں ایسا ہی کروں گی۔ میں ایسا ہی کروں گی۔ میرے ہونے یا نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی کو میری ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں Unwanted ہوں۔“ اس کے دل کو بے اختیار کچھ ہوا۔ وہ اب چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر رو رہی تھی۔

”علیلہ! میں تمہاری پروا کرتا ہوں، مجھے ضرورت ہے تمہاری۔“ وہ اب اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا تھا۔

”مگر تم میرے باپ نہیں ہو۔۔۔ تم میری ماں بھی نہیں ہو۔ مجھے ان دونوں کی ضرورت ہے۔ میں چاہتی ہوں وہ پروا کریں میری سحر۔۔۔ مگر ان کی زندگی میں میرے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔“

وہ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اس کا بازو پکڑے بچوں کی طرح گھبراہٹ تھی۔

”مجھے ان کے روپے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ان دونوں کی ضرورت ہے۔ مجھے اپنے گھر کی ضرورت ہے جہاں مجھے آزادی ہو جہاں میری اہمیت ہو۔ مگر ان کے گھروں میں میرے لیے جگہ نہیں ہے۔ ایک کمرہ تک نہیں ہے۔“

وہ بیٹے آنسوؤں کے ساتھ اب بے اختیار اسے سب کچھ بتاتی جا رہی تھی۔

”پتا ہے پاپا نے کیا کیا میرے ساتھ؟۔۔۔ وہ کراچی میں گھر بنوا رہے ہیں مگر میں سب کیلئے کمرے ہیں بس میرے لیے نہیں ہے۔ میں باؤ بھی نہیں آتی۔ وہ سب مری جا رہے تھے میرے لیے مجھے کسی نے کہا تک نہیں۔“

وہ خاموشی سے اس کے آنسو دیکھتا اور ہنسنے لگا۔

”میں مجھے ہر سال اپنے پاس بلاتی ہیں مگر وہ بھی اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں۔ انہیں صرف اپنے بچوں کی پروا ہوتی ہے۔ اپنے شوہر کی فکر ہوتی ہے۔ میری نہیں۔ میں سوچتی ہوں پھر میری زندگی کا کیا فائدہ۔ جب میں اپنے

بچپن سے ہی بڑھ بن چکی ہوں۔“

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”بس باا! ابھی تم کو کچھ اور کہنا ہے؟“

اس کے کندھے پر بازو پھینکا اور اس نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔ وہ خاموشی سے روتی رہی۔ خاموش دیر رونے کے بعد اس کی سسکیاں اور پچکیاں آہستہ آہستہ دم توڑنے لگیں۔ پھر وہ جیسے غر حال ہو کر خاموش ہو گئی۔

علیلہ! اب میری کچھ باتیں غور سے سنو۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم جتنا چاہو رو لو لیکن تمہارے بچپن اس طرح بھی تمہیں نہیں مل سکتے جس طرح تم چاہتی ہو۔ ان دونوں کی اپنی اپنی زندگی ہے۔ اپنا گھر ہے۔ ان کی ترجیحات بدل چکی ہیں اور یہ سب کچھ تمہارا نہیں ہے۔ علیلہ کی کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے جو کچھ تم ان کی زندگی میں چاہتی

ہو وہ نہیں مل سکتی۔ نہ آج نہ ہی آئندہ۔ اس لیے ان کو تمہیں اس جگہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔“

وہ بہت عجیب کی مگر بڑی نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

”مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا کوئی نہیں ہے جسے تمہاری ضرورت نہ ہو۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو تمہاری پر داکرتے ہیں۔ تمہارے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تم اہم بھی ہو۔ مگر تم سے جلد ناراض ہو جاتی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں تم سے محبت نہیں ہے۔ انہوں نے جنہیں کالا ہے۔ وہ تم سے محبت بھی کرتی ہیں بس ان کے اظہار کا طریقہ مختلف ہے۔ پھر گریڈ پائیں۔ کیا تم یہ کہو گی کہ انہیں بھی تم سے محبت نہیں ہے۔ تمہاری فریڈ نہ ہیں۔ کرسی ہے اور میں بھی تو ہوں۔ ہم سب کو طویلہ و سکندر کی بہت بہت ضرورت ہے۔ وہ بے یقینی کے ساتھ مراٹھا سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ”تم میں اتنی ہی خوبیاں اور خامیاں ہیں جتنی مجھ میں یا کسی بھی دوسرے نامیل بندے میں۔ جو چیز میں رکشا ہوں وہ بھی کر سکتی ہو۔ تم ذفر ہونہ ہی ڈلی ہو۔ تم ایک بہت ہی creative اور ذہین لڑکی ہو۔ واحد مسئلہ یہ ہے کہ تم بہت زیادہ حساس ہو۔“

اس کے آنسو مکمل طور پر خشک ہو چکے تھے۔

”زندگی میں ایک چیز ہوتی ہے جسے کبھی دماغ نہیں دیکھتا۔ یہ ممکن زندگی گزارنے کیلئے اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس چیز کو تم بدل نہ سکو اس کے ساتھ کروا کر لیا کر مگر اپنی کسی خواہش کو بھی جنون مت بنایا کرو۔ زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو میں نہیں کر سکتیں۔ چاہے ہم دوسری دنیا میں یا جوں کی طرح ایڑیاں رگڑیں کیونکہ وہ کسی دوسرے کیلئے ہوتی ہیں جیسے تمہارے پیرش اب کسی اور کے پیرش ہیں۔ تمہارا گھر کسی اور کا گھر ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ زندگی میں ہمارے لیے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ کچھ نہ کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا ہے۔“ وہ دیکھنے کی مایہ استاد کی طرح اسے کر سکا رہا تھا۔

”تمہارے سامنے ابھی پوری زندگی بڑی ہے۔ تمہاری شادی ہوگی، اپنا گھر ہوگا، ایک اچھا شوہر ہوگا اور ابھی بہت کچھ مل جائے گا مگر ابھی اس عمر میں خود کو اس طرح ضائع مت کرو۔ مانا یہ سب کچھ تمہارے لیے تکلیف دہ ہے مگر تم خود کو اتنا مضبوط بناؤ کہ ایسی تکلیفوں کا برداشت کر سکو۔“

وہ بات کرتے کرتے دک گیا۔

”تم سوچنا دے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ طویلہ نے بے اختیار سر ہلادیا۔

”یہ سب کچھ جو تم محسوس کر رہی ہو میں بھی کر چکا ہوں۔“

اس کی آواز ایک دم دھیمی ہو گئی۔

”میں جانتا ہوں بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن کچھ وقت گزارنے کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مگر آج آتا ہے، ممکن مل جاتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ صرف یہ مشکل وقت ہے اسے کسی نہ کسی طرح گزار لو۔ اپنے ذہن میں سے اپنے پیرش کو نکال دو، ان کے گھروں، زندگیوں اور بچوں کے بارے میں منٹ سوچو۔ صرف یہ سوچو کہ تمہیں اپنے لیے کیا کرنا ہے۔“

”آپ بتائیں مجھے زندگی میں کیا کرنا ہے؟ میں کیا کر سکتی ہوں؟“

”تم بتاؤ میں یہ طے کر دو کہ تمہیں اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے؟ اور کیسے کرنا ہے۔“

”مگر میں کچھ نہیں کر سکتی۔“ اس نے بے بسی سے کہا۔

”کیوں طے نہیں کر سکتیں۔ کیا یہاں دماغ نہیں ہے؟“ عمر نے اس کے سر کو چھوتے ہوئے کہا۔

”میرا کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ کوئی چیز کچھ نہیں آتی۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن میں نے بچہ ز کیلئے بہت محنت کی تھی مگر انہیں پڑھتے ہوئے میری کچھ بھی کچھ نہیں آتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا میں سب کچھ پھینک دوں۔ کچھ بھی نہ کروں۔۔۔۔۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کسی جلی جاؤں۔“

”کوئی بات نہیں ایسا ہوتا ہے بعض دفعہ تم کچھ کچھ عمر سے پریشان تھیں اس لیے میں نے کسی چیز پر بھی توجہ مرکوز نہیں کر پائی مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اسلڑ بڑ میں کوئی پراہم ہو تو مجھے بتاؤ، تھوڑی بہت مہیاپ تو میں کھی سکتا ہوں۔ اپنے بچہ ز سے پوچھو، فریڈ ز سے بات کرو۔ زیادہ پراہم ہو تو مگر رہیں سے کہو۔ وہ جنہیں نیو رکھا دی گی۔ مگر اپنی اسلڑ بڑ پر توجہ دو۔ اپنا کیریئر بنانے کے بارے میں سوچو۔“

وہ اس سے دو باتیں کر رہا تھا جو پہلے کبھی کسی نے نہیں کی تھیں۔ وہ اب عجیب کی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”آپ کا کبھی دل نہیں چاہا کہ آپ کے پیرش میں ڈا نیورس نہ ہوتی ہوئی؟“ وہ پتا نہیں کیا جانتا چاہتی تھی۔ وہ چند لمحوں کچھ نہیں کہہ سکا۔

”چاہتیں۔ میں نے کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔“

”کبھی نہیں؟“ اسے یقین نہیں آیا۔

”جہاں ان لیے ہیں کہ میں نے کبھی ایسا سوچا تو بھی کیا فائدہ کیا میرے سوچنے سے کچھ ہو سکتا ہے۔ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ میرا وقت ضائع ہو جائے اور میں وہ نہیں کرنا۔“

”آپ کو کبھی اپنی یاد نہیں آتی؟“ اس بار خاموشی کا وقفہ قدرے طویل تھا۔

”آتی ہیں۔“ جواب مختصر تھا۔

”آپ ملتے ہیں ان سے؟“

”میں نہیں ملتا، وہ ہلتی ہیں۔“ وہ جواب پر کچھ حیران ہوئی۔

”آپ کیوں نہیں ملتے؟“

”پتا نہیں۔“

”آپ ان سے محبت نہیں کرتے؟“

”پتا نہیں۔“

”کیوں؟“

”طویلہ اب اتنا وقت ہو چکا ہے ان سے اگ ہوئے کہ بس مجھے ان کے بارے میں سوچنا بھی عجیب لگتا ہے۔“

”چار کیوں؟“

”یاد رہے دو کھانسیں گے۔“ اس نے اطمینان سے روپے نکالتے ہوئے کہا۔

”مگر میں تو ایک کھاؤں گی۔“

”نہیں! یار آؤں کریم کو کم از کم ایک کھا تا ہے؟ ہمیشہ دو کھاتے ہیں۔ مگر اپنے روپے خرچ کر رہے ہوں۔۔۔۔۔ اور اگر کوئی دوسرا کھلا رہا ہو تو پھر تین اور چار بھی کھاٹی جاسکتی ہیں۔“ اس نے جیسے بطورہ کوپے کی بات بتائی تھی۔

”مگر ایک وقت میں دو کیسے کھاؤں گی؟“ اس نے عمر کے ہاتھ سے کون پکڑے ہوئے کہا۔

”یہ تمہیں میں سکھاؤں گا۔ تم آؤ تو سکی۔“

اس نے خود ہی اونچی دھڑوں کوڑ پکڑے ہوئے کہا پھر وہ بڑی برق رفتاری سے ایک وقت دونوں کوڑ کھانے لگا۔ اس کی جھارت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کام کرنے کا عادی تھا۔

بطورہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے خود بھی اسی کی طرح آؤں کریم کھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر آؤں کریم پھیلنے لگی تھی۔ مین روڈ پر آتے آتے آؤں کریم اس کے دونوں ہاتھ اور گالوں پر پھیل کر پہننے لگی تھی۔ عمر اس وقت تک دونوں کوڑ تو تقریباً ختم کر چکا تھا۔ ساتھ چلتے ہوئے اس نے بطورہ کو کچھ انوس بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا کوئی یار تم زندگی میں۔۔۔۔۔ یہ اس قدر ضروری کام تمہیں نہیں آتا۔ مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی۔“

واپس ٹیل روڈ پر آتے ہوئے اس کی آؤں کریم ختم ہو چکی تھی مگر دونوں ہاتھ پھیلے ہوئی آؤں کریم سے تشویر ہوئے تھے۔

”اب یہ دیکھیں، میرے ہاتھ گندے ہو گئے ہیں۔ انہیں کیسے صاف کروں؟“ بطورہ نے اسے ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا۔

”اپنی شرٹ سے صاف کرو، جیسے تم روتے ہوئے اپنے آنسو صاف کرتی ہو۔“ عمر نے کچھ شرارتی انداز میں کہا۔ وہ کچھ جھینپ گئی۔

”اؤ زور کی پانٹ میں کوئی ٹشو نہیں ہے؟“ عمر نے چلتے ہوئے اس سے کہا۔

”نہیں ہے۔ پانی ہو تو۔۔۔۔۔ وہ ادھر ادھر کیجئے گی۔“

”میں! میں روڈ پر پانی کہاں سے مل سکتا ہے۔ تم شرٹ سے صاف کرو۔ مگر جا کر کپڑے تو جینج کرنے ہی ہیں۔“ عمر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”نہیں یہ اتنی چٹکی ہے۔ مجھے ٹھن آ رہی ہے۔“ اس نے مضامین کھولنے اور بند کرتے ہوئے کہا۔

”لاؤ، میں صاف کروں۔“ عمر چلتے چلتے رکا اور بوڑے اطمینان سے اپنی شرٹ سے اس کے ہاتھ صاف کرنے لگا۔ بطورہ کو جیسے ایک جھلکا لگا اس نے ہاتھ جھینپنے کی کوشش کی۔

”آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کی شرٹ گندی ہو جائے گی۔“

”ہاں آپ کو پتا ہے تو پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”بس ایسے ہی۔۔۔۔۔ تمہاری بہت زیادہ دوستی ہے اس کے ساتھ؟“

”ہاں۔“

”بہت ابھی ہوگی؟“

”ہاں۔“ اسے اب عمر سے بات کرتے ہوئے کوئی گھبراہٹ یا الجھن نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بے اختیار اس کی باتوں کے جواب دے رہی تھی۔

”اور کوئی فریڈ نہیں ہے۔“

”نہیں۔“

”میں بھی نہیں؟“ وہ جواب دیتے ہوئے کچھ الجھی۔

”آپ بھی ہیں۔۔۔۔۔“

”شہلا جتنا کھوڑ فریڈ ہوں؟“ اس بار پوچھا گیا۔

”نہیں! جتنا تو نہیں۔“ بطورہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

”اچھا چلو فریڈ تو ہوں نا؟“

”ہاں۔“

”بس ٹھیک ہے۔ اسی خوشی میں، میں تمہیں کچھ کھاتا ہوں۔ بلکہ تمنا تو تمہیں کیا کھاتا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں۔“

”کم از کم یار۔۔۔۔۔ آج آوارہ گردی کرتے ہیں۔ کبھی سے کچھ کھاتے ہیں۔۔۔۔۔ چلو برگر لیتے ہیں پھر آؤں کریم کھائیں گے۔ آج روٹے میں تم سے خاصی انرجی دہنت کی ہے۔ اب ضروری ہے یہ سب کچھ۔“

عمر نے اٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے عمر کا ہاتھ قلم لایا۔

رہیں کوس کے دوسرے گیٹ سے وہ ٹیل روڈ پر نکل آئے۔ عمر اب اسے لپیٹنے سار لپاتا۔ وہ ایک چھوٹے سے بچے کی طرح اس کا ہاتھ سے اس کے تیز قدموں کا تعاقب کرتی اس کی باتوں پر قطعاً لگے گی تھی۔

ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ شادمان کی طرف نکل آئے۔ فٹ ہاتھ پر لگے ہوئے برگر کے ایک اسٹال سے انہوں نے برگر خریدے اور پھر بے مقصد مارکیٹ میں دنگ وٹا پنک کرتے ہوئے برگر کھاتے رہے۔

بطورہ کو اچانک احساس ہونے لگا عمر اتنا برا نہیں تھا جتنا سمجھ رہی تھی۔ اسے اس کے ساتھ اس طرح بھرنا اچھا لگ رہا تھا۔ عجیب سی آزادی اور اتنا کسا احساس ہو رہا تھا۔

برگر ختم ہونے کے بعد عمر اسے آؤں کریم کھانے کیلئے اسی طرح ایک اور اسپاٹ پر لے گیا۔

”چار کون دے دیں۔“ اس نے آؤں کریم مشین کو آپرینٹ کرنے والے سے کہا۔ بطورہ نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

عمر نے کچھ کہنے کے بجائے اچھی طرح اس کے دونوں ہاتھ اپنی شرت سے صاف کر دیے۔

”کوئی بات نہیں رابرٹ میری ہی شرت گندنی ہوگی تاہم ہمارے ہاتھ تو صاف ہو جائیں گے۔“

اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی جو اس کا ہاتھ پکڑے سوک کر اس کرنے کیلئے ٹریکک کو دیکھ رہا تھا۔

واپس کے راستے پر وہ بائیں کرتی رہی تھی اور عرض رہا تھا۔ علیزہ کو یاد نہیں کہ اس نے آخری بار زندگی میں کب کسی کے ساتھ اتنی باتیں کی تھیں۔ شاید کسی کے ساتھ نہیں۔ شہلا کے ساتھ بھی نہیں۔

گھر کا گینٹ نظر آنے لگا تو وہ ایک دم چونکا۔

”ہاں یاد آیا علیزہ واثم سے ایک بات کہنی تھی۔“

”ہاں کہیں۔“

”مگر پہلے تم پر اس کر دیکھ ناراض نہیں ہوگی۔“

وہ حیران ہوئی۔ ”ایسی کوئی بات ہے؟“

”نہیں! پہلے تم پر اس کر دو۔“ اس نے اصرار کیا۔

”فیک ہے میں پر اس کرتی ہوں میں ناراض نہیں ہوں گی۔“

”وہی گڈا“ عمر نے کٹانی پر ہانسی ہوئی گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”وہ دراصل بات یہ ہے کہ میں نہیں گرتی کو بتائے بغیر لے کر آیا ہوں۔“

خامس اطمینان سے کہے گئے جملے نے اس کے قدموں تلے سے زمین نکال دی۔ علیزہ کا منہ کھلا رہ گیا۔

”مگر آپ نے تو کہا تھا کہ.....“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں نے جھوٹ بولا تھا اگر یہ کہنا کہ میں

جہیں ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں تو تم بھی نہ آئیں۔“ اس کا اطمینان ابھی بھی برقرار تھا مگر اب علیزہ کی جان پر پی

ہوئی تھی۔

”آپ کو اندازہ ہے، کتنی دیو ہوگئی ہے۔ تاہم ہی ناراض ہوں گی۔“ وہ روناہی ہو گئی۔

”نہیں ہوتی بارا اور اگر ہوتی بھی تو میں کہہ دوں گا کہ میں زبردستی تمہیں ساتھ لے کر گیا تھا۔“ عمر نے

ساتھ چلتے ہوئے اسے تسلی دی۔

”آپ ناؤ کو نہیں جانتے۔ اس لیے کہہ رہے ہیں۔ میں کبھی بھی ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتی اور

ندی وہ بات پسند کرتی ہیں۔“

”تم فکر مت کرو۔ میں بات کر لوں گا ان سے۔“ اس نے ایک بار پھر اسے تسلی دی۔

وہ گھر کے گیٹ پر پہنچ چکے تھے تیل بھانے کے بجائے عمر نے گیٹ پر ہاتھ مار کر چونک دیا۔

علیزہ کا تھوڑی دیر پہلے دلا جوش و خروش ختم ہو چکا تھا۔ اب اس کے ہاتھوں کے ٹوٹے اڑے ہوئے تھے جبکہ عراب

بھی پہلے کی طرح مطمئن اور بے فکر نظر آ رہا تھا۔

پورچ کراس کرنے کے بعد لاؤنچ کا دروازہ عمر نے ہی آگے بڑھ کر کھولا۔ علیزہ اس سے چند قدم پیچھے تھی۔ بہت جیسا انداز میں دھڑکتے دل کے ساتھ جب وہ عمر کے پیچھے لاؤنچ میں داخل ہوئی تو لاؤنچ میں ایک عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

عمر اس سے کچھ دے بائیں ساکت کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے والی ہلکتی اور مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ علیزہ نے کچھ حیرانی کے ساتھ لاؤنچ میں اس چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کی جسے دیکھ کر عمر کی یہ حالت ہوئی تھی اور وہ چیز اس کے سامنے ہی تھی۔

لاؤنچ کے ایک صوفے پر نالو کے ساتھ ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ راکل بلسک کی ساڑھی اپنے وجود کے گرد لپیٹے۔ کھنکھراتے ترائیدہ بالوں اور نیچے نقوش والی اس عورت کو علیزہ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں اتنی خاموشی کے ساتھ اندر آئے تھے کہ نالو اور اس عورت کو پتا نہیں چلا وہ دونوں چائے پینے کے ساتھ بہت مدھم آواز میں کوئی بات کر رہی تھیں اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھیں۔

نالو بہت موشل نہیں تھیں مگر بھر بھی ان کا ایک خاص حلقہ احباب تھا جن سے ان کا میل ملاپ تھا اور وہ لوگ گھر آتے رہتے تھے۔ اس وقت علیزہ بھی اس عورت کو نالو کی ایسی ہی کوئی واقف سمجھی تھی۔ مگر آخر عمر اس عورت کو دیکھ کر اس طرح کی ایک کیوں کر رہا ہے؟ کیا وہ اسے جانتا ہے؟ علیزہ نے کچھ حیران ہو کر سوچا تھا مگر عمر کی واقعیت تو بہت محدود ہی ہے پھر یہ عورت..... اس نے کچھ الجھتے ہوئے سوچا۔

جب ہی عمر نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ علیزہ چہرے پر سننے میں ماہر نہیں تھی نہ ہی وہ ٹیلی ویژن جانتی تھی بھر بھی اس وقت عمر کے چہرے کو دیکھ کر اسے یوں لگا تھا جیسے وہ اس سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ وہ دیکھ اور بھی الجھی تھی۔ عمر کی آنکھوں میں اسے ایک عجیب سی دشت نظر آتی تھی۔

اور اسی وقت علیزہ نے اس عورت کو عمر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک دم نالو سے باتیں کرتے کرتے رک گئی پھر علیزہ نے اسے چائے کا کپ بیز پر رکھتے ہوئے دیکھا۔ اس نے عمر کو دیکھا وہ بھی اب اسی عورت کو دیکھ رہا تھا۔ پھر علیزہ نے اسے کہنے سنا۔

”ہیلو، ہاؤ آر یو؟“

جواب میں اس عورت نے جو حرکت کی، اس نے علیزہ کو ششدر کر دیا تھا۔



کے کارناموں کی عمر مقامی اخبارات تک ان کے کام اور نام سے بے خبر ہیں۔" اسے عمر کے الزامات یاد آرہے تھے۔ چائے اور دوسرے لوازمات سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اس ابنِ حق عا کے ایک اعلیٰ عہدے دار نے بریفنگ دی شروع کی۔ "جب ہم نے اس علاقے میں کام شروع کیا تھا اس وقت سے پورا علاقہ ہر طرح سے پسماندہ تھا۔ یہاں زندگی کی بنیادی سہولیات تک نہیں تھیں صرف تھیں فیصد بچے اسکول جاتے تھے اور بڑھری میں ڈراپ آؤٹ ریت بہت زیادہ تھا، اور وہ بہت سے مہلک امراض کا شکار ہوتے تھے۔ عورتوں کی حالت تو اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔ ڈرگز کا استعمال بھی اس علاقے میں بہت زیادہ تھا۔"

وہ اب دوسرا "Version" میں رہی تھی۔ "اس علاقے میں موجود فیکٹریاں باغڈا لبر کو داری تھیں۔ دیہاتی علاقے سے زمیندار زبردستی فیکٹریز کے مالکان کے مطالعے پر کام کیلئے لوگوں کو بھجواتے تھے۔ جو اجازت ان لوگوں کو دی جاتی تھی اسے من کر آپ کو شاک لگے گا مگر لوگ کام کرنے پر اس لیے مجبور تھے کہ خزانگی کی شرح بہت کم تھی اور بے روزگاری بہت زیادہ تھی۔ بنیادی طور پر یہ زرعی علاقہ تھا مگر لوگوں نے اپنی زر زمینیں فیکٹریز کی تعمیر کیلئے بیچنا شروع کر دیں۔ اس سے یہ ہوا کہ اس علاقے میں کاشت کاری بہت کم ہو گئی۔ ایک بڑے علاقے میں ٹھہریز بن گئیں اور ٹھہریز سے نکلنے والے آلودہ پانی نے اس علاقے کی زر تیزی پر خفی اثرات مرتب کیے لوگوں کو صرف مالی طور پر بہت سے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ بہت سے جلدی امراض بھی ان علاقوں میں پھیل گئے دوسرے نقصانوں میں بالخصوص آپ پر بھیجے گئے اس علاقے میں زیادہ احتضال ہو رہا تھا۔"

وہ بہت غور سے سمجھ لیں کہ باتیں سن رہی تھی۔

"مگر سب سے پہلے ہم نے اس علاقے میں کام شروع کیا۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ یہ کتنا مشکل کام تھا بلکہ شاید یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ ایک پرکوشن ٹاسک تھا، شروع شروع میں ہم جہاں جاتے تھے ہم سے تعاون نہیں کیا جاتا تھا بعض جگہوں پر تو ہمارے کیمپز پر بجٹے بھی کیے گئے۔ ہم پر دباؤ ڈالا گیا۔ مختلف فیکٹریز کی طرف سے کہ ہم یہ کام نہ کریں انہیں خوف تھا وہاں لوگوں میں شورو آئے گا تو ان کا بڑا شپ ہو جائے گا اور یہ خوف بالکل درست تھا جن حالات اور شرائط پر وہ لوگ کام کر رہے تھے خود حاصل کرنے سے سب سے پہلے وہ ان فیکٹریز کیلئے کام کرنا ہی چھوڑتے، ہماری ثابت قدمی نے ایک طرف تو ان علاقوں کے لوگوں میں ہم پر اعتماد بڑھایا بلکہ دوسری طرف ہمیں دیکھ کر بہت سی دوسری این جی ایچ ایم میدان میں آئیں ایک پرانیٹ ورک قائم ہو گیا۔"

اگر اس عمر کی باتوں میں سچائی نظر آتی تھی تو اس شخص سے کہے میں بھی دو کوئی قریب ڈھونڈنے میں ناکام رہی اس کی الجھن بڑھ گئی تھی "سے sense of Judgement" اسے عمر کی بات یاد آئی، مگر اسے استعمال کیسے کرتے ہیں اس سے سچا تھا۔

"ہم لوگ گروپس بنا کر مارا دن ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور دوسرے تیسرے گاؤں پھرتے رہتے ہمیں ایک ایک گھر جانا پڑا۔ وہاں سارے کوائف اکٹھے کرنے پڑے۔ مگر شرف افراد کی تعداد کتنی ہے۔ ان میں عورتیں کتنی ہیں اور ان کی عمر کی باتیں، مرد سکتے ہیں اور کس عمر کے ہیں، بچوں کی تعداد کیا ہے اور کس عمر کے ہیں، مگر

"ان این جی اوڈ کے آفس کیٹ کے علاقے میں ہیں اور ظاہر ہے یہ تو ناممکن ہے کہ ہم ان کے علاقے میں ہونے والی ایسی سرگرمیاں آدمی کی انجینئری سے غیب ہر مرد بھی صرف رپورٹس دے دیتے ہیں۔ کچھ کر نہیں سکتے۔" وہاں اس عمارت کے بڑے کمرے میں سب لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس عمر کی بات سے اتفاق یاد آئی۔ وہ لوگ لاہور سے سیدھا اس گاؤں میں جانے کے بجائے پہلے اس این جی اوڈ کے آفس میں گئے جو شہر کے اندر کیٹ کے علاقے میں ایک خاصی بڑی کوشی میں واقع تھا، عمر کی ایک بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔ وہاں انہیں اس این جی اوڈ کی طرف سے اپنے کام اور آفس کی دوسری سرگرمیوں کے بارے میں بریفنگ دی جاتی تھی۔ اس وقت وہ چائے اور اسٹیکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور طیو کو یہ دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی کہ ان نسبتاً قدامت پسند علاقے میں بھی لوکیوں کی ایک بڑی تعداد اس این جی اوڈ کیلئے کام کر رہی تھی جو خاصی تیران کن بات تھی آفس کی عمارت کا ایک جائزہ لیتے ہوئے اسے قدم قدم پر حیرانی ہوئی تھی۔ عمارت میں موجود بوسٹیں صرف سب سے حد جدید تھیں۔ بلکہ خاصی وافر تھیں۔ اندر موجود کپیٹر اور فیکس مشینوں سے لے کر باہر موجود گاڑیوں کے ماڈل تک یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کاپے خاصی فراوانی سے استعمال کیا جا رہا ہے۔

"این جی اوڈ اور دینی علاقوں میں رپارٹس اور سوشل ڈیولپمنٹ کیلئے کام کر رہی ہیں تو پھر ان کے افسروں بھی ان ہی گاؤں وغیرہ میں ہونے چاہئیں تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ مسلسل اور بہتر رابطہ میں رہیں مگر کسی بھی این جی اوڈ کا آفس کم گاؤں کے اندر نہیں دیکھو گی۔ سارے آفسر شہر کے سب سے مہنگے اور محفوظ علاقے میں خاصے نام دار وغیرہ رکھے گئے ہیں اگر ان کا کام لوگوں کی بہتری ہی ہے تو پھر انہیں تو لوگوں کے ساتھ رابطے زیادہ بڑھانے چاہئیں اپنے آفسروں کی جگہوں پر رکھنا چاہیے جہاں زیادہ سے زیادہ لوگ ان کے نام سے واقف ہوں، ان کے پاس آئیں مگر ایسا نہیں ہے شہر کے اندر گھر گاؤں کے لوگ ان کے نام سے بہت آگاہ ہیں مگر شہر میں اگر تم کیٹ کے علاقے میں بھی کھڑے ہو کر کسی سے کسی بھی این جی اوڈ کا نام بتا کر آفس کا پتہ پوچھو تو وہ بے خبر ہوگا اگر انہیں کچھ لیک آؤٹ ہو جائے گا غصہ نہیں ہے تو یہ لوگوں کو کھلے عام اپنے آفس میں کیوں آتے نہیں دیتیں۔ انٹرنیشنل میڈیا تو دھم دھم جا رہا ہے ان

میں کام کرنے والے افراد کی تعداد کیا ہے؟ اور وہ کس کام سے مشغول ہیں۔ ان کی آمدنی کتنی ہے؟ گھر میں کون سی سہولتیں ہیں، کیا بچے اسکول جاتے ہیں۔ گھر میں خواتین افراد کتنے ہیں؟ یہ سب کچھ جاننے کیلئے ہمیں بڑے پائپر پیلے پڑے کیونکہ لوگ ہمیں شک کی نظر سے دیکھتے تھے اور معلومات چھپاتے تھے یا غلط معلومات دیتے تھے یا پھر بات ہی نہیں کرتے تھے ہمیں ان معلومات کی ضرورت اس لیے تھی تاکہ ہم ان لوگوں کے مسائل حل کرنے کیلئے کوئی پاپار بلائنگ کر سکتے۔

اس کے اچھے ہونے ذہن میں اب کچھ اور گوج رہا تھا۔

”ایسا جی اور جب یہاں آئیں تو انہوں نے دیہی اصلاحات اور سوشل ڈویلپمنٹ کا نام لے کر حقائق اور اعداد و شمار اکٹھے کرنے شروع کر دیے۔ کس علاقے میں کس عمر کے بچے کام کر رہے ہیں؟ فٹ بال انڈسٹری سے مشغول مردوں کی تعداد کیا ہے۔ باغڈا لبر کی اجرتوں کا ریکارڈ کتنا ہے؟ ان لوگوں کو کس طرح کی سہولیات میسر ہیں؟ یہ سارا ڈٹا اکٹھا کیا گیا ہے۔“ اور اب دیکھئے گا طیز وہ بی آئندہ چند سالوں میں کالڈ لبر اور باغڈا لبر کے حوالے سے ان ہی علاقوں کے متعلق انٹرنیشنل میڈیا یا خاصا شور مچائے گا۔ کچھ پانڈیاں بھی لگنی چاہئیں گی۔“ اس نے اپنے ذہن سے عمر کی آواز جھٹکتے ہوئے دوبارہ اس شخص کی آواز پر توجہ دینی شروع کی۔

”ظاہر ہے یہ لوگ کسی آدمی کو تو گھر کے اندر آنے نہیں دیتے اس لیے ہمیں لڑکیوں کی ضرورت تھی جو یہ کام کر سکیں، اسی لیے آپ لوگ دیکھیں گے کہ اس علاقے میں کام کرنے والی ساری این جی او کے ساتھ لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے۔“

”ہم دو درو لوگوں کا ایک گروپ بناتے تھے جو ایک لڑکی اور لڑکے پر مشتمل ہوتا تھا، یہ لوگ اپنے مخصوص علاقے میں جاتے اور خود کو بہن بھائی ظاہر کرتے اس علاقے کے امام مسجد سے رابطہ کرتے پھر اس کے ذریعے سے باقی لوگوں سے واقفیت حاصل کرتے۔ لڑکیوں کا گھر کے اندر آنا جانا شروع ہوتا، وہ ان کی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں ساتھ لے جاتے دو انیالاں، صابن، خشک دودھ، بسکٹ اور اسی قسم کی چھوٹی موٹی دوسری چیزیں آہستہ آہستہ وہ لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے لگے اور پھر کوائف اکٹھے کرنا کافی آسان ہو گیا۔ معلومات حاصل کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ تھا کہ ان لوگوں تک اپنی بات پہنچانی جائے اور انہیں ان باتوں کو ماننے کیلئے قابل کیا جائے۔ یہ کام زیادہ مشکل تھا مگر بہر حال کسی نہ کسی طرح ہم نے یہ کام بھی شروع کر دیا۔

ہمارے چار بنیادی مقاصد تھے، کالڈ اور باغڈا لبر کا خاتمہ، بچوں کیلئے تعلیم کی فراہمی، بنیادی سہولیات کی فراہمی اور ان علاقوں میں روزگار کے بہتر مواقع اور بہتر اجرت کی فراہمی اور اس کے علاوہ بھی کچھ اور چیزیں جنہیں جو ہم کرنا چاہتے تھے مگر وہ اتنی اہمیت کے حامل نہیں تھے۔

ہم اس علاقے اور وہاں کے رہنے والوں کی زندگیوں میں کیا تبدیلیاں لے کر آئے ہیں یہ آپ جب ہی جان یا نہیں گے جب آپ خود وہاں جائیں گے لوگوں سے باتیں کریں گے اور ان تبدیلیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے ہمیں یہ یقینی نہیں ہے کہ ہم نے سب کچھ تبدیل کر دیا ہے ظاہر ہے ہم ابھی بھی کام کر رہے ہیں اور تبدیلی ایک

مسلل حل کا نام ہے لیکن ہم نے ایک اہم کام کا آغاز ضرور کیا ہے اور شاید جتنی بہتری این جی او وہاں دے رہا ہے اتنی کوئی حکومت بھی نہیں لاسکتی تھی۔“

شیلما نے اسے کہی مارکو توجہ کیا، ”کیا تمہیں اب بھی ان پر شک ہے؟“

”کیا تمہیں شک ہے؟“ اس نے جواب دیا تھا۔

”چنانچہ میں تو بہت ہی کشیدہ ہوں۔ ایک طرف عمر کی باتیں۔ دوسری طرف یہ لوگ..... ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ شیلما بھی اسی کی طرح ابھی ہوئی تھی۔

”ابھی تو یہ سب کچھ زبانی بتا رہے ہیں جب ہم گاؤں میں جا کر رہیں گے تب ہی ہمیں اندازہ ہو سکے گا کہ کیا یہ واقعی سچ بول رہے ہیں یا پھر یہ واقعی کوئی جھوٹ ہے۔“ اس نے شیلما سے کہا۔

وہ آدمی ایک بار پھر بولنا شروع کر چکا تھا اب وہ اپنی این جی او کے بارے میں معلومات فراہم کر رہا تھا اور اس کی کارکردگی کے حوالے سے کچھ حقائق پیش کر رہا تھا۔ سب لوگ بے حد سنجیدگی سے اس کی باتیں سننے میں مصروف تھے۔

پہلی بار علیحدہ کو اندازہ ہوا کہ سچ اور جھوٹ کو پہچاننا کتنا مشکل کام ہے۔ Sense of Judgement ہر بندے کے پاس ہوتی ہے اور اگر ہو بھی تو ضروری نہیں کہ اس کو استعمال کرنے کی صلاحیت بھی سب ہی کے پاس ہو۔ کم از کم اس کیلئے تو یہ سب بہت مشکل تھا۔

”اگر عمر کے پاس فحش اعتراضات تھے تو سچ کی بات ان کے پاس بھی کی نہیں ہے اگر وہ بالک کی بات کرتا ہے تو یہ فحش بھی ہر چیز کو مشقی بنا کر ہی پیش کر رہا ہے اگر عمر کی بات میں سچائی نظر آئی تھی تو جھوٹ تو یہ آدمی بھی نہیں لگ رہا تھا پھر ہمیں یہ کیسے طے کروں کہ کون سچ اور کون غلط ہے۔“

وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی الجھتی جا رہی تھی۔



میں سے کوئی گفتگو کا آغاز کرے اور وہ اس امر اور عمل گزرنے۔ اس عورت نے اب اپنا کبھی عظیمہ کو دیکھا۔ اس کی نظریں کچھ دم کیلے اس پر ٹھہر گئیں عظیمہ اس کی نظروں سے نرہ ہو گئی۔ نانو نے اس عورت کی نظروں کا تعاقب کیا۔

”یہ عظیمہ ہے۔“ انہوں نے اس عورت سے جیسے اس کا تعارف کروایا تھا۔

”عظیمہ؟“ اس عورت نے استہنہا پر نظروں سے نانو کو دیکھا۔

”ہاں عظیمہ، نمینہ کی بیٹی۔“

”اوہ..... ہاں عظیمہ..... کیا تمہیں یہیں ہوتی ہے؟“

”نہیں وہ آسٹریلیا میں ہوتی ہے۔ عظیمہ میرے پاس رہتی ہے۔“ نانو نے مختصر اس کا تعارف کروایا۔

”عظیمہ! یہ..... یہ عمر کی کمی ہیں۔“

عظیمہ کا منہ نانو کے اس تعارف پر کھل گیا۔ ایک نظر اس نے اس عورت کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ دوسری نظر اس نے عمر پر ڈالی، وہ اب بھی سر جھکا کر بیٹھا تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے بالآخر انہیں مخاطب کیا۔

”ہیلو، کیسی ہو تم؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”عظیمہ! آؤ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ نانو نے ایک دم اٹھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

کیا وہ اسے اب ڈانٹنا چاہتی تھیں۔ نانو ان دونوں کو دھیر چھوڑ کر لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔ عظیمہ نے بھی بے جاں قسموں سے ان کی پیروی کی۔

”میں تمہیں اس لیے باہر لے آئی ہوں، تاکہ وہ دونوں آپس میں گفتگو کر سکیں۔“ باہر نکلتے ہوئے نانو نے اس سے کہا۔

”مگر عمر کی کمی کہاں سے آگئی ہیں؟“ اس نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے نانو سے پوچھا کہ انہیں یاد نہیں رہا کہ وہ کہاں تھی تھی۔

”زارا پاکستان آئی ہوئی ہے آج کل اپنی فیملی کے ساتھ، اس کا دل چاہا تو یہاں ملے آگئی۔“ نانو نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”اپنی فیملی کے ساتھ۔“ وہ ٹھٹھکی گئی۔

”ہاں، یعنی اپنی فیملی کے ساتھ۔ دو بیٹے ہیں اس کے شادی کر چکی ہے۔ انگلینڈ سے آئی ہے۔“

”مگر کیوں؟“

”کیوں کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے اپنے بیٹے سے ملنے آئی ہے۔“

وہ ان کے پیچھے چل رہی تھی۔ ”کیا پہلے بھی یہ عمر سے ملنے کیلئے آئی رہی ہے؟“

باب ۲۲

اس عورت نے ایک دم آگے بڑھ کر عمر کا ہاتھ چوم لیا۔ عظیمہ نے عمر کو جیسے گتھا کر دو قدم پیچھے ہٹا دیکھا۔ اس عورت نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر عمر کے کندھوں پر ہاتھ رکھنا چاہے مگر اس بار عمر نے اپنے ہاتھوں سے اس کے بازوؤں کو پیچھے ہٹا دیا۔

”ہٹو یہ کافی ہے۔“

عظیمہ نے اسے کرخت لہجے میں کہتے سنا، اس کا اشارہ واضح طور پر اس عورت کے اس والدینا اظہار محبت کی طرف تھا۔ عظیمہ کا بکا عمر اور اس عورت کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس عورت کا چہرہ ایک دم جیسے بچھ گیا تھا۔ عمر اب نانو کو دیکھ رہا تھا۔

”تم کیسے ہو عمر؟“ اس بار اس عورت نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ عمر نے نظریں ملاتے بغیر جواب دیا۔

”زارا! آؤ یہاں بیٹھ جاؤ، عمر! تم بھی بیٹھ جاؤ اس طرح کھڑے کھڑے باتیں کرنا مناسب نہیں۔“

نانو نے کھلی بار مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ عظیمہ نے اس عورت کو پلٹ کر اپنی جگہ جاتے دیکھا۔ عظیمہ نے عمر کو کسی شکل میں جتنا پایا ہوا جیسے وہ ملے نہ کر رہا ہو کر اسے اس عورت کے پاس جا کر بیٹھنا چاہیے یا نہیں بالآخر وہ جیسے کسی نتیجہ پر پہنچ گیا۔

عظیمہ نے اسے بے آواز قسموں سے نانو کے صوفے پر بیٹھنے دیکھا۔ اس عورت کی نظریں مسلسل عمر پر تکی ہوئی تھیں جبکہ مسلسل اپنی نظریں نیچے جھکاے ہوئے تھا۔ عظیمہ کی حیرانی میں شدت آتی جا رہی تھی آخر یہ عورت کون ہے جو اس طرح یہاں آئی ہے؟ جسے نانو چاہئے پادری ہیں اور جو عمر کو دیکھ کر یوں بے اختیار ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن عجیب سی سوچ میں الجھا ہوا تھا۔

لاؤنج میں مکمل خاموشی تھی، شاید کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کیسے شروع کی جائے۔ عظیمہ اپنی جگہ کھڑی صوفوں پر موجود تھیں کہ رادوں کو دیکھ رہی تھی سب کچھ جیسے یکدم ہی بہت پر اسرار ہو گیا تھا۔ وہ مختصر تھی کہ ان

”پھر کیا ہوا ناٹو؟“ علیزہ نے بڑی بے تالی سے پوچھا۔

”کیا ہوا تھا۔ زارائے کا کوشش کی، شروع میں اسے اپنی کسڈی میں لینے کی مگر بعد میں اس نے شادی کی عمر کی کسڈی کا کیس جب کوٹ میں تھا۔ زارا خود ہی جیسے ہٹ گئی، جہانگیر نے عمر کو جس بڑوٹک میں رکھا تھا وہاں سائیکلا جوٹ عمر کا علاج کرتا رہا آہستہ آہستہ یہ ٹھیک ہو گیا۔ بعد میں کبھی کوئی پراٹم نہیں ہوا۔“

ناٹو آہستہ آواز میں بتاتی جا رہی تھی، وہ خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتی رہی۔ بات کرتے کرتے اچانک ناٹو یاد آیا۔

”تم کہاں تھیں؟ میں پورے گھر میں دھونڈتی رہی پھر پھر کچھ یاد آنے لگا کہ عمر کے ساتھ کبھی ہو۔“

”وہ۔۔۔ عمر نے کہا تھا کہ مطلب مارکیٹ کتنے چاہا جاتا رہا تھا تو میں۔۔۔“ وہ گڑبڑا کر اس کی کچھ میں نہیں آیا

کوفری طور پر ناٹو سے کیا کہے۔

ناٹو کچھ دیر سے گھورتی رہیں۔ ”اس کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی؟“

”ہاں۔۔۔ اس نے سر ہلا دیا۔“

”کم از کم بتا تو سکتی تھیں۔“

”میں نے کہا تھا عمر کب رہا تھا کہ وہاں آکر تباہیں گے۔“ اس نے منمناتا ہوئے کہا۔

”مجھے کیسے تو تم گم؟ گاڑی تو تھیں تھی؟“

”پیدل مجھے تاک رہے تھے۔“

”اتنی دور پیدل جانے کی کیا ضرورت تھی؟ گاڑی لے جا سکتے تھے۔ میں پریشان ہوتی رہی۔“ ناٹو نے

اب کچھ سخت لہجے میں اسے جھڑکا۔

”موری ناٹو۔“

”ٹھیک ہے مگر آئندہ صحت مند رہنا، اس طرح بتائے بغیر غائب ہونا کوئی مناسب بات نہیں۔ تمہارے نانا ابھی

تک نہیں آئے۔ وہ آجائے تو وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان ہوتے۔“ ناٹو کا لہجہ کچھ نرم ہو گیا۔

”اب میں جاؤں؟“ علیزہ نے فوراً وہاں سے نکلنے کی کوشش کی۔

”ہاں ٹھیک ہے جاؤ۔“

علیزہ فوراً اٹھ کر ناٹو کے کمرے سے باہر آگئی۔ باہر آنے کے بعد اس نے اپنے کمرے کی طرف قدم

بڑھانے مگر پھر جیسے اس کے ذہن میں کوئی خیال ابھرا تھا۔ ناٹو کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ غصہ اب اس کی وقت

وہاں سے نکلتیں مگر جب عمر کی وہاں سے چلی جاتیں۔

”مجھے دیکھنا چاہیے کہ عمر اور اس کی کمی۔“ وہ یک دم متحس ہو گئی۔

اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے وہ پچھلا دروازہ کھول کر لان میں نکل آئی اور وہاں سے لمبا پتھر

کاٹ کر وہ لاؤنج کی ان گھونکیوں تک آگئی جو لان میں کھلی تھیں اس میں تاریکی تھی اس لیے اسے یہ تھلی کی کمر کی

”مجھے نہیں پتا۔ عمر تو ابھی چار ماہ سے ہی میرے پاس ہے۔ اب یہ اس سے ملتی رہی ہے یا نہیں اس کے بارے میں تو کچھ کہنا خاصا مشکل ہے۔ مگر وہاں البتہ جہانگیر پہنچ نہیں سکتا کہ یہ عمر سے ملے۔“

علیزہ کچھ حیران ہوئی۔ ”کیوں انکل جہانگیر کیوں پسند نہیں کرتے؟“

”پتا نہیں، مگر بس وہ شروع سے ہی کوشش کرتا رہا ہے کہ زارا عمر سے نہ مل پائے، خاص طور پر علیحدگی کے فوراً بعد تو جہانگیر نے جان بوجھ کر عمر کو اس بورڈ میں گم کر دیا تھا جہاں زارا کیلئے جانا مشکل ہو۔۔۔ اب پتا نہیں ہو سکتا ہے وہ کچھ نرم ہو گیا ہو اور عمر کا رابطہ ماں سے ہو کر پہلے تو ایسا بالکل بھی نہیں تھا۔“

”مگر انکل جہانگیر کیوں پسند کرتے ہیں عمر کا پانڈی سے ملنا؟“

”بس دونوں میں علیحدگی خاصے خراب حالات میں ہوئی تھی۔ بہت زیادہ جھگڑے ہوئے دونوں میں۔ بات کو ٹھیک گئی، وہاں بھی دونوں نے ایک دوسرے پر بہت سے الزامات لگائے۔ شاید جہانگیر ہی وجہ سے عمر کے اس سے ملنے کو پسند کرتا رہا۔“

”مگر اب اس میں عمر کا کوئی قصور نہیں۔ انکل جہانگیر یہ کیوں نہیں سوچتے۔“ اس نے عمر کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

”جہانگیر کا دماغ ہمیشہ ہی بہت گرم رہا۔۔۔ وہ اپنے معاملات میں کسی دوسرے کی سستا ہے نہ ہی کسی کی مداخلت پسند کرتا ہے۔“

”پھر آپ نے زارا آگئی کو اندر کیوں بٹھایا۔ عمر سے ملنے کیوں دیا اگر انکل جہانگیر کو پتا چلا تو وہ آپ سے بھی ناراض ہو سکتے ہیں؟“

”ہاں ناراض ہو سکتا ہے مگر میں اتنی بے عورت تو نہیں کہ اسے اندر ہی نہ آنے دیتی یا اسے اپنے بیٹے سے نہ ملنے دیتی۔ اب نہ کسی مگر کبھی تو وہ آئی خاندان کا ایک حصہ رہی ہے۔ اگر جہانگیر اپنی عادات کچھ بدل لیتا تو شاید ان دونوں میں شقاق نہ ہوتی۔ زارا اپنی خراب لڑائی نہیں جیتی۔ اچھی جی۔ جہانگیر سے محبت کرتی تھی اور بھی خاصی خوبیاں تھیں ان دونوں کی ایک دوسرے کے ساتھ اچھی مگر زندگی تھی مگر جہانگیر۔۔۔ اب اگر وہ بیٹے سے ملنے آتی ہے تو مجھے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ آخر عمر بھی اب بچہ ہے۔ میں نے دونوں کو ملوایا، اب اور پھر عمر کو زارا سے ملنا پسند ہوتا تو وہ اسی انکار کو دیتا مگر اس نے نہیں کیا۔۔۔ میں نے یہی سوچ کر زارا کو اس سے ملنا پتہ کیا۔“

ناٹو اب اپنے کمرے میں آچکی تھیں۔ علیزہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

”مگر عمر نے کبھی بھی اپنی مٹی کا ڈرن نہیں کیا، کبھی آپ کے ساتھ وہ زارا آگئی کی بات کرتا ہے؟“

”نہیں، مجھ سے اس نے کبھی بات نہیں کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ زارا کو پسند کرتا ہے۔ بچپن میں بہت اچھا تھا یہ زارا کے ساتھ۔ جب جہانگیر اور زارا میں علیحدگی ہوئی تو پانچ چار ماہ خامسا پیدا رہا۔ ڈاکٹر نے جہانگیر سے کہا کہ وہ اس ماں کے پاس بھجوادے مگر جہانگیر اس پر تیار نہیں ہوا وہ کہتا تھا کہ پیار ہو یا ٹھیک رہے اسے رہنا جہانگیر کے پاس ہی ہے۔“ وہ یک دم جیسے یاد کر کے خاموش رہ گئی تھیں۔

”میں تمہاری زندگی میں مداخلت کر رہی ہوں؟ میں تم سے صرف ملنے آئی ہوں۔“

”میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا تو آپ کیوں ملنے آئی ہیں۔ آپ یہاں سے جائیں۔“

”مجھے اس گھر میں آنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ تم اگر سوات میں مجھے دیکھ کر کیوں واپس یہاں بھاگ نہ آتے تو مجھے بھی یہاں نہ آنا پڑتا۔“

”کس نے کہا ہے کہ میں سوات سے بھاگ آیا ہوں اور وہ بھی آپ کو دیکھ کر..... میں وہاں اپنی مرضی سے گیا تھا اور اپنی مرضی سے ہی آیا ہوں اور میں آپ سے خوفزدہ نہیں ہوں، پھر ڈر کر کیوں بھاگوں گا۔ اس نے تلک کر کہا تھا۔“ تم مجھ سے خوف زدہ نہیں ہو لیکن جہانگیر سے خوف زدہ ہو۔ اسی لیے تم مجھے اس طرح رو کرتے ہو۔“

”چھانچیک ہے، میں پاپا سے خوفزدہ ہوں پھر جب آپ یہ بات جانتی ہیں تو اس طرح مجھے پریشان کیوں کر رہی ہیں؟“

”تم آپ کوئی نئے بچے نہیں ہو مگر بارے ہو گئے ہو اپنے فیصلے خود کرتے ہو جنہیں میرے بارے میں بھی فیصلہ خود کرنا چاہیے اگر جہانگیر کی دوسری شادی پر جنہیں کوئی اعتراض نہیں اور تم اس کی فیملی کے ساتھ ایڈجسٹ کر سکتے ہو تو پھر میری دوسری شادی۔“

اس باران کے لیے جب میں بے چارگی تھی مگر ان کے بے چارگی نے عمر پر کوئی اثر نہیں کیا۔ اس نے ایک بار پھر ان کی بات کاٹ دی تھی۔

”مجھے آپ کی دوسری شادی پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں آپ کو تا چکا ہوں کہ مجھے آپ سے اور آپ کی زندگی سے تعلق کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ نے جو چاہا کیا آپ جو چاہیں کریں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرا چپکا کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

”میں تم سے سال میں چند بار ملنا چاہتی ہوں..... چند بار فون پر بات کرنا چاہتی ہوں..... مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہیے۔“

”میں آپ کی سب سے زندگی میں پہلے ہی بہت اذیت اٹھا چکا ہوں، اب مزید کسی پر اہم کار سامنا کرنا نہیں چاہتا۔ میں آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ بات آپ ابھی طرح سمجھیں۔“

”تم بالکل اپنے باپ کی طرح بے حس ہو خود غرض، میں صرف وہ ہمیشہ صرف اپنے بارے میں سوچتا تھا..... اس طرح تم بھی صرف اپنے بارے میں سوچتے ہو۔“

”پھر آپ میرے جیسے سے جس اور خود غرض انسان کے پاس کیوں آئی ہیں۔ کیوں بار بار فون کرتی ہیں، خط لکھتی ہیں انسان میں جو self respect (عزت نفس) ہوتی ہے وہ شاید آپ میں نہیں ہے۔ میری خایوں کی نشان دہی کرنے کے بجائے آپ مجھے چھوڑ دیں..... میں تو آپ کے پیچھے بھاگتا ہوں نہ آپ کو آپ کی خامیاں جانتا پھرتا ہوں۔“

سے دلچسپی نہیں جاسکتی۔ پھر بھی وہ دے دیے پاؤں لاؤنج کی کھلی کھڑکیوں کے پاس آگئی۔ اندر سے آتی ہوئی عمر کی ہلکے آواز نے اسے چرکا دیا تھا۔

”مجھے آپ سے کوئی رابطہ رکھنے میں دلچسپی نہیں ہے پھر آپ میرے پیچھے کیوں پڑی ہیں؟“

علیحدہ سے تھوڑی سی گردن آگے کر کے اندر کا منظر دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ ماں بیٹے کا جو جذباتی سین دیکھنے کیلئے آئی تھی۔ وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ عمر صوف پر بیٹھے کے بجائے لاؤنج کے درمیان کھڑا تھا اور اس کا لہجہ بہت درشت تھا جبکہ ذرا آگئی اسی صوف پر بیٹھی ہوئی جس علحدہ کو ان کا چہرہ بہت بجا ہوا تھا۔

”تم میرے بیٹے ہو مگر اس..... انہوں نے عمر سے کچھ کینے کی کوشش کی مگر عمر نے ان کی بات کاٹ دی۔“

”اب میں آپ کا بیٹا ہوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

”عمر اس طرح بات مت کرو مجھ سے۔“

”میں اس طرح بلکہ کسی بھی طرح آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ آپ بس یہاں بیٹھے جائیں۔“

”جہانگیر نے میرے خلاف جہاد کی اپنی بریں واضح کر دی ہے کہ تم۔“

اس نے ایک بار پھر فیصلے میں اس کی بات کاٹی تھی

”ہاں ٹھیک ہے، کر دی ہے انہوں نے بریں واضح پھر۔“

ذرا آگئی زور دھرنے کے ساتھ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ ”میں تم پر اتفاق تو کبھی ہوں کہ کبھی بکھار جنہیں دیکھ لیا کروں، تم مجھ سے بات کر لیا کرو۔“

”آپ مجھ پر کوئی حق نہیں رکھتیں۔ آپ کی اپنی فیملی ہے، مگر ہے، بچے ہیں۔ آپ اپنی زندگی ان کے ساتھ گزاریں۔ خود بھی سکون سے رہیں اور دوسروں کو بھی سکون سے رہنے دیں اور اپنا ہر حق اس اولاد کیلئے مخصوص رکھیں جو آپ کے ساتھ ہے۔“

”میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔“

”تو میں کیا کروں؟“

”میں جانتی ہوں، تم مجھ سے ناراض ہو۔ بہت سی باتیں ہیں جن کی میں وضاحت کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں آپ سے ناراض ہوں نہ ہی آپ کی وضاحتوں میں مجھے کوئی دلچسپی ہے۔ میں اپنی زندگی سے بہت خوش اور مطمئن ہوں لیکن آپ میرا سکون خراب کرنا چاہتی ہیں۔“

”تم میری اولاد ہو مگر اس میں نہ اتنا بہت سارے تم سے رابطہ صرف اس لیے نہیں کیا کہ میں جنہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میرا خیال ہے اب تم اتنے پیچھے ہو چکے ہو کہ ہر چیز کو کچھ کچھ صرف مجھے مورد الزام ٹھہرانے سے حقیقت ٹھیکرا دے گی۔“

”میں نے آپ سے کہا ہے، مجھے آپ کی کسی وضاحت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ میری زندگی میں مداخلت نہ کریں۔“ اس نے اس بات پر تکرار چلائے ہوئے کہا تھا۔

”تم میرے بیٹے ہو۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔“

”آپ مجھے بہت سال پہلے چھوڑ چکی ہیں اور اس وقت بھی میں آپ کا بیٹا ہی تھا۔“

”عمر! تمہارے دل میں میرے لیے جو شکایتیں ہیں وہ ٹھیک ہیں مگر۔“

”میرے دل میں آپ کیلئے شکایت نہیں ہے۔ میں نے صرف آپ کے جھوٹ کی نشاندہی کی ہے۔“

”چند سال بعد جب تم شادی کرو گے اور تمہارے بچے ہوں گے۔ جب تمہیں اندازہ ہوگا کہ اولاد کو چھوڑنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔“

”میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ آپ نے مجھے کوئی نیا رشتہ قائم کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ آپ نے رشتوں کو سنا کر زہر آلود کر دیا ہے میرے لیے آپ کو اندازہ ہی نہیں۔“

علیہ دم بخود اس کا تہنیں ہی نہیں۔ ایک گھنٹہ پہلے والا عراب کہیں غائب ہو چکا تھا وہ جو کچھ دیر پہلے اسے سمجھا رہا تھا کہ مردانہ کرنے کیلئے کبہا تھا۔ سب کچھ بھلا دینے کی تاکید کر رہا تھا۔ اپنے ہاں باپ کے برابر کو بکھنے کی نصیحت کر رہا تھا۔ وہ اس وقت وہی سب کچھ دہرا رہا تھا جو کچھ دیر پہلے وہ روتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی فرق صرف یہ تھا کہ وہ رو نہیں رہا تھا۔

”یہ سب صرف میں نے نہیں کیا۔۔۔۔۔ جہاں تک میری کمی کیا ہے۔“

”but you were the root cause of everything“ (لیکن اس کی بنیادی وجہ آپ

ہیں) آپ کو یہی کیڑا نہیں آتا تھا تو آپ نے پاپا سے شادی کیوں کی اگر کر لی تھی تو رشتے کو نبھاتیں۔“

”اس سب کا باوجود جو جہاں تک میرے ساتھ کرتا رہا؟“

”عورت میں برداشت ہوتی چاہیے۔۔۔۔۔ پاپا میں اتنی برائیاں ہوتیں تو شرمین آئی کیوں اب تک اس کے ساتھ ہوتیں۔۔۔۔۔ آپ کی طرح انہوں نے divorce نہیں لی۔“

علیہ نے زارا آئی کی آنکھوں میں آنسو نمودار ہوتے دیکھے تھے۔

”جہاں تک جانور ہے، ایک ایسا جانور جسے زندگی میں اپنے علاوہ کسی دوسرے کے احساسات کا خیال نہیں، جس کیلئے سب سے زیادہ اہم اپنی خوشی ہے۔ اپنے گھر کے نیچے والے ڈرائے کو بے پروا کر کے دیکھنے والی کسی کو بھی اس میں پھنک سکتا ہے چاہے وہ کوئی بہت اچھا ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے اس شخص کو چھوڑنے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے نہ ہی کوئی جھجکتا ہے۔ تم میری اولاد ہو تم سے میرا رشتہ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔“

I don't need your sermons. آپ کو میرے پاس محبت نہیں کوئی ضرورت سمجھ کر لائی ہوگی

آپ بتا دیں کہ آراب آپ کو کیا چاہیے؟“

علیہ نے زارا آئی کو یک دم کھڑے ہوتے دیکھا۔

”مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔“ تمہارے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں جو تم دے سکو تمہیں پسند ہو یا نہ ہو مگر میں تمہیں غلط بھی کہوں گی اور فون بھی کروں گی جب میرا دل چاہے گا۔ میں تم سے ملنے بھی آیا کروں گی۔“

علیہ نے آئیں لاؤنچ سے نکلے ہوئے دیکھا۔ عمار کے چند منٹ خاموشی سے لاؤنچ کے بند ہوتے ہوئے دروازے کو دیکھتا رہا۔ مگر علیہ نے اسے بھی لاؤنچ سے غائب ہوتے دیکھا۔

علیہ کھڑکی کے پاس سے مٹ گئی۔ اسے عمر پر بہت ترس آ رہا تھا۔

”کیا واقعی اسے زارا آئی کی ضرورت نہیں؟ کیا واقعی یہ ان کے بغیر رہ سکتا ہے؟ یہ زارا آئی کو اتنا پسند کیوں کرتا ہے اور نا تو کہہ رہی تھی کہ یہ ان سے بہت اچھا تھا مگر یہ تو۔“

اس کا ذہن بہت سے سوالوں میں الجھ گیا تھا۔

”جھپٹے دروازے سے وہ ایک بار پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔“

”تو کیا عمر سوات سے اتنی جلدی اس لیے وہاں آ گیا تھا کیونکہ اس نے وہاں زارا آئی کو دیکھ لیا تھا؟ مگر زارا آئی کو اس نے avoid کیوں کیا اس نے اور پھر اس طرح وہاں سے چلے آئے؟ یہ زارا آئی نے وہاں بھی تو یہ سب کچھ کہہ سکتا تھا۔“

کپڑے بدلے ہوئے بھی وہ مسلسل عمر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ ٹائو سے دوپہر کو پڑنے والی ڈانٹ بھی بھول چکی تھی۔

رات کے کھانے کی میز پر عمر بیٹھا تھا۔

”وہ کہہ رہا تھا اسے بھوک نہیں ہے۔ جہاں سے ساتھ رہا اور انکس کریم کھا کر آیا تھا۔“

ٹائو نے اس کے احتیاط پر اسے بتاتے ہوئے ساتھ جیسے تعذیبی چاہی۔

”ہاں مگر اور انکس کریم تو کھا لی تھی۔“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”میں اسی لیے وہ اب کھانا کھا نہیں چاہ رہا۔“

ٹائو نے مزید کہا، یک دم ہی جیسے اس کا دل بھی کھانے سے اجاگ ہو گیا۔ کچھ دیر وہ کسی نہ کسی طرح چند لمحے کھا لی رہی مگر پھر اس نے کھانا چھوڑ دیا۔

”بھوک نہیں ہے میں نے بھی کچھ کر لیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے۔“

اس نے ڈانگ ٹیبل سے اٹھتے ہوئے ٹائو کو وضاحت دی۔

اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے اس نے عمر کے کمرے میں تاریکی دیکھی۔

”کیا وہ آئی جلد سے کیلئے لیٹ گیا ہے؟“ کچھ حیران ہو کر اس نے سوچا تھا۔ عام طور پر وہ رات کو بہت لیٹ سوتا تھا۔ آج روٹھن میں ہوئے والی یہ تبدیلی فوراً ہی اس کی نظروں میں آ گئی۔ کچھ دیر وہ اس کے کمرے کے آگے کھڑی رہی مگر خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

بیٹہ پرت لپٹے ہوئے دو تار کی میں کمرے کی چھت کو گھور رہا تھا۔ سوات میں ماں کو اپنی چٹنی کے ساتھ دیکھتے پرجس طرح وہاں سے بھاگا تھا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، اس کی جی اس کے پیچھے ہی لاہور آئی تھیں۔

بچھلے چودہ سالوں میں ایسا بہت بار ہوا تھا کہ ماں کو کہیں دیکھنے پر وہ سر پٹ وہاں سے بھاگ نکلا ہو، مادرِ زار! اگر اسے دیکھ لیتیں تو وہ اسی طرح اس کے پیچھے آتی تھیں اور ماں کا اپنے پیچھے آنا اس طرح آتا۔ اسے اچھا لگتا تھا شاید لاشعوری طور پر وہ بھی خنجر تھا کہ وہ اس کے پیچھے آئے اور پھر وہ اسی طرح ماں کا ہاتھ جھٹکے جس طرح بچھلے چودہ سالوں میں جھٹکتا آیا تھا اور ماں کے ساتھ اس طرح کرنے کے بعد ہر بار وہ ایسے ہی کمرہ بند کر کے بیٹہ جایا کرتا تھا۔

”کون کہتا ہے کہ میں عمر جہانگیر بیچو رو چکا ہوں۔ کم از کم آج جو میں نے می کے ساتھ کیا اس کو دیکھنے والا کوئی بھی شخص مجھے بیچو رو سمجھ سکتا ہے نہ ہوش مند۔“ آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے جیسے بے چارگی سے سوچا۔



باب ۲۳

”مجھے زارا مسعود کہتے ہیں۔“ ان کے تعارف کے بعد اس نے اپنا تعارف کر دیا تھا۔ جہانگیر معاذ نے اسے خاصی گہری نظروں سے دیکھا۔

”یہ جان کر خاصا افسوس ہوا، میرا خیال تھا آپ کو کچھ اور کہتے ہوں گے۔“ زارا نے دلچسپی سے انہیں دیکھا۔

”مثلاً کیا کہتے ہوں گے؟“

”میں زبان میں؟ اردو میں یا انگریز میں؟“ جہانگیر نے اس کی مسکراہٹ کے جواب میں اتنی ہی خوبصورت مسکراہٹ پاس کی تھی۔

”دونوں میں۔“

”اردو میں دلربا، دلنشین، دلکش، ماہوش۔“

”اور انگریز میں؟“ اس کی مسکراہٹ اور گہری ہنسی۔

”ہیلن آف ٹرائے، نکلوپلر، moon goddess nymph، princess، cynthia، جہانگیر کی

فہرست اور لمبی سوانحی اگر زارا کے حلق سے بے اختیار ایک تہجد نہ نکلتا۔

”very flattering“ اس نے ہنستے ہوئے جہانگیر سے کہا۔ ایک دم ہی جہانگیر میں اس کی دلچسپی بڑھ

گئی تھی۔

”خوبصورت عورت کی تعریف نہ کرنا قلم ہے اور میں بہر حال قلم نہیں ہوں۔“

شراب کا گلاس دوسرے ہاتھ میں خنجر کرتے ہوئے اس نے زارا کی بات کا جواب دیا۔

”ایک دن میں کتنی عورتوں کو اس قلم سے بھارتے ہیں؟“ جہانگیر اس کی بات پر بے اختیار مسکرایا۔

”دن میں نہیں صرف رات کو۔۔۔ دن میں، میں آفس ہوتا ہوں۔ البتہ رات کو پارٹیز میں یہی کام کرتا ہوں۔“

جہانگیر معاذ اس رات پہلی بار زارا سے کراچی کے ایک ہوٹل میں ملا تھا۔ وہ وہاں ایک فیشن شو ایڈیٹر کے

آپا تھا اور زارا ماڈلز میں سے ایک تھی۔ شو کے بعد ڈنر کے دوران ایک دوست نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے

”خوبصورت عورتوں کیلئے ہر مصروفیت ختم کی جاسکتی ہے اور آپ خوبصورت ہیں۔“
اسے کپلیمنٹ سمجھوں؟

”میں tribute (خارج) دہ اس کی آکھوں میں آکھیں ڈال کر بڑی بے خوفی سے اسے دیکھتی رہی۔ مجھے لگا ہے، آپ سے میری بہت ادا دوستی ہو سکتی ہے۔“ وہ جیسے کسی نتیجہ پر پہنچی تھی۔

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے بعد آپ سے یہ کہوں کہ مجھے آپ کا کامیاب نمبر چاہیے۔“

چند لمحوں کے تاحل کے بعد ڈار نے اپنا پرس کھول کر اپنا نوٹ بردار ایئر میں اسے تھما دیا۔

ان کے درمیان ہونے والی یہ پہلی ملاقات آخری ثابت نہیں ہوئی۔ جیگرہ نے دوسرے دن ہی اسے فون کیا تھا اور پھر یہ سلسلہ آج بڑھتا گیا۔ زارا ستر کی دہائی کی ایک خاصی مشہور ڈانسی تھی۔ اس نے اپنا کیریئر ساتھ کی دہائی کے آخری چار سالوں میں شروع کیا اور اپنے بے باک انداز کی وجہ سے بہت جلد ہی وہ بہت مقبولیت اختیار کر گئی۔ گھراس کی طرح ماڈلز میں بہت سے نئے چہرے آہستہ آہستہ آنے شروع ہو گئے اور مقبولیت کی جس تیز رفتاری پر وہ ساتھ کی دہائی کے آخری سالوں میں جا کھڑی ہو گئی تھی۔ چند سالوں میں آہستہ آہستہ وہاں سے نیچے آئے گی۔ بنیادی طور پر اس کا تعلق ایک ایرانی فلمی سے تھا وہ بہت عرصے پہلے پاکستان آ کر سیٹل ہو گئی تھی وہ تین بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی اور ماڈلنگ کا آغاز اس نے صرف شوقیہ طور پر کیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس شعبے میں اس کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس کے والدین نے اس شعبہ میں آنے پر کئی اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ اس کی ماں خود بھی کسی زمانے میں ایک مشہور منکرہ ہو چکی تھی۔ جسکے اس کا باپ بھی بہت عرصہ اسٹیج کے ساتھ منسلک رہا تھا۔

ماؤنٹک کے شیشے میں آنے کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ اس سے بڑے دونوں بہن بھائی کی شادی ہو چکی تھی اور وہ دونوں ہی انگلینڈ میں تھے۔ ایسا طور پر اسے اس شعبہ سے منسلک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کے والدین اس کیلئے وراثت میں اچھا خاصا ترکہ چھوڑ گئے تھے اس کے زیادہ ورثہ دار امریکا اور یورپ میں سہیلہ تھے۔ پاکستان میں صرف چند ایک ہی تھیں وہ اپنا ورثہ دار کہہ سکتے تھے مگر وہ بھی بہت قریبی نہیں تھے۔ خود وہ اس حد تک اس داخل میں رہا جس تک کسی کو اس کیلئے پاکستان چھوڑ کر جانا آسان نہیں رہا تھا کیونکہ یہاں وہ اپنی ایک شایستگی بنا چکی تھی اور مقبولیت یا شہرت کا جزو سمجھنے کے بعد مکمل طور پر اس سے قطع تعلیق کرنا خاصا دشوار کام تھا۔ اس لیے زارا نہ صرف ایران یا اپنے بہن بھائی کے پاس نہیں گئی بلکہ وہ ماؤنٹک کے شعبہ کے ساتھ منسلک رہی۔

ابتدائی طوفانی قسم کی شہرت کے بعد آہستہ آہستہ اس کا چارواں وقت ختم ہونے لگا جب بہت سی دوسری لڑکیاں بھی اس شعبہ میں آگئیں اور ان کم عمر لڑکیوں نے نہ صرف اس کی مارکیٹ ویکلی کو اپنا جاسٹا سٹارٹ کیا بلکہ اس کی مقبولیت میں بھی کافی کمی ہوگئی کسی دوسری ماڈل کی طرح ڈپریشن یا فزیشن کا علاج ہونے کے بجائے زائرانہ حقیقت پسندی سے حقائق کو تسلیم کیا وہ جان بھی گئی کہ اب وہ زیادہ دیر کمرے کے سامنے نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنی

متعارف کرایا۔ ذرا کو بہلی کی نظر میں دو اچھا لگا خادماور اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے آغاز سے اس کی دلچسپی کو کچھ اور بڑھا دیا۔ جہاں تک ہانگیر کا تعلق تھا تو اسے ہر خصوصیت عورت میں دلچسپی پیدا ہو جاتی تھی اور ذرا کیلئے بھی اس نے لکھی اور دلچسپی محسوس کی تھی۔

”پارٹیز میں اس کے علاوہ اور کیا کرتے ہیں؟“ زار نے اس کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہی کرتا ہوں جو اس وقت کر رہا ہوں۔“

”اور اس وقت آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”آپ کا کیا خیال ہے اس وقت ہم کیا کر رہے ہیں؟“ جواب دینے کے بجائے اس نے ڈارے سوال کیا۔

”ہم باتیں کر رہے ہیں۔“

”آپ باتیں کر رہی ہوں گی۔ میں باتیں نہیں کر رہا۔“

”تو آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”میں رومانس کر رہا ہوں۔“ اس نے کمال احماد کو کہا۔ چند لمحوں کیلئے زارا اس کا چہرہ دیکھ کر روکنی پھر بے ساختہ ہنسی۔

”تو آپ رومانس کر رہے ہیں؟“

“بالکفر۔“

”ہر خوبصورت عورت سے رومانس کرتے ہیں؟“ اس بار زارا نے بڑے انداز سے کہا۔

”نہیں..... جن سے نہیں ملتا، ان سے نہیں کرتا۔“

وہ اس کی بات پر ایک بار پھر ہنسی۔

”آپ خاصی دلچسپ باتیں کرتے ہیں..... قادر سرور والوں کا sense of humour (مزاح) خاصا اچھا ہو گیا ہے۔“

”قارئین! سروس والوں کی اور بھی senses (حیات) خاص اچھی ہو گئی ہیں۔ صرف موقع ملنے کی بات ہے۔ اچھی مائلنگ کرتی ہیں آپ۔“ اس بار اس نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

”تھینک یو آپ اکثر فیشن شوز میں آتے ہیں؟“

اکثر تو نہیں مگر آتا جاتا رہتا ہوں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔

”دوبارہ ملاقات کیلئے کسی فیشن شو میں آنے ضروری نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں مجھ سے مل سکتی ہیں۔۔۔۔۔ یہ میرا کارڈ ہے۔“

زارانے اس کا کارڈ پکڑ لیا۔

”آپ تو خامسے معروف رہتے ہوں گے پھر کسی سے ملنا خامسا مشکل ہوتا ہو گا۔“ زار نے کارڈ کا جائزہ

پرفیشنل اور گھبر کر لائف کے انتظام پر کھڑی تھی اور اب اسے کیا کرنا تھا۔ شادی کر کے اس کی فیملی سے الگ ہو جانا تھا اور جن دنوں جہانگیر معاذ سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ان دنوں وہ شادی کے بارے میں نہ صرف فیصلہ کر چکی تھی بلکہ شہسار مردوں کو اس مسئلے میں جانچ اور پرکھ بھی رہی تھی۔

جہانگیر معاذ کو بھی اس نے ان ہی نظروں سے دیکھا تھا جبکہ خود جہانگیر معاذ کے نزدیک اس رات اس سے ہونے والی ملاقات بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اس نے زارا مسعود کو بھی ان بہت سی دوسری عورتوں کی طرح ہی لیا تھا جس سے اس کی دوستی تھی اور جنہیں وہ دقت گزاری کیلئے استعمال کیا کرتا تھا۔ فاران سروس میں آنے کے بعد ابھی وہ فاران آفس میں کام کر رہا تھا اور اپنی پہلی باقاعدہ ہوسٹنگ کا ہفتہ رواں سال کا نوجوان، وینڈم اور ایک بہت اونچے خاندان سے تعلق رکھنے والا یہ آفیسر اپنی ساری خوبیوں اور خامیوں سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اپنے ہتھیاروں کو بروقت اور پوری مہارت سے استعمال کرنے میں بھی ماہر تھا۔ اپنے لیے اوڑھنا پھیرنے کے آغاز پر ہی وہ ایسا سرکس میں اداوار ہوتا شروع ہو گیا تھا جس میں اداوار ہونے کیلئے خاصے دل گرہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیروان ملک تعلیم حاصل کرنے کے دوران اقدار کا جو نیا سیٹ اپ اس نے اپنے لیے منتخب کیا تھا۔ فاران سروس میں آنے کے بعد اس نے ان پر باقاعدہ طور پر عملدرآمد شروع کر دیا تھا۔ اس کے نزدیک کوئی بھی چیز اس کے کیریئر سے بڑھ کر نہیں تھی نہ کوئی خونی رشتہ اسے جذباتی کرتا تھا اور نہ ہی دنیا میں کوئی دوسری ایسی چیز تھی جس کے بغیر وہ نہ نسا ہو..... سوائے روپے کے۔

جہانگیر معاذ کے نزدیک زندگی ایک بہت ہی Rational اور منطقی چیز تھی جس میں اس کا سیاب ہونے کی خواہش رکھنے والوں کیلئے بھی وہ خصوصیات کا اپنے اندر رکھنا ضروری تھا اس کے نزدیک اخلاقیات کی ادنیٰ اقدار تھیں جو اس نے اپنی زندگی کیلئے منتخب کر لی تھیں۔ وہ کسی بھی کام کو اس کے اچھے یا بُرے ہونے کی بنیاد پر نہیں کرتا تھا۔ وہ ہر کام کو کرتے ہوئے دیکھتا تھا کہ وہ کام اس کیلئے کتنا فائدہ مند یا نقصان دہ ہے اور وہ ان اقدار کو اپنانے والا واحد شخص نہیں تھا۔ جس سوشل سرکل میں وہ مود کرتا تھا وہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جہاں وہ کام کرتا تھا۔ وہاں کے لوگوں کا code of ethics (اصول اخلاقیات) بھی اس سے ملتا جلتا تھا اور اس کے اپنے خاندان میں اس کے بڑے بھائی ان ہی اصولوں اور نظریات پر عمل پیرا تھے جنہیں اب وہ اپنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کے باپ معاذ حیدر کی غلافی کہیں بہت پیچھے رہ چکی تھی۔ اپنے بھائیوں کی طرح وہ بھی سچی محسوس کرتا تھا کہ اس کے باپ کی غلافی بہت آؤٹ ڈیٹ تھی جس کو اپنانے والا شخص اس دنیا میں چل سکتا جس میں جہانگیر معاذ اور اس کے بھائی نہ سچے۔

وہ ڈرنک کرتا تھا۔ اس کی بہت سے گرل فرینڈز تھیں۔ اپنی جاب سے روپے بنانے کو کوئی موقع نہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتا تھا اور وہ بہت زیادہ ambitious تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے بھائیوں سے زیادہ کامیابیاں حاصل کرنا چاہتا تھا۔

زارا مسعود کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات کے بعد اس نے ہمیشہ کی طرح زارا سے میل جول بڑھانا

شروع کر دیا تھا۔ فاران سروس کے ساتھ شملک اکثر لوگوں کی طرح اسے بھی میڈیا سے متعلقہ لڑکیاں خاصی اڑھیکٹ کرتی تھیں چاہے وہ ایکٹرز ہوں یا پھر ماڈلز۔ ڈانوں طور پر بھی وہ ایسی عورتوں کو بہت پسند کرتا تھا جو بہت آؤڈیاں، بے خوف اور سبے باگ ہوں اور زارا بھی ایسی ہی ایک عورت تھی۔ مگر زارا کے ساتھ دوستی ہونے کے بعد اسے احساس ہوا شروع ہوا تھا کہ ان میں ان چیزوں کے علاوہ کوئی خاص شش بھی ہے جو مردوں کو خاص طور پر فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اس نے پارٹیز میں بہت بڑے لوگوں کو اس کے سامنے بچھے دیکھا تھا اس کے ساتھ پارٹیز میں شرکت کرتے وقت وہ بڑی خاموشی سے سب کچھ دیکھتا جاتا تھا اور یہ سب کچھ ایک لمحے عرصہ تک چٹا رہا۔

یہاں تک کہ اس کی ہوسٹنگ ہوئی لیکن باہر جانے سے پہلے اس نے زارا کو پر پوز کر دیا تھا۔ زارا نے کسی لنگھاہٹ کے بغیر یہ پر پوز قبول کر لیا، وہ جہانگیر کی طرف اسے متعلقہ کیلئے ہوشی تھی مگر اسے حیرت ہوئی تھی وہ اس بات سے بھی واقف تھی وہ انتہائی ضدی ہے یہ بات بھی اس کی نظروں سے چھپی نہیں رہی تھی مگر وہ یہ بات نہیں جان سکی تھی کہ اس کے نزدیک رشتے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

جہانگیر نے اپنے گھر والوں کو جب اپنی ہند سے آگاہ کیا تو گھر میں دیا ہی پگھلا اٹھا تھا جیسا اس کے بڑے بھائیوں کی اپنی ہند سے جانے والی شادیوں پر اٹھا تھا۔

”تم نے اپنے بھائیوں کی زندگی سے واقعی کتنی سبق حاصل نہیں کیا اور نہ تم کسی طرح ایک ماڈل کو بیوی بنانے کی خواہش نہ کرتے۔“ معاذ حیدر نے اس سے کہا تھا۔

”زارا ابھی لڑکی ہے اور وہ ایسے بھی شادی کے بعد ڈانگ چھوڑ رہی ہے۔“

”تم کو ایک بہت اچھی بیوی کی ضرورت ہے اور زارا دیکھی بیوی ثابت نہیں ہو سکتی۔ تم واقعی پائلڈ لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ کسی بھی تم دنوں کے درمیان اختلافات ہونے تو وہ تمہیں بڑی بے وفائی کے ساتھ چھوڑ کر چلی جائے گی جبکہ تمہیں ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو ہر حال میں تمہارے ساتھ رہ سکے۔ تمہارے ساتھ ہونا کرنا کسی بھی عورت کیلئے بہت مشکل ہو گا مگر زارا جیسی لڑکیاں تمہارے جیسے مردوں کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتیں۔ تمہیں ایک خاندانی لڑکی کی ضرورت ہے۔“

”تمہیں میں کسی خاندانی لڑکی کے ساتھ گزار نہیں کر سکتا۔ زارا جیسی لڑکی کی ضرورت ہے جو میرے ساتھ قدم سے قدم لگا کر چل سکے۔ آپ اس شادی کی اجازت دیں گے تب بھی اور نہیں دیں گے تب بھی، مجھے شادی سے زارا سے ہی کرنی ہے۔“

باپ کے لیے بچہ بچہ کے بعد اس نے بڑے سکون سے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔

معاذ حیدر نے اس کے بعد اس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اسے شادی کی اجازت دے

دی۔ باہر جانے سے پہلے بہت دھوم دھام سے اس نے زارا کے ساتھ شادی کر لی۔

زارا نے خود بیوی نہیں چھوڑ دیا تھا۔ وہ عمر میں جہانگیر سے دو سال بڑی تھی مگر جہانگیر کے قد و قامت کی وجہ سے یہ فرق کسی نمایاں نہیں ہوا۔ جہانگیر سے شادی پر وہ بے حد خوش تھی۔ شادی کی تقریبات میں جہانگیر کے والدین کی

”کرتے ہوں مگر گورنمنٹ کے اپنے بہت سے لوگ بھی سفیر صاحب کے ذریعے سے اپنے بہت سے کام کر دیتے رہتے ہیں، اسی لیے ایسی ساری انفارمیشن دہادی جاتی ہے ویسے بھی سفیر کے بھائی کیسٹ بیکٹری ہیں۔ ان کے سیمبر جہز مل جاتے ہیں۔ ایک سالہ صدر کا پرنٹنگول آفیسر ہے دوسرا انٹریٹر فٹری میں ہے باقی رشتہ داروں کو کونسا شروع کر دوں گا تو ہم فنکشن میں نہیں جانا پائیں گے۔ اس لیے انہیں کوئی بھی چیک نہیں کر سکتا وہ جو چاہتے ہیں آزادانہ طریقے سے کر رہے ہیں اور باقی بھی سب ایسی ہی جی بیکر کر رہے ہیں۔“

زارا کی دلچسپی ختم ہوئی تھی۔

اسے ایک بار پھر اپنے سکارے کی فکر ہونے لگی تھی۔ ”ٹھیک ہے تم خرید لو ہو۔“ اس نے جیسے جہانگیر کو گرین سیٹل دیا۔

”میں اسی لیے تمہیں اس شخص سے ملوانا چاہتا ہوں۔ یہ شخص خاما درمیک ہے۔ میں چاہتا ہوں تم اس سے تعلقات بڑھاؤ اور پھر اس سے کوکر یہ ہوئی مجھے درخت کرے اور نہتا کم قیمت پر۔“

زارا نے بے یقینی سے مرکز جہانگیر کو دیکھا تھا۔

”میں کبھی نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”انہی مشکل باتیں ہیں۔ تم اتنی خوبصورت ہو۔ تمہیں مردوں کو چارم کرنا آتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس آدمی سے پہلی بار اپنے بھتیجاؤں کا استعمال کرو، مجھے یقین ہے کہ تمہارے سامنے یہ مزاحمت نہیں کر سکتے گا۔ پھر وہ ہوئی مجھے مل جائے گا۔“

اس بار اس نے پہلے سے بھی صاف اور واضح نظموں میں اپنی بات دہرا دی۔ زارا کیلئے مردوں کو بھجوانا اور بھجوانا ہی بات نہیں تھی وہ ایک ایسے ہی پردہ نشین سے منسلک رہی تھی جس میں بہت سی ایڈورٹائزنگ انجینئرز اپنے کلائنٹس سے خاص طور پر اسے ملوانے رہی تھیں تاکہ وہ ان انجینئرز کیلئے پرنس حاصل کر سکے اور بدلے میں وہ انجینئرز اپنے اشتہارات میں صرف اسے ہی لکھیں۔ اسے بھی یہ سب برا بھی نہیں لگا کیونکہ وہ جانتی تھی یہ اس پردہ نشین کی ضرورت تھی اور ڈاننگ کے شعبے سے منسلک ہر لڑکی یہی کرتی تھی اگر وہ یہ نہ کرتی تو شہرت اور مقبولیت کی اس بڑی پرکھی نہ پہنچتی جہاں وہ پہنچ گئی تھی۔ مگر یہ سب اس کے پردہ نشین کا حصہ تھا اور وہ اس پردہ نشین کو چھوڑ چکی تھی۔ اب ذاتی زندگی میں وہی سب کچھ کرنا اور پھر شہر سے کہنے پر کھڑا تھا؟

”تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہے ہو جہانگیر؟“ اس نے اپنے نظموں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”اچھی طرح۔ مگر ہم لوگ جس سوسائٹی میں ہیں وہاں آگے بڑھنے کیلئے یہ سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے اور میرا خیال ہے۔ اس میں کوئی بری بات نہیں۔ ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ ترقی کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے۔ وہ مطمئن تھا۔

”مگر یہ مناسب نہیں ہے۔“

”کم کم زارا کم از کم تم تو یہ بات نہ کرو۔ یہ سب کچھ تمہارے لیے تو جانتی ہیں۔“

ناپسندیدگی بھی اس سے چھپی نہیں رہی تھی مگر اسے اس بات پر اعتراض نہیں ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ جہانگیر کے بجائے کوئی بھی دوسری خلیج بھی اپنے بیٹے کی ایک اڈل گول سے شادی کرنے پر اسی طرح اعتراض کرتی مگر وہ مطمئن تھی کہ شوہر کو چھوڑنے کے بعد آہستہ آہستہ جہانگیر کی خلیج اسے قبول کرے گی۔

شادی کے بعد وہ جہانگیر کے ساتھ اگلینڈ چلی آئی تھی جہانگیر یہاں آنے کے بعد اپنی جاب میں مصروف ہو گیا تھا۔ لندن میں جہانگیر کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں مگر اس کے باوجود تفریح کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ وہ زارا کے ساتھ ان تقریبات میں جاتا رہتا جس میں اسے مدعو کیا جاتا زارا کو کراچی اور یہاں کی زندگی میں زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہاں بھی اسی طرح ہر رات کسی نہ کسی تقریب میں شرکت کرتی رہتی اور یہاں بھی وہ کوئی شام بے کار نہیں گزارتی تھی بس فرق یہ تھا کہ وہاں وہ اپنے حوالے سے جاتی جاتی تھی اور یہاں وہ جہانگیر کے حوالے سے اور اسے جہانگیر کے حوالے سے جانے جانا زیادہ اچھا لگتا تھا۔

اس شام بھی وہ جہانگیر کے ساتھ پاکستانیوں کی طرف سے آرگنائز کی جاتے والی تقریب میں شریک ہونے کیلئے تیار ہو رہی تھی جب جہانگیر نے اس سے کہا۔

”آج اس پادلی میں میں تمہیں ایک آدمی سے ملوانا گا۔ سعید بھائی..... ہوئی انٹرنیٹ میں بہت بڑا نام ہے نہ صرف پاکستان میں بلکہ امریکہ میں بھی بہت سی ایٹنٹس میں ہوئی چلا رہا ہے۔ یہی امریکن ہے اس وجہ سے یہاں کی پٹنٹی بھی ہے اس کے پاس۔“

زارا نے کسی دلچسپی کے بغیر اس شخص کا تعارف سنا تھا وہ اس وقت سکارا لنگے میں مصروف تھی۔

”میں اس آدمی کا ایک ہوئی خریدنا چاہتا ہوں جو یہ کچھ مرمیک بیچنے والا ہے۔“

زارا کا ہاتھ رک گیا۔ ”جہانگیر اتم ہوئی خریدنا چاہتے ہو؟“

”تم جاب چھوڑ رہے ہو؟“

”نہیں۔“

”تو پھر ہوئی؟“

”سائڈ پرنس کے طور پر۔“

”مگر تمہیں تو جاب کے علاوہ کچھ اور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“ وہ کچھ ابھی۔

”ہاں، صرف مجھے یہ نہیں کسی کو بھی جاب کے علاوہ کچھ اور کرنے کی اجازت نہیں ہوتی مگر یہ کرتے ہیں۔ کیا تم یہ جانتی ہو کہ ہمارے سفیر وال انٹرنیٹ میں سٹیز کی خرید و فروخت میں ملوث ہیں بلکہ صرف موجودہ سفیر نہیں ہر آنے والا یہاں آکر بھی کرتا ہے اور موجودہ سفیر تو آپسی کے فنڈ کو بھی ناجائز طور پر اس کام کیلئے استعمال کرتے ہیں۔“ وہ بڑے سر سے ٹائی کی ٹانگ لگاتے ہوئے تیار تھا۔

”مگر یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ یہاں آپسی میں جو انجینئرز کے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ گورنمنٹ کو ایسی چیزوں کے بارے میں انعام نہیں کرتے۔“

وہ اب اسے خائف بنا رہا تھا۔

”زندگی میں بہت کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یقیناً تم بھی بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی ہوگی۔“

وہ اس سے کہہ نہیں سکی کہ وہ ایک محلوں پر اور بچوں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔ کم از کم زندگی کے اس حصے میں۔ وہ پرانا جا رہا تھا۔

”اب سن چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے دولت ضروری ہے۔ اب دولت کیے حاصل کی جاسکتی ہے یہ نہیں پانا کرنا ہے۔ انسان کے ہاتھ میں پاور ہو تو پھر دولت کا حصول مشکل نہیں ہوتا اور میں بھی اپنی اسی پاور کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ اپنی بوری تھی۔

جہانگیر مذاق کی شخصیت کا ایک اور پہلو اس کے سامنے آ رہا تھا۔

”سعید سبانی سے ملنے والا وہ ہوش آئندہ چند سالوں میں کتنی بابت کا ہو جائے گا اس کا شاید تم اندازہ بھی نہ کر سکو۔ فیصل اس ہوش کو ایک دوسری جگہ کرنے والی اویسٹس کی وجہ سے پیچھے پر مجبور ہے اور میں چاہتا ہوں اس فیصل کی کڑوری کا فائدہ اٹھاؤں اور تم یہ کام بخوبی کر سکتی ہو۔“ وہ اب مسکراتے ہوئے زارا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا نہیں سکی۔

مگر اس نے وہی کیا تھا جو جہانگیر چاہتا تھا جہانگیر نے سعید سبانی سے اس کی ملاقات کرادی تھی اور زارا نے اپنی خوبصورتی کا بھرپور استعمال کیا تھا۔ اگلے ہی دن سعید سبانی کے ساتھ اس کی ملاقاتیں جاری رہیں۔ ملاقاتیں کسی کس حد کو پار کرتی رہیں۔ جہانگیر اس سے بے خبر نہیں تھا مگر زارا کو اس اطمینان پر حیرت ہوئی، وہ صرف اس بات پر خوش تھا کہ سعید سبانی بالآخر یہ ہوش جہانگیر کو پیچھے پر تیار ہو گیا بلکہ مارکیٹ پر اس سے کم پر اس پر جہانگیر کے پاس اس ہوش کو خریدنے کیلئے دوپٹے کہاں سے آیا تھا وہ بھی نہیں جانتی تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ یہ روپیہ وہ اپنی نگاہ میں سے جاسکتا تھا نہ ہی اس نے کسی سے قرض لیا تھا۔

سعید سبانی کے ساتھ جس دن اس نے اس ہوش کا سودا کیا تھا اور امریکہ میں رہائش پر اپنے ایک دوست سے نام پر وہ دو جائیداد خریدی تھی۔ اس دن اس نے زارا کو بیرون کا ایک قیمتی ہارنگھ کے طور پر دیا تھا۔ زارا کو پہلی بار اس کا کوئی تھنہ نہ خوش نہیں ہوئی۔ وہ جانتی تھی یہ تھنہ نہیں قیمت ہے اس کام کی جو اس نے جہانگیر کیلئے کیا تھا اور جو اب اسے بار بار کرنا پڑے گا۔

اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ وہ ہوش صرف پہلا قدم تھا اور پہلا قدم اٹھانے کے بعد جہانگیر معاذ کو روکنا بہت مشکل تھا زارا لندن کی تقریبات کا ایک بہت مقبول نام بن گئی تھی ایسا نام جس کے بارے میں صرف اچھی باتیں ہی نہیں اور بھی بہت کچھ کہا جاتا تھا۔

جہانگیر کا اس کے بارے میں اندازہ بالکل ٹھیک تھا، وہ واقعی غیر معمولی کشش رکھتی تھی اور بہت جلد اس نے سفارت خانے کے تمام آفیسرز کی بیویوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا مگر وہ اس سب سے بہت خوش نہیں تھی جہانگیر نے

”تم جس پر دوشیں سے منسلک رہی ہو، کیا تم یہ سب کچھ نہیں کرتی رہیں۔“ زارا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”میں وہ پر دوشیں چھوڑ چکی ہوں۔“

”لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب تم میرے لیے وہی کرو جو تم پہلے اپنے لیے کرتی تھیں۔ اگر تمہاری وجہ سے مجھے کچھ فائدہ پہنچ جائے تو اس میں برا کیا ہے۔“

وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

”مگر تم یہ سب کرنے والی ایکلی نہیں ہو، تم سفیر کی بیوی کو دیکھو، مجھے رشک آتا ہے اس بندے کی قسمت پر۔ وہ الو صرف بیوی کا وجہ سے اتنے بڑے ہاتھ مار رہا ہے اور وہ بھی کامیابی کے ساتھ بیورو کرکس میں کامیابی کا آدھا انحصار بیوی پر ہوتا ہے جس کی بیوی کتنی زیادہ خوبصورت اور سوشل ہوگی، وہ اتنی ہی جلدی کامیابی کی میز میاں چڑھتا جائے گا۔“

وہ ڈاؤن پیسڈ کی سے اس کی غلائی نہ رہی تھی۔

”تم یہ شادی کی بنیاد ہی جیت چکی تھی کہ تم میں ایک غیر معمولی چارم تھا۔ میں تو خیر برعورت کو دیکھ کر اس پر فدا ہو جاتا ہوں مگر تمہارے سامنے میں نے ایسے مردوں کو بھی پیچھے ہونے دیکھا جو عورتوں سے خاصا پیچھے کی کوشش کرتے ہیں۔“

”تو یہ محبت نہیں تھی؟“ زارا کو پتا نہیں کیوں اس کی بات سے تکلیف پہنچی۔

”تم اور میں جس عمر میں ہیں، اس میں ٹین اڈجسٹڈ والی اعتقاد ہم کی خوشی تو نہیں ہو سکتیں۔ اس عمر میں بندہ بہت سوچ کچھ کرکتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ محبت کے بدلے میں اسے کیا مل سکا ہے اور پھر یہ کوئی فیصلہ کرتا ہے۔“ وہ اب اسے لہجہ دے رہا تھا۔

”اب دیکھو نا۔ تم نے بھی تو مجھ سے محبت کرتے ہوئے بہت کچھ دیکھا ہوگا۔“ وہ اب اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔ ”یہ دیکھا ہوگا کہ میرا کیرئیر کیا ہے۔ میں کس جہلی سے تعلق رکھتا ہوں۔ دیکھنے میں کیسا ہوں۔ میرا ایشیاس کیا ہے۔ میرے ساتھ تمہاری زندگی کتنی گزرے گی۔ میں جنہیں کتنی کوری دے سکتا ہوں۔ کیسا مستقبل دے سکتا ہوں۔“

زارا کا چہرہ زرد ہو گیا۔

”اسی طرح میں نے بھی کچھ چیزیں دیکھی تھیں۔ تم خوبصورت تھیں مشہور تھیں۔ جنہیں مردوں کو پھنسل کرنا آتا تھا اور مجھے لکھی لکھی بیوی چاہی تھی کیونکہ جن پر دوشیں سے میں تعلق رکھتا ہوں وہاں ایسی ہی بیوی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب محبت کا جہاں تک تعلق ہے تو ظاہر ہے محبت بھی ہے۔ آخر میں نے شادی کی ہے تم سے دیکھے میں بھی جو کچھ حاصل کر چاہ رہا ہوں۔ یہ تم دونوں کیلئے ہی ہے، کیا تم نہیں چاہتے کہ ہمارے پاس اس جاب سے حاصل ہونے والی مراعات کے علاوہ بھی کچھ ہو۔ آخر اس جاب کے بل بوتے پر تو ہم زندگی کو انجوائے نہیں کر سکتے۔ میرا اور تمہارا بالکل ٹھکانا اس کے وہ اس نگاہ میں تو maintain تو نہیں کیا جاسکتا۔ نگاہ تو وہ دن میں ختم ہو جائے گی پھر مینے کے اٹھائیں دن تم اور میں کیا کریں گے۔“

شادی کرتے وقت اس نے ایسی زندگی گزارنے کا خواب نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایشیاس بھی برتر رکھنا چاہتی تھی۔ اسے جہانگیر سے دلچسپی بھی اس کے کیرئیر پر غلطی کی وجہ سے ہوئی تھی مگر اس کے باوجود ان کی چیزوں کی جو قیمت اسے ادا کرنی پڑی تھی وہ بہت زیادہ تھی۔

وہ بنیادی طور پر اس چمک دک سے بیزار ہو چکی تھی اور عمر کی پیدائش ان چیزوں سے نجات کی ایک کوشش تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بچے کی پیدائش جہانگیر کو بدل دے گی، جہانگیر کی پیچھے کیلئے ہوس میں کی آجائے گی یا کم از کم وہ پیچھے سے حصول کیلئے اسے استعمال کرنا چھوڑے گا۔

مگر اس کا اندازہ غلط تھا۔ جہانگیر بے چارے پر کردہ امید سے بے۔ بہت مشتعل ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے کیرئیر کی اس اونچ پر پہنچے ہیں کسی کمیصبت یا نا انہیں جانتا تھا مگر زارم کم اس معاملے پر اس کے دباؤ میں نہیں آئی تھی۔ جہانگیر کی دھمکیوں کے باوجود اس نے اپارٹ نہیں کروایا تھا اور بالآخر جہانگیر کی اس ضد کے سامنے ہلنے پھرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

عمر کی پیدائش پر زارم بے حد خوش تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اب جہانگیر اسے پہلے کی طرح استعمال نہیں کرے گا اور وہ مطمئن ہو کر اس طرح اپنے بچے کی پرورش کر سکے گی جیسا وہ چاہتی تھی۔ عمر کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد تک وہ واقعی بہت اطمینان اور سکون کے ساتھ تقریباً تفریق میں شرکت کیے بغیر زندگی گزارتی رہی مگر جہانگیر آہستہ آہستہ ایک بار پھر اسے دیکھ لے آیا تھا اور پہلی بار زارم کو اندازہ ہوا کہ عمر جہانگیر کے بیروں کی ذخیرہ نہیں بنا خود اس کے بیروں کی ذخیرہ بن گیا تھا۔

فطری طور پر وہ عمر کے بہت قریب تھی اور جہانگیر کے ساتھ تقریبات میں جاتے ہوئے وہ سارا وقت اس کے بارے میں فکر مند رہتی۔ جہانگیر نے اس کی پیدائش کے فوراً بعد ہی عمر کو کوشش کے سپرد کر دیا تھا اور زارم کے لاکھ احتجاج کے باوجود وہ اسے ہٹانے پر تیار نہیں ہوا۔

اگلے کچھ سال زارم نے شدید بے چین میں گزارے تھے۔ وہ مکمل طور پر اس زندگی سے تنگ آ چکی تھی جو وہ جہانگیر کے ساتھ گزار رہی تھی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ عمر کے ساتھ وہ زندگی گزارنے میں ناکام رہتی تھی اور یہ بات اس کے ذہن میں اور اضافہ کرتی تھی۔

شاید وہ اس سب کے ساتھ کسی نہ کسی طرح سمجھتا کرتے ہوئے زندگی گزارتی رہتی مگر جس چیز نے اسے مشتعل کر دیا تھا وہ جہانگیر کی ایک دوسری صورت میں لی جانے والی دلچسپی تھی۔ زارم کچھ عرصہ تک یہ سب نظر انداز کرتی رہی کہ ساتھ گزارے جانے والے دن سالوں میں اس نے جہانگیر کی زندگی میں بہت سی عورتیں آئی اور جاتی دیکھی تھیں اور وہ ان کے بارے میں فکر مند نہیں ہوتی تھی مگر شرمین نام کی وہ لڑکی جہانگیر کی زندگی میں جس حد تک شامل ہو چکی تھی اس کا اندازہ اسے بھی نہیں ہوا۔ جہانگیر نے اسے مکمل طور پر شرمین سے بے خبر رکھا تھا۔ وہ ایک ریٹائرڈ بیوروکریٹ کی بیٹی تھی۔ جہانگیر کے ساتھ اس کی ملاقات کب اور کہاں ہوئی۔ زارم انہیں جانتی تھی مگر جب اسے شرمین کے وجود کا پتا چلا تھا تو زندگی میں پہلی بار وہ اپنی شادی کے اس فیصلے کے بارے میں شبہ کی سے سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اس کے پاس اب ایک دوسرا راستہ تھا۔ جہانگیر کے ساتھ لانے بھڑلانے کے بجائے اس نے اپنے بھائی کے پاس جانے کے بعد جہانگیر سے طلاق کیلئے مقدمہ کر دیا تھا۔ جہانگیر کیلئے یہ ایک بہت بڑا جھٹکا تھا اس کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اگر اب بھی اس سے طلاق مانگ سکی ہے وہ خود بھی شرمین کی محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود زارم کو طلاق نہیں دینا چاہتا تھا۔ زارم اس سالوں میں صحیح معنوں میں سونے کی چڑیا ثابت ہوئی تھی اور شاید اگلے کئی سال وہ اس کیلئے اپنی ہی ناکامیوں سے متاثر ہو جیسا کہ شرمین کی خصوصیت ہونے کے ساتھ ساتھ کم عمری اور جہانگیر جانتا تھا کہ وہ زارم کی طرح مردوں کو بھانپ نہیں سکتی۔

اس نے زارم سے رابطہ کیا تھا مگر وہ کسی بھی صورت واپس آنے پر تیار نہیں تھی۔ ”میں دوسری شادی کرنا چاہتی ہوں۔ تم بھی دوسری شادی کر لو مگر بد وقتوں خوش رہیں گے۔“

وہ اس کے الفاظ پر دنگ رہ گیا تھا۔ اس کے بعد جتنی دفعہ بھی اس نے زارم سے رابطہ کیا تھا اس کی زبان پر یہی سب کچھ تھا۔ وہ عمر کو اپنی کھڑی میں لینا چاہتی تھی مگر جہانگیر کے ساتھ کسی سمجھوتے پر تیار نہیں تھی۔ جہانگیر کو اس کی ضد نے مشتعل کر دیا تھا۔

”تمہیک ہے تم طلاق لے لو مگر عمر کو میں کسی بھی صورت چھپیں نہیں دوں گا۔“ اس نے زارم سے کہا تھا۔ طلاق کے بعد زارم نے اپنے بھائی کے ایک بڑی عمر کے ایرانی دوست کے ساتھ شادی کر لی تھی اور یہ شادی بے حد کامیاب رہی تھی۔ اس کے دوسرے شوہر کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ زارم سے شادی کے بعد ان کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ لندن میں سہلے تھی اور بہت پرسکون زندگی گزار رہی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کبھی عمر کو فراموش نہیں کیا۔ جہانگیر نے عمر کو ایک بورڈنگ میں داخل کر دیا اور زارم کو کوشش کے باوجود عمر سے ملنے یا اسے دیکھنے میں ناکام رہی مگر اس سب کے باوجود وہ کتا تھا۔ یہ کچھ نہ کچھ بھولتی رہتی جو زیادہ تر جہانگیر کے ہاتھ لگتا اور وہ اسے ضائع کر دیتا۔

جہانگیر نے اسے طلاق دینے کے کچھ عرصہ بعد ہی شرمین سے شادی کر لی تھی اور شرمین کو کوشش کے باوجود وہ زارم کی طرح استعمال نہیں کر سکا۔ وہ صرف ایک اچھی بیوی اور ماں بنی ہوئی تھی۔ عمر کے ساتھ اس کے تعلقات سرد رہے نہ بہت خوشگوار اس کی بیٹی بھی کمر بے حد بڑھ چکی تھی۔

انہی تعلیم مکمل کرنے کے دوران اور بعد میں الگینڈ میں جاب کے دوران بہت دفعہ زارم نے عمر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر عمر نے کبھی بھی اس سے جوابی رابطہ نہیں کیا وہ ماں سے محبت کرنے کے باوجود بچپن سے باپ کے دباؤ پر ماں سے ملنے سے انکار کرتا رہا تھی کہ کورٹ میں کھڑی کیس کے دوران بھی اس نے ماں سے ملنے سے انکار کر دیا۔ بچپن میں چند بار ماں کی طرف سے ملنے والے کچھ تنازع اور کارڈ وصول کرنے کے بعد جہانگیر کی طرف سے اٹھایا جانے والا ہنگامہ اسے ہمیشہ یاد اور اچھا اور غیر محسوس طریقے سے وہ اس ہنگامہ سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔

رات لو بجے تک بھی کھر کھر پھر کر کام کیا۔ اب آپ سمجھ دیجئے سکتے ہیں یہ اسکول اس علاقے میں چلنے والا واحد اسکول نہیں ہے آپ یہاں جس گاؤں میں بھی جائیں گے۔ آپ کو اس طرح کا کوئی نہ کوئی اسکول کام کرنا ضرور ملے گا اور صرف اسکول ہی نہیں ہوگا بلکہ وہاں بچوں کی اچھی خاصی تعداد تعلیم حاصل کرتی بھی پائی جائے گی۔ لچسپ بات یہ ہے کہ اب ان اسکولوں کو قائم کرنے میں بنیادی ہاتھ یہاں کے لوگوں کا ہو گیا ہے۔ وہ خود ہی اس کیلئے مہارت اور دوسری چیزوں کا انتظام کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ ہمیں سمجھنے کیلئے بھی بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑتی کچھ گاؤں میں ایسا بھی ہوا کہ ایک اسکول میں جب بچوں کی تعداد زیادہ ہونے لگی تو گاؤں والوں نے خود ہم سے ایک دوسرے اسکول بننے کی قیام میں مدد کی درخواست کی۔

گروپ میں موجود بچی بھی اس طرح ہم بخود اس شخص کی باتوں کو سن رہے تھے۔

”تو ہم بنیادی طور پر جس چیز کو کرنے میں کامیاب ہوئے وہ لوگوں کی سوچ میں تبدیلی تھی۔ اس وقت 95ء ہے ہمارا اندازہ ہے کہ 2000ء تک ہم اس علاقے میں لڑکیں کا تناسب بہت زیادہ کر دیں گے۔ 95ء سے 2000ء تک کے ان پانچ سالوں میں ہم اس علاقے کے لوگوں کی سوچ میں مزید تبدیلیاں لائیں گے اور شاید پانچ سال بعد اس علاقے کو دیکھ کر آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ کبھی یہ علاقہ اپنی ناخواندگی کی وجہ سے مشہور تھا۔

تعلیم کے علاوہ یہاں آمدنی کے ذرائع بڑھانے کیلئے ہم نے ان فیکٹریز سے رابطے کیے جو یہاں سے کھروں میں ملے ہوئے فٹ بال تھکواتی تھیں۔ یہاں عورتوں کیلئے یہ فیکٹریں ہوتا تھا کہ وہ ان فیکٹریز میں جا کر وہاں فٹ بال تھکواتی تھیں اور اس طرح کچھ بہتر معاوضہ حاصل کریں، لیکن ہم نے ان فیکٹریز کو مجبور کیا کہ وہ ان علاقوں میں اپنے فیکٹریز قائم کریں جہاں یہ عورتیں کام کریں اور اس طرح نہ صرف اچھا معاوضہ حاصل کر سکتی ہیں بلکہ انہیں اپنے گھر سے بہت دور بھی نہیں جانا پڑے گا۔ شروع میں اس کام میں بھی ہمیں بہت پر اہم ہوا کیونکہ زیادہ تر علاقے بارڈر ایریاز ہیں اور فیکٹریز یہاں اپنے فیکٹریز قائم کرنے کو تیار نہیں تھیں کیونکہ بارڈر ایریاز پر فیکٹریز کے زمانے میں نہ صرف یہ علاقے خالی کر دیے جاتے بلکہ ان فیکٹریز کو بھی بند کرنا پڑتا لیکن پھر آہستہ آہستہ کچھ بڑی فیکٹریز نے ہم لوگوں کے دباؤ کے تحت یہاں فیکٹریز قائم کیے۔“



چند گھنٹوں کے بعد وہ این جی او کے کچھ لوگوں کے ساتھ سیالکوٹ کے ایک قریبی گاؤں میں تھے۔ گاؤں میں سید سہا اس جہلی میں گئے تھے۔ جہاں ان کے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کچھ دیوان لوگوں نے وہاں آرام کیا اس کے بعد ان لوگوں کو این جی او کے ذریعہ انتظام چلنے والے ایک اسکول میں لے جایا گیا۔

ظہرہ کو وہاں موجود بچوں کی تعداد دیکھ کر بہت حیرت ہوئی تھی۔ وہ اسکول گاؤں کے ہی ایک شخص کے گھر میں قائم کیا گیا تھا۔ جہاں اس شخص کی بیٹی دو فٹنوں میں بچوں کو تعلیم دیتی تھی۔

”اس گاؤں میں چند سال پہلے تک گورنمنٹ کی طرف سے قائم شدہ ایک اسکول بھی تھا۔ ایک دفعہ سیلاب کے دوران اسکول کی چار کمروں پر مشکل مہارت بہہ گئی۔ بعد میں گورنمنٹ نے دوبارہ اسکول قائم کرنے کی دھم دینے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسکول آنے والے بچوں کی تعداد بہت کم تھی۔ گورنمنٹ کا خیال تھا کہ قریبی گاؤں میں موجود اسکول بھی دونوں گاؤں کی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔“

ان لوگوں کے گروپ کے ساتھ چلنے والے گاؤں نے ساتھ چلنے ہوئے انہیں بتانا شروع کیا۔

”گاؤں والوں نے اس لیے اس پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ پہلے ہی یہاں اسکول کی موجودگی کو ناپسند کر رہے تھے۔ انہوں نے جس کم جہاں پاک کے مصداق اس اقدام پر شکر ادا کیا۔ یہ صرف اسی گاؤں میں نہیں ہوا اس باس کے بہت سے علاقوں میں ایسا ہی ہوتا رہا تھا۔ لوگوں کو بڑھانے پر تو یہاں کے لوگوں میں پھر بھی کچھ آوازیں پائی جاتی تھیں مگر لڑکیوں کے بڑھانے کے بارے میں بات بھی کر سنے پر یہ لوگ سر جھانٹنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح نہ صرف ان کے علاقے کی روایات ختم ہو جائیں گی بلکہ عورتیں مزہ زور ہو جائیں گی اور گھر کے مردوں کی بھرتی ختم ہو جائے گی۔“

ظہرہ دیکھی سے گفتگو کر رہی تھی۔

”آپ لوگ خود اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ان لوگوں کے گروپ میں جا کر انہیں اپنی بات سننے کیلئے تیار کرنا کتنا مشکل کام تھا اور اس سے بھی مشکل کام اس علاقے میں کوئی تبدیلی لانا تھا۔ ہماری دور کرنے یہاں شامل چھ بجے سے

"والدین اور اولاد ایک دوسرے کیلئے۔ طلب نہیں ضرورت ہوتے ہیں۔" نانو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔
 "ہماری کلاس میں پچیس اور اولاد ایک دوسرے کیلئے طلب ہوتے ہیں، نذی ضرورت بلکہ چیزوں کی طرح ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ جب اولاد کو ضرورت پڑے تو وہ ماں باپ کو استعمال کر لے اور جب ماں باپ کو ضرورت پڑے تو وہ اولاد کو استعمال کر لیں۔" علیزہ نے اس کی مذاق اڑاتی ہوئی ہنسی سنی تھی۔ وہ کڑیوں میں جہاں کڑی تھی، وہاں سے اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی مگر اس کی آواز سے وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ طنز کر رہا تھا۔
 "اس طنز مت کہو۔" نانو نے اسے جیسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"سچ کہہ رہا ہوں گر بیٹی! جیسے میں ایک استعمال کر رہا ہوں تا میرے اور اس ملک کے درمیان اتنا ہی گہرا رشتہ ہے جتنا میرا اپنے ماں باپ کے ساتھ اور میرے ماں باپ کے نزدیک بھی میری اہمیت کافی ہے اس طرح گہنی ہی ہوگی جو ضرورت کے وقت ان کے کام آجائے۔" اس کا لہجہ پہلے سے زیادہ خف تھا۔
 علیزہ کو کوشش کے باوجود اندر اعلیٰ نہیں ہو سکی۔
 "پتا نہیں، میرا اندر جانا ٹھیک ہے یا نہیں؟" وہ وہیں کھڑی سوچنے لگی۔
 "تم زارا سے مل لیا کرو۔" نانوی آواز میں اس بار ہمدردی جھلکی تھی۔
 "کیوں؟" عمر کا لہجہ بہت چمکا تھا۔ "اب ایسا کیا ہو گیا ہے کہ میں ان سے مل لیا کروں؟"
 "وہ تمہاری ماں ہے۔"
 "تو میں کیا کروں؟"
 "تم یچین میں بہت اچھے تھے اس کے ساتھ۔"
 "ہو سکتا ہے۔"

"جھوٹ مت بولو مگر"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ میں واقعی انہیں مس نہیں کرتا بلکہ میں کبھی کبھی کسی کو بھی نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز میں بے حد تنہید کی تھی۔

"مگر زارا تم سے ملنا چاہتی ہے۔ بہت محبت کرتی ہے وہ تم سے بار بار تمہاری باتیں کر رہی تھی۔ مجھے تا رہی تھی کہ تمہیں اس سے سوات میں دیکھا تھا۔ پھر تمہیں ٹریس آؤٹ کرنے کی کوشش کی مگر تم ہوئی سے چیک آؤٹ کر گئے۔ پھر اس نے اندازہ کر لیا کہ تم یچین ہو گئے میرے پاس اور وہ سیدھی تمہارے پیچھے لاہور آ گئی۔" نانو اب تفصیل سے بتا رہی تھی۔

"یہاں کارنامہ کیا مجھے ڈھونڈ کر۔" اس نے عمر کو بوڑھا سے متا تھا۔

"وہ اپنی ٹیلی کو وہیں سوات میں چھوڑ کر صرف تمہارے لیے یہاں آئی تھی۔" نانو نے جیسے اسے بتایا۔

"یہ آئیں۔۔۔۔۔ اپنی ٹیلی کے ساتھ ہی رہیں۔۔۔۔۔ انجائے کرتیں۔"

باب ۲۵

"میں نے سوچا شاید تم زارا سے ملنے ہو گے۔"
 علیزہ اگلی شام اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف آ رہی تھی، جب اس نے لاؤنج میں ناٹو کو عمر سے کہتے سنا تھا۔ وہ ٹھٹھکی گئی۔

رات کو عمر کے کمرے میں جانے کے بعد وہ بھی کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بہت دیر تک وہ عمر کے بارے میں سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ نیند نے اسے اپنی گرت میں لے لیا۔
 آج صبح عمر ناشتے کی میز پر نہیں تھا۔ لاؤنج سے واپس آنے پر اس نے قہقہے پر بھی موجود نہیں پایا۔ "میر میں کچھ درد ہے اس کے۔۔۔۔۔ آرام کر رہا ہے۔" اس کے پوچھنے پر نانو نے کہا تھا۔
 علیزہ کچھ بے چین ہو گئی۔ "کیا زیادہ درد ہے؟"

"پتا نہیں۔ کچھ بتایا نہیں کہہ رہا تھا کہ سوڈن گاؤں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" نانو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
 "آپ کو پوچھنا چاہیے تھا۔" اس نے بے ساختہ کہا۔ "موسم تبدیل ہو رہا ہے اس کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہوگی۔" نانو نے اس کی بات پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔
 وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتے رہنے کے بعد اندھا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
 عمر کے لئے اس کے دل میں موجود ہمدردی میں یک دم اضافہ ہوا تھا۔ پڑھائی کے دوران بھی وہ بدستور عمر کے بارے میں سوچتی رہی۔

اور اب جب وہ تین گھنٹے بعد شام کی چائے کیلئے نکلی تھی تو وہ لاؤنج میں موجود تھا۔

"نہیں، آپ نے غلط سوچا۔ میں کسی سے نہیں ملتا ہوں۔"

وہ کافی کالگ ہاتھ میں لیے دم دم آواز میں نانو سے کہہ رہا تھا۔

"کیوں؟" نانو کے سوال پر عمر نے چند لمبے خاموشی سے ان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"کبھی طلب محسوس نہیں ہوئی۔" اس کا لہجہ بہت عجیب تھا۔

”وہ صرف تمہارے لیے یہاں آئی تھیں۔ مجھے بتا رہی تھی کہ تمہیں بہت مس کرتی ہے۔“

”مس کرتی ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے نہ کیا کریں۔ بے اولاد تو نہیں ہیں۔ دوسرے بیٹے ہیں نا پس۔“

بھر میرے لیے یہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت ہے؟ ”اس کے لیے جس سے زاری تھی۔“

”جی سہار ڈراما سے مل لینے میں تو کوئی ہرج نہیں۔“

”اس نے ملوں تاکہ پانچ ماہی جائیداد سے عاق کر دیں۔“

”جہا تک میرا بیٹا نہیں کرے گا۔“

”آپ کو اپنے بیٹے کے بارے میں بہت ہی خوش فہمیاں ہیں مگر انہیں دور کر لیں۔“

”مجھے کوئی خوش فہمی نہیں ہے مگر وہ اپنا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کوئی شخص ہے وہ اس پر انحصار کرتے ہو۔“

”آپ کو یہ کیسی غلط فہمی ہے۔ میں آج بھی بڑی حد تک ان پر انحصار کرتا ہوں۔“ اس نے ان کی بات

کات کر کہا تھا۔

ناؤ چند لمبے خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔

”مجھ عمر سے کہ بعد جب تمہیں جاہل پال جائے گی تو تمہیں جہانگیر پر انحصار نہیں کرنا پڑے گا مگر تم۔“

عمر نے ایک بار بھر ان کی بات کاٹی ”کیا ہونے کا جاہ ہے۔۔۔۔۔ چند روز روپے پر مشتمل تنخواہ تو میری

ضروریات پوری نہیں کر سکتی۔ مجھے کل بھی اپنے باپ کی دولت کی اتنی ہی ضرورت ہوئی جتنی آج ہے۔“

”صرف پیسے کیلئے تم زارا سے ملنا نہیں چاہو؟“

”ہاں سبکی بنیادی وجہ ہے، انہوں نے زندگی میں اپنے لیے اس چیز کا انتخاب کیا تھا جو ان کے اور ان کے

مستقبل کیلئے فائدہ مند تھی۔ انہوں نے میرے لیے کوئی قربانی نہیں دی جس میں کسی بھی چیز کا۔۔۔۔۔“

”تم چاہو تو جہانگیر سے بات کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں اب زارا سے ملنے سے نہ روکے۔“

”آپ اپنے بیٹے کو مجھ سے زیادہ نہیں جان سکتیں۔“

”وہ غصہ ہی ہے مگر انسان ہے اور وقت کے ساتھ انسان میں بہت ہی تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔“

”مگر میں ہی سے ملنا نہیں چاہتا۔ اس لیے آپ زارا سے ملنے کوئی بات نہ کریں، بلکہ ان سے در تک نہ کریں کہ

میں یہاں آئی تھیں یا مجھے کیا تھیں۔“ اس کا بوجھ بالکل اٹھ گیا تھا۔

علیہ کہہ دے کہ وہ ایک شخص ہے، مگر لاؤنج میں خاموشی چھائی رہی۔ نانو نے اس کی بات کے

جواب میں کچھ نہیں کہا تھا اور وہ خاموشی سے کافی پینے میں مصروف تھا۔

وہ دیکھتے قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوئی۔

”علیہ! آج میں نے جانے کے بجائے کافی بنوائی ہے، عمر کہہ رہا تھا اگر تم چاہتے ہو تو میں خاموشاں

سے کہہ دوں۔“ نانو نے اسے اندر آتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

”نہیں ٹھیک ہے، میں اس کا کافی لے لوں گی۔“ وہ بڑے محتاط سے انداز میں کہتے ہوئے نانو کے پاس صوف

پر بیٹھ گئی۔ وہ اب عمر کے باقاعدہ چلی مگر اندازہ طور پر اس پر نظر ڈالنے سے گریز کر رہی تھی۔

نانو نے کافی تیار کر کے کپ اس کے ہاتھ میں صافیا۔ پیلا پ لینے ہوئے اس نے بڑے محتاط انداز میں

عمر کو دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ علیہ کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ علیہ کو جراتی

ہوئی۔ ”کیا وہ اب بھی مسکرا سکتا ہے؟“ اس نے سوچا۔

”بارش شروع ہو گئی ہے۔“ نانو نے کمزری سے باہر دیکھتے ہوئے جیسے اطلاع دی تھی۔

علیہ نے چونک کر کمزریوں کی طرف دیکھا۔ شام کے ٹھیکے اندر میرے میں لا ان میں ایک دم پڑنے والی

بارش کی تیز بوجھاؤ کمزریوں کے پیشوں کو گھیرنے لگی تھی۔

ایک نظر بارش کی ہوندوں پر ڈال کر علیہ ایک بار بھر عمر کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ صوفے پر نیم دراز کافی

پہنچے ہوئے کمزریوں کے باہر برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ جیسے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔

”کیا عمر واقعی صرف پیسے کیلئے اپنی ہی سے ملنا نہیں چاہ رہا؟ کیا وہ materialistic (مادہ پرست)

ہو سکتا ہے؟ کیا اسے اپنی ہی سے محبت نہیں ہے؟ کیا اسے پایا سے محبت ہے؟ اور اگر اسے ان سے بھی محبت نہیں تو

پھر آخر اسے کس سے محبت ہے؟“ وہ اسے دیکھتے ہوئے جیسے الجھ رہی تھی۔

عمر کو یک دم جیسے اس کی نظروں کا احساس ہوا کہ چونک کر کمزری سے باہر نظر آنے والے منظر سے نظریں

ہٹا کر علیہ کی حجبہ ہوا۔ علیہ ہڑبڑائی۔ شرمندگی کے عالم میں اس نے اپنی نظریں جھکا لی تھیں۔

”مگر اپنی! مجھے بھلا کچھ اور ڈال ڈال دیں۔“ علیہ کو مخاطب کرنے کے بجائے اس نے اپنا جھاری ساڑ کاٹ

نانو کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ناخواس کیلئے کافی بنائے گئیں۔

علیہ ایک بار بھر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ نانو کو کافی بناتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اس وقت پہلی بار علیہ کو

احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں سرخ بھی ہیں اور حور دم بھی۔ وہ کافی پیتے پیتے جیسے غصہ لگ گئی۔

”کیا عمر روتا رہا ہے؟“ اس سوال نے اس کے وجود میں جیسے ایک کنٹ دوڑا دیا تھا۔

”کیا عمر بھی رو سکتا ہے؟“ وہ کافی چٹا بھول گئی۔

عمر نے نانو سے کافی کاٹی تھا صوفے پر بیٹھا ہوا ہے ایک بار بھر اس کی نظر علیہ پر پڑی تھی۔ اس بار

علیہ نے اس پر سے نظریں ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسے دیکھتی رہی اور عمر کو یک دم جیسے احساس ہو گیا کہ وہ اس کے

چہرے پر کیا تصویر بن گئی ہے۔ علیہ نے اس کے چہرے پر ایک رنگ آنا دیکھا تھا اور پھر وہ علیہ سے نظریں چھڑا گیا۔

”مگر اپنی! میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔“ اگلے لمبے دھک ہاتھ میں لیے کمزرا تھا۔

اسے لاؤنج سے باہر جاتے ہوئے دیکھ کر وہ بے چین ہو گئی۔

”مجھے نہیں آتا چاہیے تھا۔۔۔۔۔ یا کم از کم اس طرح اسے سمجھنا نہیں چاہیے تھا۔ کیا عمر کو میرا اس طرح

دیکھنا برا لگے ہو سکتا ہے وہ یہ سوچ رہا ہو کہ میں اسے اس صوبت حال میں پا کر خوش ہو رہی ہوں۔“ اس کا بچھتا

”جینک یو۔“ طیوہ کا چہرہ کچھ سرخ ہوا۔

”مگر میں حیران ہوں کہ میرا چہرہ اس قابل کیسے ہو گیا کہ تم میری آنکھیں کرو۔“

”وہ۔۔۔ وہ جب آپ میرے دوست نہیں تھے اس لیے۔“ اسے یاد آیا گیا تھا جب عمر نے ایک بار اس کی آنکھ دکھ کر اس کی تعریف کرنے کے بعد اس کے جانے کی فرمائش کی تھی اور اس نے بڑی بے وفائی سے اس کی یہ فرمائش رد کر دی تھی۔

”اودو۔ یعنی اب ہم دوست ہیں؟“ عمر نے دلچسپی سے پوچھا۔ طیوہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

”So nice of you۔“ وہ ایک بار پھر اس کی دیکھنے لگا۔

”کیا میں واقعی اتنا گول لنگ ہوں، جتنا اس آنکھ میں لگ رہا ہوں یا پھر یہ صرف تمہارے ہاتھ کا کمال

ہے؟“

وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ طیوہ کا چہرہ ایک بار پھر سرخ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس کے سوال کا کیا جواب دے۔

عمر نے طیوہ کو بھیجے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ”تم آنکھیں کے بجائے ہینڈنگو بنایا کرو، میں تمہاری ایگریڈیشن کروا دوں گا۔“

وہ اس کی بات پر حیران ہوئی۔ ”ایگریڈیشن کیلئے تو بہت ساری ہینڈنگو چاہئیں۔ اس میں تو بہت وقت لگے گا۔“

”کتنا وقت لگے گا؟ ایک سال، دو سال، دس سال میں کون سا مرے والا ہوں؟ یہیں ہوں۔ بس تم اب ہینڈنگو بنایا کرو۔“

”جین میں ایگریڈیشن کروا کے کیا کروں گی۔۔۔۔۔ مجھے کوئی آرٹ تو نہیں بننا۔“ وہ ہچکچاتی۔

”یہ کوئی لا بک نہیں ہے۔ بہت سے لوگ آرٹ نہیں ہوتے مگر ہینڈنگو بھی بناتے ہیں اور ایگریڈیشن بھی کروا دیتے ہیں۔ بس اسے پرفیشن نہیں بناتے۔ تم بھی یہی کرنا۔“ وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

ٹیوہ مطمئن تھی۔ وہ اس کی توجہ بنانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اب عمر یقیناً اپنی بات کے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ میں اس سے باتیں کروں گی تو یہ آہستہ آہستہ ریٹیکس ہو جائے گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ہر بندہ آرٹ نہیں ہوتا۔“

”آپ نے کبھی کوشش نہیں کی؟“

”جو چیز مجھے پسند نہیں، وہ میں بھی کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔“ اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

ٹیوہ کی دم سارکت ہوئی۔ ”ابھی چند لمے پہلے یہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں اور اب کیا کہہ رہا ہے کہ اسے ہینڈنگو پسند نہیں ہے۔“ وہ اٹھنے لگی۔

”پھر آپ مجھے ہینڈنگو بنانے کیلئے کیوں کہہ رہے ہیں جبکہ آپ کو خود یہ کام پسند نہیں ہے؟“ وہ براہ راست

☆☆☆

رائلنگ چیز پر بھولے ہوئے وہ برقی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ باہر لان میں اب لائٹس آن کر دی گئی تھیں اور ہوا سے ہلے بارش میں چمکتے پودے اور بنکیں بہت عجیب لگ رہی تھیں۔

کمرے کے دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چمکایا۔

”بس کم ان۔“ اس نے بلند آواز میں کہتے ہوئے رائلنگ چیز کو جھٹکا بنا کر دیا۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھلا تھا اور پھر عمر نے طیوہ کو کمرے کے اندر آتے دیکھا، وہ اپنے ہاتھوں میں کرسی کو اٹھائے ہوئی تھی۔

”اودو طیوہ۔“ عمر کچھ حیران ہوا تھا۔

”میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“ وہ کچھ دوس تھی۔

”ناٹ ایٹ آل میں فارغ بیٹھا ہوا تھا۔“ جیس کی کوئی کام ہے؟“ اس نے مسکراتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

”میں تھوڑی دیر کیلئے آپ کے پاس بیٹھ جاؤں؟“

”وائے ناٹ۔“ عمر نے کچھ حیران آواز میں اس پر مسکراہٹ سے کہا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کی پانچویں طرف بیٹھ گئی۔ عراب رائلنگ چیز کو جھٹکا بنا کر چمکا تھا۔

”آپ کو بارش بہت اچھی لگتی ہے؟“ طیوہ نے کمرے کے پردے سے ہٹے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”مجھے بارش سے خوف آتا ہے۔“

”بارش سے خوف؟۔۔۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ حیران ہوئی۔

”پھوڑو بار۔۔۔۔۔ مذاق کر رہا ہوں۔“ جیس اچھی لگتی ہے بارش؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”جان نہیں بس مجھے بارش سے الجھن ہوتی ہے۔“ عمر کچھ کہنے لگی اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ طیوہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ اب کیا بات کرے۔ کچھ دیر وہ سوچتی رہی پھر اس نے ایک کانڈ عمر کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ عمر نے ہاتھ بڑھا دے ہوئے کہا۔

”آپ دیکھ لیں۔“ عمر نے کچھ تجسس کے عالم میں کانڈ کھولا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ طیوہ کی آنکھوں میں یک دم چمک لہرائی۔

”ٹش جسٹ دٹر فل۔“ عمر نے کانڈ پر ہٹے ہوئے اس آنکھ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ خاموشی سے فون پران کی بات سنتا رہا۔

”ان لوگوں سے مل کر میں کیا کروں گا؟“

”کیا مطلب ہے کیا کروں گا؟ وہ جنہیں کا عزیز کر رہی ہے۔ سائیکو پیکل ٹیسٹ کے بارے میں۔“

”مگر پاپا کے لیے اصولی کی بات ہے یہ، وہی لوگ بعد میں ٹیسٹ کنڈکٹ کر دیتے ہیں گے اور وہی لوگ پہلے ہی سمجھے۔“ اس نے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

”Everything is fair as long as it goes to you“ اس لیے دوبارہ مجھے سے اصولی کے بارے میں بات کرتا مگر بیوروکرسی کو کوئی ٹیڑھ دینے نہیں چاہ رہا ہے۔ ”جہاں گھر نے اس کی بات کاٹنے کو بہت سرکواڑ میں کہا۔

”میں نے یہ کب کہا پاپا کہ میں..... میں تو بس چاہ رہا تھا کہ مجھے اپنی potential کا پتہ چلے۔“
 ”اپنی potential کا جائزہ تم بعد میں لیتے رہنا، اپنی اپنی ترقی ملی کے پاس چلے جاؤ..... میں نے اسے تمہاری آمد کے بارے میں افسانہ کر دیا ہے۔ پھر بھی جاننے سے پہلے تم اسے کال کر لینا۔“

”ٹھیک ہے مگر مجھے کتنے دن وہاں رہنا ہے؟“

”یہ میں تمہیں بعد میں بتا دوں گا..... کال کرنا رہوں گا وہاں بھی۔“

”پھر بھی پاپا! مجھے اندازہ تو ہونا چاہیے کہ مجھے وہاں کتنے دن رہنا ہے تاکہ میں اسی کے مطابق اپنا سامان پیک کروں۔“

”شاید ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ۔“

”واٹ؟ اتنا لمبا قیام کیوں؟“ وہ حیران رہ گیا۔

”بس میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرح سے تیاری ہو جائے۔“

”نہیں تیاری کیلئے اتنے لمبے قیام کی ضرورت نہیں ہے۔ دو تین دن کافی ہیں۔“

”جب تک میں تمہیں وہاں سے واپس آنے کو نہ کہوں، وہاں سے واپس مت آنا۔“ جہاں گھر کی آواز سامان بار پھر کلک ہو گئی۔

”پاپا..... میں کچھ دنوں کیلئے امریکا آنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کچھ گھنچا ہے ہوئے کہا۔

”کس لیے؟“ جہاں گھر کی آواز پہلے کی طرح سرد ہو گئی۔

”وہ کچھ دیر خاموش رہا۔“ وہ بولے۔

”وہ بولے ہی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“ جہاں گھر کی آواز پہلے سے زیادہ جھنجھی ہو گئی۔

”میں پھر پریکٹس کرنا چاہ رہا تھا۔“

”تم سوات گئے تھے۔ کیا وہاں دیکھیں نہیں کیا؟“

”پاپا! مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے۔“

”میری پسند یا ناپسند کوئی اہمیت نہیں رکھتی میرے لیے، تمہاری پسند یا ناپسند اہمیت رکھتی ہے۔“ وہ اس کی بات سمجھ نہیں پائی صرف اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

مزید کچھ کہنے کے بجائے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کرسی کو عمر کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

”آپ چاہیں تو اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں..... اس کے ساتھ کھیل سکتے ہیں۔“

عمر نے کچھ حیرانی سے اس کے ہاتھ سے کرسی کو لے لیا۔

”تم برا نہیں مانو گی؟“

”نہیں۔“ وہ کچھ درد حیران ہوا۔

”آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟“ وہ جاتے جاتے مڑی۔

”نہیں۔“ وہ کمرے سے نکل گئی۔

عمر اسے کمرے سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، علیحدہ کا دھلا ہوا رویہ اس کیلئے حیرانی کا باعث تھا۔

”اتنی حیرانی کس لیے؟“ وہ سوچنے لگا اور پھر اس کے ذہن میں جیسے جھماکا ہوا۔ وہ جان گیا تھا۔ وہ کیا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ کرسی کو ہاتھوں میں لیے بے حس و حرکت اپنی کرسی پر بیٹھا رہا۔

☆☆☆

”تم کچھ دنوں کیلئے اسلام آباد چلے جاؤ۔“ تین چار دن کے بعد عمر کو جہاں گھر نے کال کیا تھا حال احوال دریافت کرنے کے فوراً بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔

”کس لیے؟“

”لنٹن علی کے پاس جانا ہے جنہیں۔“ انہوں نے اپنے ایک کزن کا نام لیا۔

”لیکن کس لیے؟“

”ایک تو وہ جنہیں پبلک سروس کمیشن کے ان دونوں سائیکو لوٹیشن سے ملو میں، جو رزلٹ آنے پر تمہارا سائیکو پیکل ٹیسٹ لےیں گے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہاری گریڈ ویشن بھی وہی کنڈکٹ کر دیتا ہوں۔“

”مگر پاپا! اتنی جلدی کیا ہے، ابھی تو چند ہفتے ہوئے ہیں تمہاری امتحان کو، پہلے رزلٹ تو آنے دیں۔ اس کے بعد۔“

جہاں گھر نے اس کی بات کاٹ دی ”تمہارے پیچھے رزٹک ہوتے ہی رزلٹ مجھے پتا چل جائے گا اور اس میں صرف ایک ڈیڑھ ماہ اور مجھے گا۔“

”نہیں پاپا! چار پانچ ماہ لگیں گے رزلٹ وکلیئر ہونے میں۔“ اس نے تصحیح کی۔

”میں رزلٹ وکلیئر ہونے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ وہ جب پتا چلے گا۔ لیکن تمہارے پیچھے رزٹک ہوتے ہی مجھ تک تمہارا رزلٹ پہنچ جائے گا اور میں جنہیں افسانہ کر دوں گا۔“

أمرئیل

[illegible]

علیٰ زہ گروپ کے باقی لوگوں کے ساتھ اس شخص کی باتیں بہت غور سے سن رہی تھی۔

”نہیں، ان لوگوں کی وجہ سے ہماری بہت سی پریشانیوں اور مسئلے قائم ہو گئے ہیں۔ آپ لوگ کچھ سال پہلے آتے تو حیران رہ جاتے کہ ہم یہاں کس طرح زندگی گزار رہے تھے، جالوں سے بھی بدتر زندگی تھی۔ زمین دار ظلم سمجھتا تھا۔ یہاں کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ زمین دار کی مرضی کے بغیر کوئی کام کر سکتا۔“

دو لوگ خاموشی سے اس شخص کی بات سن رہے تھے۔ علیہ ہرچیز judge کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ”ہمراہ آہستہ آہستہ یہ لوگ یہاں آنے شروع ہوئے۔۔۔۔۔ یہ ساری ترقی ان لوگوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے یہاں پہلے گھونٹ کا قائم شاہہ اسکول چلانا شروع کیا پھر ہمارے گاؤں میں ہی دو تین گھروں میں اور اسکول قائم کیے یہ سینئر بھی ان ہی لوگوں کی کوششوں سے آیا، اب اندازہ نہیں کر سکتے کہ ان کی سینئر کی وجہ سے ہمارے علاقے میں کتنی خوشحالی آئی ہے۔ ہمارے علاقے کی آدمی سے زیادہ خوش اس سینئر میں کام کر رہی ہیں۔ اب یہاں اب جامعہ کی سیکلر کی کورج آتی ہیں یہاں سے ڈسٹریکٹ جیٹریج کے کر جاتی ہیں۔ پہلے ہمارے بچے ہمارے ساتھ کھیتوں میں کام کرتے تھے اور دوسری جگہوں پر مزدوری کرنے جاتے تھے۔ اب ہمارے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں اس

Facts and figures ہیں اس میں..... چائلڈ لیبر کے حوالے سے روزگار کی صورتحال، عورتوں کی کنڈیشن، ان کا رول آنے والے سالوں کیلئے این جی اوڈ کی پلاننگ اتھارڈٹا ٹنٹا لٹے کے بعد بندے کی کوئی رائے تو ہوتی ہے نا، تمہاری کیا رائے ہے؟" سائزہ نے پوچھا۔

"مجھے اصل میں یقین نہیں آ رہا۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کیا؟ یقین نہیں آ رہا؟ مگر سب بات ہے؟" فائزہ تقریباً چلائی۔

"نہی کہ این جی اوڈ واقعی اس علاقے میں اتنا بڑا انقلاب لے آئی ہیں۔"

"کیوں یقین کیوں نہیں آ رہا۔ تم نے تو سب کچھ خود دیکھا ہے..... لوگوں سے ملی ہو یہ بیچہ نہ دیکھو۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے پاس موجود رپورٹ دیکھو یہ این جی اوڈ کے کہ جس یقین نہیں آ رہا۔" سائزہ نے اس بار اس سے کہا تھا۔

"اصل میں اس کے ایک کزن نے اس کی برین واشنگ کر دی ہے یہاں آنے سے پہلے۔" شہلا نے بڑے اطمینان سے بتایا۔

"کیا مطلب؟" سائزہ کچھ ابھی۔

"اس کا ایک کزن ہے فارن سروس میں، اس نے اس علاقے کے بارے میں چند سال پہلے کوئی سروے یا ریسرچ ڈیمو کی تھی این جی اوڈ کے حوالے سے..... اسی نے اسے کہا ہے کہ این جی اوڈ یہاں کوئی پاز پوز کام نہیں کر رہیں۔" شہلا نے مختصر آتایا۔

"کم آن علیو و اتم تو ایسی باتوں پر یقین نہ کرو تمہارے کزن کو تو سچی کہنا تھا بیورو کریٹ ہے نا اس لیے۔ بیورو کریٹ اسی ٹیڈول سسٹم کا ایک دوسرا ڈیٹن ہیں۔ اس ملک کی دو دیہاتیاں ہیں ٹیڈول لارڈز اور بیورو کریٹس..... دونوں دیہاتیاں ایک دوسرے کو سپورٹ کرتی ہیں۔ دیہاتیکوں کو اس بات سے دلچسپی نہیں ہے کہ وہ سہارا دے رہی ہیں انہیں صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ ان کا سہارا لے کر بیٹے والا مریش صحت یاب نہ ہو جائے۔ تمہارا کزن بھی اس سسٹم کی پروڈکٹ ہے تم اس سے اسی قسم کی باتیں سنو گی۔"

"مگر ٹیڈول سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس طرح کا بیورو کریٹ ہے جس طرح کا تم سمجھتی ہو۔"

علیہ نے مدغم آواز میں کہا۔

"ٹیڈولزم ایک ڈینٹ کا نام ہے اس کیلئے ٹیڈول ہونا ضروری نہیں ہے۔ بیورو کریٹس۔"

علیہ نے سائزہ کی بات کا ڈی۔ "عمر ایسا نہیں ہے۔"

اس بار سائزہ نے اس کی بات کا ڈی۔ "بلیئر علیہ اب اپنے کزن کی پاکیزگی اور اعلیٰ کردار پر کوئی تقریر

مت کرتا۔ میرا اپنا پورا خاندان بیورو کریٹس سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی مجھ سے بہتر تو انہیں نہیں جان سکتا۔" سائزہ نے اسے آنکھ سے ہونٹے انداز میں کہا تھا کہ وہ عجیب کر چپ ہو گئی۔

"تمہارے کزن نے جو کچھ این جی اوڈ کے بارے میں کہا ہے اسے ایک طرف رکھ کر اپنے سامنے نظر

آنے والی چیزوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرو۔" سائزہ نے اس بار اسے مخاطب کیا۔

"دیے تم ایک بات بتاؤ کیا یہاں نظر آنے والی تبدیلیوں نے تمہیں خوش نہیں کیا۔ بچوں کی تعلیم کے حوالے

سے۔ عورتوں کے سنے کردار کے حوالے سے۔ یہاں لوگوں کے منہ سے سننے والی باتوں نے آخر این جی اوڈ نے کچھ

نہ کچھ تو کیا ہے یا یہاں پر..... ورنہ لوگ اتنے بے وقوف تو نہیں ہو سکتے کہ خواہ مخواہ کسی کی تعریفیں کرتے پھریں۔" وہ

سائزہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ سب باتوں میں مصروف ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر

اپنے آگے پڑے ہوئے بیچہ زکے ڈھکر کو دیکھنے لگی۔ "Sense of judgement" وہ سکرانے لگی تھی۔ اس

رات وہ بہت دیر تک ان کا غذات کیلئے جاگتی رہی۔



نیل پر رخ کر ڈانگ بھیل سے اٹھ گیا۔

”عمر! عمر! کیا ہوا؟ مجھے بتاؤ تو۔“

نانو اسے آواز دیں دیتی رہی جس گردہ رکھیں۔ تیر قدموں کے ساتھ وہ ڈانگ روم سے نکل گیا۔

نانو نے ہاتھ بڑھا کر شوہر کا صوفی اٹھایا۔ ”آخر ایسی کیا چیز دیکھ لی ہے کہ اس طرح اٹھ کر چلا گیا۔“ علیزہ نے نانو کو پریشان کرنے کے عالم میں کہتے سنا۔ وہ اب اس صوفی کا جائزہ لے رہے تھے۔ علیزہ اور نانو مشترک نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر جائزہ لینے رہے۔

”مجھے تو یہاں کچھ بھی ایسا نظر نہیں آیا جو اسے اس طرح مشتعل کر دے۔“ وہ بالآخر بڑبڑائے۔

”بلیز معاذ! آپ دھیان سے دیکھیں۔ آخر کوئی تو چیز ہے جس نے اسے پریشان کیا ہے۔“ نانو بہت پریشان تھیں۔

نانا یک بار پھر اس صوفی کا تفصیلی جائزہ لینے لگے تھے۔ علیزہ کی بھوک اڑی تھی۔

”آخر عراب کیوں پریشان ہوا ہے؟“ وہ سوچ رہی تھی۔

”نانا بلیز مجھے دکھائیں، شاید مجھے پتہ چل جائے۔“ اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اضطراب کے عالم میں اپنے نانو سے کہا مگر معاذ حیدر نے اخبار اس کی طرف نہیں بڑھایا۔ ان کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا تھا۔ عمر کو کیا ہوا تھا وہ جان چکے تھے۔ کچھ کہے بغیر انہوں نے اخبار نانو کے سامنے رکھتے ہوئے ایک خبر کی طرف اشارہ کیا۔ علیزہ نے نانو کے چہرے کا رنگ بھی اسی طرح اڑتے دیکھا۔ پھر انہوں نے اپنے سر کو ہچکڑایا تھا۔

”جہانگیر! جہانگیر کو کیا ہوا کیا ہے؟“

علیزہ کھبر لگتی ”کیا ہوا نانو؟“ اگل جہانگیر کو کیا ہوا؟“ نانو کوئی جواب دینے کے بجائے یک دم بھیل سے اٹھ گئیں۔ علیزہ نے نانو کو بھی ان کے پیچھے جانے دیکھا۔ اس نے بے اختیار کھڑے ہو کر بھیل کے دوسرے سرے پر پڑا ہوا اخبار اٹھایا۔ کچھ دیر تک وہ متلاشی نظروں سے اخبار کو دیکھتی رہی پھر اس کی نظریں ایک خبر پر جم گئیں۔ ایک مشہور اور کم عمر ماذل کی ایک بہت ہی خوبصورت تصویر کے ساتھ ایک کیشن لگا ہوا تھا۔

Sultry Rushna tied the knot

وہ تفصیل پڑھنے لگی تھی۔ خبر میں بیس سالہ رشکا کی عمر میں اپنے سے پینتیس سال بڑے دانشمن میں پوٹل پاکستانی سفارت کار جہانگیر معاذ کے ساتھ شادی کو صرف سالہ کا کرپش کیا گیا تھا جہانگیر معاذ کی پہلی دونوں شادیوں کے ساتھ ساتھ ان کی رنگین حواشی کا بھی ذکر کیا گیا تھا اور پورے رشکا کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ خیال رکھے کہ جہانگیر پر چھی شادی نہ کر پائے کیونکہ عادتیں مشکل سے چھوٹی ہیں۔ علیزہ نے اخبار بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ فیس میں بھرا اپنے کمرے میں گیا تھا۔ وہاں نکل کر اس نے جہانگیر کو کال کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد جہانگیر لائن پر آگئے تھے۔

باب ۲۷

”یہ نہیں پتا میں کب واپس آؤں گا؟“ وہ اگلے دن ناشتے کی میز پر بیٹھا نانو کو بتا رہا تھا۔ ”مگر تین کے پاس اتنی دیر رہنے کی کیا تک ہے۔ تم بس سائیکلاؤسٹ سے طوف پھر واپس آ جاؤ۔“ نانو نے عمر سے کہا، علیزہ نے انڈیا چھیلنے سے عمر کو روک دیکھا۔ وہ بہت الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ”میں کچھ نہیں کر سکتا، پاپا نے کہا ہے۔ مجھے دیر مان پڑے گا۔“ ناشتہ کرتے ہوئے اس نے کندھے سے اپکاٹے تھے۔

”لیکن پھر بھی ایک ماہ تو وہاں نہیں رہنا چاہیے۔ میں تو اس ہو جاؤں گی۔“ نانو نے عمر کے کندھے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ وہ سرکراتے لگا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے نانو کے پاس بھیل پر پڑے ہوئے نیوز پیپر کا شوہر والا صفحہ اٹھایا۔

نانو بالکل ادا اینڈ یوریل صفحات دیکھ رہے تھے چائے کے کپ میں چچ ہلاتے ہوئے اس نے صوفی کوں لیا۔ علیزہ انڈیا چھیلنے کے بعد اپنی پلیٹ میں کھانے کے ساتھ اس کے کٹورے کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اٹلے کے کھلے کرنے کے بعد وہ تک اور کالی مرچ shakers کی تلاش میں بھیل پر نظر دوڑانے لگی۔ وہ دونوں اسے عمر کے سامنے پڑے نظر آئے۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ ہاتھ بڑھا کر انہیں نہیں پکڑ سکتی تھی۔ وہ عمر سے انہیں پکڑنے کیلئے کہا پتا چلتی تھی مگر عمر کے چہرے پر نظر دوڑاتے وہ چونک گئی تھی۔ وہ شوہر کا صوفی کھلے اس پر نظریں بٹھائے بالکل بے حس و حرکت تھا۔ ہونٹ کھینچے ہوئے اس کے چہرے کی رنگت سرخ ہو رہی تھی وہ حیران ہوئی وہ ایسی کون کی چیز بڑھ رہا تھا جس نے اسے یوں مشتعل کر دیا تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

جب ہی نانو بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

”عمر! کیا ہوا؟“ انہوں نے یکدم توشیح بھری نظروں سے عمر کو دیکھا۔ نانا بھی اخبار سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

عمر نے نانو کی طرف دیکھا۔ علیزہ نے اس کی آنکھوں میں یک دم فی اٹلے دیکھی پھر کچھ کہے بغیر وہ اخبار

جہاں تک اس کی بات کاٹ دی تھی۔ ”مجھے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں، میں نے کیا کیا ہے اور کیوں کیا ہے؟“

”آپ کو اعزاز ہے کہ آپ کی اس حرکت سے آپ کے بچوں پر کیا اثر ہوگا؟“

”تم صرف اپنی بات کہہ رہے ہو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟“

”Am I right“ انہوں نے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔

”میں صرف اپنی بات نہیں کر رہا ہوں میں آپ کے سب بچوں کی بات کر رہا ہوں۔“

”جہیں دوسروں کی بات کرنے کا کوئی حق ہے نہ ضرورت تم صرف اپنی بات کرو۔“

”آپ نے کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا۔“

”مجھ سے طریقہ بگاڑنے کی ضرورت نہیں۔ میری شادی میرا پرل انفر ہے۔ میں جب جس سے چاہوں شادی کر سکتا ہوں۔ میرے معاملات میں ٹانگ مت اڑاؤ۔ کیا اتنی بھلائی کا کافی ہے یا کچھ اور بھی بکنا ہے جہیں؟“

”آپ جانتے ہیں پریس آپ کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ آپ کے بارے میں کیا کہیں دینے چاہ رہے ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی اپنی آواز پر قابو پار ہوا تھا۔

”مجھے پروا نہیں ہے“ اس نے باپ کی سر آواز سن کر اس کا خون گھول کر رو گیا۔

”But I do care. میرے لیے لوگوں سے ملنا بہت مشکل کر دیا ہے آپ نے آپ کی اس تیسری اور

اپنے سے آدھی عمر کی لڑکی سے شادی کی کیا لایا تک پیش کروں میں لوگوں کے سامنے؟“

”تم اپنے کام سے کام نہ کرنا اور میرے معاملات کے بارے میں لگ کر مندی کے ڈرامے مت کر، وہ کل لیتق کے پاس چلے جاؤ۔ میں کل اس سے فون پر کھینچ کر دوں گا۔“

”میں ان کے پاس نہیں جا رہا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”میں آج سیٹ تک کرناؤں گا اور اگلی فلائٹ سے امریکہ آ رہا ہوں۔“

”بکواس مت کرو۔“

”میں بکواس نہیں کر رہا ہوں جو کرنے والا ہوں وہی بتا رہا ہوں۔“

”اور امریکہ آ کر کیا کرے گا تم؟“

”وہ دہان آ کر ہی دیکھوں گا۔“ اس نے موبائل بند کر دیا۔ چند لمبے بعد موبائل پر دوبارہ کال آنے لگی۔ وہ

جانتا تھا، جہاں تک اس کا کر رہے ہوں گے۔ اس نے موبائل آن کر کے رکھ دیا۔

☆☆☆

”مجھے ان سے بات نہیں کرنا ہے۔“ جہاں تک اس کا موبائل آن ہونے کے بعد فون پر سواذ حیدر سے

”اودہ... تم نے کیسے فون کیا؟ کیا لیتق کے پاس پہنچ گئے ہو؟“

”نہیں، میں ان کے پاس نہیں گیا اور نہ ہی جاؤں گا۔“

”کیوں؟ کیا ہوا؟“ جہاں تک جیسے کھنکھاتا ہو گئے۔

”میں امریکہ آنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اسی اکتوا انداز میں کہا۔

”تم سے میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ میں نہیں چاہتا، ابھی تم یہاں آؤ۔“

”کیوں نہیں چاہتے آپ؟“

”مجھے کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ان کا لہجہ یک دم خشک ہو گیا۔

”ہاں، آپ کو کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں۔ آپ مجھے امریکہ آنے

سے کیوں روک رہے ہیں۔“ اس کے لہجے کی نئی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

”کیوں روک رہا ہوں؟“

”اپنی نئی بیوی کی وجہ سے۔“

دوسری طرف یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ جہاں تک کسی جملے کا خطرہ باغزوہ خاموشی ہی رہے تھے۔

ایک لمبے وقفے کے بعد انہوں نے الٹا خراپہ گہرا سانس لے کر کہا۔

”جہیں کسی نے بتایا ہے؟“

”سادہ دنیا میری طرح انہی نہیں ہوتی۔“

”مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے صرف یہ بتاؤ کہ جہیں اس شادی کے بارے میں کس

نے بتایا؟“

عمر کے ڈپریشن میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ جہاں تک شرمندہ رنگ رہے تھے نہ انہوں نے اس شادی سے انکار کیا تھا۔

”نہ تو بیڑ میں پڑھا ہے میں نے۔“

”کس نہ تو بیڑ میں؟“

”آپ نہ تو بیڑ کا نام کر لیا کریں؟ بیڑ بند کرادیں میں سچ چھاپنے کے جرم میں؟“

”تم مجھ سے کیا جانتا چاہتے ہو؟“ اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے انہوں نے کہا تھا۔

”میں کیا جانتا چاہتا ہوں میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ آپ نے یہ شادی کیوں کی ہے؟“

”جہیں مجھ سے یہ سوال پوچھنے کی ہمت کیسے ہوئی؟“

وہ فون پر چلا اٹھے تھے۔ چند لمحوں کیلئے وہ چپ سا رہ گیا۔

”آپ کو بتا ہے، وہ لڑکی میں آپ سے کتنی چھوٹی ہے۔ مجھ سے بھی چھ سال چھوٹی ہے وہ۔“

”جہیں مشورہ دینے کو کس نے کہا ہے؟“

”میں آپ کو کوئی مشورہ نہیں دے رہا ہوں، میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ آپ.....“

اس سے بات کرنا ہے کیلئے کہا۔ معاذ حیدر نے جہانگیر سے ان کی اس شادی کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر انہوں نے انتہائی سختی کے ساتھ انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا۔

”پاپا! آپ کا اس سے کوئی کنسرن نہیں ہونا چاہیے۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے، میں چاہوں تو اس اور شادیار کروں۔ آپ مجھے نیسے کہہ سکتے ہیں۔“ جہانگیر کا لہجہ انتہائی تلخ اور اکڑا تھا کہ معاذ اس سے کچھ نہیں کہہ سکے۔ آپ عمر سے میری بات کرواویں۔ میں اس کے موہاں پر بات کر رہا تھا، مگر اب اس کا موہاں آف ہے۔“ انہوں نے معاذ حیدر سے کہا تھا۔

ادوباب معاذ حیدر کو اس جہانگیر سے فون پر بات کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ سامان پیک کرنے میں مصروف تھا۔

”مجھے ان سے بات نہیں کرنا ہے۔ یہ بتا دیں انہیں۔“ وہ ان کی بات پر غرایا تھا۔
”محترم سامان کیوں بیک کر رہے ہو؟“ جہانگیر اصرار میں تھیں۔ وہ خاموشی سے لیٹا کام کرتا رہا۔ ٹانا کچھ دیر اسے دیکھ کر باہر نکل گئے۔

”وہ بات نہیں کرنا چاہتا۔“ انہوں نے جہانگیر کو فون پر بتا دیا تھا۔
”فیک ہے نہ کرے۔“ مگر اسے صاف صاف کہہ دیں کہ کل تک اسے لائق کے گھر پر ہونا چاہیے۔“
جہانگیر نے فون بچ دیا تھا۔

ٹانا داہن عمر کے کمرے میں آگئے۔ مگر اب موہاں پر اپنی سیٹ کی جگہ کروا رہا تھا۔ معاذ حیدر اسے دیکھتے رہے جب اس نے موہاں کی بند کر دی تو انہوں نے کہا۔
”تم داہن امریکہ جا رہے ہو؟“
”ہاں۔“

”مگر جہانگیر نے تمہیں اسلام آباد لائق کے پاس جانے کیلئے کہا ہے۔“
”وہ بہت کچھ کہتے رہتے ہیں، مجھے ان کی پر دانی نہیں ہے۔“ وہ انا دوسرا دیکھ کھولنے لگا تھا۔
”محترم امریکہ جا کر کرو گے کیا؟“ پاپا اب اس سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ ہونٹ پیچھے بیگ میں اپنے کپڑے ڈھونڈ رہا تھا۔

”تم لڑو گے جہانگیر سے جا کر؟“ ٹانا نے اس سے پوچھا۔

”میں آپ کو اتنا حق لگتا ہوں؟“ وہ لگ کر بولا۔

”تو پھر کیوں جا رہے ہو؟“

”بس ویسے ہی۔“

”عمر۔“ ٹانا نے جیسے تنبیہی اعزاز میں کہا۔

”میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں۔“ اس نے میر سے بیگ کو زوردار غور کر ماری۔ بیگ ایک جھکے سے دور جا چلا تھا۔

”داہن چا کر اپنا وقت ضائع کر دے۔“ ٹانا نے اس سے کہا تھا۔

”وقت۔۔۔ یہ وقت کیا ہوتا ہے۔۔۔ جب زندگی ضائع ہو رہی ہو تو وقت ضائع ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ اس کا لہجہ تڑپا تھا۔

”پاپا سے کہیں، بس کریں یہ سب کچھ۔ اب یہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ یا کم از کم ہر ایک کے ساتھ رشتے جوڑنے تو نہ بیٹھ جائیں۔ پاپا کو شرم نہیں آتی یہ سب کچھ کرتے ہوئے۔ مگر مجھے آتی ہے۔ میں اپنے فریڈ ز اور کزنز کے سامنے کس طرح جاؤں گا۔“

”جہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ جہانگیر جو کچھ کر رہا ہے، وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ جہیں پروا نہیں کرنی چاہیے۔“ ٹانا نے اسے قہر دینے کی کوشش کی۔

”کہا بہت آسان ہے گرنی۔ مگر میرے لیے یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے۔“

”مگر امریکہ جا کر تم کیا کر لو گے پھر داہن آنا پڑے گا۔۔۔ چند ماہ بعد تمہیں انٹرویو کیلئے آنا ہے پھر وہاں جا کر وقت ضائع مت کرو۔“ ٹانا نے اسے کہا ہے کہ ایک اور کوشش کی۔

”نہیں، اب مجھے داہن نہیں آتا ہے۔ مجھے کوئی دیکھی نہیں ہے انٹرویو میں۔ کون عزت کرے گا میرے جیسے بندے کی جو سول سروس میں ہوگا اور اس کے باپ کی شادیوں کی تفصیلات ہر دوسرے سال اخبار چھاپتے رہیں۔“

”لوگوں کی یادداشت اتنی اچھی نہیں ہوتی ہے، تم جہانگیر کی وجہ سے اپنا کیریئر چاہت کرو۔“

”لوگوں کی یادداشت اچھی ہو یا نہ ہو مگر میری یادداشت اچھی ہے۔ مجھے کوئی کیریئر نہیں بنانا۔ پاپا سے کہیں، جائیداد میں سے میرا حصہ دے دیں۔“

”عمر! تم ابھی ننھے میں ہو۔ اس حالت میں تم کچھ نہیں سوچ سکتے۔“

”نہیں گریڈ پاپا! میں ننھے میں نہیں ہوں۔ میں نے پاپا کے ساتھ کتنا مشکل وقت گزارا ہے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہوئے پوکر کھیل ہیں اب نہیں جانتے۔“ وہ اپنے بیٹے پر بیٹھ گیا تھا۔

”انفرز چلائے ہیں۔۔۔ چلائے رہیں مگر شادی اور وہ بھی اس طرح لڑکیوں سے too disgusting۔“ ٹانا اس کے پاس بیٹھ گئے۔

”تم جہانگیر کو نہیں بدل سکتے اس کے دل میں جو آتا ہے وہ وہی کرتا ہے مگر تم اپنے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی کوشش مت کرو۔“ وہ ٹانا کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”ابھی تم جہانگیر پر فحش بیٹے ہو۔۔۔ اس کے ساتھ لڑنے کے حماقت مت کرو۔۔۔ جس شادی پر جہیں اعتراض ہو رہا ہے۔۔۔ پانچویں وہ کتنا مرہ مٹتی ہے۔ جہانگیر کے بدلے ہوئے موڑ کا تو جہیں ہائی ہے۔ اور پھر یہ لڑکی بہت کم عمر ہے۔ چار دن جہانگیر کے پیچھے پیش کرے گی پھر اسے چھوڑ جائے گی۔ یہ ماذکر نہیں بباتی ہیں۔“

معاذ حیدر کو روانی میں بات کرتے کرتے احساس ہوا تھا کہ انہوں نے عمر کے سامنے ایک غلط بات کہہ دی

تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا تھا۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھکست خوردگی دیکھ لی تھی۔

اس کے پاس یکدم جیسے سارے لفظ ختم ہو گئے تھے۔ معاذ حیدر بات کہہ کر جیسے چور بن گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اب اپنی بات کی حتمی کے لئے اسے کیا کہیں۔

وہ اس پر جھکائے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن سے باری باری باقی انگلیوں کے ناخن کھرچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ معاذ حیدر نے اچھی بیوی کی طرف دیکھا۔ ناوہ بھی ان کی بات پر اتنی ہی شرمندہ نظر آ رہی تھیں جتنا وہ خود تھے۔

بالآخر انہوں نے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔

”ساری مالدار پوری نہیں ہوتیں مگر جب عمروں میں اتنا فرق ہو تو پھر شادی کا مایاب ہونے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر اگر جہانگیر جیسا آدمی ہو تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔“

مہر نے ان کی بات پر اصرار کا غور سے انہیں دیکھا تھا۔ ”گرینڈ پاؤ اور وہ کبھی تیرا ہیست کیسے گا۔ میری ماں کو کبھی ماں بھی نہ سمجھے گا۔ ماڈل عورت ہوتی ہے، مگر راستی ہے اگر دوسری طرف تھوڑی سی وفاداری ہو۔ پایا میں وفاداری نہ کبھی تھی۔ نہ ہے۔ نہ ہوگی۔ جو عورت گیارہ سال کسی جہانگیر محاذ کے ساتھ گزار سکتی ہے وہ ساری عمری گزار سکتی ہے، میری ماں نے یہ پوشش کی تھی۔“

وہ یک دم اس طرح زارا کی حمایت میں بولا تھا کہ معاذ حیدر اور ان کی بیوی دونوں حیران رہ گئے تھے، کہاں وہ زارا سے ملے پر تیار نہیں تھا کہاں وہ اس کے حق میں دلیلیں دے رہا تھا۔

”میں نے زارا کی بات نہیں کی تھی، میں جانتا ہوں، وہ اچھی عورت تھی۔ میں تو دیے ہی بات کر رہا تھا۔“

”نہیں! وہ اچھی عورت نہیں تھی۔ اچھی عورت ہوتی تو پاپا سے شادی کبھی نہ کرتی۔“ اگلے ہی جملے میں وہ ایک بار پھر اپنی بات کی نفی کرنے لگی۔

معاذ حیدر نے مجھے کچھ پسے ہو کر اسے دیکھا۔ ”بھئی ہے، یہ حال تمہارا عجیبی کی چیز ہے۔ اچھا کیریئر راہ۔“
 پرمٹ لگاؤ، قہقروں، سکون اور کچھ داری سے کام لو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس طرح بھاکم بھاکم امریکی جا کر
 نہیں کیال جائے گا۔ جاگیر سے سامنا ہوگا، دو اور مشغل ہوگا۔ یہاں سے چلے جانے سے بھی تمہارا نقصان
 وہاں اس لیے تمھنے سے دماغ سے اس مسئلے پر غور کرو اور پھر کیو فیملی کرو۔“

معاذ حیدر نے ایک بار پھر اس سمجھانا شروع کر دیا وہ پوری خاموشی کے ساتھ سرجھکائے ان کی بات سنتا رہا۔ پہلے کی نسبت وہ اب متعطل لگ رہا تھا۔ معاذ حیدر کو اس کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مکمل کش کا شکار چکا ہے۔

بہت دیر تک وہ دونوں اس کے پاس بیٹھے اسے سمجھاتے رہے۔ وہ اسی خاموشی کے ساتھ کچھ جواب دیئے
غیران کی باتیں سنتا رہا۔

جب وہ دونوں اس کے پاس سے اٹھ کر آئے تھے تب بھی وہ خاموش تھا۔ اب اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ وہ اندازہ نہیں کر پائے، اس نے کیا فیصلہ کیا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد عمر نے کمرہ لاک کر لیا تھا۔ بیڈ پر سیدہ حالینا چھت کو گھورتے ہوئے وہ بہت دیر تک اپنا ذہن کسی بھی چیز پر مرکوز نہیں کر پا رہا تھا۔

”گر مینڈ پانچک کہتے ہیں۔ میں واقعی اسکی کہ ایک کھ پکی ہوں جس کی ڈوریں پوری طرح سے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ میں چاہوں بھی تو خود کو آپ سے نہیں چھڑا سکتا۔ آپ میرے لئے انکو جس سے بھی زیادہ خوفناک بنات ہو رہے ہیں۔ مگر بالکل ایک دقت ایسا ضرور آئے گا جب میں خود کو آپ کے تشبیہ سے چھڑا لوں گا۔ مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ دقت کتنی جلدی آتا ہے۔“

وہ لیٹے لیٹے بڑھ دیا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ وہ اس طرح پرارہا پھر حکیم جیسے ایک خیال آنے پر اس نے سائید خیل پر پڑا ہوا اپنا دالت ہاتھ بڑھا کر اٹھایا۔ آہستگی سے دالت کھول کر اس نے اس میں لگی ہوئی ایک تصویر کو دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر کھلے ہوئے دالت کو اپنی آنکھوں پر الٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆☆☆.

وہ صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچ گیا تھا۔ ایئر پورٹ پر اسے لتیق انکلی کی بڑی بیٹی شازنہ سے ریسید کیا۔ وہ شازنہ سے پہلے بھی دو تین بار مل چکا تھا اس لیے اس کوئی اجنبیت نہیں ہوئی تھی، مگر جس موزم میں وہ ان دنوں تھا بہت کڑش کی بعد بھی وہ اس طرح شازنہ سے بات نہیں کر سکتا جیسے پہلے کرتا تھا۔ نہ چاہتا ہوئے بھی وہ کچھ کھانچا کھنچا تھا اور شازنہ نے یہ بات فوراً محسوس کر لی تھی۔

ایئرپورٹ سے گھر جاتے ہوئے گاڑی میں اس نے عمرے خاصے بے تکلفی سے کہا۔

”تم خاصے سیریس ہو گئے ہو عمر! چھ ماہ پہلے جب تم سے ملاقات ہوئی تھی تو تم خاصے جولی ہوا کرتے تھے۔“

اب کیا ہوا ہے؟“

’نہیں، میں ویسا ہی ہوں، کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ پتا نہیں تمہیں کیوں ایسا لگا ہے۔‘ ”عمر نے مسکرا کر کہا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔“

”لیتیق انکل تو اس وقت آفس میں ہوں مگر؟“ عمر نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں! پایا تو آفس میں ہی ہیں۔ اسی لیے تو میں لینے آئی ہوں تمہیں۔ اگر تمہاری غلاط رات کو ہوتی تو وہ خود تمہیں لینے آتے۔ تم اب گھر جانے کے بعد انہیں رنگ کر لیما۔ انہوں نے خاص طور پر کہا ہے۔“

”میں سوچ رہا ہوں کہ انکل کے آفس ہی چلا جاتا ہوں۔ وہاں.....“

شازدہ نے عمر کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ ”وہاں جانے کا کوئی ٹاکنہ نہیں ہے۔ وہ آج تھوڑی دیر سی وہاں رہیں گے۔ پھر انہیں دو تین جگہوں پر جانا ہے۔۔۔۔۔ آج کل آٹس میں ان کا زیادہ وقت نہیں گزرتا کچھ دوسری سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔“ شازدہ نے لارڈائی کی کہا۔

”اور تم نے کچھ کہا نہیں۔ کوئی اعتراض؟“

”میں اعتراض کیوں کرتا۔ یہ پاپا کی زندگی ہے، وہ جو چاہیں کریں۔“ اس نے بڑی سرد مہری اور لا پرواہی سے کہا۔

”ہاں! ویسے بھی اگلے جہانگیر کی شادی سے تمہیں تو زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ تمہاری جی تو پہلے ہی ان کی سیریش ہو چکی ہے۔“ اعتراض تو مرین آئی نے کیا ہوگا۔ پاپا بتا رہے تھے کہ انہوں نے سوسائٹی کی کوشش کی تھی اس شادی سے کچھ دن پہلے۔“

عمر یک دم چمک گیا۔ شازدہ کے پاس وہ ساری معلومات تھیں جو اس کے پاس ہوتی چاہیے تھیں۔ لہذا اگلے سے اس کے پاپا کی بہت گہری دوستی تھی۔ صرف رشتہ داری نہیں تھی۔

”سوسائٹی؟“ اس نے کچھ حیران ہو کر کہا۔

”تمہیں نہیں پتا؟“

”نہیں۔“

”مرین آئی خوش قسمتی سے نکلی اور اگلے جہانگیر اتنے غصے میں آگے کہ انہوں نے مرین آئی کو ڈاکی دورس (حلاق) کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر پاپا اور دوسرے انگو نے مرین آئی کی ریکویسٹ پر انہیں بھیجا۔ اگلے جہانگیر بڑی مشکل سے اس کام سے باز آئے۔ ڈاکی دورس تو انہوں نے نہیں دی مگر مرین آئی کو یہاں اسلام آباد شفٹ کر دے ہیں۔ اب وہ انہیں ساتھ رکھنے پر تیار نہیں ہیں۔ وہاں امریکہ میں بھی انہوں نے مرین آئی کو کسی اپارٹ منٹ میں شفٹ کر دیا ہے۔ اپنے ساتھ انہوں نے رشتا کو رکھا ہوا ہے۔“

وہ خاموشی سے شازدہ کی گفتگو سن رہا تھا۔

”سوائے میرے اور گریڈ پاور گرنی کے خاندان میں سب کو پاپا کی اس متوجع شادی کے بارے میں بہت پہلے پتا چل چکا تھا مگر اس بارے میں انعام نہیں کیا۔ ہر ایک نے یہ بات چھپائی۔“ عمر کڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا اور اسے اپنے کزنز پر کئی حیرت ہو رہی تھی جن سے اس کی اگلی خاموشی بدلتی تھی۔

”شاہید یہ اچھا ہی ہوا اور نہ جو کچھ وقت میں نے لاہور میں سکون سے گزارا ہے، وہ بھی گزار نہ پاتا۔“ وہ اب سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

”خود مونچہ انجوائے کر رہی ہو پائیں۔ تم خواہ خواہ اپنی نانو سے خوزدہ ہو رہی تھیں۔“ شہلا نے تالیاں بجاتے ہوئے بلند آواز میں طعنے دے کہا جو خود بھی تالیاں بجاتے ہی سے صبر دوستی تھی۔ طعنے مسکراتے ہوئے کچھ کہہ بغیر اسی پر نظریں جمائے رہی جہاں سکرانگے گانے کی تیاری کر رہا تھا۔

وہ دونوں اس وقت ایک میز پر ٹکڑے کالچ میں بیٹھے تھے۔ شہلا کا بھائی اور اس کے کچھ دوست بھی اس کنسرٹ میں پر قلم کر رہے تھے۔ کنسرٹ شام کو تھا اور شہلا کا اصرار تھا کہ طعنے بھی اس کے

”اس کا مطلب ہے کہ آج کا دن تو ایسے ہی نکل جائے گا۔“ عمر نے کچھ سوچے ہوئے کہا۔

”جہیں جلدی کسی بات کی ہے۔ آج کا دن گر جائے گا تو پھر کیا ہے۔ تم آرام سے یہاں رہ کر اپنا کام کرو۔ دن گھنٹے کی کوشش نہ کرو، ویسے بھی پاپا بتا رہے تھے کہ اگلے جہانگیر نے تمہیں ابھی اسلام آباد رہنے کیلئے ہی کہا ہے۔“

عمر نے اس بات پر ایک گہرا سانس لے کر کھڑکی سے باہر بھاگا۔

”ویسے اگلے جہانگیر کا ٹیٹ بہت اچھا ہے۔“ عمر نے چمک کر شازدہ کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ تھی۔

”رشتا کسی کو کھاس تک نہیں ڈالتی حتیٰ شادی تو دور کی بات حتیٰ محروم کیو۔“

عمر نے بے اختیار اپنا منہ ہنسنے لگا۔

”میں نے ایک دو شوز میں ماڈلنگ کی ہے اس کے ساتھ، وہ واقعی بہت اڑ پکڑاؤ گیس ہے۔“ شازدہ اب اس کی تعریف کر رہی تھی۔

”تم ماڈلنگ کرنے لگی ہو؟“ عمر نے دانستہ طور پر بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”پروڈیوٹی تو نہیں۔ میں ایڈیٹر کے طور پر۔۔۔ جی کی ایک فرینڈ کے کہنے پر ایڈیٹر کے ایک فنکشن میں کی تھی۔۔۔ رسائے بہت اچھا اور وہیں ایک میگزین کی ایڈیٹر نے ایک فیشن شوٹ کے لئے کہا۔ میں پھر آہستہ آہستہ کچھ اور فیشن شوٹ بھی ملے گئے۔ بلکہ اب تو ایک ٹی وی سیریل کا کاسٹنگ بھی سامن کیا ہے۔ ایڈیٹر کو دل نہیں ہے مگر اچھا رہا ہے۔ مجھے تو پس یہ خوشی ہے کہ بہت اچھی کاسٹ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے گا۔“

شازدہ نے بہت جوش سے اپنے بارے میں تفصیل سے بتانا شروع کر دیا تھا۔

”اچھی ایڈیٹر بنی ہے۔“ عمر نے سرسری سا تبصرہ کیا۔

”اس ویڈیو پر ایک فیشن شوٹ میں حصہ لے رہی ہوں، تم چھٹا ساتھ۔“ شازدہ نے فوراً اسے آڑکی۔

”نہیں مجھے کوئی ڈیوٹی نہیں ہے فیشن شوٹ میں۔“ عمر نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

”کیا؟ تمہیں کوئی انٹرسٹی ہے نہیں ہے حالانکہ تمہاری ہی خود اپنی مشہور ماڈل وہ بنی ہیں۔ پھر بھی تمہیں انٹرسٹ نہیں ہے۔“

عمر نے اس کی بات کا جواب ایک ہلکی مسکراہٹ سے دیا۔ گاڑی میں کچھ دیر کیلئے خاموشی چھا گئی۔

”ویسے اگلے جہانگیر نے تمہیں رشتا سے شادی کے بارے میں بتایا تھا۔ میرا مطلب ہے شادی سے پہلے؟“

ایک بار پھر شازدہ نے ہی خاموشی توڑی۔ گفتگو کا موضوع ایک بار پھر وہی ہو گیا تھا جس سے عمر بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ہاں۔“ اس نے جھوٹ بولا۔

”اپنی برتھ ڈے کرادوں گی۔“

”یہ بھی مت کرنا، انہیں تمہاری برتھ ڈے یاد ہے۔“ علیزہ نے فوراً منع کیا۔

”تو پھر ٹیک ہے، سبن کی برتھ ڈے پائی کا کہہ دیتے ہیں۔“ شہلا نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیا۔

”ہاں یہ ٹیک ہے۔“ علیزہ ہنسنے لگی۔

پھر اگلے دن شہلا کاغے سے اس کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی اور اس نے نالو سے علیزہ کو اس کنکشن پر بھیجے کیلئے اجازت مانگی تھی۔ نالو نے حسب توقع فوراً انکار کر دیا مگر شہلا نے اپنی بات پر اصرار اور ادراں کی اتنی مت کی کہ وہ بالآخر خیر باد ہو گئیں۔

ادراں وہ دونوں وہاں کنسرت میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کنسرت میں دو مشہور گھر تھے اور ان کے علاوہ باقی سارے اسٹوڈنٹ گزر تھے۔

”کنسرت ختم ہونے کے بعد سکرز سے بھی ملیں گے۔“ شہلا نے خود دل کے درمیان اس سے کہا۔ علیزہ بے اختیار خوش ہوئی۔

”مگر کنسرت ختم ہوتے ہوئے تو بہت دیر ہو جائے گی پھر۔۔۔۔۔“ علیزہ کو اچانک خیال آیا۔

”ایسا کریں جب فاروقی کپڑا کر لے گا تو ہم اس کے پیچھے جا کر ان لوگوں سے مل لیں گے اور پھر چلے جائیں گے۔“ شہلا کو بھی احساس ہوا کہ اس وقت تک دیر ہو جائے گی۔

پھر انہوں نے یہی کیا۔ شہلا کے بھائی نے اس کے ہارڈ گانے سے اس کے دوسرے گانے کے ختم ہوتے ہی وہ دونوں اس کے پیچھے چلی آئی تھیں۔ شہلا نے جاتے ہی فاروق کو مبارکباد دی اور پھر کہا۔

”میرا اور علیزہ کو تعارف کرادو ان لوگوں سے۔ کوئی فائدہ تو ہو تمہارے کنسرت کا۔“ شہلا نے دور کھڑے ہوئے سکرز کو خوش کہیں میں معروف دیکھ کر اس سے کہا۔

”اچھا ٹیک ہے میرے ساتھ آؤ۔“

وہ انہیں لے کر ان لوگوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ علیزہ ایک دم ایسا بیٹھ ہو گئی۔ فاروق نے ان دونوں کا تعارف کر دیا تھا۔ شہلا اب بڑی بے تکلفی سے ان لوگوں سے خوش کہیں میں معروف تھی جبکہ علیزہ کچھ نرس کی ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر ان لوگوں کے ساتھ کپ شپ کرنے کے بعد وہ لوگ فاروق کے ساتھ واپس چارے تھے جب ایک لڑکے کو دیکھ کر فاروقی ایک بار پھر کہا۔

”یہ ذوالقرنین آج اس نے بھی پر فارم کیا ہے۔ تم لوگوں نے دیکھا ہی ہوگا۔ بہت اچھا دوست ہے میرا۔“ اس نے علیزہ اور شہلا سے کہا۔

علیزہ نے اس کے اپنے اسی لڑکے کو پر فارم کرتے دیکھا تھا اور وہ اس کے گانے سے زیادہ اس کی اسٹائٹس سے متاثر ہوئی تھی۔

”دوبی کو لٹک، باز“ اس نے اس کے اسٹینج پر آتے ہی شہلا سے کہا تھا اور اب وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

ساتھ وہاں چلے۔ مگر علیزہ جانتی تھی کہ نالو شام کے وقت اسے گھر سے باہر نہیں جانے دیں گی اور پھر کسی کنسرت میں جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کنسرت بھی ایسا جڑ لوگوں کے ایک کاغ میں تھا۔۔۔۔۔ شہلا کے اصرار کے باوجود اس نے انکار کر دیا مگر شہلا نے اڑتیں مانی تھیں۔

”دیکھو! میں خود نالو سے بات کر چکی ہوں۔“ اس نے بالآخر علیزہ سے کہا۔

”بات کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں جانتی ہوں وہ نہیں مانیں گی۔“

”ہاں جائیں گی۔ میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گی کہ میں تمہیں کنسرت پر لے جا رہی ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ علیزہ حیران ہوئی۔

”میں ان سے بیکار ہوں گی کہ میرے گھر پر کنکشن ہے اور میں تمہیں اس کیلئے الوائٹ کر رہی ہوں۔“ شہلا

نے بڑے آرام سے کہا۔

”یعنی تم نالو سے جھوٹ بولو گی؟“

”ظاہر ہے کبھی جب وہ جگہ جانے پر مجبور نہیں دے رہیں تو پھر جھوٹ ہی بولنا پڑے گا۔“

”نہیں۔“ علیزہ نے صاف انکار کر دیا۔

”کیوں ٹیک نہیں ہے۔ میں بھی تو تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔“

”مگر نالو کو پتا چل گیا تو وہ آئندہ تمہارے ساتھ بھی نہیں جانے دیں گی بلکہ وہ مجبور کریں گی کہ میں تم

سے دوستی بھی ختم کر دوں۔“

”مگر انہیں پتا چلے گا ہی نہیں۔ شام بچے ہی کنسرت شروع ہو رہا ہے ہم آٹھ بجے تک واپس آ جائیں گے۔“

”اور اگر نالو نے اس دوران تمہارے گھر فون کر لیا تو؟“

”تو میری ماما ان سے کہہ دیں گی کہ تم وہاں ہو اور بس گھر آنے والی ہو۔“

”یعنی تمہاری ماما بھی جھوٹ بولیں گی؟“

”ہاں صرف تمہارے لیے۔“

علیزہ اس کی بات پر سوچ میں پڑ گئی، وہ خود بھی اس کنسرت میں جانا چاہ رہی تھی کیونکہ اس کے کاغ کی بہت سی لڑکیاں وہاں جا رہی تھیں مگر نالو اس طرح آئیے کبھی کنسرت میں نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ ان ہی کنسرٹس میں جایا کرتی تھی جو جرحہ خاندن سے ہوتے تھے اور جہاں نالو اور انہیں اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس طرح لوگوں کے کسی کاغ میں کنسرت پر جانے کی اجازت ملنا ناممکن تھا اور شہلا اصرار کر رہی تھی کہ۔

”ٹیک ہے۔ تم نالو سے بات کرلو۔ اگر وہ اجازت دیتی ہیں تو پھر سوچ لیں گے۔“ علیزہ نے غم رضا مندی سے کہا۔

”یہ ہوئی بات۔“ شہلا اس کی بات پر بے تحاشا خوش ہوئی۔

”مگر تم انہیں کس کنکشن کے بارے میں کہو گی؟“

”آپ لوگوں کو میرا کیا کیا لگا؟“ وہ سگراتے ہوئے ان سے پوچھ رہا تھا۔

”خاصا اچھا لگتے ہیں آپ۔“ شہلا نے تعریف کی۔

”اور آپ کی کیا رائے ہے؟“ وہ علیزہ کی طرف متوجہ ہوا۔

اس سے پہلے کہ علیزہ کچھ کہتی، شہلا نے شوخ انداز میں کہا۔ ”علیزہ وہ آپ کی آواز سے زیادہ آپ کی لکس سے متاثر ہوئی ہے۔“

علیزہ کا دل چاہا وہ اس بن کردہاں سے غائب ہو جائے۔ بے تکلفی اور مذاق میں کہا گیا وہ تبصرہ شہلا اس طرح ذوالقرنین کو بتا دے گی، یہ اس کے دم و دکان میں بھی نہیں تھا۔

ذوالقرنین اور فاروق نے بے اختیار شہلا کی بات پر قہقہہ لگایا۔ ”ہاں یہ ہمیشہ اپنی لکس کی وجہ سے فائدے میں رہتا ہے۔ سگر گڈ لکک ہوتے سوتے والوں کی تو بے خود بخود بد چال ہی ہے۔ پھر بوگنی آواز کو بھیج دو براہ راست کر لیتے ہیں۔“ اب فاروق نے تبصرہ کیا۔

”تھہارا ایشیاء میری طرف ہے۔“ ذوالقرنین نے فاروق کے کندھے پر ہاتھ مارنے سے منع کیا۔

”نہیں یاد رہے جرات میں کیسے کر سکتا ہوں۔“ فاروق نے پہلو بچایا۔

”علیوں میں تو آپ کو پسند آیا لیکن میری آواز آپ کو کیسی لگی۔“ یہ آپ نے نہیں بتایا؟“

ذوالقرنین ایک بار علیزہ سے مخاطب تھا۔ علیزہ میں سراٹھانے کی بھی ہمت نہیں رہی۔ کچھ دیر پہلے کا سارا جوش و خروش غائب ہو چکا تھا۔

”تاؤ علیزہ! ان کا گانا کیا لگتا ہے؟“ اس بار شہلا نے جیسے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ علیزہ نے کچھ کہے بغیر ہنسنے سے ایک نظر اس کو دیکھا۔

”اب علیزہ ناراض ہو گئی ہے۔“ یارا میں مذاق کر رہی تھی۔ ”شہلا اس کے تیر فوروا بھاپ گئی۔“

”نہیں میرا حال اس تو اس بات کو مذاق سمجھنے پر تیار نہیں۔ میں واقعی اچھا خاصا گڈ لکک بندہ ہوں۔“

ذوالقرنین نے شہلا کی بات پر فوراً کہا۔

”سگراتے گڈ لکک نہیں کہ علیزہ آپ سے متاثر ہو جائے۔“ شہلا نے جیسے کچھ جتانے ہوئے کہا۔

”کیوں علیزہ کو متاثر کرنے کیلئے کتنا گڈ لکک ہونا ضروری ہے؟“ اس بار پھر اس نے بڑی بے ساختگی سے کہا۔

”یہ تو آپ علیزہ سے پوچھیں۔“ شہلا نے سگراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے ان ہی سے پوچھ لیتا ہوں۔“

”شہلا! مگر چلو یہ دوری ہے۔“ وہ جواب دینے کے بجائے شہلا کو بازو سے سمجھنے لگی۔

”جی، یہ اتنا مشکل سوال تو نہیں ہے کہ آپ اس طرح یہاں سے بھاگنے کا سوچیں۔“ ذوالقرنین نے

ایک بار پھر قہقہہ لگ کر کہا۔ علیزہ مزید زور نہ دیتی۔

”جی نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم بالکل یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ ہمیں واقعی دیر

دوری ہے۔“ شہلا نے بلند آواز میں کہا۔

”ٹھیک ہے، میں مان لیتا ہوں لیکن کیا آپ لوگ میرے اگلے کنسرٹ میں آئیں گے۔ خاص طور پر

علیزہ؟“ اس نے انہیں انویٹ کیا۔

”آپ کا کنسرٹ کب ہے؟“ شہلا نے پوچھا۔

”اگلے مہینے۔“

”ٹھیک ہے، ہم سوچیں گے اور فاروق کو بتا دیں گے۔“ شہلا نے چٹا شروع کر دیا۔

”میں کم از کم علیزہ سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ میرے کنسرٹ میں آئے کیلئے پہلے سوچیں اور پھر فیصلہ

کر لیں انہیں آنا ہے۔“

علیزہ نے شہلا کے ساتھ تین سو فیصد قہقہوں سے چلنے ہوئے اپنی پشت پر اس کی آواز سنی۔

فاروق اور ذوالقرنین کی نظروں سے اوپر ہوئے علیزہ شہلا پر برسن پڑی۔

”مجھ میں شرم آتی چاہے اس طرح اس سے میرے بارے میں بات کرتے ہوئے..... وہ کیا سوچتا ہوگا کہ

میں کیسی لڑکی ہوں۔“

”اس میں بری بات کیا ہے۔ اس نے تمہارے بارے میں اچھا ہی سوچا ہوگا اس لیے تو خاص طور پر اپنے

کنسرٹ میں انویٹ کیا ہے اگر برا سوچتا تو ایسا نہ کرتا۔ ویسے بھی اپنی تعریف کسی کو نہیں دیتی لگتی۔“

”شہلا! تم بہت بد فیئر ہو، میں اتنے دن تم سے کوئی بات شیئر نہیں کر دوں گی۔“ علیزہ کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے، میں ایکسکس کر رہی ہوں، اتنے دن ایسا نہیں کر دوں گی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ اس کے کنسرٹ میں

چلتا ہے؟“ شہلا نے فوراً معذرت کرنی شروع کر دی۔

”میں ابھی تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی، تم جس چپ ہو جاؤ۔“ علیزہ اس کی معذرت سے متاثر نہیں

ہوئی۔ شہلا خاموش ہو گئی۔ وہ علیزہ کو اچھی طرح جانتی تھی اور اسے پتا تھا کہ اب وہ اس وقت تک اس سے بات نہیں

کرے گی جب تک اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا۔

☆☆☆☆

ذوالقرنین سے ہونے والی علیزہ کی یہ پہلی ملاقات تھی اور پہلی ملاقات آخری ثابت نہیں ہوئی، کوشش کے

باوجود بھی اس رات کنسرٹ سے مگر وہاں جانے کے بعد علیزہ اسے اپنے ذہن سے جھٹک نہیں پائی، وہ واقعی اتنا

ڈشک تھا کہ کسی بھی لڑکی کیلئے اس نظر انداز کرنا مشکل ہوتا اور علیزہ جس عمر سے گزر رہی تھی اس عمر میں منف مخالف

میں اس طرح پیدا ہو جانے والی دلچسپی بڑی طوفانی رفتار سے بڑھتی ہے۔

اگلے چند دن بعد ایک دن شہلا نے اسے ایک فون نمبر دیا تھا۔

”یہ ذوالقرنین کا فون نمبر ہے، وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے یا پھر تم کو کہو تو وہ خود کو کال کر لے۔“

”کیسا مطلب وہ کیوں بات کرنا چاہتا ہے۔“ علیزہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

قدم میں ان کے ساتھ کام کرنے والا کوئی نہ کوئی لوگ یا شاید انہیں مل رہا تھا۔ وہ جاگت کرتے ہوئے سلام دعا کا تبادلہ کرتے اور کبھی کبھار بڑے جاتے۔

”میں نے جہانگیر سے کہا تھا، جہیں فاران سروں کے بجائے پولیس سروں میں آنے دے مگر وہ میری بات ماننے پر تیار نہیں ہوا۔“ جاگت ٹریک پر اس کے ساتھ بھاگتے بھاگتے وہ بائیں کرتے جا رہے تھے۔

”تمہارا اپنا انٹرسٹ کس چیز میں ہے؟“

”کسی میں بھی نہیں۔“ اس کا دل چاہے وہ کبہدے۔

”فاران سروں ہی ٹھیک ہے۔“ اس نے ساتھ بھاگتے ہوئے کہا۔

”فاران سروں ٹھیک نہیں ہے۔ اس کو نہیں ہے اب اس کا کوئی۔“ ہر پولیسنگل گورنمنٹ آتے ہی سیاسی بنیادوں پر اپنا منٹ کر دیتی ہے۔ چار چھ جواڑے جگہ ہیں وہاں فاران سروں کے کسی بندے کو وہ لگاتے ہی نہیں جو سیاست دان انکسٹن جاتے ہیں، مگر پانی کو اچھا خاصا روپیہ دے رہے ہیں وہ انہیں کو اٹھا کر ان لوگوں میں بیچ دیتی ہے۔ پانی جو لگ رہا جاتے ہیں وہاں صرف کام ہی کیا جاسکتا ہے۔ پیش کرنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور کام اسی لیے نہیں کیا جاسکتا کہ مشین کے پاس فنڈز ہی نہیں ہوتے جو روپیہ گورنمنٹ دیتی ہے اس سے مشکل مشن اپنے اخراجات ہی پورے کر سکتا ہے ایسے حالات میں فاران سروں میں آنے کا فائدہ کیا ہے۔“ وہ بھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہتے جا رہے تھے۔

”پوسٹنگ میرا کسٹرن نہیں ہے، پاپا کروائیں گے۔“

”جہانگیر کروا تو لے گا مگر بات صرف ایک پوسٹنگ کی تو نہیں ہوتی۔ مسلسل اچھی پوسٹنگ ملتی رہے جب جا کر کچھ فائدہ ہوتا ہے اور جہانگیر کو تو خود اس بار بہت پر اہم ہوا ہے۔ بڑی مشکل ہے اس نے اپنی پوسٹ بچائی ہے۔ فاران شہر اپنے بھائی کو اس کی جگہ لانے کی کوشش کر رہے تھے بلکہ اس نے کامیاب ہو گئے تھے وہ تو بس جہانگیر کام آگیا۔ اس کے فادران لانے فشر کے بھائی کی پوسٹنگ نہیں ہوئی۔“

انہوں نے عمر کو جہانگیر کے ایک اور دوست کے بارے میں بتایا عمر نے اس بار کوئی نہیں دیا۔

”پھر جہانگیر کی اس اپنا ک شادی کی وجہ سے بھی مسئلہ ہوا۔“ انہیں میں موجود کسی انجینیئر کے آدمی نے جہانگیر کی شادی سے پہلے رشاکے حوالے سے کوئی خفیہ رپورٹ بیچ دی۔ فاران شہر تو پہلے ہی ناک میں بیٹھے تھے، انہوں نے فوراً شور مچا کر دیا۔ پریس تک پہنچانے والے بھی وہی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ معاملہ پریس تک آنے کا تو خوب اچھے گا اور پھر وزیر اعظم سے ہٹانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مگر جہانگیر بہت کام آیا۔ اس نے فشر کی ایک نہیں چلی دی۔ لیکن آخر تک۔ اب فشر مسلسل ناک میں ہے۔ چوت کھایا ہوا سانپ بنا بیٹھا ہے۔“

”فاران سروں میں اس طرح کی چوہین سے تو پولیس سروں میں تو اور بھی زیادہ پراپٹو ہوں گے، کیونکہ وہاں سیاسی مداخلت اور بھی زیادہ ہے۔“ لیتھ انکل کے ساتھ بھاگتے ہوئے اس نے تبصرہ کیا۔

”اچھی پوسٹنگ تو وہاں بھی مشکل سے ملے گی۔“

”وہ دوستی کرنا چاہتا ہے تم سے۔“

”اس نے فاران کو راج کھالیا ہے اس دن سے کہ وہ تم سے اس کا رابطہ کروائے، فاران نے مجھ سے کہا اب میں تمہیں اس کا فون نمبر دے رہی ہوں۔“

”کہیں تم نے اس کو میرا فون نمبر تو نہیں دیا؟“ علیزہ ایک دم خائف ہو گئی۔

”میں نے تو نہیں مگر فاران نے دے دیا ہے۔ اب اگر تم اسے فون نہیں کرتیں تو پھر یقیناً وہ تمہیں فون کرے گا۔“ علیزہ کا جیسے سانس رک گیا۔ ”اوہ گا! اگر فون کاٹنے والے ریسیور کر لیا تو۔۔۔۔۔ شہلا اتم اسے منع کر دے کہ مجھے کبھی فون مت کرے۔“

”تو پھر بہتر ہے تم خود اس سے بات کر لو۔۔۔۔۔ اسے فون کر لو۔“

شہلا نے اس کے سامنے جیسے ایک تجویز رکھی تھی۔

”مگر میں اس سے فون پر کیا کہوں۔۔۔۔۔ نہیں میں اسے کال نہیں کروں گی۔“ اس نے فوراً انکار کر دیا۔

اس کا انکار بہت دور تک نہیں چلا۔ دوسرے دن لا شعوری طور پر اسے فون کر چکی تھی۔ اور فون کا لڑکا یہ سلسلہ پھر بڑھتا گیا تھا۔ ذوالقرنین میڈیکل کالج میں فاران کا کلاس ٹیوٹن تھا وہ دونوں فمزڈ ایئر میں تھے اور نہ صرف فاران بلکہ شہلا کی بھی ذوالقرنین کے بارے میں اچھی رائے تھی۔

عمران دونوں اسلام آباد میں تھا اور اس کے اور علیزہ کے درمیان بھردری اور انیت کا جو ایک تعلق شروع ہوا تھا وہ ایک دم جیسے غائب ہو گیا تھا، عمر خود اسے کبھی کال نہیں کرتا تھا، فون یا فون یا اسے کال کیا کرتے تھے اور علیزہ کو کبھی اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا نہ ہی عمر نے کبھی علیزہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

دوسری طرف علیزہ کیلئے ان دونوں ذوالقرنین سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں رہی تھی۔ وہ شہلا کو کال کرنے کے بجائے ذوالقرنین کو کال کرتی اور بہت دور تک اس سے باتیں کرتی رہتی۔ اس کے اندر ایک دم بہت سی تبدیلیاں آنے لگی تھیں۔ وہ پہلے سے زیادہ خوش رہنے لگی تھی۔ خود بہت زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔ کر سکی کے ساتھ بھی پہلے سے کم وقت گزارنے لگی تھی۔ فون اس میں ہونے والی ان تبدیلیوں کی وجہ نہیں جانتی تھی مگر وہ خوش تھی کہ وہ آہستہ آہستہ ڈپریشن کے اس فیر سے باہر آ رہی ہے جس میں وہ پچھلے کچھ عرصہ سے تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ اپنی اسٹڈیز پر بھی پہلے کی طرح توجہ دینے لگے گی۔

ذوالقرنین میں علیزہ کو کیا چیز اچھی لگی تھی۔ علیزہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ اس کے گس سے زیادہ حائر ہوئی تھی یا اس کے مگر ہونے یا پھر علیزہ میں لی جانے والی دھجکی سے۔۔۔۔۔ اسے کچھ بھی ٹھیک سے اندازہ نہیں تھا مگر وہ صرف اس بات سے خوش تھی کہ وہ ایک دم کبھی کیلئے اپنی اہم ہو گئی ہے۔ ذوالقرنین اس کی تعریفیں کرتا تھا اور علیزہ کیلئے ان دونوں عمر کی عدم موجودگی میں شاید ہی چیز کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

وہ لیتھ انکل کے ساتھ شام کو چاکلنگ کیلئے پک میں آیا تھا جاگت ٹریک پر دوڑتے ہوئے ہر دوسرے

جب تم واپس آؤ تو میں تم سے کہوں کہ تم انہیں کال کرو۔"

وہ اس وقت گلاب سے واپس آیا تھا جب لالچ میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر شانزہ نے اطلاع دی۔ عمر یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"انہوں نے بس یہی پیغام چھڑا ہے؟"

"ہاں بس یہی کہا تھا انہوں نے تمہارے موبائل پر بھی کال کی تھی مگر تم نے اپنا موبائل آف کیا ہوا تھا۔"

شانزہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ عمر مزید کچھ پوچھنے کے بجائے سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔

موبائل آن کر کے سائیکل پمپل پر رکھنے کے بعد وہ نہانے کیلئے ہاتھ روم میں چلا گیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد جب وہ نہانے کے بعد باہر نکلا تھا تو اس کے موبائل کی بیلپ سنا کی دے رہی تھی۔ اس نے کچھ ٹھیک کر تذبذب کے عالم میں موبائل اٹھا لیا تھا کال کرنے والے کا نمبر دیکھ کر اس نے ہونٹ میچھکی لیے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک مگر اسانس نے کہ اس نے کال ریسائیو کیا۔

"ہیلو عمر! میں شمرین بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف سے اسے اپنے باپ کی دوسری بیوی کی آواز سنانی دی۔

"ہاں، میں بول رہا ہوں۔ کبھی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟"

"فائن۔"

"میں آج سارا دن بار بار تم سے کالمیک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر تمہارا موبائل آف تھا۔"

"ہاں، میں کچھ مصروف تھا، آپ کو کوئی ضروری کام تھا؟" دوسری طرف چند لمبے خاموشی رہی پھر شمرین کی آواز سنانی دی۔

"مجھیں جہانگیر کی شادی کا تو پتا چل ہی گیا ہوگا؟"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" اس نے مختصر کہا۔

"تم یہی اچھی طرح جانتے ہو گے کہ وہ لڑکی جہانگیر کی آدمی عمر سے بھی کم عمر ہے۔ پھر جس طرح کی شہرت وہ رکھتی ہے میں نہیں جانتی، جہانگیر کو کیا ہو گیا ہے وہ کیوں اس طرح کی حرکتیں کر رہا ہے۔" شمرین کے لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

عمر خاموشی سے ان کی بات سنتا رہا۔ "میں اور بچے جہانگیر کی اس حرکت سے کتنے ڈسٹرب ہیں اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔"

"لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟" اس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تم جہانگیر سے بات کرو؟" شمرین کا لہجہ اس بار کچھ دھیمّا تھا۔

"کیا بات کروں؟" دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی۔

"ہاں یہ پریلنٹر تو وہاں بھی ہیں، مگر وہاں بندہ جس بھی شہر میں پہنچے ہو، وہاں کی انٹریسٹنگ کلاس سے کالمیکس اس کا سنا ہے۔ اچھا خاصا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بندے کے پاس پاور اور اختیاراتی ہوتو کچھ ساری دنیا اپنی ہے۔" وہ اسے گرتا رہا ہے۔

"تم نے انتخاب میں دوسرے نمبر پر کون سا بیٹا ٹرسٹ دیا ہے؟"

"ڈی ایم جی۔"

"اور پولیس سرس کو کس نمبر پر لیا ہے؟"

"تیسرے پر۔"

"بہتر ہوتا تم اسے ہی پہلا نمبر پر رکھتے، ہر حال ابھی بھی وقت ہے، تم سوچ لو، میں جہانگیر سے دوبارہ بات کروں گا۔ سب کچھ بدلا پاسکتا ہے۔" انہوں نے اس کے سامنے پیسے بنایا رستہ کھولا تھا۔

"نہیں! اگلے! میں قانون سرس ہی جوائن کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ مجھے کسی دوسرے گروپ میں دلچسپی نہیں ہے۔" عمر نے انکار کر دیا۔

"پھر بھی ایک بار دوبارہ سوچ لو۔"

"نہیں، جو بھی پاپا نے طے کیا ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔" لیتھ اگلے کالک کرتے ہوئے خاموش ہو گئے۔

لیتھ اگلے جہانگیر معاذ سے اپنی دوستی پر بڑا غور کرتے تھے اور وہ اس بات پر بھی خاموش نازاں تھے کہ جہانگیر معاذ ان پر مکمل طور پر اعتماد کرتا تھا۔

عمر سے ملاقات کے دوران بھی انہوں نے کسی بار اس بات کا اظہار کیا تھا اور وہ صرف مسکرا کر رہ گیا تھا وہ ان کی خوش فہمی کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ درجہ وہ جانتا تھا کہ جہانگیر معاذ جیسا شخص جو اپنے سامنے پر بھی اصرار نہیں کرتا۔ وہ ایک کزن پر کیے احمد کر سکتا ہے، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح لیتھ اگلے بھی ان کے ہاتھ ایک کھینچ کر طرح طرح کے چننیں وہ بڑی ہوشیاری سے استعمال کر رہے تھے۔ عمر صرف اس بات کا اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ لیتھ اگلے اس بات کو جانتے تھے یا نہیں۔ عمر نے لیتھ اگلے کے بارے میں اپنے باپ کے منہ سے بہت بار سناؤ نہ جھلے تھے اور لیتھ اگلے واحد نہیں تھے۔ وہ اپنے ہر دوست اور ملنے والے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتے رہتے تھے۔ عمر کو حیرانی ہوتی کہ اس کے باوجود ان کے دوستوں کی ہی بڑی تعداد میں کوئی کی آئی نہ ہی انہیں کبھی اپنے دوست سے نقصان پہنچاتا تھا۔

اس نے جہانگیر معاذ کو صرف اپنے فریڈ اور کزن کا ہی نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کے نام اور پوزیشن کا بھی بری طرح استعمال کرتے دیکھا تھا، اور اب جب وہ اپنے باپ کے کسی بھی دوست سے ملتا تو اسے ہمیشہ ان پر ترس آتا۔۔۔ لیتھ اگلے بھی ان ہی میں سے ایک تھے۔

☆☆☆

"وہ عمر! شمرین آئی نے دوبارہ کال کی ہے۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ تم گھر پر نہیں ہو۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ

عر نے ہاگوار سے ان کی وضاحت کو کاٹ دیا۔

”میں ماضی میں نہیں جانا چاہتا کہ کس نے کیا کس کی وجہ سے اور کیوں..... کم از کم اب مجھے اس بحث سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں آپ کو بس یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ہاتھ کا ہتھیار بنا کر استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

”عمر! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔“

”ہوسکتا ہے، بہر حال یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے اور بہتر ہے، آپ اسے خود ہی حل کریں۔ جو کچھ آپ میرے ذریعے پایا سے کہلاتا جا رہی ہیں۔ وہ خود کہہ دیں یا پھر ولید سے کہیں کہ وہ پایا سے بات کرے ہوسکتا ہے، میرے بجائے وہ زیادہ بہتر طریقے سے یہ سب کچھ پایا تک پہنچا دے۔“

دوسری طرف سے فون یکدم بند کر دیا گیا تھا۔

شرین کے ساتھ اس کے تعلقات میں ہمیشہ ایک تکلف رہا تھا۔ شرین نے یہ اجنبیت دور کرنے کیلئے پہل کی تھی نہ ہی عمر نے اس کی کوشش کی تھی۔ عمر اور ان کے درمیان بڑی سرسری اور رسمی سی گفتگو ہوتی تھی۔ عمر کو جرانی ہوئی تھی کہ شرین نے اس طرح اس سے مدد لینے کی کوشش کیوں کی تھی۔

اس کے دل میں شرین کے خلاف کسی قسم کا کوئی بغض نہیں تھا نہ ہی اس نے کبھی شرین کو اپنی ماں اور باپ کے درمیان ہونے والی تلخی کی ذمہ دار سمجھا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے شرین کیلئے کبھی بہت اچھے احساسات بھی نہیں رکھے تھے اور اس میں بڑا ہاتھ خود شرین کا ہی تھا۔



”کہہ دو اس لڑکی کو ڈائی ورس دے دے۔“

”آپ کا کیا خیال ہے، میرے کہنے پر پایا اسے ڈائی ورس دے دیں گے؟“ اس نے جواباً ان سے پوچھا۔

”تم اس کے سب سے بڑے بیٹے ہو تمہاری بات بہت اہمیت رکھتی ہے۔“

”آپ اگر ایسا سوچ رہی ہیں تو غلط سوچ رہی ہیں۔ خوش قسمتی سے میں ان کا سب سے بڑا بیٹا تو ہوں لیکن میری بات ان کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔“

”عمر! تم اسے مجبور کر سکتے ہو۔“

”نہیں۔ میں انہیں مجبور کر سکتا ہوں نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے دونوں اعزاز میں کہا۔

”عمر! میں تم سے ریکورسٹ کر رہی ہوں۔“ اس بار شرین کا لہجہ تمہرا تھا۔ ”خچہ“

”میں ان پر جتنا ذوال سکتا تھا، ذال چکا ہوں، ان سے اس موضوع پر میری کئی نکتہ ہو چکی ہے اور یہ گفتگو کچھ زیادہ غرضور نہیں رہی، اس لیے میں اس بار سے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

”جہاگیر! میں اسلام آباد والے گھر میں شفٹ کرنا چاہتا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“

”مگر میں اور بچے ایسا نہیں چاہتے۔ جہاگیر! اپنی اپنی بیوی کو کیوں نہیں یہاں شفٹ کرتا..... میں اور بچے اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ وہ اس طرح نہیں اٹھا کر کیسے پیچھا سکتا ہے۔ تم کم از کم اس سے یہ تو کہہ ہی سکتے ہو کہ وہ ہمیں امریکہ میں اپنے پاس ہی رہنے دے۔“

”میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ پایا میری بات سن گئے نہ مانتے ہیں، ویسے بھی یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے بہتر ہے آپ اسے خود حل کریں۔ مجھے درمیان میں مت لائیں۔“

اس نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

”جہاگیر کی شادی صرف میرا یا میرے بچوں کا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ کیا تم اس سے متاثر نہیں ہوئے، کیا تمہیں شرمندگی نہیں ہوئی کہ اس عمر میں جہاگیر نے اس طرح کی حرکت کی ہے۔“

”میں اس تکلیف سے بہت پہلے گزر چکا ہوں۔ باپ کی صرف دوسری شادی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہ سب کچھ پھر روٹھ گئی ہے۔“ اس کے لہجے کی کاٹ نے شرین کو چند لمحوں کیلئے خاموش کر دیا۔

”میں نے جہاگیر سے شادی تمہاری ماں کی ڈائی ورس کے بہت بعد کی تھی۔“

”مگر اس ڈائی ورس کا سبب آپ ہی تھیں۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ عمر جہاگیر اور دارا کے درمیان انڈر سٹینڈنگ نہیں تھی پھر تمہاری ماں نے اپنی مرضی

بارے میں مجھے انکار مشن دی تھی وہ ٹھیک نہیں تھی۔ این جی اوز نے اس علاقے میں بہت کام کیا ہے۔

”تم نے ان کے اسکول وغیرہ دیکھے ہوں گے اس لیے۔“

علیہ نے عمر کی بات کاٹ دی۔ ”نہیں بات صرف اسکول نہیں ہے، میں نے صرف اسکول ہی نہیں دیکھے وہاں اور بھی کچھ دیکھا ہے میں نے لوگوں سے بات چیت کی ہے۔ ایک شخص جھوٹ بول سکتا ہے دو بول سکتے ہیں، مگر شخص تو نہیں وہاں ہر شخص سب کچھ رہا ہے کہ ان این جی اوز کی وجہ سے اس علاقے میں بہت ترقی ہوئی ہے۔“

”اس چیز پر بھی پورا یقین نہیں کرنا چاہیے جو آنکھوں دیکھا ہو نہ کانوں سنا ہو۔“

عمر نے اطمینان سے اس کی بات رد کی۔

”اور ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا ہو۔“

علیہ نے کچھ اکڑے لیے کھینچا۔

”پھر اس پر غور کرنا چاہیے کہ جو کچھ سنا اور دکھائی دے رہا ہے، کیا وہ واقعی ٹھیک ہے۔“ عمر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”میں نے سبکی کیا ہے۔“

عمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا چند لمحوں کے بعد وہ بڑے عجیب سے انداز میں مسکرایا ”اور تمہارے اس غور و خوض نے تمہیں یہ بتایا ہے کہ این جی اوز وہ آسمانی معجزہ ہیں جو اس ملک میں بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔“

علیہ وہ اس کے لیے میں سچا مسخرہ برانگ تھا۔ ”میں نے یہ نہیں کہا کہ این جی اوز کوئی آسمانی معجزہ ہیں۔ میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ اس علاقے کے لوگ ان این جی اوز پر اعتبار کرتے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان کے علاقے میں تہذیب لایا رہے ہیں۔ اور ان کے کام کر رہے ہیں۔“

”ن لیگوں کی بات کر رہی ہو تم؟“ اس کا لہجہ یک دم سرد ہو گیا تھا۔ ”ان لوگوں کی جن کے پاس تعلیم اور شعور نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بے یقین اور ذہنیت کے اعتبار سے اس ملک کی سب سے پسماندہ کھانسی و بیماریات میں ہستی ہے جس کی سوچ غلامانہ تھی، بے اور رہے گی۔ جن پر پہلے نواب اور مہاراجہ حکومت کرتے تھے پھر جاگیردار اور رئیس اور اب این جی اوز..... اور تمہارا خیال ہے کہ سب کچھ بدل جائے۔ کل تک گایاں اور دھول کو مہربانی سمجھ کر مسکرانے والے لوگ اسے باوجود ہو گئے کہ ان میں اچھے اور برے کی پہچان آگئی ہے؟“

”ان لوگوں میں شعور آ رہا ہے۔ وہاں تعلیم کا ریشہ بھی زیادہ ہو رہا ہے۔“ علیہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”تعلیم اور شعور کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہو علیہ بی بی..... مگر ایسا ہوتا تو آج تک کسی تعلیم یافتہ شخص نے کوئی جرم نہ کیا ہوتا۔“ اس کا لہجہ اب بھی کھردراتھا۔

”مگر وہاں کے لوگ واقعی بدل رہے ہیں اگر این جی اوز یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ انہوں نے وہاں اصلاحات کی ہیں تو وہ غلط نہیں سمجھیں وہاں لوگ واقعی ایک بدلے ہوئے ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں اور وہاں کے لوگ این جی اوز کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں۔“ علیہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

باب ۲۸

”تو علیہ بی بی واپس آ چکی ہیں۔“ عمر نے رات کے کھانے کیلئے ڈانٹنگ دہرائی آتے ہی علیہ کو دیکھ کر خوشگوار انداز میں کہا تھا۔

علیہ سر ہر کو دایں پیچ مٹی مٹی اور اس وقت گھر میں عمر نہیں تھا۔ وہ رات کو ہی واپس آیا تھا اور واپس آنے کے بعد ان دونوں کی ملاقات ڈانٹنگ دم میں ہی ہوئی تھی۔

”تو کیا کچھ دیکھا اور دیکھا آپ نے؟“ وہ اب کڑی سمجھنے ہوئے بیٹہ رہا تھا۔

”بہت کچھ۔“ علیہ نے مسکرا کر کہا۔

”اس بہت کچھ کے بارے میں ہمیں بتانا پسند کریں گی؟“

”اس وقت سے یہ میرے کان کا دھاری ہے، اب تمہارے کھانے کی۔“ ناٹو نے مسکراتے ہوئے عمر کو پیچھے خیردار کیا تھا۔

”آپ کیا خیال ہے این جی اوز کے بارے میں؟“ عمر نے گھاس میں پانی ڈالنے ہوئے پوچھا۔

”آپ نے این جی اوز کے بارے میں جو کچھ کہا تھا میں اس سے اتفاق نہیں کرتی۔“ عمر نے پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”دوبی گڈ..... اس کا مطلب ہے آپ نے واقعی اپنی sense of judgement (جاچنے کی صلاحیت) کا استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ویسے بات س سے انگریزی نہیں کرتی تم؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کی سب باتوں سے۔“ اس نے اپنی بیٹ میں چاول لٹا لٹا کر ہونے کہا۔

”سب باتوں سے؟“ ”تمہارا مطلب ہے میں نے تم سے جھوٹ بولا ہے؟“

علیہ یک دم گڑبگڑائی۔ ”نہیں..... میں نے یہ تو نہیں کہا۔“

”تو پھر آپ کیا فرما رہی ہیں؟“

علیہ کچھ دیر خاموشی سے جیسے اپنے لفظوں کو ترتیب دیتی رہی پھر اس نے کہا ”آپ نے این جی اوز کے

فصل کو سمجھنا اس وقت دنیا کا سب سے مشکل کام مگ رہا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ اس کا مطلب ہے آپ اپنی بی اوز کو پسند کرتے ہیں؟“ وہ الجھتی تھی۔

”میں نے یہ بھی نہیں کہا۔“

”نہ آپ اپنی بی اوز کو پسند کرتے ہیں نہ آپ انہیں پسند کرتے ہیں، مگر آپ ان کے بارے میں اچھی رائے بھی نہیں رکھتے۔ یہ کیا عقائد ہے۔“

عمر نے اس کے لیے جس جھگڑے والی منطقی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پیٹ میں ایک کباب نکال لیا۔ ”ہے تو؟“ اس نے نکال بے نیازی سے کباب کھاتے ہوئے کہا۔

عطیہ ایک بار پھر اسے دیکھنے لگی۔ ”آپ پولیس سروس جوائن کر رہے ہیں، فرض کریں آپ کے علاقے میں کوئی این جی او کام کر رہی ہوگی، تو آپ کیا کریں گے؟“

”کچھ بھی نہیں۔“

”اور مگر اس این جی او نے اس علاقے میں پولیس کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا تو پھر آپ کیا کریں گے؟“

”میں اس علاقے سے اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔“

اس نے بے تاثر چہرے اور آواز کے ساتھ کہا، اور پانی کا گلاس اٹھالیا۔ عطیہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”اس کے باوجود کہ وہ ایک صحیح کام کر رہے ہوں گے؟“

”عطیہ! اس کیلکس کو دیکھو۔“ عمر نے پانی کا گلاس اٹھائے ہوئے ڈانگ ٹیبل سے کچھ قسطے پر ایک کونے میں بڑے ہوئے کیلکس کی طرف اشارہ کیا۔ ”فرض کریں میں بازار میں ایک پورا خرچے نے جانا تو وہاں صرف یہی ایک پورا خرچے اور کوئی دوا نہیں ہے۔ میں دن اس کے نام کو جانتا ہوں نہ مجھے یہ پتا ہے کہ یہ پھول دار ہے یا نہیں یا کتنا عرصہ چل سکتا ہے مگر مجھے ایک پودے کی ضرورت ہے تو میں اسے خریدے لاؤں گا۔ پھر اسے یہاں ڈانگ روم میں رکھ دوں گا یہ جانے کے باوجود کہ اس پر کتنے ہیں یہ یہاں پر اس وقت تک پڑا رہے گا جب تک اس کے کانٹے میرے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں بنیں جس دن اس کے کانٹوں سے کسی کو زخم لگا یا کسی کے کپڑے پھینے اس دن اس کیلکس کو یہاں سے ہٹا دیا جائے گا میں ہوں یا تم ہر ایک جی کے گاہ کوئی بھی دوبارہ زخم کٹنے یا کپڑے پھینے کا انتظار نہیں کرے گا۔“

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھد رہا تھا۔

”مگر میں کسی کیلکس نہیں بنائوں گی، میں اس کے کانٹے فٹم کر دوں گی۔“

وہ بے اختیار اس کی بات پر مسکرایا۔ but i always play safe. میں کانٹوں کے دوبارہ اٹنے کا ریسک نہیں لے سکتا۔“

عمر استہزائیہ انداز میں جفا ”وہاں کے لوگ تو غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے بارے میں بھی بہت اچھی رائے رکھتے ہیں پھر کیا تم یہ سوچنا شروع کر دو گی کہ یہ بھی ٹھیک ہوتا ہے؟“

عطیہ دیکھ کر بات نہیں کر سکی۔

”بہتر ہوتا تم این جی او سے کہہ دوں کہ قانون کا ریکارڈ بھی چیک کر لیتیں، گوجرا ناول، سیالکوٹ، ڈسٹرکٹ اور ارد گرد کا علاقہ خاندانی دشمنیوں کیلئے بھی خاصا مشہور ہے اور یہ نسل در نسل چلی آتی ہیں، تب تک جب تک مخالف کا پورا خاندان نہ ختم ہو جائے اور یہ لوگ ایک دوسرے قتل نہیں کرتے، یہ چھ چھ سات سات لوگوں کو اکٹھا مراد دیتے ہیں اور کوئی حمید ایسا نہیں ہوتا جب اس علاقے میں ایسا کوئی واقعہ نہ ہو۔ اب بھول آپ کے اگر این جی او نے واقعی ان لوگوں کی سوچ میں تبدیلی کر دی ہے تو سب سے پہلے تو ان لوگوں کے رویوں میں تبدیلی ہونی چاہیے۔“

وہ اب سلا دکھا رہا تھا۔ عطیہ اس کی باتوں پر غفلت محسوس کر رہی تھی۔

”جو لوگ ایک گاہے بھیس جڑا سکتے ہیں وہ مخالف کے گھر کی عورت اٹھا لیتے ہیں۔ رات کو کھیتوں کی رکھوالی کرنے والے کتے کے بارے میں جاننے پر مخالف کی فسطوں کو آگ لگا دیتے ہیں، کھیت کا پانی روکے جانے پر کسی کو بھی قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی این جی او کے بارے میں اچھی رائے اس حد تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے اسے کتنی اہمیت دینی چاہیے یہ کانی قابل غور ہے۔“

”ہر تبدیلی لانے میں وقت لگتا ہے، این جی او کو بھی وقت ملے گا مگر یہ سب جڑیں ختم ہو جائیں گی۔“

عطیہ کی رائے اب بھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

اور ایسا بھی نہیں ہوگا۔ کم از کم این جی او یہ کام نہیں کر پائیں گی کیونکہ وہ یہ کام کرنے نہیں آتی ہیں۔ عمر کا لہجہ بہت مستحکم تھا۔

”سو کتا ہے، این جی او میں کچھ لوگ خراب ہوں یا کہ لیں کہ چند این جی او خراب ہوں مگر سب این جی او تو اس طرح کی نہیں ہیں۔ کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا این جی او میں بھی ہو سکتیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ہم انہیں پرفیکٹ دیکھنا کیوں چاہتے ہیں؟“ وہ اس کا پورے زور پر بولی۔

”اس لیے کیونکہ وہ تبدیلی لانے کے دعوے کر رہی ہیں۔“ عمر کا اطمینان برقرار تھا۔

”آپ این جی او کے کتنے خلاف کیوں ہیں؟“ اس بار عطیہ نے کچھ ناراضی سے اس سے پوچھا۔

”تم سے کس نے کہا کہ میں این جی او کے خلاف ہوں؟“ عمر نے اتنی ہی بے ساختگی اور سکون سے کہا۔

عطیہ حیران ہوئی۔

”کیا مطلب.....؟ یہ سب کچھ جو آپ کہہ رہے ہیں، یہ کیا ہے؟“

”خائن۔“ وہ اب بھی اسی طرح مسکرا رہا تھا۔

”اچھا فرض کریں اگر سبھی خائن ہیں تو یہ سب کچھ جانے کے بعد آپ این جی او کے خلاف نہیں ہیں؟“

”نہیں بالکل نہیں۔“ عطیہ مدھکولے بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی، میز کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے

”صرف اس لیے کہ آپ کے اپنے ہاتھ دھوئی ہوں گے کیڑے پیش گئے، ہے نا؟ آپ جو این جی اوز کے بارے میں اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں وہ صرف اسی لیے ہیں کیونکہ شاید اس کا اس کو ان این جی اوز سے خطرہ ہے جس سے آپ تعلق رکھتے ہیں۔“

عمر اس کی بات پر چوٹا ”تمہارا اشارہ کس کا اس کی طرف ہے، بیورو کرسی کی طرف یا الیٹ کا اس کی طرف؟“

”دونوں کی طرف۔“ اس کی آواز دم جمی عمر مسکرایا۔

”تم بھی اس کا اس کا حصہ ہو، بیورو کرینٹ نہ کی الیٹ تو ہو۔“

”ہاں حصہ ہوں مگر ابھی چیز کو اچھا کوئی نہ لے رہا نہیں کہوں گی۔ چاہے وہ میرے لیے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔“

”تمہارا خیال ہے کہ این جی اوز بیورو کرسی یا الیٹ کا اس کو کوئی نقصان پہنچا رہی ہیں یا آئندہ بھی پہنچا سکتی ہیں؟“

”ہاں ایسا ہی ہے یا اس طبقے کے مفادات کیلئے کام کر رہی ہیں جنہیں ہماری وجہ سے بہت پر اہل کرنا سنا ہے۔“

”آپ اگر ایسا سوچ رہی ہیں تو ایک بار بحر قزحہ سوچ رہی ہیں۔ کوئی این جی اوز بیورو کرسی کو نقصان پہنچا سکتی ہے نہ الیٹ کا اس کو۔۔۔۔۔۔ کیونکہ ہر این جی اوز الیٹ کا اس کی بناتی ہے۔ بڑے بڑے بیورو کرسی کی جگہاں۔۔۔۔۔۔ سیاستدانوں کی یہ بیاں، صنعت کاروں کی یہ بیاں کیا تم نے بھی کوئی ایسی این جی اوز بھی ہے جسے لوئر مل کا کوئی مرد یا عورت چلا رہا ہو، یا کسی اسکول کا بچہ کسی کسان کی بیوی کوئی مزدور اس کی بیوی۔۔۔۔۔۔ نہیں تم ایسا بھی نہیں دیکھو گی اور تمہارا خیال ہے کہ بیورو کرسی کی یہ بیاں بیورو کرسی کے خلاف کام کریں گی، صنعت کاروں کی یہ بیاں انڈسٹریل کا اس کے مفادات کے خلاف کام کریں گی یا سیاستدانوں کی یہ بیاں اپنے شوہروں کی دھاندلیوں کے خلاف لوئر مل کا اس کو آکسار کا انقلاب لے آئیں گی۔ بہت چکا نہ سوچ ہے تمہاری جنہیں بہت کچھ یکساں ہے ابھی۔“ وہ جیسے اپنی باتوں سے خود ہی محظوظ ہو رہا تھا۔

”میں تو بالکل خوفزدہ نہیں ہوں کہسے این جی اوز سے بلکہ اگر کبھی میں نے شادی کی۔۔۔۔۔۔ تو میں بھی اپنی بیوی سے کھوں گا کہ وہ ایک این جی اوز بنائے اسے بھی کچھ کرنا دیکھو دیکھو ہر گز نہ دیکھو ہر گز نہ دیکھو۔ فری میں باہر سے کھانا کھا رہا ہوں، چائے پیرے چائے شہرت لے گی دولت ہوئی اگر دوسروں سے ملے۔۔۔۔۔۔ بیورو تفریح کے مواقع ملتے رہیں گے پھر کئی بچوں کی بیرون ملک تعلیم کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ وہ بھی پیش کریں گے۔“

عمر کی جھجکی ایک دم ختم ہوئی تھی اب وہ جیسے علیحدہ ہو چکا تھا۔

”اور تم۔۔۔۔۔۔ علیحدہ ہو بھی نہیں سکتے ہو جادو کی۔ اگر تمہاری شادی کسی بیورو کرینٹ سے ہوئی، پھر تم بھی ایسی ہی کسی فراڈ این جی اوز کی زوجہ رہا ہوں گی۔ ہر تیسرے دن پریس کانفرنس کر رہی ہوگی۔ سڑک پر چاکلوں بھی نکالا کرو گی۔ مختلف کارڈ کیلئے واکس اریج کروایا کرو گی بیرون ملک کے چکر پر چکر لگیں گے اور پھر اگر کہیں دس سال بعد

بہنیں اسی ٹیبل پر بیٹری تم سے اور تمہارے سر پر سے ملاقات ہوگی تو تم اپنا ٹکس سی ساڑھی پہنے۔۔۔۔۔۔ ڈانڈلز سے لدی ہوگی میری طرح سیرل ڈانری بولس سے پانی پیتے ہوئے مجھے بتا رہی ہوں گی کہ تمہاری این جی اوز صاف پانی کی چٹائی کیلئے کس قدر معیت کر رہی ہے اور تمہارا شوہر تمہاری باتوں پر مسکرا کر مجھے بتا رہا ہوگا کہ اسے تم جیسی ٹیلنڈ بیوی ملی ہے۔ کیوں مگر جی؟“

ناؤ عمر کی بات پر مسکرائی جنہیں، علیحدہ کا چہرہ یکدم سرخ ہوا پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ یکدم اپنی کرسی سے کھڑی ہوئی۔

”ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔۔“ اس نے بلند آواز میں کہا۔

”اور پھر ایک چھپا کے کے ساتھ ڈانڈلز روم سے نکلے گی، عمر اور ناؤ کے چہرے کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہوگئی۔ علیحدہ ناراض ہوگئی ہے، میں دیکھتا ہوں۔“ عمر نے کچھ محضرت خواہان انداز میں ناؤ سے کہا اور ڈانڈلز ٹیبل سے اٹھ گیا۔

اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے وہ کچھ شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی چھوٹی سی بات پر اس طرح دوتا شروع کر دے گی۔

دروازے پر ایک بار دستک دینے کے بعد وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے ہاتھ ہٹا کر دیکھا تھا اور عمر کو دیکھتے ہی وہ آگ بگول ہوگئی۔

”اب آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ کالوں پر بیٹھے آنسوؤں اور سرخ چہرے کے ساتھ اس نے عمر سے پوچھا۔

”کم آن علیحدہ میں غماز کر رہا تھا۔“ عمر نے دروازہ بند کرتے ہوئے جیسے اسے بھلائے ہوئے کہا۔

”آپ کیلئے ہر جہز مذاق کیوں ہے؟“ عمر نے اسے پہلی بار اس مڑوں میں دیکھا تھا۔ ”اور میری ہر بات ہی مذاق کیوں ہے۔ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟“

”یار انا تافص۔۔۔۔۔۔“ عمر نے مسکراتے ہوئے اسے طنز کرنے کی کوشش کی۔

”آپ کو میرا مذاق اڑانے کا کیا حق پہنچتا ہے؟“ وہ اس کی کوشش سے متاثر نہیں ہوئی۔ ”آپ کو اپنے علاوہ دوسروں کی ہر بات مذاق لگتی ہے۔ کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ میں بھی مذاق میں آپ کے بارے میں ایسی باتیں کروں جیسی آپ کرتے ہیں۔“ وہ بڑا آواز میں روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”میں انکسکرو کرتا ہوں۔ میں نے جو بھی کہا غلط کہا۔ میں انکسکرو کرتے ہی یہاں آیا ہوں۔“ عمر نے ایک دم دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے کہا۔

وہ اب بھی بولتی رہی ”آپ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اپنی sense of judgement استعمال کر کے اپنی رائے بناؤں اور جب میں ایسا کرتی ہوں تو آپ مجھ پر جھٹے ہیں۔ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک دنیا میں آپ کے علاوہ کوئی دوسرا صحیح رائے رکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔“

"علیہ وا میں نے ایسا نہیں کہا۔ میں جنہیں ہرمت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے ہی ایک بات کہی۔" عمر بالکل عافانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا مگر علیہ وا اس کی بات نے بغیر بول رہی تھی۔

"میں نے اپنی جی اواز کے بارے میں جو کچھ کہا تھا کب کہا تھا۔ میں نے جو دیکھا، جو محسوس کیا وہی بتایا۔ میں نے آپ کی رائے کا مذاق نہیں اڑایا۔ میں نے آپ کی ہر بات کی مگر آپ..... آپ میری باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں..... ایٹھ بیٹ؟"

عمر کے چہرے سے اب سکرماٹ بالکل غائب ہو چکی تھی۔

"آپ کو لگتا ہے، دنیا میں آپ کے علاوہ اور کوئی محسوس نہیں ہے۔"

"میں نے ایسا نہیں کہا۔"

"آپ کو لگتا ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کے پاس sense of judgement (پرکھنے کی صلاحیت)

ہی نہیں ہے۔"

"تم اس وقت غصے میں ہو، جنہیں چاہئیں، تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔"

عمر یکدم پلٹ گیا مگر علیہ وا بجلی کی رفتار سے اس کے راسے میں آگئی۔

"نہیں آپ میری بات نہیں، اس کے بعد جائیں۔"

"میری ایک چھوٹی سی بات پر اتنا مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔" عمر نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے آپ کی کسی بات پر مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کو ہر بات کہنے کا حق ہے لیکن مجھے کچھ بھی کہنے کا حق نہیں ہے۔"

"تم بہت کچھ کہہ رہی ہو علیہ وا! اور میں بھی رہا ہوں۔ اس کے باوجود کہ تمہارا رویہ بہت انسٹلنگ ہے۔"

"میں نے آپ سے کیا کہا ہے؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ جو کچھ آپ مجھ سے کہہ چکے ہیں، اس کے

سامنے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ اب بھی اسی طرح برہم تھی۔

"میں اپنی بات کیلئے اٹکسکو زکر چکا ہوں۔"

"آپ ہمیشہ یہی کرتے ہیں۔ انسٹل کرتے ہیں۔ پھر انسٹل کرتے ہیں اور ایسا بار بار کرتے رہتے ہیں۔"

علیہ وا تم غلط کہہ رہی ہو۔" عمر جی الامکان اپنے لپٹے کو مارل رکھ رہا تھا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ آپ نے اس دن بھی میری انسٹل کی تھی جب انکل جہانگیر کے ساتھ آپ

کا جھڑا ہوا۔"

عمر کے چہرے کے تاثرات یکدم تبدیل ہو گئے۔ "وہ تمہاری غلطی تھی، تم میرے کمرے میں اس طرح

کیوں آئی تھی۔" اس نے سرد آواز میں علیہ وا سے کہا۔

"فحش آپ کو اس بات پر فخر نہیں آیا کہ میں آپ کے کمرے میں اس طرح کیوں آئی تھی۔ آپ کو فخر

اس بات پر آیا تھا کہ میں یہ بات جانتی ہوئی ہوں کہ آپ ڈرک کرتے ہیں۔"

"جنہیں پتہ چل گیا تو کیا فرق پڑتا ہے اور تم ہو کون جس کو یہ پتا چلے گا مجھے کوئی فکر ہوگی۔" اس کی آواز میں اب بھی تھی۔

"میں نے ناؤ کو نہیں بتایا کہ آپ ڈرک کرتے ہیں۔ اگر میں ناؤ کو بتا دیتی تو....."

عمر کی اس کی بات پر یکدم بھڑک اٹھا۔ "تو پھر..... پھر کیا ہو؟ وہ مجھے شوٹ کر دیتیں یا اس گھر سے نکال دیتیں۔ تم جس کو چاہو بتاؤ مجھے کوئی پروا نہیں، اس گھر کا کون سا مرد شراب نہیں پیتا۔ وہ خود گریڈ پاؤ ڈرک کرتے دیکھتا رہی ہیں۔ وہ کس منہ سے مجھ سے اس بارے میں بات کر سکتی ہیں۔"

علیہ وا جیسے برا بھولا بن گئی۔ "آپ کو شرم آتی چاہیے۔ اس طرح کی بات کرتے ہوئے۔"

"مائیکل یور لینکویٹ علیہ وا! تم کافی کواں کر چکی ہو اور میں سن چکا ہوں۔ اب اپنا منہ بند کر لو تو بہتر ہے۔"

"مجھے آپ سے نفرت ہے۔ آپ دنیا کے سب سے گندے اور بدترین آدمی ہیں۔"

وہ بلند آواز میں چلائی۔ جو اپنا عمر نے اس کے چہرے پر زنا نے وار چھڑا مارا تھا۔ علیہ وا گل پر ہاتھ رکھے بالکل ساکت رہ گئی تھی۔ دنیا میں آخری چیز جو وہ کسی سے توقع کر سکتی تھی، وہ عمر کا خود پر ہاتھ اٹھانا تھا۔ وہ بالکل چپکے بغیر بے چینی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"مجھے اپنے بارے میں کسی شخص کے تہمرے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اٹھلی اٹھا کر کہا اور پھر وہ تیز قدموں کے ساتھ رکے بغیر کمرے سے نکل گیا۔



”عمرا جہانگیر کے بارے میں اتنا بگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہاری بہت پروا کرتا ہے۔ تم اس کے بیٹے ہو۔ وہ تمہارے رویے کی وجہ سے بہت نگر مند رہتا ہے۔“ لیتھ انکل یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں ان کی اولاد ہوں یا ان کا بیٹا ہوں۔“

”کیوں فرق نہیں پڑتا۔۔۔ تم جہانگیر سے پوچھو، کتنی اہمیت ہے اس کے نزدیک تمہاری۔“

”میں ان کی اگلی اولاد نہیں ہوں۔ دوسری بیوی سے بھی ان کی اولاد ہے اور اب۔ اب میری سے بھی ہو جائے گی۔“ اس کے لیے میں سنجی تھی۔

”مگر تم اس کے سب سے بڑے بیٹے ہو۔ تمہاری اور اس کی بہت اچھی اسٹینڈنگ ہوئی چاہے ورنہ آجے چل کر اور پراہلو ہوں گی۔“

عمر نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ ”کیا مطلب! آجے چل کر کیا پراہلو ہوں گی؟“ عمر نے کچھ الجھ کر کہا۔

”وہ تمہارے مستقبل کے بارے میں بہت کچھ جان کر رہتا ہے۔ کل کو جب تمہاری شادی کے بارے میں اگر وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہے گا تو اس طرح کے کراؤ کی صورت میں پراہلو ہوگا۔“

”لیتھ انکل نے اتنے ذلیل انداز میں یہ بات کہی کہ وہ ان کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔“

”میں آپ کی بات نہیں سمجھا ہوں۔ آپ کس کی شادی کی بات کر رہے ہیں؟“ اس نے سر آواز میں کہا۔

”تمہاری شادی کے بارے میں؟“

”میری شادی کے بارے میں پاپا کچھ طے کیوں کریں گے؟“

”وہ تمہارا باپ ہے۔“

”نہ۔۔۔۔۔“

”مگر جنہیں شادی۔۔۔۔۔“

اس نے یکدم لیتھ انکل کی بات کاٹ دی۔ ”انکل! آپ مجھ سے جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہیں۔ کیا پاپا نے میری شادی کے بارے میں آپ سے کچھ کہا ہے؟“ وہ جیسے بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔

”لیتھ انکل کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔“ شادی تو نہیں! ہاں البتہ وہ تمہاری انگوٹھ ضرور دے رہا ہے۔“

”بس ہے؟“

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”بہت خوب، بہر حال پاپا کو بتا دیں کہ مجھے شادی نہیں کرنا۔ آج نہ ہی آئندہ کبھی اور جس سے وہ میری انگوٹھ دے کر رہا ہے۔“ اس کی آواز میں سنجی تھی۔

”یہ خیر خواہ خواہ ناراض ہو رہے ہیں تو ویسے ہی بات کی تھی ایک۔۔۔۔۔ اس نے گون سا کچھ طے کر لیا ہے۔“

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ صفدر مقصود کے ساتھ کسی ملاقات رہی تمہاری؟“

تمہارا جہانگیر کے ساتھ کوئی جھگڑا ہے، اس شام لان میں چائے پیے ہوئے ہاتھوں کے دوران ایک لیتھ انکل نے اس سے پوچھا۔

عمر چٹکا ”نہیں۔“ اس نے بڑے ذلیل انداز میں کہا۔

”اچھا! لیتھ انکل نے حیرت کا اظہار کیا۔“ جہانگیر تو کہہ رہا تھا کہ آج کل اس سے کچھ ناراض ہو۔ تم دونوں کے درمیان کوئی بات ذات نہیں ہوتی؟“

”لیتھ انکل نے چائے کے سب لیے ہوئے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔“

”نہیں، بات تو ہو جاتی ہے مگر کوئی خرقہ اور انداز میں نہیں ہوتی۔“ عمر نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

”اچھا! کیوں؟“ لیتھ انکل نے خامسی سے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

عمر نے ایک گہری نظر ان پر ڈالی۔ ”پاپا خرقہ اور انداز میں کسی خیر صورت عورت سے ہی بات کرتے ہیں۔ یا پھر کسی سیاست دان سے۔“

”لیتھ انکل نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ عمر اسی طرح بے تاثر چہرے سے انہیں دیکھ رہا۔“ بیکل اپنی فنی روکے ہوئے انہوں نے کہا۔“ you have a very good sense of humour“ (تمہاری صحت مزاح بہت اچھی ہے) مگر اس طرح کی بات جہانگیر کے سامنے نہ کرنا۔“

”زندہ وہ چچی شادی کر لیں گے۔ ہے نا۔۔۔۔۔“ عمر نے لاپرواہی سے کہہ کر ایک بار بھر چائے چٹا شروع کر دیا۔“

”ایسی قسم کی باتیں تم جہانگیر سے کرتے ہو، اسی لیے تو وہ اتنا پریشان رہتا ہے۔“

”ایکسکیز می زئی! پاپا میری وجہ سے پریشان نہیں ہوتے۔ وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں پریشان ہوتے ہیں نہ ہی کسی دوسرے کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں۔“

عمر نے چائے کا کپ سامنے پڑی ہوئی میز پر رکھا۔

”لیتی اگلے سے یکدم بات کا موضوع بدلتے ہوئے سائیکالوجسٹ کا نام لیا۔“

”میں نے پایا سے پہلے بھی کہا تھا، مجھے کسی سائیکالوجسٹ کے ساتھ شنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے یہ سائیکالوجسٹ ایک ایک داک ہے۔ مجھے صفر مقصود جیسے لوگوں کا پینڈل کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کسی بھی چیز کو اتنا سرسری نہیں لیتا چاہیے۔ بعض دفعہ یہ نقصان دہ بھی ہوتا ہے۔ صفر مقصود نے ہی بعد میں تمہارا اندر پوکرتا ہے۔ اس لیے جو کچھ وہ بتاتا ہے، اسے غور سے سنا کرو۔“ لیتی اگل نے اسے تنبیہ کی سے سمجھا۔

”جو شخص جہانگیر معاذ کے ساتھ چھبیس سال گزار کر بھی پاگل نہیں ہوا، وہ یقیناً ایک بہت ہی پائزہ پرستانی رکھتا ہوگا اور ایسے ہی بلیک سرس کی کشش کے سائیکالوجسٹس کیا جان سکتے ہیں، انسان کی شخصیت کے بارے میں۔ ان کے اپنے انداز سے کھینچو ہوتے ہیں کران سے وہ منہ بات کرنے کے بعد ان پر ترس آنے لگتا ہے۔ مجھے وہ شخص اچھا نہیں لگا۔“ عمر نے بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ بہت ماہر سائیکالوجسٹ ہے۔“ لیتی اگل نے صفر مقصود کو سراہا۔

”ہوسکتا ہے مگر اس کی اپنی پرستانی..... مجھے کچھ زیادہ متاثر نہیں کر سکی۔“ لیتی اگل بے اختیار اس کی بات پر فتنے۔

”فادرگازیک مہرا یہ بات کہیں اس کے سامنے مت کہہ دیتا۔“

”کہہ دینا کیا مطلب..... میں کہہ چکا ہوں۔“ عمر نے کندھے اچکا تے ہوئے کہا۔

”تمہارا باپ تمہارے بارے میں جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہی کہتا ہے۔ تم واقعی اپنے دوسروں کیلئے پراہنر پیدا کرو پتے۔ اب صفر مقصود اگر اس طرح کے ریکارڈ پر بارش ہو گیا تو.....“ لیتی اگل یکدم تنبیہ ہو گئے۔

”تم پہانتے نہیں ہوا سے ہذا پرت بند ہے۔ سیلف ریلیکٹ کی بات آئے تو.....“ عمر نے لیتی اگل کی بات کا ڈی۔

”کسی کر پٹ شخص میں سیلف ریلیکٹ نہیں ہوسکتی اور صفر مقصود ایک کر پٹ بندہ ہے۔“ عمر کے لہجے میں حقارت تھی۔

”نفسوں بات میں مت کرو۔۔۔۔۔ تمہاری مدد کر رہا ہے اور تم اس کے بارے میں اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔“ لیتی اگل نے کچھ مٹی سے اسے کہا۔

”دھو اپنے مقصد کیلئے کر رہا ہے۔ مجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔ اس کی مدد کے بغیر بھی میں کامیاب ہوسکتا ہوں۔“ عمر پران کی ڈانٹ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

”تمہیں عزت کرنی چاہیے اس کی۔“

”سوری اگل! کم از کم کسی کر پٹ شخص کی عزت نہیں کر سکتا۔“ عمر نے بڑے دونوں انداز میں کہا۔

”جہانگیر..... بھی..... کر پٹ..... ہے۔“

”میں ان کی عزت بھی نہیں کرتا۔“ عمر نے بغیر رکے کہا۔

”لیتی اگل کچھ عجیب کی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے نظریہ پھر کر کہا۔

”جہانگیر..... بھی..... کر پٹ..... ہے۔“

”میں ان کی عزت بھی نہیں کرتا۔“ عمر نے بغیر رکے کہا۔

انہوں نے جیسے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

☆☆☆

ذوالقرنین سے علیہ کی دوسری ملاقات بھی شملہ کے ساتھ ہی ہوئی تھی، علیہ وہ کالج سے واپسی پر شملہ کے

آئین

”عزیز! آپ انہیں کہاں لے جا رہی ہیں۔ بھئی! میں تو آپ دونوں کو بچ کر لانے کا سوچ رہا ہوں۔“
ذوالقرنین نے فوراً مداخلت کی۔

”وہ؟ ضرور۔“ شہلا فوراً آمادہ ہو گئی۔
”نہیں۔ بہت دیر ہو رہی ہے ابھی مجھے شہلا کے گھر جانا ہے اور پھر واپس اپنے گھر بھی جانا ہے۔“ عزیز نے نظریں ملائے بغیر فوراً کہا۔

”یار میرے گھر جا کر بھی تو ہم نے کھانا ہی کھانا ہے۔ اب ذوالقرنین آفر کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے چلتے ہیں۔ ایڈو مجر رہے گا۔“ شہلا نے اپنا بازو اس کے گھٹنوں سے چمڑاتے ہوئے کہا۔

”نہیں! شہلا دیر ہو رہی ہے۔“
”بھئی! کبھی کسی دیر ہو جانے میں کوئی ہرج نہیں۔ اس کو بھی ایڈو پھر ہی سمجھیں۔“ ذوالقرنین نے عزیز کے انکار کے جواب میں کہا۔

”نہیں۔ مجھے جانا ہے۔“
”یار! اب کوئی اتنا اصرار کرے تو اس کی بات مان لینی چاہیے۔ روز روز ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو خود بخود ہی بچ کی دعوت دیتے پھریں۔“

شہلا پر بھی عزیز کے انکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

پھر عزیز کے مسلسل انکار کے باوجود وہ دونوں اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے گئے تھے۔ ذوالقرنین اور شہلا بچے کے دوران مسلسل چپکے رہے تب تک عزیز و شہلا کے بچے اگلے اپنے بچے اٹارنی رہی۔ ذوالقرنین کے سامنے اس طرح بیٹھ کر کھانا کھانا اس کیلئے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ اسے اس کی باتوں پر ہلکی بھی آڑی تھی اور ساتھ ہی خوف بھی تھا کہ اگر نانو کو یہ پتہ چل گیا کہ وہ شہلا کے گھر کے بجائے اس دقت کسی انہماں شخص کے ساتھ بیٹھ چکی ہے تو وہ شاید قیامت ہی اٹھا دیں گی۔ ذوالقرنین جا بار بار اسے مخاطب کر رہا تھا وہ نروس ہو رہی تھی۔ شاید اسے اس کا اندازہ بھی تھا، اس لیے وہ بار بار اس حوالے سے بھی مذاق کرتے تھے جس سے گھر پر کر رہا تھا اور عزیز کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایک مختصر ریسٹورنٹ میں گزرا کہ وہ دونوں وہاں سے نکلے تھے اور ایک تنگ علیزہ وہاں سے ہو چکی تھی۔ شہلا کے گھر جانے کے بجائے وہ اس کے ڈرائیور کے ساتھ واپس گھر آ گئی۔

نانو کو اس کے اس ایڈو پھر کا پتہ نہیں چل سکا۔ اگلے چند دن وہ اس خدشہ سے ہلچلی رہی کہ انہیں کسی نہ کسی ذریعے سے کہیں ذوالقرنین کے ساتھ کیے جانے والے اس بچے کا پتا نہ چل جائے مگر نانو کو پتا نہیں چل سکا تھا۔ وہ ایک بار پھر نانو کو دکھا دینے میں کامیاب رہی تھی اور اس کامیابی نے اسے غیر محسوس طور پر خوش کیا تھا۔ نہ صرف وہ خوش تھی بلکہ اس کے اعتماد میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا۔ لیکن وہ بھی کہ چند دن بعد..... ذوالقرنین کے ساتھ فحش پر بات کرتے ہوئے اس نے جب اس سے دوبارہ ملنے پر اصرار کیا تو وہ کوشش کے باوجود بھی انکار نہیں کر سکی۔

ان کی اگلی ملاقات فیروز سنز پر ہوئی تھی اور اس بار وہ ایڈو کی تھی۔ نانو اس نے کچھ کتابیں خریدنے کے کیلئے

ہاں جانے کیلئے اس کے ساتھ گئی، راستے میں دونوں اُنس کریم کھانے کیلئے لبرٹی میں رک گئیں اور اُنس کریم کھانے کے ساتھ وہ ڈسٹو شاپنگ میں مصروف تھیں۔ جب بیلو کی ایک آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا، وہ ذوالقرنین تھا۔ علیزہ اسے دیکھتے ہی حواس باختہ ہو گئی۔

”ارے آپ..... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ شہلا نے ذوالقرنین کو دیکھتے ہی غامضی حیرت اور بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

”تقریباً وی کر رہا ہوں جو آپ لوگ کر رہی ہیں۔“ اس نے عزیز پر نظریں جماتے ہوئے کہا جس کیلئے وہاں کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

”دیکھ! آپ کا کیا خیال ہے ہم یہاں کیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟“ شہلا نے غامضی سے کہا۔

”آپ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہیں۔“ جواب دینے والے نے کمال اعتراف کیا۔

”ارے واہ..... آپ کو تو ابھی غامضی نہیں ہے۔ اپنے بارے میں۔“

”اگر خوش رہی ہے تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔“ آئنز آئل میں اچھا خاصا ٹنگلک بندہ ہوں۔ ایسی خوش فہمیاں افروز کر سکتا ہوں۔ کیوں عزیز؟“ اس کے لمبے میں شرارت تھی اور عزیز کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے ہٹا کر جانے۔ ”دیکھ! یہ سوال آپ نے عزیز سے ہی کیا کیوں کیا ہے؟ مجھ سے بھی کر سکتے ہیں۔“ شہلا نے دو دو جواب دیتے ہوئے کہا۔

”آپ مجھے عزیز و بھی باذوق نہیں لگتیں، اس لیے آپ سے رائے لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ اس کی بے تکلفی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”اچھا اور عزیز کے ذوق کے بارے میں آپ کیسے جانتے ہیں؟“ شہلا اب باقاعدہ بحث پر اتر آئی۔

”عزیز کے صرف ذوق کے بارے میں ہی نہیں جانتے اور بھی جانتے کچھ جانتے ہیں ہم۔“ اس بار ذوالقرنین کا لہجہ معنی خیز تھا۔

”مثلاً؟“ شہلا نے عجیب سا اچانکے ہوئے پوچھا۔

”یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بات آپ کو بتانی جائے شہلا۔“

”ارے اس طرح آپ نے انہیں پھیر لی ہیں۔ جب عزیز سے رابطہ کرنا چاہ رہے تھے تو واحد ذریعہ

میں ہی نظر آئی تھی اور اب..... اب مجھے کچھ بتانا بھی ضروری نہیں لگ رہا۔“ شہلا یکدم برتاؤ لگئی۔

”تم فضول مت بولا کرو۔ اب چلو یہاں سے۔“

عزیز نے یکدم اس کا بازو پکڑ کر کھینچ شروع کر دیا۔ اس نے شہلا کو یہ ضرور بتایا تھا کہ ذوالقرنین نے اسے

چند بار فون کیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے ہے اور اسے خوف تھا کہ مذاق میں ہونے

والی اس گفتگو کے دوران ذوالقرنین کوئی ایسی بات نہ کر دے جس سے شہلا کو یہ پتہ چل جائے کہ اس نے ذوالقرنین

سے رابطے کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا ہے۔

دارکیت جانے کا کہا اور فیروز سترچنگ کراس نے ڈرائیور کو ایک گھنٹہ تک انتظار کرنے کیلئے کہا۔

ڈوائفٹرین انڈر پیبلے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس دن وہ ایک گھنٹہ میں اندر نکڑے باقیں کرتے رہے۔ اگلی ملاقات امریکن سینٹر میں ہوئی۔ اس کے پاس امریکن سینٹر اور پرنس کونسل کی لائبریری کی شہر میں تھی۔ اور پہلے بھی اکثر ان دونوں جگہوں پر جایا کرتی تھی۔ صرف یہ دو جگہیں ایسی تھیں جہاں جانے کی اسے بڑی آسانی سے اجازت مل جایا کرتی تھی۔ اب یہ دونوں جگہیں اس کیلئے ملاقات کا مقام بن چکی تھیں۔ علیحدہ کو وہاں یہ خوف نہیں ہوتا تھا کہ کوئی ڈوائفٹرین کے ساتھ دیکھے جانے پر ناٹو کا اندام کر دے یا کوئی دوسری ایسی جگہ ہو جاسکتی تھی۔ وہاں بہت سے لوگ آتے جاتے رہتے تھے اور کہا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بھی سے کسی کی گفتگو کر رہی تھی۔

فون پر ڈوائفٹرین سے ہونے والی گفتگو کا سلسلہ بھی طویل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ڈوائفٹرین سے بات کرنے کیلئے رات دیک بج جاگتی رہتی اور پھر لاؤنج میں آکر اندر سے میں بیٹھ کر اسے فون کرتی اور پھر روز رات کو وہ ناٹو اور ناٹو کے کمرے میں موجود اسٹیشننگ کے پلگ کو کھل دیتی اور پھر صبح سویرے جب ناٹو لوگ کیلئے نکل جاتے اور ناٹو نماز میں مصروف ہوتی تو وہ ان کے کمرے میں جا کر دوبارہ اسے لگاتی۔

محنت کی تعریف اسے زیر کرنے کیلئے مرد کا سب سے بڑا اھتیار ہوتی ہے اور ڈوائفٹرین اس اھتیار کو بخوبی استعمال کر لیتا تھا۔ اس سے بات کر کے علیحدہ کیوں لگتا تھا جیسے وہ اس دنیا کی مخلوق نہ ہو۔ اس کا تعلق کسی دوسری دنیا سے ہو۔ اس دنیا سے جہاں سے ڈوائفٹرین تعلق رکھتا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ کسی کیلئے کتنی اہم ہے۔ کوئی اس کے درمے سے آنے پر ناراض ہو سکتا ہے۔ علیحدہ سکندر خود کو پہلی بار دریا پانت کر رہی تھی یا شاید زندگی کو پہلی بار دریا پانت کر رہی تھی۔

اس کیلئے ہر چیز پر عمل طور پر بدل گئی تھی۔ ڈوائفٹرین جیسے ہر جگہ موجود رہنے لگا تھا۔ جہاں وہ نہ ہوتا وہاں اس کی ہڈیاں ہوتی، جہاں اس کی آواز نہ ہوتی وہاں اس کا خیال ہوتا جہاں اس کا خیال نہ ہوتا۔ وہاں۔۔۔۔۔ وہاں علیحدہ سکندر کیلئے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ ہر بار فون رکھنے کے بعد وہ اگلے فون پر اس سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتی۔ اسے کیا کہنا تھا۔۔۔۔۔ ڈوائفٹرین کس ہاتھ کے جواب میں کیا کہے گا اس کے ذہن میں اس کے علاوہ کچھ نہیں رہتا تھا۔

ان دنوں پہلی بار اس نے اپنے ذہن میں اپنے ماں، باپ کے بارے میں سوچنا ختم کر دیا تھا۔ ڈوائفٹرین کی محبت نے جیسے دوسری ہر محبت، ہر رشک کی جگہ لے لی تھی۔ اسے ان کو لگنے لگا تھا جیسے اپنے ماں، باپ کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ اپنا وقت ضائع کر رہی تھی۔ وہ عمر کو بھی مکمل طور پر فراموش کر چکی تھی۔

”آپ کا کیا خیال ہے اگلے ایکشن میں کون سی پارٹی کی حکومت آئے گی؟“

اسلام آباد میں ایک فیڈرل سیکریٹری کے گھر ہونے والی اس پارٹی میں عمر تھیں اگلے کے ساتھ جس ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا، وہاں ان سروں اور رینڈز پر بیورو کریش کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی اور ہونے والی گفتگو کا موضوع اگلے ایکشن تھے۔ ملک میں مارشل لا کے ایک لمبے عرصے کے بعد بننے والی پہلی جمہوری حکومت کو کچھ عرصہ پہلے

برطرف کیا جا چکا تھا اور اب جمہوری حکومت ملک چلا رہی تھی اور بیورو کی مدد کی اس آخری مشرے میں جمہوریت کے اس پہلے تجربے کی ناکامی کے بعد جانے والی حکومت کے مختلف مہمہ یاروں کی طرف سے کی جانے والی محنتوں پر نکل کر چننا جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ آج کے والی حکومت کے بارے میں اندازے لگائے جا رہے تھے۔

”ایک بات تو طے ہے کہ اگلے ایکشن میں یہ پارٹی تو برسرِ اقتدار نہیں آسکتی جس کی حکومت برطرف کی گئی ہے۔“

عمر کوک کے سب کیلئے ہوئے خاموشی سے گفتگو میں حصہ لینے والی گفتگوں رہا تھا۔ ایک ان سروں پر بیورو کریش کے اس نئے پرچم کے اطراف بیٹھے ہوئے تمام لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ سرگراہوں کا چارہ لگایا۔

”میں، میں تو چاہتا ہوں کہ دوسری پارٹی کے بجائے تیسری پارٹی آجائے۔“ تھیں اگلے کے اس معنی خیز نئے پرچم پر اس بار پھر انہیں کچھ ہلکے تھپوں میں تبدیل ہو گئیں۔

”آپ تو یہی چاہیں گے تھیں صاحب! آخر آپ کا پورا سرال تیسری پارٹی میں ہے۔“

زمانہ شاید ان کی ایک میٹر بیورو کریش نے تھیں اگلے کے سرال کے فونی بیک گراؤنڈ کی طرف اشارہ کیا۔

اس نئے پرچم پر ایک بار پھر تھیں اگلے۔

”یار! بہت پیش کر دیا کچھ ہیں تمہارے سرال والے۔ پچھلے دس بارہ سالوں میں جنہیں۔۔۔۔۔ اب ہم جیسے لوگوں کے سرال والوں کو بھی ہماری خدمت کا موقع دو۔“

حسین شفیق کی بیوی کا تعلق ایک سیاسی گھرانے سے تھا اور ان کو توقع تھی کہ اس بار اگر ان کی بیوی کے معروف گھرانے کی پارٹی ایکشن جیت تو گی تو ایک عدد دسواں وزارت ان کی بیوی کے باپ یا بھائی کی جیب میں تھی۔

تیسری پارٹی ہمیشہ سے ہی حکومت میں شامل رہی ہے۔ ڈائریکٹ نہیں تو ان ڈائریکٹ طریقے سے کردہ ہمیشہ حکومت کے آگے، پیچھے اور اوپر رہتے ہیں اور اگلی حکومت کے ساتھ بھی یہی ہوگا، کیوں صاحب؟“

رہبرِ سید نے اس بار میز پر بیٹھے ہوئے ایک رینڈز پر جزل کو خاموشی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”یہ آگے، پیچھے اور اوپر، نیچے آپ نے خوب کہا مگر دایم بائیں کو کیوں بھول گئے۔“

رینڈز پر جزل جیسے ان کے تھمرے پر محفوظ ہوا۔

بیز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں نے ایک لگا کر غائبی تہقیر لگائی۔

”جی! تم لوگ مجبور کر دیتے ہوئے آگے، پیچھے اور اوپر، نیچے رہنے پر۔“ جزل نے اپنا باپ سگاتے ہوئے کہا۔

”قریبی صاحب! یہ نہ کہیں۔۔۔۔۔ یہ کہیں کہ اقتدار کا انشا ایسا ہے کہ ایک بار لگ جائے۔ پھر چھوٹا نہیں۔“

شاہد زمان نے جزل کو مخاطب کیا۔

”تھیں۔۔۔۔۔ آپ آپ بھی سمجھ لیں۔ کچھ آنچ آپ کو ہے۔ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ دیکھا کہتے ہیں۔ ایک ہی صف میں

کھڑے ہو گئے محمود ایاز دھڑکی بندہ ہانڈ کی بندہ نواز۔ "جزل ترمیشی نے اس بار اس بیورو کرپٹ پر جوابی جملہ کیا تھا۔
"نہیں! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا۔

birds of a feather flock together (کنڈم جنس، باہم جنس پرانہ) نہیں پر بیٹھے ہوئے
واحد سیاح رہتا ہے اپنے سامنے پڑا ہوا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اجمل صاحب! آپ نے بھولیں۔ آپ بھی اسی flock (ٹولے) کا حصہ ہیں۔" جزل ترمیشی نے اس
بار اجمل درانی سے کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے اسر تسلیم فرم جو مزاج یا شر اس آئے۔" اجمل درانی نے بڑے سادہ مگر جتانے والے انداز
میں سر جھکا کر ہوتے ہوئے گلاس اٹھرایا۔

"مگر ہمیں تو فی الحال اگلے کچھ عرصہ کیلئے اس ٹولے سے باہر ہی سمجھیں۔" اجمل
"اچھا! ہماری طرح آپ کو بھی یقین ہے کہ اگلے ایکشن میں آپ کی تیاری اقتدار میں نہیں آ رہی۔"
لیتھ انکل نے اجمل درانی سے کہا۔

"بھئی، اسے اس قدر تو نہیں ہیں۔ ہمیں ہی وہ بارہ لے کر آنا ہوتا تو ہمارا جتنہ کہیں ملنے اس طرح۔ مگر
چلو۔۔۔ کچھ دیر باہر بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں اگلے کھادی کس طرح پٹے ہیں۔" اجمل درانی کے لہجہ میں
ظفر تھا۔

"یہ تو کھادیوں پر ہے کہ وہ پٹے کیلئے آتے ہیں یا پٹے کیلئے۔" جزل ترمیشی نے اس بار بھی طنزیہ مسکراہٹ
سے کہا۔

"ارے جناب! دنیا کس کو ہے۔۔۔ آپ کو۔۔۔ یا ان کو؟" اجمل درانی نے بڑے معنی خیز انداز میں پہلے
جزل ترمیشی اور پھر شاہد زمان کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ بتائیے آپ کے بیٹا چن کر دیں؟" جزل ترمیشی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔
"آپ تو ایسے پوچھ رہے ہیں جیسے انتخاب کا حق واقعی ہمیں دے رہے ہوں۔ بھئی تم لوگوں میں سے جس
کا داد لگے گا۔ وہی پٹے کا طنزیہ بیورو کرپٹ کی باری آئے گی تو وہ پٹے کی اور مول بیورو کرپٹ کی کاس پٹے کا تو وہ
بھی ویسی ہی تو مبالغہ کرے گی تم "عوامی نمائندوں" کی۔"

اجمل درانی نے شراب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔
"ہاں! امی آپ جیسے "عوامی نمائندے" ہی تو کسی بھی قوم کا تیا یا پوچھ کر دیتے ہیں۔ آپ جیسے مظلوموں کا کیا کہنا؟"

جزل ترمیشی کی بات پر نیکل کے گرد بیٹھے ہوئے دوسرے سامعین نے ایک بار پھر زبانی تجویز لگایا۔
"نیزل صاحب۔۔۔ اجمل صاحب۔۔۔ میں کچھ کہوں گا تو آپ کے ماتھے پر بھی خاصا لینڈ آ جائے گا۔

قوم کا تیا یا پوچھ کر دے والوں میں بڑے بڑے نامور لوگ شامل ہیں۔" اجمل درانی کا لہجہ اس بار بھی طنزیہ ہی تھا۔
"اوسے بھی! چھوڑیں۔ کچھ اور باتیں کریں۔ آپ کو بھی کئی باتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔" ان کے پاس

سے گزرتے ہوئے ان کے میزبان فیڈل کیرٹری نے شاید ہونے والی گفتگوں کی جمنی، اس لیے وہ قریب آ گیا تھا۔
"اس بار آپ نے ڈرگس میں کیوں نہیں چھوڑی۔ وہی بیٹا پڑا ہے۔ جو نا پسند ہے ہم اس صاحب!

آپ تو خاصے "دلیر" قسم کے میزبان تھے۔ آپ کی ڈرگس کو کیا ہو گیا؟" شاہد زمان نے ایک معنی خیز بات کی
"ہم آج بھی خاصے دلیر قسم کے میزبان ہیں بلکہ یہ کہیے کہ "شوٹنگ" میزبان ہیں۔ بس کچھ مجھ پر ہیں۔

ظہر مول نہیں لیا کیونکہ ابھی ایکشن ہونے والے ہیں۔ کوئی چائیں کون سی پانی لیک اور کرتی ہے۔ اگلی پرسنٹک
سے پہلے کی رک نہیں لینا چاہتا تھا۔ آپ گھر نہ کریں، اگلی پانی میں مارے شکوے ختم کر دوں گا۔"

عہاس حاکم نے شاہد زمان کا کندھا ٹھٹھکتے ہوئے کہا۔
"ہمارے ہوتے ہوئے ڈرنے کی کیا ضرورت تھی عہاس صاحب۔۔۔؟ جو چاہے پیش کرتے۔" جزل

ترمیشی نے پاپ کا کش لیتے ہوئے کہا۔
"آپ کے ہوتے ہوئے ہی تو کچھ پیش کرتے ہوئے درگتے ہے۔ آپ خود "کھانی" لیتے ہیں مگر دوسروں

کو نہ "کھانے" دیتے ہیں اور نہ پٹے۔" اجمل درانی نے عہاس حاکم کے کچھ کہنے سے پہلے رجسٹ انداز میں کہا۔ نیکل
پر بے اختیار ایک قہقہہ گونجا۔

"اجمل صاحب! آج بڑی فارم میں ہیں۔ آج ان کے ساتھ گزندہ یس تو بہتر ہے۔" لیتھ انکل نے
پٹے ہوئے جزل ترمیشی سے کہا۔

عہاس حاکم اپنی پارٹیز میں فیرس کی مہمانوں کی ایک لمبی چوڑی تعداد کو مدعو کرتے رہتے تھے اور ان کا ہی
سہارے کر دہوا اپنی پارٹیز میں شراب بھی پیش کیا کرتے تھے۔ اس وقت وہ سب لوگ بھی پہلی بار ان کی پانی میں
شراب پیش نہ کرنے کے بارے میں شکایت کر رہے تھے۔ عہاس حاکم کچھ دیر وہیں نیکل کے پاس کھڑے خوش گویوں
میں مصروف رہے، پھر وہاں سے چلے گئے۔

عمر خاصا دوپٹے کے ساتھ وہاں ہونے والی گفتگوں رہا تھا۔ اس نے گفتگو میں حصہ لینے کی کوشش نہیں کی
تھی شاید اس کی ایسی کوشش کو بہت اچھا بھی نہ سمجھا جاتا کیونکہ اس نیکل پر وہ سب سے کم عمر تھا اور وہاں بیٹھے ہوئے
بانی لوگ نہ صرف عمر میں اس سے بہت بڑے تھے بلکہ وہ بہت سینئر پولس پر بھی تھے اور عمر کو ایسے ذرزدانینڈ کرنے کا
اچھا خاصا تجربہ تھا۔

جہانگیر سداڑے بہت کم عمری سے ہی ایسی تقریبات میں لے جاتے رہے تھے اور وہاں ہونے والی گفتگو
یا موضوعات اس کیلئے کوئی نئی چیز نہیں تھے۔ ایسی تمام تقریبات میں وہ بس خاموشی سے ایک غیر متعلق شخص کی طرح

سب کچھ سنتا اور دیکھتا رہتا۔ اس کیلئے یہ سب جیسے زندگی کا ایک حصہ تھا۔
ان وقت میں دیکھ ہی بیٹھا وہ اس ہی قسم کے تجربے اور خوش گویاں سن رہا تھا جیسی وہ جھپٹے کی سالوں سے سنتا

آ رہا تھا۔
"تم بڑے تو نہیں ہو رہے؟" یکدم لیتھ انکل کو اس کا خیال آیا تھا اور ان کے اس جملے پر نیکل پر بیٹھے ہوئے

تمام لوگوں کی توجہ اس پر مرکوز ہو گئی۔ اس کا تعارف لیتے انگل پیلے ہی ان لوگوں سے کر دیا گئے تھے اور جہانگیر معاذ کا نام وہاں کسی کیلئے بھی نیا نہیں تھا اور جہانگیر معاذ کا بیٹا بھی ان کیلئے اتنی شایسا ہو گیا تھا۔
”نہیں! بالکل نہیں۔“ اس نے بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”یہ اس عمر میں کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم جیسے ادیب عمر کے لوگوں کے پاس بھی اتنی دیر بیٹھ کر تم پر نہیں ہوئے۔ چلا نہیں اصرار اور پھر۔“ اپنے لیے کوئی خوبصورت کرسی ڈھونڈو تم تو جہانگیر معاذ کے بیٹے ہی نہیں کہتے۔“
شاہد زمان کی بات پر ایک تہقیر لگا اور عمر کا چہرہ چند لمحوں کیلئے بے اختیار سرخ ہو گیا۔ وہ آج کل باپ کے نام پر ہی طرح نرس ہو جاتا تھا۔ اسے یہی لگتا تھا کہ جہانگیر کا ذکر آتے ہی لوگ نوران کی حالیہ شادی کا ذکر کرنے سے نہیں چڑھیں گے اور زیادہ تر ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ یہ سوچ کر نرس ہوئے لگا تھا کہ اب بات جہانگیر کی شادی کی طرف نہ لکل پڑے۔

باب ۳۰

”جہانگیر کی تو بات ہی اور ہے۔ ضروری تو نہیں ہے، اولاد بھی ویسی ہی ہوئے

لیتے انگل حسب عادت جہانگیر کو سراہنا شروع ہو گئے تھے اور عمر کو حیرت نہیں ہوئی جب اس نے ان لوگوں میں سے بہت سوں کو ان کی ہاں میں ہاں ملائے دیکھا تھا۔

وہ اپنے باپ کو جتنے قریب سے جانتا تھا، شاید کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ جہانگیر معاذ کرپٹ تھا، لالہ کرپٹ کرپٹ مالک تھا، خود فرض تھا۔۔۔۔۔ خود پرست تھا۔۔۔۔۔ مگر عمر یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ ان تمام خامیوں کے باوجود اس کے باپ کو بہت زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ اس کی شخصیت میں کوئی ایسا جہاز ضرور تھا کہ جو محض ایک بار اس سے مل لیتا اس کیلئے جہانگیر معاذ کو بھلا نا ممکن تھا۔ عمر کیلئے کسی سے دوستی نہ ہمیشہ مشکل کام تھا۔ وہ لوگوں سے تعلقات بوجھانے میں قضا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کے دوستوں کی تعداد بھی خاصی محدود تھی اور ان میں کتوں پر وہ مکمل طور پر اعتبار کر سکتا تھا۔ وہ اس بارے میں بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا مگر اس نے اپنے باپ کو چند منٹوں میں لوگوں کو اپنا مگر وہ بدلتے دیکھا تھا۔ جہانگیر معاذ نہ صرف بہت آسانی سے لوگوں کو دوست بنالیا کرتا تھا بلکہ جن لوگوں کو اس نے ایک بار اپنا دوست بنالیا وہ پھر اس کے زندگی بھر دوست ہوتے تھے اور عمر نے بھی اپنے باپ کے دوستوں میں کسی کو جہانگیر معاذ کے ساتھ دھوکا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ جہانگیر معاذ کی اس خوبی نے اسے جھپٹنے کی سالوں میں بہت سی مصیبتوں سے بچایا تھا۔ ہر بار اپنے خلاف اٹھانری شروع ہونے سے پہلے جہانگیر معاذ کو اس بارے میں اطلاعات ہوتی اور پھر اپنے دوستوں کی مدد سے وہ بڑی آسانی سے پہلے ہی اس کا توڑ کر لیا کرتا تھا۔ بعض دفعہ عمر کو اپنے باپ کی اس خوبی پر چنگ بھی آتا۔

اب کھانا شروع کیا جانے لگا تھا اور عمر نے شکر ادا کیا کہ گفتگو کا موضوع یکدم بدل گیا تھا۔



اس واقعہ کے اگلے ایک ہفتہ تک ان دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی عمر نے اس بار معذرت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس بات نے طغیہ کی رنجیدگی اور غصے میں کچھ اور اضافہ کیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے ہمیشہ عمر کو چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی فوراً معذرت کرتے دیکھا تھا اور وہ اس بات کی اتنی عادی ہو چکی تھی کہ اس بار پہلے کی طرح اس سے معذرت نہ کرنے پر وہ جیسے شاکہ ہو گئی تھی۔ اس نے نا کو عمر کے اس طرح ہاتھ اٹھانے کے بارے میں نہیں بتایا تھا، اس کیلئے یہ اتنی تو جین آئیر بات تھی کہ وہ کسی سے اس کے بارے میں ذکر کر ہی نہیں سکتی تھی۔
نانو نے دونوں کے درمیان موجود کوئی کچھ نہیں کر لیا تھا کیونکہ ڈائمنگ بھیل پر پہلے کی طرح دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ دونوں اپنے اپنے وقت پر آتے۔ خاموشی سے کھانا کھاتے اور اٹھ کر چلے جاتے۔

نانو ان کے درمیان اس بے اختیاری کو اس دن کے عمر کے تجربے کا نتیجہ سمجھ کر صلیغ منائی کروانے کی کوشش میں لگی رہی تھی۔ انہوں نے دونوں کو طویلے میں بھی اور ڈائمنگ بھیل پر کھانا کھانے کے دوران بھی سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ہر طرح ناکام رہی تھی۔ طغیہ اگر ناراضگی دور کرنے کی بات پر مشتعل ہو جاتی تھی تو عمر سرے سے اس موضوع پر بات کرنے کو ہی نہیں جانتا تھا۔ وہ ہر بار بات شروع کرنے پر بڑی سختی سے نا کو روک دیتا۔
”اگر آپ اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کریں گی تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔“
وہ سختی سے کہتا اور نا کو خاموش ہو جاتا۔

عمر ان دنوں باہر سے آنے والے اپنے سامان کو انٹیس میں رکھوانے میں مصروف تھا۔ نا نو کے بہت بار کہنے کے باوجود بھی طغیہ نے اس کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی۔

دو تین دن وہ دقتوں و دقوں سے کاگو سے آنے والے اپنے سامان کو انٹیس کے کمروں میں رکھوا رہا۔ طغیہ دن میں بھی کارے کو کتنی کی طرف آتے جاتے دیکھتی رہی۔ وہ ان دنوں یکدم جیسے بہت مطمئن نظر آ رہا تھا اور طغیہ کیلئے یہ خبر تکلیف دہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اگر اس سے معذرت نہیں بھیں کرتا تب بھی اپنی حرکت پر پشیمان

ضرور ہوگا مگر عمر جہانگیر کے رویے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے علیحدہ کر دیا کہ وہ اپنی اس حرکت کی وجہ سے پریشان ہے۔

زندگی میں پہلی بار وہ عمر جہانگیر کے رویے سے حقیقی طور پر ہرٹ ہوئی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اس نے عمر اور اپنے تعلق کو ایک نئی نظر سے دیکھنا شروع کیا تھا۔ پچھلے پانچ سال سے اس کی زندگی میں عمر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس سے مستقل رابطہ نہ ہونے کے باوجود علیحدہ کیلئے دنیا میں عمر سے زیادہ اہم کیونگی نہیں تھا۔

اس نے پچھلے پانچ سالوں کو اس طرح ہی گزارنے کی کوشش کی تھی جس طرح عمر کی خواہش تھی۔ عمر جس چیز کو پسند کرتا، وہ بالاشوری طور پر اس چیز سے کترائے لگتی۔ عمر جس چیز کو پسند کرتا، وہ بھی اس چیز کے مشفق میں گرفتار ہو جاتی۔ وہ جیسے عمر کے پیروکاروں میں سے تھی۔ انھیں بند کر کے سب کچھ کر گزرنے والوں کی طرح سے..... جو اس سے کہا جاتا اور اس سے اس چیز پر روتی ہر بھی محال محسوس نہ ہوتا۔ اس کے لئے انتہائی کافی تھا کہ عمر اس سے خوش تھا۔ پہلی بار اس نے عمر کی کسی بات سے اختلاف کیا تھا اور پہلی بار ہی عمر کا رویہ.....؟

”کیا یہ شخص کسی دوسرے میں judgement of sense کو بالکل پرکھتا ہے؟ انکل جہانگیر پر تنقید کرتے کرتے کیا یہ خود وہی نہیں ہو گیا؟“

وہ اب احتجاج کرنا شروع کر رہی تھی۔

”میرے لیے ہمیشہ سب سے اہم رہنے والے شخص کی زندگی اور نظریں خود میری کیا اہمیت اور حیثیت ہے؟ اس کی نظریں علیحدہ سکندر کی کیا اوقات ہے؟ ایک ایچور لڑکی جس کی ہر خوبی اور ہر خرابی سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ یا پھر اس کی اچھی کچڑ کھانے والی لڑکی جس کی اپنی کوئی شخصیت سرے سے ہے ہی نہیں اور میں..... میں علیحدہ سکندر آخر کب تک عمر کی محضری کے سامنے میں بھٹکتے چھوٹے کی کوشش کرتی رہوں گی اور اس شخص کا سایہ کتنا بھی آرام دہ کیوں نہ ہو مگر وہ میرے وجود کو بھی کسی اپنے قد تک آئے نہیں دے گا۔“

اس کے ذہن میں ان دنوں ان سوالوں کے علاوہ اور کوئی سوچ نہیں آتی تھی۔

”میں پچھلے پانچ سالوں سے کیا کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اپنے آپ کو صرف عمر جہانگیر کیلئے قابل قبول بنانے کی کوشش کرنے کے علاوہ میں اپنی زندگی میں کیا کر رہی ہوں۔ کیا عمر جہانگیر کی ہمدردی اور ترس کی ہیکل نے مجھے اتنا کمزور کر دیا ہے کہ اب میں اپنی زندگی کو عمر جہانگیر کے بغیر سوچنے کے قابل نہیں رہی اور خود اس شخص کے دل میں میرے لیے ترس یا ہمدردی سے زیادہ کیا اور کچھ ہے؟..... یا کبھی تھا؟ یا کبھی ہوگا.....؟ اور میں کیا ساری زندگی عمر جہانگیر کی اچھی کچڑ کھاتی رہوں گی..... اس کی نظروں سے دنیا کو دیکھتی رہوں گی..... علیحدہ سکندر کیا ہے؟ کیا یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کروں گی؟ علیحدہ سکندر کیا کسکتی ہے؟ کیا یہ دوبارہ فائز کرنے کی خواہش نہیں کروں گی۔ یا بیس سال کی عمر میں کم از کم اب تو مجھے اپنی ترجیحات کا پتا ہونا چاہیے۔ مجھے اب تو عمر جہانگیر کے مدار سے نکل آنا چاہیے۔ اس نے میری زندگی کے بہت سے مشکل حالات میں میرا ساتھ دیا ہے مگر پچھلے پانچ سالوں میں یہ کام میں نے بھی تو کیا

ہے بلکہ شاید عمر جہانگیر سے بڑھ کر..... یہ کچھ اور کچھ دو تھا اور یہ سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ کم از کم اب عمر جہانگیر کے پاس میرے لیے ترس اور ہمدردی بھی نہیں رہی۔“

وہ اپنے لیے زندگی کا ایک نیا راستہ منتخب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایسا راستہ جہاں کہیں بھی اس کا سامنا عمر جہانگیر سے ہو، نہ ہی وہ اس کے راستے کی رکاوٹ بنے۔

اگلے چند ہفتوں کے بعد عمر سال چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے بھی اس نے علیحدہ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، نہ ہی اسے خدا حافظ کہنے آیا تھا۔ بس خاموشی سے چند دن اپنا سامان پیک کرتا رہا اور پھر ایک دن یونیورسٹی سے واپس پر اس کی روایتی مل گئی تھی علیحدہ سے کسی روئل کا اظہار نہیں کیا تھا مگر پچھلے پانچ سالوں میں پہلی بار اسے عمر کے چلے جانے سے خوشی ہوئی تھی۔ اس سے کھانے کی میز پر ہونے والا سامنا اس کی ٹینشن اور ڈپریشن میں اضافہ کرتا تھا اور بہت دنوں کے بعد پہلی بار وہ خود کو آزاد محسوس کر رہی تھی۔ اس کے برعکس ناخوشی کے جانے پر بہت اداس تھیں۔ عمر سے ان کی انجلی صحت علیحدہ کے بعد خاندان کے سارے بچوں سے زیادہ تھی اور عمر کا آنا جانا ہمیشہ ہی ان کیلئے بہت اہمیت رکھتا تھا۔

علیحدہ کو اگلے چند دنوں ناخوشی زبان سے بار بار عمر کا ذکر کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ ہر بار اس کے جانے پر وہ ایسے ہی کرتی تھیں مگر ناخوشی اس بار حیرت ہوئی تھی جب علیحدہ اس کے جانے پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔



عمر نے بات جاری رکھی "اور ان فکشز میں تین چار ٹیلیز سے بار بار کیوں طوار ہے ہیں مجھے..... میں اسے اتفاق تو نہیں سمجھ سکتا کیونکہ ان ٹیلیز کا رویہ....."

"لیتھ انکل نے یکدم اس کی بات کاٹ دی "تمہارا کیا خیال ہے، میں ایسا کس لیے کر رہا ہوں؟"

"کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے؟" عمر نے عجیبگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! بالکل ہے۔"

"وہ ٹیلیز مجھے جس طرح پرکھ رہی ہیں، اس سے تو صرف کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے شاسانی بڑھانا چاہتی ہیں۔ کچھ روابط..... اور پھر شاید رشتے بھی۔" اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اور تم کسی رشتے سے اسے خوفزدہ کیوں ہو؟" اس بار لیتھ انکل کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔

"یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہے۔" عمران کی مسکراہٹ سے حشر نہیں ہوا۔

"میں نے تم سے پوچھا ہے کہ تم کسی رشتے سے اسے خوفزدہ کیوں ہو؟"

"میں خوفزدہ نہیں ہوں۔" اس بار وہ کچھ اکثر انداز میں بولا۔

"اگر خوفزدہ نہیں ہو تو پھر اتنی نابل چیز پر اتنا اعتراض کیوں ہے تمہیں؟"

"کس نابل چیز پر؟"

"شادی پر۔"

"میں اپنی شادی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" عمر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تم 26 سال کے ہو اب تمہاری شادی یا سنگتی وغیرہ ہو جانی چاہیے۔"

"لیتھ انکل! یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے، میرا ہے اور میرے مسئلے میں خودی پینڈل کروں تو بہتر ہے۔" وہ

اس بار خاصی بے رخی سے بولا۔

"زندگی میں چانسز سے فائدہ اٹھانا سیکھو۔ تم جانتے ہو آج کل کون کون سی ٹیلیز تم میں اضطرط ہیں۔

جہاں گیر محاذ کے بیٹے سے رشتہ کسی بھی ٹیلی کیلئے اعزاز کی بات ہے۔"

"مگر میں کسی آکشن کا حصہ بننا نہیں چاہتا..... نہ ان ٹیلیز میں مجھے کوئی دلچسپی ہے..... میری زندگی جس

طرح پر زور رہی ہے، میں اسے اسی طرح گزارنا چاہتا ہوں۔"

"ان ٹیلیز سے جڑنے والا ایک رشتہ تمہیں کہاں سے کہاں لے جاسکتا ہے۔ کبھی تم نے اس کے بارے

میں سوچا ہے؟"

"آپ میرے سامنے پاپا کی غلامی پیش نہ کریں۔ میں ان کے طریقے سے زندگی گزارنے پر یقین نہیں

رکھتا۔ وہ ایک کامیاب بیورو کرٹ ضرور ہوں گے مگر ایک برے بیٹے، برے بھائی، برے شوہر اور برے باپ بھی ہیں

اور اب وہ یہ رول میرے سرخواب دینا چاہتے ہیں۔" اس نے خاصی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم جہاں گیر سے بہت زیادتی کر چاتے ہو۔"

باب ۳۱

"لیتھ انکل! میں آپ سے صرف ایک بات پوچھ رہا ہوں۔ کیا پاپا نے واقعی مجھے کپ کے پاس انڈر ویا اور سائیکا لو بیکل ٹیٹ کیلئے بھیجا ہے۔"

اس ناک وہ بڑی عجیبگی کے ساتھ انکل کی اسٹڈی میں ان سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" انہوں نے جواب دینے کے بجائے براہ راست اس سے سوال کیا۔

"آپ میرے خیال کو چھوڑیں کیونکہ میرا خیال جان کر آپ کو کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوگی۔ آپ صرف

میرے سوال کا جواب دیں....." اس کے کچھ میں اضطراب تھا۔

"ہاں! ٹیٹ کی تیاری کیلئے یہ بھیجا ہے۔" لیتھ انکل دوبارہ اس فائل کو دیکھنے میں مصروف ہو گئے جو ان

کے سامنے میز پر رکھی پڑی تھی۔

"یہ سفید جھوٹ ہے۔" اس نے بڑی بے خوفی سے تبصرہ کیا۔

لیتھ انکل نے فائل بند کر دی۔ "مجھے سفید یا سیاہ کبھی بھی جھوٹ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم

سے خوف زدہ تو نہیں ہوں کہ تم سے جھوٹ بولوں گا۔" وہ مگر کھورنے لگے۔

"مجھ سے خوف زدہ نہیں ہیں مگر پاپا ہے۔"

"تم آخر مجھ سے کیا اٹھانا چاہتے ہو؟" وہ یکدم جیسے بھگ آ گئے۔

"صرف یہ کہ آپ مجھے یہاں رکھ کر پاپا کیلئے کوئی ایسا سرور فرما کر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں کسی قسم کی کوئی سرور فرما نہیں کر رہا۔"

"تو پھر کیا کر رہے ہیں؟"

"تمہیں جہاں گیر نے یہاں صرف ٹیٹ کی تیاری کیلئے بھجوا دیا ہے۔" انہوں نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا۔

"پھر آپ مجھے اتنے فکشز میں کیوں لے جا رہے ہیں؟" اس کا لہجہ جھوٹا تھا۔

لیتھ انکل کچھ دیر خاموشی سے جواب دیتے بغیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔

”میں! پاپا سے کوئی برے سے برا سلوک بھی زیادتی نہیں کہلا سکتا۔ وہ اس سب کے مستحق ہیں۔“ اس نے تندی سے کہا۔

”عمر! ہم جس سوسائٹی کا حصہ ہیں وہاں آگے بڑھنے کیلئے ایک قدم بڑی احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے، سوچنا پڑتا ہے کہ ہمارا کیا جانے والا ہر فیصلہ ہمارے لیے کتنا فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ تم جہانگیر سے ناراض ہو سکتے ہو مگر تم اس کے غلطوں پر غصہ نہیں کر سکتے۔ وہ شخص واقعی چاہتا ہے کہ تم زندگی میں کامیابی کی چیزیں بہت تیزی سے پہنچاؤ اور وہ کچھ بھی غلط نہیں کر رہا۔ یہاں سب سب کی کرتے ہیں۔ میں نے بھی عرفان کی منگی ایسی طرح کی، ایک بڑی نیکی میں کی تھی۔ اب دیکھو میس کر رہا ہے دوسرا سال والوں کی وجہ سے۔ جو پرنسٹن اسے دوسرے سال مل گئی ہے، اس کو پاپا نے کیلئے لوگ دس دس سال تک مانتے رہے ہیں۔“ لیتھ انکل نے اپنے سول سرنٹ بیٹے کا حوالہ دیا۔

”مگر میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔“ وہ کچھ ٹھگ آگیا۔

”کیوں؟“

”بس میرا دل نہیں چاہتا۔“

”جہانگیر اور زارا کی ڈائیورس کی وجہ سے؟“

”آپ جو چاہیں سمجھ لیں۔“

”ضروری تو نہیں ہے کہ اگرچہ میں شادی کا کام رہے تو بچوں کی بھی اتنی ہی ناکام رہے۔“

”مجھے جیسے کہ شادی کی ناکامی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں بس اپنے کندھوں پر کوئی ذمہ داری لاؤنا

نہیں چاہتا اور شادی جیسا اعتقاد کام کم از کم اس عمر میں، میں اور زارا نہیں کر سکتا بلکہ شاید کسی بھی عمر میں۔ اور ہاں! میں کل واپس جا رہا ہوں۔“ عمر نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”لیتھ انکل چونک گئے۔“ کھل؟“ کیوں؟“ اتنی جلدی جانے کی کیا ضرورت ہے؟“

”اتنی جلدی تو نہیں جا رہا ہوں، بہت دن ہو گئے ہیں۔ ویسے بھی اب یہاں میرا کوئی کام نہیں ہے۔“

”تم نے جہانگیر کو بتا دیا ہے۔“

”آپ کو بتا دیں میں تب انہیں چاہتا۔ میں دوبارہ ان سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔“ اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

”سانچا لو! سب سے ملوانا چاہتے تھے وہ مجھے۔ میں مل چکا ہوں۔ دوسرے ضروری کام بھی کر چکا ہوں۔ اب صرف فنکشنز اینڈ کرے کیلئے تو یہاں نہیں رہ سکتا۔“

”فٹنگ ٹھیک ہے۔ فنکشنز اینڈ مت کرو۔ ویسے ہی رہو، چند دن تک شرین بھائی بھی اسلام آباد آ رہی ہیں۔ ان کے آنے تک تو نہیں یہاں رہنا چاہیے۔“ لیتھ انکل نے اسے اطلاع دی۔

”کیوں ان کے آنے تک میں کیوں یہاں رہوں۔ میرا ان سے ملنا ضروری نہیں ہے۔ جب میں ان کے ساتھ ان کے گھر پر رہا کرتا تھا باپل سے بھینچاں گزارنے گھر آتا تھا تو انہوں نے بھی گھر پر میرا انتظار نہیں کیا۔ پھر

اب ان کے ساتھ ایسی کنونینس تھی کہ میں ان کا انتظار کروں۔ وہ پاپا کی زندگی میں خود بھی دوسری بوی بن کر آتی تھیں۔ پھر اب اگر کوئی تیسری بوی آگئی ہے تو کنویں قیامت آگئی ہے۔ برداشت کریں۔ جیسے دوسرے بہت سے لوگوں نے انہیں برداشت کیا تھا۔ ویسے بھی وہ تو پاپا کو آؤٹ لیل میں کہا کرتی تھیں، پھر ان جیسا perfectionist اب انہیں اپنی زندگی کے جس حصے میں رکھنا چاہ رہا ہے وہ چپ کر رہیں۔ اتنا خود کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ اس کے لہجے میں جتنی تھی۔

”عمر! تم اب جاؤ۔۔۔ مجھے ان فائلز کو دیکھنا ہے۔“

”لیتھ انکل نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بڑی سرد مہری سے سامنے پڑی فائل پر نظریں جمائیں۔

”ٹھیک ہے! میں جا رہا ہوں۔ صبح کی فلائٹ سے میں لاہور چلا جاؤں گا۔ پاپا سے آپ کی بات ہو تو ان کو بتا دیں۔“ وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

علیہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک گئی۔ عمر، بانو کے ساتھ صوف پر بیٹھا خوش چپوں میں مصروف تھا۔ علیہ کو دکھ کر وہ مسکرایا۔

”ہیلو علیہ! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“

”آپ کب آئے؟“ وہ کندھے سے اپنا بیگ اتارتے ہوئے کچھ آگے بڑھ آئی۔

”صبح آیا تھا۔ تم کب کالج جا چکی تھیں۔“ عمر نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بالوں کا ٹائپا سائل۔“ عمر نے سائیکل انداز میں اس کے کندھوں پر بھونے بالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ

یکدم کچھ گڑبڑ آگئی۔

”یار! یہ بیک بہت سوٹ کر رہا ہے تمہیں۔“ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

”کیوں گری؟“ اب وہ بانو سے پوچھ رہا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

”میں کپڑے پیچنے کر کے آئی ہوں۔“

وہ یکدم بیک پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ لا شعوری طور پر وہ دوس ہونے لگی تھی۔

عمر نے لاؤنج سے نکلے ہوئے اسے غور سے دیکھا۔ پھر وہ بانو کے ساتھ دوبارہ باتوں میں مصروف ہو گیا۔

علیہ کچھ پریشان ہو کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔ عمر کے اسلام آباد جاتے ہوئے وہ جتنی اداس اور پریشان تھی اس کی واپسی نے بھی اسے اتنا ہی پریشان کر دیا تھا۔ عمر کے یکدم واپس آ جانا اچھا نہیں لگا۔ بانو اور تانا سے

چھپتے چھپتے مقبوض سے جاری اس پریگم کریسٹیاں بھینچاں آسمان تھا عمر سے۔ وہ کچھ دیر پریشانی کے عالم میں بیڈ پر بیٹھی رہی۔ پھر غصے بے دلی کے عالم میں اس نے ٹیبلر سے چھل کر کیے۔ آج بھی اسے برقی کونسل میں ڈائریکٹرین سے ملنا

تھا اور اب عمر کو دیکھ کر اسے اپنا پر مگر م غارت ہونا نظر آ رہا تھا کیونکہ عمر بھینچاں اس کے ساتھ گفتگو کیلئے اسے گھر پر رہنے

پر مجبور کرتا۔

”تم میری غیر موجودگی میں کچھ زیادہ خوبصورت نہیں ہو گئیں غلیظہ؟“

عمر نے گیت سے گاڑی سڑک پر لاتے ہوئے سسکا کر کہا۔ چند لمحوں کیلئے دوسرے ہوئی، کھڑکی سے اُتر دیکھتے ہوئے اس نے خود پر قابو پایا۔

”کیوں علیزہ؟“ وہ جواب چاہ رہا تھا۔

”جیتا نہیں۔“ اس نے بادل پانچواستہ کہا۔

”نہیں یارا! واقعی بہت خوبصورت ہو گئی ہو۔۔۔۔۔ ہیرکٹ پہنچ ہو گیا ہے، چہرے پر بھی خاموشی رونق ہے، بات کیا ہے۔“ علیؑ؟“ وہ شاید اسے پھمپڑ رہا تھا مگر علیؑ کے کاتھے پر بینہ نمودار ہونے لگا۔

”کیا عمر کو کوئی شک ہو گیا ہے؟“ اس نے گھبرا کر سوچا۔

”مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسے یہاں آنے چند گھنٹے ہی تو ہوئے ہیں اور ابھی تو میری اس سے باقاعدہ بات بھی نہیں ہوئی مجھ سے! ذوالقرنین کے بارے میں کچھ تو کہیے چل سکتا ہے؟“ وہ جھپٹے ہوئے لگی۔

”نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے..... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ اس کے مسلسل سوالوں پر زچ ہو گئی۔

”کیوں طبیعت کو کہا ہو گیا ہے؟“ وہ کچھ حیران ہوا۔

”ابھی تو تم بالکل ٹھیک تھیں۔“

”یہی تو تمہاری سیت ہیں۔“ وہ یکدم بلند آواز میں بولی۔

عمر نے حیرانی سے اسے دیکھا، وہ بہت ناراض نظر آ رہی تھی۔ اس کے موڈ میں اچانک ہونے والی تبدیلی اس کیلئے حیران کن تھی، علمبرو سے مزید کوئی سوال پوچھنے بغیر وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

برٹش کونسل کے انڈر عمر کے ساتھ داخل ہوتے ہوئے وہ بے تحاشا گھبرائی ہوئی تھی۔

”تمہیں کون سا ایسا بکسر ملے گا جس میں؟“ عمر نے اسے والٹ میں سے کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

”مجھ کو بکھر نہیں دینی، مجھ کو صرف بکھر دیکھنا ہے۔“ اس نے نظریں ملائے بغیر کہا۔

”اچھا بہر حال..... میں برٹش ہسپتال پر ایک دوکٹریں لینا چاہ رہا ہوں۔ اب تم جاہلو تمہارے ساتھ رہو یا
میرا دھنڈا نکالو۔“ exit را جاؤ اور کچھ عرصہ تک وہاں آجائے۔ ”عمر نے روبرو رام سینٹ کرتے ہوئے کہا۔

علیہ زفر از سر بالا۔ ”ٹھک سے میرا تکیا جا رہا ہے گی۔“ عمر اے مطلوبہ سیکشن کی طرف چلا گیا۔

وہ اسے جب تک دیکھتی رہی، جب تک وہ ٹیلوڈ کے چھپے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اس کی گھبراہٹ میں یکدم جیسے کہ آگنی تھی۔ اسے خوشحالی کہ وہ ایک بار پھر زوالِ فترت میں سے مل سکتی ہے۔

جب اسے تسلیم ہو گیا کہ عمر دوبارہ کسی کام کئے بھی واپس اس کے

ط: یہ آج ذی القعدہ سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ ہمیشہ کے طرح ذو القعدہ میں وہاں موجود تھا۔

”آج میل اتر رہا ہے۔ آج“ ذوالقمر منہ زرا سے دیکھتے ہی آگھڑی کی نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”تھوڑے لمحے گزرتے تھے۔ اس لیے دیر ہو گئی۔“ وہ کہہ کر کھینچ کر اس کے قدم پر بیٹھ گیا۔

دو چہر کا کھانا اس نے عمر اور ناتو کے ساتھ کھا لیا تھا۔ یہ عمر کھانے کی میز پر مسلسل چپک رہا تھا۔ علیزہ نے اسلام آباد جاتے ہوئے اس کے چہرے پر افسردگی اور ناتو کی جو کیفیت دیکھی تھی وہ اب ٹکڑ ٹکڑ ہو چکی۔ دو ناتو کو اسلام آباد میں لٹیکر اٹکل کے گھر والوں کے حالات و واقعات سناتے ہیں مصروف تھا اور علیزہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ ناتو سے اس کے سامنے برقی کوسل جانے کی اجازت کیسے لے۔

کھانا کھانے کے بعد یکدم عمر اٹھ کر چند لمحوں کیلئے اپنے کمرے میں گیا اور علیزہ نے موقع غیبت جانتے ہوئے نانو سے برش کونسل جانے کی اجازت لے لی۔ نانو نے اسے جلد واپس آنے کی تاکید کی۔

”ڈونٹ دہری تانوا! میں جلدی آ جاؤں گی۔“ وہ بہت مسرور ہو کر اسے کمرے میں بلا گئی۔

بیک کے کہ جب وہ واپس لاؤں گی میں آئی تو اس نے عمر کو ایک بار پھر ہانکے پاس پایا۔ عزیز ہاے نظر انداز کرتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف ہی جی بھڑکی کہ اس نے عمر کو کھڑے ہوئے اپنے ہانکوں کا اپنا نام پکارتے دیکھا۔

”عزیزہ! درو کہ عمر بھی تمہارے ساتھ جا رہا ہے۔“

وہ گڑبڑا گئی ”میرے ساتھ.....؟“

”ہاں، تم برٹش کونسل جاری ہو۔ میں نے سوچا، میں بھی ایک چکر وہاں کا لگاؤ آؤں۔ کافی عرصہ ہو گیا“ اس عمر نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ وہ چند لمحوں کیلئے کچھ بھی سمجھ نہیں پائی کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔

”مگر مجھے تو وہاں کالی دیر رہنا ہے۔“ اس نے جیسے بہانا مگرنے کی کوشش کی۔

”کوئی بات نہیں، جتنی دیر چاہو رہتا۔ میں اپنا کام کروں گا تم اپنا کام کرنا۔“

عمر نے دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا: ملیرہ حکیم مرطیان ہو گئی تھی۔ اسے تو نصیح بھی کر عمو اس
رجس کے ساتھ برٹش کونسل آئے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ وہاں ذوالقرنین اس کا انتظار کر رہا تھا اور عمر کے ساتھ
گروہ اس سے دو ٹیکس لیں گئی تھی اور اسے برٹش کونسل میں ذوالقرنین سے ملنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ وہ شش
کے عالم میں عمر کا منہ بند کر دیتی تھی اور عمر شاید اس کے تاثرات پر حیران تھا۔

”کیوں علیزہ! تم میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں۔“ عمر نے فوراً اندازہ لگایا، علیزہ کب دم گزرتی تھی۔

”نہیں، انکی تو کوئی بات نہیں ہے..... میں تو.....“ اس کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ اپنے پس و پیش کو کوئی نام نہ

”تو پھر ٹھیک ہے، چلتے ہیں۔“ عمر نے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کئے بغیر بار کا رخ کر لیا۔

علیہ و کچھ دیر خاموشی سے اس کی پشت کو گھورتی رہی، پھر بے دلی سے اس کے پیچھے اس کی جگہ پر ہنسی

وہ اب ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اس کیلئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور اس کیلئے کہہ کر:

فرش کونسل کسی صورت نہیں جانا چاہتی تھی..... وہاں ذوالفقار علی بھٹو کے ایک بڑے دوست نے کہا، "میں نے یہ سنا ہے کہ آپ کو ایک اور موقع ملے گا۔"

نے اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

الجبھے ہوئے ذہن کے ساتھ دروازہ بند کر کے

کی؟ کیا مجھے ذوالقرنین کے ساتھ ملاقات کی جگہ بدل لینی چاہیے۔" دو جیسے کسی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 واپسی پر اس کا سؤ بہت زیادہ خراب تھا اور عمر نے اس کا سامنا ہوتے ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا۔
 "چلو علیزہ! میں جنہیں کافی پڑتا ہوں۔" اس نے علیزہ کا گھڑا ہوا سؤ بھال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 "مجھے کافی نہیں چینی۔" اس نے اکثر انداز میں کہا۔

"بھڑکنا کھانا ہے؟..... یا کیا چتا۔؟" تم خود بتا دو۔" وہ اسے بچے کی طرح بہلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
 "مجھے کچھ بھی کھانا چاہی نہیں ہے۔ آپ بس گھر چلیں۔" اس نے بے رخی سے کہا۔
 "مگر باراش تو کچھ کھانا چاہ رہا ہوں، آخراستے ہفتے کے بعد لاہور آیا ہوں۔"
 "مجھے گھر چھوڑ دیں اس کے بعد آپ جہاں کریں۔" اس کا غصہ بدستور جارہا تھا۔

"یہ تو جان چکا ہوں کہ تمہیں میرا ساتھ آنا چاہی نہیں لگا مگر میں صرف اس کی وجہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کیا تم اس بارے میں میری مدد کر سکتی ہو؟" وہ یک دم بخود ہو گیا۔ وہ جواب دینے کی بجائے خاموش رہی۔
 "علیزہ! تم سے یہ کس نے کہا ہے کہ تم خاموشی میں بہت خوبصورت لگتی ہو؟" عمر نے اپنے لہجے کو ایک بار پھر گلفندہ کرنے کی کوشش کی۔

ایک لمحہ کے لئے اس کا چہرہ سرخ ہوا پھر وہ کمری سے باہر دیکھنے لگی۔
 عمر کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے جیسے کسی اندازے پر پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنی توجہ ذرا نیچے کر دیا۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔؟ جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟" ناٹو کے حیرد سنے سے زمین گھل گئی۔
 "بچم صاحب! میں جی کہہ رہا ہوں۔" علیزہ دہلی کی کوڑھونڈے میں تو دیر ہو گئی ہے۔" ذرا نیچے ناٹو نے کہہ دیا تھا۔

عمر نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سنی۔ وہ ناٹو کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چڑکا تھا، وہ اب بے تابی کے عام میں سونڈے سے کھڑکی ہو گئی تھیں۔
 "کیا کوئی گئی؟" خیریت تو ہے؟" اس نے سناٹے کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی۔
 "علیزہ کا کالج میں نہیں ہے۔" انہوں نے پتہ چرے کے ساتھ کہا۔
 "کیا.....؟" عمر بھی یک دم بخود ہو گیا۔

"علیزہ کا کالج میں نہیں ہے، ذرا نیچے اس کا انتظار کر کے تھک کر آیا ہے۔" ناٹو اب روٹا ہوا ہوئے لگتی تھیں۔
 "اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟" وہ کسی دوست کی طرف جلتی ہوئی۔ "عمر نے ناٹو کو کھل دینے کی کوشش کی۔

"نہیں وہ کبھی کسی دوست کی طرف مجھے بتائے بغیر نہیں جاتی، خاص طور پر کالج سے، اور اس کی دوست

"کیا پرانہ ہو گئی؟" ذوالقرنین نے انتظار کیا۔

"ناٹو نے میرے کزن کو میرے ساتھ بھیج دیا ہے۔" اس نے ہلکی آواز میں کہا۔

"کیا.....؟" ذوالقرنین یکدم گھبرا "کزن کو کبھی دیا ہے؟ کہاں ہے وہ؟ تم اسے یہاں کیوں لائی ہو؟"

"میں خود ہی لائی ہوں۔" ناٹو نے زبردستی بھجوا دیا ہے۔" راصل اسے بھی برٹش کنسل میں کوئی کام تھا۔ تو ناٹو نے اسے میرے ساتھ ہی بھجوا دیا۔" وہ بتاتے لگی۔

"اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنی کس دیکھ رہا ہے۔"

"تم نے اسے میرے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔" ذوالقرنین گھبرا ہوا تھا۔

"نہیں....."

"تم بالکل بے وقوف ہو چلو۔۔۔۔۔ اگر کزن ساتھ آیا تھا تو جنہیں مجھ سے ملنے کیلئے آنا چاہیے تھا۔"

"مگر کیوں؟ تم میرا انتظار کرتے رہے۔ اور پھر عمر نے کہا ہے کہ وہ آدھ گھنٹے کے بعد مجھے ملے گا۔"

"اور اگر وہ آدھ گھنٹے سے پہلے ہی یہاں آ گیا اور اس نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو.....؟"

"اسے کیسے پتا چلے گا کہ میں یہاں ہوں اس لئے بتایا ہی نہیں کہ میں کسی سیکشن میں جا رہی ہوں۔"

"یہ لاہور ہی ہے۔" یہاں کسی کو ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور ضروری نہیں کہ وہیں ڈھونڈنے کیلئے ہی اس طرف آئے وہ کسی بھی کام سے ادھر آ سکتا ہے۔"

"مجھے اس کا خیال نہیں آیا۔" علیزہ کچھ پریشان ہو گئی۔

"بہر حال اب میں جا رہا ہوں اور تم آئندہ محتاط رہنا۔ اگر ساتھ کزن یا کوئی بھی ہو تو پھر مجھ سے ملنے کی کوشش مت کیا کرو۔" میں نے خود کسی پریشانی میں پڑنا چاہتا ہوں، نہ ہی جنہیں کسی پریشانی میں ڈالنا چاہتا ہوں۔"

ذوالقرنین کھڑا ہو گیا۔

"مگر پھر تم انتظار کرتے رہو گے۔"

"نہیں میں انتظار نہیں کروں گا، جب بھی تم اس طرح لیٹ ہو جاؤ گی۔ میں مجھ جاؤں گا کہ تمہارے ساتھ کوئی دوسرا ہے اور پھر میں تمہارا انتظار کرنے کے بجائے چلا جایا کروں گا۔"

وہ خدا حافظ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا، علیزہ بے حد مایوس اور دل رقیق کے عالم میں اسے چاتا دیکھتی رہی اسے عمر بے تحاشا غصہ آیا تھا، صرف اس کی وجہ سے ذوالقرنین کو اس طرح وہاں سے جانا پڑا تھا۔

"کیا تھا، اگر وہ اس طرح میرے ساتھ آنے کی خد نہ کرتا۔۔۔۔۔ کم از کم ذوالقرنین کو اس طرح پریشان ہو کر جاتا تو نہ پڑتا۔"

وہ اس وقت عمر کی وجہ سے ذوالقرنین کو ہونے والی پریشانی کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔

"اب آگے کیا ہوگا؟" اگر عمر نے دوبارہ میرے ساتھ برٹش کنسل آنے کیلئے اصرار کیا تو؟ پھر میں کیا کروں

ہے بھی کون..... شبلا..... ذرا نیور کہہ رہا ہے کہ چوکیدار نے اندر موجود لڑکیوں سے طلیزہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ آج کالج ہی نہیں آئی۔“

”کیا..... کالج نہیں گئی؟“ عمر بکا بکا رہ گیا۔

”اگر وہ کالج نہیں گئی تو کہاں گئی ہے؟“ نانوب بڑبڑا رہی تھیں۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ طلیزہ کالج نہ گئی ہو..... وہ وہیں ہوگی ذرا نیور کو غلط فہمی ہو سکتی ہے، ہو سکتا ہے لڑکیوں نے کسی دوسری طلیزہ کے بارے میں کہا ہو؟“ عمر بکا بکا ہوئی۔

”نہیں جی مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، چوکیدار کو طلیزہ لی لی کا پتہ ہے، پہلے ہی گئی بار میں اسی کے لئے ذریعہ طلیزہ لی لی کو بلواتا ہوں، پھر آج غلط فہمی کیسے ہو سکتی ہے؟

ویسے بھی کالج تو بالکل خالی ہو چکا تھا صرف چند لڑکیاں ہی رہی تھیں اس طلیزہ چلی لی وہاں ہوتیں تو اب تک گیٹ پر ہی موجود ہوتیں۔“

ذرا نیور نے کچھ گھبرائے ہوئے انداز میں وضاحت دینے کی کوشش کی۔

”گرتی آئی! ذرا شبلا کو فون کریں، ہو سکتا ہے وہ اس کے گھر ہو؟“

عمر نے نانو سے کہا، مراب کچھ پریشان نظر آئے لگے۔ نانو کچھ ہلکائی ہوئی فون کے پاس گئیں اور انہوں نے ریسپونڈر اٹھا کر کال ملائی شروع کر دی۔

”فون شبلا کی می لے اٹھایا، نانو نے ان کی آواز سننے ہی ان سے شبلا کے بارے میں پوچھا۔

”شبلا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لئے وہ آج کالج نہیں گئی۔ اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔“

شبلا کی می نے کہا اور نانو کی گھبراہٹ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ مزید کچھ کہنے سے بغیر انہوں نے فون رکھ دیا۔

”شبلا تو آج کالج گئی ہی نہیں۔“ انہوں نے کانپتی آواز میں عمر سے کہا۔

”ہو سکتا ہے طلیزہ اس کو فرینڈ کے ساتھ چلی گئی ہو؟“

”نہیں اس کی اور کوئی ایسی دوست نہیں ہے جس کے ساتھ وہ اس طرح بغیر بتائے چلی جائے..... وہ تو شبلا کے گھر میں بیٹھے تھے بتائے بغیر نہیں جاتی۔ مدین انہم کچھ کالج لے کر چلو، میں خود وہاں دیکھتی ہوں آخر وہ کہاں سکتی ہے؟“

نانو بکا بکا ہو گئیں۔

”نہیں گرتی! آپ سیکر رہیں..... میں جاتا ہوں۔“ عمر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا تھا۔

”نہیں مجھے بھی ساتھ جانا ہے۔“

”آپ کے ساتھ جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ آپ گھر پر ہی رہیں..... میں خود کالج جاتا ہوں،

گھبرائے والی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ وہیں ہوگی۔“

عمر بات کرتے کرتے نانو کا جواب سے بغیر باہر نکل آیا۔

ذرا نیور صدمہ میں بھی اس کے پیچھے آیا تھا پر جہاں اس کے کمرے کی گاڑی کی چابی اس سے لی۔

”مجھے اکیلے ہی جانا ہے، میں خود گاڑی ذرا نیور کو ملوں گا۔“ اس نے ذرا نیور سے کہا اور پھر گاڑی لے کر باہر نکل آیا۔

وہ جب سے اسلام آباد سے واپس آیا تھا طلیزہ کا رویہ اسے انجمن میں ڈال رہا تھا وہ مسلسل اس کی زندگی میں شامل ہونے والی اس سٹی ”گرسرگزی“ کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا، جس سے طلیزہ سے اپنی اہلیاں تہہ بیلان کر دی تھیں اور یہ اندازہ وہ بہت پہلے لگا چکا تھا کہ طلیزہ کی دوستی کسی لڑکے سے ہے۔ مگر وہ حیران تھا کہ نانو کو اس بات کا اندازہ کیوں نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمیشہ طلیزہ پر کڑی نظر رکھی تھی۔

خو غمر کے لئے کسی لڑکے سے دوستی تو کوئی خلاف معمول بات تھی اور نہ ہی کوئی غیر معمولی چیز اور نہ ہی اسے اس بات پر کوئی اعتراض ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ طلیزہ کو لوگوں سے رابطے اور تعلقات بڑھانے چاہئیں اس کی شخصیت میں موجود بہت سی خامیاں اس طرح دور ہو سکتی تھیں مگر جس طرح طلیزہ سب کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اس سے عمر کو یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ طلیزہ کا اس لڑکے سے تعلق صرف دوستی کی حد تک نہیں تھا، وہ اس میں دوسرے انداز میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اسے اس چیز پر بھی اعتراض ہوا تھا نہ جس..... کیونکہ وہ اسے بھی ایک بہت ہی نیچرل بچہ سمجھ رہا تھا۔ مگر اب وہ جس صورت حال کا سامنا کر رہا تھا، اس نے اسے واقعی پریشان کر دیا تھا۔ طلیزہ کا اس طرح کالج سے غائب ہونا..... اسے توقع نہیں تھا کہ طلیزہ اس طرح کی حرکت کر سکتی تھی۔

جس وقت نانو شبلا کے گھر فون کر رہی تھی، اس وقت وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کہاں ہو سکتی تھی، ایک بات کا اسے یقین تھا کہ وہ اس طرح اچانک کسی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نہیں نہیں جاسکتی تھی۔ مگر پھر وہ کہاں گئی تھی۔ جب ہی اس کے ذہن میں بے اعتبار ایک خیال آیا تھا۔

”ہو سکتا ہے وہ اس لڑکے کے ساتھ ہی گئی ہو، اور ابھی تک کالج نہ پہنچ پائی ہو..... اور ہو سکتا ہے اس وقت وہ کالج پہنچ چکی ہو اور یقیناً وہ پوری طرح حواس باختہ ہوگی۔“

اس نے سوچا اور جی پی ویہ کی کوئی کمانڈر اس کے بارے میں انہیں ساتھ نہیں لیا کا کالج واقعی خالی ہو چکا تھا چوکیدار نے اسے بھی وی ہائی تھا یا جو وہ ڈرائیو کو تاجا تھا، چوکیدار کے منتظر کرنے کے بعد واپس گاڑی میں آکر بیٹھ گیا، لیکن اس نے گاڑی انارٹ نہیں کی، اسے گاڑی میں بیٹھ دس منٹ ہوئے تھے۔ جب اس نے کالج کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی کو دیکھا اور فرنٹ سیٹ سے طلیزہ کو اترتے دیکھا۔ بے اختیار اس نے ایک پرسکون سانس لیا۔ گاڑی انارٹ کر کے وہ طلیزہ کی طرف لے آیا جو تیز قدموں سے کالج کے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

طلیزہ نے گاڑی اور عمر دونوں کو دیکھ لیا تھا اور مردور سے بھی اس کے پھر سے کوئی فون ہوتی دیکھ کر کچھ شک تھا۔ وہ مزاک پر ہی رک گئی تھی۔ عمر نے اس کے قریب گاڑی کھڑی کی اور کچھ کہے بغیر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول

دیا۔ علیزو بھی اسی خاموشی کے ساتھ اندر بیٹھ گئی تھی۔

سڑک پر نظر نہیں جھانے دو ڈرامیٹک کر رہا تھا، علیزو کو نہ دیکھنے کے باوجود وہ اس کی کیفیت سے واقف تھا اور اسے اس پر ترس بھی آیا تھا۔ وہ بہت ہی طرح پکڑی گئی تھی اور اب وہ اس خوف سے دو چار تھی کہ عمر گھر جا کر نالو کو سب کا تھوڑا سا گے۔۔۔۔۔ جب کہ عمر ایسا بچہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

گازی سیدھی گھر لے جانے کی بجائے اس نے ایک مارکیٹ میں لے جا کر روک دی۔ علیزو نے اسے گازی سے نکلے دیکھا۔ اس کی گھبراہٹ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ وہ کچھ دیر بعد ہاتھ میں جوس کے دو پیک لےے واپس آتا دکھائی دیا۔ علیزو اسے گازی کی طرف آتا دیکھتی رہی، بڑے اطمینان کے عالم میں وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھا اور اس نے جوس کا ایک پیک علیزو کی طرف بڑھا دیا۔ وہ کچھ ایسا کچھ دیکھتی رہی۔

”تمہارے لئے لے کر آیا ہوں۔“ اس نے عمر کی نرم آواز میں تھی۔

”مجھے ضرورت نہیں ہے۔“ علیزو نے سر ہٹا لیا۔

”کچھ دیر بعد ضرورت پڑے گی جب گریٹا کے پاس جاؤ گی۔ بہتر ہے اسے اپنی لواہار اپنے فزول پر قابو رکھو، چہرے پر ان تاثرات کے ساتھ تم گریٹا کے سامنے جھوٹ نہیں بولی پاؤ گی۔ بولی بھی تو وہ یقین نہیں کریں گی۔“

علیزو نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا، پھر حریفہ کچھ کہے بغیر اس نے عمر کے ہاتھ سے جوس کا ایک پیک لیا، عمر نے اس کے ہاتھ میں پکیٹا ہٹ دیکھی تھی۔ جوس پکڑا دے ہوئے اس نے ایک بار پھر علیزو کے چہرے پر نظر دوڑائی، اور پر سکون انداز میں کہا۔

”اتنا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ تم کوئی قتل کر کے نہیں آئی ہو کہ جھیں اس طرح لڑنا پڑے بندے میں اتنی ہمت ہونی چاہئے کہ ہر بڑا قدم اٹھانے کے بعد کا پیٹے کی بجائے صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہے۔ تم میں بھی یہ ہمت ہونی چاہئے۔“ علیزو نے ”وہ جوس پیٹے ہوئے گھر رہا تھا۔“

علیزو کے حلق میں جوس اٹکنے لگا۔

عمر اب موبائل نکال رہا تھا ”میں گریٹا سے بات کر لے گا ہوں، انہیں تمہارے بارے میں بتا رہا ہوں۔۔۔۔۔ تم جب تک یہ طے نہ کر لو کہ تمہیں ان سے کیا کہنا ہے، مگر ان سے بات کرتے ہوئے اپنی آواز اور فزول پر قابو رکھنا۔ گھبراہٹ مت۔“

وہ اس کو اس طرح چاہت دے رہا تھا، جیسے دو افریقین کی بجائے وہ خود اسے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔۔۔۔۔

علیزو کو یوں لگا جیسے وہ زمین میں دھنسنے لگی ہو۔

وہ جوس پیٹے ہوئے موبائل پر گھر کا فزول ڈال کر رہا تھا۔ فون حسب توقع ہانو نے ہی اٹھایا تھا شاید وہ تب سے فون کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

”ہیلو گریٹا۔۔۔۔۔ میں عمر بول رہا ہوں۔“

”علیزو کا کچھ پتا چلا؟“ ہانو نے اس کی آواز سننے ہی پر پچھا۔

”ہاں گریٹا۔۔۔۔۔ صرف پتا چلا ہے بلکہ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہے۔ ہم واپس گھر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو یہی بتانے کے لئے فون کیا ہے۔“ عمر نے اپنے لیے کوئی لامکان پر سکون رکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ خدایا۔۔۔۔۔ تیرا گھر ہے، وہ کہاں تھی؟“ ہانو نے بے اختیار سکون کا سانس لیتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

”وہ کالج میں ہی تھی۔“ علیزو عمر کا چہرہ دیکھ کر رگڑی جو بڑی روانی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ ”اندرو ہی کچھ کلاس فیلوز کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، اس کے کسی کلاس فیلو کی برتھ ڈے پارٹی تھی۔ اسے چھٹی کے وقت کا کچھ اندازہ ہی نہیں تھا۔ جب وہ کینٹ پر آئی تب تک مددیں چوکیدار سے اس کے بارے میں پوچھ کر چاکا تھا اب میں یہاں پہنچا ہوں تو وہ یہاں پر بیٹھ بیٹھی تھی۔ مگر یہی اس نے دو تین بار فون کیا مگر فون آنچل مل رہا تھا میرا خیال ہے اس نے اسی وقت فون کیا ہوگا جب آپ شہلا کی کمی سے بات کر رہی تھیں۔“

”مگر چوکیدار تو کہہ رہا تھا کہ صبح کالج آئی ہی نہیں۔“ ہانو کے لیے میں آپ تشریش کی بجائے غصہ تھا۔

”ہاں میں نے چوکیدار سے پوچھا تھا وہ شرمندہ ہو گیا۔ وہ کسی دوسری علیزو کی بات کر رہا تھا اور اسے واقعی یہ پتا نہیں تھا کہ اندر لڑکیاں کی باتی میں مصروف ہیں۔“ وہ جھوٹ پر جھوٹ بولنے میں مصروف تھا۔

”تم علیزو سے میری بات کر دو۔“ ہانو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ عمر نے موبائل علیزو کی طرف بڑھا دیا۔

”گریٹا سے بات کر لو۔“

علیزو نے کچھ دیریں ہو کر موبائل ہاتھ میں لیا۔

”لا رہی ہو کی حد کر دی تم نے۔“ موبائل پر ہیلو کیٹے ہی اس نے دوسری طرف نالو کو کہتے سنا ”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر سکتی ہو، جہیں شرم آئی چاہئے۔ تمہاری وجہ سے کتنی پریشانی اٹھانی پڑی ہے مجھے۔“

نالو اس کی بات سے بغیر مسلسل بول رہی تھی اور اس وقت علیزو کو اس میں اپنی غایت محسوس ہو رہی تھی کہ وہ چپ چاپ ان کی جھجکائی کھاتی رہے۔ دفعتاً جس جوش کرنے سے اس وقت یہ کام بہر حال بہتر تھا وہ ڈوبتے ڈوبتے نکلی گئی۔ نالو کچھ دیر اسی کام میں مصروف رہیں، پھر انہوں نے جلدی گھر آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

عمر تب تک گازی کو روک رہا تھا، علیزو نے موبائل بند کرنے کے بعد اس کی طرف بڑھا دیا۔

گازی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر پہلے اے کو خوفزدہ تھی تو اس وقت وہ بے حد شرمندہ تھی۔ عمر نے اگرچہ اسے نالو کے سامنے کسی جواب دہی سے پچایا تھا، مگر خود اس کی خاموشی اسے چھہ دے رہی تھی۔

کیا یہ مجھ سے واقعی کچھ بھی پوچھنا نہیں چاہتا؟

کیا یہ مجھ سے ناراض ہے؟ یہ کہنے کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے؟

یہ اب مجھے ابھی ان کی تو نہیں سمجھ رہا ہوگا۔

بہت سے سوال اسے کیے بعد وہ دگر سے بے چین کر رہے تھے۔

دوسری طرف عمر اسی لاپرواہی اور بے گامبازی میں مصروف تھا۔

وہ اب یہ سوچنے میں مصروف تھی کہ اسے خود مگر کو غائب کر لینا چاہئے، اور یہ ایسا کام تھا جو وہ خود کرنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ کیا عمر واقعی اسے یہ کچھ یا کچھ نہیں جانتا تھا کیا اسے کوئی شخص نہیں ہے، کہ میں کہاں تھی اور کسی کے ساتھ تھی، اور اس نے ناوے سے میرے بارے میں جھوٹ کیوں بولا ہے، کیا یہ واقعی میری اتنی پردا کرتا ہے کہ مجھے ہر نقصان سے بچانا چاہتا ہے، یا پھر یہ کچھ پر احسان کر کے.....

وہ اب اس کی خاموشی سے الجھنے لگی۔

کیا یہ وہ واقعی ناوٹا ہے یہ بات چھپانے رکھے گا کہ میں کسی لڑکے کے ساتھ تھی حتیٰ یا پھر یہ میرے سامنے ایک ڈرامہ کر رہا ہے۔

وہ سوچ رہی تھی اور اس کے بچپنا سے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

مجھے ذوالقرنین کے ساتھ نہیں جانا چاہئے تھا اگر میں اس کے ساتھ نہ جاتی تو آج تک انکم میں اس طرح عمر سے نظریں نہ چار رہی ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔

آج تک ہمارے ذوالقرنین کے اصرار پر اس کے ساتھ تھی حتیٰ ورنہ اس سے پہلے اس کی ذوالقرنین سے ملاقاتیں صرف برٹش کونسل اور ایک دو جگہوں تک ہی محدود تھیں۔ وہ ان جگہوں پر جاتی، ذوالقرنین پہلے سے وہاں موجود ہوتا، دونوں کچھ دیر وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہتے اور پھر واپس چلے آتے..... مگر عمر کے آنے کی وجہ سے اس کا برٹش کونسل کا شیڈول بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود ذوالقرنین سے مل نہیں پا رہی تھی کیونکہ ناوہ ہر جگہ عمر کو اس کے ساتھ بھیجنے کی کوشش کرتی۔ خود عمر بھی بڑی خوش سے اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ رہتا اور یہ چیز وعلیہ کو بری طرح ڈسٹر ب کر رہی تھی شاید یہ اسی فرض شکنی کی وجہ سے تھا کہ جب ذوالقرنین نے اس سے کاغذ سے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو وہ زیادہ دیر تک انکار نہیں کر سکی تھی۔

ڈرامہ رے منج سے اس کاغذ اتارنا تھا اور وہ ڈرامہ رے جانے تک کاغذ سے گپ کے اندر نہیں تھی اور جب ڈرامہ رے چلا گیا تو وہ گپ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ذوالقرنین کی گاڑی کی طرف تھی۔ جسے وہ کاغذ آتے ہوئے دیکھ چکی تھی اور پھر وہ دونوں سارا دن جگہ جگہ گھومتے رہے تھے۔ ذوالقرنین نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کاغذ کی چھٹی ہونے کے وقت اسے کاغذ کے باہر ڈراپ کر دے گا اور وہاں سے وہ اپنے گھر چلی جائے گی مگر ذوالقرنین کے ساتھ پھرتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا بالکل احساس نہیں ہوا اور جس وقت ایک رپورٹ میں بیٹھے جی کرتے ہوئے اسے یہ خیال آیا..... اس وقت کاغذ کو بند ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی اور تب صحیح معنوں میں علیہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑنے لگے۔

اس کے برعکس ذوالقرنین بالکل خوفزدہ نہیں تھا بلکہ وہ اسے بھی تسلیم دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمر اس کی تسلیوں سے اس پر کوئی زیادہ اثر نہیں کیا تھا، کاغذ بیچنے بیچنے ساڑھے تین بجے تھے اور وہی سراسر اس وقت پوری ہو چکی تھی۔ جب علیہ نے عمر کی گاڑی کو کاغذ کے گپ کے کچھ فاصلے پر دیکھا تھا اس نے ذوالقرنین کو اس وقت وہاں

عمر کی موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا تھا مگر اس کا جسم تک کا پناہ شروع ہو چکا تھا اسے توقع تھی کہ عمر کے ساتھ ناؤ میں وہاں ہوں گی اور شاید وہ اس وقت کاغذ کے اندر ہوں گی مگر بعد میں عمر کو کیا کیا وہاں دیکھ کر اسے کچھ حیرت ہوئی اور عمر کے اب تک کے رویے نے اس حیرت میں بتدریج اضافہ ہی کیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ ”نکم ان“ عمر نے کتاب سے نظر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور عمر نے علیہ کو اندر آتے دیکھا۔ عمر وال کا کلا کو دیکھتے ہوئے کچھ حیران ہوا۔ رات کے اس وقت علیہ وہاں آنا خاصا حیران کن تھا۔

”میں نے آپ کو ڈسٹر ب تو نہیں کیا؟“ اس نے اندر آ کر پوچھا۔

”ہائٹ اینڈ آل..... آؤ ٹینجو.....“ عمر نے کتاب بند کر کے سائینڈ فیل پر رکھتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ سوچے ہوئے کمرے میں موجود صوف پر بیٹھی، عمر اس کا چہرہ دیکھتے کہ وہ اب کارپٹ پر نظر پڑ جائے تھی۔

”کوئی پریشان ہے؟“ عمر نے اسے مسلسل خاموش دیکھ کر گفتگو شروع کرنے میں اس کی مدد کی۔

”نہیں.....“ اس نے اسی طرح کارپٹ پر نظر پڑ جائے کچھ سوچے ہوئے کہا۔

چند لمبے کمرے میں خاموشی پھر علیہ نے خاموشی کو توڑا۔

”آپ مجھے رات کے اس وقت یہاں دیکھ کر حیران ہوئے ہوں گے؟“

”نہیں.....“ اس باعمر نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔ علیہ نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بے حد پر سکون نظر آ رہا تھا۔ ”تم اگر یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہو کہ میں گری کو تہہ بارے بارے میں کچھ بتا دوں گا، تو بے فکر رہو..... میں ایسا نہیں کروں گا۔“

علیہ نے بے اختیار ہونٹ پیچھے لی، وہ خود ہی اس موضوع پر آ گیا تھا۔

”آپ مجھ سے پوچھیں گے نہیں؟“ اس نے کچھ ہنسنے ہوئے کہا۔

”مثلاً کیا؟“ عمر اب بھی اسی طرح پر سکون تھا۔

”آج..... کے..... واقعہ..... کے بارے میں“ اس نے کچھ لڑکھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں.....“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”کیوں؟“ وہ بے چین ہوئی۔

”یہ تمہارا پرسل معاملہ ہے، تمہاری اپنی زندگی ہے۔ جو چاہے کرو۔“ عمر کے لہجے میں لاپرواہی تھی اور علیہ کو یہ لائق بھی اچھی نہیں لگی۔

”آپ واقعی مجھ سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔“ اسے ابھی بھی عمر کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

”نہیں میں واقعی کچھ نہیں پوچھوں گا، لیکن تم اگر کچھ بتانا چاہتی ہو..... تو ٹھیک ہے، میں سن لیتا ہوں۔“

”کیا آپ کو میری حرکت بری نہیں لگی؟“

”میں نے اس بارے میں سوچا نہیں..... اور ویسے بھی مجھے دوسروں کے کاموں میں توجہ دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ اس نے بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”پھر آپ نے نا تو میرے بارے میں جھوٹ کیوں بولا؟“

”جھوٹ بچانے کے لئے“

”اور آپ مجھے پہچانے کیوں چاہتے ہیں؟“

”کیونکہ تم میری دوست اور کزن ہو، دوستوں کے لئے میں اکثر جھوٹ بولتا رہتا ہوں۔“ وہ بڑے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

”آپ کو مجھ سے کچھ تو پوچھنا چاہئے۔“

”شک کیا؟“

”جی کی کہ میں کہاں گئی تھی؟“

”تم کہاں گئی تھیں علیزہ؟“ عمر نے اسی کے انداز میں اس کا سوال دہرا دیا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا ”ذوالقرنین کے ساتھ۔“

”اور یہ..... یہ ذوالقرنین کون ہے؟“ اس بار عمر نے اگلا سوال خود ہی کیا تھا۔

”میرا فریڈ ہے۔“

”کب سے دوستی ہے تمہاری اس کے ساتھ؟“

”اور یہ شخص کرتا کیا ہے؟“

”تقریباً ڈیڑھ ماہ ہوا ہے“

”میڈیکل کالج میں ہے۔“

”تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟“

وہ اب آہستہ آہستہ اس سے سب کچھ اگلا رہا تھا، علیزہ نے اسے ذوالقرنین کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات کے بارے میں بتا دیا۔

”تم اس سے اکثر ملتی ہو؟“

”اکثر تو نہیں، مگر ملتی ہوں۔“ اس نے اعتراف کیا۔

”اسی طرح کالج سے غائب ہو کر؟“

”نہیں، آج پہلی بار کالج سے گئی تھی ورنہ پہلے تو کسی نہیں گئی..... ہم برٹش کونسل میں ملتے ہیں۔“

”اور آج کہاں گئی تھیں؟“

”ہم سارا داران پھرتے رہے، بہت ساری جگہوں پر۔“

عمر کچھ دیر خاموش ہو کر کچھ سوچتا رہا۔ ”ذوالقرنین سے صرف دوستی ہے نا..... کوئی روناٹک انوالومنٹ“ علیزہ کا چہرہ سرخ ہوا۔

”صرف..... دوستی نہیں ہے۔“ مدیم آواز میں اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے دوستی نہیں ہے۔ محبت ہے مگر کیا صرف تمہاری طرف سے ہے یا پھر ذوالقرنین بھی اسی طرح کے خیالات رکھتا ہے؟“

”وہ بھی..... مجھے پسند کرتا ہے۔“

”تو پھر کیا پروگرام ہے تم دونوں کا..... اس نے پروڈیوکر نہیں، کچھ شادی وغیرہ کا ارادہ ہے؟“

”پروڈیوکر نہیں کیا۔“

”کیوں نہیں کیا..... اگر وہ پسند کرتا ہے اور میرا پس ہے تو اسے کرو دینا چاہئے۔“

علیزہ نے سر جھکا لیا۔

”یا پھر تم پروڈیوکر کرو.....“

اس نے عمر کی بات پر حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔

”میں پروڈیوکر ہوں؟“

”ہاں..... تم کیوں نہیں کر سکتیں۔ یہ کوئی ایسی حیران ہونے والی بات تو نہیں ہے۔“

”مگر میں تو یہ بھی نہیں کر سکتی۔“

”تم جانتی ہو علیزہ! تم کوئی انفر آڈیوڈ نہیں کر سکتیں۔ آج نہیں تو کل گرینی کو تمہارے اور ذوالقرنین کے بارے میں پتا چل ہی جائے گا، تو ان کا رویہ ایکشن کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ تم ابھی طرح کر سکتی ہو۔“ وہ اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”اگر وہ اچھا بندہ ہے تو اسے سیدھی طرح سے گرینی سے طواؤ، یا پھر مجھ سے طواؤ..... میں بات کرتا ہوں اس سے۔“

علیزہ چوکی ”میں آپ سے طواؤں“

”ہاں، کیوں تم طواؤ نہیں چاہتیں؟“

”نہیں..... نہیں ایسی بات نہیں ہے۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”تو پھر ٹھیک ہے۔ تم ذوالقرنین سے بات کرو، میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں، کیسا بندہ ہے وہ۔“ عمر کا لہجہ اب گفتہ ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں اس کو آپ سے طواؤں گی۔“

”اور اس سے ملنے کے بعد میں گرینی سے خود اس کے بارے میں بات کروں گا۔“

عمر نے جیسے اسے یقین دہانی کروائی، وہ سر جھکا کر خاموش ہو چکی رہی۔

دنیا میں رہ رہے ہیں اور دنیا میں کوئی مختلف نہیں ہوتا بعض لوگ جو ہمیں بظاہر مختلف لگتے ہیں، وہی ہمارے لئے سب سے زیادہ غلاب لاتے ہیں۔ جب ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ کتنے معمولی اور عام سے ہوتے ہیں اور شاید بے قیمت بھی بلکہ بعض دفعہ وہ عام لوگوں سے بھی زیادہ بے قیمت ثابت ہوتے ہیں۔“

وہ بات کرتے کرتے تنبیہ ہو گیا۔

”ذوالقرنین ایسا نہیں ہے۔“ اس کی ساری باتیں سننے کے بعد اس نے سر اٹھا کر بڑے اعتماد سے کہا۔

”میری خواہش ہے..... واقعی ایسا ہی ہو۔“ مگر نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

وہ حسب معمول رات کے وقت ناو اور تاناکو سے جانے کے بعد لاؤنج میں آئی..... ہمیشہ کی طرح لالٹ آن کے بغیر صرف کو بیڈروں میں روشن کردار کے لب اور باہر پرچ کی کمر لکڑی سے آنے والی وحدانی روشنی میں صوف پر بیٹھ کر ذوالقرنین کو کال کرنا شروع کیا۔

”کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟“

رابطہ قائم ہوتے ہی ذوالقرنین نے پہلا سوال کیا تھا۔ وہ بھی طیلوہ کو کالچ چھوڑتے ہوئے عمر کی گاڑی میں طیلوہ کو بیٹھنے دیکھ چکا تھا۔

”نہیں کچھ نہیں ہو..... مگر نے ناو سے جھوٹ بول دیا..... اس نے کہا کہ میں اندر کالچ میں قحی چونکیدا کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ ناو نے اس کی بات پر اعتبار کر لیا، اگر وہ جھوٹ نہ تو ناو سے پچھا آج بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ بے حد غصے میں تھیں۔“

اس نے دہمی آواز میں کہا۔

”تم خود بخود چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہوتی رہتی ہو۔ میں تم سے کہہ چکی رہا تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔“ ذوالقرنین نے جواباً غصاں لپڑائی سے کہا۔

”مگر عمر نہ ہوتا تو وہ جھوٹ نہ تو ناو پر میرے ساتھ کیا ہو سکتا تھا، آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے کیونکہ آپ ناو کو نہیں جانتے۔“ طیلوہ نے کہا۔ ”میں اس سطر کالچ سے کبھی نہیں جاؤں گی۔“

”تم بہت بد دل ہو طیلوہ۔“ ذوالقرنین نے اس کی بات کے جواب میں کہا، وہ خاموش رہی۔

”تجہاری ناو آخر کیا کر سکتی ہیں..... جان سے تو نہیں مار سکتی ہیں۔“

”پھر مجھے اچھا نہیں لگا اگر ان کو پتہ چل جاتا تو۔“

”تم اپنی ناو سے اتنا رویہ کیوں ہو؟“ ذوالقرنین نے کچھ الجھ کر کہا۔

”دور نہیں ہوں..... میں ان کے پاس رہتی ہوں، میں ہر کام میں اپنی مرضی نہیں کر سکتی۔“

”اپنی دے یہ سب چھوڑ..... کوئی اور بات کرتے ہیں۔“ تجہاری ناو کو عرض غصاں مہربان سے تم پر..... اس نے تجہاری لئے تجہاری ناو سے جھوٹ کیوں بولا؟“

”آپ مجھے برا تو نہیں سمجھتے۔“ کچھ دیر بعد عمر نے طیلوہ کو سر جھکا کر کہتے سنا۔

”نہیں..... میں تمہیں برا کیوں سمجھوں گا..... تم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔“

”کالچ سے چلا بھی ملا نہیں ہے؟“ وہ اس سے پتا نہیں کی چیز کی یقین دہانی کروانا چاہ رہی تھی۔

”تم جتنا سنا جانتی ہو یا جھوٹ؟“ مگر سنجیدہ ہو گیا۔

”ج.....“ تو پھر اس طرح جانا واقعی غلط ہے میں کوئی کٹر رویہ بندہ تو نہیں ہوں، مگر اپنی ٹیلی کو اچھی

طرح جانتا ہوں اور تمہیں بھی۔ تم پیچور نہیں ہو..... میں راج میں ہر چیز قریب لگتی ہے مگر یہاں اس سوسائٹی میں ایسے ایڈیٹرز خاصے ہوتے ہیں۔ ذوالقرنین اچھا ہے یا برا، میں نہیں جانتا مگر تم ایسی لوگوں کو پرکھنا نہیں

جانتیں مہربان کوئی Exposure نہیں ہے۔ اس لئے اپنی زندگی کے بارے میں محتاط رہو تو خاصا بہتر ہے۔“

وہ خاموشی سے سر جھکا کر اس کی باتیں سنتی رہی۔

”ذوالقرنین ایسا نہیں ہے۔“ اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟“ اس نے دودھ کہا۔

”He is Different (وہ مختلف ہے)“

عمر بے اختیار ہنسا۔ ”یا اس نے تم سے کہا یا تم نے خود سوچا؟“

”He is really Different (وہ واقعی دوسروں سے مختلف ہے۔)“ طیلوہ نے جیسے اسے یقین

دلانے کی کوشش کی۔

”ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے۔ فکر پرش سے لے کر جنس تک کچھ بھی ایک جیسا نہیں

ہوتا۔“ مگر نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

”وہ اندر سے مختلف ہے۔“ طیلوہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تم اس کے اندر کچھ بھی نہیں سمجھ سکتیں۔“ ادوہ آئی سی وہ ڈاکٹر بن رہا ہے، ہو سکتا ہے اس نے اپنی ڈائی سیکنس

کر کے تمہیں اپنا اندر دکھایا ہو۔“ ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟“

وہ اب مذاق اڑا رہا تھا۔ طیلوہ کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

”دور واقعی ایک مختلف مرد ہے۔“

وہ اب بھی اپنی بات پر مصر رہی۔

”What a typical statement!“ عمر ایک بار بھر ہنسا۔ ”Different man“ کوئی مرد

مختلف نہیں ہوتا بلکہ ڈیٹر کرکن۔“ کم از کم گرل فرینڈ کے معاملے میں کوئی مختلف نہیں ہوتا۔ ہر ایک کی سوچ اور

محسوسات ایک جیسے ہوتے ہیں۔“

”میں اس کی گرل فرینڈ نہیں ہوں۔“ طیلوہ کو اس کی بات پر شک لگا۔

”اس کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم Realistic (حقیقت پسند) ہو جاؤ۔ ہم

اس واقعہ سے تقریباً ایک ہفتے کے بعد عمر نے ایک شام اس سے پوچھا۔
 ”ہاں۔۔۔۔۔“

”پھر۔۔۔۔۔“

”وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔“ علیزہ نے اس سے نظر اٹا کر بھڑکھا۔
 ”کیوں؟“ عمر کو بہت حیرت نہیں ہوئی۔

”یہ مجھے نہیں بتا۔۔۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کو اس سے کیا بات کرنی ہے؟“
 ”تم نے اسے نہیں بتایا؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ مجھے بہت مشکل لگ رہا تھا۔“ اس نے کچھ مذمت سے کہا۔
 ”مگر بات تو اس سے کرنا ہی ہے۔ آج نہیں تو کل۔۔۔۔۔ کل نہیں تو پرسوں۔“

”میں کیا کروں۔۔۔۔۔ وہ ملنا نہیں چاہتا تو میں اسے مجبور کیسے کر سکتی ہوں؟“ علیزہ نے بے چارگی سے کہا۔
 ”اگر وہ تمہارے بارے میں واقعی سیریس ہے تو اسے مجھ سے ملنے سے ڈرنا نہیں چاہئے۔“ عمر اب سمجیدہ

ہو گیا تھا۔

”علیزہ! کیا تمہارے بارے میں واقعی سیریس ہے؟“
 ”ہاں۔۔۔۔۔ میں نے آپ سے کہا ہے نا وہ دوسروں سے Different ہے۔“

علیزہ نے عمر کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ عمر کچھ دیر خاموش رہا۔
 ”اگلی بار تم اس سے کہاں مل رہی ہو؟“

علیزہ ہنس ہوئی۔

”کہیں بھی نہیں۔ اب میں اس سے نہیں ملوں گی۔“

”میں چاہتا ہوں تم اس سے ملو اور اس بار میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔“
 ”مگر وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔“

”اسے پہلے سے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے کہوں گا کہ میں جنہیں چھوڑنے آیا ہوں،
 اور پھر اس سے کچھ بات چیت ہوگی۔“ عمر نے جیسے مسئلہ کا حل نکال لیا تھا۔

”جین! اگر وہ تاراض ہو گیا تو؟“ علیزہ دھڑکے ہوئے لگی۔
 ”ہمارا دشمن کی بات پر ہو گا؟“

”اس طرح آپ سے ملوانے پر۔“

”تم نے خود کہا ہے وہ ایک مختلف آدمی ہے۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں وہ کتنا Different ہے۔ اگر وہ
 تمہارے بارے میں واقعی سمجیدہ ہے تو تاراض نہیں ہوگا، اور میں اس سے ملنے تو نہیں جا رہا۔ اچھے ماحول میں بیٹھ کر

س سے کچھ اچھی اچھی باتیں کریں گی۔ اس میں شک کی کیا بات ہے۔“

”ہاں وہ اچھا ہے Very Caring“ علیزہ نے کچھ خوش ہو کر کہا۔
 ”ب کے لئے یا صرف تمہارے لئے؟“ وہ کچھ دیر کے لئے کچھ بول نہیں سکی۔

”مطلب۔۔۔۔۔؟“

”کچھ نہیں ایسے ہی کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔ آج کل ایسے کزنز کہاں ملتے ہیں۔ واقعی اچھا ہے تمہارا کزن۔“
 ذوالقرنین نے فوراً بات بدل دی۔

”عمر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“ علیزہ کو کچھ دیر پہلے عمر کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو یاد آئی۔
 ”کیا۔۔۔۔۔؟“ ذوالقرنین جیسے اس کی بات پر بری طرح بدکا۔

”وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“ علیزہ نے اپنی بات دہرائی۔
 ”کیوں، مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟“

”چاہئیں۔۔۔۔۔ یہ میں نہیں جانتی۔ بس اس نے کہا تھا کہ میں اسے آپ سے ملنے ملوا دوں۔“ علیزہ نے دانستہ

جھوٹ بولا۔

”مگر میں اس سے ملنا نہیں چاہتا۔“ ذوالقرنین نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔
 ”کیوں؟“ علیزہ کو جیسے دھچکا لگا۔

”میں اس سے مل کر کیا کروں گا، جب میں اسے جانتا ہی نہیں۔“
 ”وہ میرا کزن ہے۔“ علیزہ نے جتانے کی کوشش کی۔

”مگر وہ میرا کزن نہیں ہے۔“

”اس سے ملنے میں کیا ہرج ہے؟“

”میں اس سے مل کر کیا بات کروں گا؟“

”ہوسکتا ہے اسے آپ سے کوئی ضروری بات کرنا ہو؟“

”کیا ضروری بات کرنی ہے؟“

اس بار ذوالقرنین کا بوجھ خاصا سمجھا تھا، علیزہ کو کچھ بتانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

”تو بس ٹیک ہے پھر اسے مجھ سے ملوانے کی ضرورت ہے، اب کسی اور ٹاپک پر بات کرتے ہیں، میں
 نے جنہیں عمر کے ساتھ ملاقات کا شیڈول ملنے کرنے کے لئے فون نہیں کیا۔“

ذوالقرنین کی آواز میں آگاہی تھی۔ علیزہ نے کچھ دیر کے لئے کچھ دلی کے ساتھ موضوع بدل دیا۔ اسے ذوالقرنین
 کے عمر سے ملاقات سے انکار پر حیرت ہو رہی تھی۔ کچھ دیر دونوں بات کرتے رہے پھر مخالف توقع ذوالقرنین سے جلد

ی فون بند کر دیا۔

☆☆☆

”تم نے ذوالقرنین سے بات کی؟“

"اس طرح کھڑے کھڑے کیا بات ہو سکتی ہے۔ آرام سے بیٹھتے ہیں۔ کوئی ایسی بھی خاص بات نہیں ہے۔" عمر نے مسکراتے ہوئے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں مجھے جلدی ہے، کچھ کام ہے..... یہ تو عیوہ نے اصرار کیا تو میں یہاں ملنے کے لئے آ گیا، ورنہ آج میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔"

ذوالقرنین نے اپنی رست واپس پر نظر دوڑاتے ہوئے عمر سے کہا۔

"آپ کو جو بات کرنی ہے، وہ جلدی کریں۔" عمر نے ذوالقرنین کو خامی گہری نظروں سے دیکھا۔

ذوالقرنین کو اس کی نظروں سے الجھن ہوئی تھی۔

"علیہ وکوب سے جانتے ہو؟" اس نے ذوالقرنین سے پوچھا۔

"یہ بات تو آپ علیہ سے بھی پوچھ سکتے تھے۔ کیا صرف انہی بات جاننے کے لئے یہاں آئے ہیں؟"

"نہیں جانا تو کافی کچھ ہے۔ یہ تو پس ویسے پوچھ لیا۔"

"ایک ڈیڑھ ماہ ہوا ہے۔" ذوالقرنین اب پر سکون ہوتا جا رہا تھا۔

"علیہ بتا رہی تھی، آپ دونوں کی خامی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔"

اس بار ذوالقرنین نے خامے غور سے علیہ اور عمر کو باری باری دیکھا۔

"ہوسکتا ہے علیہ نے ایسا محسوس کیا ہو، میں کیا کہہ سکتا ہوں"

"آپ کی کافی دوتی ہے علیہ کے ساتھ"

"ہاں ہے۔"

"اکثر ملتے رہتے ہیں؟"

"اکثر؟ یونی بھی کھار ملتے ہیں۔"

"میں جانا چاہ رہا ہوں کہ یہ دوتی کس سلسلے میں ہے؟ کیا آپ علیہ کے بارے میں سیریس ہیں"

"سیریس سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"میرا مطلب ہے شادی کرنا چاہتے ہیں اس سے؟"

"واٹ شادی..... یہ آپ سے کس نے کہا؟"

علیہ کا رنگ فق ہو گیا عمر ای پر سکون انداز میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا، ذوالقرنین اب ناراض نظر آ رہا تھا۔

"شادی نہیں کرنا چاہ رہے تو پھر یہ دوتی کس سلسلے میں ہے؟"

"ہر دوتی شادی کے لئے تو نہیں ہوتی۔"

"تو پھر کس لئے ہوتی ہے؟" وہ تگڑا کرنے کے لئے

"You can say that" (آپ کہہ سکتے ہیں۔) "ذوالقرنین نے کٹھنے اچانکے ہوئے خامی

لا پرواہی سے کہا۔

عمر اسے مطمئن کر رہا تھا علیہ موج میں پڑ گئی۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کو اس سے ملوا دیتی ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ جیسے کسی فیصلہ پر پہنچ گئی۔

"تم اسے کہاں بلواؤ گی؟"

"برٹش کنسل۔" اس نے کہا عمر نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اچھا تو میرے ساتھ برٹش کنسل جانے پر اس لئے اعتراض ہوا تھا، وہاں ذوالقرنین صاحب سے ملاقات ہوتی ہوگی۔"

علیہ اس کی بات پر ہنسی ہو گئی۔

"بہتر حال تم برٹش کنسل کے بجائے اسے کسی پارک میں بلواؤ۔" عمر نے جگہ ملے کرتے کہا "یا پھر کسی ریسٹورنٹ میں۔"

☆ ☆ ☆

"تیسرے دن وہ عمر کے ساتھ ایک پارک کی پارکنگ میں موجود تھی۔ کار سے اترتے ہوئے وہ نرس ہو رہی تھی اس نے ذوالقرنین کو یہ نہیں بتایا تھا کہ آج عمر کو بھی ساتھ لا رہی ہے اور اب وہ خرفزدہ تھی کہ کہیں ذوالقرنین اس بات پر ناراض نہ ہو جائے۔

ذوالقرنین پارک کے اندر مخصوص بچے پر بیٹھا ہوا تھا عمر کے ساتھ چلتے ہوئے علیہ نے اسے دور سے ہی کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ شاید اس نے علیہ کو آتے ہوئے دیکھا لیا تھا اور نہ صرف علیہ کو بلکہ اس کے ساتھ آتے ہوئے عمر کو بھی اور اس کے کھڑے ہونے کی وجہ بھی جانتی تھی۔

اس کے پاس بچے کراس نے ذوالقرنین کے چہرے پر ہلکا ہٹ اور ناگواری کے تاثرات دیکھے تھے۔

"ہیلو، میں عمر ہوں آپ یقیناً ذوالقرنین ہیں۔"

عمر نے اس کے پاس بچے کر ہاتھ دوستانہ انداز میں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ذوالقرنین نے کسی مسکراہٹ کے بغیر اس سے ہاتھ ملایا۔

"آپ نے ملنے کا خاصا حق تھا مجھے۔ علیہ کافی تعریف کرتی رہتی ہے آپ کی۔"

عمر اس کی سرد دہری سے حشر ہوئے بغیر بولا۔

"میں نے سوچا مجھے بھی ملنا چاہیے آپ سے، مجھے تو آپ جانتے ہی ہوں گے، میں علیہ کا کزن ہوں۔"

ذوالقرنین اب بھی کچھ بول نہیں پا رہا تھا شاید اس کے لئے علیہ کی یہ حرکت اتنی غیر متوقع اور حیران کن تھی کہ اسے اپنے اوسان پر قابو پانے میں وقت لگ رہا تھا۔

"آپ مجھ سے ملنا کیوں چاہتے تھے؟" ذوالقرنین نے بلاخر عمر سے کہا اس کا لہجہ خاصا خشک تھا۔

"جیسے ہی کچھ باتیں کرتی تھیں آپ سے"

"کیا باتیں کرتی تھیں؟"

”تو مجھیں علویہ سے یہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی کہ تم اس سے شادی کرنا چاہے ہو۔۔۔۔۔ یا یہ کہ تم اس سے محبت کرتے ہو؟“

”میں نے علویہ سے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ ذوالقرنین نے ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

علویہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”آپ نے مجھ سے کہا تھا ذوالقرنین“

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ اس نے علویہ کی آنکھوں میں ڈال کر بڑی بے خوفی سے کہا۔

وہ شاک کے عالم میں ذوالقرنین کو دیکھنے لگی۔ یہ وہ ذوالقرنین نہیں تھا جسے وہ دیکھ چکے تھے، اب وہ جانتی تھی۔

وہ بالکل بدل چکا تھا۔

”تو مجھیں علویہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نہ ہی تم اس سے شادی کا کوئی ارادہ رکھتے ہو۔ تو مجھ پر تلے کس مقصد کے لئے ہو، ساتھ کیوں لے لے کر بھرتے ہو؟“

”میں نہیں، وہ میرے ساتھ بھرتی ہے۔۔۔۔۔ وہ تلے آتی ہے مجھ سے۔۔۔۔۔“ عمر بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

”اور جہاں تک ساتھ بھرنے کا تعلق ہے تو ساتھ تو تم بھی لے بھرتے ہو اسے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ بہرہ تم کیوں نہیں شادی کر لیتے اس سے اپنی مصیبت دوسروں کے سر پر کیوں ڈالنا چاہے ہو؟“

ذوالقرنین کے لہجے میں تسخرفنا۔ علویہ خوف کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”کیا ذوالقرنین میرے بارے میں اس طرح سے سوچتا ہے۔۔۔۔۔

”مجھے نہیں پتا، یہ تم سے کیا کہنی ہے یا بتاتی رہی ہے۔ مگر میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس سے محبت یا شادی کا

وعدہ کروں، اگر اسے خود ہی میرے بارے میں کوئی خوش فہمی یا غلط فہمی ہو جائے تو میں کیا کر سکتا ہوں، مگر اس طرح اگر

کوئی کزن کو چکڑا لائے۔ انڈیوٹل بلک میٹنگ کے لئے تو میں کم از کم وہ بندہ نہیں ہوں جو اس طرح شخص جائے اس

مجھے تم سے مل کر واقعی خوش ہوئی ہے ذوالقرنین کیونکہ تم میری توقعات پر بالکل پورا راتے ہو۔۔۔۔۔

میں جتنے گھٹایا آدمی سے ملنے کا سوچ کر آیا تھا، تم اس سے زیادہ گھٹایا لگے ہو۔۔۔۔۔ بہر حال دوبارہ تم نے کبھی علویہ کو

فون کیا یا اس سے ملنے کی کوشش کی تو میں نے پہلے وصیت کرنا کیونکہ بہرہ تم دوبارہ واپس نہیں جاسکے۔ آؤ

علویہ“

عمر نے اسی طرح پر سکون انداز میں اس سے بات کرنے کے بعد علویہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور واپس مڑ گیا۔ اپنے

پیچھے اسے ذوالقرنین کا ایک طرہ پر قہقہہ سنائی دیا۔

وہ اسے ساتھ لے کر پارک میں آ گیا، گاڑی میں بیٹھ کر اس نے پہلی بار علویہ کے چہرے کو غور سے

دیکھا۔ وہ بالکل زرد تھی۔ عمر اس کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا، وہ جانتا تھا اسے شاک لگا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ

اسے ذوالقرنین کے منہ سے کئی جانے والی کسی بات پر یقین نہیں آیا ہوگا، اور عمر کو اس وقت اس سے ہمدردی بھی

محسوس ہو رہی تھی۔

کارا اشارت کرنے کے بجائے اس نے علویہ کی طرف مڑ کر اس سے کہا۔

”کسی بھی چیز کو سو بار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی میں یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے۔

Experience is the other name of our mistakes, so take it as an experience.

(ہمارے غلطیوں کا دوسرا نام تجربہ ہے۔ اسے ایک تجربہ سمجھو۔)

علویہ نے عمر کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی، وہ دھڑا کر سکرے سے باہر پارک میں نظر آنے والی گاڑیوں کو دیکھتی رہی۔

”یہ تو بہت معمولی سی چیز ہے۔ زندگی میں اس سے بڑی ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس سب کو بھول جاؤ وہ

بالکل پریشان نہیں ہوگا، تو جہیں بھی پریشان یا شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔“

عمر نے کارا اشارت کرتے ہوئے کہا۔ وہ اب بھی خاموش تھی۔

وہ عمر تک پورا راستہ اس سے باتیں کرتا رہا اسے جیسے اپنی کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ اس کی باتیں سنتی

رہی مگر اس نے ایک بار بھی اس کی باتوں کے جواب میں کچھ کہا نہ ہی اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ بے تاثر چہرے

کے ساتھ کار سے باہر دیکھتی رہی۔

عمر اسے گھر پر ڈراپ کرنے کے بعد بھرپور گاڑی لے کر باہر نکل آیا۔ اسے مارکیٹ سے کچھ شاٹنگ کرنی تھی

اور پھر اسے قاعدہ عظیم لاہیریری جانا تھا۔ شاٹنگ کے دوران اور بعد میں لاہیریری میں بھی اس کے ذہن پر علویہ کی

سوار ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ اتنی ننھی اور بوجھ دار نہیں تھی کہ ہر چیز کو فوری طور پر ذہن سے جھٹک دیتی۔ وہ سوچ رہا تھا۔

واپسی پر وہ رات کو بھر کچھ وقت اس کے ساتھ گزارے گا۔ چند دن گئیں گے مگر وہ نائل ہو جائے گی۔ اس نے خود کو

تملی دینے کی کوشش کی۔

☆☆☆

شام سات بجے وہ واپس گھر آ گیا۔ ناٹو لاؤنچ میں فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ وہ ان کے

باس میں بیٹھ گیا۔ وہ فون بند کرنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئیں تو اس نے ان سے علویہ کے بارے میں پوچھا۔

”وہ تب سے اپنے کمرے میں ہے جب سے تم چھوڑ کر گئے ہو۔“

انہوں نے اطلاع دی۔ عمر بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اگلا ایک ڈیڑھ گھنٹہ اس نے اپنے کمرے

میں اپنے کچھ کام کرتے ہوئے گزارا۔

ساراڑے آٹھ کے قریب وہ کھانا کھانے کے لئے لاؤنچ میں آیا۔ خاناں کھانا لگا رہا تھا اور ناؤ بکن میں جیس۔

”مگر بیڈا ابھی تک واپس نہیں آئے۔“ عمر نے بکن میں پانی پیتے ہوئے کہا۔

”وہ آئے تھے، لیکن دوبارہ چلے گئے۔“ آج کی ڈرن میں ناٹو بکھڑ تھے۔

ناٹو نے اسے بتایا وہ ان کے ساتھ باتیں کرتا ہوا ڈانٹنگ روم میں چلا گیا۔

”مگر یہ علویہ کو بلاؤ۔“ ناٹو نے ڈانٹنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے خاناں سے کہا۔ ”آج تو شام کی

چاہے بھی نہیں لی اس نے۔

”اس کی طبیعت خراب تھی کچھ شاید اس لئے۔“ عمر نے جھوٹ بولا۔

نانو نے چمک کر اسے دیکھا۔ ”اچھا..... مجھے تو اس نے نہیں بتایا۔ بتاتی تو میں اسے کوئی میڈیسن ہی دے دیتی۔“

”وہ پریشان نہیں کرنا چاہ رہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے سوچی ہوگی۔“ عمر نے انہیں قتل دینے کی کوشش کی۔

چند منٹ بعد خانہ سال ڈانگک روم میں داخل ہوا ”علیوہ بی بی! دروازہ نہیں کھول رہیں۔ میں نے بات دفعہ دنگ دی ہے۔ آواز میں بھی دی ہیں۔“ اس نے نانو سے کہا۔

”میں خود کھینچی ہوں، کھین زیادہ ہی طبیعت خراب نہیں ہوگئی؟ نانو! لٹھ کر چلی گئیں عمرو ہیں بیٹھا سوچتا رہا..... اس نے کھانا شروع نہیں کیا۔ وہ نانو کی دوا سی کا انتظار کر رہا تھا، اگلے کئی منٹ نانو کھنا دوا سی نہیں ہوئی۔ پھر اچانک اس نے مگر کے اندر سے دروازہ بار بار بجانے کی بلند آواز اور نانو کو بلند آواز میں پشیمو کا نام پکارتے سنا..... وہ سبے اختیار ڈانگک روم سے نکل آیا۔

”کیا بات ہے نانو؟“ وہ کوریڈور میں آ گیا۔

”عمر! علیوہ دروازہ نہیں کھول رہی۔ نہ اندر سے کوئی جواب دے رہی ہے۔ اتنی گہری نیند تو وہ کبھی نہیں سوتی۔“

نانو بے حد پریشان نظر آ رہی تھیں، عمر کی پھنسی حس، اچانک اسے کسی خطرے سے خبردار کرنے لگی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر خود دروازے کو دو تین بار بجایا اور علیوہ کا نام پکارا..... اندر سے اب بھی کوئی آواز نہیں آئی تھی۔

”اس کمرے کی کوئی چابی ہے آپ کے پاس؟“ عمر نے مڑ کر نانو سے کہا۔

چند منٹ میں نانو چابیاں لے آئی تھیں۔ عمر نے ان کے ہاتھ سے کی رنگ لیا اور دروازہ کھولنے لگا۔ چند سیکنڈ میں لاک کھل گیا تھا عمر نے دروازہ کھول دیا کمرے میں اندھیرا پھیلنا ہوا تھا۔ عمر نے برق رفتاری سے دیوار پر سوکھ بوز کو ڈھونڈ کر لائٹ آن کی۔

علیوہ بیڈ پر کھبل لٹے لیٹی ہوئی تھی۔ عمر تیزی سے اس کی طرف گیا اور ایک بار پھر اس کا نام پکارا۔ وہ اب بھی ویسے ہی بے حس و حرکت تھی۔ ایک لمحہ کے لئے عمر کا سانس رک گیا۔

”کیا ہوا ہے اسے؟“ اسے اپنی پشت پر نانو کی آواز سنائی دی۔ عمر نے علیوہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اس کا جسم غلط تھا۔

”مگر کئی ڈرامہ روکھیں گاڑی نکالے..... پلیز جلدی کریں۔ علیوہ کو ہا چٹل لے کر جانا ہے۔“ اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے اس نے پیچھے پلٹ کر نانو سے کہا، نانو کچھ نہ سمجھتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

عمر اب اس کی نبض ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔ اس کا پورا وجود جیسے کسی طوفان کی زد میں آیا ہوا تھا۔

”یہ سب میری وجہ سے ہوا..... مجھے کیوں خیال نہیں آیا کہ وہ یہ سب کچھ بھی کر سکتی ہے۔“



باب ۳۲

”بیٹو! ایا کیسے ہو تم؟“ نانو نے آواز پچھانتے ہی کہا تھا۔ ایاز حیدر ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں بی بی، آپ کیسی ہیں؟“

”میں بھی ٹھیک ہوں۔ تم نے آج اس طرح اچانک فون کیسے کیا؟“ نانو کا ایک ہفتے میں دوسری بار اپنے بیٹے کی کال آنے پر حیرانی ہوئی۔ ایاز حیدر اگر بہت جلدی بھی انہیں کال کرتے تو ہفتے میں صرف ایک بار کال کرتے تھے۔ اور چند دن پہلے وہ ان سے بات کر چکی تھیں۔

”کوئی کام ہے؟“ نانو نے اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں عمر سے بات کرنا چاہتا ہوں، ویک اینڈ پر آپ کے پاس آیا ہوگا۔“

”نہیں تو جب سے سہال گیا ہے۔ یہاں ویک اینڈ گزارنے نہیں آتا۔“

”مگر سہال میں تو وہ نہیں ہے..... وہیں سے مجھے پتا چلا ہے کہ وہ ویک اینڈ پر لاہور آیا ہے..... میں نے سوچا کہ لاہور میں آپ ہی کے پاس آیا ہوگا۔“

”نہیں وہ یہاں نہیں ہے تم نے موبائل پر اسے کال کیا کیسے کیا؟“

”اس کے موبائل کا نمبر نہیں ہے میرے پاس۔ آپ کے پاس ہوتا مجھے لکھو دیا۔“

”ہاں میرے پاس ہے ایک منٹ۔“ نانو نے فون کے پاس موجود ڈائری کھول لی۔ ”ہاں یہ نوٹ کرو۔“ انہوں نے عمر کا نمبر انہیں نوٹ کروایا۔ ”کیوں کوئی ضروری بات کرنی ہے اس سے؟“ نانو کو تجسس ہوا۔

”ہاں، خاص ضروری بات کرنی ہے، اچھا خدا حافظ۔“ ایاز حیدر نے مزید کوئی تفصیل بتانے بغیر فون بند کر دیا نانو نے کچھ سوچتے ہوئے فون رکھ دیا۔

دو گھنٹے بعد ایاز حیدر نے دوبارہ کال کی۔ اس بار بھی فون نانو نے ہی ریسیو کیا۔

”عمر کا موبائل آف ہے، میں پچھلے دو گھنٹے سے اسے کال کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ آپ کچھ اندازہ دو سکتی ہیں کہ وہ لاہور میں کہاں ہوگا۔“ انہوں نے چھوٹے ہی نانو سے پوچھا۔

مارے رشتہ داروں کے گھر فون کرنا شروع کر دو۔

”نانو! کتنا کورؤنگ رہا ہے کہ میں اس طرح فون کر کے عمر کے بارے میں پوچھوں جیسے وہ کوئی چھوٹا بچہ ہے جو ہم ہو گیا ہے، ایذا اٹھل ٹھوڑا انتظار کر لیں، وہ دیکھ اینڈ پر لاہور آیا ہے، کل واپس چلا جائے گا پھر وہ اطمینان سے اس سے بات کر لیں، اتنی انفرکٹری کی کیا ضرورت ہے۔“

”ایذا کو کوئی ضروری بات کرنی ہے ورنہ ایذا اس طرح آسان سر پر نہ اٹھا تو وہ بھی جانتا ہے کہ کل وہ واپس بہالہ چلا جائے گا اور وہ وہاں اس سے رابطہ کر سکتا ہے۔ پھر کسی وہ اگر اسے ڈھونڈنے پر بلند ہے تو قیقہ کو کوئی ایمر نہیں دی ہوگی۔“

”میرا نہیں خیال کہ وہ کسی فریڈ وغیرہ کے گھر رہے ہوگا۔ اگر وہ آپ کے پاس نہیں آیا تو پھر یقیناً ہوٹل میں ٹھہرا ہوگا اور یہاں لاہور میں وہی تو ہوٹل ہیں جہاں وہ ٹھہرا ہے۔ اس لئے وہاں فون کر کے پتہ کر لیتے ہیں۔“ علیزہ نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے، پچھلے دن ہوٹل میں فون کر کے۔“ علیزہ نے ڈائریکٹری پکڑی اس سے نمبر دیکھ کر نمبر دیا۔ پچھلے ہوٹل میں ہی انہیں عمر کی موجودگی کا پتہ چل گیا تھا۔ ”وہ اس وقت ہوٹل میں نہیں ہے۔ آپ بیچ چھوڑ دیں۔“

”اس سے کہیں کہ اپنا موبائل آن کریں یا پھر اپنی گئی کونوں کر لیں۔“ علیزہ نے فون بند کر دیا۔

”انگل ایذا اس سے اتنی ایمر نہیں میں کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟“ فون بند کر کے ہی علیزہ نے پاس بیٹھی نانو کو پوچھا۔

”یو میں نہیں جانتی۔ میں نے پوچھا بھی مگر ایذا نے بتایا نہیں مگر بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔“ نانو نے بتایا۔ ”ہو سکتا ہے۔ عمر کا پھر کوئی بھڑوا ہو گیا ہو، انگل جاکر ہے اور انگل ایذا اسی سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔“ علیزہ نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو ایذا ہی بتائے گا تو پتا چلے گا۔“ نانو کچھ تنکھ نظر آ رہی تھی۔

وہ دونوں وہیں لاؤنج میں بیٹھی بائیں کر رہی تھیں، جب فون کی گھنٹی بجی فون کا ریسپورڈ نانو نے اٹھایا۔

خلاف توقع دوسری طرف عمر تھا۔

”تم نے موبائل آف کیوں کیا ہوا ہے۔ میں کب سے تم سے کال ٹکٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ نانو نے چھوٹے ہی ٹھنڈے کہا۔

”آپ کا میسج ملے ہی آپ کو کال کر رہا ہوں، بابی دادے، آپ کو یہ کیسے پتا چلا کہ میں یہاں لاہور میں اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا۔“ عمر نے ہوٹل کا نام لیتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف عمر تھا۔

”ایذا نے فون کیا تھا۔ اسی نے بتایا کہ تم دیکھ اینڈ پر لاہور آئے ہو اور علیزہ نے اندازہ لگا کر تم ہوٹل میں ٹھہرے ہو گے۔“

”تمہیں میں تو نہیں جانتی کہ وہ یہاں کس کے پاس ہوگا اور پتا نہیں لاہور میں ہے کبھی یا نہیں، ہو سکتا ہے چھوٹے کے ساتھ ہو اس کے ساتھ خاصی دقت ہے اس کی۔“ نانو نے اپنے ایک دوسرے پتے کا نام لیتے ہوئے کہا۔

”تمہیں۔“ چھوٹے کے ساتھ نہیں ہے۔ میں اس کے گھر فون کر چکا ہوں، آپ ایک کام کریں عمر کے بارے میں پتہ کریں، میں کچھ دیر بعد دوبارہ آپ کو فون کرتا ہوں۔“ ایذا حیدر نے بہت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”آخر بات کیا ہے؟ اس طرح عمر کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے تمہیں؟“ نانو کو اب تشویش ہونے لگی۔

”میں آپ کو بعد میں بتا دوں گا۔۔۔۔۔۔ فی الحال تو آپ وہی کریں جو میں کہہ رہا ہوں۔“ ایذا حیدر نے بہت جلدت میں فون بند کیا تھا۔ نانو فون کا ریسپورڈ تھا جس لئے پریشان ہو رہی تھیں۔

”مریہ! ڈرا علیزہ! وہ بلاؤ۔“ انہوں نے خانا ماں کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ خانا باقی سر ملاتے ہوئے علیزہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ علیزہ ہنسی کے ساتھ کہہ دے پہلے ہی اپنے کمرے میں واپس بیٹھی۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے بہت دیر جاگتی تھی اور اب نائٹ کے بعد اپنی ایک اسائنمنٹ تیار کرنے کے لئے ٹیبل ہی تھی۔ جب مریہ نے دروازہ کھولا۔

”ٹھیک ہے میں آتی ہوں۔“ اس نے نانو کا پیغام سننے کے بعد کہا۔

جس وقت وہ لاؤنج میں آئی۔ نانو فون پر کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

”نانو! آپ نے مجھے بلایا ہے۔“ اس نے نانو سے پوچھا۔

”ہاں بیٹھو۔“ انہوں نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔ علیزہ صوف پر بیٹھ گئی۔

کال مل گئی تھی۔ نانو عمر کے بارے میں پوچھ رہی تھیں، علیزہ کو جوابی ہوئی۔ ”یک دم نانو کو عمر میں اتنی دلچسپی کیسے پیدا ہو گئی۔“ اس نے سوچا۔

فون بند کر کے نانو نے بتایا۔ ”ایذا کو فون آیا تھا۔ وہ عمر سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔“ انہوں نے علیزہ کو بتانا شروع کیا۔

”مگر یہاں لاہور میں تو نہیں ہے۔“ علیزہ نے کہا۔

”وہ جانتا ہے مگر وہاں سے اسے پتہ چلا ہے مگر یہاں دیکھ اینڈ پر لاہور آیا ہوا ہے۔“

”لیکن عمر یہاں تو نہیں آیا، آپ نے انگل ایذا کو یہ نہیں بتایا؟“

”میں یہ بھی بتا چکی ہوں، وہ وہ کہہ رہا تھا کہ مجھ میں اس کے تمام فریڈز سے رابطہ کر کے اس کے بارے میں معلوم کروں۔“

”اس کے فریڈز سے رابطہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے موبائل پر کال کریں اور اسے بتا دیں کہ انگل ایذا اس سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“ علیزہ نے پیسے لٹجے جواب دیا۔

”اس کا موبائل فون آف ہے، میں نے نہیں دیکھا اس لئے بلایا ہے کہ تم باری باری اس کے تمام فریڈز اور

”انگل ایاز نے میرے بارے میں آپ سے بات کی۔“ اس کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”ہاں وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے، تم سے اس کا رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے مجھے فون کیا اور جسمیں اس طرح ہوئی میں غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا میرے پاس نہیں آ سکتے تھے اور یہاں آنے کے بعد تم سے یہ بھی نہیں ہوا کہ مجھے فون ہی کر لیتے۔“ نانو کو ایسا عجیبی یاد آئے نگلیں۔

”انگل ایاز مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں انہوں نے آپ کو بتایا؟“ عمر نے ان کی شکایت سنی ان سنی کر دی۔

”پتا نہیں اس نے تو کچھ بھی نہیں بتایا میں یہ کہا کہ تم سے اس کا رابطہ کراؤں اب تم اسے فون کر لو یا پھر اپنا موبائل آن رکھو۔۔۔۔۔۔ وہ خود جنہیں فون کر لے گا۔“

”میں انہیں فون کر لیتا ہوں لیکن کوئی اور آپ کو کال کر کے میرے بارے میں پوچھتے تو میرا کالمیٹ نمبر دیں اور نہ ہی کسی کو یہ بتائیں کہ میں کہاں غمراہ ہوں۔“ عمر نے اسے انہی سی کہی۔

”مگر وہ کیوں کیا بات ہے؟“ نانو کچھ پریشان ہوئیں۔

”آپ کو پتا چل جائے گا مگر یہی کہ اس بار آپ کے بیٹے نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔“ دوسری طرف عمر نے غامضی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔



باب ۳۳

”ہم نے وعدہ واہ کر دیا ہے۔ وہ اب ٹھیک ہے۔ دس پندرہ منٹ بعد اسے کمرے میں شفٹ کر دیں گے۔ جب آپ اس سے مل سکتے ہیں۔“

ڈاکٹر نے انہیں اطلاع دی۔ نانو اور عمر نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا نانو کے چہرے پر اطمینان ابھرا یا جبکہ عمر پہلے ہی کی طرح سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

علیہ کو ہسپتال لے جاتے ہوئے عمر نے گاڑی میں نانو کو ڈال کر تین کے بارے میں بتا دیا تھا۔ علیہ کی سائیکل ٹھیل پر ہوا ہوا کاغذ جو علیہ کے بیڈ کے پاس جاتے ہی گر کر نظر آیا تھا۔ اس نے نانو کو دکھا دیا جس میں علیہ نے اپنی خودکشی کے بارے میں لکھا تھا۔

نانو خط ہاتھ میں لئے پورا راستہ سکتے کے عالم میں بیٹھیں رہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر نے ہسپتال پہنچنے پر فوری طور پر علیہ کے کیمس کو ڈبل کیا تھا۔ فیملی ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے اس نے اس کیمس کو پولیس میں بھی رپورٹ نہیں کیا۔

”اس نے کیا کھا یا تھا؟“ عمر نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

”سلیپنگ پلوٹھیں، آپ لوگ اسے بہت جلدی لے آئے ابھی پوری طرح حل نہیں ہو سکی تھیں اور اس پر زیادہ اثر اس نے بھی نہیں ہوا کہ وہ یہ گولیاں لینے کی عادی لگتی ہے ورنہ جتنی تعداد میں اس نے یہ گولیاں لی ہیں اس کی حالت غامضی خراب ہوتی چاہئے تھی۔“ ڈاکٹر آہستہ آہستہ تار ہا تھا۔

”لیکن علیہ نے اس طرح کیوں کیا ہے، وہ تو بہت سمجھ دار بچی ہے۔۔۔۔۔۔ پھر اس طرح۔“ ڈاکٹر نے اپنی بات ادھر ادھر کر چھوڑ کر جواب طلب نظروں سے نانو کو دیکھا۔

”کالج میں کچھ فریڈ سے اس کا جھڑا ہو گیا اور شاید ڈپریشن میں یا غصے میں اس نے یہ کیا ہے۔“ عمر نے ڈاکٹر کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”مگر یہی کیا علیہ و سلیپنگ پلوٹھیں ہے؟“

”یہ گولیاں تو نہیں کوئی اور دوا لیتی رہی ہے مگر وہ بھی صرف جب جب سائیکلائسٹ کے ساتھ میٹرو ہوتے تھے۔“

☆☆☆

”دو اس مسئلے میں کوئی بات کرنے کے لئے تیار ہی نہیں، میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے دمکی دے کر اگر میں نے دوبارہ ذرا اصرار کیا تو وہ فزائیجی کے بارے میں کچھ کہتا تو وہ خود بخود کر لے گی یا پھر مگر سے بھاگ جاسے گی، میں تو خوفزدہ ہو گیا، عظیم و کبھی اسے اپنے افسانہ نما انداز میں نہیں کرتی تھی، مگر اب تو وہ بالکل بدل چکی ہے

☆☆☆

”تب کی تب دیکھی جاتی۔ مگر تمہارے اس طرح سب کچھ چھپانے سے حالات زیادہ خراب ہوئے ہیں۔“
اس بار جانو نے کہا۔

اس کا دل چاہے کالج جاتی ہے دل چاہے تو کمرے باہر نہیں لگتی۔ دودن پہلے چاکر سارے ہال کھڑا آئی، بچیلے ایک پختے میں تھیں بارشہلا آٹھنگی ہے۔ اس سے بات کرنے کی بجائے اسے دیکھتے ہی کمرے میں چلی جاتی ہے وہ دروازہ کھاتی رہی، اس نے دروازہ نہیں کھولا وہ روہانی ہو کر داخل ہوئی۔ باقی سب کچھ تو چھوڑ کر کئی کی ساری چیزیں اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیں۔ وہ آچے پیچھے بھرتی رہتی ہے مگر جال ہے۔ علیزہ اسے اٹھائی لکھ جائے مگر میں ہوتو سارا دن بلند آواز میں اسٹیریو آن رکھتی ہے۔ پلے کسی اس نے یہ بھی نہیں کیا، دل چاہے تو کھانا کھائے کی دوند دوجج لے کر گھر جاتی ہے اور اس سے بات کروں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہی ہے کرنے دوں میں کوئی اعتراض نہ کروں۔ مگر اس طرح سب کچھ کتنے دن اور کیسے چلے گا۔

عمر خاصوٹی سے ناؤ کی حکایتیں سننا، جبکہ ناؤ بیڑی بے پناہی سے کھانا کھانے میں مصروف رہے۔
”مگر بیڑے ٹھیک کہا۔ وہ جو کر رہی ہے اسے کرنے دیں۔ آہستہ آہستہ وہ خوش ہو جائے گی۔“
عمر نے ہائی پیسے ہوئے کہا۔

”میں نے ان سے کہا۔ اسے سائیکل فرسٹ کو کھائیں، دو بارہ سے جیشن کروائیں اس کا ڈپریشن تو کم ہو کر یہ اس پر بھی تیار نہیں۔“ ناؤ کو ایک بار پھر سے حکایتیں دہری تھی۔

”میں اس کی مرضی کے بغیر اسے سائیکل فرسٹ کے پاس کیسے لے جا سکتا ہوں اور اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اس کی سائیکل فرسٹ کے پاس نہیں جائے گی کیونکہ وہ جاگ نہیں ہے اور میں اسے مجبور نہیں کر سکتا نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔“ ناؤ نے ہلکا ہارٹنگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

”میری بات کرنے کا نتیجہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں، مجھے تو پہلے ہی شرمندگی ہے نہ میں ڈرافٹر تین سے بات کرتا اور نہ یہ سب۔ وہ خوش تھی خوش رہتی۔“ عمر کو واقعی چھتا تھا۔

”پھر بھی تم اس سے بات کرو، اس طرح اس کو اکیلا تو نہیں چھوڑا جا سکتا برسوں سکندر کا فون آتا تھا، اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ سات آٹھ دن پہلے شین کا فون آتا تھا، جب بھی اس نے یہی کہا میں نے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے صاف کہہ دیا میرے کوئی ماں باپ نہیں ہیں، نہ ہی میں کسی سے فون پر بات کرنا چاہتی ہوں مجھے کوئی ٹیلی فونک ریشہ نہیں چاہیے۔“ ناؤ نے دغبنہہ لکھے میں کہا۔

”میں نے آٹھ سال اس کی تربیت پر لگا دیا وہ اب یہ سب کر رہی ہے، میری ساری محنت اس نے ضائع کر دی۔“

”مگر ای آپ نے اس کی تربیت نہیں کی، آپ نے اس کی شخصیت بننے ہی نہیں دی۔“ ناؤ نے عمر کی بات کاٹ دی۔

”میں نے اسے ہر چیز دی۔“

”تربیت کھلونوں اور چیزوں کو نہیں کہتے۔“ اس نے مستحکم آواز میں کہا۔ ”آپ نے اس کو صرف پالا۔ پالنے میں اور تربیت کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ آپ نے اس کی تربیت کی ہوئی تو وہ ڈرافٹر تین کے ساتھ ایفیر نہ

جاتی یا ایسی غلطی کر بھی لیتی تو اس طرح خودکشی کی کوشش نہ کرتی۔ میں نہیں مانتا کہ اس کو ڈرافٹر تین سے محبت ہوئی ہے۔۔۔۔۔ ڈرافٹر تین کی جگہ آج کئی دوسرا بندہ آ کر وہی سب کچھ اس سے کہنا شروع کرے جو ڈرافٹر تین کہنا تھا وہ اس کے ساتھ ہی اسی طرح آتھیں بندہ کر کے چل پڑے گی۔۔۔۔۔ اس کو جہاں سے توجہ اور محبت ملے گی، وہ وہاں چلے جائے گی۔ کیونکہ اس کو یہ چیزیں آپ سے اپنے جڑیں سے نہیں ملی ہیں۔

”اس خاندان میں اور بھی تو بہت سے اس جیسے بچے ہیں جن کے جڑیں میں گھڑی ہو چکی ہے کسی نے بھی دیے پر ایفیر کھڑے نہیں کئے جیسے علیزہ نے کئے ہیں۔“

”اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ باقی سارے بچے علیزہ کی صورت میں جڑیں میں سے کسی ایک کے پاس رہے ہیں اور دوسرے سے ملے رہے ہیں، علیزہ کی طرح کسی کو نا، مانو کے پاس نہیں چھوڑا گیا۔“

”تم بھی تو ہوا عوام تو ہوا ڈنگ میں رہو، جا بھرتیرے مستقبل نہیں اپنے پاس نہیں رکھا اور ذرا سنے بھی ملے نہیں دیا پھر بھی تم نے کسی کے لئے کوئی پر ایفیر کھڑے نہیں کئے۔“ عمر کے چہرے پر ایک نئے سکراہٹ ابھری۔

”میں کتنا ڈرل ہوں، یہ میں ہی جانتا ہوں۔ مرد کی زندگی کا دائرہ عورت کی زندگی کے دائرے سے مختلف ہوتا ہے۔ میری ساری زندگی گھر کے باہر گزرتی ہے، میرے پاس بہت سی مصروفیات ہیں، بہت سی تقریبات ہیں پھر ایک کیرئیر ہے اور پھر میں چھپیس سال کا ہوں۔ مجھے اس میں ابھرے تو کچھ پیر نہیں کر سکتے جس کی زندگی کے دائرہ میں ایک دوست، دو گر بنڈ پڑیں ایک لیڈ اور چند خواب ہوں۔“

”اس کے جڑیں کی پھیریشن کی ذمہ دار میں نہیں ہوں، اگر اس نے کوئی کچھ اٹھایا ہے تو میری وجہ سے نہیں کیا، میں اسے جوئے کچی کچی، میں نے دیاب چوس گئے تو میں اس کو گور میں لے نہیں بیٹھ سکتی اور پھر اب وہ بچی نہیں ہے۔ پچھو ہو رہی ہے۔ اپنی کچھ پھیلن اور راپنر کو کچھ حالات کے ساتھ ایفیر جٹ کر رکھئے۔“

”تیرا کیا سکھانے بغیر آپ کسی کو گھٹک جھیل کر اس کرنے کے لئے مستند میں دیکھ دیں گی تو اس کے ساتھ وہی ہوگا جو علیزہ کے ساتھ ہوا ہے اس پر اس کا نہانے کے بجائے اس کے ساتھ وقت گزار دیں۔“

”وہ پاس بیٹھنے کو تیار تو ہو۔“ عمر کھانا ختم کر چکا تھا۔

”میں اس سے بات کرتا ہوں، لیکن میرا خیال ہے اس کو کچھ عرصہ کے لئے لے جائیں۔“

”کہاں لے جائیں؟“

”کبھی کسی مل کی اسٹیشن یا اس سے پورچولس، جہاں وہ جانا چاہے۔“ دو بچلے سے اٹھ گیا۔

☆☆☆☆

علیزہ کے کمرے کے دروازے پر ٹاک کر کے وہ جواب کا انتظار رکھے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ وہ اپنی رانگ چیز پر جمبول رہی تھی۔ عمر کو کیچہ کچھ کڑ بوائی۔

”کیسی بو علیزہ؟“ عمر نے بڑے دوستانہ انداز میں سکراتے ہوئے کہا۔ اس نے جھونکا بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر جواب کوئی سکراہٹ نمودار ہوئی نہ ہی اس نے عمر کے سوال کا جواب دیا۔ وہ صرف بے تاثر چہرے کے ساتھ

مرد کو دیکھتی رہی۔ جو اطمینان سے اس کی کرسی کے قریب بیٹھ گیا۔

”آپ مجھ سے برا حال پوچھتے ہیں آئے۔ کچھ اور پوچھتے آئے ہیں۔“

”تم نے ٹھیک کیا۔ میں واقعی کچھ اور پوچھنے آیا ہوں۔“

”میں جانتی ہوں۔ آپ کیا پوچھنے آئے ہیں؟“ اس نے اپنی گود میں رکھا ہوا ہنجر چنڑا اپنے بالوں میں لگاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے، اچھا تو کیا پوچھنے آیا ہوں میں؟“ عمر نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

”آپ مجھ سے کبیں گے کہ میں نے خود کی کوکشی کیوں کی؟“

”نہیں میں یہ پوچھنے نہیں آیا۔“

علیہ کی آنکھوں میں بے چینی لہرائی۔ ”پھر آپ مجھ سے یہ کہنے آئے ہوں مجھے کہ میں نے خود کی کوکشی کر کے اچھا نہیں کیا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”نہیں میں یہ کہنے نہیں آیا۔“

”پھر مانو نے آپ سے میرے بارے میں کچھ کہا ہو گا۔ آپ مجھے سمجھانے آئے ہوں گے کہ میں اپنا رویہ

ٹھیک کر لوں۔“

”میری علیہ! اتھارڈ انڈاز اس بار بھی غلط ہے، میں یہ بھی کہنے نہیں آیا۔ میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم کب سے میرے کمرے سے سلیپنگ بلا لیتی آ رہی ہو؟“ عمر نے دیکھا کہ علیہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”اور ظاہر ہے تم میرے سامان کی اچھی خاصی جانچ پڑتال کرتی رہی ہو۔“

علیہ نے کچھ کہنا چاہا مگر اسے ٹوک دیا۔ ”نہیں، تم انکم میرے ساتھ جھوٹ نہیں۔ میں جانتا ہوں تم میرے کمرے میں بلا لیتی رہی ہو اور تم نے میرے کمرے سے ہی تارے کرو خوشی کی کوکشی کی کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

”ہاں ٹھیک ہے میں نے آپ کے کمرے سے بلا لیں۔ لیکن مجھے ضرورت تھی اس لئے میں اور اس میں بری بات کیا ہے؟ آپ بھی تو گویا ان کھاتے ہیں۔“

”وہ کچھ لکھوں کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔“ تہناری اور میری عمر میں بڑا فرق ہے اور میں نے اسے عادت نہیں بنایا۔“

”مگر آپ لیتے تو ہیں نا۔“ اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن میں مرنے کے لئے تو نہیں لیتا۔“

اس بار وہ چپ ہو گئی۔ ”ذوالقرنین نے مگر جا کر ایک بار بھی تہنارے بارے میں نہیں سوچا ہو گا اور تم نے اس کے لئے مرنے کی کوکشی۔“

علیہ نے تھراؤ ڈال کر اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ اس کے بارے میں بات نہ کریں۔“

”کیوں کیا اب تم اس سے نفرت کرنے لگی ہو؟“ عمر نے جیسے مذاق اڑایا۔ ”مگر تمہیں اس سے نفرت کبھی نہیں ہو سکتی تو پھر ٹھیک ہے گریڈ پارکسہ رہیں نا کمر کا جو تو وہ تم سے اس کی شادی کروا دیتے ہیں پھر تم ان کا پرہیز قبول کر لو۔“

”مجھے ذوالقرنین کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اب کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے مجھ میں اتنی سلیف ریمیکٹ (عزت نفس) ہے کہ جو شخص میری سلیف کرے، میں اس سے شادی نہ کروں اور اس سے میری سلیف کی ہے۔“ اس کی آنکھوں میں کچھ دم آنسو اٹھ آئے۔ اس نے چہرہ جمایا کیا۔

”تو پھر ایسے شخص کے لئے اس طرح کی حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ اس نے جواب دینے کی بجائے اپنا سر گھٹوں میں چھپا لیا۔ عمر نے اپنا سوال دہرایا۔

”وہ اب دردی تھی۔“ لوگ اتنے جھوٹے ہوتے ہیں، اتنے نکار ہوتے ہیں کہ میں تو ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ لوگ اپنے ہرے ہرے راستے نامک چڑھا کر بھرتے ہیں کہ میں تو کسی کو پہچان ہی نہیں سکتی ہر چیز کا استعمال کرتے ہیں لفظوں کا بھی، میں تو لوگوں کو نہیں سمجھ سکتی تھی اس نے مجھ سے بہت دفعہ محبت کا اظہار کیا۔ اس نے مجھ سے بہت دفعہ کہا کہ وہ مجھ سے شادی کرے گا، اور اور اس دن آپ کے سامنے اس نے صاف انکار کر دیا کہ اس نے ایسا کیا ہی نہیں اس نے مجھ سے محبت کا اظہار کیا ہے نہ اس نے مجھ سے کبھی شادی کا وعدہ کیا ہے۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ میرے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ اس کے سب کچھ نام پاس تھا۔ مگر میرے لئے تو نام پاس نہیں تھا میں تو اب کسی کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہی نہ نا کا نہ نا کو کا نہ ہی آپ کا۔ میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے سب کہ میں کس طرح کی لڑکی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے دنیا کا ایک دروازہ ہو جس سے میں باہر نکل جاؤں مگر اکیسے رہتا ہے تو پھر وہاں جا کر رہوں۔“

”اور تم نے وہ دروازہ سلیپنگ بلا کر کھا کر ڈھونڈنے کی کوکشی کی؟“

علیہ نے ایک دم سراخا کر مگر گود کیا۔ ”پتہ نہیں میں نے کیا کیا آپ اس دن کی بات نہ کریں۔ آپ کچھ بھی نہ کہیں مجھے بار بار سب کچھ یاد نہ لائیں۔“

”ٹھیک ہے میں کوئی بات نہیں کرتا، ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں سب کچھ ذوالقرنین کو بھی۔ اب تم بتاؤ آگے کیا کرنا ہے؟“

”وہی جواب کر رہی ہوں۔“

”تم جانتی ہو تہناری بچہ سے مرینی اور گریڈ پارکسے پریشان ہیں؟“

”میری کچھ نہیں آتا ہر ایک میری بچہ سے پریشان کیوں ہوتا ہے۔ وہ دونوں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی بچہ سے پریشان کیوں نہیں ہوتے جو کچھ آپ کے پاپا نے کیا۔ اس پر وہ پریشان کیوں نہیں ہوتے۔“

”وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی۔ عمر کا رنگ ایک لمحہ کے لئے بدلا پھر وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔

”کبھی رونا خواستوں کیوں ہو گئیں۔“ اس نے بڑے ناہل انداز میں اس سے کہا۔

”آپ تانا اور تانو سے کہیں وہ میرے بارے میں پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا۔ کڑی کو کیوں چھوڑ دیا تم نے اور شہلا سے کیوں نہیں مل رہیں۔“

”مجھے وہ دونوں ابھی نہیں لگتیں۔“

”پھر ایک دوسری لمبی اور دوسری فریڈ ٹالو۔“ طلیزہ نے جیسی نظروں سے اسے دیکھا۔

”جس چیز سے دل بھر جائے اسے Replace کر دینا چاہئے۔“ عمر نے بات جاری رکھی۔

”بالکل ایسے ہی جیسے ڈالترین نے مجھے Replace کر دیا؟“

عمر چپ ہو گیا۔ میں ڈالترین کی بات نہیں کر رہا۔ ”کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

”آپ اپنی زندگی میں چیزوں کو Replace کرتے ہیں؟“ وہ اسی طرح سر اٹھا کر اس سے پوچھ رہی تھی۔

”نہیں، میں نہیں کر پاتا۔“ عمر نے اعتراف کیا۔ ”مگر میں سیکھ جاؤں گا۔ جس نچو دستان میں جا رہا ہوں وہ

پروفیشن مجھے سب کچھ سکھا دے گا۔“

”مگر میں کبھی کسی چیز کو Replace کرنا نہیں سیکھ سکتی۔“

”پھر زندگی بڑی مشکل ہو جائے گی۔ تمہارے لئے۔“

”مشکل ہو جائے گی؟ مشکل ہے۔“ وہ عجیب سے انداز میں ہنسی۔

”میں چاہتا ہوں طلیزہ تم خود کو اس طرح ضائع مت کرو میں چاہتا ہوں۔ تم بہت اچھی زندگی گزارو۔“

اس نے بڑی سنجیدگی سے طلیزہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔“

”چند نہیں، مگر میں تمہاری پروا کرتا ہوں۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔“

”آپ واقعی پروا کرتے ہیں میری؟“ طلیزہ نے پوچھا۔

”کیا تمہیں اب بھی مجھ سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال قدامت یہ جانتی ہوگی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی میں نے آپ سے کہا تھا میں لوگوں کو نہیں سمجھ سکتی۔“ اس نے مایوسی سے سر ہلاتے

ہوئے کہا۔

”مجھے ان لوگوں میں شامل مت کرو جنہیں مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔ طلیزہ سکندر کو عمر جہاں کبھی دھوکا نہیں

دے سکتا۔“

طلیزہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اب بھی اسی طرح اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے تھا۔

”کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟“ اس نے سر اٹھا کر عمر سے پوچھا۔



باب ۳۴

”ہیلو میں عربوں رہا ہوں۔“

”ہیلو کہاں تھے تم؟ صبح سے کتنی بار کال کر چکا ہوں..... محترم نے موبائل آف کیا ہوا تھا۔ ہو کہاں تم؟“

ایاز حیدر نے دوسری طرف سے کہا۔

”میںیں ہوں میں، لاہور میں۔ مگر تم نے بتایا کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہ رہے تھے مسئلے میں بات

کرنا چاہتے ہیں مجھ سے؟“

”تم نے آج کے ٹیوز ہیڈ دیکھے ہیں؟“

”دیکھ چکا ہوں۔“ عمر نے اسی بے تاثر انداز میں کہا۔

”اپنے بارے میں خبر دیکھی ہے؟“

”ہاں۔“

”میں اسی مسئلے میں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔“

”کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے، امدادی کرنا چاہتے ہیں؟“

”میں جنہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کچھ دنوں تک جنہیں Suspend (مغفل) کر کے تمہارے خلاف

اٹھاری شروع ہونے والی ہے؟“ ایاز حیدر نے جیسے انکشاف کیا۔

”ٹھیک ہو اور کچھ؟“

”تم یہاں اسلام آباد آ جاؤ۔“

”مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے جو کچھ کرنا ہے میں یہیں رو کر کروں گا۔“

”کیا کرو گے تم؟“

”وہی جو پاپا نے کیا انہوں نے میرے خلاف پریس میں یہ سب کچھ شائع کر دیا۔ میں بھی ان کے خلاف

پریس کو وہ سارے ہیڈ لائن دے دوں گا جو میرے پاس ہیں۔“

ناس کے کہانوں نے جہانگیر معاذ کا غمناک شروع کر دیا۔

☆☆☆

”ہاں نہیں، ایاز کو کیا بات کرنی ہے، تمہارا چھٹے فون کر کے بتا دے گا مگر ابھی تک فون بھی تو نہیں کیا اس نے۔“

لچ کرتے ہوئے نافہ مسلسل عمر کے بارے میں پریشان ہو رہی تھیں۔ علیزہ ان کی بڑا بہت سننے ہوئے خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی۔

”تم ذرا فون کر مھر کر۔“ بلا خرانے اس سے کہا۔

”فون کرنے سے کیا ہوگا؟“

”میں بات تو کروں تا اس سے پتا تو چلے گا ایاز کو اس سے کیا بات کرنی تھی۔“

”ناؤ! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اگلے دنے کام کے حوالے سے ہی کوئی بات کرنی ہوگی میں بتانے والی بات ہوتی تو اگلے آپ کو بتا دیجئے یا مھر مری آپ کو بتا دیجئے۔“ علیزہ اب بھی مطمئن تھی۔

”نہیں کوئی زندگی بات ضرور ہے۔ مجھے لگتا ہے۔ اس کا مھر جہانگیر کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔ وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔“

”تو یہ کیوں سی بی بات ہے چند ماہ پہلے ہی تو ہمیں جھگڑا ہوا تھا۔ اگلے جہانگیر اور اس کے درمیان تو ہمیشہ ہی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔“ علیزہ نے ناؤ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”مجھ پر کچھ پتا تو چنانچا ہے، تم عمر کو فون کرو۔“ ناؤ نے اصرار کیا۔

”کھانا تو کھا لیٹے دیں پھر کر دیتی ہوں۔“ علیزہ نے ان کے اصرار سے کچھ بھینج لی۔

کھانا کھانے کے بعد علیزہ نے عمر کے موبائل کا نمبر ڈائل کیا۔

”موبائل آف ہے۔“ اس نے ناؤ کو اطلاع دی۔

”تم موبائل میں فون کرو۔“ ناؤ نے ہدایت دی۔

علیزہ نے موبائل کا نمبر ڈائل کیا کچھ دقت کے بعد موبائل کی سیکنج کے قہر دم سے اس کا رابطہ ہو گیا۔

”ناؤ! آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔“ اس نے عمر کی آواز سننے ہی ریسیور ناؤ کو ہٹا دیا۔

”ہیلو کریں اب کیا مسئلہ ہے؟“ وہ آتکایا ہوا لگا۔

”تم نے مجھے دوبارہ فون نہیں کیا۔ ایاز سے بات ہو گئی تمہاری؟“

”ہاں ہو گئی؟“

”کیا کہا اس نے تم سے؟“

”آپ نے آج کاغذ بھیج دیکھا؟“ عمر نے جواب سوال پوچھا۔

”ہاں دیکھا ہے۔“

”مھر بھی آپ پوچھ رہی ہیں۔“

تمہاری، جہانگیر کا کیرئیر فٹم ہو گا تو تمہارا بھی فٹم ہو جائے گا۔“ ایاز حیدر ہلکی آواز میں بولے۔

”مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے نہ ٹیلی کی نہ اپنے کیرئیر کی۔ اگر کچھ فٹم ہو رہا ہے فٹم ہو جائے بلکہ سب کچھ فٹم ہو جائے دیں۔“

”عمر! تم جذباتی ہو رہے ہو، ذرا غصے دل دو مارے سوچ، اگر پریس میں تمہارے بارے میں کچھ آ بھی گیا ہے تو اس کو گوراپ کیا جا سکتا ہے۔ تم آئیے آئیے پریس ہو اور میری آئیے رز کا کام آیا ہے۔ ان کی فیصلہ سز بھی ہاتھ پاؤں ماریں گی۔ ہم کسی نہ کسی طرح انکوائری کو Delay کر دلائیں گے۔ چند دن تک ویسے ہی سی ای سیٹ اپ تبدیل ہونے والا ہے۔ ایک بار وہ فٹسز وہاں سے ہٹ گیا تو کون دوبارہ انکوائری شروع کر دے گا پھر اگر اس نے جلدی انکوائری کر دنا بھی چاہی تو ہم دیکھ لیں گے کہ انکوائری پورڈ سے کون سے کمزور ہیں ان کے ساتھ ڈیل کی جا سکتی ہے۔“

”نکین میرے سر میں ریکاڈ میں یہ سب کچھ آ جائے گا۔“

”اس کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔“

”تو پھر فلک ہے جب پاپا کے بارے میں پریس کچھ شائع کرے تو آپ بالکل اسی طریقے سے سارے معاملے کو جنڈل کریں، جس طرح آپ میرے معاملے کو جنڈل کرنے کا کہہ رہے ہیں۔“ وہ اب بھی اپنی بات پرازا ہوا تھا۔

”انہوں نے میرے ساتھ جو کیا ہے میں بھی ان کے ساتھ وی کروں گا۔۔۔۔۔۔ کم از کم اب وہ مجھے استعمال کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔“

”میں نے تمہیں بتایا ہے کہ جہانگیر نے یہ سب نہیں کر دیا۔“

”مگر انہوں نے یہ سب ہونے سے روکا بھی نہیں۔“ اگلے آپ اپنے بیٹے کے خلاف ایسی کوئی رپورٹ پریس تک آنے دیتے؟“ خاص طور پر جب وہ آپ کے کہنے پر سی پریس کچھ کر رہا ہو۔“

ایاز حیدر اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔

”کوئی اپنے گھر کے کتے کے ساتھ بھی وہ نہیں کرتا جو میرے باپ نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مجھے پوری طرح دلائل میں پھنسا دیا ہے۔ میرے بارے میں جو افواہات آئے ہیں۔ ان کے بعد میں تو کسی کو نہ بھی نہیں دکھا سکتا میں صرف اس گندگی کی وجہ سے قانون سروس چھوڑ کر آ گیا تھا کہ نہ میں وہاں ہوں گا نہ مجھے اسی طرح کے کام کرنا پڑے گا اور پاپا مجھے یہاں بھی رہنے نہیں دے رہے، اگر وہ رپورٹ اس شخص نے پریس تک پہنچائی ہے جب بھی کہیں نہیں انہوں نے روکا اسے؟ مگر جہاں جہانگیر معاذ کی اپنی ذات آجاتے وہاں تو ہمیں اور کچھ نظری نہیں آتا حتیٰ کہ اپنی اولاد بھی اگر یہ میرے ساتھ یہ سب کچھ کریں گے تو پھر میں بھی ان کا فائدہ نہیں کروں گا۔“

”Enough is enough. Now I'll pay him in the same coin.“

انہیں ان ہی کی زبان میں جواب دوں گا؟“ اس نے فون بند کر دیا۔

ایاز حیدر نے پریشانی کے عالم میں اس کا نمبر دوبارہ ملنا شروع کیا۔ موبائل آف کر دیا گیا تھا۔ ایک گہری

”کیا مطلب؟“

”فادرن روس کے کچھ افسرؤں کے بارے میں فرسٹ بیج پرائیک ہیلڈ لائن ہے، اسے ذرا غور سے پڑھ لیں۔ اس میں ہر نام نہیں دیا گیا مگر برے عہدے اور پوشنگ کے حوالے سے کچھ انفارمیشن دی گئی ہے۔ انکل ایذا اس کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہے تھے۔ میرے خلاف انکوائری ہونے والی ہے چند دنوں تک مجھے Suspend (معطل) کر دیا جائے گا۔“

اس نے ایک گہری سانس لے کر بتایا۔ ٹانویک دم پریشان ہو گئیں۔

”پھر کیا ہو گا؟ تم نے آخر ایسا کیا کیا ہے کہ وہ مجھیں Suspend (معطل) کر رہے ہیں۔“

”گرمی! اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھیں، میں رات کو آپ کی طرف آؤں گا۔ کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں گا جب آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔“

کھانچہ

”ٹھیک ہے میں رات کو تمہارا انتظار کروں گی۔“ عمر نے خدا حافظ کہہ کر ٹون پر کھینچ دیا۔

”عمر کو معطل کر رہے ہیں؟“ طلیہ نے ٹانویک کے ذہن کو نظر آنے والی سے پوچھا۔

”ہاں تم رات آج کا تھوڑا سا سہرا لاؤ۔“ ٹانویک نے مدغم نظر آنے لگی تھیں۔

”طلیہ وہ اخبار لے کر ان کے پاس آگئی۔ وہ ایک دم بخود نظر آنے لگی تھیں۔ ٹانویک نے اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔ طلیہ نے انہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔

خاصی دیر بعد انہوں نے سر اٹھایا۔

”تھوڑا سہرا عمر کے بارے میں کوئی خبر ہے؟“

”ہاں۔“ ٹانویک نے مزید کچھ کے بغیر وہ معلوم اس کی طرف بڑھا دیا۔

”عمر نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟“ وہ جیسے حیرت سے چیخ اٹھی۔ ”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ عمر بھی یہ سب کر سکتا ہے۔“ خبر پڑ کر اس کے چہرے پر بے بسی اُبھر آئی تھی۔

رات کو عمر کے آنے تک وہ دونوں گھر مندی کے عالم میں وہاں بیٹھی اسی کے بارے میں بات کرتی رہیں۔ مگر جب وہ آقا تو اس کے چہرے کے تاثرات نے ان دونوں کو حیران کیا۔

خلاف توقع وہ بہت پرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ کھانے کی میز پر وہ ٹانویک کے مختلف ڈشز کو دیکھ کر بتا رہا۔ طلیہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہی وہ ہمیشہ کی طرح بڑے اطمینان سے اپنے آپ کو چمپانے ہوئے تھا۔

اس کے چہرے سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کسی قسم کی مشکل یا پریشانی سے دوچار تھا۔

کھانے کے بعد وہ تینوں کافی پیئے پلاؤج میں بیٹھ گئے اور جب ٹانویک نے خود بات شروع کی۔

”تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟“

”آپ کے بیٹے کے لئے کیا؟“ اس نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر کہا۔

”مجھیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”یہاں اس وقت کافی کے سب لینے ہوئے یہ مشورہ دینا بہت آسان ہے گرمی! اگر جب آپ ٹی وی

لاؤج کے بجائے انکس کے آفس میں بیٹھے ہوں اور آپ کا پاس جو آپ کا باپ بھی وہ وہ آپ سے یہ کہے کہ اس فائل کی ایک کاپی کسی ایسے شخص کو دے دو جو یکسر دینی رتبہ ہو تو آپ انکا نہیں کر سکتے۔ آپ کس طرح اعتراض کر سکتے ہیں یہ کہیں کے میں نہیں دوں گا یا جی حب الوطنی کے بارے میں کوئی تقریر شروع کر دیں گے۔ ایسا کرنے کے بعد آپ اس آفس میں کسی دیر اور دن بیٹھ سکتے ہیں جہاں کے چڑا سی لے کر کھانچہ رتبہ سب ایک جیسے ہوں۔“

”جہاں تک کوئی نہیں کرنا چاہتے تھا۔“ ٹانویک نے انفرادی سے کہا۔

”یہ جلد آپ نے بجوں سالوں کے بعد آپ اپنے بیٹے کو یہ بات کہہ دیتی تو شاید وہ چند لمبے سوچنا کر زندگی میں کیا کرنا چاہتے اور کیا نہیں کرنا چاہتے بجوں سال بعد اس کے لئے یہ ایک سچے جملے ہوں ان فائلز کے بدلے میرے باپ کے پاس اسے ڈالنا آگئے ہیں ان سے خیرگی جانے والی چیزیں کی بھی رہنے سے زیادہ مشکل ہوتی ہیں۔“

طلیہ کو اندازہ نہیں ہو کہ اس کی باتیں زیادہ تلخ تھیں یا وہ کافی جودہ اپنے اندر اٹھیل رہی تھی۔

”اب کیا ہو گا؟“ ٹانویک نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”پتا نہیں۔“ عمر نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”بس میرے پاس پاپا کے خلاف جو بھی چیز ہیں، میں بھی انہیں پریس کے ذریعے سامنے لا رہا ہوں۔“

پاپا نے مجھے ڈوبنے کی کوشش کی ہے۔ میں انہیں ڈوبنے کی کوشش کروں گا۔“

اس کے لمحے میں عجیب سردمہری تھی۔

ٹی وی پر لوہے کا کھینچا ٹیٹن شروع ہو چکا تھا۔ وہ اب کافی پینے کے ساتھ خبروں کی طرف متوجہ تھا۔

”اور تمہارا کیا ہو گا؟“ ٹانویک نے اس کے لئے فکر مند تھیں۔

”میرا؟“ وہ ہنسا۔ ”کچھ نہیں چند ہفتے یا سینیے معطل رہوں گا پھر دوبارہ پوشنگ مل جائے گی۔ البتہ ریکارڈ خراب ہو جائے گا میں گھر چلا کر پاپا کو خامے سے نوٹد حاصل ہوں گے۔ ان خبروں اور میری Suspension سے۔ وہ واقعی بہت خوش قسمت آدمی ہیں رتبہ کا ہمیشہ انہی کے ہاتھ رہتا ہے۔“ ٹانویک نے انکس پر نظر نہیں جھانک رہا تھا۔

”آج کرچی میں کچھ نا معلوم حملہ آوروں نے صرف سماجی شہزادہ کو اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا جب وہ اپنے آفس میں تھے۔ مقتول ایک مولف اس کے انگلیں اخبار کے ایڈیٹر تھے حملہ آور جانے سے پہلے ان کے آفس میں موجود تمام دستاویزات کو آگ لگ گئے۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تحقیق شروع کر دی ہے وزیر اعلیٰ اور گورنر نے اس حادثہ پر دلی افسوس۔“

”ایک تو یہ روز روز کے نکل پتا نہیں حکومت لا اینڈ آرڈر کو ٹھیک کیوں نہیں کر پاتی۔“

ٹانویک نے بڑا اذیت سے طلیہ کی سچوں کا تسلسل توڑ دیا۔ ٹی وی پر اب نچوڑ کا سٹرک اور خبر پڑ رہی تھی۔

”مجھیں کیا ہوا ہے عمر؟“ طلیہ نے ٹانویک کی آواز پر چونک کر عمر کو دیکھا۔ وہ ہونٹ جھپٹے زور چہرے کے ساتھ منہ کی پشت سے ٹک لگے ہوئے تھا۔

ہوتا۔

”چار پانچ سال بعد تم کہاں کھڑی ہوگی۔ کیا تم نے کبھی یہ سوچا ہے؟“ عمر کا لہجہ یک دم نرم ہو گیا۔

آپ مجھے بات کرنے دیں، روکیں نہیں۔ مجھ میں کوئی ایسی خامی تو ہوگی جس کو کور کرنے کے لئے آپ

”یہ ممکن نہیں ہے۔“

”کیوں ممکن نہیں ہے؟“

”وہ اس وقت مصروف ہیں۔“

”میں تھوڑی دیر بعد کال کروں گا۔“

”وہ جب بھی مصروف ہوں گے۔“

”کیا وہ ساری رات ہی مصروف رہیں گے؟“ عمر کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے۔“ عمر نے فون ڈیٹا۔

اس نے فون رکھتے ہی نانو نے اسے مخاطب کیا۔

”کیا پڑیٹائی ہے عمر تمہیں؟“

”کوئی پڑیٹائی نہیں ہے۔“ اس نے اسی طرح جھنجھلاہٹے ہوئے انداز میں کہا۔

”ایاز کو کیوں بار بار فون کر رہے ہوں؟“

عمر نے ان کے سوال کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ علیحدہ نے عمر کے چہرے پر پہلی بار محسن دیکھی۔

”انگل ایاز نے شہباز کا قتل کروایا ہے۔“ علیحدہ نے کچھ دیر بعد اسے کہتے سنا۔

”کیا کہہ رہے ہو تم؟“ کون شہباز؟“ نانو کے بیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

”آپ نے ابھی انہی وی پر جس جرنلسٹ کے قتل کی خبر سن ہے میں اسی کی بات کر رہا ہوں“

”مگر۔۔۔ شہباز کیوں کسی کو قتل کروانے کا؟“

”شہباز دوست تھا میرا۔۔۔ میں نے پایا کے خلاف سارے ڈاکٹمنس اس کو آج ہی گیس کئے تھے۔ مجھے

اندازہ نہیں تھا۔ انگل ایاز اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی اس تک پہنچ جائیں گے۔“

”نہیں ایاز اتنی سی بات پر کسی کو قتل نہیں کر داسکتا۔ وہ تو قتل کروا ہی نہیں سکتا۔“

نانو کو عمر کی بات پر یقین نہیں آیا۔

”آپ کے بیٹے ہیرو دور کس میں ایسے گینگ لیڈر ہیں جو خود کو بچانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔“ عمر

کے لہجے میں تھی تھی۔

”کراچی کے حالات دیکھتے ہی خراب ہیں، وہاں اخبارات کے دفاتر پر حملے روز کا معمول ہیں۔ یہ بھی ایسا

ہی کوئی حملہ ہوگا۔“ نانو نے عمر کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی۔

”اخبارات کے دفاتر لاہور میں بھی ہوں اور وہ ج چھاپنے کی کوشش کریں گے تو ان پر اسی طرح حملے ہوں

گے۔ ان کے اپنے بیورو کی اس طرح قتل کیا جا رہا ہے گا۔ یہاں بات کراچی اور لاہور کی نہیں ہے صرف اپنے چہرے پر

چڑھے ہوئے ماسک کو اتارنے سے بچانے کی ہے۔“

”پھر بھی ایاز ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے کیا ضرورت ہے خواہ وہ کسی کو قتل کروانے کی۔ سارا جھگڑا تو تمہارا اور

باب ۳۶

نانو کی بات کا جواب دینے کی بجائے عمر نے اپنے سامنے سینئر نیل پر پڑا ہوا مہو پگھلا اٹھایا۔۔۔ وہ اب کوئی
نمبر لارہا تھا۔

علیحدہ نے نانو کو دیکھا، وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں عمر کو دیکھ رہی تھی۔ اس خبر پر عمر کا رد عمل ان کے لئے
غیر معمولی اور حیران کن تھا۔ وہ بار بار سو بائیں پر کچھ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ مگر شاید رابطہ قائم نہیں ہو پا رہا تھا۔ اب اس کے
چہرے پر جھنجھٹا ہٹ نظر آنے لگی۔ سو بائیں بند کر کے اس نے تقریباً اسے سینئر نیل پر پھینک دیا۔ جو وہاں سے پھسلتا ہوا
چپے چپے پائٹ پر گر پڑا اب وہ لاؤنج میں موجود نیل فون کی طرف بڑھ گیا۔ علیحدہ اور نانو خاموشی سے اس کی سرگرمیاں
دیکھتی رہیں۔

”انگل ایاز سے بات کرواؤ۔“ وہ اب فون پر بڑی روشنی کے ساتھ کسی سے کہہ رہا تھا۔

”آپ کون ہیں؟“ دوسری طرف سے اس سے یقینی بنی ہو چھاپا کھینچنے کے جواب میں اس نے کہا۔

”میں عمر جہا نگیر ہوں۔ ان کا بیٹھیا۔“

علیحدہ نے یک دم اس کے چہرے کو سرخ ہوتے دیکھا۔

”بات نہیں کرنا چاہتے وہ مجھ سے؟۔۔۔ فون دو تم انہیں۔“ وہ اب بلند آواز سے کسی سے کہہ رہا تھا۔

”میں انہیں فون نہیں دے سکتا۔ وہ آپ سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ آپ کے لئے ان کا ایک

پیغام ہے۔“

دوسری طرف سے اسے اطلاع دی گئی۔

”کیا پیغام ہے؟“ اس کے ماتھے پر ہل آگئے۔

”وہ کل لاہور آ رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ آپ کل لاہور میں ہی رہیں۔ واپس نہ جائیں۔ وہ آپ

سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”نیل میں ان سے ابھی اور اسی وقت بات کرنا چاہتا ہوں۔“ عمر نے پیغام سننے کے بعد کہا۔

”بات اس جاب کی نہیں ہے۔ بات اس پار کی ہے، اس اقداری کی ہے جو یہ جاب مجھے دے رہی ہے۔“
 ”آپ کو کیا ضرورت ہے اس اقداری کی؟“

”ضرورت ہے، کم از کم اپنے باپ کے سامنے کھڑا ہونے کے لئے مجھے اس اقداری کی ضرورت ہے۔ میرے ہاتھ میں طاقت ہوگی تو میں وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو میں ابھی تک نہیں کر پایا۔“

”کچھ سالوں کے بعد اگلے جاگزیئر رٹائرڈ ہو جائیں گے۔ تب آپ کا اور ان کا مقابلہ دیسے ہی ختم ہو جائے گا۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ آپ اس بے معنی مقابلے میں خود کو ضائع نہ کریں۔ پہلے ہی یہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ وہ بڑے غلط ہے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔“

”تم ابھی بھی پیچھے نہیں ہو، علیزہ۔“
 ”ہو سکتا ہے، آپ فلیک کہہ رہے ہوں مگر اس پیچھے کی کیا فائدہ ہے جو انسان کو ایک پر سکون زندگی گزارنے نہیں دے رہی۔“

”عمر نے سراٹھا کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
 ”تمہارا خیال ہے میں پر سکون نہیں ہوں۔“

”ہاں آپ پر سکون نہیں ہیں، جو پر سکون زندگی گزار رہا ہو، وہ ڈرک نہیں کرتا۔ اسے اسوگک..... یہ دونوں عادتیں آپ نے اب اختیار کی ہیں۔“
 وہ اسے قائل کرنا چاہ رہی تھی۔

”تم غلط کہہ رہی ہو، علیزہ! اسوگک میں اس نے سے پہلے بھی میں اسوگک اور ڈرک کرتا تھا۔“ اس نے انکشاف کیا۔ ”میں چودہ سال کی عمر سے ڈرک اور اسوگک کر رہا ہوں۔“ وہ کچھ بول نہیں پائی۔ وہ اب ہاتھ میں پکڑے سرگیت کو دیکھ رہا تھا۔

”یونیورسٹی میں پڑھنے کے دوران کوئین بھی لیٹ رہا اس لئے ان چیزوں کا اسوگک میں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“
 ”مگر پانچ سال پہلے جب آپ یہاں آئے تھے تب تو آپ ان دونوں چیزوں کو استعمال نہیں کرتے تھے۔“ علیزہ نے بھگتاہٹے ہوئے کہا۔

”کرنا تھا..... عادت نہیں شوق..... مگر جب تک یہاں رہا، Avoid کرنا رہا۔“
 علیزہ کو سمجھ میں نہیں آیا وہ اب کیا کہے۔ ”مگر تم فلیک کہتی ہو میں پر سکون زندگی نہیں گزار رہا۔“ وہ اب تیسرا سرگیت سلاگے ہوئے اعتراف کر رہا تھا۔ ”مگر کیا کیا جاسکتا ہے؟“

”صرف اقداری کے لئے آپ اپنی زندگی برباد کر دیں گے۔“
 ”میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔“

”کیوں نہیں ہے، آپ واپس چلے جائیں۔ کم از کم یہ ساری ٹینشن تو ختم ہو جائے گی؟“
 ”کیا لے گا واپس جا کر کیا ہے باہر؟ تنہائی، ادھ پختی،“ وہ عمر کی بات پر حیران ہوئی۔ تیس سال کی عمر

سے نظر بنائیں کم از کم وہ اب اس کے سامنے بچوں کی طرح رو رہی نہیں جا سکتی تھی۔
 ”میں تم سے بہت پہلے معذرت کرنا چاہتا تھا مگر مجھے تم سے اتنی فرسندی محسوس ہو رہی تھی کہ..... وہ کہتے کہتے رک گیا۔“

”فرسندی؟“ علیزہ نے سوچا۔
 ”کم از کم تم وہ واحد ہستی ہو جسے میں کسی کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔“

علیزہ نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ عمر نے یہ جملہ اس سے کتنی بار کہا تھا۔ ”واحد ہستی؟“ وہ اس پار کی ایڈیٹور کا شکار نہیں ہوئی۔ وہ اب خاموش تھا شاید اس سے کچھ سننا چاہتا تھا۔
 ”مجھے تجھ پر اتنا پسند کر دے گی؟“ علیزہ نے بے اختیار اسے دیکھا، اس کے چہرے پر سنجیدگی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

”اس کا دل چاہا وہ عمر سے کہے۔“ تم بھی وہ واحد شخص ہو جسے میں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔“
 ”نہیں۔“ اس نے بس اتنا کہا۔

”کیا میں یہ سمجھوں کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔ وہ دھوئیں کے سرخوٹوں میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔
 ”عمر! آپ سول مردی چھوڑ دیں۔“ اس نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

عمر کے چہرے پر اسے جراتی نظر آئی۔ شاید وہ اس سے اس مشورے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔
 ”آپ کے پاس بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری ہے آپ واپس امریکہ چلے جائیں یا پھر انگریڈ جہاں آپ پہلے کام کر رہے تھے۔“

”تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟“
 ”کیونکہ مجھے آپ کی پڑا ہے، آپ خود کو ضائع کر رہے ہیں..... سول مردی آپ کو آپ کی ساری خوبیوں سے محروم کر دے گی۔“ اس نے عمر کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی۔

”کیا عمر جہاں گئیں کوئی خوبی ہے؟“
 ”پانچ سال پہلے آپ ایسے نہیں تھے عراب..... آپ..... میں نہیں جانتی۔ آپ کو خود اندازہ ہے یا نہیں مگر آپ بدلتے جا رہے ہیں۔“

”میں جانتا ہوں لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا۔“
 ”آپ واپس چلے جائیں۔“ اس نے اصرار کیا۔
 ”میں نہیں جا سکتا۔“ اس نے نرم آواز میں کہا۔

”کیوں؟“ عمر نے ایک اور سرگیت سلاگیا۔
 ”چند ہزار روپے کی یہ جاب آپ کے لئے اتنی بڑی Temptation کیوں بن گئی ہے؟“

”یہ نیوٹرل سے جاب کی آخر ہوئی۔ یہاں نہیں کرتی۔“

اسے اعزاء تھا، وہ کمزری کے پاس کیوں چلا گیا تھا اس کی آواز اب بھرانے لگی تھی۔ وہ اب رک کر بات کر رہا تھا۔

”جس سے صحت نی اس سے شادی بھی نہیں کی۔ اس کے ساتھ کبھی فورنیا میں پڑھتی تھی وہ لڑکی۔ اس کے ساتھ پاکستان آنے کو بھی تیار تھی۔ میں نے اس سے کہا ”پاکستانی لڑکی ہے تمہارے ساتھ پاکستان جا کر ایڈجسٹ ہو جائے گی پھر ایک مسئلہ ہے۔ وہ کہنے لگا ایڈجسٹ نہیں ہوگی۔ دو ماہ رہے گی۔ چار ماہ رہے گا بعد شروع کرے گی وہاں جانا ہے۔ پھر یہ بتانا شروع کر دے گی کہ میں امریکہ میں کتنا کام کتا ہوں اور پاکستان میں کتنا کام کر رہی ہوں۔ پھر روئے گی اور کہے گی میں اسے تکلیف دے رہا ہوں اور میں اس سے اپنی محبت کرتا ہوں کہ یہ وہاں جا کر روئے گی تو میں برداشت نہیں کر سوں گا پھر شاید اس کے لئے سب کچھ چھوڑ کر واپس آ جاؤں۔ اور یہ سب میں نہیں جانتا، بھرتے کل روئے گی بجائے یہ آج روئے۔ گالیاں دے لے مجھے، پھر آرام سے اپنی زندگی شروع کر لے گی۔ میں بھی پاکستان جا کر کچھ عرصہ کے بعد وہاں کی کسی لڑکی سے شادی کر لوں گا اور کچھ بھی ہو کم از کم وہ پاکستان چھوڑنے کے بارے میں نہیں کہے گی۔“

وہ خاموش ہو گیا۔ طیزہ اس کی پشت کو دھکتی رہی۔

”ایک ہی جملہ تھا تو اس کی زبان پر۔ پاکستان جانا ہے۔ ضرورت ہے میرے ملک کو میری۔ اس کے فادر بھی جرنل تھے اور اس کی اس برین وائٹنگ کے ذمہ دار بھی۔ میں نے تین نیوز پیپر کے ایڈیٹرز سے کانٹیکٹ کیا۔ پاپا کے بارے میں وہ سارے ثبوت شائع کروانے کے لئے، تین بڑے نیوز پیپرز جن کا دعویٰ ہے کہ وہ جے جے علاوہ کچھ شائع نہیں کرتے۔ تینوں کے ایڈیٹرز نے مذمت کر لی۔“ وہ بات کرتے کرتے تگ گیا۔

”تجربہ کار معاذ کے بارے میں خبر شائع کرنے کے لئے جس حوصلے اور جرأت کی ضرورت تھی وہ ان میں نہیں تھی۔ جے جے کا نہ ہاد طبرداروں کے پاس۔ پھر مجھے شہباز ضمیر یاد آیا، اور اب مجھے چھتا دا ہے کہ کاش میں اسے وہ سب کچھ نہ بھجواتا یا پھر وہ بھی دوسری کی طرح انکار کر دیا تو شاید آج زندہ ہوتا۔ خدو ل کا کیا ہے صرف خبریں سننے سے کسی ملک کی تقدیر میں بدلا کرتی۔ مگر وہ ایسا نہیں سوچتا تھا۔ ضمیر تھا اس کے پاس اس لئے۔ اور اس ضمیر نے اسے موت دے دی۔“ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

طیزہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہے کیا اسے یہ بتا دے کہ ناو کی طرح اسے بھی اس بات پر یقین نہیں تھا کہ لائونگزل نے اپنی معمولی بات پر اتنا بڑا قدم اٹھایا ہوگا۔ مگر عمر کے لیے کا اعتماد اور یقین ہمیشہ کی طرح اس کی رائے کو حائل کر رہا تھا۔

”عمر! کیا آپ کو یقین ہے کہ انکل ایاز۔“ طیزہ نے اپنا جملہ ادھر ادھر چھوڑ دیا۔ عمر ایک گہری سانس لے کر پلٹا۔ کچھ کہے بغیر وہ ایک بار پھر بڑے پر آ کر بیٹھ گیا طیزہ نے ان سوال نہیں دہرایا۔

”اب آپ کیا کر سکتے ہیں؟“ وہ اب بھی خاموش تھا۔ طیزہ کو ایک دم یوں لگا جیسے وہ جانی طور پر کہیں اور پہنچا

میں کیا عرب بھی تنہائی سے خوفزدہ ہے؟ ماہہ پستی سے ڈرتا ہے۔ کیا عمر؟“

”ایک جاب مل جائے گی۔ دو کروڑوں کا ایک کابج بتنا پارٹمنٹ۔ صبح سے رات تک ڈائریز اور پاؤڈر کمانے کے لئے مشتعل زندگی۔ کیونکہ ایک لائف اسٹائل Maintain کرتا ہے۔ کیونکہ زندگی کی وہ آسائشات چاہیں جن کے ساتھ میں بڑا ہوا ہوں۔ چنی اور سینٹ پیٹ کر کے بنایا ہوا چیک پیٹنس۔ دو کروڑوں سے محروم ایک ایسی زندگی جہاں پر اپنے جوتے پالش کرنے سے کھانا پکانے تک ہر کام مجھے خود کرنا پڑے گا۔ جہاں ہر گھر میں کچھ مہمان آجائے ہر میری کچھ بھی نہیں آئے گا کہ انہیں کہاں مٹھاؤں اور کہاں سلاؤں۔ تم تو اپنی مٹی کے پاس جاتی رہتی ہو، اعزاء کر سکتی ہو، وہ زندگی کی گزاری رہی ہیں۔“

”مگر سب کچھ ہمیشہ ایسا تو نہیں رہے گا، وہ کچھ مدت توڑنے کے بعد آپ وہاں میٹل ہو جائیں گے۔“ طیزہ نے کمزور آواز میں کہا۔

”ہاں، سادی جرنل روپے کے پیچھے بھاگنے کے بعد بڑے حوالے میں میرے پاس اتنا چڑہا پیڑ ضرور جمع ہو جائے گا کہ میں کچھ نہ کرنے کے باوجود بھی پیش کر سکا ہوں۔“ طیزہ نے عجیب سے انداز میں ہنسا۔

”مگر یہ سب کچھ تو نہیں ہوگا۔ یہ الزامات۔ وہ سب کچھ جو آپ کو مجبور کرنا پڑتا ہے وہ تو نہیں کرنا پڑے گا۔“

”مگر وہاں میرے پاس وہ آسائشیں نہیں ہوں گی جو یہاں ہیں اور یہ سب کچھ میری زندگی کا حصہ ہیں چکا ہے جیسے چھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی، ویسے میں اس سب کچھوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

وہ اس کا پھر وہ دیکھ کر مٹی۔

”ان پانچ سالوں میں اتنا کچھ بنایا ہے میں نے۔ پاکستان سے جا کر اگلے دس سالوں میں بھی نہیں بنا سکتا۔“

”ضمیر پر بوجھ لے کر زندہ رہنا آسان ہے؟“

”ضمیر؟“ وہ ہنسا ”اس نام کی اپنی چیز دنیا میں نہیں ہوتی۔“

وہ اعزاء نہیں کر سکتی وہ کس پر فخر رہا تھا۔

”اس صدی میں ضمیر کو لے کر کون بھرتے اپنے ساتھ۔ کم از کم میرے جیسا شخص نہیں جس کی پرورش حرام پر ہوئی ہے، جس کے خون میں حرام کی اتنی آمیزش ہو چکی ہو کہ وہ نہ ظال کاٹھنے نہ کتا کٹے۔ ضمیر کا کوئی بوجھ نہیں ہے طیزہ میرے کندھوں پر۔“ وہ اسے پہلی بار بے بس نظر آ رہا تھا۔

”ضمیر اگر اس صدی میں بھی کچھ لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو اس کا وہ حال ہوتا ہے جو شہباز ضمیر کا ہوا۔“

طیزہ کو اس کے چہرے پر کچھ سامے لہراتے نظر آئے۔ وہ اب ایک اور سگریٹ سلگا کر تھا۔ ”ایک ہفتے پہلے بیٹا پیدا

ہوا اس کے ہاں، ابھی اس نے ماہ نہیں رکھا تھا اس کا۔“ وہ اب جیسے اعتراف کر رہا تھا۔ ”پچھلے دس سال سے میری

دوستی تھی اس کے ساتھ۔ کبھی فورنیا پر نیوٹرل میں میرے ساتھ چھتا دا رہتا ہوا۔ ڈگری لینے کے بعد اگلے دن اسے اندھا کر

پاکستان آ گیا۔ اس کا رشتہ لپ رہا تھا میری تعلیم کے لئے۔ نہیں لیا۔“ وہ اندھ کر کمزری کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

کروپا۔

”بس دیسے ہی میں کھر بیٹھے بیٹھے بور ہونے لگی ہوں، اس لئے سوچا کہ کچھ کیا جائے۔“ اس نے کہا۔

بچہ ز سے فارغ ہونے کے بعد آج کل وہ گھر پر ہی تھی اور کچھ دن پہلے شہلا لے سے جبکہ اس میں سیکڑیں سے نکلنے والی کچھ جاذبہ کے بارے میں بتایا تھا۔

علیزہ نے فوری طور پر اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ بلکہ عزم و کسب کی گھاٹا پند نہیں آیا تھا۔ کہ وہ اسے اپنانے کا سوچتی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رزلٹ آنے کے بعد کسی ابھی این جی او کے ساتھ منسلک ہو کر کام کرے گی۔

مگر شہلا زمر والے واقعہ کے بعد یک دم ہی اسے جڑ غلام میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آج اس نے شہلا کو فون کر کے اس جاب کے بارے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ نانوک اس قدم کے بارے میں کیا رد عمل ہو گا۔ مگر پچھلے بہت سے سالوں سے وہ آہستہ آہستہ اپنے بہت سے فیصلے خود کرنے لگی تھی۔ خاص طور پر نانوک کی وجہ کے بعد نانوک نے اس کی زندگی میں پہلے کی طرح مداخلت کرنا چھوڑ دی تھی۔ اسے نانوک کی طرف سے کسی مخالفت کی توقع نہیں تھی اور اگرچہ وہ مخالفت کرتیں تو بھی انہیں قائل کرنے کے لئے وہی طور پر تیار تھی۔



باب نمبر ۳

اس سے ہونے والی ایسی لمبی چوڑی گفتگو کے چوتھے دن امریکہ چلا گیا۔ علیزہ: نے اس بار پہلی دفعہ اس کے جانے کو شہیدگی سے لیا تھا۔

وہ اس کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نانوک اور نانوک نے اس سے پچھلے کچھ ہفتوں میں ہونے والے واقعات کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ ان کے لئے شاید اتنا ہی کافی تھا کہ وہ دوبارہ کالج جانے لگی ہے، اس کی خود ساختہ قید تہائی ختم ہو گئی تھی اور شہلا ایک بار پھر سے اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔ اس کے ٹیٹ پیسٹ کی طرح اچھے ہونے لگے تھے۔ مگر اس کی پہلی والی شہید کی اور کم گوئی ابھی بھی برقرار تھی۔

عمر نے واپس جانے کے ایک ہفتے بعد انہیں فون کیا تھا۔ نانوک سے بات کرنے کے بعد اس نے علیزہ سے بھی بات کی۔ علیزہ کو وہ پہلے سے زیادہ پر جوش اور خوش لگا تھا۔

”پارہ میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔“ اس نے ہمیشہ والی بے تکلفی کے ساتھ علیزہ کی آواز سننے ہی کہا۔ علیزہ اس کی بات پر بچوں کی طرح خوش ہوئی۔ ”میں بھی آپ کو بہت مس کر رہی ہوں۔“ اس نے جواباً کہا۔ ”یہ تو بڑی حیران کن بات ہے کہ علیزہ سکندر جیسی ہستی میں مس کر رہی ہیں واپس آ جاؤں؟“ اس کی آواز میں شوخی تھی۔

”آ جاؤں۔“ علیزہ اس کے اعزاز سے محفوظ ہوئی۔

”آ جاؤں گا مگر ابھی نہیں۔ ابھی میں اسپین جا رہا ہوں۔“

”کیوں؟“

”بس دیکھو ہی میرا دھیرہ کے لئے، کچھ دوستوں کے ساتھ جا رہا ہوں۔“ اس نے اطلاع دی۔

”واپس کب آئیں گے؟“

”پاکستان یا امریکہ؟“ عمر نے پوچھا۔

”پاکستان“ ”چراہ تک۔“

”آپ نے کہا تھا۔ میں سیشنز کروانا شروع کردوں تو آپ جلدی آجائیں گے۔“ علیزہ نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں مجھے یاد ہے، تم باقاعدگی سے سیشنز کے لئے جا رہی ہو؟“

”ہاں پھر آپ کب آئیں گے؟“ علیزہ نے ایک بار پھر بے تابی سے پوچھا۔

”پتا نہیں۔ دراصل مجھے کچھ کام بھی ہے لیکن پھر بھی میں وعدہ کرتا ہوں، جلدی آ جاؤں گا۔“ عمر نے اسے

مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ وہ مطمئن ہوئی یا نہیں مگر اس نے عمر سے مزید اصرار نہیں کیا۔ اسے یقین تھا وہ جلدی واپس آ جائے گا۔

باب ۳۸



اسے میگزین جوائن کئے تین ماہ ہو گئے تھے، اور یہ تین ماہ اس کے لئے بہت اچھے ثابت نہیں ہوئے تھے۔ وہ جرنلزم کے بارے میں جو خواب لے کر اس میگزین میں مئی تھی۔ وہ پہلے پتھے ہی ختم ہو گئے جب اسے کچھ غیر ملکی میگزین یہ کہہ کر دیئے گئے کہ اسے ان میں سے شوبز کی خبریں منتخب کرنی ہیں۔ وہ کچھ بکا بکا ہو کر سارا دن وہ میگزین دیکھتی رہی۔ شہلا دن آفس میں آئی۔ علیزہ نے گھر واپس جاتے ہی اسے فون کیا۔

”کیا ہوا مجھی؟ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟“ شہلا نے اس کی آواز سے فوراً اندازہ لگایا کہ وہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔ علیزہ نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔

”تو پھر؟“ شہلا نے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد بڑے اطمینان سے پوچھا۔

”تو پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”میرا مطلب ہے کہ تم کیوں پریشان ہو اس سب سے؟“

”میں پریشان کیوں ہوں؟“ میں اس لئے پریشان ہوں کیونکہ یہ وہ کام تو نہیں ہے جس کے لئے میں وہاں مئی ہوں۔“ علیزہ اس کی بات پر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

”آپ کس لئے مئی ہیں وہاں؟“

”کوئی تخلیقی اور چیلنجنگ کام کرنے، غیر ملکی میگزینز سے خبریں پٹنے نہیں مئی۔ ہم کیا کریں گے وہاں باہر کی خبریں غیر ملکی ماڈلز کے فیشن شوٹس کی کاپی کرتے ہیں، بس فرق یہ ہوتا ہے کہ ماڈل اپنی ہوتی ہے اور فوٹو گرافر بھی۔ میک اپ اور ہیر اسٹائل تک ان ہی جیسا ہوتا ہے یہ کیا چیز ہے جو ہم اپنے لوگوں کو دے رہے ہیں، تقریباً۔“ وہ واقعی اکتائی ہوئی تھی۔

”ابھی تو جانا شروع کیا ہے وہاں۔ اتنی جلدی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے۔ ابھی تو ہمیں جرنلزم کی الف ب کا بھی پتا نہیں ہے۔ تمہارا عرصہ وہاں کام کریں گے تو کچھ پتا چلے گا۔ کچھ تجربہ ہوگا تو ہم لوگ ٹریڈز بدل بھی سکتے ہیں۔“ شہلا نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”نہیں۔ میں ضرورت سے زیادہ تنقید نہیں کر رہی، میں نے ایک دفعے میں جو دیکھا ہے وہی بتا رہی ہوں اتنا جھوٹ چھاپا جا رہا ہے مجھے کجرت ہوتی ہے جس مقامی آرٹسٹ کے انٹرویوز کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے اس کے بارے میں اسے پاس سے خبریں مل کر گڑبگڑا رہی ہوتی ہیں۔ وہ آرٹسٹ اچھا ہے جو انٹرویوز دینے پر تیار ہو جائے اور انکار کرے، وہ برا ہے اس کا پورا خیال حال اور مستقبل سمجھ کر رکھ دو۔ اس کی پوسٹ لائف کی دیکھیں! اڑا دو۔ اس کی دوسری، تیسری چوتھی شادی کی خبریں شائع کر دو۔ اس کے نام نہاد ایگزیکٹوز کی تنصیلات چھاپنا شروع کر دو اور یہ سب تب تک کرتے رہو جب تک وہ مجبور ہو کر آپ سے رابطہ قائم نہ کر لے۔ کیا یہ جبر لازم ہے؟“ وہ خامی دل برداشتہ نظر آ رہی تھی۔

”میں نے تم سے کہا ہے، تم جاب چھوڑ دو۔ فنون کی ٹینشن لینے کی کیا ضرورت ہے اگر تم کسی چیز سے مطمئن نہیں ہو تو وہ مدت کرو۔“ شہلانے اپنا مشورہ دہرایا۔

”میں اتنی جلدی جاب چھوڑ دوں گی۔ تو نہ تو کیا کہیں گی میں انہیں دکھانا چاہتی ہوں کہ میرے اندر مستقل مزاجی ہے۔ میں اتنی نازک نہیں ہوں کہ جاب کی ٹینشن سے گھر کا ہر ایک جاؤں۔ وہ پہلے ہی مجھے منع کر رہی تھیں کہ میرا جاب والا ٹھہرا نہیں ہے اس کے میرے لئے یہ بھی بہتر ہے کہ میں یہ کام نہ کروں۔“

”ٹھیک ہے تو جبر کچھ عرصہ تک مستقل مزاجی دکھاؤ کام کرو پھر چھوڑ دینا کوئی اخبار جوائن کر لیتا۔“ شہلانے ایک بار ہلکا سا کہا۔

”دیکھو میں میں میج آفیس آؤں گی تو ایڈیٹر سے کہوں گی کہ میں مختلف سوشل ایکٹیویٹیز کی رپورٹنگ کے لئے جھجکا نہیں یہ آفیس والا کام نہ دیں۔“ شہلانے لاپرواہی سے کہا۔

”وہ انہں جانتی ہیں؟“

”کیوں نہیں جانتی؟“

”ٹھیک ہے پھر تم میج آفیس آؤں گی، میں تفصیل سے بات ہوگی اگر وہ انہں کی کوریج کے لئے بھیجے پرتار نہ ہو تو پھر میں جاب چھوڑ دوں گی اگر چہ ٹانگوں کے سامنے خامی شرمندگی ہوگی مجھے مگر جو کام مجھے اچھا نہیں لگ رہا، وہ میں نہیں کروں گی۔“ شہلانے اسے تسلی دہی علیحدہ سے فون پر رکھ دیا۔

☆☆☆

شہباز منیر کے قتل کو اس نے بڑی دلچسپی کے ساتھ Follow کیا تھا اگرچہ اس دن مردہاں سے چلا گیا تھا مگر پھر بھی علیحدہ کو امیدی تھی کہ وہ اس کے قتل کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہے گا۔ خاص طور پر اس لئے کہ یہ قتل اس کی وجہ سے ہوا تھا اور وہ بھی جانتا تھا کہ یہ قتل کس نے کر دیا تھا۔

شاید اس لئے اسے امید تھی کہ اگر وہ براہ راست اس بارے میں کچھ نہ بھی کہے گا تو کسی نہ کسی طرح اہل لیاؤ کا نام ضرور منیڈیا میں آ جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ انکوائری کے لئے یہ تک وہ تمام اخبارات کی ایک ایک خبر پڑھتی رہی۔ شہباز منیر کے قتل سے کچھ عرصہ تک محاموں میں الجھل ضرور چلی تھی۔ اس کے لئے چند جہلوں بھی لکھے تھے اور اس کے

”تم ٹریڈ بدل سکتے ہیں؟ کیا ٹریڈ بدل سکتے ہیں؟ فیرنگی میگزینز میں سے چوری کی جانے والی خبریں اور آرٹیکلز روک سکتے ہیں۔ یا اپنے فوٹو گرافرز کو اور پینل شوٹ کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔“ وہ اب بھی اتنی ہی باہوس تھی۔

”تم جاب چھوڑنا چاہتی ہو؟“ شہلانے مزید کچھ کہے بغیر اسے براہ راست پوچھا۔

”چنانچہ میں ٹریڈ ٹوڑ دوں۔“

”ٹریڈ ٹوڑ کیوں ہو، اگر یہ سب نہیں پسند نہیں ہے تو جاب چھوڑ دو کچھ اور کر لو۔“ شہلانے اسے کھٹ سے مشورہ دیا۔

”اور کیا کروں؟“

”تم اپنی جی او جوائن کرنا چاہتی ہو، وہ جوائن کرو۔“

”نہیں۔ میں ابھی این جی او جوائن کرنا نہیں چاہتی میں کچھ عرصہ جبر لازم کے ساتھ ہی شکوک رہنا چاہتی ہوں۔“ علیزہ نے فوراً انکار کیا۔

”تو پھر براہ نام کیا ہے کام کرتی رہو۔“

”مگر یہ وہ جبر لازم نہیں ہے جس کے ساتھ میں شکوک ہونا چاہتی ہوں نہ ہی یہ وہ کام ہے جو میں کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں نے تم سے کہا ہے۔ کچھ وقت۔“

”اگر کچھ وقت کے بعد بھی سب کچھ ایسا ہی رہا تو پھر، پھر مجھے انہیں ہو گا کہ میں نے وقت ضائع کیا اور آٹے عرصہ میں یہ بات کرتے رہنے سے شاید میری ساری تحقیقی صلاحیت بھی ختم ہو جائے۔“ علیزہ نے شہلا کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔

”تم یہ کام کرنا بھی چاہتی ہو اور اس سے خوش بھی نہیں ہو۔ ایسا کرتے ہیں۔ ایڈیٹر سے بات کرتے ہیں۔ انہیں کہتے ہیں، میں شو بزنس کے بجائے کوئی دوسرا چاہتی ہوں۔“ شہلانے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

”میں ٹیکسٹ کے بجائے کسی اخبار کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔“ علیزہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”علیظہ! انہیں کوئی تجربہ نہیں ہے۔ تجربے کے بغیر کوئی اخبار بھی جنہیں جاب آفر نہیں کرے گا۔ ذرا حقیقت پسندی سے کام لو۔“ شہلانے کہا۔

”میں چاہتی ہوں مگر یہ بند کر کے کی جبر لازم میں نہیں کر سکتی۔“

”کیا مطلب؟“

”میں آفس بیٹھے بیٹھے پورا میگزین تیار ہو جاتا ہے۔ کھانے کی تزاویہ سے لے کر کپڑوں کے ڈیزائنز تک اور آرٹیکلز سے لے کر شو بزنس کی خبریں تک ہر چیز اور ادھر سے اٹھائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ Celebrities کے انٹرویوز تک اور ادھر اسے اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ جبر لازم ہے؟“

”تم ضرورت سے زیادہ تنقید کر رہی ہو علیظہ۔“

لئے کہا ہو گا۔ اب انہوں نے قتل کر دیا تو وہ کیا کر سکتا تھا۔“ وہ ان کی منطق پر حیران رہ گئی۔

”اپنے ہاتھ سے قتل کرنے والا اسی قاتل نہیں ہوتا۔ قتل کروانے والا بھی مجرم ہوتا ہے۔“ اسے نانو کی بات پر آنسوؤں ہوا۔

”ہمیں اس بارے میں بحث کرنے کی یا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے نہ ہمارا شہباز میرے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس واقعہ کے بارے میں ہم سے پوچھ کر کچھ کیا گیا ہے۔ ایاز نے جیسے بھڑکھا، معاملے کو ڈیل کیا۔“ نانو بھی یہی مطمئن نہیں۔

”مگر مانو! انکل ایاز نے ایک غلط کام کیا۔“

”جو کہ شہزادے نے جاہ و مقام تو بھی ٹھیک نہیں تھا۔ ہمارے خاندان کی بہت رسوائی ہوئی اگر وہ جہانگیر کے بارے میں وہ لوہاؤں پر شائع کر دیتا میرے سارے بیٹوں کا کیرئیر متاثر ہوتا۔ اب ظاہر ہے ایاز خاموش رہے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔“

”مگر شہزاد جو کچھ شائع کرنے جا رہا تھا۔ وہ صحت یابی تھا۔ سچ تھا اگر خاندان کی عزت کی بات تھی تو اس
 جگہ پر تھمنا ہی نہیں کیوں اس طرح کے کام کے، وہ اس وقت یہ سب کچھ سوچتے جب وہ روپے کے لئے اپنے عہدے کا بڑی
 طرح استعمال کر رہے تھے۔“

”مگر شہباز منیر کو دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ذاتی معاملات؟ ناو! یہ اگلے جہانگیر کے ذاتی معاملات نہیں تھے۔ وہ ان کے کسی ایکسٹنڈل یا ہانڈل کے بارے میں خبر شائع نہیں کر رہا تھا وہ ان تمام باتوں کی خبر نہ کر رہا تھا، جنہیں سچ کے پہلو نے کئی مین ڈائریکٹ بنائے ہیں۔“

علیہ و آہو کی بات کاٹ دی۔ "ناو! اس نے اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کوئی غلط کام نہیں کرنا چاہا۔ آپ کو یہ سمجھانے لے رہی تھیں کہ رہا کیونکہ آپ کا اپنے بیٹے میں سب چیزوں میں انوالو ہیں۔ آپ شہزادہ خیر کی بہن کو سمجھیں تو آپ کو احساس ہو گا کہ اس کو ایک صحیح کام کی سزا دی گئی ہے۔ آج کوئی انکس ایاز کو اس طرح سے رنجی نہ مارے تو آپ کیا محسوس کریں گے۔"

”تعلیم! تم فضول بکواس مت کرو۔“

”بے فضول کجاس نہیں ہے نواہی ہے کہ جزیہ غلط ہے، دود غلط ہے۔ چاہے دوسرے کربوں یا آپ بے فکر ہو۔ جرم ہے کہ اگر عام آدمی کرے تو قانون اسے پھانسی پر لٹکا دے مگر اہل جزیہ بھی لوگ کریں یا کرواتیں تو اس کی Justification کیسے دے سکتے ہیں۔ یہاں آپ اور میں نہیں جوتا تو کوئی سکتے ہیں کہ غلط چیز کو غلط کہیں اور غلط کام کرنے والے کو غلط کہیں۔“

”غلیظہ وایہ سب تمہارے سوچنے اور کرنے کے کام نہیں ہیں۔ بہتر ہے ان معاملات کے بارے میں تم کو کوئی تہذیب و مذکر اور کمال کا چل چلا توہ بہت ناراض ہوگا۔“ نانوں نے اسے جیسے دھمکانے کی کوشش کی۔

اپنے اخبار نے چند روز ہڑتال بھی کی تھی، روز اس کے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ بھی کسی نہ کسی اخبار میں پیش ہوتا رہا مگر پھر اس خبر پر گرد بننے لگی۔

دور رسو اطلاعات کی طرف سے اس کی بیوہ کے لئے ایک چپک چپک جاری کر دیا گیا جس کی تفصیل بھی اخبار میں آئی گوشت کی طرف سے اسے ایک پلاٹ بھی دے دیا گیا یہ قدرے حیران کن تھا خاص طور پر تب جب گورنمنٹ خود جانے والی تھی محریز و اندازہ کہ کتنی سیڑھی اس چپک اور پلاٹ کے پیچھے کس کی سہرا نی کی کارفرم تھی۔

ایک دو ماہ بعد ایک دم گورنمنٹ تبدیل ہوئی اور پولیٹیکل سیٹ اپ کے بدلے ہی شہباز حسین کا مکمل عملہ طور پر ایک گراؤٹ میں چلا گیا۔ اخبارات کے صفحے اب سیاسی خبروں اور بیانات سے بھرے ہوئے تھے۔ اگلے انتخابات کے بارے میں قیاس آرائیاں جاری تھیں۔ اسے دو ہفتہ بعد صبح کے میں کسی کو یاد تھا کہ شہباز حسین کا نام کا فیصل تھا جس

نے ایک دفعہ اپنے ماں باپ کی اعتقاد باتوں کی وجہ سے اپنے ملک کی طرف واپس ہجرت کیا تھی۔ وہ اپنی مرضی سے بیسویں صدی سے واپس بارہویں صدی میں آ گیا تھا۔ پھر اس نے اپنے ایک دوست کی اعتقاد باتوں میں آ کر لوگوں تک جھپٹانے کی کوشش کی تھی۔ بارہویں صدی کے لوگوں کے سامنے بیسویں صدی کی جرأت دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا تھا کہ:

کوسن لی گئی کیا ہوا تھا؟ کچھ نہیں۔ اس کے ساتھ وہی کیا گیا تھا جو کہ رہا ہے۔ اس ملک کو کس نے کشنا خون دیا تھا یہ یاد رکھنے والی بات نہیں تھی۔ اس ملک میں کس نے کشنا خون لیا ہے۔ شاید یاد انہیں ہی رکھا جاتا ہے، شہباز نسیم کو کبھی بھلا دیا گیا تھا مگر طویل و کود یا ہوا تو اور ہر بار اس کا خیال آنے پر اس عمر سے شکوہ ہونے لگتا ہے اس نے اپنی سانی

سب سے پہلے یہ بات ضرور کرنا چاہتی تھی۔

مگر میرے اگلے کچھ دنوں اس کی ملاقات نہیں ہوئی، انکل ایاز اور انکل جہانگیر کے ساتھ اس کی کیا سیلینڈ

میں نے اس وقت بھی جانتی تھی کہ وہ اس کا چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں وہ بارہ اخبار میں کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ میری ساری زندگی میں وہ

علیؑ جب نانوں سے بہت اطمینان سے کھا۔

”مردانہ کے مقابلہ میں خواتین کے لیے جامع کالج ہے۔“

یہ مردوں کے معاملات ہیں، انہیں بتا ہے کہ کس طرح لوگوں کو ذیل کرنا ہے۔ غلطی عمر کی ہے اس نے کیوں
بہانہ دیا کہ استعمال کرنے کی کوشش کی۔“

وہ ان سب کو پر پکائی جانے لگی مگر جہاں تک اطمینان کا تعلق تھا۔ وہ ابھی بھی اپنے کام سے مطمئن نہیں تھی۔
 ”یہ سب بے کار کام ہے جو جو کچھ تم اور میں کر رہے ہیں۔ اس سے لوگوں کی کنسر میوں میں کوئی تبدیلی اور
 نہ ہی بہتری نہیں آ سکتی۔“ وہ آنسو شہلا سے کہتی۔

”تو تم کوئی انقلاب لانا چاہتی ہو؟“ شہلا مذاق میں کہتی۔

”نہیں۔ میں کوئی انقلاب لانا نہیں چاہتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ جو کام میں کروں۔ اس سے لوگوں کی زندگیوں میں کچھ بہتری تو آئے صرف ایک جاب کرنا تو کوئی بڑی بات نہیں چاہتی ہوں میرے کام سے ”ہر روز کو بھی فائدہ ہو۔“

”تم اچھی بھلی تھیں عزیزہ! بس کچھ عرصے سے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے خاص طور پر پچھلے دو سال میں۔“ شہلا تبصرہ کرتی۔

”اس ملک میں اتنی غربت ہے شہلا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ سڑکوں پر پھرتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر انسان کا دماغ خراب نہ ہو، سوشالوجی پر پڑھنے کے بعد بھی اگر میں تمہاری طرح مطمئن نہیں ہوں تو سچی باتوں کو ایک دن کوئی سمجھا آئے گا، اور سب کچھ ٹھیک کر دے گا تو شاید اس سے بڑی حماقت اور کوئی کہیں ہوگی۔“

”یار! میں کب منع کر رہی ہوں تمہیں، روزِ ثا آ جائے کوئی این جی ادا جو اس کر لیتا، سوشل ورک کرنا چاہتی ہو کرنا پھر دیکھ لیتا، کتنی بڑی تبدیلیاں لے کر آتی ہو۔“

”ایک شخص سب کچھ نہیں بدل سکتا۔ مگر جس حد تک تہذیبی لا سکتا ہے اس حد تک تہذیبی اور بہتری کے لئے کوشش تو کرنی چاہئے۔ ایک Passive observer بن کر تو زندگی نہیں گزارنی چاہئے۔“

شہلا اس کی باتوں سے قائل ہوتی یا نہ ہوتی مگر خاموش ضرور ہو جایا کرتی تھی اس کا خیال تھا یہ علیزہ کا دقیقہ
 جنوں ہے جو کچھ عرصہ کے بعد خود ہی فسخ ہو جائے گا۔

☆☆☆

اس شام بھی وہ ایک میوزک کنسرٹ کی کوریج کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ کنسرٹ نوبچے کے قریب ختم ہو گیا۔ وہ کنسرٹ ختم ہونے سے کچھ پہلے ہی ہال سے نکل آئیں، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ کنسرٹ ختم ہونے کے بعد اتاروش ہو جائے گا مگر ان کے لئے باہر لگانا مشکل ہو جائے گا۔

وہ کسرت کے بارے میں بائیں کرتے ہوئے پارک کی طرف آ رہی تھیں۔ جب انہوں نے اپنے پیچھے
 کچھ تقبضے سے ان دونوں کے مکرر دیکھا۔ وہ چار لڑکوں کا ٹیکہ روپ تھا جو ان سے کچھ کاٹلے پر تھا مگر ان کوں کی
 نظروں میں اسی طرح کی ہوئی تھیں۔ واضح طور پر وہ ان ہی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ وہ دونوں انہیں نظر انداز
 کرتے ہوئے پارک کی طرف جاتے گئیں۔

”یہ ہے ہماری نئی جزییشن جنہوں نے اکیسویں صدی میں اس ملک کو Lead کرنا ہے۔“

”Three cheers for them“ شہلانے چلتے ہوئے بلند آواز میں تکبیر سے کہا۔ علیزہ نے کوئی

تبصرہ نہیں کیا۔

”دو ماضی ہوتے ہیں تو ہو جائیں۔ میں ان سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ آپ کی طرح ان کی مارا ننگی کے خوف سے ان کی حمایت تو نہیں کر سکتی۔“

وہ ان کی باتوں پر بری طرح جھنجھلا رہی تھی۔

نانا اس کا چہرہ خانوشی سے دیکھتی رہیں۔ ”جب سے تم نے جاب شروع کی ہے، تم کچھ زیادہ متیز نہیں ہو گئے؟“

وہ بے اختیار ان کی بات پر ہنسی پڑی۔ ”بدقسمت آپ بھی کمال کرتی ہیں، نانو ہینڈز کی وجہ سے خشک کر رہی ہیں جاب کا اس سب سے کیا تعلق ہے میں جاب نہ بھی کرتی تب بھی اس واقعہ کے بارے میں میرا رد عمل یہی ہوتا خاص طور پر خود انکھل ایاز کے منہ سے سننے کے بعد کہ انہوں نے شہ بابا کو گولی کروا دیا۔“

”فرض کرو، میں بھی تمہاری طرح یہ سب کچھ لگوں تو مجھے فائدہ کیا ہوگا۔ میری کسی پروا ہی نہیں ہے کہ میں انجیل اب اس عمر میں چھائی اور برائی کا فرق سمجھ سکوں۔ وہ اپنے بارے میں خود کو جانتے ہیں، خود فیصلے کر سکتے ہیں۔ میں ان سب چیزوں کے بارے میں کیا کر سکتی ہوں۔“

نانو نے پہلی بار وہی آواز میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

”ہاں تو کم از کم اتنا تو آپ کر ہی سکتی ہیں کہ آپ ان سب چیزوں کو غلط کہیں۔ اگلے ایاز کے ساتھ بحث کریں۔ ان کی ہر بات پر سر نہ جھکا دیں۔“

نانو نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بہت بے چین نظر آ رہی تھی۔ ”تم کس رستی ہو یہ سب کچھ؟“ بڑے پرسکون انداز میں انہوں نے علیہ سے پوچھا۔

”میں؟“

”ہاں، تم، تم بحث کر سکتے ہو، الٹا۔“

”ہاں“

نانوں نے جیسے اسے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

وہاں کا چہرہ دیکھ کر ہی۔ "ہاں میں کر سکتی ہوں اگر ضرورت پڑی تو میں یہ سب ان سے بھی کہوں گی۔ میں آپ کی طرح ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاؤں گی، کم از کم علیزہ علیگر سے اس بات کی توقع نہ کریں۔"

دو دیک دم اچھ کر اندر چلی گئی۔ نانو حیرانی سے اس کو جاتے ہوئے دیکھ کر رہی۔ علیزہ کا یہ روپ پہلی دفعہ ان کے سامنے آ تھا۔

☆☆☆

شہلا کے کہنے پر انہیں سوشل اینکلیوٹیز کی کوریج کا کام سونپ دیا گیا تھا۔ یہ کام کسی حد تک دلچسپ تھا اور کچھ عرصے تک تو علیر کو دلچسپی اپنے کام میں لطف آنے لگا۔

شہر میں ہونے والی مختلف سماجی تقریبات کے دعوتی کلاڈز ان کے آفس آتے رہتے۔ وہ ایک دن میں بعض دفعہ تین چار جگہوں پر بھی جاتے۔ ادبی محفلیں، مختلف نمائشیں، میوزک کنسرٹس، سوشل گینگز بہت کم عرصے میں

ان لوگوں کی آوازیں اور تجھے اب اور بلند ہو گئے تھے۔ وہ لوگ مسلسل ان کے پیچھے آ رہے تھے۔

”کیا خیال ہے مرکز کچھ کہا جائے ان سے؟“ شہلا نے سرگوشی میں طیلو سے پوچھا۔

”نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی ہم لوگ گاڑی تک پہنچ جائیں گے پھر یہ خود ہی دفع ہو جائیں گے۔“

طیلو نے بھی سرگوشی میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ لوگ بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں۔“ شہلا نے کچھ احتجاج کیا۔

”کرتے دو، انداز رکھو۔ یہ بے پرواہییں انہیں گے۔ خوفناک بات ہو جائے گی اور یہ لوگ یہی چاہتے ہیں۔“

طیلو نے اسے سمجھایا۔ شہلا مطمئن نہیں ہوئی لیکن خاموش ضرور ہو گئی۔

وہ دونوں اب گاڑی کے پاس پہنچ چکی تھیں جبکہ وہ چاروں لڑکے بھی پارکنگ میں بیٹھ گئے۔ طیلو اور شہلا نے اپنی گاڑی کے اندر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

طیلو نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مرکز پر آئی۔ وہ دونوں بڑے مطمئن انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔

جب طیلو نے بیک دیوڑ سے ایک گاڑی کو بڑی تیزی سے اپنے پیچھے آتے دیکھا۔ گاڑی انہیں اورریک کے گرد گھومتی تھی۔

بجائے ان کے پیچھے گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگی۔ گاڑی میں وہی چاروں لڑکے سوار تھے۔ طیلو نے پہلی ہی نظر میں انہیں پہچان لیا۔

”یہ تو پیچھے آنے لگے ہیں، اب کیا کریں؟“ طیلو نے کچھ پریشان ہو کر شہلا سے کہا۔

”تم کار کی اسپید آہستہ کرو، ہو سکتا ہے۔ آگے نکل جائیں۔“

طیلو نے شہلا کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کار کی اسپید آہستہ کر دی۔ ان لوگوں نے بھی اپنی کار کی اسپید آہستہ کر دی۔ شہلا نے سب اطمینان پانے دانت پیچے۔

”یہ ذیل پچھا نہیں چھوڑ دیں گے۔ تم اسپید بڑا دوا دو دیکھتے ہیں کیا ہو سکتا ہے۔“

طیلو نے بیک دم کار کی اسپید بڑھا دی۔ ان لوگوں کی کار اب برابر چلنے کی بجائے ان کی کار کے پیچھے آ رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ مختلف سڑکوں پر جا بھاگتی رہی مگر وہ گاڑی مسلسل ان کے پیچھے رہی۔ تم میرے گھر ہی چلو۔ ہو سکتا ہے، وہاں چھپا چھوڑ دیں۔“ شہلا نے اس سے کہا۔

”لیکن رستے میں اگر ان لوگوں نے گاڑی روک لی تو تمہارے گھر کے راستے پر اس وقت بالکل بھی ٹریفک نہیں ہوتی۔“ طیلو نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

”تم اسپید بہت تیز کرو اور انہیں اورریک نہ کر کے دنیا ایک بار میرے گھر کے باہر گاڑی پہنچائی تو پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ چونکہ ایک منٹ میں یہ گھر کوئل دے گا۔ دیکھی کوئل تو باہر تو آئی جائے گا پھر یہ وہاں نہیں رہیں گے۔“

”مگر مجھے تو ابھی اکیس ہی گھر جانا ہے۔“

”تم گاڑی اندر لے آنا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد چیک کر لیں گے کہ یہ لوگ باہر تو نہیں ہیں مگر تم چلی جانا دیکھو۔ یہ لوگ ہر گز دے نہیں دیں۔ ہمیں اندر جانا دیکھ کر دنگ ہو جائیں گے یہ سب خوفزدہ کر رہے ہیں ہمیں۔“

شہلا نے کہا۔

طیلو نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے گاڑی اس رڈ پر موڑ دی جہاں شہلا کی کالونی تھی۔ بہت تیز رفتاری سے گاڑی چلتے ہوئے وہ شہلا کے گھر پہنچی تھی۔ ان لوگوں کی گاڑی بھی اب پر دی رفتاری سے ان کے پیچھے تھی اور ان کی گاڑی کو ایک سنسان مرکز پر مڑتے دیکھ کر انہوں نے دو تین بار اورریک کرنے کی کوشش کی مگر طیلو نے بار بار کی رفتاری رہا کر دی۔

شہلا کے گیت کے سامنے پہنچی ہی اس نے ہان پر ہاتھ رکھ دیا اور کار روک دی۔ وہ لڑکے تیزی سے ان کی گاڑی کے پاس سے گزرے اور پھر طیلو نے ان کی کار کی رفتار کم ہونے دیکھی۔ چونکہ رات بیک گیت کھول چکا تھا۔ طیلو برقی رفتاری سے کار اندر رے لگی۔ ان دونوں نے پیچھے مرکز پر چونکہ ایک بند کر کے دیکھا اور ان کی جان میں جان آئی تھی۔

”ایک بات تو طے ہے، میں دوبارہ بھی رات کو اکیسے کہیں نہیں جاؤں گی۔“ طیلو نے گھر سے سامنے لیٹے ہوئے کار کی سیٹ کے ساتھ ٹپک لگا کر۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ دفع ہو گئے ہوں گے، مارا موڑ عارت کر دیا انہوں نے، میں چونکہ اسے کبھی ہوں۔ ذرا باہر بھاگ کر دیکھو۔“

شہلا نے کار سے نکلنے ہوئے کہا۔ وہ اب گیت کی طرف جارہی تھی۔ طیلو نے بیک دیوڑ سے اسے چونکہ اسے ہاتھ کر کے دیکھا۔

چونکہ اسے چنکھوں کے بعد چھوٹ گیت کھول کر باہر نکل گیا۔ شہلا واپس طیلو کے پاس آ گئی۔

”اب یا تو تم آج رات ہمیں رو لیا پھر چند منٹوں کے بعد چلی جاؤ، اتنی گھبراہٹ میں کار چلاؤ گی تو؟“

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”نہیں، میں یہاں نہیں رہ سکتی، ناؤ اکیلی ہیں اور چند گھنٹوں کے بعد کیا ہوگا۔ مرکز میں اور سنسان ہو جائیں گی۔ میں چلاؤں گی گاڑی۔ تم قریب صدمت ہو۔ کچھ دیر پیلیٹ بھی تو چلائی ہے۔“ طیلو نے اسے تسلی دی۔

چونکہ رات بیک واپس اندر آ گیا اور اس نے مرکز خالی ہونے کی اطلاع دی۔

”لیکن ٹھیک ہے، میں پہنچتی ہوں۔“ طیلو نے کار غارت کر دی۔

”جانتے ہی تھے فون کر دینا۔ میں انتظار کروں گی۔“ شہلا نے کہا۔ طیلو سہلے ہوئے گاڑی کو ریوڑس کرنے لگی۔

بیرونی سڑک واقعی خالی تھی۔ طیلو کچھ دیر مطمئن ہو گئی۔ تیز رفتاری سے اس نے ذیلی مرکز عبور کی اور پھر ایک ٹرن لینے ہی اس کا سانس کر گیا۔ ان لوگوں کی گاڑی اب وہاں کھڑی تھی اور وہ گاڑی سے باہر کھڑے تھے۔

طیلو نے گاڑی واپس نہیں موڑ سکی اب اس کا دت نہیں رہا تھا۔

اب تو روٹا بند کر دوں۔ اس بار علیہ واقعی چپ ہو گئی۔

”آپ کچ کبہ رہے ہیں؟“

”بالکل کچ کبہ رہا ہوں۔ میں بس آ جاتا ہوں اگر تمہاری ضد بھی ہے تو ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بات مان

لیتا ہوں۔ اب مجھے تناؤ کم تر ہو گیا ہے؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ رونے سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

”میڈیسن لے رہی ہو؟“

”ہاں۔“

”اور کھانا“

”وہ بھی۔“

”تمہارے لئے کیا لے کر آؤں یہاں سے“

”چاہئیں۔“

”ٹھیک ہے میں اپنی مرضی سے کچھ بھی لے آؤں گا۔ تم بس یہ کرو کہ میرے آنے تک اپنا بخار ختم کر دو۔

میں کم از کم چھبیس بسز میں دیکھنا نہیں چاہتا۔“

”ناؤ کبھی ہیں، میں ہر وقت کبلی رہوں، آپ کہتے ہیں، میں بسز میں نظر نہ آؤں۔ پھر میں کیا کروں؟“

اس نے بے چارگی سے کہا۔

”تم اپنا بخار ختم کر دو تا کہ گر گئی کو ختم سے یہ کہنا نہ پڑے۔“ وہ اب بھی بچوں کی طرح اسے بہلا رہا تھا۔

”آپ کل آ جاؤ گے؟“ وہ اس کی بات کے جواب میں اس سے پوچھنے لگی۔

”کل یا پرسوں کر آ جاؤں گا۔“ اس نے یقین دلایا۔

☆☆☆

اور تیسرے دن وہ واقعی اس کے سامنے تھا۔ علیہ کو اس دن بھی ہلکا ہلکا بخار تھا اور وہ اپنے کمرے میں حتی

جب وہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر بے اختیار مسکراتے لگی مگر عرصے کے دیکھ کر مگر مند ہو

گیا۔ علیہ اپنے بسز سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ سیدھا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

”کم آن علیہ! کیا حال بنایا ہوا ہے تم نے، میں تو پہچان ہی نہیں سکا۔“ وہ اس کے کندھے پر بازو

پیٹانے کبہ رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

اس کی مگر مندی اس اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے خوش ہونے کے لئے انتہائی کافی تھا کہ وہ صرف اس کے

لئے اتنی دور سے سب کچھ چھوڑ کر آ گیا تھا۔

”تمہارا بخار کیسا ہے؟“ مگر کو یک دم یاد آیا علیہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے علیہ کے ماتھے پر

ہاتھ رکھ دیا۔

باب ۳۹

اگلے چند ہفتے علیہ کو ایک بار پھر ہاسپٹل کے پتھر لگانے میں گزارنے پڑے۔ ختم آئے اچانک اینڈکس کا پرائیم ہوا اور بہت اہم مرضی میں آپریشن کروانا پڑا آپریشن ٹھیک ہو گیا مگر گھر آنے کے دوسرے دن ہاتھ دم جاتے ہوئے گری اور اس کے ہاتھ گھٹ گئے۔

دو بارہ ہاتھ لگانے کے بعد ایک ہفتہ تک وہ بخار میں مبتلا رہی۔ اس کا وزن بہت تیز رفتاری سے کم ہوتا رہا۔ اس تمام عرصہ کے دوران عمر سے ایک بار بھی اس کی بات نہیں ہوئی وہ اسٹین کا چپکا تھا اور وہاں میر و تفریح میں مصروف تھا۔ جس شام تقریباً ایک ماہ کے بعد اس نے فون کیا۔ اس دن بھی علیہ کو بخار تھا۔ ہاتھ نے فون پر عمر کو علیہ کے آپریشن اور اس کی پیادری کے بارے میں بتایا۔ اس نے علیہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ علیہ فون پر اس کی آواز سننے ہی رونے لگی۔ وہ اس کے رونے سے زیادہ اس کی آواز کی گتات پر پریشان ہوا تھا۔

”علیہ! علیہ! اچپ ہو جاؤ یا کیا ہو گیا۔“ وہ اسے کسی بچے کی طرح بہلاتے لگا۔ وہ پھر بھی روتی رہی۔

”تمہارا آپریشن تو ٹھیک ہو گیا ہے؟“ اس نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

”مگر تم ہی تری تھیں۔“ چھبیس بخار ہے، زیادہ بخار ہے۔“ وہ کسی نہ کسی طرح اسے خاموش کروانا چاہ رہا تھا۔

وہ اب بھی روتی رہی۔

”علیہ! مجھے تکلیف ہو رہی ہے تمہارے رونے سے۔“ علیہ چپ ہو جاؤ۔“

وہ چپ نہیں ہوئی۔

”مجھے تناؤ میں کیا کروں؟“ اس نے ہلا خرٹک کر کہا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا۔ آپ واپس آ جائیں۔ آپ نہیں آئے۔“ چاہئیں ہر کوئی میرے ساتھ جھوٹ

کیوں بولا ہے۔“ اس نے نکلیں اور سکین کے درمیان کہا اور ایک بار پھر رونے لگی۔

”میں نے تم سے بالکل جھوٹ نہیں بولا۔ میں کل نہیں تو پرسوں جو بھی غلط لیتی ہے، اس سے آ جاتا ہوں

"ابھی بھی بتا رہے؟"

"ہاں لیکن زیادہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے اگر زیادہ بتاؤں تو مجھ اٹھو۔" وہ کھڑا ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگا۔

"کہاں جاتا ہے؟" وہ کچھ حیران ہوتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کہیں دور نہیں جاتا۔ بس لاؤنج تک جاتا ہے۔ کسی سے ملوانا ہے۔"

وہ اب اس کا ہاتھ پکڑے کرے کے دروازے کی طرف چارہا تھا۔

"کس سے ملوانا ہے؟"

"ایک دوست سے۔" وہ مسکرایا۔ علیزہ کچھ حیران ہوئی۔ اس سے پہلے عمر نے کبھی اسے اپنے کسی دوست سے ملوانے کی کوشش نہیں کی تھی اب یک دم ایسا کون سا دوست آ گیا ہے جس سے ملوانا وہ ضرور سمجھ کر رہا تھا۔

"میں کپڑے پہنچ کر لوں۔" اس نے ہنسنے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ کھینچنے لگا۔

"ہالوں میں برش تک نہیں کیا ہے میں نے۔" علیزہ نے احتجاج کیا۔

"یار! تمہیں ضرورت ہی نہیں ہے برش کی، تم اس طرح بھی بہت خوبصورت لگتی ہو۔" وہ اب کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔

"یہ دوست کہاں سے لائے ہیں؟" علیزہ نے جس کے عالم میں پوچھا۔ عمر کچھ کہنے کے بجائے پراسرار انداز میں مسکرایا۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی علیزہ ٹھٹھک گئی۔ اس کے بالکل سامنے صوف پر نانو کے ساتھ ایک فیر کی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی عمر تیس چوبیس سال کی اور اس کے نقوش خاصے تھے، بلیک ٹراؤزر اور سفید ٹی شرٹ میں لیوٹس وہ اس وقت لاؤنج کی سب سے نمایاں چیز تھی۔

علیزہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

"آؤ ڈا علیزہ! راک کیوں مٹی ہو؟"

عمر اب اس سے انگلیں میں غائب تھا۔ اس لڑکی نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر ایک خوبصورت مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ علیزہ نے کچھ شخصیات نظروں سے گزر کر دیکھا اور پھر آگے بڑھ آئی۔

"علیزہ ہے، ہماری کزن اور علیزہ! یہ جوڑھ ہے میری بہت اچھی دوست۔"

عمر نے ان دونوں کا تعارف کروایا۔ علیزہ نے کسی رکی سرکاش کے بغیر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ جوڑھ نے اس سے ہاتھ نہیں ملایا۔ وہ چند لمحوں آگے بڑھی اور بڑی سے تنگنی کے ساتھ اس نے علیزہ کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا گال چوم لیا۔ علیزہ اس کی گرم جوشی پر بے اختیار ہنسی۔

عمر نے اس کا گال چوم لیا۔ علیزہ اس کی گرم جوشی پر بے اختیار ہنسی۔

عمر نے اس کا گال چوم لیا۔ علیزہ اس کی گرم جوشی پر بے اختیار ہنسی۔

عمر نے اس کا گال چوم لیا۔ علیزہ اس کی گرم جوشی پر بے اختیار ہنسی۔

عمر نے اس کا گال چوم لیا۔ علیزہ اس کی گرم جوشی پر بے اختیار ہنسی۔

عمر نے اس کا گال چوم لیا۔ علیزہ اس کی گرم جوشی پر بے اختیار ہنسی۔

"کیسی ہو علیزہ؟" وہ اب پوچھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" اس نے کہا۔

علیزہ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ اسے کیا توقع کر رہی تھی۔ وہ یک دم ہرج ہرج میں دلچسپی کھو بیٹھی تھی چہرے پہلے تک عمر کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ جتنی خوش ہوئی تھی۔ اب اس خوشی کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

جڑو تھاب داہن کاٹو کے ساتھ صوف پر بیٹھ گئی تھی۔ علیزہ کچھ تھکتے ہوئے ایک دوسرے صوف پر بیٹھ گئی۔ عمر اب جڑو تھاب کا تعارف کر رہا تھا۔

"ہماری دوستی دس سال پرانی ہے۔ جڑو تھاب اور میں ایک ہی اسکول میں جاتے رہے ہیں، پھر کیلی فورنیا

یو تھریٹی میں بھی یہی صبرے ساتھ ہی رہی۔"

علیزہ کو اس کے تعارف میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ عمر کے چہرے پر نظروں جمائے بیٹھی رہی۔ وہ پچھلے کئی ماہ سے وہاں تھا اور اس سارے عمر کے دوران اس نے ایک بار بھی جڑو تھاب کا ذکر نہیں کیا اور اب وہ بتا رہا تھا کہ وہ پچھلے دس سال سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، علیزہ کا دل چاہا کہ وہ اب کچھ کہیں سے چلی جائے۔ مگر وہ خود پر ضبط کے وہاں بیٹھی رہی۔

"مگر تمہارا بہت ذکر کرتا ہے۔" علیزہ ابھی تمہارے لئے اچھین سے داہن چلے آئے ہیں۔ وہ بہت پریشان تھا تمہارے لئے۔" جڑو تھاب اس سے کہہ رہی تھی۔ علیزہ کو کوئی فرقی نہیں ہوئی۔

"تو یہ وہ ضروری کام تھا جس کے لئے عمر بار بار داہن امریکہ جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی دس سال پرانی گمل فرینڈ اور یہی وہ دوست تھے جن کے ساتھ وہ اسپین گیا تھا علیزہ کو یقین تھا جڑو تھاب کے علاوہ وہ کسی دوسرے کو اسپین لے کر نہیں گیا ہوگا۔ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی اسے جڑو تھاب پر رنگ آ رہا تھا یا اس سے حسد ہو رہا تھا یا پھر وہ اس سے نفرت کرنے لگی تھی۔

"مجھے خیر انداز ہے یہ نانا میں سونے جا رہی ہوں۔"

جڑو تھاب کی لمبی چوڑی ہنسنے کے جواب میں علیزہ نے اٹھتے ہوئے صرف یہی کہا، جڑو تھاب نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا، شاید اسے علیزہ سے اتنے سرسہری کی توقع نہیں تھی۔

عمر نے گہری نظروں سے علیزہ کو دیکھا وہ اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"علیزہ! انجھو کچھ درپاس کر رہے ہیں۔" عمر نے اسے دسکے کی کوشش کی۔ وہ رکی نہیں۔

"مجھے خیر انداز ہے یہ مجھے سنا ہے۔" وہ اب عمر کا چہرہ دیکھتے بغیر لاؤنج سے نکل گئی۔

لاؤنج میں چھوٹوں کے لئے ایک عجیب سی خاموشی چھا چکی تھی۔

پھر عمر نے اس خاموشی کو توڑا۔ "میں تمہاری دیکر آتا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جڑو تھاب سے کہا وہ

جواباً کچھ بولے بغیر نکل گئی۔ عمر کے سر سے نکل گیا۔

علیزہ کے کمرے پر دستک دے کر اس نے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ وہ لاکھ

علیزہ کے کمرے پر دستک دے کر اس نے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ وہ لاکھ

علیزہ کے کمرے پر دستک دے کر اس نے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ وہ لاکھ

علیزہ کے کمرے پر دستک دے کر اس نے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ وہ لاکھ

تھا۔ وہ رک گیا۔ اس نے ایک بار جھرواڑے پر دستک دی۔ اس بار اس نے علیزہ کا نام پکارا۔
علیزہ نے اپنے دروازے پر ہونے والی دستک کی اور اس کی آواز بھی پہچان لی مگر وہ اسی طرح خاموشی
سے اپنے بیڈ پر لیٹی رہی۔ اسے اس وقت عمر بے ہوشا غصہ آ رہا تھا۔
عمر نے دوبارہ دروازے پر دستک دی۔

”میں سو رہی ہوں، آپ مجھے ڈسٹب نہ کریں۔“ اس بار عمر نے علیزہ کی آواز سنی۔
”تم اتنی جلدی کیسے کر سکتی ہو؟ وہ بھی کھانا کھائے بغیر۔“ عمر نے بلند آواز میں کہا۔
”مجھے کھانا نہیں کھانا، مجھے ہموک نہیں ہے، اب آپ جا سکیں۔“

”میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ کر آجین سے آیا ہوں اور تم میرے ساتھ اس طرح Behave کر رہی
ہو۔“ عمر نے شکایت کی۔

”آپ کچھ بھی چھوڑ کر نہیں آئے۔ آپ سب کچھ ساتھ لے آئے ہیں۔“

علیزہ نے بے اختیار کہا اور جواباً اس نے عمر کی بے ساندہ لمسی سنی۔
”تم جو تھک کی بات کر رہی ہو؟“ علیزہ کو اب خود پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ
فوری طور پر اپنی بات کے ازالے کے لئے کیا کہے۔ وہ خاموش رہی۔
”جہیں اس کا آنا چاہئیں لگا؟“

وہ اب بھی چپ رہی۔

”علیزہ! میں تم سے بات کر رہا ہوں“ وہ اب بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔

”اسے داپس بھجا دوں؟“ وہ اب ہنسنے لگا۔

”ٹھیک ہے، میں اسے داپس بھجا دیتا ہوں۔“

اسے اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ دروازے کے باہر اب خاموشی تھی۔



باب ۴۰

علیزہ کا پاؤں بے اختیار بریک پر پڑا اور گاڑی رک گئی۔ علیزہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ان میں سے ایک
لاکھا گاڑی کا ناز بدل رہا تھا اور شاید وہ اسی وجہ سے وہاں رکے تھے۔ ورنہ اس طرح وہاں نہ رکتے۔ علیزہ نے ان
لوگوں کے چہرے پر ایک دم حیرت دیکھی اور پھر انہوں نے اسے اور اس کی گاڑی کو پہچان لیا۔ جب تک وہ گاڑی کو
ریورس کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ تینوں بھاگتے ہوئے اس کی گاڑی کے پاس آ گئے۔

علیزہ نے تیزی سے دروازے کو لاک کیا۔ کمزری کا شیشہ پہلے ہی اوپر تھا۔ وہ تینوں اسی کے دروازے کی
طرف آئے تھے۔ سڑک اتنی چوڑی نہیں تھی کہ وہ اس پر گاڑی کو موڑ سکتی۔ اسے گاڑی کو مسلسل ریورس کرنا تھا۔ جب
تک کہ وہ اس کی بجلی سڑک تک نہ پہنچ جاتی جہاں سے اس نے ٹرن لیا تھا۔

وہ لڑکے اب اس کی گاڑی کے دائیں طرف والے دونوں دروازوں کے چنڈیوں پر ہاتھ رکھے انہیں کھولنے
کی کوشش کر رہے تھے۔ اس میں ناکا کی پر انہوں نے کمزری کے شیشوں پر ہاتھ مارنے کی شروع کر دیے۔

علیزہ بے حد خوفزدہ تھی، اسے لگ رہا تھا جیسے کمزری کا شیشہ ابھی ٹوٹ جائے گا۔ اس کا ہاتھ بری طرح
کاپ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے زندگی میں کبھی گاڑی نہیں چلائی۔ وہ بالکل بھول چکی تھی کہ اس کا کون
ساحب کہاں ہونا چاہئے۔ وہ خوف کے عالم میں اپنی کمزری کے شیشے پر ان کے ہاتھ دیکھنے لگی۔

جب ہی ان میں سے ایک لڑکے کی نظر اس کی برابر والی سیٹ کے دروازے پر پڑی۔ علیزہ نے اسے کچھ
کہتے ہوئے ادھر اشارہ کرتے دیکھا اور پھر ان تینوں کو اپنا تک گاڑی کی دوسری طرف لپکتے دیکھا علیزہ نے بے اختیار
دوسری طرف دیکھا اور اس کے منہ سے نیچ نکلی۔ دوسری کمزری کا شیشہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بجلی کی طرح دوسری سیٹ پر
آتے ہوئے تیزی سے شیشہ چڑھانے لگی۔ مگر وہ لوگ وہاں پہنچ چکے تھے۔ علیزہ نے ایک ہاتھ لاک پر رکھ دیا۔ ان
میں سے ایک لڑکا کمزری کے اندر ہاتھ ڈال کر لاک سے اس کا ہاتھ ہٹانے لگا۔ آدھا شیشہ اوپر چا چکا تھا۔ علیزہ نے
لاک سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ وہ پوری قوت سے شیشہ اوپر کرتی رہی۔ اس لڑکے نے اپنے ہاتھوں کے ناخنوں سے اس
کے ہاتھ کو بری طرح ڈنکی کیا۔ علیزہ نے اپنا ہاتھ پھر بھی نہیں ہٹایا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ ہر قیمت پر وہاں سے

بتا دینا چاہتا تھا۔

گاڑی کا شیشہ اتار دیا اور چاکا تھا کہ وہ بازو کے علاوہ خود اندر نہیں آسکتا تھا۔ مگر اب علیہ کو مڑی کا شیشہ پوری طرح بند نہیں کر سکتی تھی۔ اس لڑکے نے یک دم لاک پر رکھے ہوئے اس کے ہاتھ کو چھوڑ دیا اور اس ہاتھ سے اس کے چہرے پر مکا مارا۔ وہ ایک بیچ کے ساتھ پلٹ کر دوسری سیٹ پر گری۔ مگر ایک بار پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس لاک پر رکھ دیے۔ سر بیچے جھکا کر اس نے اس کے مزید کسی جملے سے بچنے کی کوشش کی۔ اس کے چہرے میں شدید تکلیف ہو رہی تھی اور وہ اب روئے ہوئے خوف سے بیچ رہی تھی۔

وہ ان کی آواز میں سن رہی تھی۔ وہ لڑکا اب دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

”میں اس کے ہال پہنچے ہوئے اسے لاک سے پیچھے کرتا ہوں۔ تم اپنا ہاتھ اندر ڈال کر لاک کھول دینا۔“ علیہ نے سر اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا۔ وہ گردن موڑے تیز آواز میں اپنے پیچھے مڑے دوسرے لڑکے سے مخاطب تھا۔ اس کا بازو کو مڑی کے اندر تھا اور اس وقت وہ بالکل مساکت تھا۔ علیہ نے نکلنے کی تیزی کے ساتھ اس کے بازو پر اپنے دانت جوا دیئے۔ وہ جتنے زور سے اسے کاٹ سکتی تھی، اس نے قاتلہانہ اس لڑکے نے ایک بیچ باری اور تیزی سے اپنا بازو گاڑی سے نکال لیا۔

اس نے جیستھر کہ دوسرا لڑکا آگے بڑھتا۔ علیہ نے شیشہ بند کر دیا۔ اس نے ان لڑکوں کو گالیاں دیتے سنا۔ وہ روئے ہوئے اپنی سیٹ پر واپس آئی اور اس نے گاڑی اشارت کر کے اسے رپورس کرنا شروع کر دیا۔

وہ لڑکے اب اس کی گاڑی کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ علیہ نے یک دم انہیں رکتے دیکھا۔ وہ گاڑی رپورس کرتی رہی اور پھر اچانک اس نے ایک لڑکے کو جبکہ گردن میں سے کچھ اٹھاتے دیکھا۔ جب وہ سیدھا ہوا تو علیہ نے بے اختیار بیچ باری۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چتر تھا اور وہ جان چکا تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتے تھے۔

وہ لڑکا ایک بار پھر دوڑتا ہوا گاڑی کی طرف آ کر علیہ سے اسے دھڑا کر دیا اور علیہ نے اسے پھرا ہوا سنا۔

اس نے آٹھ گھنٹیں بند کر لیں اسے ایک دھماکے کی آواز سنائی دی اور اپنے چہرے اور لباس پر شیشے کی چرباں لگی محسوس ہوئیں۔ دھڑا کر سن کر ٹوٹ چکی تھی مگر خوش قسمتی سے وہ پھرا سے نہیں لگا تھا۔ وہ گاڑی رپورس کرتی رہی۔ بائیں بازو اٹھا کر اس نے اپنے سامنے کی ٹوٹی ہوئی اسکرین کو آٹھ گھنٹیں کھولے بغیر محسوس کیا۔ اسے خوف تھا کہ آٹھ گھنٹیں کھولنے پر ہوا سے انڈر کوئی کریمبی اس کی آنکھوں میں جا سکتی ہے مگر اسکرین مکمل طور پر ٹوٹ چکی تھی۔

جس وقت اس نے آٹھ گھنٹیں کھولیں۔ اس وقت وہ لڑکے خامی دور سر پر رہتے خوش قسمتی سے گاڑی سرک پر ہی رہی تھی، اور پیچھے کسی چیز سے نہیں ٹکرائی۔ مگر وہ سرک گزر چکی تھی جس پر وہ مڑنا چاہتا تھا۔ وہ گاڑی رپورس کرتی رہی۔ آگے کی طرف جانا بے کار تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کسی طرح بھی ان لڑکوں کے قریب جائے۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ ایسی طرح گاڑی رپورس کرتی جائے گی اور آگے والی سرک پر مڑ جائے گی۔

اس کا خوف اتنا قدرے کم ہو گیا۔ وہ لڑکے اب بہت دور درہمچے تھے۔ مگر وہ اب بھی انہیں سرک پر دیکھ سکتی تھی، اور جب ہی اچانک اس نے کڑے ان لڑکوں کو پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے دیکھا۔ علیہ کا سانس رکنے لگا۔ ان

لڑکوں کی گاڑی اب اس کی طرف آ رہی تھی۔ یقیناً اس لڑکے نے جائزہ لیا کہ کیا تھا اور اب وہ گاڑی کو ان لڑکوں کی طرف لارہا تھا اور اس کے بعد۔۔۔۔۔

وہ جانتی تھی، وہ اس کے بعد کیا کرتے۔ وہ ایک بار پھر اس کے پیچھے آئے اور اس بار وہ ان سے کسی طرح جان نہیں چھڑا سکتی تھی۔

وہ اب گاڑی پر سوار ہو رہے تھے اور علیہ جانتی تھی کہ چند لمحوں کے بعد وہ اس کے سر پر ہوں گے۔ اس نے دعائیں پڑھتے ہوئے گاڑی کی اسپینڈیکم پر ہوا دیا۔

اور پھر اچانک اسے سرک نظر آ گئی۔ کیڑے بدلتے ہوئے اس نے گاڑی کو اس سرک پر ڈال دیا۔ وہ بھی ایک ذیلی سرک تھی مگر اب علیہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون سی سرک ہے۔ اسے واحد تلی یہ تھی کہ گاڑی اب رپورس کیم میں نہیں گئی اور وہ تیز رفتاری سے اسے چلا سکتی تھی مگر سامنے سے آتی ہوئی آٹھ گھنٹیں بند کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

جب ہی اس نے سامنے مڑے ان لڑکوں کو اس روڈ پر ٹرن لیتے دیکھا۔ اس نے ہونٹ میچھ لے لیے۔ وہ گاڑی بہت تیز رفتاری سے اس کے قریب آتی جا رہی تھی۔ علیہ نے بہت تیزی سے ایک اور ٹرن لیا۔ جون جون وقت گزر رہا تھا۔ اس کے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے۔ اسے اعزازہ ہونے لگا کہ وہ بہت تیز رفتاری سے کال نہیں چلا سکتی کیونکہ ٹوٹی ہوئی دھڑا کر سننے سے آئے والی ہوا کے جھیرے اسے سرک پر کچھ بھی دیکھنے نہیں دے رہے تھے۔ وہ سرک میں دیران نہیں۔ سامنے سے کوئی فریک نہیں آ رہی تھی۔ اس نے وہ کسی نہ کسی طرح ان پر گاڑی چلا رہی تھی۔ مگر وہ جب بھی مین روڈ پر پہنچتی وہ کسی نہ کسی حادثے کا شکار ضرور ہو جاتی۔ وہاں وہ اس طرح آٹھ گھنٹیں کھولے بند کرتے گاڑی نہیں چلا سکتی تھی۔

وہ پھر بھی مین روڈ پر جانا چاہتی تھی، اس کا خیال تھا وہاں جا کر وہ گاڑی روک کر سرک پر اتر جائے گی اور مدد ملے گی۔ وہ جانتی تھی کہ کتنی فریک اندر لوگوں کے درمیان وہ لڑکے اس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اسے اب اپنی اور شیشہ کی حفاظت کا احساس ہو رہا تھا۔ انہیں ان لڑکوں سے جان چھڑانے کے لئے کسی بھی چوک میں تعینات فریک کا فیشل کے پاس گاڑی روک دینی چاہئے تھی۔ وہاں فریک کا فیشل اندر لوگ کسی نہ کسی طرح ان کی مدد کر سکتے تھے۔ اس کی دوسری حفاظت یہ تھی کہ ایک بار شیشہ کا گھر چھٹنے کے بعد اس نے دوبارہ اکیلے نکلنے کی غلطی کی۔

”میں اس کے ڈرامیڈر کے ساتھ کیوں نہیں آئی یا اپنی گاڑی وہاں چھوڑ کر میں اس کی گاڑی لے آتی۔ کم از کم یہ لوگ گاڑی کو کتنی جلدی سے نیچا لیتے۔“ وہ خود کو کہہ رہی تھی۔

ایک ذیلی سرک سے دوسری ذیلی سرک پر مڑے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بری طرح اس علاقے میں جھنسنجھا ہے۔ وہ یہ تک نہیں سمجھتا کہ اسے یہی سرک پر ہے۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ گاڑی کی ٹنگی میں زیادہ پتھر نہیں تھا اور گاڑی کسی بھی بند ہو سکتی تھی یا اس طرح پکڑ لگے تھے اس کا جائزہ نہیں ہوا تھا تو۔۔۔۔۔

آواز میں چلا رہا تھا۔ علیہ وہ بھاگتی ہوئی اگلے دروازے پر پہنچی اور چنڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھول دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کمرے کے اندر تھی۔ اس نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ کی ہول میں لگی ہوئی چابی اس نے گھما کر دروازے کو لاک کر دیا اور اس کے بعد اوپر لگا ہوا پلٹ چڑھا دیا۔

وہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور اس کی لائٹ آن تھی۔ سڑکی سلٹوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہاں چند لمبے پہلے کوئی سویا یا لینا ہوا تھا مگر اب وہاں کوئی بھی نہیں تھا اور جب ہی اس کی نظر بڑبڑانہ نیل پر رکے ہوئے فون پر پڑی۔ اکڑے ہوئے تانس اور پیٹنے سے جیسے ہوئے وجود کے ساتھ وہ جیل کی طرح فون پر جھنپئی، اس نے برق رفتاری سے ریسیور اٹھا کر شہلا کا نمبر لانا شروع کر دیا۔ اسے پیرھیوں پر کسی کے ہاتھ قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ لوگ یقیناً اب اوپر آ رہے تھے۔ اس کا سانس رکنے لگا۔ وہ کسی بھی لمحے اس تک پہنچنے والے تھے تیل ہو رہی تھی مگر کوئی بھی ریسیور نہیں اٹھا رہا تھا۔

"یا اللہ..... یا اللہ..... اللہ کے واسطے فون اٹھاؤ۔" وہ التجائیہ انداز میں بڑبڑانے لگی اور جب ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو!" اس نے شہلا کی آواز سنی مگر اس سے چشمہ کر کہ وہ بولتی، اس نے ساتھ والے دروازے پر کسی کو فون کر مارے سنا اور پھر کوئی بلند آواز میں گالیاں دیتے ہوئے اسے دروازہ کھولنے کے لئے کہنے لگا۔

"شہلا! میں علیہ ہوں۔" اس نے اکڑے ہوئے سانس کے ساتھ سرگوشی میں کہا۔ وہ ابھی اس کا دروازہ نہیں بجا رہے تھے اور وہ چاہتی تھی کہ انہیں یہ شک نہ ہو کہ وہ اس کمرے کے بجائے ساتھ والے کمرے میں ہے۔

"علیہ؟ تم..... تم کمرہ کتنی ہو؟" شہلا نے دوسری طرف سے اس سے پوچھا۔

"میں گھر نہیں پہنچی ہوں"

"کیوں اور تم اتنا آہستہ کیوں بول رہی ہو؟" شہلا کی آواز میں حیرت تھی۔

"شہلا پلیز! اس وقت کوئی سوال مت کر صرف میری بات سنو۔ میں معصیت میں ہوں، وہ لوگ میرے پیچھے آئے تھے۔ اسے ایک گھر میں گھس گئی ہوں اور ایک کمرے سے جھپٹ فون کر رہی ہوں۔ وہ لوگ ابھی اندر آ چکے ہیں۔

اور اب ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں....." اسے دوسری طرف سے شہلا کی چیخ سنائی دی۔

"پلیز! پلیز میری مدد کرو..... وہ مجھ تک پہنچ جائیں گے۔" علیہ کی ہمت جواب دے گئی وہ رونے لگی۔

"تم کہاں ہو.....؟" کسی کمرہ میں ہو؟

"مجھے کچھ بتاؤ نہیں..... مجھے کچھ بتائیں..... مگر میں تمہارے ہی علاقے میں ہوں۔"

"نہیں..... نہیں....." وہ گڑگڑائی اور جب ہی اس نے اپنے کمرے کے دروازے کے باہر ایک آواز سنی۔

"مجھے کسی کمرے کے اندر داخل ہو جانا چاہئے۔" کسی بھی کمرے کے اندر..... اور پھر ان سے مدد ملتی چاہئے۔" اس نے یک دم فیصلہ کر لیا۔ علیہ نے کار چلائے ہوئے اب کمروں کے گیٹ دیکھنے شروع کر دیے اور پھر ایک موڑ ہوئے وہ گاڑی ایک گھر کے کھلے گیٹ کے اندر لے گئی۔

وہ گاڑی روکے بغیر سیدھا پورچ میں لے گئی اور وہاں کھڑی گاڑی کے پیچھے اسے روک دیا۔ اس نے اپنے پیچھے گیٹ کی طرف سے آتے ہوئے چوکیدار کو چلائے سنا۔

علیہ نے برق رفتاری سے کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ "گیٹ بند کر دو۔" اس نے چلا کر چوکیدار سے کہا مگر وہ اس کی طرف آتا رہا۔ اسے اچانک خوف محسوس ہونے لگا کہ لڑکوں کی گاڑی بھی اسی طرح کھلے گیٹ سے اندر آ سکتی ہے۔ اگر انہیں یہ شک ہو گیا کہ یہ اس کا اپنا گھر نہیں ہے تو۔

"گیٹ بند کر دو۔" کچھ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔" وہ بلند آواز میں چلائی پھر جب ہی اسے اندازہ ہوا کہ چوکیدار اس کی بات سن نہیں پا رہا۔ وہ خاصا دور تھا اور مسلسل اس کی طرف آ رہا تھا۔

"مجھے خود بھاگ کر گیٹ بند کر دینا چاہئے۔" اس نے سوچا اور ایک قدم بڑھایا اور میں اس وقت اس نے کھلے گیٹ کے سامنے سرک پر ایک گاڑی کو آہستہ آہستہ روکے ہوئے دیکھا۔ وہ چاروں گاڑی میں بیٹھے ہوئے گردنیں موڑے اندر کا جائزہ لے رہے تھے اور علیہ اس کے بالکل سامنے تھی۔ اس نے پلٹ جھپٹنے میں ان کو گاڑی روکے اور پھر فوراً سا پیچھے ہٹے دیکھا اور وہ جان چکی تھی کہ وہ لوگ گاڑی اندر لانے والے ہیں۔

دوسرے کمرے کے اندر دوسری دروازے کی طرف بھاگی اور اسے کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

وہ اس کمرہ کا لاؤنج تھا۔ علیہ نے ایک گھومت کو پیچھے سنا۔ اس نے اس عورت کو توجہ دینے بغیر پلٹ کر اس دروازے کو بند کیا اور اسے لاک کرنے کی کوشش کر نے لگی۔ اسے ایک لمبی اس اندازہ ہو گیا کہ وہ دروازہ لاک نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی چابی لاک ہول میں نہیں تھی۔ دروازے پر کوئی جتنی بھی نہیں تھی۔

علیہ نے مڑ کر لاؤنج میں دیکھا۔ وہاں ایک عورت اور مرد جوان باہتے آدھے کچے رہے تھے۔

"کون ہو تم، اندر کیوں آئی ہو؟" مرد چلایا۔

"پلیز مجھے چھوٹا کر۔" میرے پیچھے کچھ لوگ آئے ہیں، وہ اندر آ رہے ہیں۔" وہ ان بیڑیوں کی طرف بھاگتی ہوئی بولی۔

جس نے لاؤنج میں دیکھی تھیں۔ پلٹ جھپٹنے میں وہ بیڑیوں پر تھی۔

"نہیں، تم ہمارے کمرے سے جلی جاؤ۔" گلو کہاں سے۔" وہ مرد کہہ رہا تھا۔ مگر علیہ نے اس سے ان کے باہر کچھ بھاگتے قدموں کی آواز سن لی تھیں اور وہ جاتی تھی کہ لاؤنج کا دروازہ کسی بھی وقت کھل سکتا ہے۔

برق رفتاری سے بیڑیاں پھلا گئے ہوئے وہ اوپر کی منزل پر آئی اور ایک کمرہ پر ڈیر میں داخل ہوئی۔ وہاں کچھ کمرہ کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ اس نے پہلا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ نہیں کھلا، وہ لاکڑہ تھا۔

جب ہی اس نے لاؤنج میں شور سنا۔ وہاں بہت سے لوگوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مرد اب بلند

370

”مجھے لگتا ہے، وہ یہاں ہے۔ اس کمرے کی لائٹ آن ہے۔ نیچے جا کر جاہاں لاؤ۔“

”شہلا..... شہلا! وہ میرے کمرے تک پہنچ گئے ہیں۔“ اس نے روتے ہوئے اسے بتایا۔

”مہی.....! مہی.....! موبائل سے پولیس کا نمبر ملائیں..... مہی! موبائل سے پولیس کا نمبر ملائیں۔“ اس نے

شہلا کو چلا کر اپنی مٹی کو ہدایت دیتے سنا۔

ابن دروازے پر ٹھوکر مار مار رہی تھیں۔ دو گالیوں کی آوازیں سن رہی تھی۔ علیزہ کھٹی ہوئی آواز میں رورہی تھی۔

”علیؑ.....! علیؑ.....! فون بند مت کرنا۔ ہم کال ٹریس کروا رہے ہیں۔ دیکھو تمہارا مت۔“ وہ شہلا کی آواز سن رہی تھی۔ وہ بھی اب روری تھی۔

”علیزہ!.....! علیزہ!.....!“ اس نے ریسور پر اب شہلا کے بھائی فاروق کی آواز سنی۔

”فاروق..... دروازہ ٹوٹنے والا ہے۔ وہ اندر آ جائیں گے، وہ ابھی اندر آ جائیں گے۔“ وہ ایک دم بلند
وازیں چلا اٹھی۔ دروازہ اب واقعی اتنی بری طرح دھڑ دھڑایا جا رہا تھا کہ یوں لگتا تھا کہ کبھی کبھی لمبے ٹوٹ کر بچے گر
اے گا۔

”علیہ و کرمے میں ہاتھ دم دیکھو..... وہاں اگر ہاتھ دم ہے تو اس کے اندر جاکر دروازہ بند کر لو اور سرے کی لائٹ آف کر دینا۔ فون اگر ہاتھ دم کے اندر ہے جاسکتی ہو تو لے جاؤ اگر تاریکی نہیں ہے تو پھر فون اٹھا کر کے پیچھے چھوڑا کرو فون بند کرنا۔“ قادیانہ آواز میں اسے جرات دینے لگا۔

”ہم کال ٹریس کر لیتے ہیں۔ ہم ابھی تم تک پہنچ جائیں گے۔ تمہارا مات..... روڈ مت۔“

”مجھے ایک دروازہ نظر آ رہا ہے۔ وہ ہاتھ زوم کا ہی ہوگا۔“

”تم وہاں چلی جاؤ۔۔۔ اور اندر جا کر دیکھو، وہاں کوئی ایسی چیز ہے جسے تم اپنے دفاع کے لئے استعمال کر سکتے ہو اور مجھے یہ بتاؤ تم جس گھر کے اندر مٹی ہو کیا گاڑی لے کر گئے ہو۔“

”ہاں۔۔۔ دروازے پر کوئی چیز ماری گئی تھی۔ علیہ کے ہاتھ سے رسیدر گر پڑا۔ دروازہ بری طرح ہلا تھا۔ وہ گئے ہوئے ہاتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور پورٹ چلا ہلا۔“

باتھ روم میں ایک نظر دوڑاتے ہی اسے اپنے ہاگل سامنے ایک اور دروازہ نظر آیا۔ وہ باتھ روم بقیہ دو
 وں کے درمیان تھا اور وہ کمرہ وہی تھا جس نے سب سے پہلے کھولنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بند تھا۔ اس نے
 دروازے سے دو دروازہ کھولا اور اس کے ملحق سے چل نکلی۔

کمرے میں سولہ سترہ سالہ ایک لڑکا نائٹ روٹس میں اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ وہ بھی اسے دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ کمرے میں نائٹ بلب جلا ہوا تھا اور ہاتھ روٹم کے کھلے دروازے کی روشنی نے صرف اتنی جگہ کو لیا تھا جہاں وہ کھڑا تھا۔

”آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آئی ہیں؟“ غلیو کو فرمایا اعداء وہم گراہ وہم گراہ کہہ کر اسے قتل کر دیا۔

کچھ دیر پہلے ہی اپنے دروازے پر پڑنے والی ٹھوکروں سے غوروار ہو کر اٹھا ہو گا مگر اس نے دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں کی اور بحر شادی ہاتھ روم میں ہونے والا شور سن کر وہ ادھر آ جا ہو گا مگر کسی نے علیہ اس ہاتھ روم سے باہر نکل آئی۔

میں نے اس کے ساتھ ساتھ دوسرے ایک اور شخص کو بھی بند کر دیا۔ "پلیئر میری مدد کرو..... یہ لوگ مجھے پکڑنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کمرے کا دروازہ ڈھونڈ رہے ہیں اور اس کے بعد وہ اس ہاتھ روم کے دروازے کو توڑ کر یہاں آ جائیں گے۔" وہ اندھنہ رہے میں اس لڑکے کے سامنے روتے ہوئے گڑ گڑائی۔

”میرے پاپا اور مئی ٹھیک ہیں.....؟“ اس لڑکے نے اس سے پوچھا۔

”ہاں وہ تھیک ہوں گے، ان لوگوں کے پاس کوئی تھمیا نہیں ہے۔ انہوں نے انہیں نقصان نہیں پہنچایا ہو گا۔ صرف مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔“ وہ اب بری طرح دوری تھی۔

”میرے پاس موہاں ہے میں نے پولیس کو فون کیا ہے.....“ وہ لڑکا بات کرتے کرتے دک گیا۔ ایک دھماکے کی آواز آئی تھی۔ برابر والے کمرے کا دروازہ پھینکا ٹوٹ گیا تھا۔ وہ دونوں خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ہاتھ روم کا دروازہ اب دھڑھکیا جانے لگا تھا۔

”پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے۔“ وہ پوری طرح دھست زدہ ہو چکی تھی۔

اندھیرے میں آپ نظر نہیں آئیں گی یا آپ وہاں سے نیچے لان میں اتر گئیں تو..... مگر ہٹا نہیں یہ سکتے ہیں اگر نیچے لگتی ہوئی نہیں آپ بس پورچ کی چھت پر اتر کر وہاں چھپ جائیں۔ اگر یہ لوگ میرا دروازہ، حوض، حمام، بند نہ دیکھتے تو میں بھی وہیں چھپتا۔ یہ لوگ ابھی دروازہ توڑنے میں بہت دقت لیں گے۔ ہو سکتا ہے جب تک پولیس

آجائے۔ اگر پولیس نہیں بھیجتی آئی تب بھی میں ان لوگوں سے یہی کہوں گا کہ آپ میرے کمرے میں آئی نہیں اور مجھ پر
بمیرے کمرے کا دروازہ کھول کر چلی گئیں۔ اس کے نتیجے میں تھوڑی سی ہلکیاں کھولنے ہوئے کہا۔
”اس فحش بر رویہ کے اپنے گھر کا ایڈریس بتاؤ۔“ علیحدہ کنکری پر چڑھے ہوئے اس شہلا اور ناتو
کنمبر بتاتے اور لڑکے سے نرمالہ دیا۔

[illegible]

دو لڑکے اب اس کے آسے مل رہے تھے۔ کوٹری کے پاس پہنچ کر وہ بڑی جھپٹتی سے کوٹری پر چڑھ گئے۔
گھمبیر کو اتنا مزہ ہو گیا کہ کوٹری کو نہیں چڑھ سکتی۔ دو لڑکے اب نیچے ہاتھ لگائے ہوئے اس کی مدد کرنا چاہ رہا تھا۔
”نہیں“ میں نہیں چڑھ سکتی۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے ایک بار پھر کوچ کی سمت پر بیٹھ گئی۔ اس نے ان
لڑکوں کو کوٹری سے غائب ہوتے دیکھا۔ چند منٹوں بعد کوچ کی سمت سے ایک بڑی مٹی لٹائی گئی۔ عزیز کو ایک بار پھر
ایلا کے کا سر نظر آ گیا۔

”آپ یہاں سے آجائیں۔“ وہ لڑکا کہتے ہوئے نیچے اتر گیا۔ علیزہ نے سیزمی پکڑ کر نیچے جھانکا اور وہ بچے اترنے کی ہمت نہیں کر سکی۔

بچے بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ وہ ایک دم جھپٹ ہٹ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ میزمری پر پہلا قدم رکھنے ہی بچے مگر جائے گی۔ اس کے پیروں میں اتنی لرزش تھی۔

پھر اس نے نیچے سے کسی کو اپنا نام بکارتے سنا، ایک لمحہ میں وہ آواز پہچان گئی۔ وہ عباس حیدر تھا۔ انگل ایاز حیدر کا تیسرا بیٹا..... وہ بھی پولیس میں تھا اور لاہور میں ہی بیٹھو تھا۔

”صلیہ..... میں عباس ہوں۔ بچے آ جاؤ، گھبرانے کی ضرورت نہیں، سب کچھ ٹھیک ہے۔“ وہ بلند آواز میں اس کا نام پکارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر اسے بے تحاشا رونا آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ عباس کی شکل دیکھتے ہی وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائے گی بلکہ اس وقت اپنی فیملی کے کسی بھی شخص کو دیکھ کر وہ رونے کے علاوہ کچھ نہ کرتی۔ اس نے اپنے

”نہیں۔ اتنے لوگوں کے سامنے مجھے رونا نہیں ہے اور پھر میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا۔“ اس

نے دل ہی دل میں کہا اور نیچے جھانکا۔ عباس اب بیڑی پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ شاید وہ چرٹے کا سوچ رہا تھا مگر عزیز کو سو دھار ہوتے دیکھ کر وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”دیری کدو علیرہ..... آجاء ییچے۔“ اس نے اسے پکارتے ہوئے کہا۔ وہ ہونٹ بھیجنے کا پتہ نہ لے سکی۔

”تم ٹھیک ہو؟“ وہ نرم لہجے میں اس سے پوچھنے لگا۔

علیہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر سر ہلایا۔ وہ خود پر قابو رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اب ایس والوں کو ہدایت دے رہا تھا۔

وہ اس کے ساتھ چنپی ہوئی پوریج میں آگئی اور جب ایس نے ایک حصّہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور اس
سارا حوصلہ جواب دے گیا۔ وہ عمر تھا۔ عباس کے برعکس وہ یونیفارم میں نہیں تھا۔ اسے نیچے پاؤں دوپٹے کے بغیر

اور پھر ایک اس نے دور کہیں پولیس سٹیشن کی آواز سنی۔ اس کا ردکا ہوا سانس یک دم بھال ہونے لگا۔ اسے اندازہ تھا کہ سٹیشن کی آواز گھر کے اندر بھی جاری ہو گی، اور وہ چاروں لڑکے اب وہاں نہیں ٹھہریں گے۔ پھر ایک اسے احساس ہوا کہ سٹیشن کی صرف ایک آواز نہیں ہے۔ ایک سے زیادہ پولیس کی گاڑیاں سٹیشن جارہی ہیں۔ اس نے یک دم نیچے پورچ میں دروازہ کھلے اور دیکھ بھاری قسموں کی آوازیں سنیں۔ پھر اس نے ایک لڑکے کو کھانچ کر گیت کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ پورچ کی چھت پر سر نیچے کر کے لیٹی تھی۔

نیچے پورچ میں کوئی گاڑی اسٹارت ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گاڑی کے دروازے کی آواز سنی۔ اس نے پھر بھی کچھ نہیں اٹھائی۔ وہ وہیں کمرے سانس لینے ہوئے لیٹی رہی۔

پھر جیس اب یک دم کچھ اور آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس نے ایک عورت کی آواز سنی۔ علیزہ جان گئی کہ گھر کے افراد باہر نکل آئے تھے۔ وہ چاروں لڑکے یقیناً وہاں سے جا چکے تھے۔ علیزہ اب بھی اٹھنے کا ہر نہہر کر

ہوئی۔ اسے اپنا وجود بے جان لگ رہا تھا۔ اسے کچھ دیر پہلے کے واقعات پر یقین نہیں تھا۔ پہلی بار اسے اپنے بڑے اور ہاتھ میں تکلیف کا احساس ہونے لگا۔

علیہ نے آہستہ آہستہ اپنے کی کوکبش کی۔ اٹھ کر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنے گھٹنوں کے گرد بازو پلیٹ کر چھپا لیا۔ سائرن کی آوازیں اب بہت قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ شاگ کے عالم میں جہر گھٹنوں، منہ، حوا

اگلے دس منٹوں میں اس نے اس گھر کے بالکل سامنے پولیس کی ایک موپائل رکھتے ہوئے دیکھی۔ سائبرن

آواز کاوں کو پھانڑی کی۔ عزیز نے ایک نظر اس گاڑی پر ڈالی اور پھر گردن دو بارہ اپنے گھٹنوں میں پھنسا لی۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ اس نے اچانک اپنے قریب ایک آواز سنی۔ عزیزہ نے سر اٹھایا۔ اس کے سامنے

وکل کی کڑکیوں سے کو کر آئے تھے۔

”دو گولت پچے گئے ہیں.....“ پوچس اُٹھی ہے۔ خطرے والی کوئی بات نہیں۔ میرے مُمی، پاپا اور بہن بھائی لہکیک ہیں۔“ دو بڑی خوشی کے ساتھ اسے بتا رہا تھا۔

وہی اوّل پھر اس نے گردن موڑ کر باہر سوک دیکھی۔ گیٹ ایک بار پھر کھلا ہوا تھا اور سوک پولیس کی گاڑیوں سے

وہ کہہ سکتی تھی۔

میں۔ وہاں سرے میں چپے ہیں۔ اس لڑکے نے علیحدہ سے کہا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھ

پاس رکھ دیا۔

”پہلے تو ہاتھ مل جلتے ہیں، تمہاری فرسٹ ایڈ جیسٹ مل جائے۔ اس کے بعد پھر مگر چلیں گے۔ کرنی کو میں نے بتا دیا ہے تمہارے بارے میں..... اور شہلا تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ تم اسے کال کرو۔“ عمر نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ علیزہ نے ہنسنے لگی۔ انداز میں موبائل لے لیا۔

”جیک گاڈ تم ٹھیک ہو..... میری تو جان پر ہنی ہوئی تھی۔“ کال ملتے ہی شہلا نے اس سے کہا۔
”لوہی سے بات کرو۔“ علیزہ نے باری باری شہلا کی مٹی، پایا اور دونوں بہن بھائیوں سے بات کی۔ پھر اس نے فون بند کر کے عمر کی طرف بڑھ دیا۔

”علیزہ! میں تو تمہاری بہادری پر حیران ہوں۔“ جیسے تو پولیس میں ہونا چاہیے۔“ عباس خاصی شکستگی سے کہہ رہا تھا۔ علیزہ مسکرائی۔

”کیوں عمر.....! ہم لوگ تو اسے خواہ مخواہ ڈر پک سمجھتے تھے۔ مگر یہ تو خاصی جرأت مند خاتون ثابت ہوئی ہیں۔“
”نہیں۔“ میں نے تو بھی پولیس میں علیزہ کو بزدل نہیں سمجھا۔“ علیزہ اپنے بارے میں کی جانے والی شکوک کو دھکی کر بغیر سختی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ نہ اس کی جرأت سے متاثر ہوئے تھے اور نہ ہی اس نے اپنا کوئی کارنامہ کیا تھا۔ وہ صرف اسے جبراً اپ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہاتھ مل فرسٹ ایڈ کے بعد اسے کوئی انجکشن لگا دیا گیا۔ وہ واپس گاڑی میں آکر بیٹھی تو عمر نے اس سے کمانے کا پوچھا۔

”نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔“ علیزہ نے انکار کر دیا۔ ”میں صرف مگر چانا چاہتی ہوں۔“ اس نے کہا۔
گاڑی چلتے کے کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ لوگ اسے گھر نہیں لے جا رہے ہیں۔ عر خلاف عادت گاڑی بہت آہستہ چلا رہا تھا اور بار بار فنی ملوک پر گاڑی موڑ رہا تھا۔ وہ دونوں آدمیوں میں کوئی گفتگو نہیں کر رہے تھے۔ علیزہ کو اپنے اعصاب پر عجیب سا نشہ طاری ہو رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے کوئی سکون آور انجکشن دیا گیا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ عمر سے مگر نہ لے جانے کے بارے میں پوچھتی اس نے وائرلیس پر کوئی پیغام آتے سنا۔ عباس نے پیغام سننا شروع کر دیا۔

”جگلا کیا.....“ علیزہ یک دم چونک گئی۔ ”مگر دوڑو لے ہیں چار نہیں۔“ گاڑی کی ٹیئر بند ہی دہی ہے..... تو ٹھیک ہے یہ وہی ہوں گے۔ تم لوگوں نے ان سے ہائی دو کا پوچھا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ وہی تھے۔ ان دونوں نے ہائی دو کو ڈراپ کر دیا ہوگا۔ وہ ان جیسے رہے ہیں، تو سناؤ، پوچھو ان سے، کہہ دو کہ آئے ہیں ہائی دو کو۔“ نہیں پولیس اسٹیشن نہیں لے کر جانا۔ ہم لوگ وہیں آتے ہیں۔“ عباس نے وائرلیس بند کر کے ہوتے عمر سے کہا۔

”گاڑی بکڑی ہے مگر اس میں دوڑو لے ہیں اور وہ یہ مان ہی نہیں رہے کہ انہوں نے کسی کا تعاقب کیا ہے نہ ہی یہ مان رہے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ میرا خیال ہے ان لوگوں نے اس چیز کو پہلے ہی درک آؤت کر

لیا ہے اور ان دونوں کو ان کے گھر ڈراپ کر دیا ہے۔“ عباس نے ابھی بات ختم کی تھی کہ وائرلیس پر دوبارہ پیغام آنے لگا۔

”کچھ بتا چلا..... کیا کہہ رہے ہیں۔“ اچھا..... ہاں..... جس نے اپنا تعارف کروایا ہے، سب سے پہلے اس کی گھمائی کر دو اور ہاتھ مل لے کر ہو کر کرو۔“ عباس نے اور کہتے ہوئے بات ختم کر دی۔

”حرام زادہ! اپنے باپ کا تعارف کر دو اور ہاتھ مل لے۔“ جیسیر آف کا مرس کا داکٹر پینڈیٹ ہے۔“ علیزہ نے اس بار ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی۔

”آپ مجھے مگر کیوں نہیں چھوڑ رہے؟“

”علیزہ! وہ جیسیر ہم وہیں لے کر جا رہے ہیں۔ ایک تو تم ان چاروں کو شناخت کرنا، دوسرا اس کے بارے میں بتانا جس نے جیسیر مارا تھا۔“ عمر نے اس سے کہا۔

”یہ کام میں بیچ کر لوں گی۔“ بیچ آپ مجھے پولیس اسٹیشن لے جائیں لیکن ابھی میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں ان لوگوں کا سامنا کرنا نہیں چاہتی۔“ علیزہ نے بے بسی سے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے۔“ عمر نے گاڑی کی اسپیل کی دم بڑھا دی۔

علیزہ کا خیال تھا کہ وہ اسے ٹافو کے پاس لے کر جا رہا ہے مگر ایسا نہیں تھا۔ دس منٹ بعد انہوں نے ایک بہت پوش علاقے کی ایک ویران سڑک پر ایک پولیس موبائل کے پاس گاڑی روک دی۔ علیزہ کا خون خشک ہونے لگا۔ اس نے موبائل سے کچھ قائلے پر مگر کی گاڑی پہچان لی تھی۔ وہ ان ہی لوگوں کی گاڑی تھی مگر اس وقت وہ خالی تھی۔

عباس اور عمر گاڑی سے اتر گئے۔ وہ موبائل کے پچھلے حصے کی طرف چلے گئے۔ کچھ دیر بعد علیزہ نے عباس کو ایک لڑکے کو کال سے کھینچتے ہوئے اپنی طرف لاتے دیکھا۔ وہ ایک ہل میں اسے پہچان گئی۔ وہ ان ہی لوگوں میں سے ایک تھا۔ علیزہ کی مڑکی کے پاس آکر عباس نے اس لڑکے کے منہ پر ایک زوردار چھڑ مارا۔

”اندر دیکھو۔“ اس لڑکے نے اندر دیکھا۔ علیزہ سے اس کی آنکھیں ملیں اور اس نے آنکھیں چرائیں۔

”میں نہیں پہچانتا۔“ اس نے عباس سے کہا۔ عباس نے علیزہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”تم پہچانتی ہو اسے؟“

”ہاں۔“ یہ ان میں سے ایک ہے۔“ عباس نے ایک اور چھڑ اس لڑکے کے منہ پر مارا۔

”اب حرام زادے! تو تم ان دونوں کے بارے میں بتاؤ گے یا پھر میں تمہاری قبر اسی وقت یہاں بنوا دوں گا۔“

”میں بتاتا ہوں۔“ وہ..... ان دونوں کو مگر چھوڑ آئے ہیں ان کے..... سر اعلیٰ ہو گئی ہم سے.....

پلیز صاف کر دیں۔“ وہ یک دم عباس کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگا۔

عباس نے پولیس کے ایک سپاہی کو اسے موبائل میں بٹانے کے لئے کہا۔ عباس وہیں کھڑا رہا۔ علیزہ نے

”آپ ان کے کھر جا کر خود سب کچھ بتا دیں اور اسے پکڑ لیں مگر اس طرح.....“ وہ سمجھ نہیں پائی کہ اس

”جس کو آپ ابھی لے کر آئے ہیں یہ۔“ عباس اور عمر کے درمیان نظروں کا خاموش تبادلہ ہوا۔
 ”ٹھیک ہے اب تم علیزہ کو لے جاؤ۔۔۔ اور علیزہ! گھر جا کر بالکل آرام سے سو جاؤ۔۔۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ Every thing is over۔“ عباس نے گاڑی سے نکلنے ہوئے گردن موڑ کر اس سے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دی۔ وہ صرف سر ہلانے لگا۔

عمر اب ڈرائیونگ سیٹ پر آ چکا تھا اور اس نے گاڑی سوڑ لی۔ سو بائیں کے پاس سے گزرتے ہوئے علیزہ نے سو بائیں کے پچھلے حصے کی طرف عباس کو اس لڑکے کو پیٹنے ہوئے دیکھا۔ وہ اس لڑکے کو بری طرح خنوکریں مار رہا تھا۔ جبکہ وہ لاکاز زمین پر گرکا ہوا تھا۔

۔ پھر گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں؟“ وہ بے اختیار خوفزدہ ہوئی۔

”ابھی ان چاروں کو کیا کریں گے؟“

”کچھ نہیں۔ پولیس اسٹیشن لے جائے گا۔ ایف آئی آر کالنے لگا۔۔۔ اور پھر بند کر دے گا۔“

”اس کے بعد؟“

”اس کے بعد کوٹ میں کیس چلے گا۔۔۔ مزاد غیرہ ہو جائے گی۔“ علیزہ کو اطمینان ہوا۔

”میری ضرورت تو نہیں پڑے گی اب؟“

”نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔“ علیزہ نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔



سے کیا کہے۔ ”آپ زبردستی گھر میں تمہیں گئے؟“

”نہیں۔ پریشان مت ہو۔۔۔ وہ اندر جا کر بتا دیں گے۔۔۔ اندر تو جانا ہے کسی طرح۔“ عباس کے لیے میں محدود رجحان اطمینان تھا۔

”مگر آپ تو کہہ رہے تھے۔ کہ وہ۔“ عباس نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اس بات کو چھوڑ دو کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔۔۔ مجھے یہ بتاؤ کہ چہرے پر زیادہ درد تو نہیں ہو رہا۔“ علیزہ نے بے اختیار اپنا گال چھوا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کا گال سوج چکا تھا اور یقیناً اس پر نیش بھی ہو گا۔

”نہیں۔ ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا۔

”اگلی بار جب بھی تم گھر سے نکلو تو اپنا سو بائیں ضرور ساتھ رکھو۔ سو بائیں ہے تمہارے پاس؟“

”نہیں۔ مجھے اس کی کبھی ضرورت نہیں پڑی۔“

”میں صبح تمہیں ایک بھجوا دوں گا۔“

”نہیں میں خرید لوں گی۔“

”میں نے کہا تھا بھجوا دوں گا۔ رزلٹ کب تک آ رہا ہے۔۔۔ یا آپ کا ہے؟“

”ابھی نہیں آیا چند ہفتوں تک آ جائے گا۔“

”چا چا تھا مجھے کوئی میگزین جوائن کیا ہوا ہے تم نے؟“

”ہاں۔۔۔ تو ذرا عرصہ ہوا ہے۔“

”کیسا کام جا رہا ہے؟“ وہ اسے اپنے کام کی تفصیل بتانے لگی۔ وہ بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ علیزہ کو اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کتنی مہارت سے بات کا موضوع بدل چکا ہے۔ وہ تو فحاشی و گازی سے باہر نظرس دروازہ بنا رہا۔

وہ اس کے ایک اور سوال کا جواب دے رہی تھی جب اس نے سسٹان بزرگ پر اپنا کھانک آگے پیچھے تیز رفتاری کے ساتھ دو گاڑیاں اس کالونی کے اندر جاتے دیکھیں۔ عباس بھی ان ہی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب گاڑیاں اندر مڑ گئیں تو اس نے علیزہ سے کہا۔

”تم خاموش کیوں ہو گئیں؟“ تمہیں چاہئے تم کوئی اس سے اچھا میگزین جوائن کرو۔“ علیزہ نے کچھ اُلجھ کر اسے دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر جھنجھکی پائی تو ایک بار پھر اس کے سوالوں کا جواب دینے لگی۔

پندرہ منٹ بعد اس نے اچانک عمر ابی گاڑی کو اس کالونی سے نکلنے دیکھا۔ عباس نے بڑی بھرتی سے گاڑی اشارت کر دی۔ عمر کی گاڑی ان کے بالکل پاس آ کر رکی اور عمر نیچے آ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے ایک لڑکا بھی نیچے اترا اور پھر پچھلی سیٹ سے ایک کنبشیل کے ساتھ ایک اور لڑکا نیچے اترا۔ علیزہ نے ایک ٹاپے میں اسے پہچان لیا۔ وہ وہی لڑکا تھا۔ جس نے اس کی گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ عمر ابی گاڑی کی طرف آیا اور پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

”علیزہ! وہ کون لڑکا ہے جس نے تمہیں مارا تھا؟“ اندر بیٹھنے ہی اس نے علیزہ سے پوچھا۔

اس کا سر پھینکتے ہوئے کہا۔

علیڑہ نے بے اختیار سراہا کر انہیں دیکھا۔ ”وہ وہاں اتہین نہیں گیا؟“

”نہیں، ابھی اتہین نہیں چا سکا ہے، وہ تو دوبارہ ملائی و غیرہ دیکھ کر سیٹ بک کر دئے گا۔ تب ہی جا سکے گا۔ ابھی تو ذرا تیرا سے اور جوڑھ کو کسی ہوٹل پھوڑنے کیا ہے۔“

علیڑہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ”وہ آئے گا تو میں اس سے ایکسکیم ذکر کر لوں گی۔ اور پھر اس سے کہوں گی کہ وہ جوڑھ کو یہاں لے آئے۔ ٹھیک ہے ناؤ؟“ علیڑہ نے ناؤ سے اپنی بات پر رائے لی۔

”ہاں ٹھیک ہے تمہارے بارے میں بہت گلہ مند ہو رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ تم بہت کمزور ہو گئی ہو۔ میں جنہیں کسی ایچھے ڈاکر کو دکھاؤں..... میں نے اس سے کہا ایسا آپریشن کی وجہ سے ہے۔ پھر یہ جو جنہیں بخار ہو جاتا ہے۔ جنہیں اپنا خیال رکھنا چاہئے۔“ ناؤ اس کے بالوں میں انگلیاں بھرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ مگر علیڑہ کا ردیوان کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

”ناؤ! آپ کو جوڑھ کسی کی ہے؟“ اس نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد ناؤ سے پوچھا۔

”جوڑھ؟ بہت اچھی ہے وہ..... تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”بس ایسے ہی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ کچھ عرصے میں سال سے عمر کی فریڈ ہے مگر عمر نے پہلے کسی اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔“

ناؤ نے لاہروائی سے کندھے اچکا دیئے۔ ”ہاں اس نے پہلے کسی ذکر نہیں کیا مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہر بات تو وہ نہیں بتا سکا، ویسے بھی وہ کسی کس کے بارے میں بتائے۔ اس کے دوست بہت زیادہ ہیں۔“

”مگر اس کو جوڑھ کے بارے میں بتانا چاہئے تھا، اپنی فریڈ کا کسی تو نام لیتا رہتا ہے۔“ علیڑہ نے اصرار کیا۔

”وہ آئے گا تو اس سے پوچھ لینا کہ اس نے جوڑھ کا ذکر کیوں نہیں کیا۔“ ناؤ نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔

”آپ کو پتا ہے جوڑھ کو کتنا سے لے کر اتہین گیا ہوا تھا؟“

”ہاں.....“ ناؤ نے ایک نفی جواب دیا۔ علیڑہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”اس نے فون پر یہ بھی نہیں بتایا۔ بس یہی کہا کہ وہ چٹو فریڈ ز کے ساتھ اتہین میں ہے۔ اس کو بتانا چاہئے تھا ناؤ؟“ علیڑہ نے ایک بار پھر ان کی حمایت چاہی۔ ”میں کہہ رہی ہوں نا کہ وہ آئے گا تو تم اس سے یہ سب کہہ دو پوچھ لینا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کون سا کارن سبب ہواؤں تمہارا لے۔“ ناؤ نے ایک بار پھر بات کا موضوع بدل دیا۔

”تپا نہیں..... جو مرضی کریں۔“ علیڑہ نے ان کی بات میں دلچسپی نہیں لی۔

”ٹھیک ہے۔ ابھی ہوں مگر تم ہی ضرور لینا۔ یہ نہ ہو کہ برسوں کی طرح بھرکھ چھوڑ دو۔“

علیڑہ نے کچھ نہیں کہا وہ ایک بار پھر کسی سوچ میں مصروف تھی۔

”ناؤ! جوڑھ عمر کی بیٹ فریڈ ہے۔ ہے ناؤ.....؟“ ناؤ نے ایک گہرا سانس لیا۔

باب ۴

علیڑہ کچھ دیر بسز میں لٹی رہی۔ دروازے کے باہر اب بالکل بھی آواز نہیں تھی پھر اسے دور ایک گاڑی کے اشارت ہونے کی آواز آئی۔ وہ جھپٹنے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کیا عرواقی جوڑھ کو لے کر جا رہا ہے؟“ وہ شدید تھی۔

تیزی سے اٹھ کر اس نے دروازہ کھولا اور لاؤنگ میں آئی۔ وہاں ناؤ کے علاوہ اب واقعی کوئی نہیں تھا۔

”ناؤ! عمر کہاں گیا؟“ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ جوڑھ کے ساتھ چلا گیا۔“ ناؤ نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ وہ تقریباً چلائی ناؤ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”تم خود یہ تو یہ چاہتی تھی۔“

”میں کب یہ چاہتی تھی؟“ وہ باغی سے ان کے پاس صوف پر بیٹھ گئی۔

”تم نے عمر سے یہ نہیں کہا کہ جنہیں جوڑھ کا آنا برا لگا ہے؟“

”نہیں میں نے ایسا تو کبھی بھی نہیں کہا۔“

”عمر نے خود مجھ سے یہی کہا تھا کہ جنہیں جوڑھ کا آنا اچھا نہیں لگا۔“

علیڑہ کی شرمندگی میں اضافہ ہوا۔ ”نہیں اس کی بات نہیں تھی۔“

”اگر اس کی بات نہیں تھی تو پھر یہاں بیٹھا چاہئے تھا۔ جوڑھ اور عمر کو کبھی دینی چاہئے تھی۔“

”ناؤ! مجھے نیند آ رہی تھی بس میں اس لئے..... مگر آپ نے عمر کو روکا کیوں نہیں..... آپ کو روکنا چاہئے تھا۔“ وہ اب روہی ہو رہی تھی۔

”میں نے روکا تھا مگر جب اس نے تمہارا پیوند یہ کی کاٹا تو پھر میں کچھ نہیں کہہ سکی۔“

علیڑہ کچھ بھی کہے بغیر صوف پر لیٹ گئی اور اس نے ناؤ کی گود میں چہرہ چھپا لیا۔ اس کی اداسی اور شرمندگی

یک دم بہت بڑھ گئی ناؤ نے اخبار دکھا دیا۔

”وہ شام کو دوبارہ آئے گا۔ تم اس سے ایکسکیم ذکر کر لینا۔ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ناؤ نے

”کیونکہ مجھے جڑی کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔“

وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رو گئی۔ وہ اب کرکشی کو اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ طلیہ نے بے دلی کے عالم میں کرکشی کو پکڑ لیا۔

”آپ کے لئے جڑتھ بہت اہم ہے۔“

”میرے لئے تم بھی بہت اہم ہو۔“ عمر نے اس کی بات کے جواب میں ملاتال کہا۔

”مگر جڑتھ جتنی نہیں۔“ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

”اگر تم میرے لئے اہم ہو تو میں تمہارے کہنے پر یوں فوراً نہ آ جاتا۔ اپنا موازنہ کسی دوسرے سے

مٹ کر دے۔ میرے لئے جو تم ہو، وہ تم ہو۔“

وہ خوش نہیں ہوئی۔ ”اور جو جڑتھ ہے، وہ جڑتھ ہے۔“

”ہاں۔“ عمر نے ایک بار پھر ملاتال کہا۔

ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ لان سے باہر آنے لگے۔

”آپ اور وہ دونوں یہاں آ جا سکیں۔ ہوٹل میں نہ رہیں۔“ طلیہ نے اس سے کہا۔

”نہیں۔ اب نہیں۔“ عمر نے قطعی جھج جھج کر کہا۔

”کیوں؟“

”جڑتھ مجھ سے وابستہ ہوں، میں ان کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کسی کو مجھے عزت دینی ہے

مجھ سے پہلے ان لوگوں کو دینی ہوگی جو مجھ سے منسلک ہیں۔ مجھے جڑتھ کے ساتھ تمہارا رویہ اچھا نہیں لگا اور ایک بار

واپس لے جانے کے بعد میں اسے دوبارہ رہنے کے لئے تو یہیں نہیں لاؤں گا۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو یہ جڑتھ کی

انسلٹ ہوگی، اور میں ایسا بھی نہیں کر سکتا۔“

”میں نے ان کی انسلٹ نہیں کی۔“ اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

”اب مگر تم نے یہ ضرور ظاہر کیا ہے کہ تم اسے ہانپ کر لے ہو۔“

”میں ان سے ایک پکڑ کر لوں گی۔“ طلیہ چلتے چلتے رک گئی۔

”اور میں یہ بھی سمجھتی نہیں چاہوں گا، میں تم کو قہراً گریہ لگتی نہیں کر سکتا۔ مجھے اس میں بھی اپنی بے عزتی

محسوس ہوگی۔“

اس کے لہجے میں صاف گونگی تھی، وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”آپ جڑتھ سے محبت

کرتے ہیں؟“

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”اس لئے ان سے ہانپ کر رہی ہوں؟“ اس سے بات کے جواب میں اس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

طلیہ نے کرکشی کو زمین پر اتار دیا۔ وہ جاتی تھی مگر اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ اس کا ہر جواب جھوٹ

فہم آدھا گھٹنوں میں بیٹھ کر دیتی رہی پھر ملازم اسے چائے کے لئے بلانے آیا۔

”مجھے نہیں بیٹا۔۔۔۔۔“ اس نے صاف انکار کر دیا۔

وہ جاتی تھی ملازم اندر جا کر اس کا جواب ایسے ہی بچپنا دے گا اور اسے توقع تھی کہ میرا نونیس سے کوئی خور

اسے لینے آئے گا یا پھر ملازم کو دوبارہ بھیجا جائے گا۔ ایسا نہیں ہوا، ملازم دوبارہ آیا نہ ہی میرا نونیس سے کوئی اسے

بلانے آیا وہ اور دل گرفتہ ہوئی۔ اس کے آنسو آہستہ آہستہ خود ہی ختم ہو گئے۔

شام کچھ اور دلی اور لان میں تاریکی اترنے لگی مگر وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ہلا خراس نے عمر کو پریکٹس میں نکلنے

دیکھا وہ بے اختیار خوش ہوئی اس کا خیال تھا کہ وہ اسے سنانے کے لئے آیا تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا عمران کی طرف دیکھ

بغیر پریکٹس میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ طلیہ کو چہرے کھنکھانے لگا۔

”کیا وہ واپس جا رہا ہے، مگر اس نے تو رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔“

وہ بے چین ہو گئی۔۔۔۔۔ اسے تو حق تھی کہ وہ رات کے کھانے تک رے کا مگر۔۔۔۔۔ کرکشی لان میں پھر رہی تھی،

عمر کو لاؤنج سے باہر نکلنے دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف گئی۔ عمر نے گاڑی کے دروازے کے پنڈل پر ہاتھ رکھا

تھا جب وہ اس کے قریب پہنچ گئی اور اس کی جاکوں سے اپنا جسم رگڑنے لگی۔ طلیہ نے عمر کو دیکھا اس نے جبکہ

کرکشی کو گود میں اٹھایا پھر طلیہ نے اسے پیٹنے لگا۔ طلیہ نے دیکھا۔ وہ اب لان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر طلیہ نے اسے اپنی

جانب آتے دیکھا۔ اس کے قریب آنے پر طلیہ نے اپنی ناراضی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ جا رہے ہیں؟“

”ہاں۔۔۔۔۔“ عمر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کرکشی کو اس نے دوسرے بازو میں پکڑا ہوا تھا۔

”کھانے کے لئے نہیں رکس گئے؟“ طلیہ نے اس کے ہاتھ کو فطرتاً انداز کرتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔“

طلیہ نے اس کے بڑے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

اس کا خیال تھا وہ اس سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا مگر ایسا نہیں تھا۔ عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

”اٹھ جاؤ طلیہ۔۔۔۔۔“ وہ نرم آواز میں کہہ رہا تھا۔ طلیہ اس کے ہاتھ کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”ناراضی ختم ہوئی تمہاری؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

”میں ناراض نہیں ہوں، آپ ناراض ہیں۔“

”واک آؤت تو تم نے کیا تھا۔“

”آپ بھی تو کر رہے ہیں۔“ وہ اس بار اس کی بات پر مسکرایا۔

”ہاں میں بھی کر رہا ہوں مگر یہ اچھا نہیں ہے اور جہاں تک تم سے تنگی کا تعلق ہے تو میں تم سے کبھی بھی

ناراض نہیں ہو سکتا۔“

”پھر آپ کھانا کھائے بغیر کیوں جا رہے ہیں؟“ طلیہ نے فوراً کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ فوراً مان گیا۔ ”بس یا کچھ اور.....؟“

”نہیں بس.....“ عمر کو یک دم کچھ یاد آگیا، اپنی بیوی کی پاکیٹ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے علیزہ سے

کہا۔ ”دورا اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔“

علیزہ نے کچھ تجسس ہو کر ہاتھ آگے کر دیا مگر اسے اس کی کلائی میں کوئی چیز پہنائی۔ علیزہ نے دیکھا وہ ایک خوبصورت فریڈ شپ بیڈ تھا۔

”یاد سلو تا ایک سو ستر شاپ سے لیا تھا.....“ عمر نے بتایا۔ بیڈ کے ساتھ لٹکے والی چین کے ساتھ ایک طوریل فائبر، کی جی۔ ”Amigo“، علیزہ نے بیڈ پر کندہ نظر ڈھا۔ اس نے سراٹھ کر عمر کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

”ٹھیک ہو.....“ وہ واقعی سرورجی۔ وہ ایک باہر گازی کی طرف جانے لگا، جہاں ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔ علیزہ اس بار خاص خوشی کے عالم میں اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی۔

”اگلی صبح وہ جب بیدار ہو کر ناشتہ کے لئے لاؤنج میں آئی تو اس نے لاہور اور نانا کو غاصی پریشانی کے عالم میں لاؤنج میں بیٹھے دیکھا۔ نانا فون پر کسی سے بات کر رہے تھے مگر ان کے چہرے کے حادثات..... نانو سے دیکھ کر علیزہ کے پاس آگئیں جو ابھی کمزری تھی۔

”کیا ہوا نانا؟ نانا پریشان ہیں، کیا بات کر رہے ہیں؟“ علیزہ نے پوچھا۔

”جہاںگیر کی بڑی بیٹی کی ڈیڑھ ہو گئی ہے امریکہ میں..... رات دو بجے اس کا فون آیا تھا۔“ علیزہ نے بے اختیار سانس روکا۔ ”مرو کی۔“

”ہاں۔“ نانو نے سر ہلایا۔

”کیسے؟“ اس کو کیا ہوا؟

”نیند میں اپنے آپ رنٹ کی کمزریوں سے بچنے مگر.....“ نانو کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

”مائی گاڑ.....“ آپ نے مجھے رات کو کیوں نہیں بتایا؟

”تم سو رہی تھیں.....“ فائدہ کیا تھا، میں اور تمہارے نانا تو ساری رات نہیں سو پائے۔“

”عمر کو بتا ہے؟“ علیزہ نے ذہن میں پہلا خیال عمر کی کا آیا۔

”ہاں اس کو بھی جہاںگیر نے فون کر دیا تھا۔“

”مگر نانو مہرین آتی تو اسلام آباد میں آ جی تھیں؟“ علیزہ کو یاد آیا۔

”مہرین اسلام آباد میں ہی ہے۔ مگر ولید اور نرہ وہ ہیں تھے۔“

”اب کیا ہوگا.....؟ آپ امریکہ جا نہیں گی؟“

”نہیں، جہاںگیر ہاؤس یا ڈی پاکستان لا رہا ہے۔ ابھی کچھ انتظامات ہیں جو وہ کرنے میں مصروف ہے، مگر وہ کہہ رہا تھا کل آپسوں تک وہ اسے یہاں سے لے آئے گا۔“ نانو نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”یہاں ہمارے گھر لے کر آئیں گے؟“

عمر اس کے چہرے پر غور ہوتا تھا اور عمر کو یقیناً وہ جواب مل گیا تھا۔

”وہ آپ کو بتا ابھی گئی ہے؟“ اس نے اگڑے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

”ہاں.....“ عمر نے بلا تامل کہا۔

”پھر آپ اس سے شادی کر لیں۔“

”مجھے تو سرک پر چلتی والی ہر خوبصورت لڑکی ابھی گتی ہے۔ کیا سب سے شادی کر لوں؟“

”میں جوڑھ کی بات کر رہی ہوں۔“

عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”تم کو اور جوڑی کو کچھ اور کچھ بیٹھنا چاہئے، اس کے ساتھ دقت گزار دی توانا پائندہ نہیں کر دی اسے اور اگر صرف اس لئے اسے پائندہ کر دی ہو کہ میں اسے پسند کرتا ہوں تو پھر تم کو یہ جان لینا چاہئے کہ میں بیٹھ اسے پسند کرتا ہوں گا۔ میں اپنے دوست اور دشمن کسی نہیں بدلتا۔“ عمر میری دوست تھی، دوست ہے، اور بیٹھ دوست ہی رہے گی۔“

عمر نے کسی کئی گئی کہ علیزہ نے پہلے دیکھا تھا، کو اس موڈ میں دیکھا تھا، بچپن کی ماہ سے وہ مسلسل اس کے بازو اٹھا کر ہاتھ آج تک دیکھا وہ علیزہ کی پائندہ بیوی کی پرکھ کے بغیر ایک دوسری ”فریج“ کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی ہوتا تھا کہ عمر ہر چیز میں اس کی پائندہ کو بد نظر رکھتا تھا۔ وہ کھانے کی کوئی ڈش ہو یا پھر خریدی جانے والی کوئی چیز..... کوئی چمک پائنت ہو یا ہر کچھ چیز کے بارے میں رائے۔

عمر بڑی آسانی سے اس کی بات مان لیا کرتا تھا۔ شاید لاشعوری طور پر علیزہ نے سوچا تھا کہ وہ جوڑھ کے لئے پائندہ بیوی کا اکتھار کر کے کی تو عمر بھی ایسا ہی کرے گا مگر پہلے بار یہ نہیں ہوا تھا۔

”ہم لوگ کل دو چار بجوں پر جا رہے ہیں تم چلو گی۔“ وہ اس سے کہہ رہا تھا یقیناً وہ جوڑھ کو شہر کی سیر کروانا چاہتا تھا۔

”نہیں.....“

عمر نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا وہ بہت رنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”مجھے دو ہو گی ہے۔“ اس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”آپ کل آئیں گے؟“ علیزہ اس کے پیچھے آئی۔

”وہ ٹھیک گیا۔“ تم جانتی ہو میں آؤں؟“

”ہاں.....“

”ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔“

”مگر آپ تو جوڑھ کے ساتھ میرے لئے جا رہے ہیں۔“ علیزہ نے اسے یاد دلایا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... تم یہ بتاؤ میں کب آؤں؟“

”کل رات ڈر پر.....“

”ہاں..... تمہارے نانا سب رشتہ داروں کو فون کر رہے ہیں اسی سلسلے میں..... جہانگیر کو ابھی کچھ گھنٹوں کے بعد دوبارہ فون کریں گے۔ اس سے ملاقات کے بارے میں کنفرم کرنا ہے، تا کہ نیو ہیجےز میں ایڈمیا دیا جاسکے۔“

”آپ نے فرین آئی سے بات کی؟“

”وہ اسرکہ جلی گئی ہیں، ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوں گی، وہاں پہنچ جائے پھر اس سے بات کروں گی۔“

”اور عمر..... وہ واپس جا رہا ہے؟“

”نہیں، جہانگیر نے اسے نہیں طعمرنے کے لئے کہا ہے۔ میں نے ایسی کھلوائی ہے۔ ملازموں سے کہا ہے کہ وہ وہاں کی صفائی کریں، اوپر والے پورٹن کو بھی صاف کرنا ہے۔ تم انہی کو دیکھ لینا۔ کافی لوگ آئیں گے۔ تمہارے سارے انگور اپنی ٹیلیویز کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے انہیں طعمرنا بھی پڑے کیونکہ ملاقات کو کوئی پتا نہیں، تم ہائیڈرکرو۔“

نانو کو ہدایت دیتے ہوئے اچانک خیال آیا۔ طعمرہ کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔

”میں کروں گی۔“ اس نے نانو کو ٹالا، وہ واپس نہانے کے پاس چلی گئی۔



باب ۴۲

وہ جس وقت عمر کے ساتھ گھر پہنچی آدھی رات گزر چکی تھی۔ نانو کیٹ کے پکر گاتے ہوئے اس کا انتظار کر رہی تھیں گاڑی کے پورچ میں رکتے ہی وہ برقی رفتار سے طعمرہ کے پاس آ گئیں۔ طعمرہ بمشکل اپنی آنکھیں کھول پاری تھی، سکون آور انکشن اب مکمل طور پر اثر کر رہا تھا۔

گاڑی سے پاؤں باہر رکھتے ہوئے وہ لوکھڑائی تو نانو نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے سوچے ہوئے نیلے گال کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

”تم ٹھیک ہو؟“ انہوں نے طعمرہ سے پوچھا۔

”ہاں نانا میں ٹھیک ہوں۔“ وہ بات کرتے ہوئے دقت محسوس کر رہی تھی۔

”اس کو کیا ہو رہا ہے؟“

نانو کچھ گھبرا گئیں۔ عمر تب تک ڈرامائیجک سیٹ چھوڑ کر پیچھے آ چکا تھا۔

”کچھ نہیں گری..... انکشن دیا ہے، اس نے خینڈ آ رہی ہے اسے۔“ طعمرہ نے اسے کہتے سنا اور پھر شاید

اس نے نانو کو ہاتھ بنا کر خود اس کا بازو پکڑا تھا۔

طعمرہ بمشکل قدم اٹھا پارہی تھی۔

”تم تو کہہ رہے تھے کہ اسے کچھ نہیں ہوا مگر اس کو تو چہ نہیں لگی ہیں۔“ نانو نے اس کے چہرے اور ہاتھ پر

بندھی ہوئی جینز تنگ کر دیکھتے ہوئے گھوکیہ آواز میں کہا۔

”یہ معمولی چہ نہیں ہیں، یہ بالکل ٹھیک ہے۔“ وہ اب لاؤنج میں داخل ہو گئے۔

”طعمرہ! اکون تھے وہ لڑکے..... کیوں تم دونوں کے پیچھے پڑ گئے تھے؟“ نانو اب ایک بار پھر اس کی طرف

متوجہ ہوئیں۔

”گری! ابھی اس سے کچھ نہ پوچھیں..... ابھی اسے سنے دیں۔“

طعمرہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عمر نے نانو سے کہا۔

بات کر لیتا ایک بار، اور ایذا انگیز سے بھی فون کیا ہے۔ ان کو بھی کال کر لیتا۔"

"ایذا انگیز کون..... کیوں؟ کیا ان کو سب کچھ پتا چل گیا ہے؟" وہ کچھ شکر ہوئی۔

"ہاں ان سے میری رات کو بات ہوئی تھی، عباس نے ان کو فون کیا تھا وہ بس تمہاری خیریت دریافت کرنا چاہتے ہیں۔" عمر نے کہا۔

"آپ کل یہاں کیسے؟" عمر نے اس کی بات کاٹی۔

"میں اٹھاتا آیا تھا، عباس کے پاس تھا جب گرینی نے اس کو فون کیا۔ پھر میں رات یہیں رک گیا۔ بس ابھی نکل جاؤں گا۔" عمر نے تفصیل سے بتایا۔

"ان لڑکوں کا کیا ہوا؟ کس فائل ہو گیا؟" علیزہ کو وہ چاروں یاد آئے۔

"ہاں، میں چلا ہوں، دیر ہو رہی ہے، شام ہو جائے گی مجھے دابیں پہنچنے پہنچنے۔" عمر نے اپنی رست داج دیکھتے ہوئے کہا اور کڑا ہوا کیا۔

"میں دابوں کا کر ایک بار پھر جہیں فون کروں گا۔ اور علیزہ! "Just forget about every thing." (سب کچھ بھلا دو)۔ کچھ بھی نہیں ہوا..... سب کچھ ٹھیک ہے۔" علیزہ نے ایک گہرا سانس لے کر سر ہلا دیا۔ وہ اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

علیزہ فون کا ریسیور اٹھا کر عباس کو کال مانے لگی۔

"ہاں علیزہ! کیسی ہوتی؟" عباس نے رابطہ ہوتے ہی کہا۔

"میں؟ ٹھیک ہوں۔"

"میں سستی بار کال کر چکا ہوں، تم سو رہی تھی۔ ابھی دوبارہ کال کرنے ہی والا تھا میں۔" عباس نے کہا۔

"پاپا نے بات ہوئی ہے تمہاری؟"

"اٹھکل ایڈ سے..... نہیں ابھی میں ان کو کال کر دوں گی۔ عمر نے بتایا تھا کہ انہوں نے صبح کال کی تھی۔" علیزہ نے کہا۔ "تمہاری گاڑی درکشاپ میں ہے، ایک دو دن تک میں بجھا دوں گا۔ شام کو میں آؤں گا گرینی کی طرف۔" عمر ابھی دہیں سے آیا چلا گیا؟

"وہ ابھی ابھی گئے ہیں۔ عباس بھائی ایف آئی آر میں میرا نام بھی آئے گا؟" علیزہ کو کچھ دیر پہلے خیال آیا۔

"نہیں تمہارا نام کون آئے گا؟"

"نہیں تو کیسے کیسے فائل ہوگا؟"

"تم اس کو چھوڑ دو، بتاؤ پھر سے پرگنی ہوئی چوتی ٹھیک ہوئی ہے کچھ؟" عباس نے بات کا موضوع بدل دیا۔

"ہاں....."

"گڈ..... شام کو میں جہیں ایک بار پھر ڈاکٹر کے پاس نے جاؤں گا۔ وہ تمہارے ہاتھ کی بیڈنگ پیچ کر دے گا۔ گرینی کو کہو کہ ابھی اس کا کھانا کھا لیں۔ اس کے بعد تم آرام سے کوئی اچھی سی فلم دیکھو یا پھر کسی دوست کو

وہ لاؤنگ میں رکائیں اس لئے وہ اور نا تو سیدھا اس کے کمرے میں چلے گئے، علیزہ نے بند پر پلٹتے ہی آکھیں بند کر لیں۔ اس کے جسم کو عجیب سا سکون ملا تھا۔ کسی نے اسے ایک چادر اوڑھائی تھی۔ عمر شاید ناو سے کچھ کہہ رہا تھا، علیزہ اب اس کے الفاظ کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ چند لمحوں بعد اس نے اپنے ارد گرد مکمل خاموشی پائی، آخری احساس کمرے میں ہونے والی تاریکی کا تھا۔ پھر کسی نے دروازہ بند کر دیا۔

اگلے دن وہ جس وقت ابھی اس وقت دو بج رہے تھے کچھ دیر تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ اتنی دیر تک سوئی رہی ہے۔ پھر اسے کچھ رات کے قیام واقعات یاد آئے۔ گئے۔ اس نے انہیں ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس کا جسم اور ذہن اس وقت بالکل یکے پیچھے تھے، اور وہ ایک بار پھر نیشن ہو نہیں پاتی تھی۔

وارڈ روپ سے پکڑے ٹال کر اس نے شاد مارا اور پھر اپنے کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنگ میں آئے اس نے عمرو ناؤ کو دہان پیٹے دیکھا۔ عمر اسے کچھ کر سکرایا۔ وہ بھی جواب کر سکرئی، ناو اس کے پاس آ کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ "ابھی بھی سوچن تم نہیں ہوئی۔" انہیں یہ تشویشی سے کہا۔

"نہیں پہلے سے کہ تم گمراہ کچھ زیادہ ہو رہا ہے۔ رات کو تو چوٹ کا تپا پہنے نہیں چلا۔" علیزہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایک دو دن میں درد ختم ہو جائے گا، البتہ نشان کافی دنوں تک رہے گا۔" عمر نے اس سے کہا۔

"گرینی کھانا لگوا دیں اس کے لئے۔"

"آپ لوگ کھانا کھائیں گے؟"

"نہیں، ہم لوگ کھانا کھا چکے ہیں۔ میں تو صرف تمہارا انتظار کر رہا تھا مجھے دابیں جانا ہے۔ میں بس ایک بار جہیں دیکھنا چاہ رہا تھا۔" عمر نے کہا۔ ناو تکون میں جا چکی تھیں۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جو بھی کچھ ہوا وہ بہت خوفناک تھا مگر میں..... ٹھیک ہوں۔"

وہ اسے دیکھتا رہا "تم پہلے سے کافی بدل گئی ہو۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا علیزہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ "Much more mature and composed" (زیادہ پختہ اور سنبھلی ہوئی) ابھی بات ہے۔

"پتا نہیں..... شاید۔"

"ابھی چند منٹے تم گھر پر ہی رہنا، اور آئندہ اگر رات کو باہر جاؤ تو ہمیشہ اپنے پاس کوئی ریلو اور رکھو۔"

میں دوبارہ کمرے میں رہنا، اور آئندہ اگر رات کو باہر جاؤ تو ہمیشہ اپنے پاس کوئی ریلو اور رکھو۔

"کیوں ابھی..... کیوں نہیں، جاؤ گی تم باہر..... کسی حادثے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مگر میں خود کو بند کر لیا

جائے۔ جو ہو اگر رہا۔ عباس نے دو تین بار فون کیا ہے تم سو رہی تھیں۔ اس لئے میں نے بات نہیں کروائی۔ اس سے

”ہاں نہیں کیا پر اہم ہے، مجھ سے بھی سب کچھ ہے، میں کہ میں چند پختے تک باہر نہ جاؤں۔ فون بھی رسیو نہ کروں اور ایذا اٹھنے نہ کہا ہے کہ میں میگزین کی جاب سے ریڑھن کر دوں۔“

شہلا نے کندھے اٹھایا۔ ”شاید احتیاط کے طور پر یہ سب کر رہے ہوں گے۔ خبر میں کل پھر آؤں گی، مجی بھی آنا چاہو رہی تھیں مگر میں نے آج انہیں روک دیا۔ کل انہیں لاؤں گی۔“ شہلا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”دو فوٹی خوفزدہ ہیں آج انہوں نے مجھے ڈرامہ کر کے ساتھ بھجوا دیا ہے۔“ شہلا اسے بتاتی رہی۔

علیہ دروازے تک اسے چھوڑنے آئی۔

شام ہو چکی تھی اور اب اسے مہاس کا انتظار تھا، لیکن وہ نہیں آیا اس نے فون پر اپنے نہ آنے کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

”علیہ مجھے کچھ ضروری کام ہے، اس لیے ابھی نہیں آسکوں گا۔“

”کوئی بات نہیں، میری بیٹی جی ابھی بالکل ٹھیک ہے۔“

علیہ نے کہا اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ اور کہیں اس نے رسیور میں دور سے عمر کی آواز سنی۔

”تم میرے ساتھ چلو مجھے یا میں خود چلا جاؤں؟“

وہ چونک گیا۔

”چھا علیہ! مجھے کچھ کام ہے، خدا حافظ۔“

مہاس نے خاصی غلٹ میں فون بند کر دیا۔

”عمر وہاں کیسے ہے، وہ دو دن اسے اپنے شہلا چلا گیا تھا۔“ وہ کچھ اور اچھے۔

رات کے کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی، کئی دن تک اسے نیند نہیں آئی۔ وہ ایک کتب پرستی رہی مگر اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ جب بہت دور تک وہ نہیں جاتی تو اس نے نیند کی ایک گولی لے لی۔

☆☆☆

اچھی صبح وہ نو بجے کے قریب بیدار ہوئی۔ ناشتی کی میز پر نانوں نے اس کا استقبال کیا، علیہ کو خلاف معمول سبز پرکٹی بھی تیار تھی نظر نہیں آیا۔

”نانو! تیرے جہم کہاں ہیں؟“ علیہ نے اپنے لیے جانے کا کپ تیار کرتے ہوئے پوچھا۔

”بہیں تھے۔“ نانو نے کہا۔ ”تم ناشتہ کرو، بعد میں دیکھ لیتا۔“

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، نانو اٹھ کر فون کی طرف بڑھ گئیں۔ دوسری طرف شہلا تھی۔ نانو نے علیہ کو بلا دیا۔

”تم نے آج کے اخبار دیکھے ہیں؟“ شہلا نے اس کے لائن پر آتے ہی کہا۔

”نہیں۔ کیوں؟“

”خبر تو رادیکھو۔ فرسٹ پیج۔“ علیہ نے رسیور دکھا دیا۔

”نانو! تیرے جہم دکھائیں مجھے۔ کہاں ہیں؟“ وہ نانو کے پاس آگئی۔

بولو۔ کپ شپ لگاؤ ایڈجسٹ انجوائے یور سیلف اور ہاں، ایک بہت ضروری بات..... ابھی کچھ پختے کمرے نہیں لگنا۔ کمرے میں نے گاڑ لگوا دی ہے۔ ابھی کچھ پختے اگر کہیں جاتا بھی ہے تو پہلے مجھ کو اطلاع کرنا ہے اس کے بعد.....“

وہ بڑل ہو گئی۔ ”کیوں.....؟“

”بہن! دیسے ہی..... احتیاط! ابھی چیز ہے۔ اچھا پھر شام کو آنا ہوں میں خدا حافظ۔“

فون بند ہو گیا، وہ ابھی ہوئی رسیور ہاتھ میں لے اٹھتی رہی۔

نانو کھانا لگوا چکی تھیں۔ علیہ نے کھانا کھایا تو نانو نے اس سے رات کے واقعات کے بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا۔ شاید عمر انہیں منع کر چکا تھا۔ وہ صرف اسے اکیلے وہاں آنے پر ڈانٹتی رہی۔ علیہ وہ خاموشی سے ان کی ڈانٹ سنتی رہی۔ وہ ابھی کھانا کھا رہی تھی، جب ایذا اٹھ کر فون آیا تھا۔ وہ کچھ نرس ہو گئی جب نانو نے فون پر بات کرنے کے بعد اسے بلوایا۔

”ہیلو علیہ! چٹا ہاؤ آر یو.....؟“ ایذا حیدر نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

”فائن!“

”میری مہاس بات ہوئی تھی رات کو..... ڈونٹ دری..... سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے، اور تمہاری چوٹیں کسی ہیں؟“

”بہت معمولی چوٹیں ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ علیہ نے کہا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

”اچھا بیٹا! میں آج رات باکل لاہور آؤں گا، باقی باتیں پھر ہوں گی، اور ابھی کچھ پختے باہر نہیں جانا مگر رہنا اور کوئی فون کال فورسیر نہیں کرنی، می کو کر نہ دو۔ اس کے بعد تم رسیور کرنا اور اپنے میگزین فون کر کے ریڑھن کر دو۔“

وہ چرائی سے ان کی ہدایت سنتی رہی، رسیور کھینے کے بعد اس نے کچھ ابھی ہوئی نظر فون سے نانو کو دیکھا۔

”شہلا کچھ دیر تک آئے گی وہ بھی صبح سے فون کر رہی ہے میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ سہ پہر کو آجائے۔“

”نانو نے اس کے چہرے کے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے بتایا۔

”اچھا.....“ وہ صوفے پر بیٹھ کر ان تینوں کی ہدایت کے بارے میں سوچتی رہی۔

وہ ابھی لاؤنچ میں تھی جب آدھ گھنٹہ کے بعد انٹر کام کی نٹل سنائی دی۔ خانساں نے انٹر کام پر بات کی اور پھر باہر نکل گیا کچھ دیر بعد شہلا اندر داخل ہوئی اس نے بڑی کرم جوئی کے ساتھ علیہ کو گلے لگایا۔ پھر وہ اس کے ساتھ بیڈ روم میں آگئی۔ رات کے واقعات کے بارے میں وہ دونوں دوبارہ باتیں کرتی رہیں۔

”تمہارے گھر کے باہر اب پولیس کب تک رہے گی؟“ شہلا نے اپنا کپ اس سے پوچھا۔

”گھر کے باہر.....؟“ گیت پر ایک دو لوگ ہوں گے، مگر کیا گھر کے باہر بھی پولیس ہے۔“

”ہاں پولیس کی ایک گاڑی گھڑی ہے۔ میری گاڑی انہوں نے اندر لے آئی تھی۔ خانساں سے تصدیق کروانے کے بعد مجھے اندر آنے دیا۔“

”تم ناشیہ.....“ علیہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”پلیز دکھا نہیں۔ آپ چمپا کیوں رہی ہیں؟“

”میرے بیٹروں میں ہیں۔“ نانو نے دم دم آواز میں کہا۔

وہ ان کا چہرہ دیکھتی ہوئی ان کے بیٹروں میں چلی گئی۔

اس نے ایک اور اخبار اٹھایا اور اس کا فرنت بچ کھول کر اس پر نظر دوڑانے لگی۔ شہلا اسے کیا بتانا چاہتی تھی۔ اسے دیر نہیں لگی۔ فرنت بچ کے بائیں کونے میں ایک چار کا لی ہاس کے اوپر چار تصویروں کے نیچے ایک پولیس مقابلے کی ہیڈ لائنیں دی ہوئی تھی اور اس کے نیچے اس پولیس مقابلے کے بارے میں کچھ مزید خبریں تھیں۔ علیہ کے ہاتھ کا پٹنہ لگے، ایک اینڈ آؤٹ خون میں لپت چار چہروں کی وہ تصویریں شاید وہ اس خبر کے بغیر کسی نہ بچکان پائی۔

ماڈل ٹاؤن میں دو یکنے کے بعد فرار ہونے والے چاروں ڈاکو پولیس مقابلے میں چلے چلا

وہ نانو کے بیٹے پر بیٹھتی۔ اس کے سر پر جان ہو رہے تھے۔

”لاہور (ٹاؤن گارڈ) پٹی (پی آئی) اتوار کی رات ماڈل ٹاؤن ڈی بلاک میں دو یکنے کی ایک ناکام واردات کے بعد فرار کی کوشش کرنے والے چاروں ڈاکوؤں کو پولیس نے قناتب کے بعد ایک سخت مقابلے کے بعد ہلاک کر دیا۔

طران کی فائرنگ سے دو پولیس کا فٹبیل بھی زخمی ہوئے۔ پولیس کی جوانی فائرنگ سے چاروں طرانا ہلاک ہو گئے۔

تصویلات کے مطابق اتوار کی رات کو رانا مظفر علی خان کے گھر چار ڈاکوؤں نے ڈاکو ڈالنے کی کوشش کی۔ چوکیدار کو

رسیوں سے باندھنے کے بعد ان ڈاکوؤں نے چلی منزل میں موجود گھر کے تمام افراد کو گن پوائنٹ پر ایک کمرے میں

بند کر دیا مگر ای دوران صاحب خانہ کے ایک بیٹے نے جو درمی منزل پر تھا موٹا ہن پر پولیس کو اطلاع دے دی۔ جس

پر ایس بی ایس حیدر کی فوری دہلیات پر انسپکٹر آخر کی قیادت میں ایک پولیس پارٹی نے موقع واردات پر پہنچنے کی

کوشش کی پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آواز سننے پر طرانا نے پولیس کی گاڑی پر سیون ایم ایم کے ذریعے

زبردست فائرنگ کی جس کے نتیجے میں دو پولیس کا فٹبیل بری طرح زخمی ہو گئے، جن کی حالت نازک بتائی جاتی ہے۔

پولیس پارٹی کی طرف سے دفاع میں فائرنگ کرنے کی کوشش میں چاروں طرانا شدید زخمی ہو گئے۔ جن میں سے دو

موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ جب کہ دو باہر چلے جاتے ہوئے زخموں میں تاب نہ لاتے ہوئے جان بحق ہوئے۔

چاروں طرانا تعلیم یافتہ اور بااثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جن میں سے ایک بانی کورٹ کے ایک جج

کا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ جب کہ ایک اور طرانا لاہور جیبر آف کمرس کے ایک اہم عہدے دار کا بیٹا تھا۔ ایس بی ایس

حیدر نے پولیس آپریشن میں شامل تمام پولیس والوں کی کارکردگی کو سراہے ہوئے انہیں نقد انعامات اور ٹھکانہ کرتی

دینے کا اعلان کیا ہے، طرانا کی کار سے ہماری تعداد میں خود کا راسٹر برآمد کیا گیا ہے۔ گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی مل

تھی۔ پولیس کے ذرائع کے مطابق طرانا پہلے ہی اس علاقے میں ہونے والی کئی دیکتیوں میں ملوث رہے ہیں۔ مگر

ہر بار فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس علاقے میں ہونے والی کئی دیکتیوں میں واردات پر پائے جانے والے

فکر پرش طرانا کے فکرم پرش سے مل گئے ہیں۔ پولیس نے گاڑی سے برآمد ہونے والا تمام سرحد مال اپنی تحویل

میں لے لیا ہے جسے ضروری کارروائی کے بعد اصل مالکان کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

اس ہیڈ لائن کے نیچے اس خبر کی تفصیلات کے بعد ایک اور دو کالی ہیڈ لائن تھیں۔ ”پولیس نے میرے بے

گناہ بیٹے کو گھر سے اٹھا کر مار ڈالا۔“ جنس نیاز نے پولیس مقابلے میں اپنے بیٹے کے مارے جانے پر شدید غم و غصہ کا

اظہار کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک بیان میں ایس بی ایس حیدر کو اپنے معصوم بیٹے اور اس کے دوستوں کا قاتل قرار

دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس پولیس مقابلے کی انکوائری کر دیں۔ اور ایس بی ایس حیدر کو معطل کیا

جائے۔ جنس نیاز کے بیان کے مطابق اتوار کو ان کا بیٹا گھر پر اپنے بیٹروں میں سو رہا تھا۔ جب سادہ کپڑوں میں

لبوس کچھ پولیس والے ان کے گھر میں گھس آئے۔ انہوں نے انہیں ایک کمرے میں بند کر دیا اور ان کے بیٹے کو گن

پوائنٹ پر باہر لے گئے۔ اہل خانہ کے شور مچانے پر کالونی کے چند دوسرے چوکیدار ان کے گھر آئے اور انہوں نے

ان کے گھر پر موجود دووں گاڑوں کو رسیوں سے آڑ کر مال اور پھر اہل خانہ کو بھی دروازہ کھول کر آزادی دلائی۔ جنس

نیاز کے مطابق انہوں نے اسی وقت لاہور کے ایس ایس بی ایس ایس بی ایس ایس ایس ایس ایس ایس ایس ایس ایس ایس

اطلاع دی، جس پر انہوں نے انہیں یقین دلایا کہ اسے بہت جلد رہا کر دیا جائے گا۔ مگر چند گھنٹوں کے بعد انہیں

ایک پولیس مقابلے میں ان کے بیٹے کی موت کی اطلاع دی گئی۔ جب ایس ایس بی ایس ایس ایس ایس ایس ایس ایس

میں معلومات حاصل کرنے کے لئے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ جنس نیاز کے فون کرنے سے پہلے ہی ان کا

بیٹا ایک پولیس مقابلے میں مارا جا چکا تھا۔ گھر بھی اس کی شناخت ہو تاتی تھی اس لئے انہوں نے جنس نیاز کو اطلاع

نہیں دی۔ انہوں نے اخباری نمائندوں کو یہ بھی بتایا کہ جنس نیاز کے گھر پر قیامات گاڑوں کے بیانات کے مطابق

مقتول جمال اس وقت تک اٹھ گیا مگر پولیس آئی تھا اور نہ ہی انہوں نے ان لوگوں کو جلال کو لے جانے دیکھا۔ جنس

نیاز کے گھر پہنچنے والے گاڑوں کا بیان تھا کہ اگرچہ جنس نیاز کے گھر کا دروازہ دو دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن جس کمرے میں

وہ رہتے تھے اس کمرے کا دروازہ لاکڈ نہیں تھا اور نہ ہی گھر میں کسی کو زبردستی لے جانے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ تاہم

ایس ایس بی ایس نے یقین دلایا کہ وہ جنس نیاز کی شکایت پر مکمل تحقیقات کر دیا کریں گے۔

جنس نیاز کے علاوہ تین طرانا کے گھروں نے پولیس پر یہی الزام لگایا ہے کہ ان کے بیٹوں کو زبردستی

گھر سے اٹھا کر جعلی پولیس مقابلے میں مار دیا گیا، لیکن جس علاقے میں دیکتی کی کوشش کی گئی تھی، اس علاقے کے

لوگوں اور گھر کے افراد نے پولیس کے بیانات کی تصدیق کرتے ہوئے پولیس کی بردت کارروائی کو سراہا ہے۔ گھر کے

مالک اور دوسرے افراد خانہ نے ان چاروں طرانا کو شکایت کر لیا ہے۔

ایک اور ایک کالی خبر چاروں طرانا کے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بارے میں تھی، جس میں ڈاکٹر جو

موت کا وقت بتایا تھا، وہ اس وقت سے پہلے تھا، جب جنس نیاز نے ایس ایس بی ایس ایس ایس ایس ایس ایس ایس

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق طرانا کے جسم پر قتلہ کے کوئی نشانہ نہیں تھے اور ان کی موت بہت دور سے چلائی

جانے والی راکٹوں کی گولیوں سے ہوئی تھی۔ اخباری رپورٹ کے مطابق پنجاب کے چیف مشنر نے جنس نیاز کی

شکایت پر اس واقعہ کی تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔

لاؤنج میں ٹپس رہی تھی۔

”کپ کوشیا زئیر یاد ہے..... اگلے ایاز نے اسے بھی اسی طرح ختم کروا دیا تھا، عمر ٹیک کہتا تھا وہ بالکل ٹیک کہتا تھا۔“ اس کا اشتعال اب بڑھتا جا رہا تھا، جیسے..... مجھے سمجھ لیتا چاہئے تھا کہ وہ..... آپ نے کیوں مجھ اس کو مدد کے لئے بلوایا؟“ وہ ایک دم چلائی۔

”تو اس کو بلانی؟“ فوری طور پر اور کون آسکتا تھا؟“ نانو نے کچھ روکے انداز میں کہا۔

”یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے..... میری وجہ سے۔“ وہ ایک بار پھر کمرے کے کچر کاٹنے لگی۔
 ”اس طرح کمرے میں پھرنے سے کیا ہوگا؟“ نانو نے اسے طنز کرنے کی کوشش کی۔ ”تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔“

”نانو! میں..... میں آرام سے کیسے بیٹھ جاؤں؟..... چار انسانوں کا خون اپنے سر لے کر میں آرام سے بیٹھ جاؤں..... یہ کیسی باتیں کرتی ہیں؟“

”تم نے ان چار انسانوں کو قتل نہیں کیا، اس لئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”ہاں، میں نے قتل نہیں کیا، مگر وہ میری وجہ سے قتل ہوئے ہیں۔“
 ”وہ تمہاری وجہ سے قتل نہیں ہوئے۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ نہ وہ اس طرح کی حرکت کرتے نہ میں مارے جا رہا۔“ نانو نے غصیدگی سے کہا۔

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ”نانو! یہ آپ کہہ رہی ہیں؟“

”ہاں، میں کہہ رہی ہوں۔“ عباس نے جو کیا ٹیک کیا۔

وہ بے چینی سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا، نانو! کہ یہ سب کچھ آپ کے منہ سے سن رہی ہوں۔“

”تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ گھر کے مردوں کے پینڈل کرنے کے معاملات ہوتے ہیں اور انہوں نے جس طرح سمجھا اس معاملے کو پینڈل کیا۔“ نانو نے سہاٹ لیجے میں کہا۔

”اور مردوں کی اس پینڈلنگ سے چار انسانوں کو زندگی سے محروم کر دیا۔ آپ تو بہت سوشل ورک کرتی رہی ہیں نانو! کیا آپ یہ چھوٹی سی باتیں سمجھ سکتی ہیں؟“

نانو نے اس بار کچھ ہنسے کے عالم میں اس کی بات کاٹی۔

”تم جو چاہے کہو۔ مجھے مرنے والوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے وہ چند کھٹے جو میں نے پروس رات تمہارے

انتظار میں گزارے تھے۔ ان کی تکلیف بھی کسی قتل سے کم نہیں تھی۔“ چاروں نے ہنسا، وہ ہنسے۔

”مگر ان کے جرم کی سزا کم از کم ہر سزا زدہ کی موت نہیں تھی۔ اور پھر اس طرح کی موت کا چار۔

انسانوں کو کسی فراخ کے بغیر اٹھا کر مار دیا جائے۔“ نانو کی جذباتیت سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔ ”یہ پولیس اسٹیٹ

تو نہیں ہے جہاں کسی کو بھی پکڑ کر اس کے جرم کی تکلیف اور وصیت کا اعانہ کئے بغیر شوٹ کر دیا جائے۔“

وہ اخبار ہاتھ میں لئے بہت دیر تک بے حس و حرکت وہیں بیٹھی رہی۔

”ابھی ان چاروں کا کیا کریں گے؟“ اسے اس رات کمرے پر چھا جانے والا اپنا سوال یاد آیا۔

”کچھ نہیں۔ پولیس اسٹیشن لے جائے گا۔ ایف آئی آر کاٹے گا اور پھر بند کر دے گا۔“

”اس کے بعد کورٹ میں کیس چلے گا۔ سزاؤ وغیرہ ہو جائے گی۔“

وہ بے چینی سے اس رات ان دونوں کی گفتگو کے بارے میں سوچتی رہی۔

”تم علیہ و کو کمر لے جاؤ، علیہ و! تم گھر جا کر آرام سے سو جاؤ۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔“ اسے

مماس کی باتیں یاد آئیں۔ میں نے کیوں یہ نہیں جانا کہ وہ دونوں نہیں، وہ دونوں نہیں صرف مماس..... ان چاروں کو

اس وقت مارنے کے لئے اٹھا کر ہاتھ اور وہ مجھے فوری شناخت کے لئے ساتھ لے لئے نہ پھرنا، اگلے دن کا انتظار

کرنا پولیس مقابلہ۔ پولیس مقابلہ۔“

اس کا چہرہ پیسے میں جھینکے گا۔ وہ ان چاروں کے خون میں تسخیر ہوئے چھوٹے پردہ دارہ نظر ڈالنے کی

جرات نہیں کر سکی۔ غم دھسے اور بے چینی کا ایک آتش فشاں جیسے اس کے اندر اہل بڑا تھا۔

”اتنی بڑی جی سے کوئی کسی کو کیسے مار سکتا ہے۔ اور اس طرح..... اس طرح..... مماس کو کوئی خوف نہیں آیا

اس نے مجھے اور مردوں کو اندھیرے میں رکھا۔“ اس کا دماغ جیسے پینٹے کا تھا۔ اخبار لے کر وہ ہنسے کے عالم میں باہر

لاؤنج میں آئی، اس نے شہلا سے بات کرنے کی بجائے انہیں ڈس کنکٹ کر دی اور مماس کا گھر بلانے لگی۔

”صاحب بیٹنگ میں گئے ہوئے ہیں۔“ دوسری طرف سے اسے اطلاع دی گئی۔ اس نے فون پٹخ دیا۔

نانو نے اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اخبار اور اس کے چہرے کے تاثرات سے اعانہ دہ لیا تھا کہ وہ

عباس سے بات کیوں کرنا چاہتی تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے علیہ و کو کھانا کیا۔

”کیا ہو علیہ و.....؟“ عباس سے کیا بات کرنی ہے؟“

علیہ و نے وہ اخبار نکل پر پٹخ دیا۔ ”He is a murderer“ آپ دیکھیں نانو! اس نے کس طرح ان

چاروں کو قتل کر دیا ہے۔ چاروں کو کس..... میرے خدا..... میرے سامنے اس نے ان میں سے دو کوان کے گھر دس

اٹھوایا تھا..... اور وہ چاروں پولیس کسٹڈی میں زندہ اور وہ کہتا ہے پولیس مقابلے میں مر گئے۔“ اس کا چہرہ ہنسے

سے سر نہ ہو رہا تھا۔

نانو اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے صرف خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ وہ اب دونوں

ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر غصہ اور بے بسی نمایاں تھی۔

”مرید! ہا! ہا! پانی لے کر آئیں۔“ نانو نے بلند آواز میں غاساں مارا۔

”مجھے پانی کی ضرورت نہیں ہے نانو۔“ علیہ و نے یک دم سر اٹھا کر انہیں دیکھا، اس کا چہرہ اب بھی سرخ

تھا۔ وہ اٹھ کر کمر کی ہوئی تھی۔

”نہ اگلے ایاز کے نزدیک انسانی زندگی کی کوئی اہمیت تھی نہ ان کے بیٹے کے نزدیک۔“ وہ بے چینی سے

فرح جس طرح اکل ایاز شہباز کو کھل کر دانے کے بعد بچ گئے۔ اس بار تو عمر کے پاس ہر شے موجود ہے۔ میں گواہی دے گی۔ بھرے لیکن ہی نہیں ہے کہ اکل ایاز کے بچے کو سزا نہ ملے۔ وہ لاؤنچ میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

”مگر عمر..... عمر کہاں ہے؟“ اسے موہلی تو آف نہیں کرنا چاہئے تھا..... مجھے فون کرنا چاہئے تھا..... مجھ سے بات کرنی چاہئے۔ یہ تو وہ جان ہی گیا ہوگا کہ نڈر جیڑے کے ذریعے ہر جڑ مجھے پتا چل گئی ہے.....

اسے احساس ہوتا چاہئے تھا کہ میں اسے کال کر سکتی ہوں۔“

وہ بری طرح جھجھلا رہی تھی، جب فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔

☆☆☆☆

”جنس نیاز بہت فیسے میں تھے اور ان کا قصہ بجا ہے۔“ چیف جنس عاقب شاہ اس وقت فون پر چیف فطر سے فون پر بات کر رہے تھے۔

”انگریزی کے بچے کو کھر سے اس طرح اٹھا کر مار دیا جائے گا اور وہ بھی ہائی کورٹ کے ایک جج کے بیٹے کو..... تو پھر ایک عام شہری کے ساتھ آپ کی یہ پولیس کیا کرتی ہوگی؟“ چیف فطر نے ان کے لہجے کی تحسین کی۔

”شاہ صاحب! میں اس دانتے پر کس قدر شرمندہ ہوں۔ میں جان نہیں سکتا۔“ عاقب شاہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”خالی شرمندگی سے تو کچھ نہیں ہوگا۔“

”میں نے انگریزی شروع کرادی ہے۔ جیسے ہی.....“ عاقب شاہ نے ایک بار بھران کی بات کاٹی۔

”کیسی انگریزی؟“ پولیس نے اس کو مارا ہے اور آپ پولیس کے ہاتھوں ہی انگریزی کر رہے ہیں۔

آپ کا خیال ہے کہ پولیس جج سامنے لے آئے گی؟“

”ٹھیک ہے پولیس کے بچے کسی جج سے کرا لیتے ہیں؟ آپ تمام ججز کریں۔ میں آرڈر اینٹر کر دیتا ہوں۔“ چیف فطر نے فوراً تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کیشن پکیشن پٹھانے جائیں، مگر عملی طور پر کچھ نہیں کریں گے۔“ اس بار عاقب شاہ کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

”شاہ صاحب! آپ قصہ نہ کریں..... آپ بتائیں کہ میں کیا کروں..... کس طرح مدد کر سکتا ہوں۔“

چیف فطر نے اپنی آواز قدرے مدہم کرتے ہوئے کہا۔

”جنس نیاز کا مطالبہ کیوں نہیں مانتے آپ؟“

”کوئی سامطالہ؟“

”عماں حیدر کے مطلق کا۔“

”انہوں نے مجھ سے تو کہیں کوئی بات نہیں کی، بلکہ میرا تو وہ فون اینڈ کر رہے ہیں نہ ہی مجھے اپنے گھر نے کی اجازت دے رہے ہیں، میرا بی۔اے دے مجھے کہ تار ان کی منت سماجت کرتا رہا ہے کہ وہ میرا فون اینڈ کر

”جنس! ان چاروں سے اتنی ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیوں نہیں ہے۔ جب میں یہ جانتی ہوں کہ ان چاروں کو پولیس نے واقعی قتل کیا ہے۔ وہ کسی پولیس مقابلے میں الوداع نہیں تھے تو پھر میں ان سے ہمدردی کیوں نہ جتاؤں..... جب میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ صرف میری وجہ سے اس طرح مارے گئے ہیں۔“

نانو یک دم اٹھ کر کڑی ہو گئیں۔ ”میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں..... وہ تمہاری وجہ سے نہیں اپنی حرکتوں کی وجہ سے مارے گئے ہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے..... آج نہیں تو کل..... تمہاری وجہ سے نہیں تو کسی اور کی وجہ سے مارے جاتے..... مگر مارے ضرور جاتے۔“

وہ کہہ کر لاؤنچ سے نکل گئیں، واضح طور پر وہ علیحدہ کے ساتھ کسی حزیہ بحث سے پتہ چاہتی تھیں۔ وہ جلیکس بچپانے بغیر انہیں کمرے سے نکلے دیکھتی رہی۔

وہ ناتو کے جانے کے بعد وہ بے بسی سے صوف پر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ کیا کرے۔ اس کے کانوں میں بار بار اس رات عباس کی گنگو کوئی رہی اور نڈر نے والا ہر جلسہ اس کے غم و غصہ میں اضافہ کرتا رہا۔

شہلا نے کچھ دیر بعد ایک بار پھر فون کیا تھا اور علیحدہ سے دوسری طرف سے شہلا کی آواز سننے ہی کہا۔

”شہلا! میں ابھی تم سے بات نہیں کر سکتی..... تم تعویذ دیر کے بعد مجھے رخصت کرنا۔“

شہلا کچھ حیران ہوئی ”تم ٹھیک تو ہو؟“

”نہیں۔ میں ٹھیک نہیں ہوں..... میں بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں۔ اسی لئے تو تم سے بات نہیں کر سکتی۔“

اس نے فون کا ریسیور ہٹ دیا۔ وہ خود نہیں سمجھتی تھی کہ اسے شہلا پر اتنا غصہ کیوں آتا تھا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح اپنے اگلے اقدام کے بارے میں سوچتی رہی پھر اس نے ایک بار پھر عباس کو فون کیا۔

آپریٹر نے پہلے والا جواب دہرہ دہرایا۔

”وہ میٹنگ میں ہیں۔“

”کب فارغ ہوں گے؟“

”اس کے بارے میں پتا نہیں، آپ صبیح چھوڑ دیں۔“

علیحدہ نے کوئی پیام چھوڑنے کے بجائے فون بند کر دیا اور عباس کے موہلیں پر کال کرنے لگی۔ موہلیں آف تھا۔ اس نے عمر کے موہلیں پر غبر ملا، عمر کا موہلیں بھی آف تھا۔ اس کی بے چینی بڑھنے لگی۔ عمر آخر اس وقت کہاں تھا؟ وہ جانا چاہتی تھی، لیکن وہ پھر عباس کے ساتھ تھا۔ یہ وہ جانتی تھی اور کیوں تھا؟ اب وہ اندازہ کر سکتی تھی۔

”وہ یقیناً عباس کے ساتھ اس سارے معاملے کے بارے میں بات کر رہا ہوگا، میری طرح اسے بھی شاک لگا ہوگا اور وہ شاید کل ہی یہ سب کچھ جان گیا تھا۔ اسی لئے وہ واپس جانے کے بجائے لاہور میں ٹھہر گیا تھا۔ اس نے یقیناً عباس سے اپنی ناراضی کا اظہار کیا ہوگا۔ اسے بتایا ہوگا کہ اس نے کتنا غلط کام کیا ہے۔ وہ ضرور اس معاملے کے بارے میں کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائے گا۔ کم از کم اس بار وہ عباس کو بچنے نہیں دے گا۔ اس

”جنس نیاز کے محصوم بنے کو اس کے گھر سے اٹھا کر قتل کرنے کے بعد آپ کی پولیس کہتی ہے کہ وہ لا اینڈ آرڈر ٹھیک کر رہی ہے۔ ہائی کورٹ کے جج کے بیٹے کو مارنے سے لا اینڈ آرڈر ٹھیک ہو جائے گا؟“ چیف فئسٹر مشکل میں پھنس گئے۔

”آپ میری بات نہیں سمجھے شاہ صاحب! میں تو آئی جی کا بیان دہرا رہا تھا آپ کے سامنے، میں نے تو نہیں کہا کہ ان ای جی کا بیان ٹھیک ہے، ہو سکتا ہے ان کے پاس بھی صحیح معلومات نہ ہوں۔“

”آئی جی کے پاس صحیح معلومات نہ تھیں۔ لیکن نہیں ہے تو وہ کیسے ایک صوبہ سنبھالے گا۔ پھر تو اس کو بھی اتارنا چاہئے۔ اس سے بہتر شخص نے کراچی میں اس پوسٹ پر۔“

”میں آپ کے فئے کو سمجھ سکتا ہوں۔“

”نہیں، آپ میرے فئے کو کچھ ہی نہیں سمجھتے۔ آپ اپنی انتظامیہ کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ میرا غصہ کسی فرد کا غصہ نہیں ہے۔ سارے ججز نامراض ہیں۔ آج جنس کے بیٹے کو مارا ہے۔ کل میرے بیٹے کو اٹھا کر لے جائیں گے آپ لوگ۔“

”ابھی تو چوبیس گھنٹے ہی گزرے ہیں اس واقعہ کو۔ اتنی جلدی نتائج اخذ مت کریں۔“ چیف فئسٹر نے انہیں ٹوکا۔

”آپ محاس کو معطل کر دیں۔ میں کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتا۔“

”میں اسے معطل نہیں کر سکتا۔“ چیف فئسٹر نے ای جی سے ایسی کاہلی برا ظہار کیا۔

”کیوں اس لئے۔ کیونکہ وہ ہم سیکرٹری کا بیٹا ہے؟“

”ہات صرف ایک ہوم سیکرٹری کی نہیں ہے۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر ہر دور کسی کا ایک پورا حصہ ہے اس کے ساتھ۔ محاس کی بہن کو رکنا ڈر کے بیٹے کے ساتھ بایا ہوئی ہے۔ محاس کی بیوی کا بچا وفاقی حکومت میں دوڑ رہا ہے۔ وہ کوئی عام سول سرفنٹ تو ہے نہیں جسے میں اٹھا کر باہر پھینک دوں۔ آپ میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کریں۔“

”آپ بھی میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کریں۔ چیف جنس کے طور پر اپنے باقت کام کرنے والے ججز کے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی پر ایکشن لینا برا فرض بنتا ہے۔“ شاہ کی آواز کچھ دبی ہوئی تھی۔

”جنس نیاز نے باقاعدہ مجھ سے شکایت کی ہے۔ بلکہ ہریم کورٹ کے چیف جنس نے بھی خود فون کر کے مجھ سے اسی سلسلے میں بات کی ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں جبکہ۔۔۔ شاہ صاحب آپ جنس نیاز کو تو ذرا سمجھا، محاس کے خلاف انکوائری کر دیا دیتے ہیں مگر محفل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے باپ نے بات کی ہے مجھ سے۔۔۔ کل وہ لاہور آ رہا ہے تو اس سے آئے سامنے بات ہوگی۔ میں ان کا ٹیلیفون اور اسٹیکز کو معطل کر دیتا ہوں جنہوں نے اس آپریشن میں حصہ لیا تھا۔ پھر اگر انکوائری میں محاس کے خلاف کوئی ثبوت ملے تو ایکشن لینے کا کوئی جواز تو ہوگا پاس۔ ابھی اگر اس کو معطل کر بھی دیتے ہیں۔ اور بعد میں وہ بے گناہ ثابت ہوا تو میری وزارت اعلیٰ چلی جائے گی۔ اس لئے میں اتنا

لیں یا پھر مجھے اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع دیں۔ مجھے بھی انفسوس ہے ان کے بیٹے کی موت کا۔ اور میرا چاہتا تھا کہ خود ان کی جلیبی سے ملاقات کروں۔۔۔ ان کے گھر جاؤں۔۔۔ مگر انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ چیف فئسٹر کو میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ آئے گا تو کیٹ کے باہر کھڑا رہے گا۔ میں اس کی شکل تک نہیں دیکھوں گا۔ آپ خود سوچیں کہ یہ کوئی طریقہ ہے ایک صوبے کے چیف فئسٹر کے بارے میں بات کرنے کا۔“ چیف فئسٹر نے پہلا بار قدروں سے بلند آواز میں جنس نیاز کے رویے کی شکایت کی۔

”مجھے میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔۔۔ آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ ان کا جوان بیٹا مار دیا ہے آپ کی پولیس نے۔“ شاہ نے فوراً جنس نیاز کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ ماننا ہوں۔۔۔ وہ قصہ میں ہیں، مگر یہ جبکہ آپ انہیں پریس کے سامنے تو نہیں کہنا چاہتے تھا۔ چار اخباروں نے آج ہی خبر کو انہی کے الفاظ کے ساتھ فرنٹ پیج پر ہیڈ لائن بنا دیا ہے۔ جنس نیاز کا چیف فئسٹر سے ملنے سے انکار۔۔۔ آپ خود سوچیں انتظامیہ پر کیا اثر ہوگا اس ہیڈ لائن کا۔۔۔“

شاہ نے اس کی بات ایک بار پھر کاٹ ڈالی۔

”جنس نیاز نے آپ سے ملنے سے تب انکار کیا تھا۔ جب آئی جی نے محاس حیدر کو معطل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نہ صرف اس سے انکار کیا بلکہ اسے بے گناہ بھی قرار دیا۔ میرے کہنے پر بھی آئی جی اپنی بات پر اڑا رہا۔۔۔ اس نے کہا کہ امتحان صدیقی نے اسے جو رپورٹ دی ہے، اس کے مطابق تو محاس حیدر نے ایک کارنامہ کیا ہے۔ بروقت کارروائی سے اس نے ایک پورے خاندان کی جان بچائی ہے۔ جب میں نے کارروائی پر اصرار کیا۔ تو آئی جی نے کہا کہ چیف سیکرٹری سے بات کر لیں یا چیف فئسٹر سے اگر اوپر سے آرڈر دیا جائے تو میں محاس کو معطل کر دوں گا۔“ شاہ شاہ اب غصے میں بول رہے تھے۔

”اور چیف سیکرٹری دو گھنٹے پہلے سرزمین ساحل کے کارڈز کی فونٹ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کے بی اے کے مطابق اسے دل کی تکلیف شروع ہو گئی ہے اور اس نے دو ہفتے کی میڈیکل یو ایج لی لی ہے۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق۔۔۔ دو ہفتے کے بعد جب سارا معاملہ ختم ہو جائے گا تو وہ فوراً صحت یاب ہو کر سرزمین سے باہر آ جائے گا اور آپ سے بات کر رہا ہوں تو آپ کہہ رہے ہیں کہ جنس نیاز نے ایسا کوئی مطالعہ کیا ہی نہیں۔“

”شاہ صاحب۔۔۔ جنس نیاز صاحب کا مطالعہ کچھ پہنچا تھا۔ آئی جی نے بتایا تھا مجھے۔ لیکن حقیقت کے بغیر میں ایک سینئر پولیس آفیسر کو محفل کر سکتا ہوں؟ آئی جی نے تو مجھ پر اپنی ناراضی ظاہر کی تھی، جس طرح آپ نے اور جنس نیاز نے ان سے بات کی۔۔۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ پولیس کے کام میں دخل اندازی کر رہے ہیں، شکایت کی جاتی ہے کہ لا اینڈ آرڈر ٹھیک کیا جائے جب ٹھیک کرنے کی کوشش کی جائے تو پھر اوپر سے اس طرح کا پریشر پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔“ شاہ شاہ کو ان کی بات پر اوروں کا ہاتھ دیا۔

”آئی جی کے بیان کی آپ کے نزدیک ہائی کورٹ کے جج اور چیف فئسٹر سے زیادہ اہمیت ہے؟“

”ایسی بات نہیں۔۔۔“ شاہ شاہ نے ان کی بات ٹھیکہ بنائی۔

بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ آپ جسٹس نیاز کو سمجھائیں، ان سے بات کریں..... بلکہ وہ کل میرے گھر آ جائیں، وہاں ایاز حیدر اور عباس کی بھی ملاقات کروادوں گا..... آئے سانسے بات ہو تو زیادہ بہتر ہے۔"

ثاقب شاہ خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے۔
 "میں جسٹس نیاز تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گا..... جہاں تک سمجھانے کا تعلق ہے تو یہ کام میں نہیں سکتا۔ آپ اس سلسلے میں خود ان سے بات کریں۔"

"آپ نے انکوائری کے لئے کسی کا نام تجویز نہیں کیا؟" چیف فکسٹر نے انہیں یاد دلایا۔
 "میں پہلے جسٹس نیاز سے بات کروں، اس کے بعد ہی اس سلسلے میں آپ کو کوئی نام دے سکتوں گا اگر انہوں نے آپ کی پیش کش مان لی تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میں کسی کا نام تجویز نہیں کروں گا۔"
 چیف جسٹس نے صاف لفظوں میں کہا اور پھر انتہائی نکلتا کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔



باب ۴۳

اگلے دو دن گھر میں کاٹرا اور تلے کے لئے آنے والوں کا آتا پاتا حار رہا۔ علیزہ شادیوں کے علاوہ پہلی بار اپنے تقریباً تمام جانے والوں اور رشتہ داروں کو دیکھ رہی تھی۔ زیادہ تر لوگ بار بار فون کر کے نمرہ کی آخری رسومات کے بارے میں حتمی معلومات لے رہے تھے۔ گھر میں اس کے تمام انکوائری اہل فیکسٹر کے ساتھ آچکے تھے۔
 علیزہ نے لوگوں کے اسی آنے جانے کے دوران عمر کو بھی بار بار گھر آتے جاتے دیکھا۔ اس کے ساتھ جوڑھ نہیں تھی اور وہ اکیلا ہی تھا۔ وہ اس سے تعزیت کرنا چاہتی تھی مگر عمر کے رویے نے اسے اس قدر حیران کیا کہ وہ اس سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکی۔

وہ جاتی تھی کہ نمرہ اس کی سگی بہن نہیں ہے پھر بھی عمر جس قدر جذباتی اور نرم دل شخص تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہن کی موت پر خاصا اندر ہوا۔ مگر عمر کے تاثرات اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ بالکل پر سکون تھا۔ لوگوں کے تعزیتی کلمات وصول کرتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر کسی غم یا اندر دگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے نمرہ کی موت پر کوئی شاک لگا تھا نہ ہی دکھ ہوا تھا..... یا پھر شاید اسے نمرہ کی موت یا زندگی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔

علیزہ کے لئے اس کے تاثرات بہت شاکنگ تھے۔ جو شخص ایک کزن اور ایک گرل فرینڈ کے لئے آؤٹ آف داوے جا کر سب کچھ کرنے پر تیار ہو۔ جو اپنے ایک انڈر واپارٹ کی کافی جانے والی شاخ کو دو بارہ گیلے میں جب تک لگائے رکھتا ہے جب تک وہ سوکھ نہ جائے اور سوکھنے کے بعد بھی جو اسے ہٹانے پر تیار نہ ہو..... وہ ایک سو بیڑے سہی مگر خونی رشتہ کی اس طرح کی موت پر کسی روئل کا اکتھا نہیں کر رہا تھا..... کیا عمر کا واقعی اپنی فیملی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا؟..... کیا وہ واقعی ان کے بارے میں کسی قسم کے کوئی احساسات نہیں رکھتا؟ کیا وہ اپنی فیملی کو اس حد تک نا پسند کر سکتا ہے کہ..... یا پھر وہ ہمیشہ کی طرح بہت کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے؟

علیزہ اپنے ذہن میں ابھرنے والے ان تمام سوالوں سے الجھ رہی تھی، وہ بہت اچھی چہرہ شناس نہیں تھی مگر اسے پھر بھی یہ یقین تھا کہ اس نے عمر کا چہرہ چرٹنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کے چہرے پر بے بسی اور لائقیت کے

"میں تو میں کرسکوں گا یا نہیں، مگر ایک چیز تو ہے کہ تم اور میں اب اکٹھے نہیں چل سکتے۔"

"تمہارے ساتھ اکٹھے چلنا کون چاہتا ہے۔ کم از کم اب میں تو تمہاری بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔ میں کورٹ میں ڈاکیومنٹس کے لئے کیس فائل کر رہی ہوں، اور میں تمام اثاثوں کی برابر تقسیم کا دعویٰ بھی کر دوں گی، میں میں شاہ اس بار بہت سے فیصلے پہلے ہی کر چکی تھیں۔"

"اتنا؟ کون سے اتنا؟ کون سے اثاثوں کی برابر تقسیم چاہتی ہو تم؟" جاگیر کے اشتعال میں ایک دم اضافہ ہو گیا۔

"تم بہت اچھی طرح جانتے ہو، میں کسی اثاثوں کی بات کر رہی ہوں۔ تمہاری لوٹ مار کی کٹائی کی بات کر رہی ہوں میں۔"

"میں تم کو ایک پائی بھی نہیں دوں گا۔"

"مجھے پائی چاہئے بھی نہیں، مجھے کروڑوں میں حصہ چاہئے۔" علیزہ بے چینی سے ان دونوں کے درمیان ہونی والی منگھٹوں رہی تھی۔

اپنی بیٹی کی موت کے چوتھے دن وہ دونوں جانبدار کی تقسیم کی معاملے پر لڑ رہے تھے، علیزہ کی دل گرفتگی اور رنجیدگی میں اضافہ ہو گیا، اسے پہلی بار احساس ہوا، اپنی بیٹی میں اس پہلی اذیت سے گزرنے والی وہ ایک بیٹی نہیں تھی۔ اس کی جڑ بھین کا ہر فرد تقریباً اسی قسم کے حالات سے دوچار تھا۔

عمر سے اس کی بھرپوری میں ایک بیگ بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔

"کم از کم میں نے اپنے ماں باپ کو اس طرح لڑتے تو نہیں دیکھا۔ اور عمر... وہ... تو شاید بچپن سے یہ سارے تھامے دیکھنے کا عادی ہے۔" وہ اس رات لاؤنج میں سے نکلے ہوئے عمر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

عمر ناؤ کے گھر نہیں ٹھہرا تھا، وہ کہاں ٹھہرا ہوا تھا؟ علیزہ نہیں جانتی تھی مگر اس کا اندازہ تھا کہ وہ جوڑھ کے ساتھ اسی ہوٹل میں مقیم تھا جہاں وہ پہلے کیا تھا۔ اگرچہ اس نے جوڑھ کو تقریر کے لئے ناؤ کے گھر آیا تو فون کرتے نہیں دیکھا مگر اسے پھر بھی یقین تھا کہ وہ پاکستان میں ہی ہے۔

اگلے چند دن کے بعد گھر ایک بار پھر خالی ہو گیا۔ ناؤ اور تانا کی افسردگی پہلے سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ رنجیدگی کی ایک دہر اگر نمر کی موت تھی تو دوسری دہر جہاں گھر اور شہرین کے درمیان ہونی والی متوقع طیفجہ کی بھی تھی اور شاید وہ غم کے چھوٹے بہن بھائیوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہے تھے۔ علیزہ ان کے بدلے ہوئے موڈز کو بچکانے لگ چکی تھی۔



باب ۴۴

دوسری طرف عباس تھا اس کی آواز سنتے ہی ریسپورڈر علیزہ کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی۔

"بیو علیزہ... کیا ہارلم ہے؟ تم نے دوبارہ ہون کیا... سب کچھ ٹھیک تو ہے۔"

"میں نے غصہ بچہ دیکھ لیا ہے۔"

دوسری طرف یک دم خاموشی چھا گئی۔

"عباس بھائی! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ اس طرح چار انسانوں کو قتل کر سکتے ہیں۔"

"علیزہ! تم ان چیزوں کو نہیں سمجھتی۔" عباس نے بڑے مطمئن انداز میں کہا۔

"تم نے صرف اسی موضوع پر بات کرنے کے لئے فون کیا تھا؟" عباس نے اس کے سوال کا جواب گول کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے صرف اسی موضوع پر بات کرنی ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ان لوگوں کو پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتے ہیں اس لئے انکے کر رہے ہیں مگر آپ نے انہیں مار دیا۔" وہ یک دم پھٹ گئی۔

"کوئی انسان اتنی بے رحمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔"

"تم تو واقعی فیسے میں ہو علیزہ۔" وہ جیسے اس کے فیسے سے محفوظ ہوا، علیزہ کو جبک کا احساس ہوا۔

"آپ کو احساس ہے کہ آپ نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے؟"

"بالکل احساس ہے کہ میں نے کیا کیا ہے۔ البتہ میں تمہاری طرح اس ظلم نہیں سمجھتا۔ میں نے وہی کیا ہے جو مناسب سمجھا۔" اس کے اطمینان اور سکون میں رتی بھر کی نہیں آئی۔

"چار بے گناہ انسانوں کو اس طرح اٹھا کر مار دینا کہاں سے مناسب لگے ہے آپ کو؟"

"بہنی بات تو یہ کہ وہ بے گناہ نہیں تھے اور دوسری بات یہ کہ انہیں میں نے نہیں مارا۔ پولیس متا بلے میں

مرے ہیں وہ۔" عباس نے اسے ٹوکنے ہوئے کہا۔

"پولیس مقابلہ؟ کون سا پولیس مقابلہ؟ مجھے تو بے وقوف نہ بنائیں۔ میرے سامنے آپ نے ان

”مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ دنیا کے کسی قانون میں اس جرم کی سزا موت ہے یا نہیں میں نے انہیں اس جرم کے لئے سزا دی جو وہ کرنا چاہتے تھے۔“

”مگر کیا تو نہیں تھا؟“

”کرنا تو چاہتے تھے۔“ وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

”پولیس صرف ارادے پر لوگوں کو سزائے موت کب سے دیتے تھے؟“

”میں نے دوسری طرف ایک گھبراہٹ سنا لی۔“

”People are judged by their intentions.“ (لوگ اپنے ارادوں سے ہی جانے

جاتے ہیں۔) اس کا لہجہ اس بار بالکل خشک تھا۔

”لیکن انہیں صرف ان کے ارادوں کی وجہ سے سزا نہیں دی جاتی۔“

”علیحدہ! میں اس وقت بہت مصروف ہوں، ایک بینک سے فارغ ہوا ہوں، تھوڑی دیر بعد دوسری بینک ہے۔ اس لئے بہتر ہے اس بات کو ابھی ختم کر دیں۔ بعد میں اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔ تم یہ بات تمہاری چوٹ پہلے سے بہتر ہے یا نہیں؟“

وہ اب واقعی موضوع بدل دینا چاہتا تھا۔

”آپ میری چوٹ کے بارے میں بات نہ کریں، آپ مجھ سے صرف وہی بات کریں جو میں کرنا چاہتی ہوں۔“

”اور اگر یہی بات میں تم سے کہوں کہ تم مجھ سے صرف وہی بات کرو جو میں کرنا چاہتا ہوں تو پھر؟“

”میں اس بات کو سن کر ہلکی سی ہنسی اُٹا کر کہی۔“

”یہ میری بدقسمتی تھی کہ ناٹو نے آپ سے مدد مانگی، وہ ایسا نہ کرشم تو وہ چاروں آج زندہ ہوتے۔“

”وہ چاروں اگر آج زندہ ہوتے تو زندہ نہ ہوتیں۔“

”میں اسے جیسے اسے یاد دہانی کر داتی۔“

”آپ ایک بار اصرار ان کی سوچ کی بات کر رہے ہیں۔“

”ہر جرم سوچ سے ہی شروع ہوتا ہے۔“

”میں آپ کی طرح پریکٹیکل نہیں ہو سکتی کہ منٹ اٹھاؤں اور جس کو جہاں چاہوں مار دوں یہ کہہ کر وہ جرم کرنے والا تھا۔“

”میں خون بند کر رہا ہوں۔“

”میں اسے علیحدہ سے کہا۔“

”کر دیں مگر وہ بات ضرور سن لیں، جو میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔“

”اس بار علیحدہ کی آواز میں ٹھہرا ہوا تھا۔“

”میں اس بات کو سن کر ہلکی سی ہنسی اُٹا کر کہی۔“

”میں اس بات کو سن کر ہلکی سی ہنسی اُٹا کر کہی۔“

”میں اس بات کو سن کر ہلکی سی ہنسی اُٹا کر کہی۔“

چاروں کو اپنی گاڑی میں بٹھا دیا ہوا تھا۔“

”ٹھیک..... اگر تمہیں یہ یاد ہے تو پھر یہ بھی یاد ہو گا کہ میں نے انہیں کیوں پکڑا تھا۔“

”میری وجہ سے پکڑا تھا آپ نے انہیں، اور میری وجہ سے ہی مارا گیا۔“

”تو کیا غلط کیا۔ اب اگر لوگ ہماری عورتوں تک آنا شروع کر دیں۔ تو ہم Don't do it

again (آئندہ ایسا نہیں کرو) کہہ کر گال کوسہارا کر دے گی کوئی چھوڑ سکتے۔“

”میں نے آپ کو انہیں چھوڑنے کے لئے تو نہیں کہا تھا، آپ انہیں گرفتار کر لینے مگر اس طرح مارے تو نہ۔“

”علیحدہ! تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے..... بہتر ہے اس معاملے کے بارے میں بات نہ کرو۔“

”میں کیا نہیں سمجھتی۔ میں سب کچھ سمجھتی ہوں۔“

”تمہیں اتنی بھاری کیوں ہو رہی ہے ان سے؟“

”مجھے بھاری نہیں ہو رہی، میں صرف اس غلط کام کی نشاندہی کر رہی ہوں جو آپ نے کیا ہے۔“

”غلط کام کی تعریف تم میرے لئے چھوڑ دو تم اس کے بارے میں ذہن کو مت الجھاؤ، میں اپنا

کام بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔“

”میں اس کی آواز میں اس بار دوسری ہنسی۔“

”کیا کام جانتے ہیں آپ، صرف لوگوں کو جانوروں کی طرح قتل کر دینا، اور جعلی پولیس مقابلے قرار دے

کر میڈلز بنانا۔“

”اگر چاروں کے ساتھ وہی ہوا ہے جس کے وہ متفق تھے۔ میرے خاندان کی عورت کے پیچھے کوئی اس

طرح آئے گا تو یہی کر دے گا۔ ان کو تو عام عورتوں اور ہماری منسلکی کی عورتوں میں کوئی فرق نہیں لگتا۔“

”وہ نہیں جانتے تھے کہ میرا تعلق اس خاندان سے ہے میرے خاندان کے بارے میں چھان بین کر کے

انہوں نے میرا اچھا کرنا شروع نہیں کیا۔“

”اگر نہیں جانتے تھے تو ان کو جان لینا چاہیے تھا، انہیں اور دماغ نہیں رکھتے تھے کیا وہ۔ آج بے خبری

میں تمہاری پیچھے آئے تھے کہ جانتے ہو جیسے آتے۔“

”آپ کی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”تمہارا سمجھ سے تو بہت ساری چیزیں باہر ہیں۔ تم جانتی ہو وہ وہ جس پر پکڑ لیتے تو کیا کرتے؟“

”مگر انہوں نے مجھے پکڑا نہیں تھا، نہ ہی مجھے کوئی نقصان پہنچایا، میں بچ گئی تھی۔“

”تم اس لئے بچ گئی تھیں کہ پولیس دس منٹ کے اندر اس علاقے میں پہنچ گئی تھی اور وہ تو تمہارا کوئی لحاظ

نہ کرتے۔“

”وہ کیا کرتے اور کیا نہیں میں اس کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ انہوں نے جو کیا آپ اس کی بات کریں۔“

انہوں نے صرف ایک لوگ کا چھپا کیا اسے انکار کرنے کی کوشش کی اور اس جرم کی سزا دنیا کے کسی قانون کے تحت بھی

موت نہیں ہو سکتی۔“

کام نہیں کر رہا۔

”یہ کام کبھی کیسے سکا ہے؟ یہ عباس کی وجہ سے بند ہے۔“ علیزہ نے سختی سے کہا۔

”فون کیوں بند کر دیا ہے عباس نے؟“ نانو کچھ غرور مند ہو گئیں۔

علیزہ کچھ کہتے کہتے رو گئی، اسے اپنا کچھ خیال آیا تھا کہ نانو سے کچھ بھی کہنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

”نانو! آپ مجھے ساتھ والوں کے گھر بھیجا کریں، میں وہاں سے فون کروں گی۔“

”مجھیں فون کرنا کہاں ہے؟“

”شہلا کون کرنا ہے۔“ اس نے جھوٹ بولا۔

”صبح اس سے بات تو ہوئی تھی تہااری۔“

”نہیں ہوئی تھی، میں نے فون بند کر دیا تھا۔“

”اتنا بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے ابھی کچھ دیر تک وہ خود آ جائے۔“

نانو نے اسے سمجھایا، وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”اچھا آپ مرید بابا سے کہیں، وہ ساتھ والوں کے گھر سے اسے فون پر یہاں آنے کے لئے کہیں۔“

اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ نانو اسے جواب دینے کے بجائے مرید بابا کو پکارنے لگیں۔

”جواد صاحب کے گھر جاؤ اور شہلا کونوں کر کہیں یہاں آنے کے لئے کہو۔“ مرید بابا کے آنے پر نانو نے اس سے کہا۔

”اس سے یہ بھی کہیں کرنا پتا ہوگاں فون لے کر آئے۔“ علیزہ نے نانو کی ہدایت کے بعد کہا۔ مرید بابا سر

ہلاتے ہوئے لاؤنج میں نکلے۔ مگر ان کی اداسی چند منٹوں کے بعد ہی ہو گئی۔

”گیت پر موجود پولیس باہر جا رہے ہیں دے رہی۔“ انہوں نے آتے ہی اطلاع دی۔

”آپ انہیں بتا دیے کہ آپ کو ضروری کام سے نانو نے بھیجا ہے۔“ علیزہ ایک بار بھر بے چین ہو گئی۔

”میں نے ان سے کہا تھا مگر انہوں نے کہا کہ گھر سے کوئی بھی باہر نہیں جائے گا۔“

علیزہ نے بے اختیار اپنے ہونٹ میچھے لیے۔

”ٹھیک ہے، آپ اپنا کام کر لیں۔“ نانو نے مرید بابا کو ہدایت دی۔

ان کے جانے کے بعد انہوں نے علیزہ سے کہا۔ ”تم شہلا کا انتظار کرو، جب فون نہیں ملے گا تو وہ خود ہی

یہاں آ جائے گی۔“

انہوں نے جیسے علیزہ کو تسلی دی ”اور اگر باہر موجود پولیس نے اسے بھی اندر آنے نہ دیا تو۔۔۔؟“ دو سوالیہ

لہجے میں ان سے ہوئی۔

”تو تو۔۔۔؟“ نانو کو کوئی جواب نہیں سوجھا۔

وہ تیز قدموں کے ساتھ گیت کی طرف بڑھ گئی۔

گیت کی سائیز پر موجود چھوٹا گیت گول کر اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی گیت کا

پولٹ کھٹنے ہی باہر موجود ایک پولیس گاڑی اس کے سامنے آ گیا۔ وہ اندر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”آپ اندر چلی جائیں، باہر نہیں جاسکتیں۔“ اس کی آواز میں سختی مگر بے مروت تھا۔

”کیوں نہیں جاسکتی؟“

”ہمیں صاحب نے حکم دیا ہے کہ گھر سے کسی کو بھی باہر نکلنے نہ دیا جائے۔“

”کون سے صاحب نے حکم دیا ہے۔ تمہیں؟“

”عباس صاحب نے۔ آپ پہلے ان سے بات کر کے اجازت لے لیں پھر ہم آپ کو باہر آنے دیں گے۔“

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔ فون میں ہونے والی آجاک بخرانی اس کی سمجھ میں آنے لگی

تھی۔ عباس یقیناً اتنا کروڑ نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

”فون خراب ہے۔ میں ساتھ والے گھر سے فون کر کے عباس سے اجازت لے۔۔۔۔۔“ پولیس گاڑی نے اس

کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

”آپ کہیں بھی نہیں جاسکتیں۔ عباس صاحب اگر آپ کو اجازت دینا چاہیں گے تو خود آپ سے رابطہ

کریں گے یا ہدایت دے دیں گے۔ اس لئے بہتر ہے آپ اندر چلی جائیں۔“

اس کی آواز میں قطعیت تھی، علیزہ مزید بحث کے بغیر واپس اندر آ گئی۔ وہ شدید غصے کے عالم میں تھی۔

پاؤں جھٹکتے ہوئے وہ اندر لاؤنج میں چلی آئی، اندر آتے ہی اس نے وہ بیگ مگر پر اچھال دیا جو وہ گاڑی سے

نکال لائی تھی۔ اسے شدید بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔

چونکیار نے نانو کو سارے واقعہ کی اطلاع دے دی۔ وہ چند منٹوں کے بعد اندر لاؤنج میں تھیں۔

”تم کہاں جانا چاہ رہی ہو علیزہ؟“ انہوں نے آتے ہی پوچھا۔

”مادر تک نہ جانا چاہ رہی تھی۔“

”کیوں؟“

”کچھ کام کا نانو۔۔۔۔۔ مگر عباس نے باہر موجود گاڑی سے کہا ہے کہ کوئی اندر سے باہر نہ جائے۔“ اس نے

برہمی سے کہا۔

”عباس نے کہا ہے تو کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا۔ تم فون پر اس سے بات کرو۔“ نانو اس کے قریب بیٹھتے

ہوئے کہا۔

”فون لائن ڈیڈ ہے اور عباس، عباس بھی کچھ بھی سوچ کچھ کرنے کا مادی نہیں ہے۔“

”فون لائن ڈیڈ ہے؟ ابھی کچھ دو پہلے تو بالکل ٹھیک تھی۔“

نانو فون کا ریسیور اٹھا کر اسے چیک کرتے گئیں۔ پھر کچھ ہائی کے ساتھ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ ”یہ

”چہ نہیں یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے، ابھی بجلی زندگی گزوری تھی اور اب ایک دم۔“

انہوں نے بڑھاتے ہوئے لپٹی بات ادھوری چھوڑ دی۔ علیحدہ ان کی بات پر غور نہیں کیا۔ وہ اپنا ناخن کاٹتے ہوئے کچھ سوچنے میں مصروف تھی۔

☆☆☆

”آپ کے بیٹے کی وجہ سے بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہوں۔“ چیف فشر نے ایاز حیدر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی ٹھوڑی دیر پہلے ہی چیف فشر پاؤں پیچھے تھے۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے آپ کی بات پر، عباس کا سر دس ریکارڈر شاندار ہے۔ اس نے ہمیشہ اپنے فرائض کو بڑی ایمانداری سے سرانجام دیا ہے اور وہ انکدہ بھی ایسا ہی رہے گا۔ آپ خود کیا بااس کی تعریف کر سکتے ہیں۔“ ایاز حیدر نے بڑے خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

ہنسنے

”وہ دونوں اس وقت وہاں اکیلے تھے اور اب صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔“

”مجھے اس کی قابلیت یاد بات پر کوئی شبہ نہیں مگر وہ دن پہلے جو کچھ ہوا ہے، میں عباس حیدر جیسے آفیسر سے اس کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ ہائی کورٹ کے ایک جج کے بیٹے کو اس طرح گھر سے اٹھا کر مار دینا اور پھر یہ کہنا کہ وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے۔“

”مریمیری عباس سے اس معاملے میں تعینات بات ہوئی ہے۔ وہ لڑاکا سی رات واقعی پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔ ڈسٹریکٹ کی کوشش۔۔۔۔۔“ چیف فشر نے ایاز حیدر کی بات کاٹ دی۔

”میرے سامنے وہ بیان نہ دہرائیں جو اخباروں کو دیا گیا ہے۔ اس کا باپ کہہ رہا ہے کہ گھر سے سادہ کپڑوں میں پولیس اہلکار اس کے بیٹے کو اٹھا کر لے گئے۔“

”جسٹس نیاز جیسے نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔۔۔۔۔ ایک جج کا بیٹا ایک جرم کرتے ہوئے اس طرح مارا جائے تو اس کی ساکھ کس حد تک متاثر ہوگی۔ آپ تو ابھی طرح اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔“

ایاز حیدر نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔ چیف فشر جواب میں کہہ کر بولے بغیر خاموشی سے انہیں گھورتے رہے۔

”جسٹس نیاز جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہیں اور یہ ان کی مجبوری ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس

جھوٹ کی بنا پر آپ عباس کو سزا دیں۔ میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ عباس میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا بیٹا جیسا کہ میں

ہے، آپ کی انتظامیہ کا ایک رکن پہلے ہے اور اس کی ایمانداری اور فرض شناسی سب پر بہت واضح ہے میں جانتا

ہوں آپ اپنے ایک اچھے اور مستعد آفیسر کو بھی کونسا نہیں جانتے ہیں۔“

ایاز حیدر بڑے سنے پنے لفظوں میں اپنی بات آگے بڑھاتا ہوا تھا۔ چیف فشر اب بھی کچھ کہے بغیر

ان کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

”عباس نے کوئی غلط کام کیا ہوتا تو میں بھی یہاں نہ بیٹھا ہوا۔ آپ اس کے ساتھ جو چاہے کرتے۔ مجھے

کوئی اعتراض نہ ہوتا، لیکن اب عباس نے جو بھی کیا ہے، وہ لا اینڈ آؤڈ کو برقرار رکھنے کے لئے کیا ہے، اور اگر عباس

حیدر جیسے آفیسر کو سزا دی جائے گی تو اس سے ساری پولیس فورس کا مورال ڈاؤن ہوگا۔ خود عباس اس سارے واقعہ پر بہت اہم سیٹ ہے، وہ تو ریڈائن کر دیتا چاہتا تھا مگر میں نے زبردستی اس سے روکا وہ کہہ رہا تھا کہ پولیس تو ہمیشہ پولیس کا ٹیکہ لے کر آتی ہے تو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے مگر جب اوپر والے بھی اپنے آفیسر کو پکڑتے ہیں تو ان کے افسانے پر شک و شبہ کا اظہار کریں تو پھر کام کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں نے اسے خاصا سمجھایا مگر وہ پھر بھی بہت بد دل ہو گیا ہے اس سارے واقعہ پر، وہ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ آپ نے اس معاملہ میں اس کی حمایت کرنے کے بجائے انکوائری کا حکم دے دیا ہے۔ اس کا واضح مطلب تو یہی ہوا کہ آپ کو جسٹس نیاز کی بات زیادہ وزنی لگ رہی ہے۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کے اس حکم سے اس کی کریڈیٹیل سزا ہوئی ہے۔“

چیف فشر ایاز حیدر کی بات سننے سے ہونے لگا۔ مسلسل سگاری پی رہے تھے۔ ان کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ ایاز حیدر کی باتیں ان پر اثر کر رہی تھیں یا نہیں، کم از کم ایاز حیدر کو ان کے چہرے سے یہ جانتے نہیں کہ وہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اور بات کرتے رہے پھر جب وہ خاموش ہو گئے تو چیف فشر نے کچھ آگے بڑھتے ہوئے سامنے پڑی ٹیبل پر موجود وائٹل ٹرے میں سگاری رکھ کر بھاری۔

”عباس کے خلاف انکوائری کا حکم میں نے نہیں دیا۔“ وہ رکے پھر بولے۔

”میں نے اس پر سے معاملے کی تحقیقات کا حکم دیا ہے اور یہ آؤڈ میں نے کسی خاص شخص کو فکس (سرکڑ)

بنا کر نہیں دیا۔“

”سر! بات ایک ہی ہو جاتی ہے۔ عباس کے خلاف انکوائری کر دالی جائے یا پھر اس واقعے کے بارے

میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”انکوائری تو مجھے کرنا ہی ہے۔ جسٹس نیاز نے Publicly (عوام میں) آپ کے بیٹے کو مجرم ٹھہرایا

ہے۔“

”آفیشل اپنی کورٹ کے چیف جسٹس نے اس واقعے پر احتجاج کیا ہے۔“

”جسٹس نیاز کے اثرات بہت بڑے ہیں، میں آپ سے پہلے۔۔۔۔۔“ چیف فشر نے ان کی بات کاٹ دی۔

”ان کے اثرات اتنے بھی بڑے نہیں ہیں۔ ہسٹ مارٹر کرنے والے ڈاکٹرز سے فیکٹیل بات ہوئی ہے

میری۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ موت کا وقت وہ نہیں جانتے تھے انہوں نے دیا ہے۔ جسٹس نیاز نے جس وقت امتحان

مصدقہ کیا ہے بات کی، اس وقت ان کا بیٹا زندہ تھا اور ان کے فون پر امتحان صدیقی سے بات کرنے کے بغیر یا ایک

گھنٹے کے بعد اس کی موت ہوئی۔“

چیف فشر اب ایاز حیدر کے چہرے پر نظریں جمائے بول رہے تھے۔ ایاز حیدر کے چہرے کی رنگت میں

کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ بالکل پرسکون انداز میں چیف فشر کی بات سن رہے تھے۔

”ڈاکٹر نے یہ بھی اُسے بتایا ہے کہ ان چاروں کی موت بہت قریب سے گولیاں لگنے سے ہوئی ہے۔ زیادہ

سے زیادہ سات یا آٹھ فٹ کے فاصلے سے اور کچھ گولیاں کم فاصلے کی وجہ سے ان کے جسم کے آ پار بھی ہو گئیں۔“

اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میرا جتنا کسی کو بھی ایسے ہی اٹھا کر مار دے۔"

ایاز حیدر نے صاف لفظوں میں انکار کرتے ہوئے کہا۔

چیف فشر نے ایک گہرا سانس لیا اور صوفے کی پشت سے ٹپک نکالی۔

"اب باتیں کچھ مکمل کر ہوں گی۔ یہ بات دو حواف طے ہے کہ ماس نے ان چاروں کو ایک جعلی پولیس مقابلے میں مارا ہے۔ کیوں مارا ہے؟....."

"انہوں نے کچھ وقت تک کیا اور سامنے ٹیبل پر پڑی ایک فائل کو کھول کر اس میں سے ایک ایڈریس پڑھنے لگے۔ ایاز حیدر کے چہرے پر پہلی بار تازہ کی کیفیت نظر آنے لگی۔ وہ ایڈریس اس گھر کا تھا جہاں علیہ و نانو کے ساتھ رہتی تھی۔

"یہ ایڈریس اس گھر کا ہے جہاں آپ کی والدہ آپ کے والد کے انتقال کے بعد رہ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی ایک بھانجی بھی رہتی ہے۔..... علیہ و سکندر۔"

وہ خاموش ہو گئے اور فائل میں موجود کاغذات کو دیکھتے رہے، پھر انہوں نے وہ فائل واپس ٹیبل پر رکھ دی اور ایاز حیدر کو دیکھنے لگے۔

"جس رات یہ واقعہ ہوا تھا اس رات آپ کی یہ بھانجی اپنی ایک دوست کے ساتھ کسی کنسرٹ سے واپس آ رہی تھی۔ جب ان چاروں لڑکوں نے ان دونوں کا چھپا کیا۔ آپ کی بھانجی کی دوست اپنے گھر چلی گئی، لیکن جب آپ کی بھانجی گھر جا رہی تھی تو اس کا ایک بار پھر چھپا گیا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں کیے بعد دیگرے کی کاڑز آئیں۔ چند کار آپ کی والدہ نے کیں کچھ اس گھر سے کی گئیں جہاں آپ کی بھانجی چھپ گئی تھی۔"

وہ بڑی روایتی سے سب کچھ بتاتے جا رہے تھے۔ ایاز حیدر کو ان کی معلومات پر کوئی حیرت نہیں ہوئی، پولیس صرف ماس حیدر کی وفاداریں ہو سکتی تھی۔

"جس گھر میں آپ کی بھانجی چھپی تھی۔ وہاں کوئی ذمہ نہیں ہو رہی تھی، البتہ وہ لا کے آپ کی بھانجی کے پیچھے ضرور گئے تھے۔ ماس حیدر کے ساتھ اس دن عمر جہانگیر بھی تھا اور اس پورے آپریشن کے دوران اس کے ساتھ رہا۔ عمر جہانگیر کو جانتے ہیں نا آپ؟" چیف فشر نے سکرا کر چیف سے انداز میں کہا اور پھر بات جاری رکھی۔

"ماس نے اس پورے علاقے کا گھیراؤ کر لیا اور اس گھر تک بھی پہنچ گیا۔ وہ لا کے اس وقت تک فرار ہو چکے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے؟ یا اتنا ہی کافی ہے؟ یہ ضرور یاد رکھیں کہ آپ کی بھانجی کی کار اس وقت بھی پولیس ورکشاپ میں ہے اور اس گھر پر اس وقت بھی پولیس کا رڈنگی ہوئی ہے۔"

انہوں نے بڑے محفوظ ہوتے ہوئے ایاز حیدر کو دیکھ کر پوچھا۔ ایاز حیدر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کی ماس نے آپ کی بھانجی کی وجہ سے ان چاروں کو مارا تھا۔ کیا صرف اس لئے کہ ان چاروں نے آپ کی بھانجی کا چھپا کیا تھا یا پھر اس لئے کہ آپ کی بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ اولادوں تھی؟ خاص طور پر جنس خاندان کے بچے کے ساتھ کیونکہ اس کے علاوہ باقی کسی پر اتنا تشدد نہیں کیا گیا تھا۔ آپ کو یہاں

چیف فشر ایک بار پھر عمر جہانگیر کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ ایاز حیدر گنیش بھگتا نے بھیران کا چہرہ دیکھ رہے تھے، یوں جیسے وہ انہیں کوئی بہت دلچسپ کہانی سنانے میں مصروف تھے۔

"اور یہ جان کر بھی آپ خاصے محفوظ ہوں گے کہ چاروں کے جسم سے لئے والی گولیاں ایک ہی رائفل سے چلائی گئی ہیں۔ اب پولیس فورس میں کتنے اہل نشانہ باز ہیں۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ ایک پولیس مقابلے کے چاروں جرم ایک ہی پولیس والے کا نشانہ بنے؟"

چیف فشر کے چہرے پر اب ایک عجیب سی سکراہٹ تھی۔

"ڈاکٹر کے مطابق وہ چند منٹوں کے فرق سے تقریباً ایک ہی وقت مرے ہیں اور پولیس کا کہنا ہے مقابلہ دو گھنٹے جاری رہا اور مختلف جگہوں پر انہیں شہید کیا گیا ایک رائفل ہے؟ چلو انہیں لینے ہیں مگر جرم از کم موت کے وقت میں دس چندہ نہیں تو آٹھ دس منٹ کا فرق ہوتا۔" ان کی آواز میں اب کچھ کچھ جھنجھکی نظر آ رہی تھی۔

"اور ڈاکٹر کا یہ کہنا ہے کہ جنس خاندان کے بچے کو موت سے پہلے اچھے خاصے تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی پہلی کی کچھ پڑیوں میں فریج زخم تھے اور جسم پر چوڑوں کے کچھ نشانے بھی تھے۔ اب آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے کچھ غور پر انداز میں ایک اور کس لینے ہوئے کہا۔

"میں صرف یہی کہوں گا کہ ایسے ڈاکٹر پر کس چلنا چاہئے، انکوڑی ان کی ہونی چاہئے۔..... جو ڈاکٹر پہلے ایک بیان دے رہے ہیں پھر دوسرا۔ ان پر اعتماد کیے کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں انہوں نے سب کچھ کیوں نہیں بتایا۔"

ایاز حیدر نے اسی پرسکون انداز میں کہا، جس پر سکون انداز میں وہ چیف فشر کی ساری گفتگو سنتے رہے تھے۔

"پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ماس حیدر نے پوسٹ مارٹم رپورٹ بدلتے پر مجبور کیا۔"

ایاز چیف فشر کی بات پر بے اختیار رہے۔

"مگر سوال تو یہ یہ ہوتا ہے کہ ماس نے ایسے کیوں کی؟"

"اس سوال کا جواب لینے کے لئے تو میں نے آپ کو یہاں بلایا ہے۔ آپ بتائیے ماس نے یہ سب کیوں کیا؟"

"آپ کی ماس سے بات ہو چکی ہے؟"

"ہاں۔"

"یہ سوال آپ اس سے کر سکتے تھے اگر وہ زیادہ بہتر طریقے سے آپ کو ان سب باتوں کے بارے میں بتاتا۔"

"ڈاکٹر سے میری بات چند گھنٹے پہلے ہوئی ہے۔ جبکہ ماس سے بات مکمل ہوئی تھی۔ اگر آپ یہاں نہ آئے ہوتے تو اس وقت ماس ہی یہاں بیٹھا ہوتا۔ میں آپ سے جتنا مشاقتا ہوتا ہوں۔ کیا جنس خاندان کی پہلی کے ساتھ آپ کے کوئی اختلاف تھا؟"

"نہیں ان کی پہلی کے ساتھ ہمارے کیا اختلافات ہو سکتے ہیں۔ میں تو ان کی پہلی کو ٹھیک طرح سے جانتا تک نہیں ہوں۔ ان کا ردول بیک گراؤڈ ہے، ہمارا اردن ہے پھر کسی اختلاف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور

”ماریکے تک کس لئے؟“ عمر نے علیزہ کو بوسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب اس کے قریب صوفہ پر بیٹھ رہا تھا۔

”دو شہلا کو نوں کرنا چاہتی ہے۔“ نانو نے کہا۔
”کس لئے؟“

”وہ اسے بلانا چاہ رہی ہے یہاں۔“

”فیکس ہے میرا صوبائل نے لو اس پر کال کر داسے۔“ عمر نے اپنا صوبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
”ہاں اس پر کال کرلو۔“ علیزہ نے اس سے صوبائل لے لیا اور ادھر کرکڑی ہو گئی۔

”تم کہاں جا رہی ہو؟“ عمر نے اسے اٹھتے دیکھ کر ڈوکا۔
”اپنے کمرے میں۔“

”میرے سامنے بات کرو شہلا۔“

”ہاں علیزہ۔“ ہمیں فون کرلو۔“ نانو نے بھی مداخلت کی۔
علیزہ نے چونک کر عمر کو دیکھا، اس کے چہرے پر ہنسی کی علامت اور کچھ بھی نہیں تھا۔
”نہیں! نانو! میں یہاں فون نہیں کر سکتی۔“ اس نے لاؤنج سے نچتے ہوئے کہا۔

”مگر میں اس میں ابھی آتا ہوں۔“

علیزہ نے چلتے چلتے عمر کو کہتے سنا، وہ اب اس کی طرف آ رہا تھا۔ علیزہ کچھ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اب اس کے قریب آ کر بڑی نرمی سے اس کے ہاتھ سے صوبائل لے رہا تھا۔
”آؤ تمہارے کمرے میں چلیں، کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔“

وہ قدرے مدہم مگر مستحکم آواز میں کہہ رہا تھا۔

”مجھے بھی آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔
دو دونوں کمرے میں آ گئے۔ کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی علیزہ نے عمر سے کہا۔

”آپ نے دیکھا عمار نے ان چاروں کے ساتھ کیا کیا ہے؟“

عمر نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

”علیزہ! بیٹھ جاؤ اور بھر بات کرو۔“ وہ صوفہ پر بیٹھ گیا۔

”عمار نے ان چاروں کو گول کر دیا ہے یہ کہہ کر وہ پولیس مقابلیے میں مارے گئے۔ یہ سب جھوٹ ہے، آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں۔ سب کچھ آپ کے سامنے ہی تو ہوا تھا۔“

عمار بخود دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور بڑے اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اس نے چاروں کے ساتھ وہی کار اگل ایاز نے شہباز کے ساتھ کیا۔“ مجھے آپ کی بات پر

یقین آ گیا ہے، آپ جب جگہ کہہ رہے تھے۔“ وہ بھی چارہ ہی تھی، عمر نے کسی روگ لگا اظہار نہیں کیا۔

بلانے کی وجہ بھی تھی کہ یہ باتیں آئے سامنے ہو سکیں۔ عمار صورت حال کی چنگی کو انڈر اسٹینڈ کر رہا ہے۔ آپ یقیناً ایسا نہیں کریں گے۔ اب یہ آپ کو ملے کرنا ہے کہ ابھی بھی مجھے جگہ باتیں ملے یا پھر وہی سب باتیں دہرائیں گے جو پہلے دہرا رہے ہیں اور یہ بات ذہن میں ضرور رکھیں کہ ایسا کرنے کی صورت میں، میں انکار ہی نہیں کروں گا اور جو کچھ اس وقت میرے سامنے اس فائل میں پڑا ہے، وہ یقیناً ان تک بھی ضرور پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد آپ اور آپ کی جلی اس طرح کے کسی انکسٹنڈ لو کو فوڈ کر سکے گی؟ عمار حیرت کا سوچنے اس کا کیا ہو گا۔ عمر کیا آپ کی جلی اس طرح کے کسی انکسٹنڈ لو کو فوڈ کر سکے گی؟ عمار حیرت کا سوچنے اس کا کیا ہو گا۔ عمر جہانگیر وہ بھی جگہ نہیں سکے گا۔“

دو نوک سیاست باز دیر دیر کی کسی ایک مہرے کے لئے اپنے چتے بڑی ہوشیاری سے کھیل رہا تھا۔ دوسری طرف ایاز حیدر اس کی باتوں کو غور سے سنتے ہوئے سارے حساب کتاب چھٹا مصروف تھے۔

”جنس نیاز جس سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، آپ اسے ابھی طرح جانتے ہیں۔ ابھی طرح نہ بھی جانتے ہوں تو یہ ضرور آپ کے علم میں ہو گا کہ اسٹیبل کے بہت سے کمزور کی پٹ پٹا حاصل ہے۔ ان کی بات نہ سنتے پر مجھے اسٹیبل میں خاموشی کا سامنا کرنا پڑے گا اور جنس نیاز کا مطالبہ ہے، کہ آپ کے بیٹے کو معطل کیا جائے۔ اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں کس بنیاد پر ایسا کرنے سے انکار کروں۔ خاص طور پر یہ جاننے کے بعد کہ آپ کے بیٹے نے ایک غلط کام کیا ہے۔“

”میرے بیٹے نے کوئی غلط کام نہیں کیا، نہ عمار نے نہ ہی عمر جہانگیر نے۔ آپ کو ملنے والی اطلاعات فیک ہیں۔ ان چاروں کو ایک جلی پولیس مقابلیے میں مارا گیا تھا اور اس لئے ان کا کیا کیا تھا کینک۔“

ایاز حیدر نے چیف فشر کی بات سننے کے بعد بڑے دھمے اور مستحکم لہجے میں بات کرنا شروع کی۔ چیف فشر خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔

☆☆☆

علیزہ نے نانو کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی، جب اسے باہر پورچ میں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔
”شاید شہلا آئی ہے۔“ نانو نے اس سے کہا۔

”نہیں! یہ شہلا کی گاڑی کی آواز نہیں ہے۔“ علیزہ نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔ اسی وقت عمر لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ علیزہ بے اختیار خوش ہوئی۔ کچھ دیر پہلے وہ بے بسی کے جس احساس سے دوچار تھی، وہ ایک دم غائب ہو گیا تھا۔

”بیٹل۔“ عمر کا لہجہ بالکل خوشگوار نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر ہنسی تھی۔

”اچھا ہوا عمار آ گئے۔ یہ علیزہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ فون ڈیٹ ہے اور باہر موجود پولیس گاڑی کو اندر آنے دے رہا ہے نہ ہی باہر جانے دے رہا ہے۔ علیزہ ماریکے تک جانا چاہتی تھی، تم اسے لے جاؤ۔“ نانو نے عمر کو دیکھتے ہی کہا۔

”آپ شہباز کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، مگر ان چاروں کے بارے میں کم بہت کچھ کہہ سکتے ہیں آپ اور میں گواہ ہیں سب کچھ ہمارے سامنے ہوا تھا۔ ہم اس کو ایک غلط کام کے لئے سزا دلا سکتے ہیں۔“ وہ اب بھی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا یہ ضروری ہے کہ ہر غلط کام کرنے کے بعد مجس اور اہل ایاز جیسے لوگ بڑی آسانی سے بچ جائیں۔ کبھی تو انہیں یہ احساس ہونا چاہئے کہ وہ غلط کر رہے ہیں۔ وہ ہر کام غلط طریقے سے کر رہے ہیں، ان کے نزدیک انسانی زندگی کی اہمیت کیوں نہیں ہے۔“

اسے بات کرتے کرتے محسوس ہوا کہ عمر نے اب تک اس کی کسی بات کی تائید نہیں کی تھی، نہ دوسرے ذہرے کے کسی تاثر سے۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ لاشعوری طور پر وہ یہ توقع کر رہی تھی کہ عمر اس کی ہر بات کی نہ صرف تائید کرے گا بلکہ فوراً اس کی مدد کی ہائی بھی بھرے گا۔ مگر وہ..... وہ اس کی پچھلے سامنے بے تاثر چہرے کے ساتھ بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

”کچھ اور بھی کہنا ہے جیسا؟ یا میں یہی سب کہہ چکا ہوں؟“ اس کے ایک دم خاموش ہونے پر اس نے کہا۔ اس کا لہجہ اتنا عجیب تھا کہ وہ چاہئے کے بازو جو ایک لفظ بھی نہیں بول سکی۔

”میرا نام کیوں نہیں کیا تم نے اس سلسلے میں..... ایاز اہل، مجس حیدر اور عمر جہانگیر؟“ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”مجھ کو بھی اس ٹیبلر کی میں رکھو۔“

”عمر امیں.....“

عمر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی۔ ”زندگی میں جو لوگ دماغ کو استعمال نہیں کرتے، وہ ہمیشہ مرد کے بل کرتے ہیں اس لئے اپنے دماغ کو استعمال کرنا ٹیکس۔“ اس پر اس کی آواز میں تھپی۔

”اور جو لوگ صرف دماغ استعمال کرتے ہیں، وہ کیسے کرتے ہیں؟“

”وہ مگر سستے ہیں مگر مد کے بل نہیں۔“ مجس نے ایک صبح کاہلایا۔

”اس نے آپ کی برین داھک کر دی ہے، وہ آپ اس طرح کے قتل کو تو کبھی صحیح جاہت کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔“ وہ بے اختیار برہمی سے بولی۔ وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

”برین داھک مائی فنٹ۔ میں کوئی پانچ سال کا بچہ نہیں ہوں جس کی برین داھک کر دی گئی ہے۔ اس ذات ان چاروں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ دم و دلوں سے قتل کر کے کیا تھا۔“

وہ دم بخود اسے دیکھتی رہی وہ بڑے اطمینان سے اسے تار مار تھا۔

”اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ ہمارے پاس نہیں تھا۔“

”آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ مجس ان لوگوں کو لاک اپ میں بند کر دے گا۔ ان پر کورٹ میں کیس چلے گا۔“ اس نے غلط آواز میں کہا۔

”میں نے جھوٹ بولا تھا۔“

وہ اس کا منہ دیکھ کر رگمی۔

”فطیلہ سکندر کو بھی عمر میں یہ خوف بنانا دغا کا آسان ترین کام ہے۔“ اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ ”میں لوگوں کو چاہتا ہوں اور رکھنے میں آج بھی اتنی ہی ناکام ہوں جتنا پہلے تھی۔ کوئی ڈگری، کوئی تجربہ، بیری کچھ داری میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ میں کبھی بھی لوگوں کے لفظوں میں چپے ہوئے اصلی مفہوم تک نہیں پہنچ سکتی یا شاید عمر جہانگیر وہ شخص ہے جس کے لفظوں کو میں کبھی چاہتا نہیں چاہوں گی۔“

”یہ جھوٹ بولنے کی ضرورت تھی۔ آپ مجھے صاف صاف بتا سکتے تھے۔“

”تاکہ جو حاققت قابل کر رہی ہو، وہ اسی وقت کرنا شروع کر دیتیں۔“ اس کی آواز میں اس بار تڑپ تھی۔

”کیا کرنا شروع کرو جی؟“

”تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ تم کیا کر رہی ہو؟“ اس کی آواز میں تنبیہ تھی۔

”نہیں، میں نہیں جانتی میں کیا کر رہی ہوں۔ آپ بتادیں۔“

”مجس کو فون پر کیا کیا تھا تم نے؟“ وہ چند لمحوں کے بعد بولا۔

علیہ وہ کوئی خوش فہمی باقی نہیں رہی..... اس کا ایک اور اندازہ وہ بالکل غلط ثابت ہو گیا۔ وہ جان گئی تھی وہ یہاں کس کے لئے آیا تھا۔

”مجس کو پتا ہے کہ میں نے مجس کو فون کیا تھا تو پھر یہ بھی پتا ہو گا کہ میں کیا تھا۔“ اس نے اپنی آواز پر تھپی افسردہ کا پڑا پتے ہوئے کہا۔

”تم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے پراہلو پیدا کرنے کی کوشش مت کرو۔“ اس نے تیز آواز میں اس سے کہا۔

”میں کسی کے لئے پراہلو پیدا نہیں کر رہی۔ میں صرف وہ کر رہی ہوں جسے میں ٹھیک سمجھتی ہوں۔“

”کیا ٹھیک سمجھتی ہو تم خود کو اور خاندان کو اسکیٹھ لائز کرنا.....“

”میں کسی کو اسکیٹھ لائز نہیں کر رہی ہوں۔“ اس نے عمر کی بات کاٹ دی۔ ”اگر آپ کو اس چیز کا خوف تھا تو آپ کو یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”اچھا یہ نہیں کرنا چاہئے تھا؟ تو پھر کیا کرنا چاہئے تھا تمہاری بات کی سمجھے؟“

اس کی آواز میں طنز تھا اور وہ اسے بخوبی محسوس کر سکتی تھی۔

”آپ کو وہی کرنا چاہئے تھا جو مناسب تھا، جو جائز تھا۔ آپ کو انہیں صرف لاک اپ میں بند کر دینا چاہئے تھا۔ ان پر کورٹ میں کیس چل جائے پھر جوسر اگورٹ انہیں دیتی آپ اس پر عمل کرتے۔“

”لاک اپ میں بند کرنا چاہئے تھا؟ کتنے گھنٹوں کے لئے؟“

”کیا مطلب؟“

وہ اب عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”جیبر آف کارمن کے ایک عہدے دار کے بیٹے کو کون سلاخوں کے پیچھے رکھ سکتا ہے اور کتنی دیر“
”بھری کمر آپ کو کشتی کو کر سکتے تھے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا حق آپ کو کس نے دیا؟“ وہ اس کی کسی بات سے قائل نہیں ہونے لگی۔

”قانون کو ہاتھ میں اس لئے لینا پڑا کیونکہ قانون ان چاروں کے بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چاروں اسی رات مر کر ہولے جاتے اور اگر کسی طرح ان پر کیس کر بھی دیا جاتا تو کس طرح بیٹا جاسکتا تھا، موت کیا تھے ہمارے پاس؟“

”وہ بے جتنی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”موت تھے ہمارے پاس۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”کون سے موت؟ پولیس جب گھر پہنچی تو ان چاروں میں سے کوئی بھی وہاں نہیں تھا۔“

”لیکن اس گھر کے لوگوں نے انہیں دیکھا۔“ جب وہ زبردستی اندر آئے تھے۔“

”اس گھر کے لوگ؟“ وہ استہزاء سے انداز میں چننا۔ ”اس گھر کے کتے لوگ تمہارے لئے گواہی دینے کو رت میں آئیں گے، ایک بھی نہیں۔“

”آپ انہیں ایسا کرنے کے لئے پوچھنا کر سکتے ہیں۔“

”اور یہی کام نہ کرنے کے لئے ان چاروں کے گھر والے بھی انہیں پوچھنا کر سکتے تھے۔“

”ٹھیک ہے وہ گواہی دے دیتے، میں تو بے کسی تھی۔ میں پچھانی تھی ان چاروں کو۔“

وہ اس کی بات پر ایک بار ہر چننا۔

”تم کون ہو، طویل و کندہ، کیا حیثیت رکھتی ہے تمہاری گواہی۔ جاتی ہو دو کن اور اور میں پڑھ رہے تھے؟“

کوہر تم سے پوچھتی کہ چار ماہی حسب نسب کے نو جوانوں نے آخر تمہارا کیوں نہیں پچھا کیا۔ ہو سکتا ہے تم نے ان کو ترغیب دی ہو؟ ہو سکتا ہے وہ کہہ دیے کہ وہ جہیں پہلے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی کا تمہارے ساتھ اخیر محل رہا تھا۔ جب اس نے تمہارے ساتھ تعلقات ختم کئے تو تم نے اسے مزادینے کے لئے یہ سب کچھ پلان کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ صاف صاف کہہ دیے کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا، وہ جہیں جاتے تھے انہیں اور رات وہ چاروں اپنے اپنے گھر میں تھے، وہ دو تو ہم نے بھی گھر سے ہی اٹھایا۔ یا پھر ہو سکتا تھا کہ ان کے خاندان یہ کہتے کہ یہ ان کے کسی دشمن کی سازش ہے، کوئی ان کی رہنمائی خراب کرنا چاہتا ہے۔ تم کیسے کاؤنٹر کیشن ان سب چیزوں کو؟ کوہر کوہر کی جلیبی ہی جوشی میں ان چاروں کو بری کر دیتی۔ ”باہر تہری“ اور اس کے بعد تم کہاں پہنچ رہی ہو؟“

وہ کسی قسم کے بغیر بڑی بڑی دنگ اور اس کی سے اسے سب کچھ سنار تھا۔

”ٹھیک ہے کوہر انہیں مزاد دیتی، مگر سب کچھ جائز طریقہ سے ہوتا، غلط طریقہ سے تو نہیں۔“

”اور اس جائز طریقہ کا جو خیزاؤ ہم کو بھگتنا پڑا اس کا اندازہ ہے جنہیں۔ جو لڑے اتنی دیدہ دلیری کے

”جنہیں بھکا اندازہ ہے کہ وہ کتنے بااثر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں لاکھ آپ میں بند کیا جاتا اور رات گزرنے سے پہلے انہیں چھڑوا دیا جاسکتا ہے ایک فون پر کسی حاکمات یا کارروائی کے بغیر۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ لوگ ایف آئی آر میں کر کے تو دے کیسے ہاؤ ہو سکتے تھے۔“

”کون ایف آئی آر؟ اور کیا حیثیت ہے ایک ایف آئی آر کی؟ جانا چاہو گی؟“

عمر نے قرش لہجے میں کہتے کہتے سائنس فیملی پر پڑے ہوئے ہینڈ میں سے ایک کے لے کر برق رفتاری سے پھاڑتے ہوئے قاتلین پر اجماع دیا۔

”یہ حیثیت ہے ایک ایف آئی آر کی۔ جو کام میں نے یہاں تمہارے سامنے بیٹھ کر کیا ہے وہ ایسے بااثر خاندانوں کے لوگ پولیس اسٹیشن میں بیٹھ کر کرتے ہیں۔“

وہ دم سادے قاتلین پر گرتے ان کھڑوں کو دیکھتی رہی۔

”کافے کے ایک رومی کلو سے زیادہ اہمیت نہیں ہوتی، ایف آئی آر کی کوئی سا خاندان اپنے سپیوٹس کا نام پولیس اسٹیشن کے ریکارڈ میں آنے دے گا۔ چاہے انہوں نے جو بھی کیا ہو، یہ خاندان کی ساکھ اور مستقل کا معاملہ ہوتا ہے۔ کوئی ان چیزوں کو داؤ پر نہیں لگ سکتا۔“ وہ رسائی سے ہلکا جا رہا تھا۔

”اور اس صورت حال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مار دیا جائے۔ ایک جلیبی پولیس مقابلے میں۔ اس طرح سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ سطر سے بولی۔

”سب کچھ نہ بھی بہت کچھ۔“

”آپ کی کوئی بات مجھے قائل نہیں کر رہی۔ سوچے کچھ بغیر ایک غلط کام کرنے کے بعد آپ اسے معج ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر ایف آئی آر کے باوجود بھی وہ چھٹ جاتے۔ آپ ان کو نہ رہا ہونے دیتے۔ تاثر و دسوخ تو ہمارے خاندان کا بھی ہے، ان چاروں کو کوہر تک لے جانا آپ کے لئے کوئی مشکل یا نا ممکن کام نہیں تھا۔“ وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

”اچھا لے جاتے ان چاروں کو ہم کوہر میں، اس کے بعد کیا ہوتا؟“ وہ چیخ کرنے والے انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”ان پر کیس چٹا کوٹ انہیں مزاد دیتی۔“

”کون سے ٹیوٹیا میں وہ رہی ہو تم طویل و امیاس اس ملک میں ایک بااثر خاندان کے فرد پر ایک لڑکی کا پچھا کرنے پر کیس چلا۔ جب یہ ہوتا شروع ہوا جائے گا تو پھر ایسے لوگ پولیس مقابلوں میں مارے نہیں جائیں گے مجھ وہ واقعی کوہر تک نہ پہنچائے جائیں گے۔“ اس نے اب صوفے کی پشت سے تکی لگا لی۔

”یہاں اب کوہر میں سب خرافات کرتے نہیں، انصاف نیچے ہے۔ جب میں روپیہ اور ماتے پر پڑے خاندان کی اسٹپ ہوئی چاہے بھر کیوں کی ضرورت نہیں پڑی۔ نہ گواہی، نہ بیٹھوں کی پھر جیج خود آپ کا ہو جاتا ہے۔ ہائی کوہر کے بیچ کے بیچ کوہر سا جیج مزاد دیتی۔“

ساتھ تمہارے نام پتہ سے واقف نہ ہونے کے باوجود تمہارا اس طرح چھپا کر رہے تھے۔ وہ تمہارے بارے میں جاننے کے بعد تمہیں چھوڑ دیتے۔ تم ان کو کورٹ میں لے کر جاتیں اور وہ اس کے بعد تمہیں بخش دیتے۔

”آپ عباس کی طرح Hypothetical (فرضی) باتیں نہ کریں۔ وہ کیا کر دیتے، کیا کر سکتے تھے۔ یہ ہو جاتا وہ ہو جاتا حقیقت تو یہی ہے کہ انہوں نے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔“

”عباس ٹھیک کہہ رہا تھا، تم جی جی عباس کو بھیج دو۔“ عمر بے اختیار جھلایا۔

علیہ نے اسے دیکھا۔ ”یہ جو اتنا لبا چڑا بیان دے رہے ہیں آپ، اس کے بجائے آپ صرف یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ عباس اور آپ کے لئے یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ وہی مثل شازنم جو یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی فیملی کی عزت کو اپنے کسی کراسس سے گزرا پڑے۔ آپ کی نسبت عباس زیادہ صاف گو ہے۔ جس نے واضح طور پر اس بات کا اقرار کیا۔ آپ صرف ایک کے بعد دوسرے کے بعد تیسری وضاحت پیش کر رہے ہیں۔ آپ بھی عباس کی طرح یہ اعتراف کر لیں کہ یہ صرف Family Pride (خاندانی افتخار) ہی مجھے Intact (تاتم) رکھنے کے لئے آپ نے یہ سب کیا۔“

عمر نے اس کی بات کے جواب میں بڑے واضح انداز میں کہا۔

”اوکے، تم ایسا سمجھتی ہو تو ایسا ہی سمجھو۔ ہاں میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکا کہ کوئی میری فیملی کی کسی عزت کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے، کیا یہ کافی ہے تمہارے لئے؟“

”کیا وہی عمر ہیں آپ، جو چند ماہ پہلے شہباز منیر کے موت پر دادیلا کر رہا تھا اور آج وہ خود چارناٹوں کو مارنے کے بعد بھی مجبر ہو کر پکڑی ہو چھڑھیں میں کر رہا، کیا اگلے ایاز کے قتل کے دم پر جیل رہے ہیں آپ بھی؟“

اس نے غصے سے کہا۔

”اس وقت شہباز منیر کی بات نہیں ہو رہی۔“ عمر نے اسے ٹوک دیا۔

”کیوں نہیں ہو رہی؟ ہوئی چاہئے۔ اگر آپ کو ان چاروں کو مارنا ٹھیک لگے تو ہو سکتا ہے اس وقت اگلے

ایاز کو بھی شہباز کو مارنا ٹھیک لگا ہو۔ ہر شخص اپنے ہر ریشہ کن کو حق بجانب ثابت کر سکتا ہے۔ کیا میں نے ٹھیک کیا؟“

”ہاں ہو سکتا ہے، اس وقت شہباز کا مارا جانا ٹھیک ہو۔ ہو سکتا ہے اگلے ایاز نے ایک ٹھیک قدم اٹھایا ہو۔“

وہ اس کے جواب پر دھک رہ گئی۔

”اور تم؟“ عمر نے وہ شخص تھے، جس کی وجہ سے وہ مارا گیا۔ وہ بری طرح مشتعل ہو گئی۔ پہلی بار اس نے عمر کو آپ کے بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اس تبدیلی کے عمر کو متنبہ نہیں کیا۔

”اور تم وہ شخص تھے جو مجھ کی طرح اس کی موت پر آکسو بہا رہے تھے، اور آج تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس کی موت صحیح تھی۔ تم کو شرم آتی چاہئے۔“ وہ صوفی سے اٹھ گئی۔

”تم سب لوگ ایک جیسے ہوتے ہو۔ دوسروں کو لوگوں کی طرح توپے والے، اٹھا ہٹا کر لے کر اطمینان سے بیٹھ جائے والے۔ بس یہ ہے کہ تم میں سے کچھ کے دانت شروع میں نظر آ جاتے ہیں، کچھ کے بہت دیر میں۔“ وہ

اب بلند آواز میں بول رہی تھی۔

”میں تم سے یہ سننے نہیں آیا کہ میں کون ہوں یا کیا ہوں۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تم جنس نیاز کو فون نہیں کرو گئی۔“

عمر نے اس کے رد عمل کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”میں جنس نیاز کو فون نہ کروں گی۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پوسٹ۔ تم یا عباس کب تک مجھے یہاں قید کر کے رکھ سکتے ہو۔ چند دن؟ چند ہفتے؟ چند مہینے؟ چند سال؟ کب تک، آخر کب تک۔ مجھے جب یہ موقع ملے گا تو سب سے پہلا کام یہی کروں گی۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم کو مجھ سے جان چھڑانے کے لئے مجھے بھی مار ڈالو۔ شہباز کی طرح، ان چاروں لوگوں کی طرح، کس کی پس منظر میں ہے کسی طرح مجرم تو لوگوں کو آسانی ہو جائے گی۔“

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں اب چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اس خاموشی کو عمر نے توڑا۔

”تم جنس نیاز کو ضرور بتاؤ گی۔“

”ہاں میں ضرور بتاؤں گی۔“

وہ اسے دیکھتا رہا مگر کچھ بھی کہے بغیر بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے موہاں اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔

”میری بات دونوں خبر تو ضرور ہوگا تمہارے پاس۔“ ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے، لو، غیر ملاؤ اور بات کرو۔

”ابنیں بتاؤ کہ ہم نے ان کے بیٹے کے ساتھ کیا کیا ہے۔“

اس کا بوجھ عجیب تھا۔ وہ چند لمحوں سے دیکھتی رہی۔

”میں غیر ملاؤں۔“ وہ اس کے جواب کا انتظار رکھے بغیر خود غبر ملائے لگا۔

”خیلو میں عمر جاکر ہوں، جنس نیاز سے بات کروائیں۔“

وہ اب کال ملا کر آپ بڑے کہہ رہا تھا۔ آپ بڑے بات کرنے کے بعد اس نے فون علیہ کی طرف بڑھا دیا۔ اس بار علیہ نے کچھ کہنے کی بجائے جی کرنا کر اس سے موہاں پکڑ لیا۔

کچھ دیر بعد جنس نیاز لائن پر تھے اور وہ اس سے بات کر رہی تھی۔ اس نے انہیں اس رات کے تمام واقعات سے آگاہ کر دیا مگر اس نے اپنا ایڈریس اور فون نمبر بھی انہیں بتا دیا۔

”کیا تم یہ سب پریس اور کورٹ میں کہہ سکتی ہو؟“ انہوں نے اس کا ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد صرف ایک ہی سوال کیا۔

”ہاں جب بھی آپ چاہیں۔“

”ٹھیک ہے، میں بہت جلد تم سے کانٹیکٹ کروں گا۔“

رابطہ ختم ہو گیا اس نے کچھ کہے بغیر فون عمر کی جانب بڑھا دیا۔

”علیہ.....! ظہور میں آ رہی ہوں..... دروازہ کھلتی ہوں۔“

چند لمحوں کے بعد نانو نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ نانو بہت خوفزدہ رہ گئی تھیں۔

”مجھے نہیں معلوم نانو! یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”تم ٹھیک تو ہو؟“

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔ آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں میں ابھی تمہارے پاس ہی آنا چاہ رہی تھی مگر اندھیرے میں رستہ.....“ وہ خامی سر اٹکی کے عالم

میں کہہ رہی تھیں۔ ”اور لائٹ..... چائیں لائٹ کیوں چلی گئی ہے؟“

”نانو! یہ فائرنگ کہاں ہو رہی ہے؟“

”چائیں..... مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے.....“ اندھیرے میں نانو کی آواز ابھری۔

”میں سن کر ناچار ہے۔ پولیس کو.....“ علیہ نے بے تابی سے کہا۔

”کیا آپ نے پولیس کو نانو کیا ہے؟“

”نہیں..... میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں پاری..... ابھی میں چدمٹ پہلے ہی ابھی ہوں.....“

”چائیں! امنگنا ہے؟“ علیہ نے چوکیدار کا نام لیا۔ ”میں لاؤنج میں جا کر اس سے انٹرکام پر فائرنگ

کے بارے میں پوچھتی ہوں..... ہو سکتا ہے یہ ہمارے کمرے کے باہر نہ ہو رہی ہو.....“ علیہ نے کسی امید کے تحت کہا۔

”ظہور میں ابھی تمہارے ساتھ تھیں ہوں، مجھے خارج کال لیتے دو۔“ نانو نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

اننگے ابھی بھی اسی طرح جاری تھی، اس کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

ناولاب خاموش تھیں۔ دو کمرے میں خارج ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”نانو! بیڑ، جلدی کریں۔ اگر خارج نہیں مل رہی تو رہنے دیں۔ لیکن سے خارج لے لیں گے یا پھر اسی

لرچ لاؤنج میں چلتے ہیں۔“ علیہ نے بے ہمہی سے کہا۔

”نہیں مل گئی ہے مجھے۔“ نانو نے اسی وقت خارج روشن کر دی۔ کمرے کی تاریکی یک دم ختم ہو گئی۔

وہ نانو کے ساتھ چلتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی۔ انٹرکام کا ریسپونڈ راتھا کراس نے گیٹ پر چوکیدار کے کہیں

میں اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔

”کیا ہوا؟“ نانو نے بے تابی سے پوچھا۔

”میں یہ تو بھول ہی گئی لائٹ نہیں ہے۔ انٹرکام کیسے کام کر سکتا ہے۔“ علیہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”کیا باہر کلک کر اسے دیکھیں۔“

وہ کچھ کہتے رک گئی۔ ”علیہ بی بی! آپ باہر مت آئیے گا۔“ پیچھے سے خانسماں کی آواز آئی تو وہ

ایک کمری۔

وہ کمرے کے چرے پر جو دیکنا چاہتی تھی۔ اسے نظر نہیں آیا۔ وہ پریشان تھا نہ ہی خوفزدہ اس کا چہرہ بے نیاز تھا۔ اس نے علیہ کے ہاتھ سے موہاں لے لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ علیہ کو اس وقت بے پناہ خوشی کا احساس ہوا تھا۔ اپنے کندھے سے ایک دم بہت ہلکے ہلکے گئے تھے۔

”فون! کچھ دیر بعد ٹھیک ہو جائے گا اور میں محاس سے کہہ دوں گا وہ باہر موجود پولیس گاڑ بٹالے گا.....

اس کے بعد تم اپنے ہر فیصلے کی ذمہ دار ہوگی۔ فیصلوں کی بھی اور ان کے نتائج کی بھی۔ میں یا کوئی دوسرا جس میں

دکھانے یا کچھ بھی سمجھانے نہیں آئیں گے۔ تم آزاد ہو جس طرح چاہے اپنی زندگی کی راہوں کا تعین کر سکتی ہو۔“

وہ ابھی راز میں اس سے بات کر رہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔

☆☆☆☆

اس نے اپنے بہت قریب کہیں بے تحاشا فائرنگ کی آواز سن اور اس کی آنکھ کھلی تھی۔ خوف کی ایک لہر اس کے پورے جسم سے گزر گئی۔

وہ یک دم بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چند لمبے پہلے جو چیز اسے اپنا راہبر محسوس ہوئی تھی، وہ ہم نہیں تھی کمرے

باہر مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ کتنا باہر۔ وہ اندازہ نہیں کر سکی۔

رکے ہوئے سانس کے ساتھ اپنے پیٹ پر بیٹھی، وہ چند لمحوں تک صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ نائٹ بلب بھی آف تھا۔ وہ رات کو نائٹ بلب جلائے بغیر بھی نہیں سوئی تھی مگر اس

وقت.....

ہوش نہیں آتے ہی اسے صورت حال کی سمجھنا کا اندازہ ہونے لگا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس

کے دل کی دھڑکن کی شدت بھی رک جاتی ہے کچھ جگہ چنچلوں میں.....

اندھیرے میں کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اس نے جاکر میں بیڑ سائیلنٹ لپ کو آن کرنے کی کوشش

کی اور اس وقت اسے اندازہ ہوا کہ لائٹ نہیں تھی۔ اسے نائٹ بلب سے بچنے ہونے کی وجہ میں آ گئی۔

اگلا خیال اسے نانو کا آیا تھا۔ ”نہیں وہ کہاں ہوں گی؟ شاید اپنے کمرے میں یا پھر.....“ اس نے بیڑ کو

نولتے ہوئے فرش پر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ فائرنگ اب بھی کسی توقف کے بغیر جاری تھی۔ لڑکھڑاہے قدموں

کے ساتھ اندھیرے میں دروازہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے رستے میں آنے والی کئی چیزوں سے ٹکرائی مگر

دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

دروازے کو کھول کر وہ گریڈ پر بھی نکل آئی۔ گریڈ پر بھی ملے طور پر تاریک تھا۔ فائرنگ میں اب اور بھی

شدت آ گئی تھی۔ علیہ نے گریڈ پر دو چاروں کو نولتے ہوئے نانو کے کمرے تک پہنچنے کی کوشش کی۔ نانو کے کمرے

کے دروازے تک پہنچنے ہی اس نے وحشت کے عالم میں اسے دھڑ دھڑایا۔ دروازہ لاکھ تھا۔

”نانو! نانو!.....! دروازہ کھولیں۔ میں علیہ ہوں۔“ اس نے بلند آواز میں پکارنا شروع کر دیا۔

فائرنگ کی آواز کے دوران بھی اس نے اندر سے آنے والی نانو کی آواز سن لی۔

”مگر نانا وہ لوگ پولیس کو ضرور اطلاع کر دیں گے، بلکہ ہو سکتا ہے اب تک وہ پولیس کو اطلاع کر چکے ہوں۔ ابھی پولیس آنے والی ہی ہوگی۔“

علیہ نے کہا۔ نانا اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہیں۔
تاریخ کی مدد پر روشنی میں بے تحاشا فائرنگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازوں میں، وہ چند لمبے دم سادے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

”یہ سب عمر کی وجہ سے ہوا۔ اس نے پولیس گارڈ کیوں ہٹائی ہے۔“ نانا اچانک غصیلی آواز میں پولیس۔
”شام کو پولیس گارڈ بھی اور اب ہم یہ سب بھگت رہے ہیں۔“
علیہ دیکھ نہیں بول سکی، وہ کچھ چوری ہی مٹی، وہ انہیں بتا نہیں سکتی تھی کہ یہ سب کچھ خود اس کی وجہ سے.....
نانا ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ”میں مرے سے بات کرتی ہوں۔ وہ بچہ کھرے۔“
وہ تاریخ بچڑے باہر کی طرف بڑھیں، علیہ خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ نانا ب مرید بابا سے بات کر رہی تھیں۔

”تم کسی طرح کو اڑے باہر لکل کر ساتھ والے گھر کی دیوار پھلاک کر ان کے ہاں جانے کی کوشش کرو۔
انہیں ساری صورت حال بتاؤ۔“

علیہ نے اچانک ان کے پاس آتے ہوئے ان کی بات کاٹی۔
”مگر نانا! مرید بابا کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگر ساتھ والوں کے چنکدار نے ان پر فائرنگ کر دی تو..... اور وہاں بھی تو کتے موجود ہیں۔“

”تو پھر کیا کیا جائے۔ آخر کتنی دیر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا جا سکتا ہے۔“ نانو نے اسے جواب دیا
علیہ ان کی گھبراہٹ اور پریشانی کا اندازہ نہ کر سکتی تھی۔ وہ خود بھی ان ہی کیفیات سے دوچار تھی مگر وہ برہمی
سوج رہی تھی کہ چند منٹوں کے بعد پولیس کئی نہ کی طرح دہاں آ جائے گی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ چند دن
پہلے ہونے والے واقعہ نے اگر ایک طرف اسے خوف اور سراسیمگی سے دوچار کیا تھا تو دوسری طرف وہ بھی جان لگی
تھی کہ اسے مضبوط پٹ پٹائی حاصل ہے اور اس کی کسی صورت حال میں وہ کسی عام شہری کی طرح غیر محفوظ نہیں تھی اس
لئے پریشان ہونے کے باوجود وہ پچھلی راہ کی طرح سراسیمگی کا شکار نہیں تھی۔

”چاہیں اور کیا کیا مصیبت ابھی باقی ہے۔“ نانو نے صوفے کی طرف جاتے ہوئے کہا شروع کیا۔
”ابھی بھلی زندگی گزر رہی تھی اور اب اچانک.....“

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور سر پکڑے ہوئے صوفہ پر بیٹھ گئیں۔ علیہ ان کی ادھوری بات بہت
اچھی طرح سمجھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کچھ ایسی ہی وجہ سے ہو رہا تھا اور پچھلے کچھ دنوں سے نانو کے لئے وہی کسی نہ کسی
طرح پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ پولیس گارڈ بنائے جاتے ہی اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

”کیوں؟“

”ہمارے گھر پر فائرنگ ہو رہی ہے۔“

”ہمارے گھر پر؟“ اس کا دل اچھل کر مقلع میں آ گیا۔

”ہاں، میں کچھ دیر پہلے باہر نکلا تھا مگر امیر نے مجھے واپس بھجوا دیا۔“ خانسانا نے چنکدار کا نام لیا۔

”فائرنگ کون کر رہا ہے؟“ علیہ نے پوچھا۔

”یہ تو میں جانتا..... مگر امیر کے ہاتھ کا باہر لکل کر ہاؤسی ہے اور کچھ لوگوں نے دیوار پھلا گئی ہے کوشش بھی

کی۔ وہ اندر آنا چاہ رہے تھے۔ کتوں کے بھونکنے پر امیر نے انہیں دیکھ لیا اور وہ اندر نہیں آئے مگر اس کے بعد سے وہ
مستقل فائرنگ کر رہے ہیں۔ امیر بھی ان پر جوابی فائرنگ کر رہا ہے۔ مگر وہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں اور ابھی تک
گیت کے باہر موجود ہیں۔ انہوں نے گیت پر بھی بری طرح فائرنگ کی ہے۔“ وہ مرید بابا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کر سکتی تھی۔

”ہمارے گھر کے علاوہ اور گھر کے تمام گھروں میں لائن موجود ہے۔ شاید انہوں نے بجلی کی سپلائی کاٹ
دی ہے۔ امیر خوفزدہ ہے کہ کتیں وہ اندر نہ آ جائیں۔ اندر جیسے میں وہ انہیں دیکھ نہیں سکے گا۔“

”مرید بابا میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔ آپ گھبراہٹ میں مت، اس اپنے کوارٹر میں ہی رہیں۔“

علیہ نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی۔

”علیہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟“ نانو بے حد خوفزدہ تھیں۔

”میں پولیس کو فون کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی پولیس آ جائے گی، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

علیہ نے ان کا کام بند کر دیا اور تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔ فون لائن کا ریسپورڈ انٹالے ہی وہ سناٹ ہو گئی۔

”کیا ہوا؟“ فون ملاؤ۔“

”نانا! فون ڈیٹ ہے، شاید کسی نے فون کی تار کاٹ دی ہے۔“ اس نے کانپتے ہاتھ کے ساتھ ریسپور

واپس رکھتے ہوئے کہا۔

”اور میرا سواکل بھی کام نہیں کر رہا، اس کا کارڈ ختم ہو چکا ہے۔“

”میرے خدا اب کیا ہو گیا؟ اگر یہ لوگ اندر آ گئے تو؟“ نانو اپنے قدموں پر کھڑی نہیں رہ سکیں۔ وہ صوفے

پر بیٹھ گئیں۔

”جیسا، وہ اندر کیسے آئیں گے؟ پورا علاقہ جاگ چکا ہے..... اتنی فائرنگ ہو رہی ہے۔ ابھی کچھ دیر میں
ساتھ والے گھروں کے چنکدار بھی باہر لکل آئیں گے۔ مگر یہ لوگ بھاگ جائیں گے۔“ علیہ نے اپنے خنک
ہوتے ہوئے حلق کے ساتھ کہا۔

”بے وقوفی کی باتیں مت کر علیہ۔“ نانو نے اسے ڈانٹا، ”کون اپنے گھر سے اتنی بے تحاشا فائرنگ میں
باہر نکلتے؟ کوئی نہیں۔“

جک کر ناؤ کی طرف تھی۔

”اب کیا ہوگا ناؤ؟ وہ لوگ اندر آچکے ہیں۔ اور پتا نہیں۔ پتا نہیں انہوں نے چوکیدار اور مرید بابا کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟“

اس نے ناؤ کے قریب جا کر دبی ہوئی آواز میں کہا۔ ناؤ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”پتا نہیں کیا اب ہوگا؟“

”اگر یہ لوگ دروازہ کھول کر اندر آجائے تو؟“

”طیور! ہمیں لاؤنج سے چلے جانا چاہئے۔“ ناؤ نے دبی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

”کہاں چلے جانے چاہئے؟“

”اندرونی کمرے میں۔“

”ناؤ! وہ وہاں بھی آجائیں گے۔ ہم کہاں چھپیں گے۔ وہ ہمیں ڈھونڈ لیں گے۔“ وہ اب روہا کی ہو

رہی تھی۔

دروازے پر ایک بار پھر آوازیں گونج رہی تھیں۔ تاب کو ایک مرتبہ پھر چھریا جا رہا تھا۔ پھر باہر سے ایک بھاری اور بلند مردانہ آواز میں کسی نے کہا۔

”ہم لوگ جانتے ہیں اندر صرف تم دونوں ہو۔ صرف ہمیں طبیور کو یہاں سے لے جانے کے لئے آئے

ہیں۔ اور اسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بہتر ہے تم دونوں دروازہ کھول دو۔ ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔“

دشمن اور کرنگلی سے کہے گئے، انہیں جلوس نے اندر سوچو دونوں غریبوں کے ہائی اندر حواس بھی کم کر دیئے تھے۔

”میرا نام۔۔۔ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟“ طبیور نے خوف اور بے چینی کے عالم میں کہا۔

”ان کو سن لے بھگیا۔“ لایا۔۔۔ طبیور نے یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ ناؤ فیک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

”ہمیں صوفت میں چلے جانے چاہئے۔ یہ لوگ وہاں نہیں آئیں گے۔ جلدی کرو۔“ وہ طبیور کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچنے لگیں۔

”جب تک پولیس نہیں آجائے ہم وہیں چھپے رہیں گے۔“ تیزی سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے ناؤ نے

کہا۔ وہ ماذف ہوتے ہوئے ذقن کے ساتھ ناؤ کی ہدایت پر بلا چڑھ چڑھ کر تھی۔

تھہرنا خانہ کار دروازہ اندر سے لاک کرنے کے بعد ناؤ نے تاریخ اندر سے بجا دی۔ وہ تاریکی میں۔ ایک

پرانے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ جو وہاں پڑا ہوا تھا۔ وہاں بہت زیادہ پرانا سامان پڑا ہوا تھا اور وہ ایسے سامان کو اسطور کرنے

کے لئے ہی کام میں لایا جا رہا تھا۔ وہاں بیٹھ کر وہ اوپر گھر میں ہونے والی کسی کارروائی کو جان نہیں سکتی تھیں۔

طیور کا ذقن اب بھی اس شخص کے کہے جانے والے جملے میں اٹکا ہوا تھا۔

”ہم طبیور کو لینے آئے ہیں۔ میرا نام۔۔۔ میرا ایڈریس۔۔۔ آخر کس لئے۔۔۔ یہ کیوں لوگ ہیں؟“ اسے اپنا

آپ کسی کڑکی کے جال میں پھنسا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ چند نر پھیلے کی پر سکون زندگی یک دم جیسے قصہ پارینہ بن گئی

اس کا خیال تھا کہ ماہ اس امر ضرورت سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اس کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔۔۔ مگر اس وقت وہاں بیٹھے، وہ دلی ہی دل میں اعتراض کر رہی تھی کہ وہ بہت سے معاملات میں ضرورت سے زیادہ انکجور تھی۔

اگر اسے معمولی سا شائبہ بھی ہوتا کہ اسے ایسی کسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ تو وہ محروک بھی پولیس گارڈ بنانے نہ دیتی۔ اگرچہ وہ جانتی تھی کہ پولیس گارڈ بنانے کی اپنی ذات تھی۔ اگر وہ جیل میں نیاز کو لون نہ کرتی تو شاید سب کچھ پہلے ہی کی طرح رہتا۔ وہ اس قدر غیر محفوظ نہ ہوتی مگر ان تمام اعتراضات کے باوجود وہ اس وقت وہاں پر بالکل بے بسی بیٹھی ہوئی تھی۔

باہر ہونے والی فائرنگ ایک دم بند ہو گئی۔ وہ دونوں چونک گئیں۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ابھی بھی پہلے کی طرح آ رہی تھیں۔ مگر فائرنگ کی آواز بند ہو گئی تھی۔

”مجھے لگتا ہے وہ لوگ چلے گئے ہیں۔“ طبیور نے غیر معمولی پرامیدی سے کہا۔

”ہاں شاید۔۔۔“ ناؤ نے دم آواز میں کہا۔ وہ باہر کان لگائے بیٹھی تھیں۔

”میں سر یہ بابا سے بات کرتی ہوں۔ وہ باہر لگ کر دیکھیں کہ چوکیدار کہاں ہے۔“ طبیور نے باہر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ناؤ خاموش رہیں۔

اسی وقت لاؤنج کے دروازے کے بیرونی جانب کچھ آنکھیں ابھریں، وہ دونوں ایک دم چونک گئیں۔

”میرا خیال ہے مرید بابا اور چوکیدار آئے ہیں۔۔۔ وہ لوگ یقیناً بھاگ گئے ہیں۔“ طبیور نے کچھ مطمئن

ہوتے ہوئے کہا۔ وہ بے اختیار لاؤنج کے دروازے کی طرف لگی اس سے پہلے کہ دروازہ کھول دیتی۔ ناؤ نے اسے روک دیا۔

”دروازہ مٹا، پہلے تعذر کی کرلو کہ باہر چوکیدار یا مرید ہی ہے۔“

ناؤ نے دلی آواز میں کہا۔ طبیور ہل گئی۔ دروازے سے کچھ قائل پر رک کر اس نے دروازے کی طرف

دیکھا۔ دروازے کی دوسری جانب کچھ دم آوازیں ابھری تھیں مگر ان میں سے کوئی آواز بھی شامائیں تھی۔ پھر کسی

نے دروازے کی تاب پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمائی۔ طبیور کے پرانے جسم میں سنناٹا ہونے لگی۔ مرید بابا یا امیر اگر

دروازے کے دوسری طرف موجود ہوتے تو وہ بھی اس طرح دروازہ کھولنے کی کوشش نہ کرتے۔ وہ بلند آواز میں

اجازت لیتے۔

اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے خوف کے عالم میں پلٹ کر ناؤ کو دیکھا۔ وہ بھی صوفے پر بالکل ساکت بیٹھی تھیں۔

”باہر کون ہے؟“ طبیور نے یک دم اپنی آواز کی لڑکھٹاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

دروازے کے باہر ایک دم خاموشی چھا گئی۔

”باہر کون ہے؟“ اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا اس بار بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ وہ یک دم

”تو..... تو..... چاہیں کیا ہوگا؟“ نانو کے سوال نے اس کے خوف کو بھر بیدار کر دیا۔

”آخر ہم یہاں کب تک بیٹھے رہیں گے؟“ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نانو نے کہا۔

”ہم باہر کیسے نکل سکتے ہیں..... اگر وہ لوگ وہاں ہوئے تو.....؟“

وہ ہمیں پورے گھر میں ڈھونڈ رہے ہوں گے اگر ہم انہیں وہاں نہ ملے تو.....“ طعیرہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئی۔

”تو وہ بھر شاید یہی سوچیں گے کہ ہم کسی سہلک میں ہیں..... اور..... اور پھر..... وہ لوگ شاید یہاں پہنچ جائیں گے۔“

طعیرہ نے اپنے ہاتھ کی منڈیاں بار بار کھولیں اور بند کرنی شروع کر دیں۔ اس کے ہاتھوں اور ہیروں کی لڑش بڑھتی جا رہی تھی۔

”میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے زندگی میں ایسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔“ نانو نے اس بار دہمی آواز میں کہا۔ طعیرہ چپ چاپ تاریکی کو کھودتی رہی۔ اس کے کان باہر سے آنے والی کسی بھی آواز پر لگے ہوئے تھے۔

”Its Terrible“ (یہ کس قدر ہولناک ہے) اس نے نانو کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کے دم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ چند دن پہلے کے واقعات اتنی جلدی دہرائے جائیں گے اور پہلے سے زیادہ بدتر انداز میں۔

نانو اب خاموش ہو گئی تھیں۔ شاید وہ طعیرہ کی کیفیات کو سمجھ رہی تھیں۔

وہ دونوں وہاں کتنی دیر چپ چاپ بیٹھی رہیں، انہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ ضرور جانتی تھیں کہ انہیں وہاں بیٹھنے کی کتنی گز رہ گئے تھے۔

پھر اچانک انہوں نے تہ خانے کے دروازے پر کچھ آنکھیں اور آوازیں سنیں۔ طعیرہ نے بے اختیار نانو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نانو اس کی ہاتھ کی کپکپاہٹ اور غلٹک کو محسوس کر سکتی تھیں۔

”نانو.....“ انہیں اس کی آواز بھی اسی طرح لرز رہی تھی۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی، نانو اچھی طرح سمجھ سکتی تھیں۔ تہ خانے کے دروازے کے گلاب کوئی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں دم سادھے بیٹھی رہیں۔ پھر طعیرہ نے ایک بلند آواز سنئی۔

”مگر تمہی اندر ہیں آپ؟“ وہ عباس تھا۔

”یا اللہ!“ نانو کے منہ سے نکلا۔ طعیرہ کا کار کا ہوا سانس دوبارہ چلنے لگا۔

”عباس آگیا ہے..... پولیس پہنچ گئی ہوگی۔ آؤ، اب یہاں سے نکلنے ہیں۔“ طعیرہ نے نانو کو گھڑا ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ بھی ان کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ نانو نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تارچ جلا دی۔ تہ خانے کا اندر ہوا ایک دم غائب ہو گیا۔

تارچ کی روشنی میں چلتے ہوئے وہ دونوں دروازے تک پہنچیں اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ عباس

جی اور اب..... اب آگے اور کیا ہونے والا تھا۔

”یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ طعیرہ؟“ نانو کی ہنسنے والی آواز میں اندر میرے میں گونجی۔

”میں نہیں جانتی نانو..... میں کیا بتا سکتی ہوں۔“ اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے کہا۔

”وہ لوگ تمہارا نام لے رہے تھے۔“

”ہاں، میری سچی تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ میرا نام کیوں لے رہے تھے۔ مجھے کیسے اور کس حوالے سے جانتے ہیں۔“ اندر میرے میں وہ ایک دوسرے کو کچھ کہنے لگی تھیں مگر ان کی آوازیں ان کی کیفیات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی تھیں۔

”یہ سب عمر اور عباس کی وجہ سے ہوا۔ یہ لوگ یقیناً ان چاروں لاکھوں میں سے کسی نمبر کی بھجوائے ہوئے ہیں۔“ وہ ایک دم مشتعل ہو کر بولی۔ ”شدد ان چاروں کو قتل کرتے نہ لوگ یہاں اس طرح میرے پیچھے آتے۔“

”عمر اور عباس نے جنہیں بچانے کے لئے سب کچھ کیا۔“

”کیا بچایا ہے انہوں نے..... شدد اب چند گھنٹوں میں ایک ایف آئی آر کے ساتھ ختم ہو سکتی تھی۔ وہ اب مجھے اس طرح اپنی زندگی بچانے کے لئے یہاں جینے پر مجبور کر رہی ہے۔ کیا حفاظت کی ہے ان دونوں نے میری۔“

اس کا خوف اب مکمل طور پر اشتعال میں تبدیل ہو گیا تھا۔

”نہ یہ لوگ انہیں قتل کرتے نہ کوئی اس طرح بدلہ لینے کے لئے مجھے نہیں آؤٹ کرتا۔ یہ سب ان کی وجہ سے ہوا۔“ وہ عباس اور عمر کو مورد الزام ٹھہرا رہی تھی۔

”ادھر سے پولیس گاڑ بھی بٹائی۔“ اس نے بے بسی سے بات اور پوری جھوڑ دی۔ ”انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ یہ آخر مجھے کب تک اور کہاں تک تحفظ دے سکتے ہیں، مجھے ان ہی چیزوں سے خوف آتا ہے جو اب بھوت بن کر میرے سامنے کھڑی ہیں۔“

”وہ دونوں تمہارے دشمن نہیں ہیں۔“ نانو نے ان دونوں کے دفاع کی کوشش کی۔

”دشمن نہیں تو وہ میرے دوست بھی ثابت نہیں ہوئے۔“

اس نے روشنی سے کہا۔ نانو کی طرف سے ان دونوں کے لئے حمایت اس وقت اسے بری طرح مشتعل کر رہی تھی۔

”چاہیں انہوں نے چوکیدار اور مرید بابا کے ساتھ کیا کیا ہے؟“ اسے بات کرتے کرتے اچانک ان دونوں کا خیال آیا۔

”پولیس کو اب تک آجاتا چاہئے تھا..... آخر اتنی فائرنگ ہوئی ہے اس علاقے میں اور پھر ساتھ والے سارے گھروں نے بھی پولیس کو گگ کیا ہوگا۔ پھر بھی چاہیں ابھی تک پولیس کیوں نہیں آ رہی۔“ نانو کا اچانک

ایک دوسری تشریح سنائیں گئی۔

”اگر پولیس نہ آئی تو؟“

”دو گاڑیوں میں آئے تھے وہ لوگ..... آٹھ سو تو ضرور ہوں گے۔ تین جاگرو تو امریکہ ہی دیکھا تھا۔ ہاؤسز کی ولایت تو انہوں نے فائرنگ سے مکمل طور پر تباہ کر رکھا ہے۔“
 وہ لاؤنج میں کھڑا ناؤ کو تیار بنا۔ علیزہ اس کے چہرے پر نظر ڈالے بغیر اس کی بات سنتی رہی۔
 ”پولیس ابھی تک باہر سے گولیاں انٹھنی کر رہی ہے۔“
 ”یہ سب عمر کی وجہ سے ہوا۔ وہ پولیس گاڑی نہ بناتا تو یہ سب نہ ہوتا۔“
 علیزہ نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی۔ اس کی آواز میں اشتعال تھا۔ عباس نے بہت سرگ نظر سے اسے دیکھا۔

”عمر نے آخر پولیس گاڑیوں اس طرح اچانک بنائی؟“ اسے احساس ہوتا جا رہا تھا۔ ”ناؤ نے بھی کچھ برہم ہوتے ہوئے کہا۔
 عباس نے کم دماغی کی بات کاٹ دی۔
 ”اس سے پوچھیں کہ عمر نے پولیس گاڑیوں بنادی۔“ اس نے علیزہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
 علیزہ ساکت ہو گئی۔
 ”علیزہ؟“ ناؤ نے حیران ہو کر کہا ”علیزہ؟ اس سے کیا تعلق ہے..... پولیس گاڑی تو عمر نے بنائی ہے۔“

”عمر آ رہا ہے..... چند منٹوں تک یہیں ہوگا۔ اس سے پوچھ لیجئے گا کہ اس نے پولیس گاڑیوں بنائی۔“
 عباس نے ناؤ سے کہا۔
 ”علیزہ؟ کیا تم نے عمر سے گاڑی بنانے کے لئے کہا تھا؟“ ناؤ نے جاگ مڑ کر علیزہ سے پوچھا۔
 ”نہیں ناؤ! میں نے اس سے گاڑی بنانے کے لئے نہیں کہا۔“

اس نے دم آواز میں سر جھکا کر بولے کہا۔ اس سے پہلے کہ ناؤ کچھ کہیں۔ عباس نے اچانک لاؤنج میں موجود پولیس کے لوگوں کو کھمبہ کرتے ہوئے کہا۔
 ”بائی کا مکمل کرچہ..... اب سب کچھ ہو رہے دو۔“ وہ لوگ اپنا سامان سینٹے گئے۔
 ”علیزہ تو.....“ ناؤ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر عباس نے ایک بار پھر ان کی بات کاٹ دی۔
 ”عمر کو آ جانے دیں۔ اس کے بعد بات ہوگی۔“

ناؤ ابھی ہوئی نظروں سے علیزہ کو دیکھتے ہوئے لاؤنج کے صوفہ پر بیٹھ گئیں۔ لاؤنج میں موجود پولیس لے آہستہ آہستہ اپنا سامان اٹھا کر وہاں سے نکلے گئے۔ عباس بھی ان کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔
 پانچ بج کر کے بعد وہ دوبارہ اندر داخل ہوا۔ اس بار اس کے ساتھ عمر بھی تھا۔ علیزہ اس وقت ناؤ کے ساتھ اندر پرکھی ہوئی آئے والے وقت کے لئے خود تیار کر رہی تھی۔
 عباس نے اندر داخل ہوئے ہی لاؤنج کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

دروازے کے بالکل سامنے تھا۔ گھر میں اب روشنی تھی، شاید بجلی کی کٹی ہوئی تاریں جڑدی گئی تھیں۔
 عباس اور علیزہ کے درمیان خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا پھر عباس نے ناؤ کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 ”آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ خدا کا شکر ہے۔ وہ لوگ چلے گئے۔“
 ”ہاں، پولیس کے آنے سے پہلے ہی چلے گئے۔“
 اس نے علیزہ کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ جیسے وہاں موجود ہی نہیں تھی۔ وہ وجہ جانتی تھی۔
 ”کون لوگ تھے؟“ عباس اب ناؤ سے پوچھ رہا تھا۔

ناؤ نے ایک بار پلٹ کر علیزہ کو دیکھا۔ عباس نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔ علیزہ کے چہرے کی رنگت کچھ تبدیل ہو گئی۔ ناؤ شاید کسی شکل کش کا شکار تھیں۔

”وو..... وو..... اوہ یا اللہ..... ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟“ ناؤ عباس کی بات کا جواب دیتے ہوئے یک دم اس کمرے کی چیزوں کو دیکھنے لگیں جو ادھر ادھر بکری ہوئی تھیں۔
 ”پورے گھر کا یہی حال ہے۔“ عباس نے ناؤ کو اطلاع دی۔ علیزہ بالکل شاکر تھی۔

”تم کب یہاں آئے؟“
 ”میں آدھ گھنٹہ پہلے پہنچا ہوں یہاں پر۔“
 ”مرید اور امیر کہاں ہیں؟“ ناؤ کو اچانک یاد آیا۔

”امیر تو ڈی ہے۔ اس کے بازو پر گولی لگی ہے۔ اور مرید کو ہاتھ کر انہوں نے کوارٹر میں بند کر دیا تھا۔ پولیس نے آکر اسے وہاں سے نکالا ہے۔“ عباس ناؤ کے ساتھ چلتے ہوئے تیار تھا۔
 ”یہ لوگ اندر کیسے آ گئے؟“

”لاؤنج کے دروازے کا لاک ٹوٹا ہوا تھا۔ وہیں سے آئے تھے۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ صوفہ میں چھپ گئیں۔ میں تو یہاں آتے ہی پریشان ہو گیا تھا، پہلے تو مجھے یہی خیال آیا کہ شاید وہ لوگ آپ کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ کیونکہ گھر میں کوئی نہیں تھا مگر پھر مجھے صوفہ کا خیال آیا اور میں نے اسے چیک کرنا ضروری سمجھا۔“ وہ اب بھی علیزہ کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے تھے۔

”وہ لوگ اب لاؤنج میں داخل ہو گئے تھے۔ گھر میں جگہ جگہ پولیس والے فکر پرش لے رہے تھے۔“
 ”فون اور بجلی کی تاریں کی ہوئی تھیں جب میں آیا سب سے پہلے تو میں نے انہیں ہی ٹھیک کر دیا۔“
 وہ کون لوگ تھے گرتی۔ ”کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے؟“ عباس نے بات کرتے کرتے ایک بار پھر پوچھا۔

ناؤ نے ایک بار پھر علیزہ کو دیکھا۔ ”جائیں!“ ان کی آواز دم تھی۔
 عباس نے بھی علیزہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔ اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ پھر سے ناؤ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”تو طیلوہ بی بی! کیا کرنا چاہتی ہیں آپ؟“

عباس نے اس کے بالفاظ صوف پر بیٹھے ہوئے کہا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے اور عرو کو دیکھا۔ سردھری اور شجریہ کے علاوہ ان دونوں کے چہرے پر اور کچھ بھی نہیں تھا۔

فون پر عباس سے بات کرنا اور بات تھی۔ آئے سانس اس سے کچھ کہنا دوسری بات۔ اور وہ بھی ان حالات میں جس میں وہ گرفتار تھی۔ وہ نہیں تھا جس پر وہ چلا لکھا۔ اس کی بات کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے اس نے سر جھکا لیا۔ وہ جانتی تھی اب نالوہب کچھ جان جائیں گی۔ پچھلے دن عمر کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو اور اس کے بعد جنس نیاز کے سامنے کیا جانے والا انکشاف۔

”میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟“ اس کی آواز میں اب کچھ تیزی تھی۔

”میں۔۔۔ میں کیا کرنا چاہتی ہوں؟“ اس نے بے شکل کہا۔

”کون فن پر کچھ کہہ رہی تھیں تم مجھ سے؟“ طیلوہ نے نالوہ کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھیں۔ طیلوہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ عباس کی بات کے جواب میں کیا کہے۔ اس کا قصہ اور اشغال یک دم ہماک کی طرح جیسے کیا تھا۔

”اب خاموش کیوں ہو تم؟“ عباس نے ایک بار پھر پوچھی ہے۔ کہا۔

”آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں مجھ سے؟“ اس نے سر اٹھایا۔

”وہی سب کچھ جو تم فون پر مجھ سے کہہ رہی تھیں۔“ عباس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”جو کچھ میں نے آپ سے فون پر کہا۔ مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“ اس نے عباس سے نظریں ملانے بغیر کہا۔

”اور جو کچھ تم نے جنس نیاز سے کہا۔۔۔؟“

”مجھے اس پر بھی کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“

”جنس نیاز۔۔۔ طیلوہ! جنس نیاز سے کچھ کہا ہے؟“ نالوہ نے اختیار پر پھینکی۔

”کچھ؟۔۔۔ سب کچھ کر لی! اب انہیں فون پر سب کچھ بتا چکی ہے۔“ اس طرح میں نے اور عرو نے ان سے

بیٹے اور اس کے دوستوں کو مارا۔ کیوں مارا؟ سب کچھ“

”طیلوہ؟“ نالوہ کو جیسے عباس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

عباس یک دم ہونٹ پیچھے ہوئے اپنے صوف سے اٹھا اور اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ طیلوہ کے ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اس کی جگہ سے اٹھا دیا۔ طیلوہ عباس کی اس حرکت کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ اسی طرح اسے بازو سے کھینچ کر لاونڈ کے رورڈز کے طرف جانے لگا۔

”عباس! اسے کہاں لے کر جا رہے ہو؟“ نالوہ نے مداخلت کرنے کی کوشش کی۔

”کہیں نہیں کر رہی! ابھی واپس لے آتا ہوں۔“ آپ اطمینان سے بیٹھیں۔

اس نے طیلوہ کی مزاحمت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔ جواب اس سے اپنا ہاتھ پھرانے کی کوشش کر رہا

جی۔ وہ دروازہ کھول کر اسی طرح اسے پیچھتے ہوئے باہر لے آیا۔

”عباس! بھائی! میرا ہاتھ چھڑا دیں۔ آپ کہاں لے کر جانا چاہتے ہیں مجھے؟“ عباس نے یک دم اس کا ہاتھ چھڑا دیا۔

”کہیں نہیں لے کر جانا چاہتا تھیں۔ میں تمہیں صرف باہر کی دیوار اور دو گولیاں دکھانا چاہتا ہوں جو چند مہینوں میں یہاں برساتی گئی ہیں۔ تمہیں دیکھنا چاہئے، تمہاری حماقت کی وجہ سے کیا ہوا ہے؟“

”مجھے کچھ نہیں دیکھنا۔“ طیلوہ نے واپس اندر جانے کی کوشش کی۔

عباس نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھتے ہوئے گیٹ کی طرف لے جانے لگا۔

”کیوں نہیں دیکھنا جو چیز تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ اسے دیکھنا چاہئے تمہیں۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ طیلوہ نے مزاحمت ختم کر دی۔ اس کا گولی فائدہ نہیں تھا۔

گیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے بہت دور سے گیٹ پر بے شمار چھوٹے چھوٹے سوراج دیکھ لیے تھے۔ وہ سوراج جس چیز کے تھے، اسے پچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ گیٹ خود اس کا ملکا ہوا تھا اور اس کے باہر پولیس کی دو گاڑیاں موجود تھیں۔ گیٹ پر موجود پولیس والے عباس کو آدھ کر مستعد ہو گئے تھے۔ طیلوہ کی شرمندگی میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو گیا۔ عباس اب خاموش تھا مگر وہ اب بھی اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

گیٹ کے باہر جاتے ہوئے اس نے انگلیں طیلوہ سے ہٹا کر

”دروازے بند کر کے گھر کے اندر بیٹھے ہوئے باتیں کرنا، بہت آسان ہوتا ہے۔ تمہاری طرح ہر ایک کو اغلاقیات یاد آتی ہیں۔ یہاں کمرے ہو کر اس دیوار کو دیکھو اور پھر سوچو کہ دیوار کی جگہ تم ہو سکتی تھو۔“

اس نے عباس کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ صرف خاموشی سے باؤنڈری وال کو دیکھتی رہی جو بری طرح سج ہو چکی تھی۔ باہر گئے ہوئے آرائشی پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ رات کو کھلنے والے کھس کی روشنی میں وہ دیوار اور گیٹ جتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔ دن کے وقت اس سے زیادہ لگتا۔

”تمہارے لئے تعریف ایک گولی کافی تھی۔“ وہ عروم آواز میں انگلیں میں بولا۔ شاید وہ ارد گرد موجود دوسرے لوگوں کی وجہ سے سنجیدگی کر رہا تھا۔ طیلوہ کچھ بول نہیں سکی۔ وہ اب اس کا ہاتھ چھڑا چکا تھا۔

”اندرا آؤ۔“ وہ روشنی سے اس سے کہتے ہوئے واپس گیٹ کی طرف مڑ گیا۔

طیلوہ نے اسی خاموشی کے ساتھ سر جھکا لیا۔ وہ اس کی بزدلی کی۔ اس نے گیٹ کے اندر آ کر اس سے کچھ نہیں کہا۔ تیز قدموں کے ساتھ وہ اندر جا رہا تھا۔ طیلوہ سر جھکا کر اس کے پیچھے چلتی رہی۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے جب وہ لاونڈ میں پہنچے تو نالوہ اور عرو ابھی بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ نالوہ کے چہرے پر تشویش تھی جبکہ عرو کے ہاتھ میں اس وقت پائن اپٹل کا ایک ٹکڑا اور وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ انہیں ان کے ساتھ پائن اپٹل کے سلسلے کھانے میں مصروف تھا۔ ان دونوں کو اندر آتے دیکھ کر اس نے ایک لمبے کے لئے نظر اٹھائی اور پھر ایک بار پھر پائن اپٹل کھانے میں مصروف ہو گیا۔

علیہ خاموشی کے ساتھ صوف پر جا کر بیٹھ گئی۔

”اب اس کے بعد اور کیا ہے آپ کے ذہن میں؟“ عباس نے اس بار علیہ کا نام نہیں لیا تھا مگر علیہ جانتی تھی، یہ سوال اس سے ہی کیا گیا ہے۔

”مجھے اب بھی کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ یہ سب میری وجہ سے نہیں ہو رہا۔“

عمر بائن اچل کھاتے کھاتے رک گیا۔ عباس اور اس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”اگر عمر کا رڈ نہ پتا نہ ہو تو لوگ یہاں بھی قتل نہ کرتے۔“ وہ کمرہ ہی تھی۔

”کون لوگ؟“ عباس نے نئے اور تیز آواز میں اس سے کہا۔

”جو لوگ بھی یہاں آئے ہیں۔“

”کون لوگ آئے ہیں؟“

”مجھے نہیں پتا۔“

”کیوں نہیں پتا۔“

”مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟“

”تمہارے علاوہ اور کس کو پتا ہو سکتا ہے۔“

”آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے کہ یہاں کون آیا ہے۔“

”تم فون کر کے لوگوں کو یہاں بلواتی ہو اور پھر یہ کہتی ہو کہ تمہیں پتا نہیں ہے۔“

وہ عباس کا منہ دیکھنے لگی۔ ”میں لوگوں کو فون کر کے بلواتی ہوں؟“

”ہاں تم۔“

”میں نے کسی کو فون کر کے یہاں نہیں بلوایا۔“

”تم نے جنسٹس نیاز کو فون کیا تھا۔“

اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ”آپ کا مطلب ہے کہ ان..... ان لوگوں کو جنسٹس نیاز نے مجبور کیا تھا؟“

”اور کون ہو سکتا ہے۔“

وہ ابھی بولتی نظر دے اسے دیکھنے لگی۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جنسٹس نیاز یہ کیسے کر سکتے ہیں؟“

”تم کس دنیا میں رہتی ہو۔ اپنی آنکھوں پر کون سے ہاتھ لڑا کر پھر رہی ہو۔“

وہ ماؤف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ عباس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”جنسٹس نیاز..... جنسٹس نیاز مجھے..... مجھے غوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ..... وہ یہ سب کریں گے۔“

”کیوں..... بالکل۔“ اس کا ذہن سوالوں کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔

”مجھے یقین نہیں ہے کہ جنسٹس نیاز نے یہ سب کیا ہے۔“

عباس بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”فون پڑا ہوا ہے تمہارے سامنے..... خبر تم جانتی ہو، فون ملاؤ

اور ان سے بات کر لو..... اپنی خبرت کی اطلاع دو انہیں اور ساتھ یہ بھی بتا دو کہ ابھی تک تم نہیں ہو۔ وہ دوبارہ کہتی گئیں۔“

علیہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔

”تم عقل سے پیدل ہو۔“

”آپ مجھے اس لئے یہ سب کچھ کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ خوفزدہ ہیں..... یہ سب کچھ آپ دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ لوگ ان چاروں کو قتل نہ کرتے تو آج یہ سب کچھ نہ ہو رہا ہوتا۔“ اس نے سرائیہا کر عباس سے کہا۔

”اچانک سے زنی سلیم.....! کون خوفزدہ ہے اور کس سے..... تم سے؟..... جنسٹس نیاز سے..... بالکل فٹ۔“

عباس اس بار بری طرح ہنسنے سے انکار تھا۔

”تم کیا سمجھتی ہو کہ میں بہت خوفزدہ ہوں کل سے۔“ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے پتا

کیمرہ تار یک نظر آ رہا ہے؟“

علیہ نے سر جھکا لیا۔

”اپنی گردن میں چھائی کا پھندہ نظر آ رہا ہے؟“

وہ اپنے ہاتھوں کو دھستکتی رہی۔

”تمہارے اس انکشاف کی وجہ سے میں نے کھانا چننا چھوڑ دیا ہے؟“ عباس کی آواز بہت بلند تھی۔

”جنسٹس نیاز کے ساتھ ہونے والی مشقوں سے میری نیند اور سکون حرام کر دیا ہے؟“

اس نے عباس کو کبھی اسنے اشتعال میں نہیں دیکھا تھا۔ اگلے ایذا کی طرح وہ بھی ایک نرم خو شخص تھا مگر اس

وقت وہ جس طرح بول رہا تھا۔

”تمہارا خیال ہے کہ کل میں سلاخوں کے پیچھے ہوں گا؟“

علیہ نے سر جھکائے ہوئے ان کیجوں سے ٹکرو دیکھا۔ وہ عباس یا علیہ کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ ہاتھ

میں پکڑے ہوئے کانچے اور بائن اچل کے ڈبے کے ساتھ مصروف تھا..... ہر چیز سے بے پردہ..... ہر چیز سے بے

نیاز..... یوں جیسے ہاتھ بہت دوسرا نہ ہو رہی تھی۔

”تم کون ہو علیہ و سکندر..... اور جنسٹس نیاز کون ہے۔“

علیہ ایک بار پھر اپنے ہاتھوں کو کیچنے لگی جواب لہز رہے تھے، وہ اس لڑش کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”جس خاندان سے تم اور میں تعلق رکھتے ہیں، اس خاندان کے کسی شخص کو کورٹ میں لے جانا اتنا ہی

ناممکن ہے جتنا سورج کا مغرب سے نکلنا۔ تم نے کل فون پر مجھ سے جو بھی کہہ کہا۔ میں اس سب پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

”تم میرے خلاف پرائم Witness (یعنی گواہ) بننا چاہتی ہو ضرور ہو، لیکن میں تمہیں ایک بات بتا

دوں۔“

اس نے سرائیہا کر عباس کو دیکھا۔

کی آنکھیں جھکنے لگیں۔

”تمہیں ان سب چیزوں سے بچانے کے لئے ان چاروں کو مارا تھا، لیکن تم نے خود ساری میسینوں کو دھو دے دی ہے۔“ اپنے ساتھ تم نے گہنی کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔“ وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”اب کیا کرو گی تم؟“ جیسی رہو گی یہاں اندر۔ اسی تہ خانے میں..... کتنے دن تمہیں گے پولیس گارڈ باہر..... اور کہاں کہاں پر دھکشن دیں گے جنہیں..... بڑا شوق ہے تمہیں ہیروئن بننے کا..... لائم لائن میں آنے کا..... جنہیں اندازہ ہے؟“ اس کے آنسوؤں نے مہاس پر کوئی اثر نہیں کیا۔

”میں نیاز بابا کی بیوی کے گھر والے ہیرا پتھر بھیج کر دے گا..... وہیں چھوڑ دیں گے۔ آخر مارے تو وہ تمہاری وجہ سے ہی گئے تھے۔“ اس کی آواز میں اب بھی کے ساتھ بے رحمی بھی تھی۔

علیہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو مٹا لیا۔

”اپنے فوجی کے بارے میں سوچا ہے، کیا ہوگا آگے؟“

اس کی آواز اب پہلے سے زیادہ مدہم تھی مگر آواز میں موجود کمی نہیں ہوئی۔

”اخباروں میں تمہارا نام آئے گا..... اور کس طرح آئے گا؟..... لوگ سلیٹ کریں گے تمہیں؟ یا تمہارے ہیرو ازم کو..... یا پھر اگلیاں اٹھائیں گے تمہارے کرکٹر پر؟“ وہ اب بھی اسی طرح بول رہا تھا۔ ”اور کون کھڑا ہوگا..... تمہارے پیچھے..... میں نیاز..... کب تک؟..... فٹو چھپر کی طرح استعمال کریں گے وہ جنہیں..... اس کے بعد..... کیا کرو گی..... تم؟“

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ، اٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ مہاس کی تمام باتیں سننے پر مجبور تھی۔

”اور فیملی کے لوگ کیا کہیں گے؟ اس کے بارے میں سوچا ہے۔ جو بھی کیا کیا تمہارے لئے کیا گیا اور اگر تم دوسروں کو ڈوبنے کی کوشش کرو گی تو جنہیں ڈوبے ہوئے بھی کوئی تم سے اپنا رشتہ سوچے گا۔ نہ لحاظ کرے گا..... اور جب تمہاری اپنی فیملی تمہارے خلاف ہو جائے گی تو تم کیا کرو گی؟“ وہ جیسے لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”کیا اتنی بڑی بات ہو کر کہیں دیکھا جائے کہ کوئی دیکھا جائے کہ کوئی..... ساری زندگی کے لئے..... وہ ہے آواز دور رہی تھی۔“

”جس معاشرے میں تم رہ رہی ہو..... اس کی Norms (نورمز) جانی ہو..... خاندان کی Discarded (گھرائی ہوئی) عورت کا مقام جانی ہو..... تم کسی پہاڑ کی چوٹی پر ساری عمر کے لئے چلے کاٹے بھی بیٹھ جاؤ تو بھی تمہاری پاک بازی پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔“

مہاس کی باتوں میں وہی سچی تھی جو عمر کی باتوں میں ہوا کرتی تھی۔ عمر کے لہجے میں اس کے لئے سردہری کے باوجود بھی کھار اپنائیت چمکنے لگی تھی..... مہاس کے لہجے میں ایسی کوئی اپنائیت نہیں تھی۔ وہ بہت غصے لہجے میں بول رہا تھا۔

”وہ جو چار لاکے میں نے مارے ہیں، وہ چاروں اگر خود بھی زندہ ہو جائیں اور کورٹ میں جا کر میرے خلاف بیان دیں تو بھی..... مجھے سزاوارتہ تو دور کی بات، لاہور سے میرا رشتہ ترک کوئی نہیں کر داسکتا۔“

اس کی آواز اور انداز میں کھلا چیلنج تھا۔

”میں سمجھتی تھا..... میںیں ہوں، میںیں رہوں گا۔“

اس کی آواز اب پہلے سے بگنی اور پہلے سے زیادہ مردحتی۔

”اگر جنس نیاز یا تم جیسے لوگوں کے کہنے پر پولیس کو سزا نہیں ملے گی..... تو پورے ملک کی پولیس جنہیں سلاخوں کے پیچھے نظر آئے گی۔“

علیہ نے سر جھکا لیا۔

”تم نے کل خامی کسی چڑی بات کی تھی مجھ سے..... لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑا اس سے۔“

یہ سب کچھ میری نیند میں اڑا سکتا۔ میرے حیروں کے نیچے سے زمین کٹنے کے لئے تمہیں اس سے دل نگاہ زیادہ بڑا سنٹ چاہئے۔“ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ صرف بڑیکس نہیں تھیں۔ یہ وہ جاتی تھی مہاس حیدر کو بڑوں کی ضرورت تھی جس نہیں تھی۔

”مہاس بھائی! مجھے آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے..... میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ ایک غلط کام۔“

مہاس نے درستی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”مانٹل ہراوان پڑیں۔ میرے پردیش کی اخلاقیات سکھانے کی کوشش کر دو۔ میں اپنے پردیش کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کیا مجھ سے کیا غلط، اس کی تعریف مجھ سے نہیں چاہئے۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ ”And don't try to poke your nose into my affairs.“

(جنہیں میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔)

وہ اس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

”وہ کسی غرور کا کلاس کیڑوں کے دفتر میں کام کرنے سے تم اس قابل نہیں ہو گی کہ دوسروں کو صحیح اور غلط کا فرق بتائی ہو۔“ علیہ نے ہونٹ بھیجے۔ ”تمہارے جیسے Self Employed reformers..... میں اور نہ ہی جنہیں یہ سب باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔“

نانو نے اب تک ہونے والی گفتگو کوئی غلط نہیں کی تھی۔ وہ اگر مداخلت کرتی بھی تو مہاس انہیں بولنے کا موقع نہ دیتا۔ علیہ کو اس کا اندازہ تھا۔

”چند منٹ اور اگر پولیس کو آئے میں دیر ہو جاتی تو وہ لوگ صوف تک بھی پہنچ جاتے۔ اس کے بعد وہ کیا کرتے جنہیں اس کا اندازہ ہے باقی لپیٹھ کر؟“ اس کے لہجے میں اب طنز تھا۔ ”تمہیں سبیل مار دیتے وہ یا پھر لے جاتے ساتھ..... کہاں..... یہ مگر کسی کو پتا نہ چلا۔“

علیہ کے ہونٹ لرزے لگے۔ ”اپنے آپ کو کس طرح پھنسا لیا ہے تم نے..... جنہیں اندازہ ہے؟“ علیہ

”اس نے تمہاری اسلفٹ نہیں کی۔ جنہیں خاک تانے ہیں۔“

وہ جواب میں کچھ کہنے کی بجائے رونے لگی۔

”تم نے سوچا ہے، ابھی کچھ دیر کے بعد جب ہم سب یہاں سے چلے جائیں گے تو کیا ہوگا؟ یہاں اسکے رہے کوئی۔ اور پھر جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو۔۔۔۔۔ یا اس کے نتائج پر غور کیا ہے تم نے، تم سب سے بہت کچھ نہیں چاہیں؟“

وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔ ”Why don't you get out of every thing.“

علیہ نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ”کیا یہ ممکن ہے؟۔۔۔۔۔ اب؟“

”کیوں نہیں؟“

”کیسے؟“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو۔“

”دیکھیں کیسے؟“

”اٹنا سامان بیک کر اور وہاں کے ساتھ چلی جاؤ۔۔۔۔۔ صبح وہ جنہیں اسلام آباد داخل ایاز کے پاس بھجوا دے گا۔ چند ماہ وہاں رہو۔۔۔۔۔ جب سب کچھ سنبھل ہو جائے تو وہاں آ جانا۔۔۔۔۔“

It's as simple as that اس نے جیسے چکی بجائے جس میں چل چکیا۔

”کیا عاس مجھے لے کر جائے گا؟“

”ہاں کیوں نہیں۔۔۔۔۔ وہیں تو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تم ابھی ہمارا حصہ ہو۔“ اس نے جیسے علیہ کو یقین دلایا۔

”مگر میں جو کچھ چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ سب کچھ کل پر نہیں آ سکتا ہے۔ اور پھر۔۔۔۔۔“

”اس کو ہم چھوڑ کر لیں گے۔۔۔۔۔ وہ اب تمہارا درد سہا نہیں ہے۔ تم بس خاموشی سے اسلام آباد میں رہنا۔۔۔۔۔ وہ دیکھیں جیسا کہ بغیر غور پر غور دیکھنے لگی۔

”میں تم پر کوئی دباؤ نہیں ڈال رہا ہوں۔۔۔۔۔ تم فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہو، لیکن میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری زندگی برباد ہو جائے۔“ وہ غصا اور تنبیہ لکھنے میں کھڑا ہوا۔

”جنہیں کسی چیز کے لئے بھی کئی عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تمہارے نزدیک کوئی ناکام کام ہوا ہے تو اس کے ذمہ دار میں اور عاس ہیں۔۔۔۔۔ پھر تم اپنی زندگی کیوں خراب کر رہی ہو۔“ وہ چند لمحوں کے لئے رکا۔

”ابھی کسی کو کچھ بھی نہیں پتا۔ فیملی میں ناؤ، میرے اور عاس کے علاوہ اور کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔ اور ہم تینوں تمہاری اس حماقت کو کھلا سکتے ہیں۔۔۔۔۔ چندا بعد ہم اپنی زندگی دوبارہ سب سے شروع کر سکتی ہوں۔“

اس کے بہتے ہوئے آنسو رک گئے۔ ”Stay out of everything Alleezal just stay out.“ (دور دور چلی جاؤ علیہ! اس سب سے دور دور چلی جاؤ)

”اور جنہیں اگر کہیں یہ شائبہ ہے کہ میں بھی اپنی اس حرکت پر پچھتاوا محسوس کروں گا مجھے اپنے فیصلے پر کوئی شرمندگی ہوگی۔ تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔“

وہ مسلسل بول رہا تھا۔

”اگر دوبارہ وقت پیچھے چلا جائے تو میں ایک بار پھر وہی کروں گا جو میں نے کیا۔۔۔۔۔ میں اس چاروں کو پھر شوت کر دوں گا۔۔۔۔۔ اور وہیں بارشوخ ملے پر بھی میں بھی کروں گا۔“

اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی تلخ تھا۔ ”یہ کوئی بے سوچا سمجھا فیصلہ نہیں تھا۔۔۔۔۔ طے شدہ تھا۔۔۔۔۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“ وہ اب اپنے صوف پر جا کر بیٹھ گیا۔

”میں نے ابھی تک پایا کہ تمہاری کل کی حرکت کے بارے میں نہیں بتایا۔ اب تاؤں گا۔۔۔۔۔ باقی باتیں تم خود ان سے کر لیں۔“ اس کی آواز کا اشتعال اب بہت کم ہو گیا تھا۔

”مگر تم نے آپ اپنی پینٹنگ کر لیں۔ آپ ابھی میرے گھر شفت ہو رہی ہیں کیونکہ میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ کم از کم جب تک جب تک سب کچھ ٹھیک نہیں ہو جاتا۔“ وہ اب ناؤ سے مخاطب تھا۔

”اور علیہ وہاں تک تمہارا تعلق ہے۔ تم اپنی نیکوئی کی خود ذمہ دار ہو۔۔۔۔۔ بہتر ہے تم خود جشنِ نیاز کے پاس چلی جاؤ۔ اس طرح کم از کم تمہاری زندگی محفوظ رہے گی۔ اور اگر تم یہاں ہی رہنا چاہتی ہو تو وہ سکتی ہو لیکن تمہارے لئے میں اب یہاں کوئی پولیس پرکاشن نہیں دے سکتا۔“

وہ بات کرنے کرتے اچھے لگتا۔

”آئیے گریٹا! آپ کے ساتھ آپ کی پینٹنگ کر دوں۔“

علیہ وہی طرح سر جھکائے آنسو بہاتی رہی۔ چند منٹوں کے بعد اس نے ناؤ، عمار اور عاس کو لاؤنچ سے نکلے محسوس کیا۔

علیہ نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیے اور سر اوپر اٹھایا۔ چند لمحوں کے لئے وہ ساکت ہو گئی۔ عروہیں تھا۔۔۔۔۔ سامنے صوف پر بیٹھے ہوئے۔ اس پر نظر لیں جائے۔ اب اس کے ہاتھ میں پائے اکیل کاٹن نہیں تھا۔ علیہ نے ایک بار پھر سر جھکا لیا۔

عمرانی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ سینئر فیمل کونسلج کر وہ اس کے بالفاظ لے آیا اور نیل پر بیٹھے ہوئے اس نے علیہ کی آنکھوں سے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے۔ علیہ نے برسی سے اس کے ہاتھ پیچھے کرنے کی کوشش کی۔

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے مگر۔“

”میری وجہ سے؟“

”تم نے پائیس کا راز بھنا ہی نہیں۔“

”وہ تمہاری خواہش تھی۔“

”تمہاری وجہ سے مجھ سے میری اسلفٹ کی ہے۔“

بیچے جانا چاہا مگر عباس نے اسے روک دیا۔

"علیہ" وہ کہی۔ "عباس کی آواز نرم تھی، کچھ دیر پہلے والی تھی اور تڑی غائب ہو چکی تھی۔

"پریشان مت ہو علیہ" اس نے عباس کو دیکھا اور اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ عباس دو قدم آگے بڑھ آیا اور اس نے علیہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیلایا دیا۔

"ہمیں تمہاری بہت پردہ ہے اور اگر میری کوئی بات تمہیں بری لگی ہو تو آئی ایم سوری۔" علیہ نے صرف

سر ہلا دیا۔

"تمہاری چوٹ اب کسی ہے؟" وہ اب اس کے گال پر پڑے ہوئے نل کچھوٹے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تایہ اگر اس چوٹ کے بارے میں پوچھتے تو اس سے یہی کہنا کہ تمہیں گھر میں ہی لگی ہے۔ میں نے

اسے چند دن پہلے کے واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

علیہ نے سر ہلا دیا۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو لازم یا تایہ سے کہہ دو۔۔۔ اور آرام سے سو جاؤ۔۔۔ میں سہ پہر کی فلاح

سے تمہیں اسلام آباد بھجوا دوں گا۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ اب اسے تسلیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ علیہ کو شرمندگی ہو رہی تھی۔ وہ عباس کے ساتھ کیا کرنا چاہتی

تھی اور وہ کیا کر رہا تھا۔ "کیا وہ احسان فراموش تھی؟" اسے خیال آیا وہ سر جھکا کر اس کمرے کی طرف چلی گئی جہاں

اسے رہتا تھا۔

عمر اور عباس نے اسے وہاں سے جانے دیکھا۔ پھر عباس ایک گھبراہٹ سے لپٹے ہوئے صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"علیہ" نے نل کی میرے پاؤں کے نیچے سے زمین لٹال دی تھی۔ اپنی شرٹ کے مٹن کھولے ہوئے اس

نے کہا۔

"بہر حال لب تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔" عمر کی مسکراہٹ ہوئے دوسرے صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"You are a master plan maker." (تم بلا کے ساز تھی) عباس نے سناٹکی انداز میں

عمر سے کہا۔

"Planmaker?" عمر نے اپنی ہونٹیں اچکا تے ہوئے کہا۔ "اس نے تو اعمیٰ لگی میں لا کر کھڑا کر دیا

تھا۔ اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا؟"

عباس نے اب اپنا موبائل اٹھالیا۔ "پاپا کو انعام کر دینا چاہئے۔" اس نے ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے عمر

سے کہا۔ عمر نے کچھ کیے بغیر سر ہلا دیا۔

عباس کا رابطہ قائم ہو چکا تھا۔

"ہیلو!" وہ اب ایاز حیدر سے بات کر رہا تھا۔ "علیہ ہمارے ساتھ آگئی ہے۔" اس نے چھوٹے ہی

وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اور لفظوں کو سنتے ہوئے مکمل طور پر کنکیرڈن کا شکار ہو چکی تھی۔ کچھ دیر

اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سمجھے ہوئے انداز میں سر جھکا دیا۔

"ٹھیک ہے۔"

عمر کے چہرے پر پہلی بار ایک پرسکون مسکراہٹ ابھری۔

"تم جا کر اپنی چیزیں بیک کرو۔ میں عباس سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے علیہ کا ہاتھ جھپٹتا تے ہوئے کہا۔ وہ کچھ کیے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

اپنے بیک میں اپنے کپڑے اور دوسری چیزیں رکھتے ہوئے وہ بری طرح شکست خوردہ تھی۔ اسے یوں لگ

رہا تھا جیسے وہ جنگ کے میدان سے بھاگ جانے والا فوجی ہو۔

"لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے؟۔۔۔ جسٹس نیاز نے کیوں یہ سب کچھ کر دیا۔۔۔ جب میں اپنی مرضی سے

ان کا ساتھ دینے پر تیار تھی تو پھر اس سب کا کیا مطلب تھا۔" وہ اپنے فیملی کو متنبہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اور پھر میں نے عمر اور عباس کو نہیں کہا تھا کہ وہ ان چاروں کو مار دیں۔ پھر میں آخر کسی چیز کی سزا

بجھوں۔" وہ جتنی بھی ساری ٹیلیفون شرمندگی کے اس احساس کو مٹانے میں کام نہیں جس نے اس کا گھبراہٹ کیا ہوا تھا۔

سے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ جس وقت اپنا بیک اٹھائے گا تو ڈانچ میں آئی، اس وقت عباس، عمر اور ناؤ

تیزیوں وہیں تھے۔ شاید وہ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ عمر نے آگے بڑھ کر اس کا بیک اٹھالیا۔ کچھ کیے بغیر ساتھ چلنے

ہوئے وہ لاؤنچ سے باہر نکل آئے جہاں ایک ایک کارکنز کی تھی۔ وہ چاروں بڑی خاموشی کے ساتھ اس میں سوار ہو

گئے۔ تاؤ کے گھر سے عباس کے گھر تک کا سفر کسی اسی خاموشی سے طے ہوا تھا۔ عباس کی بیوی تایہ ان کا انتظار کر رہی

تھی۔ شاید عباس نے اسے فون کیا تھا۔

"کیا ہوا عباس! میں تو بہت پریشان ہوئی تھی۔۔۔ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟" اس نے پورچ میں ان لوگوں کا

استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"کون لوگ تھے گر بی؟" وہ اب ناؤ سے پوچھ رہی تھی۔

"کون لوگ ہو سکتے ہیں۔۔۔ ڈاکو وغیرہ تھے۔" عباس نے بات گول کرتے ہوئے کہا۔

"دو گاؤں۔۔۔ کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟" وہ ایک توشیحیں ہرے لمبے میں علیہ سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔ بس ڈاکو ایک کی تھی انہوں نے اور پھر بھگ گئے۔ چوکیدار معمولی ڈنکی ہوا تھا۔" اس بار بھی عباس

نے ہی جواب دیا۔

"تم نے کمرے ٹھیک کر دیا ہے؟"

"ہاں میں نے بستر وغیرہ لگوا دیے ہیں۔۔۔ ویسے تو صبح ہونے والی ہے مگر آپ لوگ تو ساری رات سوئے

ہی نہیں ہوئے گئے۔ بہتر ہے کچھ دیر آرام کر لیں۔" تایہ نے کہا۔

لائسنز کا سامان لے کر پہلے ہی جا چکا تھا۔ تایہ ناؤ کو ساتھ لے کر اندر جانے لگی۔ علیہ نے بھی ان کے

ی عباس کہنے لگا۔

”میں اس کی طرف سے کوئی رسک انورڈ نہیں کر سکتا ہوں۔ ایک بار جنس نازک اصل صورت حال پہنچ گئی تو پھر کتنا بڑا انکینڈل بنے گا۔ اس کا نہیں اندازہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور مجھے ابھی بھی غلطیہ سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔“

”عباس! اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو خاصی خوفزدہ ہو چکی ہے۔“ عمر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”ابھی وہ خوفزدہ ہے۔ مگر کب تک۔۔۔۔۔ کل کو اس کا یہ خوف ختم ہو گیا تو پھر کیا ہوگا اگر اس پر ایک بار پھر ہیومن رائٹس کے دورے پڑنا شروع ہو گئے۔ اور اس نے ایک بار پھر جنس ناز کو سب کچھ بتانے کی کوشش کی۔ یا پھر پریس کی مدد لی۔“

”عباس! میں اسے سمجھاؤں گا۔۔۔۔۔ وہ کچھ نہیں کرے گی۔“

”عمر! یہ کام تم پہلے ہی نہیں کر سکتے۔ جب تم آج صبح اسے سمجھانے گئے تھے تو اس نے تمہاری بات نہیں سنی۔ اور ابھی ابھی اگر وہ یہاں میرے مکر موجود ہے تو تمہاری کسی بات سے قائل ہو کر نہیں بلکہ اس سارے ڈرامے سے خوفزدہ ہو کر۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ عمر الجھا۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کل وہ تمہاری باتوں سے قائل نہیں ہوئی۔ تو ہم دوبارہ کیا ڈرامہ کر سکیں گے۔“

”میں اپنا کیریئر کم از کم غلطیہ کی وجہ سے ختم نہیں ڈال سکتا۔“

جہاں سے اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ نکالے ہوئے تھا۔

”میری پردھون ڈیو ہے اور اپنی منجلی کا کوئی فرد میرے خلاف کسی کے ہاتھ کا ہتھیار ہے تو پھر۔۔۔۔۔“

اس نے پیکٹ عمر کی طرف بڑھایا، عمر نے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال لی۔ عباس نے پیکٹ سامنے پڑی منجلی پر رکھا اور لائٹرز سے سگریٹ دلوں ہونٹوں میں دبا کر سلگانے لگا۔ اس نے بات مکمل نہیں کی تھی۔ عمر سگریٹ ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑا دیکھتا رہا۔ عباس نے لائٹز عمر کی طرف بڑھادیا اور خود سگریٹ سلگا کر لائٹز پھیل پر رکھ دیا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ وہ ہمارے خاندان کا ایک حصہ ہے مگر میں اس کے لئے اپنا کیریئر جاہ نہیں کر سکتا۔“ عباس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”میں کر سکتا ہوں۔“ عمر نے بے تاثر آواز میں صوفی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

”تمہاری حقیقت پندی کچھ ختم نہیں ہوئی جاری۔۔۔۔۔“ عباس نے چپٹے ہوئے انداز میں کہا۔

”میں اس کے بارے میں حقیقت پسند ہوں۔ اور میں نے تمہیں حقیقت ہی بتائی ہے۔۔۔۔۔ میں اس کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔“

”چاہے وہ اس طرح کی حماقتیں کرے۔“ عباس نے جیسے انداز میں کہا۔

”انگل، باوہ چاروں اسی قافلے تھے۔ وہاں ایک دو کو چھوڑنے کا سوال ہی نہیں تھا۔“

”ٹھیک ہے مگر تم لوگوں کو اتنی عقل کا مظاہرہ تو کرنا چاہئے تھا کہ خود سامنے نہ رہے۔ پولیس کے ہی کسی اہلکار کو اس سارے آپریشن کو کنٹرول کرنے دیجئے۔“

”یہ ہم نے اس لئے کیا کیونکہ ہم سب کچھ بہت جلدی اور احتیاط سے کرنا چاہتے تھے اور ہمیں یہ بھی خدشہ تھا کہ پچھلے درجے کے اہلکار سب کچھ اچھے طریقے سے نہیں کر پائیں گے۔“

”تو خود تم لوگوں نے کون سے تیر مار لئے اور کیس کی کہاں رہی۔۔۔۔۔ چیف فشر کے پاس پوری رپورٹ پہنچی ہوئی ہے۔“

”انگل! اب اس چیز کو ہم کیسے روک سکتے تھے۔ چیف فشر کے پاس تو رپورٹ جاتی ہی تھی اور ہمیں اس چیز کا کوئی خوف نہیں تھا۔۔۔۔۔ وہ کیا کر سکتے ہیں؟“ عمر نے خاصی لہو پڑائی سے کہا۔

”کیا کر سکتے ہیں یا نہیں۔۔۔۔۔ یہ تو بعد میں ہی پتا چلے گا۔ فی الحال تو میں آج اپنے کچھ دوستوں سے بات کر رہا ہوں۔ اب یہ پریشر کم ہے۔“

”آپ نے چیف فشر سے کیا کہا؟“

”چیف فشر کی بجھے بھی زیادہ فکر نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہمارے لئے زیادہ مسئلہ کھڑا کرے گا۔۔۔۔۔ مسئلہ ان چاروں فصلیہ کا ہے خاص طور پر جنس ناز اور جیمیر آف کاسرس کے وائس پریذیڈنٹ کا۔“ وہ بات کرتے کرتے رک گئے۔

”میں تم لوگوں سے بعد میں بات کروں گا، فی الحال ایک کال آ رہی ہے میرے لئے۔“

عمر نے انہیں فون بند کرتے سنا۔ ایک گھری سانس لے کر اس نے موبائل واپس عباس کی طرف بڑھا دیا۔

”پاپا کیا کہہ رہے تھے کہ معاملہ کافی طول پکڑنا چاہا ہے۔“

”To hell with it“ عباس نے نفرت سے اپنے ہونٹ سکڑتے ہوئے کہا۔ ”جہیں انہوں نے لاہور میں رکھنے کے لئے کہا ہے۔“

”ہاں بار بار آنے جانے سے بہتر ہے کہ ایک بار ہی سب کچھ ختم کر کے واپس جاؤں۔ انہوں نے شاید آئی جی سے بات بھی کی ہے۔۔۔۔۔ میری بھئی کے لئے۔“ عمر نے صوفہ پر نیم دراز ہو کر اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

”کیا تمہیں یقین ہے۔۔۔۔۔ غلطیہ جنس ناز سے دوبارہ روابط کرنے کی کوشش نہیں کرے گی؟“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عباس نے اس سے کہا۔

عمر نے آنکھیں کھول دیں۔ ”اسے رابطہ کرنا تو نہیں چاہئے۔“

”عمر! میں۔۔۔۔۔“ چاہئے“ کا نہیں پوچھ رہا ہوں۔ وہ رابطہ کرے گی یا نہیں۔۔۔۔۔ میں واضح لفظوں میں جواب دیتا ہوں۔“

عباس یک دم تنیدہ ہو گیا۔ عمر کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس سے پہلے

”وہ آئندہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔“

عہاس کچھ دبا اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“ عمر نے جراتی سے اس کا منہ دیکھا۔

”کیا اعتقاد سوال ہے۔۔۔ اس ساری گفتگو کے دوران میری شادی کہاں سے آگئی۔“

”میں تمہاری اور علیہ کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔“ عہاس نے اسی انداز میں کہا۔

”کم آن۔“ عمر نے سرگٹ کو اپنی طرف سے جھپٹنے میں دیکھتے ہوئے سرگٹ کے پیکٹ سے ایک اور سرگٹ نکال لیا۔

”کیوں؟ پسند نہیں کرتے تم؟“

”عہاس! کوئی اور بات کرو۔“

”کیوں؟ یہ کیوں نہیں۔ تمہاری اچھی خاصی Affiliation ہے اس کے ساتھ۔ بلکہ انڈر اسٹینڈنگ

بھی۔۔۔ جنہیں شادی کر لینی چاہئے اس کے ساتھ۔“

”عہاس! ہم کچھ اور بات کر رہے تھے۔“ عمر کا چہرہ سپاٹ تھا۔ ”اور تم اب جو کچھ کر رہے ہو۔۔۔ اس کا

اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”تعلق ہے۔“

”کیا تعلق ہے؟“ عمر نے دوبارہ کہا۔

”تم سے شادی ہونے کے بعد وہ اس سارے واقعے کے بارے میں کسی سے بات نہیں کرے گی۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”اپنے شوہر کو کورٹ میں بھیجے گی؟ میں جیسنوں کا تو تم بھی تو جیسنو۔۔۔ اور علیہ یہ نہیں کرے

گی۔۔۔ ہم اس کے بارے میں بے فکر ہو سکتے ہیں۔“

”عمر! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“ عہاس نے اس کی بے توقیری محسوس کی۔

”میں جانتا ہوں۔“ عمر نے سراٹھا کر اسے دیکھا۔

”وہ اچھی لڑکی ہے۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں۔“

”تم دونوں ساتھ خوش رہ سکتے ہو۔“

”نہیں۔“ اس نے بغیر کسی توقف کے کہا۔ ”ہم ایک ساتھ خوش نہیں رہ سکتے۔“

”کیوں؟“ عہاس نے اسے فور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ سب جھوڑ۔۔۔ اسلام آباد میں بھی انکی کچھ عرصہ پر چیک رکھوا۔“ عمر نے یک دم موضوع بدل دیا۔

”جیشن نیاز کے آپریشن کو بھی کہاں اس سلسلے میں احتیاط کرے۔ علیہ کی آواز پہچانتا ہے۔۔۔ آئندہ

بھی اگر کسی وہ کال کرے تو وہ جیشن نیاز سے رابطہ کرانے کے بجائے خود ہی بات کرے۔“

اس نے اب ہاتھ میں کھڑا ہو اسگریٹ سامنے بڑے ہوئے ایٹل ٹرے میں اچھال دیا۔

”میں اس کی دوست شہلا سے بھی بات کرلوں گا۔ وہ بھی اس سے بات کرے گی۔۔۔ میں بھی دتا فوٹا اس

سے رابطہ کرتا رہوں گا۔“

وہ یوں ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عہاس بھی کچھ کھڑا ہو گیا۔

”تم یہیں رہ جاؤ۔ صبح تو ہونے ہی والی ہے۔ اب ہوئی کہاں جاؤ گے؟“

”نہیں۔ مجھے جانا ہے۔۔۔ کچھ کام ہے مجھے۔ ویسے بھی ہوئی میں زیادہ آرام سے ہوتا ہوں میں۔“ اس

نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عہاس اس کے ساتھ چلنے لگا۔

باہر پورج سے نکلے ہوئے اس نے عمر سے کہا۔ ”میری بات پر غور ضرور کرو۔“

”نکس بات پر؟“

”علیہ کے ساتھ شادی پر۔“

”میں بہت پہلے اس پر غور کر چکا ہوں۔“

”چھو۔“

”جنہیں مٹا دیا ہے۔“

عہاس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”تم زندگی میں ایک کے بعد ایک بے وقوفی کر رہے ہو۔۔۔ کسی دن

ایمانداری سے اپنا تجربہ کرنا۔ شاید جنہیں یہ جہاں چلا جائے کر بعض دفعہ دوسروں کا مشورہ مان لیتا چاہئے۔“ عہاس

نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہلکا سا ڈاؤنل کر کہا۔

”تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہو۔۔۔ صرف تم ہی اسے پسند نہیں

کرتے۔ وہ بھی کرتی ہے۔“

عمر اس بات پر کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرایا۔

”صبح دس بجے تو میرے قریب میں جنہیں فون کروں گا۔“

عہاس نے اس کے کندھے کو ہلکا سا چھو لیا۔

”ایک بار مجھ پر مضمون بدل رہے ہو۔ تم ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔“

عمر جواب میں کچھ کہے بغیر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس سارے سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

تاہیں کھیلنے سے ایاز حیدر کے ساتھ ہونے والی نیچی لڑائی گفتگو کے بعد کہا۔ وہ ایاز حیدر کے فرسٹ کزن

تھے اور سی بی آر میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ ایاز حیدر کو کچھ دیر پہلے انہوں نے فون کیا تھا۔

پچھلے چند دنوں میں ایاز حیدر بہت سارے رشتہ داروں، کوئیکز اور دوستوں کے ساتھ مسلسل رابطے میں

تھے۔ اخبارات میں یہ اسکینڈل سامنے آنے پر اور عباس کی اس میں انوالونٹ کی خبر پاتے ہی یہ ردِ اہل شروع ہو گئے تھے۔ ہر ایک انہیں اپنے عقائد اور مذہب کا یقین دلا رہا تھا اور ایاز حیدر ابھی طرح جانتے تھے کہ یہ صرف خالی خوبی باتیں نہیں ہیں۔ وہ لوگ واقعی ہر قیمت پر ان کے بیٹے کی مدد کرتا چاہ رہے تھے۔

”میں جانتا ہوں، قاسم درانی کو پینڈل کرنے میں تم سیری مدد کرو۔“ ایاز حیدر نے ان کی پیشکش پر کہا۔
”کس طرح کی مدد؟“

”اس کی فیکٹری کی ٹیکس فائلز کو ذرا ایک بار پھر کھلو۔“ ٹیکس کے معاملے میں ٹریڈ ریکارڈ کیا ہے اس کا؟“
ایاز حیدر نے ہنسا۔

”ہاویں نے ایک بچا کا تہجد لکھایا؟“ کیا ہو سکتا ہے؟“ بھئی دیکھا ہی ہے جیسا جیبر آف کاسم کے کسی بھی مہمدے دار کا ہو سکتا ہے۔ جو بھتا بڑا انگلیں چرو۔۔۔ وہ اتنا ہی بڑا انڈسٹریلسٹ۔“
”یعنی ہاتھ صاف نہیں ہیں اس کے؟“

”مجھے تفصیل کا تو پتا نہیں۔ مگر میرا خیال ہے، یہ بھی ان انڈسٹریلسٹس میں شامل ہے جو پٹیل کی فیکٹری کی وجہ سے بچا ہوا ہے۔“ پرامن منٹر کی پارٹی کو فنڈ میں خاصی کمی چڑی رقوم دیتا رہتا ہے۔“
”تم ذاتی طور پر نہیں جانتے اسے؟“

”نہیں۔۔۔ دو چار پارٹیز میں سلام دعا ضرور ہوتی ہے اور چہرے سے واقف ہو کر کوئی لمبے چوڑے روابط نہیں ہیں اس کے ساتھ۔“ ہاویں نے بتایا۔

”تہہ دار کیا خیال ہے، اس کے ٹیکس ریکارڈ کی پھان میں شروع ہونے پر۔“ ادب سے مداخلت ہو سکتی ہے؟“
”یہ تو طے شدہ ہے۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا کہ خاصی بڑی رقوم ڈیفٹ کرتا رہا ہے پرامن منٹر کی پارٹی کو۔“
”ہاویں نے اپنی رائے دی۔“

”دیکھو میں کوئی اس کے ٹیکس کے معاملات ٹھیک کر دانا نہیں چاہتا، نہ ہی میں اس کے خلاف تہہ دارے ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے کوئی ٹیکس کر دانا چاہتا ہوں۔“
”تو پھر؟“

”میں صرف فوری طور پر اسے پریشر اٹھ کر دانا چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ جیبر کے جو دوسرے لوگ کفرے ہیں، انہیں تھوڑا سا خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں۔“ ایاز حیدر نے ان کے ساتھ اپنا اٹھکل ڈسکس کرتے ہوئے کہا۔
”اسٹریٹ منسٹر نے مجھے بتایا ہے کہ جیبر کے ایک وفد نے اسی سارے معاملے پر ان تک اپنا احتجاج پہنچانے کے لئے ان سے اپیل کی ہے۔ اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ یہ اسلام آباد جیبر کو بھی اس سلسلے میں پریشرز نہ کرے۔ ایس کے بیٹے کی اس کے بڑے بیٹے کا سر ہے۔“

”تم اسلام آباد جیبر کی فکر مت کرو۔“ سلیمان سے بات کرلوں گا میں۔ وہ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں ہونے دے گا۔“ بھریں میں بھی ادھر ہی ہوں۔ پریشری والی بات نہیں ہے۔“ ہاویں نے اپنے ایک

”اوہ کام لیا جو اسلام آباد جیبر آف کاسم کا عہدے دار تھا۔“

”خالی فوڈ کے ملنے سے میں پریشر ان نہیں ہوتا مگر ان لوگوں نے کوئی اسٹرائیک یا جلوس لالچ کرنے کی کوشش کی تو پھر صورت حال خاصی خراب ہوگی۔۔۔ میڈیا پہلے ہی سارے معاملے کو بہت ہائی لائٹ کر رہا ہے، انہیں اور فرنٹ پیج اسٹل مل جائے گا۔“

”ایاز! تم خواہ مخواہ پریشر ان ہو رہے ہو۔۔۔ قاسم خاصا بااثر آدمی ہے۔ مگر جہاں تک ایسی کسی اسٹرائیک کا تعلق ہے تو مجھے یہ یقین نہیں آتا جیبر کے ایکشنز قریب قریب اور قاسم کا مخالف گروپ خاصا مضبوط ہے۔۔۔ عام خیال یہی ہے کہ ان کے والے ایکشن میں مخالف گروپ کلین سویپ کرے گا۔۔۔ قاسم ویلے بھی آئندہ ایکشن میں حصہ نہیں لے رہا۔۔۔ ایسی صورت حال میں جیبر کی کتنی سپورٹ اس کے پاس ہے۔ یہ تو بہت کیئر ہے۔“ ہاویں نے صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں روف کو کہوں گا کہ وہ اس سلسلے میں مخالف گروپ سے بات کرے۔۔۔ نازی کا ایک بچا بھلا کیا بن تو آج کے اخبار میں بھی تھا جس میں اس نے دیے لفظوں میں کہا ہے کہ جیبر کو کسی کے ذاتی مفادات کے لئے استعمال نہیں ہونا چاہیے اور اس کا اشارہ قاسم کے بیٹے کی موت کے سلسلے میں جانے والے ان فوڈ کی طرف ہی تھا۔“
”لیکن جیبر کے بہت سے لوگ جو مذمتی بیانات دے رہے ہیں اور قراردادیں پیش ہوئی ہیں ان کے بارے میں کیا کہو گے تم؟“ ایاز حیدر نے کہا۔

”ادوہ یار! بیانات اور قراردادوں کو چھوڑو۔۔۔ اخباری بیانات کی دلیجو کوئی بات ہے۔۔۔ آج ان کے چار بیانات شائع ہو رہے ہیں کل کو ہمارے آٹھ شائع ہو جائیں گے۔۔۔ میں نے نازی کے بیان کی بات اس لئے کہ تمہیں جیبر کے نام نہاد اتحاد کے بارے میں بتا دوں، جس کے بارے میں تم فکر مند ہو۔۔۔ اچھے خاصے اختلافات ہیں قاسم اور نازی کے گروپ میں اور۔۔۔ جوں جوں وقت گزرے گا یہ ویسے گے۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ اسٹرائیک یا جلوس کی ٹوہٹ آسکتی ہے۔“ ہاویں کے لہجے میں لا برداری تھی۔

”میں بھریں میں پتا چاہتا ہوں کہ قاسم کے ٹیکس ریٹرز کو ایک بار پھر دیکھا جائے بلکہ اگر کچھ آفسر پر ریٹرز ہو جائیں تو اور بھی بہتر ہے۔“

”دیکھو اس کو کوشش بھی سمجھو تا ہوں۔۔۔ ریٹرز بھی کر دانا تو میں مگر کیا دہ اس پر ادھر نہیں بکڑے گا؟“
”مجھے اس کے بکڑنے کی پروا نہیں ہے۔۔۔ میں اسے اس حوالے سے پریشر ان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ نہ صرف اسے بلکہ اس کے حواریوں کو بھی انہیں اپنے ٹیکس ریٹرز کی فکر شروع ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے، میں کل میج ہی یہ کام کر داتا ہوں لیکن بھئی کچھ مسئلہ کھڑا کرے گا۔ قاسم درانی کی Pay roll پر وہ اور قاسم سیدھا اس ہی بکڑے گا۔“ ہاویں نے اس علاقے کے انکم ٹیکس کشن کا نام لیا جہاں قاسم کی فائلز چلی تھیں۔

”بھئی کو سارا مسئلہ بتاؤ۔۔۔ اسے کہو کہ یا تو وہ چند دن کی جھمکی لے کر کہیں چلا جائے۔ یا پھر قاسم کو

محاطات ملے کروادیں۔ فی الحال جنس نیاز اس پر رضا مند نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس کا مطالعہ ہے کہ پہلے عباس اور عمر کو معطل کیا جائے۔ اس کے بعد بھر کچھ ملے ہوگا۔ اور میں ان دونوں کا سرسوں پر رکھاڑ خراب نہیں ہونے دوں گا۔۔۔۔۔“

ایاز حیدر نے کہا۔

”ڈھنٹ دوری، کچھ نہیں ہوگا۔ جنس نیاز کو ویسے بھی لائم لائن میں رہنے کا شوق ہے، ہر دو چار ماہ کے بعد کوئی نہ کوئی انشو بنایا ہوتا ہے اس نے۔۔۔۔۔ اس بار پر میں کو پھیلے کی طرح استعمال کرے گا تو خاصا بچتا ہے گا۔“ انہوں نے کلیں نے فون بند کرنے سے پہلے آخری جملہ ادا کیا۔

☆☆☆

اگلے دن شام کی غلاط سے دوہ اسلام آباد پہنچی۔ ایاز حیدر کے ڈرائیور نے انٹر پورٹ پر اسے ریسو کیا اور گھر پہنچے پر اس نے ایاز حیدر کی بیوی کو اپنا شکر بٹایا۔

رکی ٹیک سلیک کے بعد وہ جان بگھی گئی کہ ایاز حیدر لاہور میں تھے اور انہیں ابھی چند دن رہنا تھا۔ ایاز حیدر کی بیوی سے بات کر کے اسے یہ اعزاء ہو گیا تھا کہ وہ پچھلے کچھ دنوں کے واقعات میں طلیہ کی انوائٹمنٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ انہیں صرف اتنا پتا تھا کہ لاہور والے گھر پر کچھ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا۔ اور کچھ عرصہ کے لئے ناؤ اور طلیہ نے وہ گھر چھوڑ دیا ہے۔ مرمت وغیرہ ہو جانے کے بعد وہ دونوں واپس وہاں چلی جائیں گے۔

وہ طلیہ سے ہونے والے نقصان کے بارے میں پوچھتی رہیں اور اپنے انوسوں کا اظہار کرتی رہیں۔ لاوا اینڈ آڈر کا تو فر پچھو سی مت۔ لاہور کے حالات تو خیر پہلے ہی خاصے خراب ہیں مگر اب اسلام آباد بھی محفوظ نہیں رہا۔ ہر چوری اب پوش علاقے میں ہو رہی ہے۔ وہ چائے پینے کے دوران اسے اپنے بے لاگ تیرے سے ڈانٹتی رہیں۔

طلیہ کو شش کے باوجود اب کی باتیں نہ فوج سے سن سکی اور نہ ہی منگتو میں کوئی خاطر خواہ اضافہ کر سکی۔ پچھلی رات ابھی بھی پوری طرح اس کے حواس پر اثر اعزاء ہو رہی تھی اور یہی سبب تھا کہ اس کی دواں موجودگی پوری کر رہی تھی۔ عمارت سے شرمندگی بے بسی۔ بچتا ہوا۔ وہ اپنی فیلسنکو کو پہچان نہیں پاری تھی۔ نہ ہی انہیں کوئی نام دے پاری تھی۔

جیلہ ایاز کو بہت جلدی اس کی عائب دماغی کا احساس ہو گیا۔ ”تم آرام کرو۔۔۔۔۔ یقیناً تھک گئی ہو گی۔“ طلیہ نے بے اختیار خدا کا شکر ادا کیا۔ تنہائی کے علاوہ اسے اس وقت کی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اگلے کئی دن وہ اخبار کھانگتی رہی۔ عمر اور عباس کی بات بالکل ٹھیک تھی۔ کسی بھی اخبار میں جنس نیاز کے ساتھ فون پر کئے جانے والے اس کے انکشاف کے بارے میں کوئی بھی خبر نہیں تھی۔ وہ اعزاء نہیں لگا سکی۔ اسے اس سے خوشی ہوئی تھی یا مایوسی۔

اگلے چند دنوں کے بعد ایاز حیدر اسلام آباد واپس آ گئے تھے۔ ان کے روپے سے طلیہ کو احساس نہیں ہوا

بالکل نظر انداز کرے، اس کے رابطہ کرنے پر بھی اس سے بات نہ کرے اور اگر مجبوراً اسے قاسم سے بات کرنی پڑ جائے تو بھر جاں نثول کرے۔ قاسم سے کہے کہ سب کچھ ادا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔“ قاسم اسے کیا بچا جائے گا۔۔۔۔۔ وہ براہ لاکھوں دے رہا ہے۔ اسے۔۔۔۔۔ ضرورت پڑنے پر پہنچی اس کے کام نہ آیا تو وہ تویرداشت نہیں کرے گا۔۔۔۔۔ میں یہی کرتا ہوں کہ کئی کو جھٹی لینے پر مجبور کرتا ہوں۔“ انہوں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے جو بھی چاہو کرو۔۔۔۔۔ مگر جلدی کرو۔۔۔۔۔ اور مجھے قاسم روانی کے انکم ٹیکس ریٹرنز کی کچھ کاپیز چاہئیں۔“

”کیوں؟“

”پریس کے لئے۔“

”مگر وہ تو کٹافٹیکٹل ہوتی ہیں، میں جنس میں دے بھی دوں تو پریس والے اعتراض کریں گے انہیں شک ہوگا اور مجھ وہ واقعی سمجھیں گے کہ قاسم کے دعوؤں میں حقیقت ہے اور بھیر کر سکی اسے پریشان کر رہی ہے۔ انکم ٹیکس والے جان بھر کر اس وقت ٹیکس کے معاملے کے گزے سروے اکٹاز کر سامنے لا رہے ہیں۔“

”ہاں! وہ سب میں دیکھ لوں گا۔۔۔۔۔ پریس میں ہیں کچھ میرے جانے والے۔۔۔۔۔ وہ سب کچھ سنبھال لیں گے۔“ ایاز حیدر نے لاہور والی سے کہا۔

”اوکے۔۔۔۔۔ میں بھر کل تم سے دوبارہ کامیٹ کرتا ہوں اور جنس آگے کی صورت حال بتاتا ہوں، لیکن میں جنس بتا دوں کہ اس کے ٹیکس کے معاملات اتنے خراب ہیں کہ اسے بچانے کے لئے بیورو کر سکی کے اندر کے بہت سے لوگ سامنے آ جائیں گے۔ جن کی مدد سے اس نے پچھلے تین بچیں سال میں ٹیکس بچایا ہے۔ پھر جنس بھی خاصی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔“ انہوں نے اسے غصے سے آگاہ کیا۔

”مجھے اس کے ٹیکس کے معاملات ٹھیک کرانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اپنے بیٹے اور عمر کو اس معاملے سے لگانا چاہتا ہوں۔ قاسم اس کا تے فوٹم کرے۔ میں اس کے ٹیکس انفر ڈکٹو ہماڑ میں پیکنگ دوں گا اور یہ نیجہ تم ان Big wigs کو ابھی طرح سمجھا سکتے ہو۔“ ایاز نے کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ سب کتنے دن چلے گا؟“ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے تو قاسم اور جنس نیاز کے اسلٹما پر منحصر ہے۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”قاسم کو تو اس طرح قابو کرو گے۔ لیکن جنس نیاز کے لئے کیا کرو گے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”جنس نیاز کے بارے میں خاصی خبریں ہیں میرے پاس۔ تمہارے کافی کام آ سکی گی۔ انصاف

”بچے۔“ میں خاصی شہرت حاصل ہے اس آدمی کو۔۔۔۔۔

”اس کا یہ حوالہ میرے لئے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔“

”چیف فشر کے ساتھ اگلی میٹنگ کب ہے تمہاری؟“

”اس کے بارے میں مجھے پتا نہیں۔۔۔۔۔ وہ کوشش کر رہے ہیں کہ مجھے اور جنس نیاز کو آٹے سامنے ٹھاکر

کردہ کچھ بھی جانتے تھے۔ وہ کم از کم اس معاملے میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ عمر اور عباس نے اس معاملے میں اسے بچالیا تھا۔ کم از کم وہ بھی سمجھ رہی تھی۔

ایاز حیدر کے گھر پر وہ ایک بہت ہی بڑی زندگی گزار رہی تھی۔ ایاز اور جیلہ کی اپنی مصروفیات تھیں۔ وہ دونوں بہت کم ہی گھر پر ہوتے۔ علیحدہ سارے دن گھر پر ہی دی دیکھتے یا کتابیں پڑھتے ہوئے وقت گزارتی۔ یا پھر لاگت دینا پورا کر لیا جاتی۔ رات کے وقت جیلہ اور ایاز حیدر اسے اکثر ان مختلف ذریعہ میں ساتھ لے جاتے جہاں وہ مہو ہوتے۔ وہ دونوں بہت سوشل تھے اور بہت کم ہی کوئی رات ہوتی جہاں وہ نہیں دیکھیں دھوئے نہ ہوتے۔ علیحدہ بعض دفعہ فونی سے ان کے ساتھ چائی اور بعض دفعہ ایاز حیدر کے اصرار پر زبردستی، وہ دونوں آہستہ آہستہ اسے بہت ساری ٹیلیز کے ساتھ متعارف کرادے تھے۔

عمر اسے دقت فونی فون کرتا رہتا تھا۔

”میں والدیں کا آؤں گی؟“ وہ ہر بار اسے ایک ہی سوال کرتی۔

”بس کچھ دن اور“ وہ ایک ہی جملہ ہر اتار اور پھر کوئی اور بات شروع کرتا۔

پھر آہستہ آہستہ اس کی کالز میں آنے والا وقت بڑھنے لگا لیکن ہر بار کال آنے پر اس کی آواز اور لہجے میں اتنی گرم جوش ہوتی کہ علیحدہ شکایت کرنا بھول جاتی یا شاید اچھے بار کے لئے ملوثی کر دیتی۔

وہ نالوارہ شہلا سے بھی مسلسل رابطے میں تھی۔ اپنے زلزل کا بھی اسے شہلا کے ذریعے ہی پتا چلا تھا۔

لاہور والدیں جانے کے لئے اس کی بے تابی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

عمر نے اسے مبارکباد دینے کے لئے فون کیا۔ ”ابھی کچھ وقفہ ٹھیک ہے۔“ وہاں کچھ مورت وہ رہی ہے۔ اس لئے وہاں تو تم نہیں ٹھہر سکتی۔ عباس کے ہاں ہی رکنا پڑے گا جہیں۔ یا پھر تم میرے پاس آ جاؤ۔“

عمر نے ایک بار پھر اس کے سوال پر کہا۔

”میں پھر میں نہیں اسلام آباد میں رہتی ہوں لیکن آپ مجھے یہ تو بتاویں کہ یہ سمرت کتب ختم ہوگی؟“

”بہت جلدی“ میں جانتا ہوں۔ تم والدین آنا چاہتی ہو۔ جیسے ہی وہاں کا ختم ہوا میں تمہیں بتا دوں گا۔ پھر تم آ جاؤ۔“ عمر نے ایک بار پھر اسے یقین دہانی کرادی۔

علیحدہ نے اسلام آباد آنے کے بعد عمر سے دوبارہ اس سارے معاملے کے بارے میں بات نہیں کی۔ اسے تجسس تھا اور اخبارات میں لگنے والی مختلف خبروں نے اسے تجسس کو اور بڑھا دیا تھا۔ مگر وہ اپنے اہل ذاتی صحت نہیں پاتی تھی کہ عمر یا عباس سے اس ساری صورت حال کے بارے میں پوچھے۔

پھر ایک دم اخباروں میں اس سارے معاملے کے بارے میں خبریں آنا بند ہو گئیں۔ کچھ دنوں کے بعد اسے پتا چلا کہ عباس حیدر ایک سال کی چھٹی لے کر اٹھینڈر کمانو کی کالونی کوس کرنے جا رہا تھا۔ اس کی چھٹی منظور ہونے سے پہلے اس کی پردوشوں بھی تھی۔ علیحدہ کو اندازہ ہو گیا کہ جنس ناز کا کیس ختم ہو چکا ہے۔ عمر بھی اپنے پہلے والے شہر ہی میں پڑھتا تھا۔ علیحدہ کے احساس جرم میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

”باتیں یاد دہانی کرنا بہت آسان ہوتا ہے، یہ کام بھی کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ مگر سسٹم کو بدلنا یا بدلنے کے لئے ایک چھوٹا سا قدم اٹھانا بھی آسان نہیں ہوتا۔“ بہت عرصہ پہلے عمر کی کہی ہوئی کچھ باتیں اسے بار بار یاد آئیں۔ جو پڑیے اسے اس وقت اور خود غرضانہ تھا کہ وہ اب اس قدر عجیب لگ رہا تھا۔ یہ صرف وہی جانتی تھی۔

”چند دن کو تپند کرنا اور بات ہے۔ اٹھا کر پیچک دینا اور۔ یہ حقیقت ان لٹی چاہئے کہ کم از کم ہماری کلاس اس سسٹم کو بدلنے کی اہلیت، صلاحیت یا شاید جرات نہیں رکھتی۔ کوئی بھی انھیں اس سبھی کو نہیں کاٹنا جس پر خود سوار ہو۔ اور ہماری کلاس کسی دوسرے کو یہ سسٹم بدلنے نہیں دے گی۔ کوئی انھیں کسی دوسرے کے فیس کو بھی وہ نہیں کاٹے نہیں دیتا جس پر وہ سوار ہو۔ یہ You miss I hit والی صورت حال ہے۔ ہماری کلاس کی خوش قسمتی ہے، ابھی تک ہم کسی بھی طرح پر سیویک اینڈ پر نہیں پہنچے۔“

وہ اس وقت بعض دفعہ اس کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتی تھی۔ بعض دفعہ بحث کرتی۔ یا پھر تپندہ دیکھ کر کے اظہار کے لئے خاموش ہو جاتی، وہ اب ان ساری باتوں کے بارے میں سوچ کر صرف شرمندہ ہوتی تھی۔

اسے شہلا زینیر والا واقعہ ابھی طرح یاد تھا۔ اس وقت اسے عمر سے شکایت ہوئی تھی کہ اس نے ایاز انکل سے کچھ رمانز کیوں کیا۔ سب کچھ پڑھیں اب اور کتب تک نہیں لے گیا۔

اب خود ایاز حیدر کے گھر بیٹھے وہ حالات کی ختم طریقے پر حیران ہوتی۔ وہ عمر سے کسی بھی طرح مختلف ثابت نہیں ہوتی تھی۔ جب اسے اپنی زندگی خطرے میں نظر آنے لگی تو وہ بھی کچھ رمانز کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

”زندگی بڑی شرمندہ کردانے والی چیز ہے۔ تم میں۔ یا کوئی بھی۔ ہم سب ایک ہی جھولے میں سوار ہیں اور کوئی بھی اس میں سے اترا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ بچے کمزور ہو کر مردوں کو آسان تک پہنچنے دیکنا بڑا صبر آزما اور تکلیف دہ کام ہوتا ہے۔ کم از کم مجھ میں یہ تو حوصلہ نہیں۔“ اسے عمر کی باتیں اب کچھ میں آ رہی تھیں۔

☆☆☆

”میں تم لوگوں کی باتوں پر قطعاً یقین نہیں کر سکتا۔ تم اور عباس کے بیٹے کے پاس بھوت کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔“ جنس ناز چھپے فشر کی موجودگی کی پروا کئے بغیر ایاز حیدر اور عباس پر اشتعال کے عالم میں چلا رہے تھے۔ وہ چاروں گھنٹہ چھپے فشر کی باتیں گاہ پر موجود تھے۔ ایاز حیدر اور عباس بڑے سکون اور حش کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنس ناز کے اثرات اور چیخ و پکار کو نہ رہے تھے۔ چھپ فشر بار جنس ناز کا اشتعال کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ یہ نہ کر رہے ہوئے تو شاید جنس ناز یقیناً اب تک ایاز حیدر اور عباس کے ساتھ بھاگ پانی کر رہے ہوتے۔

”نیا صاحب! آپ۔ دیکھیں۔ میری سیشن۔ میں آپ کے جذبات سمجھتا ہوں مگر دیکھیں۔ اس طرح سب کچھ کیسے بٹے ہوگا۔ آپ دونوں فریق آرام سے ایک دوسرے کی بات سنیں۔“ چھپ فشر نے ان کا بارہ بچو لانے کی ایک اور کوشش کی۔

”آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں بات سنوں۔ میں صبر و حش کا مظاہرہ کروں۔“ جنس ناز ان کی بات

آپ کا ہمدہ تھا۔ درنہ لاہور کی ساری پولیس کو اس کے اور اس کے دوستوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اس بار ایاز حیدر کی آواز بھی بلند تھی۔

”آپ کو اپنے بیٹے کی موت کی بہت تکلیف ہے اور مجھے اپنی بھانجی کی بے عزتی کا کوئی دکھ نہیں ہونا چاہئے۔“

”میرے بیٹے تمہاری بھانجی کی کوئی بے عزتی نہیں کی اس نے صرف اس کا تعاقب کیا۔“
 ”Your son raped my niece.“ ایاز حیدر نے اس بار سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

☆☆☆☆

”علیہ و ابھور بن چلوں میرے ساتھ؟“ اس شام جیلہ آئی تے ڈرنیکل پر اچانک اس سے کہا۔
 ایاز حیدر کی ڈرنپراؤ ایسی تھوڑی سی بعد خلاف معمول جیلہ آئی اس کے ساتھ گھر پر ہی ڈرنکری تھیں۔

”بھور بن کس لئے؟“ علیہ کو حیرت ہوئی۔

”دو میڈیکل ایجنٹس ہیں وہاں پر۔ اسد لمانت علی خان اور طاہرہ سید کے ساتھ۔“
 ”کس لیے؟“

”فکر ریگ کر رہے ہیں ہم ایس او ایس وٹج کے لئے۔“ انہوں نے کہا اب کے کلکے کرتے ہوئے کہا۔
 ”تو یہاں اسلام آباد میں ہی کر لیتے۔ وہاں بھور بن جانے کی کیا ضرورت ہے۔“ علیہ نے کہا۔
 ”جسٹ فار اے چیچ۔“ آج کل وہاں کا موسم بہت خوشگوار ہے۔ لیکن کلب کے ممبرز کا اصرار تھا کہ یہ نقش و ہیں اراٹج کیا جائے۔ انہوں نے تعمیل بتاتے ہوئے کہا۔ دون کے لئے ابھی آؤنگ رہے گی۔ جنہیں تو ویسے بھی میڈک کے خاصے دلچسپ ہیں۔“ انہوں نے کہا۔
 ”انگل بھی جارہے ہیں؟“ علیہ نے پوچھا۔

”ایاز؟ تمہیں وہ کپڑاں جا رہا ہے۔ ایک دن کی ہوتی تو شاید اس کا سوڈا میں بھی جاتا مگر دون کے لئے وہاں رکتا تو خاصا مشکل پہنچتا ہے، اس کے لئے۔“

”ٹھیک ہے، میں چلوں گی۔“ علیہ نے کچھ سوچتے ہوئے۔ ”جانا کب ہے؟“

”اگلے دیک اینڈ پر۔“ انہوں نے گلاس میں پانی اٹھ پیتے ہوئے کہا۔

”اگلے دیک اینڈ پر تو میں واپس جانا چاہتی ہوں۔“

”کیوں؟“ جیلہ نے کچھ چونک کر کہا۔ ”ایاز نے تو تمہارے واپس جانے کے بارے میں کوئی نہیں کی۔“
 ”یہاں سے اس سلسلے میں کچھ کہا ہے۔“

”تم رور دہی ہو یہاں پر؟“ جیلہ نے اچانک پوچھا۔

”نہیں، رور تو نہیں ہو رہی۔ مگر میں اب واپس جا کر کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ رزلٹ کا انتظار تھا مجھے اور

پر اور مشتعل ہوئے۔ ”میرا جوان اور معصوم بیٹا اس نے مار دیا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں چلاؤں بھی نہ۔“
 جشن نیاز نے عباس کو گولی دیتے ہوئے کہا۔ چنگوٹوں کے لئے عباس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”براگلی نہ دیں۔ گولی کے بغیر بات کریں، میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن گالیاں کھانے کے لئے ہم لوگ یہاں نہیں آئے ہیں۔“ ایاز حیدر نے یک دم جشن نیاز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”تم میرے پورے خاندان کو پریس کے ذریعے اکیڈمی لائز کر رہے ہو۔ میرے بیٹے کو گھر سے اٹھا کر تمہارے بیٹے نے جہلی پولیس قافلے میں مار دیا اور میں تمہارے بیٹے کو گولی تک نہیں دے سکتا۔“

”جو کچھ ہوا مجھے اور عباس کو اس پر انصاف ہے۔ مگر جو کچھ آپ کے بیٹے نے کیا وہ بھی۔“
 جشن نیاز نے ہنس کے عالم میں ایاز حیدر کی بات کاٹ دی۔ ”کیا کیا میرے بیٹے نے۔“ بولو کیا کیا تھا میرے بیٹے نے؟“

”میں آپ کو بتا چکا ہوں، آپ کے بیٹے نے کیا کیا تھا۔“

”تم کبواس کرتے ہو۔ جھوٹ بولتے ہو۔“

”مجھے نہ کبواس کرنے کی ضرورت ہے نہ جھوٹ بولنے کی۔ جب انسان کے پاس ثبوت اور حقائق ہوں تو اسے یہ دونوں کام نہیں کرنا پڑتے۔“

”تم اور تمہارے ثبوت اور حقائق میں بے وقوف نہیں ہوں۔“

”آپ کی آجی واپار سے تو آپ کی کوئی تعلق نہیں جھک رہی۔“ ایاز حیدر نے دہرہ دہا۔

”میرے بیٹے نے گھر آنے کے بعد مجھ سے کچھ بتایا تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا اس نے ایک لڑکی کا صرف تعاقب کیا تھا اسے چند دوستوں کے ساتھ۔ جسٹ فار اراجا اے سنٹ۔ اور اس نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔“

”آپ کے بیٹے نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔“ ایاز حیدر نے پر سکون انداز میں کہا۔

”نہیں۔ اس نے مجھ سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے اس کے ایک ایک لفظ پر اعتبار ہے۔“ جشن نیاز نے اپنی پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”بہتر ہے، آپ اس کے لفظوں کے بجائے حقائق پر اعتبار کرنا سیکھیں۔“ ایاز حیدر نے اسی پر سکون انداز میں کہا۔

”آپ کا بیٹا جس کی دروازہ کا لاک تھا۔ آپ وہ۔“

جشن نیاز نے بلند آواز میں ایاز حیدر کی بات کاٹ دی۔ ”میرے بیٹے کے دروازے کے بارے میں کبواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ LUMS میں پھر ہوا تھا میرا بیٹا۔ اپنے Batch

کا سب سے آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ تھا اور تم اس پر اس طرح کے تھوڑے کاس الزامات لگ رہے ہو۔“ ان کی آواز ہنسے سے جیسے پھٹ رہی تھی۔

”LUMS کی ڈگری آپ کے بیٹے کا کریڈٹریٹیکٹ نہیں ہے۔ وہ اگر ہسٹری فیکلٹی میں بنا تو اس کی وجہ

اب تو وہ بھی آچکا ہے۔۔۔ دیکھو یہی میں ناؤ کو خامس کر رہی ہوں۔“

”کیا کرنا چاہتی ہو تم واپس جا کر؟“ بھیلہ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”میں تیز دھیر کو جوت کر دینا چاہتا ہوں۔ کسی ایسے مٹی کو۔۔۔ ان ہی دو چیزوں میں دلچسپی ہے مجھے۔“

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایک تیسری چیز بھی تو ہے۔ اس میں بھی دلچسپی لے سکتی ہو تم۔“ انہوں نے اپنی پلٹ میں چادر لٹا کر

ہوئے کہا۔

”ایسی کون سی چیز ہے؟“ علیزہ کو اچانک دلچسپی محسوس ہو گئی۔

”شادی“

علیزہ حجاب میں کچھ کہنے کے بجائے بولے سے مسکرائی اور اپنی پلٹ میں سوئٹ ڈش لٹا کر لگی۔

”کیوں تمہیں دلچسپی محسوس نہیں ہوتی؟“ بھیلہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔“ اس نے ایک لفظی جواب دیا۔

”حالانکہ بولی چاہئے۔“ بھیلہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ علیزہ نے اس بار بھی کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک بار پھر

صرف مسکرا کر رہ گئی۔

”علیزہ! اگر تم اسے بہت پر تن سے سمجھو تو ایک پوچھوں۔“ بھیلہ نے اچانک اس سے کہا۔

”ضرور۔“ علیزہ نے کندھے اچکا کرے ہوئے کہا۔

”تم کسی میں انٹریسٹ ہو؟“

علیزہ کی آنکھ میں نہیں آیا وہ اس سوال کا کیا جواب دے، سامنے بڑی ہوئی سوئٹ ڈش یک دم اپنی شام

کھونے لگی۔

”میرا مطلب ہے، کسی کے لئے کوئی پسندیدگی جس کے ساتھ شادی وادی کرنا چاہ رہی ہو تم؟“ علیزہ

کی آنکھوں کے سامنے ایک ہی چہرہ بھلا کے ساتھ ابھرا۔ ایک مگر اسانس نے کراس نے بھیلہ کو دیکھا۔

”نہیں۔“ مجھے کسی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پیچھے آگئی سے واپس پلٹ

میں رکھ دیا۔

”کیوں؟“ بھیلہ کی مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی۔

”پتا نہیں۔“ علیزہ اس بار مسکرائیں لگی۔

”بڑی حیرت کی بات ہے۔“ مجھے لگتا ہے۔۔۔ مجھی نے تمہیں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی دباؤ میں رکھا ہو

ہے۔“ ان کا اشارہ ناؤ کی طرف تھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ ہاؤ نے مجھ پر ایسی کوئی پسندیدگی نہیں لگائی۔ وہ بہت لبرل ہیں۔“ علیزہ

نے ناؤ کا دفاع کرنے کی کوشش کی تھی۔

”اسی لئے تو مجھے حیرت ہو رہی ہے۔۔۔ بہر حال تم نے اس بارے میں سوچا کیا ہے۔ تعلیم تو مکمل ہو ہی گئی ہے تمہاری۔“ وہ اب سوئٹ ڈش نکال رہی تھیں۔ علیزہ سوئٹ ڈش کھانا بند کر بیٹھی تھی۔

”نہیں، میں ایسا حال شادی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے کسی کی فیلڈ میں اپنا کیریئر بنانا ہے۔“

”کیریئر کا کیا ہے، وہ تو ساتھ ساتھ چل سکتا ہے۔۔۔ جرنلزم ہو یا سوشل ورک دونوں اسے Time

Consuming (وقت طلب) تو نہیں ہیں کہ بندہ ان کے ساتھ ساتھ شادی کا سوچ ہی نہ سکے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ وہ ہیشکل مسکرائی۔

”یہ تمہاری زندگی کا معاملہ ہے، تمہارے علاوہ کوئی اور اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے۔ بہر حال اس

مسئلے پر دوبارہ کبھی بات کریں گے۔ ابھی تو میں تمہیں یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ تم ایک دم دھنسنے کے لئے اپنا قیام یہاں

بڑھاؤ۔۔۔ اگلے ویک اینڈ پر میرے ساتھ جبرون چلو۔“ عتیقہ انہماجے کر گئی۔ ”وہ اب بینکین سے اپنا منہ نہ بچھتے

ہوئے کہہ رہی تھی۔

”دباں پر بہت ہی ایسی اوز کے لوگ بھی ہوں گے۔ جرنلٹ بھی ہوں گے۔ تمہارے لئے انٹرایکشن کا

خاصا اچھا موقع ہے۔“ وہ کہہ رہی تھیں۔ علیزہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

بھیلہ ایسا کھانا قسم کے ٹیکبل سے اٹھ کھین لیکن علیزہ وہیں بیٹھی رہی۔ بہت دلوں کے بعد اسے ایک بار

پھر عمر یاد آ رہا تھا۔ اسے علیزہ سے رابطہ کئے بہت دن ہو گئے تھے۔ وہ جانتی تھی وہ واپس اپنے شہر چلا گیا ہوگا اور شاید

اپنے کاموں میں بری طرح پھنسا ہوگا۔ یا پھر شاید اس کے پاس کچھ اور ”مصدوفیات“ ہوں گی۔

اس کی چاندنی پہلے کی بے لگاری اچانک ختم ہو گئی۔ وہ بہت عجیب سے احساس ہے دو چار ہو رہی تھی۔ ڈر

ٹیکبل سے اٹھتے ہوئے وہ جانتی تھی کہ وہ آج رات پر سکون نہیں سوئے گی۔

لاؤنچ سے نکلے ہوئے اس کی نظر اچانک فون پر پڑی۔ لاشعوری طور پر وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے

جاتے واپس پلٹ آئی۔ فون کے پاس آ کر ریسورڈ اٹھا کرے ہوئے اس نے مہا کی انداز میں عمر کے موبائل کا نمبر ڈائل

کیا۔ موبائل خلاف معمول آف نہیں تھا۔ بھلا کیپ کے ساتھ ہی اسے دوسری طرف عمر کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو! اچھے! تم کچھ کہنے کے لئے مدھوکھا لایا کین کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کی آواز حق میں دم توڑ گئی۔ اس

نے ریسورڈ میں عمر کی آواز کے علاوہ ایک اور آواز بھی سنی تھی۔ شہت انگلیش میں اس نسوانی آواز نے عمر سے صرف ایک

جملہ کہا تھا۔ دوبارہ وہ آواز سنائی نہیں دی۔ وہ ایک جملے کے بجائے ایک لفظ بھی بولی تو علیزہ کو اس آواز کو شناخت

کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

”ہیلو کون بول رہا ہے؟“ عمر اب ایک بار پھر کہہ رہا تھا۔ علیزہ نے کچھ کے بغیر ریسورڈ نیچے رکھ دیا۔

اس سے پہلے کہ وہ موند سے اٹھی فون کی لٹکائی جیسے جیسے، CLI پر موجود نمبر عمر کا تھا۔ علیزہ نے بے اختیار

آنکھیں بند کر لیں۔

عمر کی ہر حرکت ریفلکس ایکشن کی طرح بے اختیار اور تیز تھی۔۔۔ کبھی بھی اس سے چھپ نہیں سکتی تھی۔

”اس نے جتنا اپنے سواکس پر ایاز حیدر کا تشریح کیا ہوگا اور اسے توقع ہوگی کہ یہ کال میں نہ ہی کی تھی۔“
علیہ نے ریسپونڈر اٹھا کر کڑیل سے نیچے رکھ دیا۔ وہ اس جتنی کیفیت کے ساتھ عمر سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ چند منٹ وہیں بیٹھے رہنے کے بعد اس نے ریسپونڈر واپس کر لیں پر رکھ دیا۔
لاؤنج سے نکلے ہوئے اس نے ملازم کو ہدایت دی۔ ”تھیرا! اگر عمر کا فون ہو تو ان سے کہہ دینا کہ میں بہت دیر پہلے سو گئی تھی۔ میری اس سے بات مت کرانا۔“
اس نے ملازم کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ میڈیا کی طرف جانے کے بجائے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے کے پردے ہٹا کر وہ باہر ان میں دیکھنے لگی۔ جہاں اکا کا بیٹے والی درشتیاں اسے مکمل تاریکی سے بچا رہی تھیں۔
”Umer! I'll be back in a minute.“

ریسپونڈر پرستی جانے والی آواز ایک بار پھر اس کی سامتوں میں گونج رہی تھی۔ اسے باہر موجود ساری تاریکی اپنے اندر اتنی محسوس ہونے لگی۔

”عمر کے بارے میں میرا برا اندازہ ہمیشہ غلط کیوں ہوتا ہے؟ کیا میں ہمیشہ اتنی ہی بے وقوف رہوں گی یا پھر شاید۔“ وہ اپنی اسے اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔
”میرا خیال تھا جو ذمہ اس کی زندگی سے نکل چکی ہے۔ مگر وہ ایک بار پھر آ سکتی ہے یا پھر وہ شاید کبھی کہیں گئی ہی نہیں۔“ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

☆☆☆☆

”میں تمہاری کواں پر یقین نہیں کر سکتا۔“ جنس نیاز نے بڑے حقیرانہ انداز میں اپنے ہاتھ کو جھٹکا۔
”حقیقت کو آپ کواس کہیں یا اس پر یقین نہ کریں، اس سے اس کا وجود ختم ہوتا ہے نا اس کی Authenticity۔“ ایاز حیدر نے ایک بار پھر جس سے کہا۔
”تم اور تمہارے خائف۔“ جنس نیاز نے ایک بار پھر ایاز حیدر کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ اس بار ایاز کا چہرہ سرخ ہو گیا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے جنس نیاز نے مداخلت کی۔

”نیاز صاحب! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ منہ ب زبان استعمال کریں۔ اس کا علم گونج سے صورت حال اور خراب ہوگی اور اگر یقین میں سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“
جنس نیاز، چیف فشر کی بات پر ایک بار پھر آگ بگولہ ہو گئے۔ ”میں یہاں انصاف لینے آیا ہوں کوئی فائدہ نہیں۔“

”آپ کے بیٹے کے ساتھ انصاف ہی کیا گیا تھا۔“ ایاز حیدر کا لہجہ اس بار بالکل سرد تھا۔
اس سے پہلے کہ ان کی اس بات پر جنس نیاز اور فشر نے چیف فشر نے ایک بھر مداخلت کی۔
”اس فضول بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہس نے کیا کیا میں نے آپ دونوں کو یہاں معاملات لے

کروانے کے لئے بلوایا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے۔ اس کو تو بدلائیں جاسکتا، نہ آپ بدل سکتے ہیں۔ یہ۔“
”ہمیں دوستانہ گفتگو کر لیتا چاہیے۔“
”ہم اس کے لئے تیار ہیں اور ہم یہاں اسی لئے موجود ہیں؟“ ایاز حیدر نے ان کی تجویز پر کہا۔
”مگر میں اس کے لئے تیار ہوں نہ اس لئے یہاں آیا ہوں۔“ جنس نیاز کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

”نیاز صاحب! آپ معاملے کو طویل دینے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“ چیف فشر نے اس بار کچھ جھنجھلا کر کہا۔

”اگر آپ کو یہ لگ رہا ہے کہ میں معاملے کو طویل دے رہا ہوں تو ایسا ہی سمجھا۔“
چیف فشر نے ان سے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر جنس نیاز نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔
”ہوسکتا ہے آپ اس کے پریشر میں ہوں، مگر میں ایاز حیدر اور اس کے ٹیگ سے نہیں ڈرتا۔“
ایاز حیدر نے ان کی بات پر ایک لمحہ کے لئے اپنے ہونٹ میچھنے لگے۔

”سرا میرے لئے اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کریں۔ میں یہاں کسی فحشی کو بڑھانے نہیں آیا اور میں بہت برداشت کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔“ ایاز حیدر نے اس بار براہ راست جنس نیاز کو مخاطب کیا۔
”کس نے کہا ہے کہ تم برداشت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔“ جنس نیاز نے تقریباً دھڑکتے ہوئے کہا۔
”میرے بیٹے کو تم نے مار ڈالا اور اب تم اس پر الزام لگا رہے ہو۔ اخبارات کے ذریعے مجھے بدنام کر رہے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ میں تم کوکوں کے ساتھ تھیف بھی کروں۔ تم ایک انتہائی گھٹیا اور کہنے شخص ہو یا ایاز حیدر۔“ وہ ایک ہی سانس میں بولتے گئے۔

”آپ کے بیٹے کو جس وجہ سے مارا گیا، وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ کوئی سوچا کچھ اٹھ نہیں تھا۔ عباس اور عمر کی جگہ آپ ہوتے اور میری بھانجی کی جگہ آپ کی بیٹی ہوتی تو آپ بھی یہی کرتے۔“ ایاز حیدر نے کمری پر کچھ آگے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”اور میں آپ کے بیٹے پر جھوٹا الزام کیوں لگاؤں گا۔ میں اپنی بھانجی کو بخود بدنام کر دوں گا۔ اپنے خاندان کی عزت کو بخلہ نہیں اچھاؤں گا؟“
وہ ایک لمحہ کے لئے رکے۔

”جہاں تک اخبارات کا تعلق ہے تو وہاں شائع ہونے والی خبروں میں بھی میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔“
”تم۔“ جنس نیاز نے قصے کے عالم میں ان کی بات کا ٹانٹا چھی، مگر چیف فشر نے انہیں روک دیا۔
”نیاز صاحب! آپ انہیں بات تو کرنے دیں۔ پہلے ان کی سن لیں پھر جو چاہے کہیں۔“ ان کا لہجہ اس بار انتہائی تھا۔ جنس نیاز پتا نہیں! سوچ کر چپ ہو گئے۔

”اخبارات کا جوں کا توں چاہئے۔ وہ چھاپ دیتے ہیں۔ وہ میرے علم سے نہیں چلتے، نہ ہی ان پر مجھے کوئی کنٹرول ہے۔ آج وہ آپ کے بارے میں خبر شائع کر رہے ہیں تو کل میرے بارے میں بھی چھاپ سکتے ہیں۔“

ایاز حیدر نے ایک بار بھر بڑی تنگی کی سے اپنی بات شروع کی۔

”وہیے جن میں لوگوں کے حوالے سے وہ خبریں شائع کر رہے ہیں ان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ آپ کا ہی تعلق ہے آپ مختلف اوقات میں ان مقدمات میں فیصلے دیتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو ان فیصلوں کے حوالے سے اعتراضات ہیں۔“

جنس نیاز کے ماتھے پر پڑے ہوئے بالوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

”اور یہ لوگ صرف اب ہی اخبارات میں بیان نہیں دے رہے، یہ پہلے بھی بہت سے بیانات دیتے رہے ہیں۔ کیا اس وقت بھی انہیں اخبارات تک لانے کا ذمہ دار میں تھا۔“

ایاز حیدر اس بار کچھ فیسے کے عالم میں کہتے گئے۔

”آپ کے بیٹے کے ساتھ سب کچھ کس وجہ سے ہوا میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ آپ اسے جھوٹ سمجھیں یا جہی کہیں اس سے حقیقت تبدیل نہیں ہوگی۔“ انہوں نے اپنا کانکائی ٹوٹا ہوا ہاتھ دیا۔

”آپ کو اگر اسے بیٹے کی موت کا دکھ ہے تو مجھے بھی اپنی بھانجی کی بے عزتی کا رنج ہے۔ اگر آپ کے بیٹے کو زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے تو میری بھانجی کی زندگی میں تباہی ہو گئی ہے۔“ اس بار ان کی آواز میں واضح افسردگی موجود تھی۔

”وہ ابھی تک اسلام آباد کے ایک کلینک میں زیر علاج ہے، اس کی ذہنی حالت اتنی خراب ہے کہ ڈاکٹر اسے علاج کے لئے بیرون ملک لے جانے کا کہہ رہے ہیں۔“

جنس نیاز اس بار خاموش نہیں رہے۔ کسم کسم دینا کے سب سے بڑے بھولے آدمی ہو۔۔۔۔۔ میں نے انہیں بتایا ہے میرے بیٹے نے تہذیبی بھانجی کا صرف تعاقب کیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ تہذیبی بھانجی تھی اور اس نے مجھے یہ سب کچھ بتا دیا تھا۔

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔“ ایاز حیدر نے اس بار پہلی دفعہ ان کی بات کاٹی۔

”میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“

”ہاں آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر یہ سچ ہوتا تو آپ نے میری مدد کے گھر پر فائرنگ کر دیا کہ میری بھانجی کو انوار کے کی کوشش نہ کی ہوتی۔“

”میں نے کیا کیا؟“ جنس نیاز جیسے بکا بکا رو گئے۔

”آپ نے ہمارے خاندانی گھر پر فائرنگ کر دیا اور میری بھانجی کو انوار کے کی کوشش کی، یہ صرف ایک اتفاق تھا کہ میری بھانجی وہاں نہیں تھی اور پولیس وقت پر وہاں پہنچ گئی۔“

جنس نیاز کچھ نہ سمجھتے ہوئے چیخ مارتے ہوئے گئے۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ کون سا حلقہ؟ کیا انوار؟“

”یہ حقیقت ہے نیاز صاحب ایاز حیدر غلط نہیں کہہ رہے نہ ہی جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کے گھر پر حملہ ہوا

ہے۔“ اس بار چیف منسٹر نے تنگی کی سے کہا۔ حملہ کرنے والوں نے چکیدار کو زخمی کرنے کے علاوہ گھر پر درست فائرنگ کی۔۔۔۔۔ سامان کو توڑ پھوڑ ڈالا۔۔۔۔۔ ان کی بھانجی وہاں نہیں تھیں، صرف سڑ معاذ حیدر تھیں۔ جو چھپ گئیں۔۔۔۔۔ اسی دوران پولیس وہاں پہنچ گئی اور ان کی جان بچ گئی۔ کیونکہ وہ لوگ وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایاز حیدر نے مجھے فوری طور پر اسی وقت اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی۔“

چیف منسٹر نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

”ہو سکتا ہے ہوا ہوا ایسا، لیکن اس سے میرا تعلق کیسے بنتا ہے؟“ جنس نیاز نے اس بار اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”ایاز حیدر نے آپ کا اور قاسم کا نام لیا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ قاسم آپ دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اس سلسلے میں آپ دونوں کے خلاف ایف آئی آر جمعوا دینا چاہتے تھے مگر، میں نے انہیں روک دیا۔۔۔۔۔ میں اس جھگڑے کو اور طول نہیں دینا چاہتا۔“

”یہ سب کھاس اور فراز ہے میں اور میرا خاندان ابھی تک اپنے بیٹے کی موت کے شاک سے باہر نہیں آئے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں نے اس کے گھر پر حملہ کر دیا اور اس کی بھانجی کو انوار کے کی کوشش کی۔“ انہوں نے برہمی سے چیف منسٹر کی بات کے جواب میں کہا۔

”مجھے تو یہ یک پائیں تھا کہ وہ لڑکی اس کی بھانجی تھی میرے بیٹے کیسے کر سکتا تھا۔“ وہ ایک بار بھر مشتعل ہو رہے تھے۔

”ہو سکتا ہے، آپ نے یہ نہ کر دیا ہو۔۔۔۔۔ قاسم درانی نے کر دیا ہو۔“ چیف منسٹر نے کھڑی سے کہا۔

ایاز حیدر بالکل خاموشی سے منگھٹن رہے تھے۔

”اگر قاسم نے یہ کر دیا ہے تو پھر آپ کو یہ سب کچھ قاسم کو بتانا چاہئے تھا، مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔“ انہوں نے ترقی سے چیف منسٹر سے کہا۔

”نیاز صاحب آپ اس وقت اس بات کو چھوڑیں میں نے کہا ہے نا کہ گڑھے مردے اٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں نے ایاز حیدر کو بھی سمجھایا ہے میں آپ کو بھی سمجھا رہا ہوں تعلقات مزید کشیدہ کرنے کے بجائے معاملہ ختم کریں۔“

”آپ کا بیٹا اس طرح مرا ہوتا تو آپ معاملہ اس طرح ختم کر دیتے؟“ جنس نیاز نے چپٹے ہوئے انداز میں کہا۔

”یہ حالات پر منحصر ہوتا۔۔۔۔۔ اگر میرے بیٹے نے وہ سب کچھ کیا ہوتا تو آپ کے بیٹے نے کیا تو میں اس کو خود کوئی راز دیتا۔“ چیف منسٹر نے دھڑک کہا۔

”میں نے آپ کو کہا ہے میرے بیٹے نے کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ بے گناہ تھا۔“ جنس نیاز ان کی بات کے جواب میں چلائے۔

"اگر صرف گھماؤنے سے کسی کا جرم یا بے گناہی ثابت ہوتی ہے تو میں آپ سے زیادہ گھماڑ سکتا ہوں۔ اگر آپ بھند ہیں کہ آپ کے بیٹے نے میری بھانجی کے ساتھ کچھ نہیں کیا تو میں بھی کہتا ہوں کہ میرے بیٹے نے بھی آپ کے بیٹے کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ وہ واقعی پولیس مقابلے میں مارا گیا۔"

ایاز حیدر کے گلے میں گھسے گھسے کے جواب میں جشن نیاز اس بار صرف خاموشی سے انہیں گھورتے رہے۔

"نیا صاحب! ہو سکتا ہے آپ کے بیٹے نے آپ کو حقیقت نہ بتائی ہو۔ جس طرح کی حرکت اس نے کی تھی اس کے بعد آپ خود سوچیں۔ وہ کس طرح دیدہ دلیری سے آپ کے سامنے اس کے اعتراف کر سکتا تھا۔ ہائی کورٹ کے ایک جج کے سامنے۔"

چیف جسٹس نے اس بار نفیاتی جواب استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"اسے خدشہ ہو گا کہ آپ اسے فوراً پولیس کے حوالے کر دیں گے اور اس کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے اسی خوف سے اس نے آپ کو ساری بات نہ بتائی ہو۔" چیف جسٹس جشن نیاز پر دوسرا جواب دے رہے تھے۔

"میں اس میں آپ کی جان لیوا ہوں، فرض کیا اس نے کسی خدشہ کے تحت مجھ سے حقیقت چھپائی تھی اور واقعی یہ جرم کیا تھا۔ تو کیا اس جرم کی سزا ہی تھی کہ اسے کسی کس، کس فرائض کے بغیر چھپا دیں گا اور فوری کی طرح مار دیا جاتا۔"

"میں نے آپ کو بتایا ہے، یہ سب فوری اشتعال کے تحت ہو اور اپنی بھانجی کے ساتھ یہ سب ہونے کے باوجود مجھے آپ کے بیٹے کی موت کا انصاف ہے، میں اس کے لئے معذرت کرتا ہوں۔"

ایاز حیدر نے فوری طور پر چیف جسٹس اور جشن نیاز کے درمیان ہونے والی گفتگو میں مداخلت کی۔

"تم اور تمہاری معذرت، تمہاری معذرت میرے بیٹے کو واپس لا سکتی ہے؟ مجھے ابھی بھی تمہاری کبوتر پر یقین نہیں ہے۔ میرا بیٹا ایسا نہیں تھا۔" جشن نیاز پر ایاز حیدر کی معذرت کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔

"آپ کا بیٹا کیسا تھا۔ یہ آپ اس فائل کو پڑھ کر جان جائیں گے۔"

عہاس حیدر نے تمام گفتگو کے دوران پہلی بار مداخلت کی، اپنے سامنے پڑی ہوئی ایک فائل کو اس نے نہیں کے دوسری طرف پھینکے ہوئے جشن نیاز کی طرف کھدک دیا۔

"پچھلے دو سالوں میں پولیس کو اس کے بارے میں بہت ساری شکایات مل رہی ہیں۔ مگر پولیس نے ایک بار بھی اس کے خلاف ایف۔آئی آر نہیں کاٹی اور اس کی وجہ صرف آپ کے مجبے سے اس حرام کی وجہ سے ہر بار اسے پھیلایا گیا۔"

"تم اپنا مت اور کو اس بند کرو۔" جشن نیاز اس پر دھاتے لگے۔

"سرا میں نے اپنا مت اور کو اس ابھی تک بند ہی نہیں کر رہا ہے۔ اگر آپ اپنے بے رتریف میں جو زمین و آسمان کے قلابے مل رہے ہیں۔ وہ اب ناقابل برداشت ہو رہے ہیں۔" عہاس کا لہجہ پر سکون اور دھماکا "جج صرف آپ کو کہنا آتا ہے۔ دوسروں کو نہیں۔ وہ دھتکار کا بیٹا لہری میں شام کی گیس سے پس پھینچے ہوئے پکڑا۔" دونوں دفعہ اسے چھوڑ دیا گیا، ایک دفعہ اس نے کسی کی گاڑی چما کر دی۔ آپ نے اس کو پولیس اسٹیشن جا کر ایف۔آئی آر

سے پہلے ہی چھڑا دیا اور پولیس نے اس آدی کو آپ کے ساتھ معاملے کرنے پر مجبور کر دیا۔"

"تم اپنی مدد سے ہاتھ باندھ رہے ہو۔" جشن نیاز کا چہرہ اس سرخ ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ میں آپ کو ان سب چیزوں کے ثبوت دے سکتا ہوں۔ آداری میں وہ دفعہ اس نے شراب پی کر ہنگامہ مچا رکھا کیا۔ وہاں کے ٹیجر نے پولیس کو بلوایا اور پولیس اسے پولیس اسٹیشن لے جانے کے بجائے صرف آپ کی وجہ سے آپ کے گھر چھوڑ آئی۔"

"میں جیہیں اور تمہاری پولیس کو اسی طرح سے جانتا ہوں۔ ڈاکو راج بنایا ہوا ہے تم لوگوں نے۔"

"ہاں پولیس بری ہے۔ پولیس صرف اس وقت اچھی تھی جب پچھلے سال آپ کی گھر لیلہ ملازمہ کے اپنے کوارٹر میں خودکشی کے کیس کو اس نے حادثہ قرار دے کر فائل بند کر دی۔ اس لڑکی کے بھائی نے آپ کے بیٹے کی شکایت کی تھی۔ اگر وہ جج کا بیٹا نہ ہوتا تو اس وقت جیل کا رہا ہوتا۔ ان میراٹوں کے وقت تو آپ کو پولیس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ اب آپ کو پولیس دانے لگے اور ڈاکو لگتے لگے ہیں۔"

عہاس کی آواز میں طنز تھا۔ "یہ اسی چند واقعات ہیں، آپ کی خواہش ہے تو میں آپ کو اور بہت سے واقعات کی تفصیلات سے بھی آگاہ کر سکتا ہوں۔" جشن نیاز پیش بھیجکے بغیر اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ یقیناً اس وقت اپنے آپ کو بے بسی کی انتہا پر پہنچا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

"میں آپ کی طرح کسی Mud Slinging میں انوکھا ہونا نہیں چاہتا تھا، مگر آپ نے مجھے اس کے لئے مجبور کر دیا۔" عہاس نے اس سنجیدہ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔

ایاز حیدر نے بڑے اطمینان اور لا پرواہی سے سگار پیتے میں مصروف تھے انہوں نے عہاس کو کسی بھی انہج پر روکنے کی کوشش نہیں کی۔

"جس علاقے میں آپ کا گھر ہے۔ اس علاقے میں آپ کا بیٹا خاصی شہرت رکھتا تھا اور یہ یقیناً آپ سے پوشیدہ تو نہیں ہوگی۔" عہاس کہہ رہا تھا۔ "لیکن شاید آپ کے نزدیک ایسی باتوں کی اہمیت ہی نہیں تھی، اگر آپ نے شرور میں اپنے بیٹے کو روکا ہوتا تو آج اس کے ساتھ یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔"

"پچھلے چھتھ گھنٹے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اور تمہارا باپ خود کیا نہیں کرتے؟" جشن نیاز نے ایک بار پھر اسی طرح چیخے ہوئے کہا۔ "تم دونوں خود کیا ہو؟"

"میں اور میرا باپ کون ہیں، یہ سارا ملک جانتا ہے۔"

عہاس ان کی دھماکے سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔ "میں ملک اور اس قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہم آپ کے بیٹے کی طرح رات کو لڑکوں کا قاتل قہر کرتے نہیں پھرتے۔" اس کی آواز میں حقیر اور تحقیر تھا۔

"اور تم جو جو کرتے ہو۔" جشن نیاز نے مشتعل آواز میں کہا تھا۔

"میں اور جو جو کرتے ہیں۔ وہ آپ کو کہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ان جوجو کے حوالے سے خود کوئی شفاف فریک ریکارڈ نہیں رکھتے۔" اس نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر ان کی بات کاٹ دی۔

”پریس میں جو کچھ آپ کے بارے میں آرہا ہے وہ ہماری نظروں سے بھی گزرتا ہے اور پولیس والے کم از کم اتنی عقل ضرور رکھتے ہیں کہ جج اور ججٹ کو پہچان لیں۔“

”پریس میں جو کچھ آرہا ہے، وہ تم لوگوں کی سازش ہے۔ تم لوگ اوجھے جھکنڈے استعمال کر رہے ہیں میرے خلاف۔“

”ہمیں ایسے کسی اوجھے جھکنڈے کی ضرورت نہیں ہے، اگر ہم ایسے حربوں میں یقین رکھتے تو پریس کے پاس صرف اثراات نہیں ہوتے بھی پیچھے ہوتے۔“

اس چار چیف فشر نے ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی۔

”اس جٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس معاملے کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔“

”میں کسی معاملے کو ختم نہیں کروں گا۔ میں اپنے بیٹے کے قاتلوں کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتا۔“ جنس نیاز نے صاف الفاظ میں کہا۔

”ٹھیک ہے آپ کی مرضی۔۔۔۔۔ اگر آپ کو کسی تعقیب کی خواہش نہیں ہے تو ہم بھی کسی Settlement (تعقیب) کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ ہم بڑا دل کر کے یہاں آئے تھے لیکن آپ معاملہ کو بڑھانا چاہتے ہیں تو ضرور بڑھا سکیں۔ ہم بھی اینڈ کا جراب پتھر سے دیں گے۔“

”ایاز حیدر! آپ بیٹے جائیں میں نے آپ لوگوں کو صرف آئے سانس کے لئے نہیں بلوایا تھا، میں آپ کا جھگڑا ختم کروانا چاہتا ہوں۔“

”سرا! میں آپ کے غلوں کی قدر کرتا ہوں اور آپ کی مرضی کے خلاف یہاں۔۔۔۔۔ جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر میری اور عباس کی یہاں موجودگی کتنی بے معنی اور بے مقصد ثابت ہو رہی ہے، آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ بہتر ہے آپ نہیں جاسے دیں، جب انہیں معاملہ ختم کرنے کی خواہش ہو تو آپ ہمیں کال کریں، ہم حاضر ہو جائیں گے۔“

ایاز حیدر نے بڑے صوبہ انداز میں کہا، چیف فشر نے اس بار انہیں روکنے کے بجائے سر کے اشارے سے ان کو جانے کی اجازت دے دی۔

”میں کبھی تم لوگوں کے ساتھ کوئی سیٹل منٹ نہیں کروں گا۔ اب صرف جنگ ہوگی، میں کورٹ میں جاؤں گا۔ میں پریس کے سامنے حقائق لاؤں گا اور میرے انصاف نہیں ملتا تو پھر میں بھی وہی جھکنڈے استعمال کروں گا جو تمہارے بیٹے نے کئے۔“ جنس نیاز نے بلند آواز میں ایاز حیدر کو کہا۔

ایاز حیدر اور عباس چلتے چلتے ایک لمبے لمبے رک گئے، پھر عباس نے پرسکون انداز میں کہا۔

”آپ اپنا شوق ضرور پورا کریں۔ یہ آپ کا حق ہے اور قانونی جنگ کوئی آپ سے بہتر نہیں لڑ سکے گا۔“ وہ دونوں باہر نکل گئے۔

☆☆☆

یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے

وہ بت ہے یا خدا دیکھا نہ جائے

گلوکارہ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ سامن غزل کے ہر بول کے ساتھ اپنا سر مٹ رہے تھے۔ علیزہ غائب دماغی کے ساتھ۔ غزل کو سن رہی تھی۔ یہ ظاہر ہر سید کی جتنی غزل تھی۔ اگر وہ ذاتی طور پر کہوڑا ہوتی تو شاید اس وقت باقی سب لوگوں کی طرح ہی محو مے سے گائی جانے والی غزل کو سراہ رہی ہوتی۔ مگر اس ذاتی کیفیت کے ساتھ کسی غزل کو سراہا۔۔۔۔۔

ہر جتنی غزل کے ساتھ محفل کا رنگ جتنا جا رہا تھا۔ اس کا دل اور جاٹ ہوتا جا رہا تھا۔ لوگوں کی فرمائش جیسی اب ایک قوتار کے ساتھ گلوکارہ کے پاس پہنچنا شروع ہو گئی تھی۔ اب کائی سرودی جا رہی تھی۔ علیزہ نے اپنے سانسے پڑی پیٹ میں سے کچھ صوف اور لاٹچی میں سے رنگی اور کائی کا ایک کپ اٹھا کر کڑی ہو گئی۔

کھڑے ہونے سے پہلے اس نے اپنے بائیں جانب بیٹھی ہوئی عیلا آگئی کے کان میں تھوڑا سا جھک کر مڑکشی کی۔

”میں کچھ دے کے لئے باہر جا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گی۔“ عیلا آگئی نے سر ہلا دیا۔ وہ پوری طرح غزل سے محظوظ ہو رہی تھی۔

علیزہ اپنی مثال کو اپنے گرد مڑیے لپیٹنے ہوئے ایک ہاتھ میں کائی کا کپ لئے باہر کی طرف چلی گئی۔ موسیقی کے شور اور روشنیوں سے یک دم قدرے تاریکی اور خاموشی میں آ کر اس نے عجیب سا سونگ سمجھ لیا۔ فضا میں خشکی بہت بڑھ چکی تھی، اس نے اپنی طرح کچھ اور لوگوں کو بھی کائی کی سنگ کے ساتھ یا غائبی ہاتھ باہر موجود پایا۔ ان میں اور اس میں فرق صرف یہ تھا کہ وہ آگئی تھی۔

کائی کے کھونٹ لینے وہ دہاں ٹپکنے لگی۔ دانستہ طور پر اس نے باقی لوگوں سے خاموش دور جانے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت وہاں کسی سے ٹپکا ہائے نہیں جانتی تھی۔

اسلام آباد میں اسی شے کے چمکے کہ قیام نے اسے ایاز اور جیل کے حلقہ احباب میں خاصا متعارف کروا دیا تھا، اور اس وقت بھی جیل میں تقریباً وہی سب لوگ موجود تھے۔ جنہیں وہ اسلام آباد کی مختلف تقریبات میں دیکھا کرتی تھی۔

اوپن ایئر کی میز میں بیٹھے وہ دور تاریکی میں چھاؤں کے دھندلے ہیولوں اور ان پر کہیں کہیں غلطی روشنیوں کو دیکھنے لگی۔

اسے وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تھی، جب اس نے بہت دور سے کسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ آتے والا مرد تھا۔ وہ بہت دور سے اسے پہچان نہیں پا رہی تھی، مگر آنے والے کا رخ جتنک اس کی سمت تھا اس لئے اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی آتے والے شخص پر اپنی توجہ مرکوز کر گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ اس کے بہت قریب آ جاتا، اس نے اسے پہچان لیا۔ وہ جنید ابراہیم تھا۔

☆☆☆

جید سے اس کا پہلا تعارف وہیں مجبوراً بن میں ہی ہوا تھا۔

دو دوپہر کے قریب جیل کے ساتھ وہاں پہنچی تھی۔ دوپہر کے کمانے کا انتظام کلب کی طرف سے تھا۔ ہوئی کے ہال میں بٹرنے کے لئے وہ بھی جیل کے ساتھ کھینچی تھی۔ جیل ہال میں جاتے ہی لیز پر کلب کی وہاں پہلے سے موجود بہت سی خواتین کے ساتھ گفتگو اور خوش چہلوں میں مصروف ہو گئیں۔ علیزہ نے اپنی پلیٹ میں کچھ کھانا لیا اور ایک خالی میز پر جا کر بیٹھ گئی۔

اسے کھانا کاتے ہوئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب جیل اس کی طرف آئیں۔ ان کے ساتھ ایک دراز قد جوان بھی تھا۔

”جیدنا یہ ہے علیزہ، جس کا میں ابھی قورڈی دیر پہلے ذکر کر رہی تھی۔“

جیل آئی نے قریب آتے ہی بڑی بے تکلفی سے جیدنا کی اس قمیض سے علیزہ کا تعارف کر دیا۔ علیزہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گچ پلیٹ میں رکھ دیا اور کچھ حیرت سے اس کے ساتھ ویلہ بٹنے کی جگہ کی سکرانٹ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔

”اور علیزہ! یہ جید ابراہیم ہے۔ ہمارے بہت ہی اچھے جاننے والوں کا بیٹا ہے۔ آرکیٹکٹ ہے۔ میں جنہیں اسکیل پیسٹے دیکھ کر اسے پکڑ لاتی ہوں تاکہ جنہیں کبھی دے۔ میں ابھی کچھ دیر مصروف ہوں۔“ جیل آئی نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ کہا۔

”نہیں کوئی بات نہیں ہے بہت آرام سے ہوں۔“ اس نے ہلکی سی سکرانٹ کے ساتھ جیل آئی کو یقین دلایا۔

جیل آئی سکرانٹ ہوئے وہاں چلی گئیں۔ جید وہ کھڑا تھا۔

”آپ جیلہ جا رہیں۔“ علیزہ نے اس سے کہا۔ پچھلے چار ماہ میں مختلف لوگوں کے ساتھ اس طرح کے تعلقات اس کے لئے نئی چیز نہیں تھی۔

”نہیں میں سوچ رہا ہوں پہلے کچھ کھانے کے لئے لایا جائے۔“ جید نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشکش کے جواب میں کہا اور ہال کے کونے میں کھینچی ہوئی اشتر کی طرف بڑھ گیا۔ علیزہ کھانا کمانے میں مصروف ہو گئی۔

وہ کچھ دیر بعد ایک پلیٹ میں کچھ کھانا لائے اس کے پاس آ گیا۔ کچھ دیر دونوں خاموشی سے کھانا کھاتے رہے، پھر جید ابراہیم نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

”آپ کیا کرتی ہیں؟“

”میں؟“ علیزہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں نے سال میں میں سوشل وائی میں ماسٹر دیکھا ہے اور۔۔۔ اور کچھ بھی نہیں کرتی۔“ وہ مسکراتے ہوئے ایک بار پھر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”سوشل وائی؟“ جید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ایئر کیا ہیں آپ کی؟“ وہ شاید گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

”کوئی خاص نہیں بیننگ کرتی ہوں۔۔۔ کبھی چھٹی ہوں وغیرہ وغیرہ۔“ اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”Nice Hobbies“ (اچھے مشاغل ہیں) وہ مسکرایا۔

”جھپک پو۔“

”آپ آرکیٹکٹ ہیں؟“ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس بار علیزہ نے اس سے پوچھا۔ جید نے انہماک میں سر ہلایا۔

”یہاں آپ ان میوزیکل اینسٹرو کے لئے آئے ہیں۔“

”نہیں۔“ جید نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”مجھے میوزک میں اتنی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ میں اپنے کام کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔“

”کام؟“

”ہاں اس ہوٹل کی عمارت میں کچھ توسیع کر رہے ہیں۔ ہماری فرم نے اسی سلسلے میں مجھے یہاں بھجوایا ہے۔“ جید نے بتایا۔

”میں پچھلے ایک ہفتے سے یہاں ہوں ابھی چند اور ہفتے یہیں رہوں گا۔۔۔ آپ تو یقیناً ان اینسٹرو کے لئے ہی یہاں آئی ہوں کی؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

علیزہ کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرائی۔ وہ۔۔۔ کھانا تقریباً ختم کر چکی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ وہ اب جیل کے پاس چلی جائے یا پھر اوپر اپنے کمرے میں۔

مگر جید ابھی تک کھانا کھا رہا تھا اور اس طرح اٹھ کر وہاں سے چلے جانا غیر مہذب بات ہوتی۔ وہ جید کی پلیٹ کے خالی ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

”آپ اگر جانا چاہ رہی ہیں تو چلی جائیں۔“ جید نے اچانک سر اٹھا کر اس سے کہا وہ بے اختیار مڑ بڑا گئی۔ اسے جید سے اتنی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔

”مجھے سوشل وائی کوئی بات نہیں ہے۔“

”مجھے لگا شاید آپ جانا چاہ رہی ہیں، مگر میرا کھانا ختم نہ ہونے کی وجہ سے رکی ہوئی ہیں۔“ اسے جید کی مگر یہ نظر بے حیرت ہوئی۔

”نہیں ایسا نہیں ہے۔۔۔ میں جانتی ہوں، آپ مجھے کبھی دینے کے لئے جیل آئی کے کہنے پر آئے ہیں۔“

اس نے اپنی فحش مٹانے کے لئے کہا۔

”مگر آپ کو تو کبھی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“ وہ مسکرایا۔

”ایسا اندازہ آپ نے کیسے لگایا؟“

”آپ نے خود جیل خانہ سے کہا تھا کہ آپ کبھی کے بغیر بھی آرام سے ہیں۔“ اس نے کچھ پہلے کہا جانے اعلیٰ کا جملہ دہرایا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے کیا کہنا چاہئے، غوری طور پر کچھ بھی اس کے دماغ میں نہیں آیا۔ وہ اب اپنا کھانا تقریباً ختم کر رہا تھا۔ وہ چپ اسے دیکھ رہی۔ اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ جیل کی پیش کش قبول کر کے وہاں سے چلی نہیں گئی۔ اگر اسے وضاحت کی ضرورت ہی کیا تھی۔

”آپ کچھ پریشان ہیں؟“ علیہ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”نہیں کیوں؟ آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ زور سے ہو گئی۔ ”آپ کا چہرہ آپ کے اندر کی کیفیت کا آئینہ ہے۔ آپ مجھے پریشان کی ہیں تو میں نے کہا ہے۔“

جیلہ نے زور سے کہا وہ اب نیکیں سے امانت ہو چکے رہا تھا۔ ”Tell tale quality“ عمر کے بعد وہ دوسرا شخص تھا جس نے اس سے یہ بات کہی تھی۔

”کیا میرا چہرہ واقعی ایک آئینہ بنا جا رہا ہے کہ میں اپنی کسی ذاتی کیفیت کو چھپا نہیں پاتی۔“ وہ دل ہی دل میں پریشان ہوئی۔

کھانا ختم کرنے کے بعد جیلہ وہاں رکھیں چلا گیا لیکن وہ کافی دیر تک وہیں بیٹھی اس کے چلے پر غور کرتی رہی۔ اور اب وہ ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔

☆☆☆

ایاز حیدر اور عباس کے باہر نکلے ہی جیل میں نیاز نے منتقلی امداد اور تندرستی میں جیل فشر سے کہا۔ ”دیکھا آپ نے اس شخص اور اس کے بیٹے کالاب دلجو؟“

جیل فشر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر جیل نیاز نے ان کی بات نہیں سنی۔

”اور آپ نے مجھے اس شخص کے ساتھ میل منٹ کے لئے کہا تھا۔“

”نیاز صاحب! آپ.....“ جیل نیاز نے ایک بار پھر ان کی بات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”اس شخص نے مجھ پر من گھڑت الزامات کی بھرمار کر دی۔ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں یہ دونوں باپ بیٹا۔“ اس بار جیل فشر بلا غراہی بات کہتے ہیں کہ صاحب ہو گئے۔

”نیاز صاحب! آپ نے ان کی بات نہیں سنی۔ کم از کم میری بات تو سنی..... مجھے تو کچھ کہنے کا موقع دیں۔“ جیل فشر کے لیے جیل میں کی اور زور سے نمایاں تھی۔ جیل نیاز ہونٹ سمیٹتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔

”میں اگر یہ چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کی سیٹل منٹ ہو جائے تو یہ میں آپ کے لئے کر رہا ہوں..... ایاز حیدر کے لئے نہیں۔“ جیل فشر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی فیملی کی اور خود آپ کا نام کتنا غراب ہو جائے گا۔ آپ کا کیریئر داؤ پر لگ جائے گا۔“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ کو بھی اس شخص کی بکواس پر یقین آ گیا ہے کہ میرے بیٹے نے.....“ جیل نیاز نے بے اختیار منتقل ہو کر کہا۔

”نیاز صاحب! بات یقین کی نہیں ہے۔ بات ان ثبوت اور حقائق کی ہے جو میرے سامنے ہیں۔ آپ کے بیٹے نے واقعی ایسی حرکت کی تھی۔“ جیل فشر نے جیل نیاز کی بات کاٹنے ہوئے بڑی جھجکی سے کہا۔

”میرے بیٹے نے.....“ جیل نیاز نے ایک بار پھر اپنا موقف دہرانے کی کوشش کی، مگر جیل فشر نے ان کی بات ایک بار پھر کاٹی۔

”ٹھیک ہے، ان بیٹے ہیں کہ آپ کا بیٹا ہے قصور تھا، اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ بھی مان لیتے ہیں کہ آپ نے اس کی بھانجی کو اغوا کرنے کی کوشش کی نہ اس کے مگر مگر ملکر دیا۔ تو پھر اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”اس معاملہ کو طے تو آپ کو پھر بھی کرنا پڑے گا۔ ایاز حیدر کے ساتھ آپ جھگڑا جتنا بد حال نہیں گئے۔ آپ کو اتنا ہی نقصان پہنچے گا۔ آپ اس کی دشمنی افروز نہیں کر سکتے۔“ جیل فشر نے آہستہ آہستہ ان کے سامنے حقائق دکھانا شروع کر دیے۔

”کیوں نہیں افروز کر سکتا۔ کس کیوں گا میں۔“

”بھئی جیسی باتیں نہ کریں نیاز صاحب! آپ خود جیل ہیں..... اس ملک میں قانون اور انصاف کے نظام کو کوئی آپ سے بیز نہیں سمجھ سکتا۔“ جیل فشر نے انہیں ٹوک دیا۔

”کتنے سال بھاگیں گے آپ، اس کیس کے پیچھے اور عدالت ثبوت مانگتی ہے..... یہ دونوں کہاں سے لائیں گے؟“

”اگر مجھے اصلی گواہ اور ثبوت نہ ملے تو میں بھی جھوٹے گواہ اور ثبوت لے آؤں گا۔“ آپ نے خود ہی کہا ہے میں جج ہوں۔ عدالت کے نظام کو مجھ سے بیز کون جانتا ہے۔“ جیل نیاز نے طنز سے انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ یہ کر لیں گے مگر یہ ثبوت اور گواہ استعمال کس کے خلاف کریں گے۔ ایاز حیدر ایک واحد شخص نہیں ہے ایک ہرے گروپ کا نمائندہ ہے۔ مجھ پر پہلے ہی کہاں کہاں سے پریش پڑ رہا ہے، آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو Resist (مزاحمت) نہیں کر سکتا۔“ جیل فشر نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ابھی اپنی عیال پر دیر کرنی ہے اور میں اپنے خلاف کوئی حملاً کرنا نہیں چاہتا۔ آپ ایاز حیدر کو اچھی طرح جانتے ہیں وہ کتنے کٹھنڈ استعمال کرنے کا ماہر ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ اگلے ایکسٹرس میں پرلے میرے خلاف کوئی الزامات لگے اور مجھے اور میری پارٹی کو نقصان پہنچے۔ ہم نے ان لوگوں کے ذریعے اگر اپنے غلط اور ناجائز کام کرنا ہے تو پھر ہمیں یہ بات نہیں بھولی چاہئے کہ وہ آدھیں اور نہ صرف اسی دھک بندہ رکھتے ہیں،

جب تک ہم ان کی دم پر پھیر نہ رکھیں۔“

”مجھے افسوس ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر آپ اس حد تک ایاز حیدر سے خوفزدہ ہیں..... مگر میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں۔“ مگر اس کے پاس ایک پریش گروپ ہے تو میرے پاس بھی پریکٹیکل سپورٹ ہے، میں اس سے اس کے خلاف استعمال کروں گا۔“

”میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں، صرف مجھدار سے کام لے رہا ہوں۔ اسی مجھدار سے جس کا مظاہرہ

قائم رسانی لے کیا ہے۔ اگر آپ کے پاس پینٹیکل سیورٹ ہے تو اس کے پاس بھی ایک پریٹر گروپ ہے، مگر وہ بھی چار دن اخبارات میں جاننا دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکا۔

"میں قاسم کی طرح بزدلی نہیں ہوں۔" جنس نیاز اب بھی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔

"بزدلی اور بھکاری شرفی فرق ہوتا ہے۔ قاسم نے بزدلی کا نہیں بھکاری کا ثبوت دیا۔ بیٹا تو اس کا چاچا کیا وہ تو آ نہیں سکا، چاہے وہ کچھ بھی کر لے۔ مگر انکم ٹیکس کی فائلز کھلا کر وہ اپنا پرنس کیوں جاہ کر دے گا۔ بانی دونوں لمبیلیو نے بھی آپ سے سعادت کر لی ہے کہ انہوں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے اور وہ اس کیس کی بھڑکی کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ بھی انہوں نے بغیر سوچے سمجھے تو نہیں کیا ہوگا۔ کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا انہوں نے۔" چیف فشر اب بے صبر کہہ رہے تھے۔

"میں چاہتا ہوں آپ بھی ایسی ہی سوجہ بوجہ کا مظاہرہ کریں پریس میں شائع ہونے والی خبروں سے آپ کو یہ اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ ایاز حیدر کس حد تک پاسکے ہے۔ اب جب وہ آپ کے بیٹے کے بارے میں یہ سارا مواد پرنس کو دے گا تو پریس کیا شہر چائے گا۔ آپ کو اس کا اندازہ ہوتا چاہئے۔ جنس نیاز چیف فشر کا منہ دیکھتے رہے۔

"ابھی تو اسے اپنی جلی کی عزت اور ساتھ کا احساس ہے اس لئے وہ اصل تفصیلات نہیں بتا رہا اخبارات تک نہیں پہنچا رہا، اگر اس نے ایسا کر دیا تو آپ کو اپنے بیٹے، اس کے کردار اور اس کی حرکات کے حوالے سے نئے سوالات کے جوابات دینا پڑیں گے، آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے۔"

"ایاز حیدر آپ کے ساتھ واقعی اچھی ڈیل کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ اس کے بیٹے اور بیٹی کے خلاف ایکٹو ریہ پھر اندر نہ کریں اور اس کیس کو قسٹم کریں تو وہ پیریم کوٹ کا بیٹا بن جائے گا۔ آپ کے لئے ناگ کرے گا اور اسے حکومت اور عدلیہ کے مقننوں میں بھٹا اور سرخ حاصل ہے، یہ کہ اس کے لئے بالکل مشکل نہیں ہوگا۔"

"میں اپنے بیٹے کے قتل کا سودا کر لوں۔ آپ یہ چاہتے ہیں؟" جنس نیاز نے ایک بار ہمارے رخ لیے میں کہا، مگر اس باران کی آواز پہلے کی طرح نہیں تھی۔

"میں آپ کو مجبور نہیں کرتا۔ آپ اپنے آپشنز کو دیکھ لیں۔ اگر کوئی اور بہتر صورت حال نظر آتی ہے تو وہ اختیار کر لیں۔ مگر میرے خیال میں اس سے بہتر موقع آپ کے پاس نہیں ہے۔ آپ اپنے بیٹے کے لئے اپنا کیریئر کو داؤد نہیں لگ سکتے؟"

جنس نیاز اس باران کی بات کے جواب میں خاموش رہے۔ چیف فشر کو ان کے تاثرات سے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنا اتحاد کھو رہے ہیں۔ شاید وہ اب پہلی بار اپنے کل کے نتائج پر غور کر رہے تھے۔ جو چیف فشر نے ان کے سامنے رکھے تھے۔

"ایاز حیدر اور اس کی قبیل کے لوگوں کو ہر خبر سے لگنا آتا ہے۔ مگر آپ اور میں اتنی چابیاں نہیں بدل سکتے، بہتر ہے ایک باعزت سبکدوشی کے ساتھ اس معاملہ کو قسٹم کر دیا جائے۔" چیف فشر کا لہجہ اور حکم ہوتا جا رہا ہے۔

"مگر کسی سبکدوشی؟ میری خاموشی کے عوض صرف پیریم کوٹ کی ایک سیٹ؟" جنس نیاز نے کچھ سوچتے ہوئے لمبے لمبے میں کہا۔

"تو آپ کیا چاہتے ہیں؟ پیریم کوٹ کا بیٹا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔"

"میرے لئے معمولی ہی ہے۔ میں جو کچھ گوارا کر یہ عہدہ حاصل کر رہا ہوں۔ وہ ایسے بہت سے عہدوں سے بڑھ کر ہے۔

مجھے ایاز حیدر سے کچھ نہیں چاہئے۔ مگر مجھے آپ سے یہ کٹائی چاہئے کہ مجھے واقعی پیریم کوٹ میں سیٹ مل جائے گی۔ میں اس مسئلے میں واقعی یقین دہانی چاہتا ہوں۔"

"آپ کو میں زبان دیتا ہوں۔ مجھ پر مجبور ہونا چاہئے۔ آپ کو۔ آپ کے ساتھ کیا جانے والا وعدہ ہر صورت میں پورا کیا جائے۔" چیف فشر نے انہیں یقین دلایا۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔" جنس نیاز نے ایک طویل سانس لی۔ ان کے پورے وجود سے اب کھٹ فورڈ کی محاسن تھی۔

☆☆☆

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ میڈوک کو اتنا نا پسند کرتی ہوں گی۔" وہ اب اس کے قریب آتے ہوئے دسے خوشگوار لمبے میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کا اندازہ ٹھیک نہیں ہے میں میڈوک کو قطعاً نا پسند کرتی۔" علیو نے اس کے تہرے پر مسکرا کر کہا۔

"پھر اس وقت یہاں آپ کی موجودگی کا ظاہر کر رہی ہے؟" وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا۔

"میں کچھ دیر خاموشی میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ اس لئے باہر نکل آئی۔" اس نے وضاحت کی۔

"پھر تو شاید میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا؟" اس کا لہجہ اس بار معذرت خواہانہ تھا۔

"نہیں! ایسا نہیں ہے۔"

"میں بیٹھ سکا ہوں یہاں؟"

وہ اس سے کچھ بے تعلقی پر چڑھ گیا۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے پھر اس خاموشی کو ایک بار پھر جیدہ نے ہی توڑا۔

"آپ کو خاموشی رہنا اچھا لگتا ہے؟" وہ اس کے سوال پر کچھ حیران ہوئی۔

"جانتی نہیں۔"

"مجھے اچھا لگتا ہے۔"

"خاموش رہتا؟"

"ہاں۔"

"دوسروں کا؟" علیو نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

پروڈیجٹ سے آپ کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کتنے باقی میں ہیں۔
 وہ جتنی دہچکی سے بتا رہا تھا وہ اتنی ہی غیر دلچسپی سے سن رہی تھی۔

”حالانکہ تھوڑا سا کام ہے جو مجھے کرتا ہے اور کسی بلڈنگ کا Extension (توسیع) یا Renovation (ترمیم) کرنے میں آرکیٹیکٹ کے پاس کام کا اتنا راجن نہیں ہوتا، جتنا ایک نئی بلڈنگ ایک Full fledged (مکمل) بلڈنگ بنانے میں ہوتا ہے مگر میں پھر بھی اس پروڈیجٹ کو انجام دے کر رہا ہوں..... اچھا تجربہ ہے اور یہ.....“

بات کرتے کرتے وہ ایک دم رک گیا۔

”آپ کو میری باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہوں گی۔“ طلیزہ کا دل چاہا وہ اس سے کہے کہ اسے خاصی تاخیر سے اس بات کا احساس ہوا ہے مگر اس نے کہا۔
 ”میں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

”آپ کو آرت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”نہیں مجھے ہے۔ میں پیٹنگ کرتی ہوں مگر پیٹنگ اور آرکیٹیکچر میں بہت فرق ہوتا ہے آرکیٹیکچر خاصی تکنیکی نکل چیز ہے۔“

”جلیں یہ ٹاپک بھی گیا۔“ اس نے جید کو بہت دم آواز میں بڑبڑاتے سنا اور حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کا تیسرا خاصا غیر متعلق تھا۔

”آپ کا دل نہیں چاہا یہاں آ کر کچھ پیٹ کرنے کو؟“ اس نے فوراً ہی انکا سوال کیا۔

آرٹسٹ اور پیٹرز تو ایسی جگہوں سے بہت انسپاز ہوئے ہیں ویسے آپ کیا بناتی ہیں لیڈ اکیپ..... اصل لائف یا پورٹریٹ؟“

”موڈرڈ پیٹرز کرتا ہے مگر اکثر لیڈ اکیپ، بالائی دلوں میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے مجھے۔“

”تو پھر تو کمپ کو اپنا اپنا ایڈ اور ایڈیٹس لے کر آنا چاہئے تھا یہاں۔“

طلیزہ کو کچھ عرصے بعد اپنا کپ اس وقت احساس ہوا کہ ایک لمبے عرصے سے اس نے واقعی کوئی لیڈ اکیپ بنانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہ واقعی حیرت کی بات تھی کہ یہاں آ کر بھی اسے کچھ بنانے کی تحریک نہیں ہو رہی تھی..... چاروں طرف پھیلے ہوئے رنگوں اور خوبصورتی کے باوجود اس نے ایک گہری سانس لی جیڈ ابھی تک اس کے جواب کا شکر تھا۔

”ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں واقعی اپنے ساتھ کچھ لے کر نہیں آئی۔“ ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا۔

”جلیں کوئی بات نہیں اچھی بات سی۔“ جید نے بڑی لاہروائی کے ساتھ کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ کہتی جید کے موہاں کی سیپ سنائی دینے لگی۔ جید نے اپنا موہاں نکال کر

”نہیں بھی اپنا۔“

طلیزہ نے غور سے اسے دیکھا۔ ”مگر آپ خاموش تو نہیں رہتے۔“
 جید کی دم ٹھکھٹا کر ہنس پڑا۔ ”آپ کو لگتا ہے کہ میں بہت باتیں کرتا ہوں؟“ وہ جیسے اس کے تیسرے ہ پوری طرح محظوظ ہوا تھا۔

”بہت نہیں مگر باتیں تو کرتے ہیں۔“

اس نے کہا۔ ”مجبوری ہے۔ تھوڑا بہت تو بولنا پڑے گا مجھے، بالکل خاموش رہ کر تو کام نہیں چلے گا۔“
 طلیزہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ صرف مسکرائی۔

”یہاں پہلے کسی آئی ہیں؟“

”ہاں چند بار۔“

”کیسی تھی یہ جگہ؟“

”اچھی ہے۔“

”صرف اچھی؟“ وہ حیران ہوا۔

”آپ کے پاس کوئی Superlatives (بہترین اصطلاح) نہیں ہیں اس جگہ کے لئے؟“

طلیزہ نے کندھے سے اچکائے۔

”نہیں بہت اچھی ہے۔“

”ایک بار مگر نہنا۔“

”اصل میں، میں ایسی جگہوں پر زیادہ آرام محسوس نہیں کرتی۔“ اس نے دم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ارے یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے۔ میں یہاں بالکل مگر کام سا آرام محسوس کرتا ہوں۔“

”اپنے اپنے فرائض کی بات ہے۔“

”ہاں شاید۔“ مجھے لگتا ہے آپ کو سیر و تفریح میں زیادہ دلچسپی نہیں۔“ وہ اس کے درست اعداد سے پر مسکرائی۔

”مجھے سیر و سیاحت میں خاصی دلچسپی ہے۔ جیڈ جو بھی ہو۔“

But I love to be here, there, everywhere.

That's where men differ from women.

وہ کہہ کر ایک لمحہ کے لئے رکا..... شاید وہ طلیزہ کا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا، مگر اسے پھر خاموش پا کر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

”یہ جگہ چمپائیاں گزارنے کے لئے بہترین ہے میری ہمیشہ خواہش تھی کہ مجھے کبھی ایسی کسی جگہ پر کوئی پروڈیجٹ ملے..... پہاڑی علاقے میں کوئی بھی پروڈیجٹ ڈیزائن کرنا زیادہ مشکل کام ہے۔ بہت ہی چیزوں کا فیصلہ رکھنا پڑتا ہے..... آپ کے Potential (استعداد) اور Caliber (قابلیت) کا نمیت ہوتا ہے..... ایک ہی

ہوں گی؟“ جنید نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”آپ بیمار ہیں؟“ جنید کے ساتھ میٹر حیاں اترتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”یہاں نہیں، یہاں تھا۔“ جیسے نہ سکتا رہے اس نے تپا شروع کیا۔ ”چند دن پہلے خود اورد قلوٹھا..... ای کو فون پر آواز سے جا چل گیا اور پھر میری شامت آگئی۔ اصل میں دو تین ماہ پہلے مجھے ہانڈیا بھجوا گیا تھا کچھ عرصہ باسٹیل میں بھی رہنا پڑا۔ ای اس وجہ سے زیادہ برطانیہ تھیں..... حالاکہ یہاں پروڈکشن سردی نہیں ہے جس سے مجھے کوئی پریشانی ہو کر دیکھ رہی تھی مگر وہاں بالکل روایتی ماں ہیں وہ۔“ وہ سکراتا کہتا گیا۔

علی نے اسے رشک سے دیکھا۔ ”آپ کی اسی بہت محبت کرتی ہیں آپ سے؟“

”ہاں خاصی۔“ جنید نے خوش دلی سے کہا۔

”آپ کو آپ کے فرینڈز ریگ کر رہے تھے؟“

”ہاں فرینڈز بھی..... کزنز بھی، کچھ کولیگنز بھی۔“

”آپ بہت سوشل ہیں؟“

”بہت زیادہ نہیں..... مگر میرا سوشل سرکل پھر بھی وسیع ہے۔“ جنید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”آپ بہت خوش قسمت ہیں۔“ اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جنید سے کہا اسے واقعی جنید پر رشک آ رہا تھا۔ جنید نے اس کی بات پر مسکرا کر اسے بڑے غور سے دیکھا۔

”آپ کل کھانا کھائیں گی میرے ساتھ؟“ علیز نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

”میں تمہارے لیے اس میں ہی دعوت دے رہا ہوں آپ کو۔“ جنید نے جلدی سے وضاحت کی۔ ”آج میرے ساتھ بیچ کر سناؤ تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔“

وہ اسے صاف انکار کر دیتا چاہتی تھی، مگر وہ ایسا نہیں کر سکی۔ غیر محسوس طور پر اس نے جنید کی بات پر سر ہلا دیا۔ جنید بے اختیار مسکرایا۔

”تھینک یو۔“ علیزہ نے محسوس کیا جیسے وہ اس آفر کو قبول کرنے پر خوش تھا۔

”اس کے چہرہ آپ جاہل توکل رات بھی ہم یہیں داک کر سکتے ہیں..... یا پھر میں آپ کو شام کو ہانگ لے کر لے جاسکتا ہوں۔ آپ واپس اسلام آباد تک جاری ہیں؟“

طنیزہ کو کچھ حیرت سے رک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس طرح شیڈول طے کر رہا تھا جیسے دونوں کی بہت پرانی جان بچکان ہو۔ اس کے انداز میں جو تھوڑے بے تکلفی نہیں تھی..... کچھ اور تھا..... شاید اپنائیت یا بھرپور اسے کوئی نام نہیں دے رہی تھی۔

”پرسوں۔“ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے جنید سے کہا۔ وہ ایک بار پھر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

☆☆☆

”ہم لوگ پانچ بہنیں بھائی ہیں۔۔۔۔۔ میں دوسرے نمبر پر ہوں۔۔۔۔۔ ایک بہن مجھ سے بڑی ہیں۔“ اگلے دن

کال کا نمبر چیک کیا۔ عزیزہ نے اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیلنے دیکھی۔

”یہ یقیناً میری ہی ہوں گی۔“ اس نے علیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور موہا بل کان سے لگا لیا۔

”السلام علیکم امی.....کیسی ہیں آپ؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ وہ اب دوسری طرف سے مرنے والے سوالات کا جواب دینے میں مصروف تھا۔

”جہیں اب مجھے بالکل بھی ٹھہر چر نہیں ہے..... میں نے لڑائی جھگڑنے پہلے چیک کیا ہے..... بالکل نارمل تھا۔“

”جی، جی میں نے جوشاندہ بھی پیا ہے..... پچھلے دو گھنٹے میں دو بار آپ کو آواز سے اندازہ ہو ہی گیا ہوگا

کہ مغلے کی حالت کیسی ہے۔“ وہ دوسری طرف سے اپنی امی کی بات سننے ہوئے اچانک ہنسا۔

”ایک ہائی ٹیک پہتا ہے شرٹ کے نیچے..... ایک اور سویٹر پہتا ہے..... اور جیکٹ بھی پہنی ہوئی تھی۔ مگر

اس وقت میری گود میں پڑی ہوئی ہے کیونکہ آج

”اچھا..... اچھا..... اچھا ابھی پہن لیتا ہوں جی۔“

علیہ و لہجہ سے اسے دیکھتی رہی، وہ اب موبائل گود میں رکھے برق و تار سے جیکٹ پہننے میں مصروف تھا۔

”میں نے پہن لی ہے۔“ وہ اب مونہا نکل پکڑ کر مسکرائے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر وہ اچانک اپنی

لگا، علیزہ نے اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ کو بہت گہرا ہوتے دیکھا۔

”تھینک یو.....“ وہ اب کچھ کہنے کے بجائے دوسری طرف سے آنے والی آواز سن رہا تھا۔

”ٹھیک ہے..... قہقہہ یو..... ہاں بات کروائیں.....“ وہ اب ایک بار پھر کسی اور سے بات کرتے ہوئے

عسکر یہ ادا کر رہا تھا۔

”تھینک یو فری.....! میں ٹھیک ٹھاک ہوں! بجوائے کر رہا ہوں..... تم بھجوا دینا.....“

وہ اب فون پر کسی اور کا نام لے رہا تھا اور ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے دوسری طرف آنے والی آواز

کی بات سنتے ہوئے نہیں رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے خدا حافظ کرنے ہوئے موبائل بند کیا اور معذرت خواہانہ انداز میں علی

”سوری..... میں کھریات کر رہا تھا..... آپ بہت بور ہوئی ہوں گی۔“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بھتی موہاں

”اچھے لوگ ہیں۔“

اسلام آباد میں جیلہ کے نہیں ایک کمرے سے ملوایا تھا۔ جیلہ ابراہیم نام کا تھا اس کا۔ انہوں
تے ہوئے کہا۔

ط

”اسلام آباد میں نہیں..... مجبور بن لو یا تھا۔“ اس نے سمجھ کر تے ہوئے کہا۔

”چلو بھرن بن ہی گئی۔ تم یہ بتاؤ۔ تمہیں کیسا لگا ہے وہ؟“

علیڑہ کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔ نانو کا سوال اب اس کے لئے سوال نہیں رہا تھا۔

”کیا مطلب ہے نانو آپ کا وہ ویسیا تھا جسے سارے لڑکے ہوتے ہیں۔“ اس بار اس کے چہرے سے

مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

”جینا ابراہیم کے کمرے پر پوزل آیا ہے تمہارے لئے۔“

نانو نے ایک جہیز ختم کر دی۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

”مجھے اچھے لگے ہیں اس کے گھر والے۔“ نانو نے اس کے تاثرات سے بے خبراتے بتاری حیس۔ ”میں

نے لڑکے کی تصویر دیکھی ہے۔ مجھے وہ بھی بہت اچھا لگا ہے۔ جیسے سے فون پر میری بات ہوئی تو اس نے بھی کافی

تعریف کی اس کی۔“

وہ بات کرتے کرتے ایک لحظہ کے لئے رکس۔ پھر اس کا چہرہ دکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”میں بہر حال میں نے ابھی ان سے سوچنے کے لئے کچھ بتا دیا ہے۔ کیونکہ تم سے پوچھنے بغیر تو کچھ

بھی نہیں ہو سکتا۔“

”مجھے شادی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور فی الحال تو بالکل بھی نہیں۔“

”یہ ایک انتہائی اعتقاد بات ہے اور کم از کم میں ایسی بات کی بنا پر تو تمہاری شادی کے بارے میں

سوچنا نہیں چھوڑ سکتی۔“ نانو نے قطعیت انداز میں کہا۔

”مجھے کچھ وقت چاہئے۔ چند سال اور۔“

”کس لئے؟“

”آپ جانتی ہیں نانو! میں کسی ایسی جی او یا نیوز ہیرو کو جوائن کرنا چاہتی ہوں۔ میں کچھ سوشل ورک

کرنا چاہتی ہوں۔“

علیڑہ یہ کام تم شادی کے بعد بھی کر سکتی ہو۔“

”نہیں۔ میں یہ کام شادی کے بعد نہیں کر سکتی۔ شادی کے بعد کوئی اتنا ہیرو ہو کر کام نہیں کر سکتا۔“

نانو اس کی بات پر بے اختیار رہیں۔ ”یہ کیا اعتقاد بات ہے تم“

وہ خاموش رہی۔

”بس یہی وجہ ہے یا کوئی اور بھی وجہ ہے؟“ اس نے کچھ کے بغیر صرف ایک نظر نہیں دیکھا۔

”نانو! میں اس سے صرف دو تین بار ملی ہوں اور وہ بھی اس ایک عام شخص سمجھ کر۔ اگر میں نے یہ

کہہ دیا ہے کہ وہ ایک اچھا آدمی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اس اچھے شخص کو میرے سر پر ہی مسئلہ کر دیا

جائے۔“ اس بار اس کی آواز میں کھلی گلیاں تھیں۔

”کون مسئلہ کر رہا ہے کسی کو تمہارے سر پر.....؟ میں نے تو تمہیں صرف ایک پوزل کے بارے میں بتایا

ہے۔“ اس بار نانو نے قدرے مفاد انداز میں کہا۔

”تمہیں اور سکندر کا بہت پریشاں ہے کچھ پر..... وہ بار بار مجھ سے اس بارے میں پوچھتے رہتے ہیں۔ ابھی

تک تو میں یہی کہتی رہی کہ تم اپنا تعلیم مکمل کر رہی ہو مگر اب میں اس سے اور کیا کہوں..... پھر تمہارے انگوٹھا بھی بہت

پریشاں ہے..... اب تمہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچ لینا چاہئے۔“

وہ اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو کھینچتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی۔

”فیک ہے..... کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں کچھ اور لوگوں کے بارے میں بتا دیتی ہوں تم ان کے بارے

میں غور کرو۔“ نانو نے غلے سے کہا۔

”میں ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی۔“ اسے نانو کے ان مجوزہ پر پوزل کے بارے میں

پیشگی اندازہ تھا۔

”سنی آپ اپنی زندگی تو میری خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتی ہیں۔“ وہ اب ان کے چہرے اور آواز

میں غلطی محسوس کر رہی تھی۔ ”یا پھر شاید کی نیوز ہیرو میں کام کر کے کوئی انقلاب لانا چاہتی ہیں..... اسی کام کا انقلاب جو

آپ نے چند ماہ پہلے لانے کی کوشش کی اور جس کے نتیجے میں آپ کو یہاں سے جانا پڑا۔“

وہ اب قدرے بلند آواز میں بات کر رہی تھیں۔ علیڑہ اسی طرح سر جھکا کر اپنی اگلیوں کو انگوٹھے سے

کھینچتے ہوئے کسی دلچسپی کے بغیر ان کی باتیں سن رہی۔

”کیا جانا چاہتی ہیں آپ.....؟“ جون آف آؤک یا پھر مدھر گیا۔ ”یا پھر آپ نے بس یہ طے کر لیا ہے

کہ آپ ایک کے بعد ایک کر کے میرے لئے مصیبتیں لائی رہیں گی۔“

”نانو! آپ ایک فضول بات پر ناراض ہو رہی ہیں۔“ اس نے ان کی باتوں کے جواب میں خاصی بے

زاری سے کہا۔

”فضول بات.....؟ تم نے کبھی سوچا ہے کہ تم قدر Irrational ہو..... علیڑہ..... اپنے ہونٹوں سے باہر

آ کر کبھی حقیقی دنیا کو بھی دیکھنا کرو۔“ ان کی ذہانت جاری رہی۔

”میں بہت ابھی طرح جانتی ہوں نانو کہ میں کتنی Irrational ہوں..... آپ کو مجھے اس بارے میں

بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ سے یہ تو نہیں کہا کہ میں شادی نہیں کروں گی..... میں صرف یہ کہہ رہی

ہوں کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

”تم جیسے شادی نہیں کرنا چاہتی تو پھر کس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟“ نانو کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

اور پھر جیسے انہیں اپنے سوال پر افسوس ہوا۔ علیڑہ نے مرزا خاں کو انہیں دیکھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا

اور اس نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ نانو کا غصہ اور ناراضی یک دم تمام کی طرح غائب ہو گئی۔ وہ کئی منٹ بالکل

خاموش بیٹھی رہیں۔

اعتراض نہیں کروں گی۔“ وہ مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

”محبت اور عزت نفس کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ محبت سب سے پہلے عزت نفس کو ختم کر دیتی ہے۔ یا بندہ محبت کر لے۔ یا پھر اپنی عزت۔“ ہاتھ کی ٹھکی میں دونوں چیزیں اٹھنی نہیں آ سکتیں۔“ اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی تھی۔ اسے ایک دم بہت زیادہ صہکن کا احساس ہو رہا تھا۔

”کیا میں نے ٹھیک کیا ہے؟“ کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے اس نے باہر پھیلی تاریکی میں جھانکتے ہوئے سوچا۔

”کیا خود کو اس قدر مرادینا ٹھیک ہے؟“ وہ اب سینے پر بازو پیٹے سوچ رہی تھی۔ ”یہ جاننے کے باوجود کہ عمار اور جودھ۔۔۔ پھر میں آخر اپنے لئے کس رول کا انتخاب کرنا چاہ رہی ہوں۔“ اس نے اپنے ہونٹ سمجھنے لگے۔ ”یہ جاننے کے باوجود کہ عمر شاید کبھی بھی مجھ سے شادی کے لئے انتظار نہیں رہا۔ میں اس سے بھرپور بھی تعلق کیوں قائم کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”آخر عمر ہی کیوں۔۔۔“ وہ خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہی تھی۔ ”شاید میں ابھی بھی میچور نہیں ہوئی ہوں۔ شاید میں کبھی بھی میچور نہیں ہو سکتی۔ یا پھر عمر جہاں تکیر وہ حد ہے جہاں میری میچور بنی ختم ہو جاتی ہے۔ میرے حواس غصہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر میں صرف وہ دیکھتی، وہ سنتی اور وہ کہتی ہوں جو اس کی خواہش ہوتی ہے۔۔۔ یا شاید اسی کیفیت کو محبت کہتے ہیں۔

اسے اپنی آنکھیں دھندلی ہوئی محسوس ہوئیں۔

اعتراض کا لمحہ عذاب کا لمحہ ہوتا ہے۔



”تم جو چاہتی ہو غلطیہ۔۔۔ وہ ممکن نہیں ہے۔“

”میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں کہا۔“

”میں اس کے باوجود سب کچھ جانتی ہوں۔ ہر بات کو سمجھنے کے لئے لفظوں کا سہارا ضروری نہیں ہے۔“

وہ کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”نانو! اگر آپ واقعی سب کچھ جانتی ہیں تو پھر آپ مجھ سے یہ سب کیوں

کہہ رہی ہیں؟“

”تم واقعی عمر سے شادی کرنا چاہتی ہو۔“

”میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

”میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا۔۔۔ کہہ کر پوچھا ہے۔“

”نانو! میں نے ابھی شادی کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔“

”غلطیہ۔“ انہوں نے اس بات نشیبی انداز میں کہا۔

”بس سوال کا جواب آپ جانتی ہیں، وہ مجھ سے کیوں کہہ رہی ہیں؟“ اس بار اس کی آواز میں واضح

قلقت خوردگی تھی۔

”عمر کے علاوہ میں اور کس سے شادی کر سکتی ہوں۔“ اس کی آواز میں لرزش تھی یوں جیسے وہ اپنے

آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ”آپ میرے سامنے ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی پر پوزل لا کر رکھ دیتی

ہیں۔۔۔ آپ مجھ سے عمر کے پر پوزل کے بارے میں بات کیوں نہیں کرتیں۔ لیکن میں جانتی ہوں۔ آپ یہ نہیں کر

سکتیں۔ اگر عمر کو مجھ میں دیکھی ہی نہیں ہے تو۔۔۔“

”اس کے باوجود تم۔۔۔“ نانو نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”نانو! میں کیا کر رہی ہوں۔ آپ جانتی ہیں۔ میں حقیقت پسند ہونے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ وہ

ایک لمحہ کے لئے رکی ”میں کوشش کر رہی ہوں کہ زندگی کو عمر کے بغیر گزارا سکے جاؤں۔ مگر یہ بہت مشکل ہے۔“ وہ

منکرائی۔ مگر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”جینہ بہت اچھا لڑکا ہے۔“ نانو نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”عمر بھی بہت اچھا ہے۔“ اس نے جواب کہا۔

لاؤنج میں چند لمحوں خاموش رہی۔

”نانو! ایک بار آپ اس سے میرے بارے میں بات کیوں نہیں کرتیں۔۔۔ آپ ایک بار اس سے میرے

بارے میں بات تو کریں۔“ اس بار اس کی آواز میں احتجاجی۔ ”آپ اسے یہاں بلا کر اس سے میرے بارے میں

بات کریں۔“

”اور اگر اس نے انکار کر دیا تو۔۔۔؟“

”اگر۔۔۔ اگر اس نے انکار کر دیا۔۔۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ جینہ سے میری شادی کر دیں۔ میں

عمر کی امریکہ پرستنگ ہونے کے بعد بھی نانو کے ذہن سے یہ خیال خوشیں ہوا کیونکہ عمر کا ابھی بچاں ان کے اور عزیز کے ساتھ رابطہ تھا۔ اگرچہ یہ رابطہ پہلے کی طرح مستقل نوعیت کا تھا مگر پھر بھی ابھی اس رابطے نے کئی نوعیت اختیار نہیں کی تھی۔

وہ اب بھی عزیز کے بارے میں فکر مند رہتا تھا اور اس کے بارے میں اکثر نانو سے گفتگو کرتا رہتا۔ اہم مواقع پر بھی وہ کبھی عزیز کو کال نہ بھولتا۔

لیکن پھر آہستہ آہستہ عزیز اور نانو کے لئے کی جانے والی فون کالز میں کمی آنے لگی۔ وہ اپنی جاب سے مطمئن نہیں تھا۔ کیونکہ مطمئن نہیں تھا یہ بات اس نے کبھی تفصیل سے بتانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر وہ جب بھی فون پر نانو یا عزیز سے بات کرتا۔۔۔۔۔۔ وہ خج ہو جاتا۔۔۔۔۔۔ اس کے لہجے میں رجحانے جانے والی اس کمی کی وجہ کیا تھی۔۔۔۔۔۔ جہانگیر معاذ۔۔۔۔۔۔ پانچ ہر چہز سے بہت جلد آگیا جانے کی اس کی اپنی عادت۔۔۔۔۔۔ یا پھر جہانگیر معاذ کے دباؤ پر کے جانے والے مسلسل غیر کالونی کا۔

"پاپا مجھے ریاضی کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔ مجھے بعض دفعہ محسوس ہوتا ہے کہ میں کوئی بھی کام اپنی مرضی سے بھی کر ہی نہیں سکتا۔ ہر چہز میں پاپا کی انوائمنٹ بہت ضروری ہے۔"

وہ فون پر عزیز اور نانو سے شکایت کرتا۔

"وہ کہیں کے دن تو مجھے دن کہتا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ کہیں کے رات تو مجھے رات کہتا ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے اگر یہ اندازہ ہو جاتا کہ پاپا میری پرسنل اور پرفیشنل لائف میں اس قدر مداخلت کریں گے تو میں کبھی اس پر دیشن میں نہ آتا۔۔۔۔۔۔ میں ناراضہ پول پر بیٹھنے کو ترجیح دیتا۔۔۔۔۔۔ وہ شکستن میں کام کرنے کی نسبت۔۔۔۔۔۔ وہ بولتا رہتا۔

"تجسین اگر جہانگیر کی اپنے کام میں مداخلت پانچہز سے تو تم اسے صاف کہہ دو۔ پہلے بھی تو تم اس سے دو ٹوک بات کر لیتے تھے۔" نانو سے مشورہ دینا اور وہ آگے سے خاموش ہو جاتا۔

"ایک پاپا کو مداخلت کرنے سے منع کر دوں تو اور کتنوں کو روکوں۔ جس سسٹم کا میں حصہ بن گیا ہوں وہاں کڑے ہو کوئی تقریروں کو کر سکتا ہے تبدیلی نہیں لاسکتا۔ غلط کام کرنے سے بچنے کے لئے میں اپنے آپ کو فٹ نہیں بننے کے لیے چھپ سکتا ہوں۔ نا کمال پر سائن کرنے سے انکار کر سکتا ہوں۔ جو چیز جو تک پہنچنے سے اور اسے کسی نے غلط نہیں سمجھا تو اسے میں غلط سمجھنے والا ہوں۔ بہترین بیورو کرینٹ وہ ہوتا ہے جو آگلیں، کان اور منہ بند رکھے۔ جو سسٹم Cog کا بن کر رہے Maker بننے کی کوشش نہ کرے۔" وہ استہزائیہ انداز میں جیسے ہوتے کہتا۔

نانو کو تب ہی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احساس ہوتا گیا کہ عزیز کے لہجے میں عمر کی دلچسپی کم ہو گئی ہے۔ یا پھر مرے سے ہی ختم ہو گئی ہے۔ پھر وہ بھی جان گئیں کہ جہانگیر عمر کی شادی ایک بوڑھے اور نامور سرائی گھر میں کرنا چاہ رہا تھا۔ اگرچہ عمر اس پر تیار نہیں تھا مگر تب پہلی بار انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ عزیز کے ساتھ عمر کی شادی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ یا پھر جہانگیر عمر کو اس گھر میں شادی پر تیار کر ہی لے گا۔ جہانگیر معاذ کے دباؤ کے سامنے ظہیر عمر کے لئے بہت مشکل تھا اور اگر وہ کسی طرح جہانگیر کے دباؤ میں نہ آتے ہوئے اس شادی سے انکار کر دیتا تب بھی اس

باب ۳۵

عمر نے مقابلے کے امتحان میں کامیابی کے بعد اگلے دو سال لاہور اور اسلام آباد میں گزارے تھے۔ وہ نانو کے گھر نہیں رہا تھا مگر وہ مستقل عزیز سے ملتا اور اسے فون کرتا رہتا تھا۔ کبھی اپنی کوئی ایسی بات کہتے تھے کہ وہ عزیز کو فون نہ کرتا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنے پرے سے پرے دن کی روداد سناتے۔ عمر اسے دیکھتا تھا اپنے مفروضوں سے فوارتا رہتا تھا، اور وہ آگلیں بند کر کے ان پر عمل کرتی۔

عمر پر اس کا انکھار ہر معاملے میں بڑھ گیا تھا اور ایسا کرنے میں بڑا اچھا عمری کا تھا۔ شاید وہ ہر معاملے میں اس کی اس طرح مدد نہ کرتا تو وہ ہر معاملے میں اسے اڈالو کرنا چھوڑ دیتی۔

انہیں دو سالوں کے دوران معاذ حیدر کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد نانو میں یک دم بہت ساری تبدیلیاں آ گئیں۔ ان کی سوشل سرگرمیاں بہت محدود ہو گئیں اور عزیز پر ان کی توجہ بہت بڑھ گئی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب اکیلی ہو چکی تھیں اور ان کے لاشعور میں یہ احساس تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد عزیز کی شادی کی صورت میں وہ عمل طور پر تنہا ہو جائیں گی۔ شاید ایسی وجہ سے انہوں نے عزیز پر بہت سی باتیں فرم کر دیں تھیں۔ وہ اب کسی ایسی بات پر مجبور نہیں کرتی تھیں۔

عمر ان دنوں اپنی پہلی بیرون ملک پرستنگ پر امریکہ جا چکا تھا۔ ان کے درمیان رابطہ بھی ابھی قائم تھا مگر فون کالز کے تسلسل میں کمی ہو چکی تھی۔ نانو کے ساتھ زندگی میں پہلی بار اس کی بے تکلفی اور دوستی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ ایسی دوستی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اسے لیڈر کے دوران اس کے لئے پروڈکٹ تلاش کرک کر دی تھی۔ شمین اور سکندر کے اصرار اور دباؤ کے باوجود انہوں نے اس معاملے میں وہی اپنی تھا جو عزیز نے چاہا تھا۔ اس میں بڑا اچھا عمر کا بھی تھا جو مسلسل نانو کی برین داؤ شکرتا رہتا تھا۔

نانو کے لاشعور میں شاید کبھی یہ بات بھی تھی کہ عمر اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے یہ خواہش رکھتا ہے کہ عزیز کی ابھی کہیں شادی نہ ہو اور کچھ عرصہ کے بعد جب وہ مکمل طور پر انکلیش ہو جائے گا تو تب وہ خود اس سے شادی کرنا چاہے گا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جو اس کی تعلیم مکمل کر دے پراتا اصرار کر رہا ہے تو اس کی وجہ یہی پسندیدگی ہے۔

بات کا کوئی اسکان نہیں تھا کہ وہ علیزہ میں گزشتہ دلچسپی کی وجہ سے شادی کی خواہش کرتا۔

علیزہ کی عمر میں دلچسپی حد سے زیادہ بچکی تھی مگر اس کے باوجود ناٹو یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ عمر کو پسند کرتی ہے اور خود علیزہ کو بھی احساس تھا کہ ناٹو اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں۔

ناٹو کا خیال تھا، عمر کے واپس آنے کے اسکان بہت کم ہیں۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں وہ پیچور ہوگی۔۔۔۔۔ وہ یقیناً عمر کو اپنے ذہن سے نکال دے گی، خاص طور پر اس صورت میں جب ان دونوں کے درمیان ہونے والا رابطہ کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔

ان دونوں کے درمیان رابطہ تقریباً ختم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ اور وہ وقت گزرنے کے ساتھ ناٹو کی توقعات کے مطابق پیچور رہی ہوئی تھی۔ مگر ناٹو کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا تھا کہ وہ عمر کو اپنے ذہن سے نکال دے گی۔۔۔۔۔ عمر کے لئے اس کی پسندیدگی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی اور وہی کسی کسر پانچ سال بعد اس کی ایک دم واپسی نے پوری کر دی تھی۔

عمر کی شخصیت میں یقیناً بہت زیادہ تبدیلیاں آ چکی تھیں اور یہ فتنی اور جذباتی تبدیلیاں اس کی پوری شخصیت کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ مگر علیزہ ایک بار پھر کسی متناظر کی طرح اس کی طرف متوجہ رہی تھی۔ اور ناٹو کو اس بات کا خدشہ تھا کہ عمر پاکستان میں رہتا تو کسی نہ کسی طرح وہ دونوں رابطے میں رہے۔۔۔۔۔ اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتی تھیں۔



باب ۴۶

وہ اس دن فیروز سنز سے کچھ کتابیں لینے گئی تھی۔ شہلا اس کے ساتھ تھی۔ کتابیں دیکھتے ہوئے وہ دونوں مختلف حصوں کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ ایک کتاب کا لٹریچر پڑھنے میں مصروف تھی جب اس نے اپنی پشت پر ایک آواز سنی۔ کسی نے اس کا نام لیا تھا۔ بے اختیار اس نے پلٹ کر دیکھا اور چند لمحوں کے لئے ساکت رہ گئی۔ وہ جینیہ ابراہیم تھا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا رسائیں دے۔

وہ اب مسکراتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ خوشی کے باوجود مسکرا نہیں سکی۔ گردن سوڑ کر اس نے ہاتھ میں چوڑی کتاب کو بند کیا اور واپس رکھ دیا۔

جینیہ تب تک اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ کسی سلام دعا کے بعد اس نے علیزہ سے کہا۔

”مجھے توقع نہیں تھی کہ آج آپ سے یہاں ملاقات ہوگی۔“

وہ ساپٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ چند ہیچے پہلے بھوری میں اس کے ساتھ ہونے والی ملاقاتوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گرم جوش ایک دم ہی کھن غائب ہو گئی تھی۔ جینیہ نے اس تبدیلی کو فوراً محسوس کر لیا تھا۔ اس کے انداز و اطوار میں خاصی سادہ رہی تھی۔ وہ قد سے خفیف ہو گیا۔

”ہاں مجھے اپنا وقت ضائع کرنے کا خاصا شوق ہو رہا ہے آج کل۔۔۔۔۔ جب جلد اس طرح کی سرگرمیوں میں ضائع کرتی پھر رہی ہوں۔“

جینیہ کچھ نہیں سنا، وہ کسی سرگرمی کا ذکر کر رہی ہے۔

اس نے ایک کتاب کی طرف ہاتھ بڑھا لئے ہوئے کہا۔

”اچھی کتابوں کی تلاش کرنا کوئی غیر مناسب سرگرمی نہیں ہے، نہ ہی ایسی سرگرمی ہے جس پر کوئی وقت ضائع کرنے کا لیلل لگا سکے۔“

اس نے لامحالہ یہی اندازہ لگایا کہ وہ اپنے وہاں آنے کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ علیزہ نے سر اٹھا کر

اسے دیکھا۔ جینہ کے چہرے پر اتنی جھجک تھی کہ اسے بے اختیار عجیب سی شرمندگی ہوئی۔

”شاید میں واقعی ہر قسم کے ادب کا ادب بھول چکی ہوں۔“ اس نے دل میں سوچا۔

”آپ بھورہن سے کب آئے؟“ وہ مشکل اپنے چہرے پر ایک لمبی مسکراہٹ لائی۔

”کانی دن ہو گئے۔“ جینہ کو اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھرنی دیکھ کر عجیب سی تسلی ہوئی۔

”آپ کا کام ختم ہو گیا؟“

”نہیں، مکمل طور پر تو نہیں۔ مگر بڑی حد تک۔“

”دوبارہ کب جا رہے ہیں؟“

”ابھی فوری طور پر تو نہیں جاؤں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد چکر لگاؤں گا۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ اور کیا سوال کیا جائے، کسی ایسے شخص سے جس کے لئے آپ کے پاس کوئی حقیقی

سوال نہ ہو۔ وہ سوچ میں گم تھی۔

اس کا اندازہ تھا کہ جینہ اب اس سے اپنے پر پزل کے بارے میں بات ضرور کرے گا۔ اس کا اندازہ درست ثابت نہیں ہوا۔ وہ ابھی اس خاموش تھا۔ شاید وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ طلیہ سے کیا بات کرے یا پھر طلیہ کے تاثرات نے اسے کچھ متاثر کر دیا تھا۔

”آپ اکیلی آئی ہیں؟“ چند لمحوں کے بعد جینہ نے پھر خاموشی کو توڑا۔

”نہیں۔ میری فریڈ میرے ساتھ ہے۔“ طلیہ نے شہلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جینہ نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا، جہاں وہ اشارہ کر رہی تھی پھر اس نے مسکراتے ہوئے روانی میں کہا۔

”شہلا!“

وہ منہ کھولے جینہ کو دیکھنے لگی۔ ٹیکس جیسے بغیر۔ کسی بات کی طرح۔

جینہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور پھر بے اختیار اسے اپنی ٹانگیں کا احساس ہوا۔

”میری بہن بھی میرے ساتھ آئی ہوئی ہے۔“ اس نے بہت تیزی سے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”وہ..... وہاں!“ اس نے کچھ فاصلے پر کھڑی ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ پانچ چھ سال کا

ایک چھوٹا سا بچہ بھی کھڑا تھا۔

طلیہ نے اس لڑکی کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ابھی ٹیکس جیسے بغیر جینہ کو گھور رہی تھی۔

جینہ اس کے تاثرات سے کچھ مڑا ہوا تھا۔

”آپ میری فریڈ کا نام کیسے جانتے ہیں؟“ اس نے جینہ کے چہرے پر نظر فرمایا۔

”میں..... میں نے کچھ دیر پہلے آپ کو اس کا نام پکارتے سنا تھا۔“

وہ ابھی تو نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر اب کچھ دیر پہلے کی گھبراہٹ کی بجائے

طمینان تھا۔

طلیہ نے ایک بار پھر گردن موڑ کر شہلا کو دیکھا پھر اس نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”آپ پریشان کیوں ہو گئی ہیں؟“ جینہ نے اب اس سے پوچھا۔

”نہیں میں پریشان تو نہیں ہوئی۔“

”تو پھر آپ کی فریڈ کا نام لینے پر آپ کو اتنی حیرت کیوں ہوئی؟“ جینہ نے دلچسپی سے کہا۔

”کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ کوئی مجھے ٹھیک سے جانتا بھی نہ ہو اور میری فریڈ کو پہچانتا ہو۔“

”میں نے آپ کو بتایا..... میں آپ کی فریڈ کو نہیں پہچانتا..... صرف آپ کے منہ سے میں نے ان کا نام

سنا تھا۔ وہی دہرایا۔“ جینہ نے معذرت خواہانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”لیکن جہاں تک آپ کو جاننے کا تعلق ہے تو.....“ وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ ”تو آپ کا یہ اندازہ غلط

ہے کہ میں آپ کو جانتا نہیں ہوں۔ ہم ہمہ بدن میں اچھا خاصا وقت اکٹھے کر چکے ہیں۔“ اس نے جیسے طلیہ کو یاد

دہانی کروائی۔ ”اور..... مجھے لگتا ہے، میں آپ کے بارے میں بات کچھ جاننے لگا ہوں۔“

طلیہ کا دل جاہادہ اس سے کہے۔ ”آپ مجھے اتنی باتیں جانتے لگے کہ مجھے پرہیز کرنے لگیں۔“ مگر کچھ

کہنے کے بجائے اس نے صرف مسکراتے پھاٹکا کیا۔

”میں آپ کو اپنی بہن کے بارے میں بتا رہا تھا۔“ جینہ نے ایک بار پھر بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”آہ، میں آپ کو ان سے نہواؤں۔“ جینہ نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں! میں پھر بھی ان سے مل لوں گی۔“ طلیہ نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔ ”اس وقت مجھے کچھ جلدی ہے۔“

جینہ نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اٹھارہاں ترس رہا تھا۔

”چند منٹوں کی بات ہے۔ زیادہ وقت نہیں لگے گا۔“

”میری فریڈ کو بھی بہت جلدی ہے، میں گھر سے نکلے خاموش دیر ہو گئی ہے۔“

”آپ کی فریڈ اس وقت کاشیں دیکھنے میں مصروف ہے۔ جب تک وہ کچھ فریڈیں اور ملیں تو میں تب

تک آپ راجہ سے مل سکتی ہیں۔“

جینہ نے پہلے راجہ کو دیکھا۔ طلیہ شش دہج کا شکار تھی۔

”لیکن میں مصرا نہیں کروں گا۔“ اگر آپ کو پسند نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔“ جینہ نے زری سے کہا۔

”میں ملتی ہوں۔“ اس نے ایک گہری سانس لے کر قدم آگے بڑھا دیا۔

”راجہ! یہ طلیہ و سکندر ہیں۔“ راجہ کے قریب جاتے ہی جینہ نے تعارف کروایا مگر راجہ کے چہرے پر پہلے

سے موجود خناس مسکراہٹ نے طلیہ کو بتا دیا تھا کہ یہ تعارف درج ہے۔ وہ اس کے بغیر بھی طلیہ کو جانتی..... اور شاید

پہچانتی تھی۔ کیسے؟ اسے برائی تھی۔

راجہ نے چند قدم آگے بڑھ کر اس کے گالوں کو خیر مقدمی انداز میں چوما۔

”اور یہ میری بہن ہیں راجہ۔“ بیان کا بیٹا سے صابغ۔“

زیادہ دیر ان کے سامنے ٹھہرے۔

”تمہیں جلدی کس بات کی ہے؟“ شہلا نے قدر جبرانی سے کہا۔

”تم باہر چلو، میں جیس توجیس ہوں۔“ اس نے شہلا کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے کہا۔

علی ادا کرنے کے بعد شہلا نے اپنی کتابیں لیں اور دونوں باہر نکل آئیں۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے ہی

شہلا نے علیہ سے پوچھا۔

”اب بتاؤ۔ کیا ہوا ہے۔۔۔ اتنی افراتفری میں مجھے کیوں لائی ہو؟“

”میں ان لوگوں کو Avoid کرنا چاہتی تھی اس لئے۔“ علیہ نے اطمینان سے کہا۔

”کیوں؟“ شہلا نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔

”وہ تو کس کریم کھانے کے لئے ساتھ چلنے کی آفر کر رہے تھے، اس لئے۔“

”تھے تو نہ؟“ وہ گاڑی کو پارکنگ سے نکالتے ہوئے بولی۔

”اس لئے کہ گاٹا حید ابراہیم ہے۔“ علیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا شروع کیا۔ ”چند پتلے پچھلے بھوربن

میں ملاقات ہوئی تھی میری اس کے ساتھ۔ آئی جی۔ کے کسی جانے والوں کا بیٹا ہے۔“

”پھر؟“

علیہ چند لمحوں کے لئے خاموش رہی۔

”میرے لاورر وہاں آئے تھے پہلے اس کے گھر والے نانو کے پاس آئے تھے۔ پرنسزل لے کر۔“

”پھر نانو نے کیا کہا۔“ زینکٹ کر دیا؟“ شہلا نے قیاس آرائی کی۔

”نہیں۔۔۔ انہوں نے سوچنے کے لئے کجوقت مانگا ہے۔“

وہ اب ڈنڈا اٹھائیں گے، باہر نکل کر نظر پر نظر سے جاتے ہوئے تھی۔ شہلا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”نانو نے تم سے بات کی ہوگی۔“

”ہاں۔“

”اور تم نے جب معمول اٹکا کر دیا ہوگا۔“ علیہ خاموش رہی۔

شہلا نے آگے مگر اسٹاپ کیا۔ ”کیا کرتا ہے؟“ اس کا اشارہ جینیئر کی طرف تھا۔

”آؤ کھینک ہے۔“

”اس کے ساتھ کون تھا؟“

”اس کی بڑی بہن اور بھانجا۔“

”مجھے دیکھنے میں اچھا لگا ہے۔ سو راور ڈینٹ۔“ شہلا نے رائے دی۔ ”تمہیں کیسا لگا؟“

”اس بار علیہ نے گردن موڑ کر کچھ تڑپی سے پوچھا۔

”کس حوالے سے؟“ ”تمہارا کیا اندازہ ہے۔ میں کس حوالے سے پوچھ رہی ہوں۔“

”جینے نے کافی ذکر کیا تھا تمہارا؟“ رابا بڑی بے تکلفی سے کہہ رہی تھی۔ ”مجھے بہت خواہش تھی تم سے ملنے کی۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”جینے نے آپ کا ذکر بھی کیا تھا۔ کچھ پتلے چیلے۔ جب ہم بھوربن میں ملے تھے۔“ علیہ نے کہا۔

”میں نے تو جینے سے جب بھی کہا تھا کہ تمہیں میرے گھر کھانے پر لائے۔ تم اسلام آباد میں ٹھہری تھیں

نا۔۔۔ میری رہائش وہیں پر ہے۔“

علیہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ وہ جینے سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ ”میں تمہیں بہت اچھی

کہتی دے سکتی تھی۔ تمہاری پوری خاموشی کم ہو جاتی۔۔۔ خیر میرا بھی کچھ وقت اچھا گزر جاتا۔“

”میں بھوربن سے آنے کے بعد زیادہ دن اسلام آباد میں نہیں ٹھہری۔ تیسرے دن ہی واپس آ گئی تھی اس

لئے یہ ہو نہیں سکتا تھا۔“ علیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں، یعنی ایں بھوربن بن جانے سے پہلے کی بات کر رہی ہوں۔۔۔ تم تو تین ماہ رہی ہو وہاں۔“ علیہ

مسکرائی۔

”پہلے آپ سے ملاقات کیسے ہو سکتی تھی۔ میں تو جینے کو جانتی بھی نہیں تھی۔“

علیہ نے جینے اور رابا کو ایک لمبے کیلئے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے پایا پھر اگلے ہی لمبے جینے نے کہا۔

”ہم لوگ صالح کی فرمائش پر اب آکس کریم کھانے کے لئے جا رہے ہیں۔۔۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی اگر

آپ اور اب کی فریڈ بھی ہمیں جوائن کریں۔“

بات کا موضوع ایک بار پھر بدل گیا تھا۔۔۔ رازنہ طور پر ہوا تھا رازنہ طور پر۔ علیہ اٹھاؤ نہیں کر سکی۔

”مجھے اور شہلا کو واپس جانا ہے۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں جلدی ہے۔۔۔ کافی دیر سے

نکلے ہوئے ہیں گھر سے۔“ علیہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”اگر تھوڑا سا وقت تم میرے ساتھ گزار دو تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔“ اس بار رابا نے کہا۔

”میں ضرور گزارتی۔۔۔ اور مجھے اٹھا کر کرتے ہوئے شرمندگی بھی ہو رہی ہے مگر یہ ممکن نہیں ہے۔“

”گوئی بات نہیں۔۔۔ آپ کے پاس واقعی جینیئر ایکسپوز ہے۔“ جینے نے اس کی معذرت قبول کر کے

ہوئے کہا۔

وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر جب واپس شہلا کی طرف آئی تو وہ پہلے ہی اس کی طرف متوجہ تھی۔

”یہ کون تھے؟“ اس نے علیہ کے قریب آتے ہی پوچھا۔

”تم یہاں سے چلو۔۔۔ پھر بتاتی ہوں۔“ علیہ نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مگر مجھے تو ابھی کچھ اور سننا بھی دیکھنی ہیں۔“

”وہ تم دو بارہ کی دن دیکھ لینا۔۔۔ فی الحال یہاں سے چلو۔“ علیہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

جینے اور رابا اب آئیں وہیں تھے اور وہ نہیں جانتی تھی کہ ان سے جھوٹ بولنے کے بعد اب وہ شہلا کے ساتھ

جس حوالے سے تم پوچھ رہی ہو۔ میں نے وہ حوالہ ذہن میں رکھ کر اس پر غور نہیں کیا۔ ویسے وہ اچھا ہے۔

بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح۔" اس نے دونوں انداز میں کہا اور ایک بار پھر دغا سکرین سے باہر دیکھنے لگی۔

گامڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر شہلا نے اس سے کہا۔

"جہیں آخر پریشانی کس بات کی ہے۔ تم کو یہ پرنسز قبول نہیں ہے، انکار تم کو تنگی ہو۔" ناو یہ انکار ان تک پہنچا دیں گی۔ بات ختم ہوئی۔

"میں نے انکار نہیں کیا۔" شہلا نے بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اب بھی باہر سڑک پر نظر میں آ رہی تھی۔

انکار نہیں کیا۔ جہیں یہ پرنسز قبول ہے؟

"میں نے تو نہیں کیا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ تم نے انکار نہیں کیا تو اس کا واضح مطلب تو یہی ہے کہ وہ جہیں پسند ہے یا کم از کم جہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے مگر اب تم کدھر رہی ہو کرتے یہ قرار بھی نہیں کیا۔" شہلا کچھ الجھنے لگی۔

"میں نے ناٹو کو مرے بات کرنے کے لئے کہا ہے۔"

"کیا بات کرنے کے لئے؟"

علیہ نے گردن موڑ کر شہلا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "It's very humiliating۔ لیکن میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ مرے سے مرے پرنسز کے بارے میں بات کریں۔" وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ "یہ بہت تکلیف دہ ہے مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ میں آخر تک تک عمر کے لئے ہر پرنسز کو کرچیک کرتی رہوں گی۔"

وہ ہونٹ پیچھے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ناٹو نے عمر کو لاہور بلوایا ہے۔ وہ ابھی کچھ مصروف تھا۔ اس لئے نہیں آ سکا۔ چند دن تک آ جائے گا۔ جب ناٹو اس سے بات کریں گی۔" اس نے شہلا کو بتایا۔

"جہیں پتا ہے جوڑتھ پاکستان آئی ہوئی ہے؟"

پانچ چھ سال پہلے جب جوڑتھ ایک دو بار پاکستان آئی تھی، جب ناٹو کے گھر پر شہلا سے بھی اس کی چند ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ بعد میں بھی علیہ، جوڑتھ کے بارے میں اسے خاصی تفصیلات بتاتی رہی مگر اب اچانک اس کے منہ سے جوڑتھ کا نام نہ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

"جہیں کیسے پتا ہے؟" علیہ نے بے اختیار کہا۔

"اس کا مطلب ہے، اگر اس کی یہاں موجودگی سے بے خبر نہیں ہو۔"

وہ شہلا کی بات پر چپ سی ہوئی۔ "دونوں پچھلے کی دلوں سے لاہور میں ہیں۔ میں جہیں بتانا نہیں چاہتی تھی۔ میرا خیال تھا تم پریشان ہو گی۔" وہ چھوٹوں کے لئے خاموش ہوئی۔ "ایک فائو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے

ہیں دونوں ایک ہی روم میں۔ مسز اینڈ مسز عمر جہانگیر کے طور پر۔"

علیہ نے فنی ہوئے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ گامڑی کو زانو جڑ کرتے ہوئے دغا سکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"فاروق کچھ دن پہلے اپنے ایک فیرنگی کسٹر کو ٹھہرانے گیا تھا وہاں۔" اس نے اپنے بھائی کا نام لینے ہوئے کہا۔

"اس وقت عمر بھی وہاں ریسپشن پر چیک ان کر رہا تھا۔ فاروق سے ملا اور جوڑتھ کا تعارف بھی کروایا۔ فیرنگی کے طور پر۔ مگر وہاں چیک ان مسز اور مسز عمر جہانگیر کے طور پر کیا۔"

وہ دم بخود اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ "فاروق نے گھر آ کر مجھ سے پوچھا تھا عمر کی شادی کے بارے میں۔ ظاہر ہے، میں نے تو یہی کہہ دیا تھا کہ نہیں ہوئی۔ پھر اس نے مجھے یہ سب بتایا۔ پھر پرسوں میں نے ان دونوں کو خود فورٹریس میں دیکھا۔ اس کا مطلب ہے ابھی تک وہ دونوں سبکی ہیں۔ اور تم ناٹو سے کہہ رہی ہو کہ وہ عمر سے تمہارے پرنسز کے بارے میں بات کریں۔" شہلا نے کچھ استہزاء سے انداز میں اپنی بات ختم کی۔

"میرے جوڑتھ سے شادی نہیں کی۔" علیہ نے بے اختیار کہا۔

"تیم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"وہ اگر شادی کرتا تو اس طرح چھپ کر نہ کرتا۔ یہ علم کھاتا تھا۔ اور اگر چوری سے کرتا تو بھی کم از کم ناٹو کو ضرور بتا دیتا۔"

"ہو سکتا ہے اس نے کسی وجہ سے اپنی شادی کو خفیہ رکھا ہو۔" شہلا نے خیال ظاہر کیا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ اس کی کوئی بات ہے۔ وہ اس طرح چھپ کر شادی کر رہی نہیں سکتا۔"

"ٹھیک ہے اس نے شادی نہیں کی ہو گی۔ مگر شادی کے بغیر جوڑتھ کے ساتھ اس کا ایک ہی روم میں قیام زیادہ قابل اعتراض بات ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔" علیہ نے زور دے کر کہہ دیا۔

"کم از کم ذاتی مسئلہ۔ تم اس کی زندگی کا ایک حصہ بننا چاہتی ہو اور تم کدھر رہی ہو کہ اتنا بڑا ایٹھاس کا ذاتی مسئلہ ہے۔" علیہ اس بار خاموش رہی۔

"تم نے کبھی ان دونوں کے تعلق کے بارے میں غیر جانب داری سے نہ کی کوشش کی ہے؟"

علیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"وہ خود تمہارے بھولے دونوں ہائی اسکول میں اکٹھے ہیں۔ جیس سال تو ہو ہی گئے ہیں ان دونوں کی دوستی کو۔ اور ایک زمانے میں جہیں یہ ملک میں تھا کہ عمر اس سے محبت کرتا ہے اور شہلا اس سے شادی کرے گا۔"

"مگر وہ صرف ملک تھا۔ عمر نے اس سے شادی نہیں کی۔" علیہ نے غصہ لگایا۔

"اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عمر نے ابھی تک کسی نہ کسی شادی نہیں کی۔ اگر وہ شادی کرے۔" فیلرے کرتا

ہے۔ تو وہ کس کا انتخاب کرے گا۔ کیا تم بتا سکتی ہو؟" شہلا اسے آڑے ہاتھوں لے رہی تھی۔

"تم عمر پر آج اتنی تنقید کیوں کر رہی ہو، اس کے لئے میری پسندیدگی تم سے کبھی بھی جھجی نہیں رہی۔ پہلے تو کبھی تم نے جوڈھ کو ایٹھو بٹانے کی کوشش نہیں کی۔" عطیہ نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں عمر کے لئے تمہاری پسندیدگی سے ہمیشہ سے ہی واقف تھی مگر جوڈھ اور عمر کی ایک دوسرے کے لئے فلیٹکو یا ان کے تعلق کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی۔" محراب بے جا بننے کے بعد عمر کے اس کے ساتھ تعلقات صرف دوستی اور محبت کی حد تک نہیں ہیں۔ میں جیسا بھی مشورہ دوں گی کہ تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ عمر تمہارے ساتھ وقتا دور نہیں ہو سکتا۔"

"میں عمر کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم اس کے لئے میری فلیٹکو سے ابھی طرح واقف ہو۔" اس نے شہلا سے احتجاج کیا۔

"زندگی صرف فلیٹکو کے ساتھ نہیں گزارا جاسکتی۔ فرض کرو تمہاری شادی اس کے ساتھ ہو جاتی ہے اور جوڈھ مسلسل اس کے ساتھ اس طرح کی دوستی رکھتی ہے تو پھر آپ کیا کریں گی کھڑے؟" شہلا نے استہزاء سے انداز میں کہا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔"

"کیوں تم پر کوئی دبی نازل ہوئی ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ اسنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو تم؟" شہلا نے مذاق اڑایا۔

"عمر ایک دیانت دار شخص ہے۔ دھوکا نہیں دے گا مجھے۔" اسے اپنی آواز خود بخود کھلی گئی۔

"اور فرض کرو اگر اس نے دیا تو۔"

"میں ایسی کوئی دھمکانا فرض نہیں کر سکتی۔" اس نے ہنسی سے کہا۔

"زندگی میں بعض دفعہ دھمکانا ہی ڈراؤ نے خواب بن کر سامنے آ جاتی ہیں۔"

"شہلا! میں آپ کی چیخ کر دیتا چاہتا ہوں۔"

"کیونکہ تم عمر کے بارے میں سچ سننے کو تیار نہیں ہو۔ ہے؟" اس نے ایک بار پھر اس کا مذاق اڑایا۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ عمر جوڈھ سے ہی محبت ہو؟"

عطیہ خاموش ہو گئی۔

"اس کو تم سے محبت نہیں ہے۔ عطیہ۔ یہ بات تم حلیم کیوں نہیں کر لیتیں۔" اس بار شہلا کا لہجہ بہت نرم تھا۔

"اسے تم سے محبت ہوتی تو وہ جیسا اسنے سالوں میں کبھی تو پر پڑ کر۔۔۔ کبھی تو تم سے اظہار محبت کر۔۔۔"

کبھی تو جیسا کوئی آس ڈالنا۔ اس نے کبھی ایسا کبھی نہیں کیا۔

"میں نے یہ دیکھی نہیں کیا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ کیا میں نے آج تک تم سے کبھی یہ کہا ہے؟" وہ شہلا کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں نے تو یہ خواہش کی تھی کہ اسے مجھ سے محبت ہو۔ میں تو صرف شادی کی بات کر

رہی ہوں۔ کیونکہ مجھے اس سے محبت ہے۔"

"دن سائیل ڈائمنز" (ایک طرف محبت)

"ہاں تم اس کو دن سائیل کہو۔" مگر کیا برائی ہے۔ اگر اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو اچھی لگتی ہے۔"

"بچپن میں اور انسانوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ عطیہ۔ انسانوں کو کوئی زبردستی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔" "میں بھی اس سے کوئی زبردستی نہیں کروں گی۔" چوہنڈل کے بارے میں بات کرتا تو کوئی بری بات نہیں ہے۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر اس نے تم سے شادی سے انکار کر دیا تو؟"

"تو۔۔۔ پتا نہیں۔ مگر نا تو کسی سے بھی میری شادی کر دیں۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"اور وہ۔۔۔ کسی۔۔۔ یقیناً حیدر ابراہیم ہو گا۔"

"ہاں۔۔۔ وہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم حیدر ابراہیم کو ہی اپنا پہلا انتخاب رکھو۔ کم از کم اس کی زندگی میں جوڈھ نہیں ہے۔"

"عمر کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے بارے میں سوچنے کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے اور میرے پاس یہ حوصلہ نہیں ہے۔" اس نے بھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مجھے حیرت ہے عطیہ۔۔۔ چند ماہ پہلے یہ تم ہی تھیں جو عمر اس اور عمر کے خلاف اپنی باتیں کر رہی تھیں اور اب۔۔۔ تم خود اس کی زندگی کا ایک حصہ بننا چاہتی ہو۔ اس کی ساری برائیوں کو جانتے ہوئے بھی۔" شہلا عجیب سے انداز میں ہنسی۔

"حالانکہ میرا خیال تھا کہ ان حالیہ واقعات نے عمر کے بارے میں تمہاری فلیٹکو کو خاصا بدل دیا ہو گا۔ لیکن میں غلط تھی۔" شہلا کی آواز میں انفوس جھلک رہا تھا۔ "عمر پر اتنی تنقید کرنے کے بعد بھی تم ابھی تک اس کی محبت میں اس طرح گھومتی ہو جس طرح پانچ سال پہلے تھیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔"

وہ انداز چھٹی کر گئی۔ وہ اسے ڈانٹ رہی تھی یا نصیحت کر رہی تھی۔ جو کچھ بھی تھا، اس وقت اسے انہیں گوارا لگ رہا تھا۔

"میری اس کے ساتھ جو جذباتی انوائونٹ ہے۔ وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہے۔ میرے لئے اس سے نفرت کرنا ممکن نہیں ہے۔ کم از کم تو یہ بات سمجھو۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"میں نے تمہیں اس سے نفرت کرنے کے لئے نہیں کہا۔ میں جانتی ہوں۔ تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ تم اس کے بارے میں سوچتے ہوئے وقتی طور پر جذبات کو ایک طرف رکھ دو۔ جس آدمی کے ساتھ شادی کر کے زندگی گزارنا ہو۔ اس کے بارے میں صرف جذبات سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ بہت سی باتوں کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔" وہ اب قدرے مدغم آواز میں اسے سمجھا رہی تھی خاص طور پر اس صورت میں جب یہ صرف دن

”شہلا! یہ انگری نہیں ہے۔“ علیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے ساتھ انگری نہیں چلا رہا۔ میری اس کے لئے کچھ خاص ٹیکٹو ہیں۔“ یام یہ کہہ لو کچھ اس سے محبت ہے۔ مگر یہ کسی انگری کی نگہری میں نہیں آتی۔“

”ٹھیک ہے تم جو کہہ رہی ہو۔ میں بان لیتی ہوں۔ یہ انگری نہیں ہے۔ محبت ہے۔ محرم اس کے ساتھ انوالوڈ ہو۔ اور وہ کسی اور کے ساتھ انوالوڈ ہے۔ کتنا پر سکون رہ سکتی ہو تم اس طرح کے آدمی کے ساتھ۔“

”شہلا! اس ٹاپک پر بات نہ کرو۔ تم اس طرح بات کرو گی تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔“

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو رہا ہو مگر مجھے نہ سبھی تو تمہیں اس تکلیف سے گزرنا ہی ہے۔ میں نہیں کہوں گی۔ کوئی اور کہے گا۔“ پانی میں نظر آنے والے مکس کو چار ڈال کر چھپایا نہیں پاسکتا۔ ”شہلا نے صاف گوئی سے کہا۔“ تم اپنے لئے فیصلے کرنے میں آزاد ہو۔ میں یا کوئی دوسرا تمہارا ہاتھ پکڑ سکتا ہے۔ نہی تمہاری آنکھوں پر پٹیا باندھ سکتا ہے۔ عمر کے حوالے سے تم نے جو ٹھیک سمجھا دیا۔ میری صرف اتنی خواہش ہے کہ تم اس کے بارے میں ذرا جذبات سے کام لے بغیر سوچو۔“

”تم اگر میری جگہ ہو سکتی تو کیا کرتیں؟“ اس نے گردن موڑ کر شہلا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم بھی وہی نہیں کرتیں جو میں نے کیا ہے۔“ کیا تم بھی اس شخص سے شادی کرنے کی خواہش نہ رکھتیں جسے تم پسند کرتی ہو تھیں۔“

”ہاں یقیناً اگر اس کی زندگی میں کوئی جڑو تھ نہ ہو تو۔“ وہ شہلا کی بات کے جواب میں چند لمحوں کے لئے کچھ نہیں کہہ سکی۔

”کچھ کہنے کے بجائے اس نے شہلا کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے سیٹ کی پشت سے سر ہٹا کر آکھیں بند کر لیں۔

”عمر کے علاوہ دوسروں کے بارے میں بھی غور کرو۔ عمر سے بہتر لوگ موجود ہیں۔ ہر لحاظ سے مجھے جدید بھی اچھا لگے۔“ علیزہ نے آگئیں نہیں کھولیں۔

”عمر کا کیا پتا۔ ہو سکتا ہے اس نے دائمی جڑو تھ کے ساتھ شادی کر لی ہو۔ ہو سکتا ہے، وہ کہہ دے۔ بیشک اس طرح کہ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ ہو سکتا ہے۔ وہ اگر کچھ عرصہ کے بعد شادی کرے بھی تو جڑو تھ سے ہی۔ وہ ناقابل یقین شخصیت ہے۔ میں باقی ہوں تمہاری اس کے ساتھ بہت اندراپنیزم ہے۔ یہ مگر وہ تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ یہی ایک ایسا فائل ٹیکنٹ کا ہوتا ہے۔ وہ بھی ڈیو پک یا سکتی ہے۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ عمر کے علاوہ تم کسی دوسرے کے لئے یہ سب محسوس ہی نہ کر سکو۔“ وہ اسی دم آواز میں بول رہی تھی۔

”تم سے ایک بات پوچھوں؟“ علیزہ نے ایک دم آنکھیں کھول کر شہلا سے کہا۔

”ہاں۔“

”تم سے مانوئے کہا ہے کہ مجھ سے یہ سب کہو۔“

شہلا بول کر نہیں سکی۔ اسے علیزہ سے ایسے سوال کی توقع نہیں تھی۔ اسے اس طرح چپ ہوتے ہوئے دیکھ کر علیزہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

”مجھے پہلے ہی اندازہ ہو رہا تھا۔ آج فیروز سبز بھی تم مجھے جان لاہو کر لے گئی تھیں۔ یہ بھی یقیناً تم سے مانوئے کہا ہوگا۔“

”تمہیں کیسے پتا چلا؟“ ”شہلا نے کچھ عرصت سے کہا۔

”شہلا! میں نے وقف نہیں ہوں۔ میں اب بنی بھی نہیں رہی۔ اور تم لوگوں کو بھی یہ بات جان لینی چاہئے۔“ اس کی آواز میں ہلکی تھی۔ ”میں بھی حیران تھی کہ جینہ کو تمہارا نام کیسے پتا ہے۔ وہ بھی جھوٹ بول رہا تھا مجھ سے کہ اس نے مجھے تمہارا نام لیتے سنا ہے۔ جبکہ مجھے ابھی طرح یاد ہے کہ میں نے فیروز سبز پر ایک بار بھی تمہارا نام نہیں لایا۔“

”علیزہ! واہیں۔“ علیزہ نے شہلا کی بات کاٹ دی۔

”کبھی جیلہ آئی مجھے ٹریپ کر کے اس سے ملوا رہی ہیں۔ کبھی مانو۔ اور اب تم۔ میں اس قدر حقیق اور انچوک نہیں ہوں جتنا تم لوگ مجھے سمجھ رہے ہو۔“ اس کا غصہ اب بڑھتا جا رہا تھا۔

”مانو اگر عمر سے بات کرنا نہیں چاہتی تو نہ کریں مگر تمہارے ذریعے اس کے خلاف میری برین واشنگ کرنے کی کوشش بھی نہ کریں۔“

”علیزہ! ایسی بات نہیں ہے میں تمہاری برین واشنگ کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہوں نہ ہی انہوں نے مجھ سے ایسا کچھ کرنے کے لئے کہا ہے۔“ شہلا اب کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

”اگر ایسی بات نہیں ہے تو وہ یہ سب کچھ خود مجھ سے کہہ سکتی تھیں۔ تمہارے ذریعے کیوں کہلایا ہے انہوں نے یہ سب؟“

”ان کا خیال تھا، میں تمہیں یہ سب کچھ زیادہ بہتر طریقے سے بتا سکتی ہوں۔“

”ہاں عمر کے خلاف باتیں کر کے۔ جھوٹ بول کر تم مجھے ہر چیز زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا سکتی ہوں۔“ وہ مکمل طور پر شہلا سے برعکس ہو چکی تھی۔ ”انہوں نے مجھے خود صاف صاف یہ نہیں بتا دیا کہ وہ

میرے بات نہیں کریں گی۔ ایسی من گھڑت کہانیاں سنانے کی کیا ضرورت ہے۔ عمر اور جڑو تھ کی نادہ۔“

”یہ کوئی من گھڑت کہانی نہیں ہے۔ عمر واقعی جڑو تھ کے ساتھ اس ہوئی۔“

علیزہ نے ہلکی سے شہلا کی بات کاٹ دی۔ ”Enough is enough۔“ کم از کم میرے سامنے نادودوں کے حوالے سے کچھ بھی مت کہنا۔“

”تمہیں اگر یقین نہیں آتا تو تم خود ہاں جا کر اس بات کو کنفرم کر لو۔“

”میں اتنی غرور دکھانے کی حرکت کبھی نہیں کر سکتی کہ اس کی سہاسی کرتی پھروں، تمہیں مجھ سے ایسی باتوں کی

واقع تو نہیں کرتی چاہئے۔" اس نے سر ہلچے کے ساتھ شہلا سے کہا۔

"تم میری بات ماننے کو تیار نہیں ہو۔ میری بر بات تمہیں جھوٹ لگ رہی ہے۔ پھر میں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہوں کہ تمہیں خود تہار ہی اکھوں سے سب کچھ دکھا دوں۔"

علیہ و راضی سے لکڑی سے باہر نکلتی رہی۔

"اب کم از کم مجھ سے راضی تو قسم کرو۔" شہلا نے اس کا سؤ فٹیک کرنے کی کوشش کی۔

"تمہیں نانو کا ڈاکھ میں بننے کے لئے کیا تھا۔" اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر اکرے ہوئے انداز میں اس سے کہا۔

"مجھے تہار ہی فکر تھی۔" اس نے لے۔۔۔۔۔۔

"کم آن شہلا! یہ پروا اور لگ کر جیسے لفظ استعمال مت کرو۔ دوستوں کو کبھی فکر اور پروا کے نام پر حقائق چھپانے اور جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے دوستی جیسا رشتہ کتنی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں نہیں ہے۔۔۔۔۔۔" وہ اس بار سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "اب کم مجھ سے مراد جو ڈھکے علاوہ کسی کے بارے میں کچھ بھی کہنا۔ مگر ان کے بارے میں کچھ نہیں۔ میں اس سارے معاملے سے خود پتہ چانتی ہوں اور اگر میں نانو کو عمر سے بات کرنے کے لئے کہہ سکتی ہوں تو پھر نانو کے سامنے بیڑہ کہ سب باتیں بھی دیکھ کر سکتی ہوں۔" وہ دیکھ کر پھر قد سے وقت سے بولی۔

"نانو کو مجھ اب واقعی پیڑہ لہنا چاہئے کہ میں ہر ایسا فعل کر سکیں کہ اس کا سامنا کر سکتی ہوں۔ کیونکہ طرح آنکھیں بند کرنے والے فیئر سے گزر سکی ہوں میں۔ بلکہ اب بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔"

"مجھے نانو اور تہار سے غلط اور میرے لئے اپنی محبت پر شبہ نہیں ہے۔ مگر تم لوگوں کو عمر کے لئے میری فیکھ کو بھی تو سمجھنا چاہئے۔ میں اسے صرف کسی سی سالی بات کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ میرے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔" اس کے سچے میں اس بار نمایاں ہے دیکھی تھی۔

"جہاں تک جو ڈھکے کا تعلق ہے تو وہ تو ہمیشہ سے اس کی زندگی میں رہی ہے۔ جب بھی جب وہ کسی سال پہلے یہاں ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ رہا تھا۔ اور اگر اسے مجھ میں کوئی دلچسپی نہ ہوتی تو وہ۔۔۔ میرے لئے وہ سب کچھ کیوں کر رہا تھا جو وہ آج تک کرتا آیا ہے۔ ہر ایک کے لئے تو نہیں کرتا وہ۔ کچھ تو ہو گا اس کے دل میں میرے لئے۔ اور مجھ سے یہ نہ کہو کہ یہ محبت نہیں ہے۔ ہورڈی ہے۔ یا موت۔ یہ کم از کم ان دونوں چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔" اس نے اپنے ہونٹوں کی لڑائی چھپانے کے لئے ہونٹ بھیجے لئے۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور وہ انہیں چھپکنے سے روکنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

شہلا نے ہورڈی سے اسے دیکھا پھر اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا دیا۔ "میں تہار ہی فیکھ کو سمجھ سکتی ہوں۔ تم اگر واقعی یہ سمجھو کہ عمر کے علاوہ۔ تو فیکھ ہے تم نانو کو کیا ایک بار پھر۔ کہ وہ اس سے بات کریں۔ ہو سکتا ہے وہ۔۔۔۔۔۔ واقعی تہار سے لے کچھ خاص لکھو رکھا ہو۔۔۔۔۔۔ اور اگر ایسا ہوا تو مجھ سے زیادہ تہار سے

لے اور کوئی غرض نہیں ہو گا۔ بلکہ اگر تم چاہو تو میں خود عمر سے۔۔۔۔۔۔ وہ اب غلطی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

"میں نے آج شام عمر کو بلوایا ہے۔" نانو نے صبح ناشتے کی میز پر علیہ کو بتایا۔ وہ سلاکس پر جام لگاتے ہوئے گئی تھی۔ اسے اپنے خون کی گردش اور دھڑکن تیز ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

وہ شام کے بجائے رات کو آیا تھا۔ علیہ و اس وقت اپنے کمرے میں تھی۔ نانو نے اس کیلئے رات کا کھانا تیار کر دیا ہوا تھا اور اس کے آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی نانو نے علیہ کو کھانے کے لئے پیغام بھجوایا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے لازم سے بھلوا یا تھا۔

وہ اس وقت عمر کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔ نہ ہی وہ کر سکتی تھی۔ اس کے اسلام آباد کے قیام کے بعد وہ آج تکنا بار یہاں آیا تھا۔ اس کے آنے کے کچھ دیر بعد اپنے کمرے کے لائٹ بند کر کے وہ اپنے پیڑ پر آ کر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے نیند مکمل طور پر غائب تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں وہ صحت کو گھورتی رہی۔

عمر بارہ بجے کے قریب واپس آیا تھا۔ اس نے اس کی گاڑی کے اشارت ہونے کی آواز سنی تھی۔ بے اختیار اس کا دل چاہا، اور وہ کمرہ باہر جانے اور نانو سے پوچھنے کا اس نے کیا کیا ہے۔ کیا پیشہ کی طرح وہی راز بار پتلا۔

"میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا نہ ہی کسی گروں کا۔ میں آزاد ہوں اور مجھے اپنی یہ آزادی پسند ہے۔" یا پھر یہ کہ "میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔ کچھ سال کے بعد اس کے بارے میں خود کروں گا اور جب شادی کے بارے میں سوچوں گا تو علیہ کے بارے میں بھی خود کروں گا۔"

اسے کسی سال پہلے نانو کے ساتھ ہونے والی اس کی ٹھنکو یاد آئی جو اس نے اتفاقاً سن لی تھی اور جب پہلی بار اس نے عمر کے بارے میں بڑی حیرت سے پوچھا تھا۔ "عمر سے شادی؟ کیا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔؟ کیا میں اس سے شادی کروں گی؟ ایک شین انکھر کے طور پر اسے اس بات پر یقینی آئی تھی مگر وہ بات اس کے ذہن سے کبھی تو نہیں ہوئی۔ وہ اس کے لاشعور کا ایک حصہ تھی مگر اس کی اور وقتاً تو اس کے ذہن میں ابھرتی رہتی تھی۔

وہ ادھر کا ہر نانو کے پاس نہیں گئی۔ نانو یقیناً اب سونے کے لئے جا چکی ہوں گی۔ اگر وہ سونے کے لئے نہ گئی تھیں جب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ان موضوع پر مجھ سے اس وقت بات نہ کریں۔ بہتر ہے میں ان سے صبح ہی بات کروں۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے ہونے سونے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ کام خاصا مشکل تھا مگر وہ رات کے کسی پھر سونے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح جب وقت بیدار ہوئی تو نوحہ رہے تھے۔ آنکھیں کھولے ہی وہ چلا خیال اس کے ذہن میں آیا۔ وہ رات کو عمر کی نانو کے ساتھ ہونے والی ملاقات کے بارے میں تھا۔ ہر روز صبح بیدار ہونے کے بعد کی معمول کی ہے لکڑی یک دم نہیں غائب ہو گئی تھی۔ رات والی بے چینی اور اضطراب نے یک دم اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ناشتہ کرنے کے لئے وہ جس وقت ڈائننگ ٹیبل پر آئی، اس وقت نانو پہلے ہی وہاں موجود تھیں۔ علیہ نے

ان کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی، اسے تاکا کی ہوئی۔ تاؤنجیہ نظر آ رہی تھیں۔ وہ عام طور پر سنجیدہ ہی رہتی تھیں۔ انہوں نے بھی کئی طرح کی طرح کی باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ وہ اس وقت ان کے منہ سے یہی سننا چاہتی تھی۔

”آج میں نے تمہارے لئے کچھ لوٹ لیا ہے۔ تم کھانا کھاؤ، تمہیں پسند آئے گی۔“

”یہ کچھ اچھا لگتا ہے، یا پائلڈ ایک افراتیم۔“

وہ کم از کم آج صبح ان سے ایسی کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی اور وہ اس سے وہی باتیں کر رہی تھیں۔

وہ اپنے اعصاب پر قابو رکھنے ان کی بات سننے سے ہونے لگا۔ وہ خطرہ سمجھ رہی تھی۔ وہ ابھی خود بات شروع کر چکی تھی۔ تاؤ نے ایسا نہیں کیا جب اس کا صبر جواب دے گیا تو اس نے سلاخی کو سامنے پڑی پیش کر رکھتے ہوئے تاؤ سے کہا۔

”آپ نے عمر سے بات کی۔“

تاؤ نے چائے پیئے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر کپ پرچ میں رکھ دیا۔ وہ سانس روکے، ہلکی چپکائے بغیر ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ان کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کی منتظر رہی۔

”وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ عمر اتنا بڑا شوک انکار کرے گا نہ ہی یہ توقع تھی کہ تاؤ اس شوک انکار کو اسی طرح سمجھ لے گی۔ بغیر اس کے سامنے پیش کر دی گئی۔

”کیوں؟“ زندگی میں بھی ایک لفظ بولنے کے لئے اسے اتنی جدوجہد نہیں کرنی پڑی تھی، جتنی اس وقت کرنی پڑی۔

تاؤ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اب اس کا میں کیا جواب دوں؟

”کیا عمر سے آپ نے یہ نہیں پوچھا؟“

”پوچھا تھا۔“

”بھری؟“

”اس کے پاس بہت سی وجوہات ہیں۔“

”شوق؟“

”وہ خاندان میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

”یہ تو کوئی وجہ نہیں۔“ اس نے بے یقینی سے تاؤ کو دیکھا۔ ”کیا صرف اس بنا پر وہ مجھے رد کر رہا ہے کہ میں اس کی کزن ہوں؟ میں صرف اس کی کزن ہی تو نہیں ہوں۔“

”میں نے اس سے کہا تھا یہ تمہارا ہے کہ اگر اس بات کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تب بھی تم سے شادی نہ کرنے کے لئے اس کے پاس بہت سی وجوہات ہیں۔“ تاؤ نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں کیا ہو گا اس نے یہی کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔“ علیزہ نے رنجیدگی سے تاؤ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”یا یہ کیا ہو گا کہ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔“

وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔

”تاؤ! میں اس کا انتظار کر رہی ہوں، وہی سال میں، نہیں سال، ساری زندگی۔“

تاؤ خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔

”اور میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گا کبھی نہ کبھی تو اسے شادی کرنا ہی پڑے گی۔“

وہ ساری زندگی اکیلا تو نہیں رہ سکتا مگر اس طرح کی بات کیوں کرتا ہے وہ؟ ”اس کے بچے میں اب بے چارگی تھی۔“

”آپ بتائیں یہ کیا کہا ہے اسے؟“

”نہیں۔“ اس نے حیرانی سے تاؤ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ان کے منہ سے نکلنے والا لفظ دہرایا۔

”اس نے یہ نہیں کہا؟“

”تو پھر اس نے یہ کیا ہو گا کہ میں اس کو ناپسند کرتی ہوں اور اس کی ہر بات پر اعتراض کرتی ہوں اس لئے اسے لگا ہو گا کہ ایسا کوئی رشتہ دیر پا بات نہیں ہو سکتا اس نے یہی نہیں کہا ہے نا آپ سے؟“

تاؤ نے ایک لمحہ کے لئے اس کا چہرہ دیکھا۔ علیزہ کو محسوس ہوا، وہ وہ بات کرتے ہوئے کچھ حائل تھیں۔

”اس نے مجھ سے ایسا کچھ نہیں کہا کہ وہ ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔“ تاؤ نے چند لمحوں کے بعد بات

شروع کی اب پھر کبھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ ”وہ کہیں“ وہ خود بھی شادی کے بارے میں سوچ رہا ہے اور وہ کہہ رہا

تھا کہ ایک دو سال تک وہ شادی کر لے گا۔“

علیزہ نے نیل پر روکے اپنے ہاتھ کو ہٹا لیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی، تاؤ اس کے ہاتھ کی لڑش دیکھیں مگر اس

وقت اس کے چہرے پر کتنے رنگ بدل رہے ہوں گے، یہ وہ جانتی تھی۔

”اس نے مجھ سے کہا کہ اسے تم میں بھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی، تم اس کے لئے ایک کزن یا دوست سے

زیادہ کچھ بھی نہیں رہی۔“ وہ دم سادہ میں ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”اس نے یہ بھی کہا کہ تم اس سے آٹھ سال چھوٹی ہو

اور تم اس کے فرائض کو سمجھ نہیں سکتیں۔“

وہ ہلکی سی جھجکاتے بغیر ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”اس کا خیال ہے کہ اس کے اور تمہارے درمیان کوئی اثر اسٹینڈنگ نہیں ہے۔ تم اس پر زور دے رہی ہو اور خواہوں میں

رہنے والی ہوں، اس کا کوئی بڑی چیز میں زیادہ Pragmatic (محکم) اپنی وجہ چاہتے جرم میں نہیں۔“

تاؤ چند لمحوں کے لئے رکیں اور پھر انہوں نے علیزہ سے نظر اٹھا کر جرات سے کہا۔

”اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ جوڑھ میں اصرار ہے۔ اس کی جوڑھ کے ساتھ اڈر اسٹینڈنگ ہے

اور اس کا خیال ہے کہ ایک دو سال میں جب وہ شادی کرے گا، تو جوڑھ سے ہی کرے گا وہ اس بات پر حیران ہو رہا

تھا کہ میں تمہارے پر پوزل کے بارے میں اس سے بات کر رہی تھی۔ اسے تو اس کی توقع ہی نہیں تھی کہ میں تمہارے

اس لئے کے بارے میں سوچوں گی۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں تمہارے کہنے پر اس سے بات کر رہی ہوں۔“

تاؤ خاموش ہو گئی، شاید اب ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے علیزہ کے

پاس پوچھنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔

آدمے گھٹنے کے بعد جب شہلا اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کارپٹ پر بیٹھی اپنے سامنے ایزل پر رکھی ایک پیٹنگ کو مکمل کرنے میں مصروف تھی۔

اس نے شہلا سے رکھی سیلہ ہائے کرنے کے بعد ایک بار پھر کیوس اسٹروک لگنے شروع کر دیے، شہلا اس سے کچھ فاصلے پر فلوکشن پر بیٹھی، غلیظہ خاموشی سے کیوس پر اسٹروک لگاتی رہی۔ اس نے شہلا سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی وہ واقعی مصروف تھی، مصروف نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی یا پھر شہلا کو تکثر انداز کرنا چاہتی تھی۔ شہلا اندازہ نہیں کر سکی، محراب کا چہرہ اتنا بے اثر تھا کہ شہلا کو اس سے بات شروع کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

اسے اپنے بھی اپنے اندازے کے علاوہ ہونے پر حیرت ہو رہی تھی۔ ٹائلو سے بات کرنے کے بعد اس کا خیال تھا کہ جب وہ غلیظہ کے پاس آئے گی تو وہ اسے روتا ہوا پائے گی اور وہ سارا راستہ بھی سوچتی ہوئی آتی تھی کہ اسے غلیظہ سے کیا کیا کہتا ہے۔ اس کے طرح کوئی دلی ہے۔

محراب اس سے اس طرح دیکھ کر اس کے سامنے غلیظہ، ساری تسلیاں غائب ہو گئی تھیں۔
 ”پیٹنگ کیسی لگ رہی ہے؟“ اس نے بہت دیر بعد کیوس پر اسٹروک لگاتے لگاتے ایک دم ہاتھ روک کر شہلا سے پوچھا۔

”کیوس تم پیٹنگ کو دیکھ نہیں رہی؟“
 ”نہیں۔ میں یہاں پیٹنگ کو دیکھنے نہیں آئی۔“ غلیظہ اسٹروک لگاتے لگاتے سرکرائی۔
 ”تم یقیناً یہاں مجھے دیکھنے کے لئے آئی ہو، پھر کیا مجھے یہ پوچھنا چاہیے کہ میں کیسی لگ رہی ہوں؟“ وہ جیسے ماقبض اڑاتے ہوئے بولی۔

اس کی سرکراہٹ اب غائب ہو گئی تھی مگر وہ اب بھی کیوس کی طرف ہی متوجہ تھی۔ شہلا نے ایک مگر اس اس لیا کم از کم اس کی خاموشی ختم ہو گئی تھی۔
 ”میں تم کو دیکھنے نہیں آئی تم سے باتیں کرنے آئی ہوں۔“

”میں چیز کے بارے میں؟“ اس کے لیے میں سر دھری تھی۔ شہلا کچھ بول نہیں سکی۔
 ”اوہ! ایسا! پھر بے انکار پر کچھ تہمید کرنا چاہتی ہو؟“ وہ اس طرح کیوس پر اسٹروک لگاتے ہوئے بولی۔
 ”یہ پھر شاید تم سے پوچھنا چاہتی ہو کہ رننگنگن کے بعد میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔ بہت اچھا محسوس کر رہی ہوں۔ ایسی اوقات کا چاہل جانے کے بعد بندہ جتنا بے چارہ محسوس کر سکتا ہے۔ میں بھی ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔“
 وہ ہاتھ روک کر شہلا کی طرف دیکھتے ہوئے سرکرائی۔ ”وہ کیسی بے گناہ۔“ وہ رک کر کچھ یاد کرنے لگی۔
 ”ہاں یاد آیا۔“

Since i gave up hope i feel much better.

تو میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔
 وہ ہینٹ پر کھڑا اور دمگ بناتے لگی۔

”میں نے پہلے ہی تمہیں یہ سب کچھ بتا دیا تھا، اس تکلیف سے بچانا چاہتی تھی تمہیں۔“ شہلا نے نرم آواز

”میں نے تمہیں پہلے ہی ان سب باتوں کے بارے میں خبردار کیا تھا۔“ ٹائلو کا لہجہ بہت نرم تھا۔ شاید وہ طبعی کی جذباتی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔ ”محراب ان سب باتوں کو بھول جاؤ جو ہو گیا اسے جانے دو عمر میں ایسے کون سے سرخاب پر لگے ہوتے ہیں اور پھر تمہارے لئے میرے پاس عمر سے بہتر پر پوزر ہیں۔“ انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس نے رونا شروع نہیں کیا تھا حالانکہ انہیں توقع تھی کہ وہ ان کی باتیں سننے کے بعد..... لیکن وہ خاموشی تھی ٹائلو کی باتوں کا جیسے وہ شاکو تھی۔

وہ شاکو نہیں تھی، اسے صرف یقین نہیں آ رہا تھا کہ کمر کے بارے میں اس سے اندازے کی اتنی بڑی غلطی ہو سکتی ہے..... یاد ضرورت سے زیادہ یقینی تھی یا پھر خوش گمانی کی حدوں کو چھو رہی تھی جو بھی تھا، اس وقت اسے یونہی محسوس ہو رہا تھا، جیسے شدید سردی کے موسم میں کسی نے اسے گرم کمرے سے نکال کر رخ پانی میں پھینک دیا ہو۔
 ”Pragmatism (عملی) اور Realism (حقیقت پسند)“ اس نے اپنے کانوں سے عمر کی آواز کی جھینکے کی کوشش کی، بے یقینی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

”میں کزن اور دوست کیا میں یہ بات ان سبکی ہوں کہ اس کے علاوہ عمر نے مجھے کبھی کچھ اور سمجھا ہی نہ ہو۔“
 ”وہ ماؤف ذہن کے ساتھ تیل پر پڑی ہوئی اپنی ہینٹ کو بے درمیاں کے عالم میں دیکھتی رہی۔
 ”غلیظہ کے ساتھ میری کوئی انٹرسٹینٹ بحث نہیں ہے۔“

انٹرسٹینٹ کے علاوہ اور تھا ہی کیا جو مجھے تمہاری طرف متوجہ رہا تھا۔“ اس کی رنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔
 ”نہ اسٹ اور تاج ڈفرنس۔“ کیا غاف ہے۔ پچھلے دس سالوں میں تو ان دونوں چیزوں میں سے کسی نے ہمارے تعلق کو متاثر نہیں کیا مگر اب یہ دونوں چیزیں درمیان میں کہاں سے آ گئیں؟“
 وہ ہونٹ پیچھے تیل کو دیکھتی جا رہی تھی۔

”یہ پھر.....“ پھر یہ بس جوڈھے ہے جو کسی غلطی کی طرح تمہارے اور میرے درمیان حائل ہے اور میری حماقت ہے تھی کہ میں نے اتنے سالوں میں بھی تم دونوں کے تعلق کے بارے میں تنبیہ کی ہے سوچا بھی نہیں ورنہ شاید بہت سال پہلے..... تم میری زندگی سے نکل جیتے ہو۔ Pragmatism تم ٹھیک کہتے ہو، میں نے بھی اپنے تصورات کی دینا سے ابھر نکل کر اپنے اور تمہارے تعلق کے بارے میں غور ہی نہیں کیا تھا۔
 ”غلیظہ!“ ٹائلو نے اس کی غائب دماغی کو محسوس کر لیا تھا۔

”مجھے جانے دیا کریں۔“ اس نے انہیں دیکھتے بغیر کہا۔ ”ہاں کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں۔ وہ سلاٹس کو ایک بار پھر آگیا۔“ کی کوشش کر رہی تھی۔ سلاٹس کے گلوں کو مٹھنے سے بچنے اتانے کے لئے بھی اس قدر جدوجہد کی ضرورت آ سکتی ہے۔ اس کا اندازہ اسے پہلی بار ہوا تھا۔

نو۔ نہ جانے ہا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ سر جھکا کر کسی شین کی طرح اس نے سلاٹس ختم کیا، چائے پی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ٹائلو نے اسے روکا نہیں۔ وہ لاؤنج سے نکل گئی۔ ٹائلو نے اس کے جانے کے بعد شہلا کو فون کیا۔ انہوں نے مختصر اسے فون پر اس کے..... نے دلی گفتگو تانے کے بعد آئے کے لئے کہا۔

”دس سال پہلے میں نے عمر کے بارے میں بے غلو اندازہ لگایا ہوتا، تو آج میں اسی طرح خودکشی کی کوشش کرتی جس طرح ذوالقرنین کے ساتھ ہر ایک آپ کے بعد کی تھی۔ دس سال پہلے میں نے ذوالقرنین کے ہاتھوں جتنی جک محسوس کی تھی، آج بھی اتنی ہی کی ہے۔“

وہ بات کرتے کرتے رک کر گردن موز کرکڑی سے باہر دیکھنے لگی۔
”دوسروں پر اٹھنا کارکنے سے زیادہ تباہ کن چیز اور کوئی نہیں ہوتی۔ مجھے عمر پر کبھی اس حد تک اٹھنا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”علیحدہ تم ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہی ہو۔“ شہلانے نرمی سے اسے ٹوکا۔
”زندگی تم بہت دغدہ، بہت سے لوگوں کے لئے ہم کچھ محسوس کرتے ہیں بھر شاید کچھ توغات بھی لگا بیٹھے ہیں۔ بعض دغدہ ہر چیز دے میں ہوتی جیسے ہم چاہتے ہیں۔“ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اسے سمجھائی تھی۔
”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان خود کو Self-condemnation اور خودی کا شکار بنادے۔“
”تم بات آسانی سے مجھے صیحت کر سکتی ہو۔“ علیحدہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم میری فیلنگز کو، میری تکلیف کو محسوس کری نہیں سکتیں۔“

”علیحدہ! میں۔۔۔۔۔۔“ شہلانے کچھ کہا چاہا، علیحدہ نے نچیدگی سے اس کی بات کاٹ دی۔
”تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ ماں باپ۔۔۔۔۔۔ بہن بھائی اور جس شخص کو تم نے پسند کیا، اس سے تمہاری انجھٹ ہوگئی۔ ہر رشتہ تمہارے پاس۔“ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ”میرے پاس ان میں سے ایک بھی نہیں ہے سات سال سے میں نے باپ کی شکل نہیں دیکھی اور وہ ایک ملک میں ہے۔ چار سال سے میں اپنی ماں سے نہیں ملی، ان دونوں کی ڈائیووس اور دوسری شادی کے بعد میں اسنے سالوں میں ان سے کتنی بار ملی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ کتنا سکتی ہوں۔ پچھلے دس سال میں میرا ہر رشتہ اور تعلق عمر سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو چکا ہے۔ میرے لئے وہ میری پوری جلیبی بن چکا ہے۔ ہر رشتہ۔۔۔۔۔۔“ وہ چند لمحوں کے لئے رکی۔

”تمہیں اپنے دوستوں میں سے اگر کسی ایک رشتہ سے محروم ہونا پڑے تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی کمی پوری کرنے کے لئے دوسرے رشتے ہیں، دوسرے لوگ ہیں، میرے پاس دوسرا کوئی نہیں ہے۔“

I get omer I get everything.

I lose him I lose everything”

شہلا خاموش رہ گئی، وہ کچھ کہہ نہیں بھی سکتی تھی۔

”تم فیک کتنی ہو، ہمیں کسی اور ٹاپک پر بات کرنی چاہئے۔“ شہلانے یک دم کہتے ہوئے بات کا موضوع بدلا دیا۔

”ایسا کرتے ہیں آج کبھی آوارہ گردی کرتے ہیں سارا دن گھر نہیں جاتے۔ بس شام کو جائیں گے۔ بلکہ یوں کرو آج رات تم میرے ساتھ میرے گھر رہو یا پھر میں تمہارے ساتھ رہ لوں گی۔“ وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

علیحدہ بے اختیار دھنکی۔ ”دنیا میں لڑکیوں سے زیادہ محق اور کوئی نہیں ہوتا۔ خوش فہمی کا آغاز اور اختتام ہم پر ہی ہوتا ہے۔ ساری عمر ہم جیت کی جیسا کیوں کا انتظار کرتی رہتی ہیں تاکہ زندگی کی ریس شروع کر سکیں۔ ہمیں ہر مرد کے بارے میں خوش فہمیاں رہتی ہیں کہ وہ آئے گا، ہمیں دیکھے گا اور ہمارا ہو جائے گا، کوئی ہم سے ہمدردی کرے تو ہمیں خوش فہمی ہونے لگتی ہے۔ کوئی ہمیں سراہے تو ہمیں وہ اپنی فہمی میں قید نظر آنے لگتا ہے۔ کوئی ہمارے ساتھ وقت گزارے تو ہمارے ہوش و حواس اپنے ٹھکانے پر نہیں رہتے۔“ وہ رکی۔ ”عمر کا خیال ہے مجھ میں بچپورٹی نہیں ہے، یہ تو کسی لڑکی میں بھی نہیں ہوتی کبھی لڑکیاں بھی بچپور ہو سکتی ہیں؟“
وہ ایک بار پھر کہی۔

”میں میں بچپورٹی صرف تب آتی ہے جب ہمیں اس طرح رنجشکٹ کیا جاتا ہے۔ جیسے اب میں بچپور ہوگئی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے پیٹ پیچے رکھ دی۔

”وہ دنیا میں بیوقوفی اور حماقت کا کوئی سب سے بڑا ایوارڈ یا میڈل ہوتا تو میں اس کے لئے علیحدہ سکندر کا نام ضرور بھجواتی۔“ وہ بڑبڑائی۔ ”اور اس سال کم از کم میرے علاوہ کوئی اور اس ایوارڈ کا حقدار ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ a die-hard، شہلا خاموشی سے اسے پلٹ دیکھتی رہی۔

”عمر کا خیال ہے کہ میری اور اس کی انڈر اسٹینڈنگ میں نہیں ہے اور میں ہمیشہ یہی سمجھتی رہی کہ میری اگر کسی کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہے تو وہ عمر ہی ہے۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہاتھ بھی پیٹ میں رکھ دیا۔ ”یوے انڈر اسٹینڈنگ کس کو کہتے ہیں؟“ شہلا جانتی تھی یہ سوال نہیں تھا۔

”یہ سب میری حماقت ہے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ عمر کو اگر مجھ میں دلچسپی ہوتی تو وہ پچھلے دس سال میں کبھی تو مجھ سے اس دلچسپی کا اظہار کرتا۔“ وہ دم آواز میں بول رہی تھی۔

”زندگی میں ایسی بہت سی باتیں ہوتی ہیں، اب اس سب کو بھول جاؤ۔ اپنے آپ کو اتنا Condemn (غلامت) یا Criticize (تہقید) کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”Condemn | Criticize“ نہیں کرنا چاہئے تو کیا کرنا چاہئے۔ اپنی تعریف کرنی چاہئے۔ کہ بہت اچھا کام کیا ہے۔“ اس کی آواز میں موجود مال بہت واضح تھا۔

”کہیں باہر چلتے ہیں۔“ شہلانے یک دم بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
”ہاں، کہیں باہر چلتے ہیں۔“ شہلا کو جرت ہوئی جب وہ بلا تال تیار ہوگئی۔

”سارا دن پھرتے ہیں، کبھی آوارہ گردی کرتے ہیں اور تم مجھ سے عمر کے علاوہ ہر چیز کے بارے میں بات کر سکتی ہو، اس کے بارے میں کچھ نہ کہنا۔“ وہ کارپٹ سے اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”فیک ہے۔“ شہلا خوشی رضامند ہوئی، اسے اس کی تجویز پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔
”تمہیں ذوالقرنین یاد ہے؟“ شہلا گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی علیحدہ نے یک دم اس سے پوچھا۔

”ابھی طرح تمہیں اس وقت اس کا خیال کیسے آ گیا؟“ شہلانے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھتے ہوئے

نہ چاہے ہوئے کسی اس کے سچے میں سردہری آگئی تھی اور شاید جوڑھ نے اسے محسوس بھی کیا تھا۔
 ”کوئی بات نہیں۔ تم لوگ کچ کر دو۔ ہم دونوں کافی پیئے آئے تھے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں اور پیچے
 جہاں یہاں کافی رش ہے۔ اچھا خدا حافظ!“ عمر نے بڑی آسانی کے ساتھ باقی قسم کرتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک بار
 بھی علیزو کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی علیزو نے پوری گفتگو کے دوران ایک بار بھی عمر کے چہرے پر نظر نہیں
 ڈالی۔ اس میں اتنی بات اب نہیں رہی تھی۔ وہ صرف جوڑھ کو دیکھ رہی تھی جو ایک بہت خوبصورت سبز شلوار میں
 لیوٹن تھی۔ اس میں زیادہ جلد نہیں آئی تھی۔ صرف اس کا زیر اسٹائل اور بالوں کا بھر پور کیا تھا۔
 علیزو کو یک دم اپنی ہونٹیں بھی ختم ہوئی تھیں۔ وہ ان دونوں کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب
 تک وہ دونوں رینٹورٹ سے باہر نہیں نکل گئے۔

ویراب ان کی نیپل پر کھانا سرگردا رہا تھا مگر کھانے میں اس کی دلچسپی ختم ہوگئی تھی۔ وہ اب یہاں سے
 بھاگ جانا چاہتی تھی۔

اپنی پلیٹ میں کچھ چاول ڈال کر وہ بے دلی سے شہلا کا ساتھ دینے کے لئے کھانا کھاتی رہی۔ شہلا نے
 کھانے میں اس کی عدم دلچسپی کو محسوس کر لیا تھا مگر اس نے علیزو سے کچھ نہیں کہا اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ
 کھانا کھا رہی تھی اور اس نے کھانا چھوڑ کر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

شہلا کے کھانا ختم کرتے ہی علیزو نے اس سے کہا۔ ”میں گھر جانا چاہتی ہوں۔“

یہ جیسے ایک اعلان تھا کہ وہ اب کونسا نہیں چاہتی۔

”مگر ہم دونوں نے تو بے لگائی کھا تھا کہ ہم آج سارا دن ادر اور بھر میں گے پھر یک دم تم نے اپنا فیصلہ
 کیوں بدلا ہے؟“ شہلا نے اعتراض کیا۔

”بس میں گھر جانا چاہتی ہوں۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

وہ اپنا شلوار بیک اٹھاتے ہوئے شہلا سے پہلے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

شہلا نے بھی اصرار نہیں کیا۔ اس کے کمرے کی گیت پر شہلا نے گاڑی روک کر ہارن دیا تو علیزو نے اس کی
 طرف دیکھے بغیر کہا۔

”شہلا! اب تم جاؤ۔ میں کچھ وقت اکیسے رہنا چاہتی ہوں۔“

”مگر علیزو! میں۔“ شہلا نے کچھ کی کوشش کی۔ علیزو نے زری سے اس کی بات کاٹ دی۔
 ”ہیلو۔ کچھ دیر کے لیے مجھے واقعی اکیلا رہنے دو۔۔۔۔۔ میں اس وقت تمہاری کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں
 چاہتی، تم میرے ساتھ رہو گی تو میں ڈسٹرب رہوں گی۔“

چوکیدار نے گیت کھول دیا۔ شہلا چپ چاپ اسے گاڑی سے اترے اور جاتے دیکھتی رہی، اس نے گیت
 کے اندر جانے سے پہلے مگر ایک بار شہلا کو دیکھا اور ہلکے سے مسکرائی اس کے بعد وہ اندر عائب ہوگئی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ اسی آجیب کی گرفت میں رہی۔ ہر چیز اپنی اہمیت کو بھانپتی تھی۔ وہ دن اور رات کے کسی بھی

علیزو نے کچھ بھی کہنے کی بجائے صرف اسے دیکھا۔

”ہاں ٹھیک ہے، آج کا دن اچھا گزار رہی ہوں باہری۔“ وہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

علیزو کو مطمئن کرنے کی اس کی ساری کوششیں اس وقت بری طرح ناکام رہیں جب وہ دونوں ایک
 رینٹورٹ میں جا کر بیٹھیں۔ شہلا نے ویز کو آڈر رٹ کر دیا اور ویز کو گئے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے جب شہلا
 نے عمر کو جوڑھ کے ساتھ رینٹورٹ میں آتے دیکھا۔ وہ دونوں اس وقت جیکل پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ لکسی جیکر پر
 تھی کہ اندر آنے والے ہر شخص کی پہلی نظر ان پر پڑتی۔ نہ صرف شہلا نے عمر کو دیکھا تھا بلکہ عمر کی بھی اندر داخل
 ہونے ہی ان پر نظر پڑی تھی وہ صدمہ کھینچ گیا تھا۔

شہلا نے علیزو کو دیکھا۔ وہ بھی عمر اور جوڑھ کو دیکھ چکی تھی۔ شہلا کا خیال تھا عمران دونوں کی طرف نہیں
 آئے گا لیکن اس کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی۔

عمر جوڑھ سے کچھ کہہ رہا تھا پھر شہلا اور علیزو نے جوڑھ کو بھی اپنی جیکل کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے
 دیکھا۔ علیزو نے ان دونوں سے نفرتیں جٹائیں۔

”یہاں!“ عمر نے قریب آ کر کہا علیزو نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ شہلا اپنی کرسی سے کھڑی ہوگئی تھی۔

”یہو علیزو!“ اس بار علیزو نے جوڑھ آواز سنئی۔ وہ بھی اپنی سیٹ سے کھڑی ہوگئی۔

اس نے جوڑھ کی طرف بڑھنا مگر جوڑھ نے اس کا ہاتھ قھانے کی بجائے اسی پرانی بے تکلیف اور
 گرم جوشی کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کے دونوں گالوں کو خیر خدائی اعزاز میں چڑا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ علیزو ہی ہے، خوبصورت تو یہ پہلے ہی تھی مگر اب۔۔۔۔۔ کیوں عمر؟“

وہ علیزو کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بڑی بے تکلفی کے ساتھ عمر سے پوچھ رہی تھی۔ علیزو کا دل
 چاہا وہ اپنے کندھوں سے اس کے ہاتھوں کو جھٹک دے۔

عمر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

”بہت سالوں کے بعد دیکھا ہے میں نے تمہیں علیزو! اسکتے سالوں بعد، کچھ یاد ہے تمہیں؟“

علیزو نے مسکرائے کی کوشش کی، وہ جانتی تھی یہ بہت مشکل کام تھا۔

”نہیں۔“ اس نے یک لفظی جواب دیا۔ اپنی آواز اسے بے حد کھوکھلی تھی، صرف چہرے ہی عین
 آواز ہی کسی انسان کی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہیں۔

جوڑھ اب شہلا سے پہلو ہائے میں مسرور تھی۔

”تم لوگ یہاں کچھ کے لئے آئے ہو؟“ عمر نے پوچھا۔

”ہاں۔“ شہلا نے کہا۔

”اسکھنے کچھ لیتے ہیں۔“ اس بار جوڑھ نے کہا۔

”نہیں۔ ہم لوگ اکیلے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔“

"اچھے ہیں۔" وہ جتنا مختصر جواب دے سکتی تھی اس نے دیا۔ نانوں نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔
 "تو پھر کبھی پریشان نظریوں آ رہی ہو؟ وہاں بھی تم بہت چپ چاپ تھیں۔"
 "کچھ نہیں آپ کو یوں ہی محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے انہیں ہالنے کی کوشش کی۔ نانو کچھ دیر خاموش رہیں۔
 "میں جنید کے گھر والوں کو تمہاری رضامندی دے دوں؟" انہوں نے کچھ دیر کے بعد پوچھا۔
 "جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے ہنسنے لگے انداز میں کہا۔

"وہ لوگ فوری شادی نہیں چاہتے، ایک یا دو سال تک شادی چاہتے ہیں۔ جنید کو چند کمرے کے لیے ملگا پورا جانا ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد کوئی بڑی رہائش گاہ، وہاں کوئی بڑی دیکھت ہے اس کا۔" وہ اسے بتاتے لگیں۔
 "اچھی! وہ چاہتے ہیں کہ انجینٹ ہو جائے۔" وہ خالی لڑائی کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔
 "میں نے عینیت سے بات کی تھی۔" وہ بہت خوش ہے، تمہاری انجینٹ کے لیے آنا چاہتی ہے۔ اس کی فائز کا ہا چل جائے تو ہم لوگ انجینٹ کی ڈیوٹ لے کر لیں گے۔" نانوا اپنی روم میں اسے بتاتی جا رہی تھیں وہ ڈنڈی طور پر کہیں اور بیٹھتی ہوئی تھی۔

"شمینہ جانتی ہے کہ خاصا دھرم دھام ہے تمہاری انجینٹ، وہ پوری فیملی آ رہی ہے اس کی۔"
 "میں جاؤں نانو؟" وہ ایک دم کمزری ہو گئی۔ نانوا سے گھڑا ہونے لگا کچھ خاموش ہو گئیں۔
 "نیک ہے تم جلی جاؤ۔" وہ انہیں شب بخیر کہتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی۔
 اگلے دو تین ہفتے اس کے لیے بہت مبرا آزمائش ثابت ہوئے۔ شمینہ اپنی فیملی کے ساتھ اس کی انجینٹ میں شرکت کے لیے پاکستان آئی تھیں۔

وہ بڑے جوش و خروش سے آتے ہی اس کی انجینٹ کی چار یوں میں گم گئی تھیں، ہر روز علیزو کو ساتھ لے کر وہ کمریس کی خاک چھانے لگی کمزری ہوتی۔
 انہیں علیزو کے روپے سے بالکل ہی احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے یا کسی چیز کی وجہ سے پریشان ہے اور علیزو کو اس بات پر حیرت نہیں ہوئی۔ وہ اس کی ماں تھیں مگر اتنے سال ایک دوسرے سے کٹ کر رہنے کے بعد ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ اس کے چہرے پر ہنسنے والے ہر رنگ کو پہچان سکیں عبت تھا۔

اپنے سوتیلے بہن بھائی کی خوشی رشتوں سے زیادہ مہمان نگ رہے تھے نہ صرف وہ بلکہ شمینہ بھی اور علیزو اپنی پوری کوشش کر رہی تھی کہ وہ مہمانوں سے اچھے طریقے سے پیش آئے۔
 منگنی والی شام سچ پر جنید کے ساتھ بیٹھنے اس نے کچھ مائلے پر مرکوز دیکھا تھا اس کے چہرے پر موجود معنوی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ عمر بہت خوش باش نظر آ رہا تھا حرکت اور زندہ دل، وہ سچ کی طرف ہی آ رہا تھا۔
 فوٹو گرافس وقت مختلف رشتہ داروں کے ساتھ ان دونوں کی تصویروں بنا رہا تھا۔ عمر سچ پر آنے کے بعد عید کا

جنید کی طرف گیا۔ جنید چاندی کمرے سے نکلے بائی لوگوں کا تحفہ جنید سے ہاری باری کر دیا تھا چند کزنز کے سوا۔
 علیزو کو حیرت ہوئی عمر اور جنید کو ایک دوسرے سے تعارف کی ضرورت نہیں پڑی، کیا عمر جنید سے واقف تھا؟
 "مبارک ہو علیزو۔!" اس نے علیزو کے سامنے کھڑے ہو کر اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کے پیادہ چلتے

جنوں کو دیکھتی رہی۔ اس نے ان جنوں کو دیکھتے ہوئے ہی اس کا شر بہا دیا کیا تھا۔

وہ کچھ دیر جنید کے ساتھ باہیں کار با پھر علیزو نے اسے سچے سے اترتے دیکھا۔

اس کے بعد علیزو نے اسے ہال میں ایک جگہ پر مختلف لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف دیکھا، وہ ایک لمبے کے لیے بھی اس پر سے اپنی نظر ادا ردھیاں نہیں بنا سکی، جنید ایک دم پس منظر میں چلا گیا تھا بلکہ وہ شاید کبھی جنس منظر میں آیا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

رات دس بجے کے قریب وہ سب واپس آئے تھے۔ شہلا، علیزو کے ساتھ تھی اور اسے رات دس بجے کے ساتھ رکنا تھا۔
 پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے سارے انگو اپنی فیملی کے ساتھ وہاں موجود تھے، اس کے کزنز میں سے کچھ منگنی کی تقریب میں شرکت کے بعد ہوئے تھے ہی واپس چلے گئے تھے مگر ابھی بھی کافی کزنز وہیں تھے جنہیں اگلے دن واپس جانا تھا۔

ایک لمبے عرصے کے بعد لاؤنج میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان غرغور گپ شپ ہو رہی تھی۔
 وہ بھی کپڑے تبدیل کرنے کے بعد کافی دیر اپنی کزنز کے ساتھ گفتگو کرتی رہی مگر وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس نے غرغور کی وہیں موجود دیکھا تھا اور اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ قریب کے فوراً بعد واپس کیوں نہیں گیا۔
 شہلا کچھ دیر اس کے ساتھ باہیں کرتی رہی مگر وہ دونوں لائٹ بند کر کے سوتے لیٹ گئیں مگر ہنس پر لپٹے علیزو کی آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی تھی۔ ناٹ بلب کی بجلی کی روشنی میں وہ ہجرت کو دیکھتے ہوئے پچھلے کچھ گفتگوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کے لیے سب کچھ ایک بھیاک خواب کی طرح تھا، جواب شروع ہوا تھا اور شاید کسی قسم نہیں ہونے والا تھا۔

وہ لائٹ چلائے بغیر اپنے بیڈ سے اُٹھ اٹھی، شہلا گہری نیند میں تھی۔ علیزو جانتی تھی کہ وہ ایک بار سونے کے بعد اپنی معمولی سی حرکت پر نہیں جا سکے گی۔

اپنے کمرے کے دروازہ کھول کر وہ باہر کمرے میں نکل آئی۔ لاؤنج سے ابھی بھی باتوں کی آواز آ رہی تھیں۔
 قہیں۔ قہیں۔ وہ سب ابھی بھی وہاں موجود تھے۔ وہ لاؤنج میں جانے کے بجائے گھر کے پچھلے حصے کی طرف آئی اور دروازہ کھول کر قہیں لان میں نکل آئی۔

باہر عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ دور دوری دیوار کے پاس گلی لائٹس اگرچہ تاریکی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھیں، ان بڑی حد تک تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، تاریکی، خاموشی اور تنہائی اسے اس وقت ان ہی چیزوں کی ضرورت تھی۔

پچھلے لان میں اترنے کے بجائے وہ دراصل کی چیزوں میں سب سے اوپر والی بیڑی پر بیٹھ گئی۔ باپاں ہاتھ اپنی گود میں رکھتے ہوئے اس نے واپس ہاتھ مارنے کے فرش پر رکھ دیا۔ فرش کی خشک اسے پوروں کے ذریعے اپنے

”گڑو..... گڑو۔“

وہ لطف سانے کے بعد علیزوہ کو دیکھتا جواب بھی پورے انہماک اور تنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھ رہی ہوتی۔
”مجھے نہیں ایا تا؟“ وہ بڑی ہمدردی سے پوچھتا۔ وہ دیکھیں چھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہتی۔ انکار اور اقرار دونوں مشکل تھے۔

”آپ آسان جو کس سٹاپ کریں۔“

”مثلاً... ہاں ایسے والے ایک بچہ ہاں سے کہتا ہے۔“ ”مئی آج مجھے بچہ نے ایک ایسے کام کے لیے برا دی جو میں نے کبھی ای نہیں۔“ اس جراتی سے کہتی ہے۔

”کون سا کام؟“

”ہوم ورک۔“ ”بچہ مرے سے کہتا ہے۔“

وہ کندھے سے اچکا تا ہوا لطف خم کرتا۔ علیزوہ جینے لگتی۔ وہ بے اختیار گہرا سانس لیتے ہوئے کہتا۔

”وہ جو آپ میرے جوگ ستانے سے پہلے بنی ہیں نا، وہی ٹھیک ہے۔ کم از کم مجھے یہ مطمئن نا ہو گا کہ تمہاری حس مزاج اچھی ہے۔“ وہ مصروفی انداز سے منگلی اسے ڈانٹتا۔

وہاں بیٹھے بیٹھے علیزوہ کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا، چاروں طرف چھائی تاریکی ایک ایسا مہندہ بن گئی تھی جس کے اندر اسے اپنی اور عمر کی آوازوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی ”اور شاید آج ہم آخری بار یہاں این مین جیوں پر ایک دوسرے کے استے قریب بیٹھے ہیں۔“

اس نے دل گرفتگی کے عالم میں سوچا۔

”تم آج بہت اچھی لگ رہی تھیں۔“ عمر نے یک دم خاموشی کو توڑا۔

”تمہارے ملاوہ ہر ایک کو۔“ اس نے سوچا۔

”جینید بہت خوش قسمت ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

”اور میں بہت خوش قسمت ہوں۔“ اس کے جواب اس کے اندر کو بخیر تھے۔

علیزوہ کی مستحق خاموشی شاید اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے خود بھی خاموش ہو گیا۔

”آپ واپس نہیں گئے؟“ علیزوہ نے اچانک اس سے پوچھا۔

”میں جانا چاہ رہا تھا۔“ گرینی نے روک لیا۔ سب فیملی ممبرز اکٹھے ہوئے تھے اس لیے۔ ”وہ مدغم آواز میں تانے لگا۔

”ابھی بھی سب اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ صرف میں باہر آیا ہوں۔ کچھ دیر واک کرنا چاہ رہا تھا۔“ جنہیں دیکھا ڈوھر آ گیا۔“

وہ اب لائزر سے ہونٹوں میں دبا ہوا ایک سگریٹ جلا رہا تھا۔ چند لمحے چلتے رہنے والے شعلے میں علیزوہ نے اس کا چہرہ دیکھا پھر شعلہ بجھ گیا۔

بیچے نے ایک نظر کینچے پر ڈالی اور پھر بڑے آرام سے کہا۔

”آپ اس کینچے کے دو ٹکڑے کریں۔ ایک آپ کاٹیں، ایک میں کھاؤں گا۔“
سانیکلو جسٹ اس کے مطالعے پر گڑبڑا گیا۔

”دیکھا میں نے بتایا ہے تاکہ بہت فضول ضد میں کرتا ہے۔“ باپ نے کہا۔

سانیکلو جسٹ نے باپ کو قتل دی اور ایک چاقو کے ساتھ کینچے کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنے

منہ میں ڈال لیا اور اس نے بیچے سے کہا۔ ”تم آپ کا ٹکڑا کھاؤ۔“

بیچے نے سانیکلو جسٹ کا چہرہ دیکھا اور کہا۔

”آپ نے میرا ٹکڑا کھا لیا۔“

علیزوہ کو بے اختیار گھٹن آئی ”یہ کیا جوک تھا۔ وہ بچہ اور سانیکلو جسٹ دونوں پاگل تھے۔ کینچہ کیسے کھا سکتے ہیں؟“ وہ ہنسنے کے بجائے جھرجھری لے کر پوچھتی۔

”جوک تھا بھی۔“ حقیقت تو یہی تھی۔ ”وہ اسے یاد دلاتا۔

”مگر پھر بھی کینچے۔“ اسے ایک بار پھر جھرجھری آئی۔

”اچھا..... اچھا چلا، میں جنہیں ایک اور جوک سنا ہوں۔“ وہ جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہتا ”ایک جرنلسٹ ایک مینٹل ہاسپٹل میں گیا وہاں دو مختلف وارڈز میں پھر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو بہت خاموشی سے ہاتھ میں اخبار لیے کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے بہت شاندار قسم کا سوٹ پہنا ہوا تھا، جرنلسٹ اس کے پاس گیا اور جراتی سے پوچھا۔

”کیا آپ پاگل ہیں؟“

اس نے اخبار سے نظر اٹھا کر بڑی تنجیدگی سے کہا۔ ”نہیں۔“

”تو پھر آپ کو یہاں کیوں رکھا ہے؟“ جرنلسٹ نے پوچھا۔

”کیونکہ میں نے ایک کتاب لکھی تھی دو ہزار صفحات کی۔“

جرنلسٹ کو شدید حیرت ہوئی اس نے پوچھا۔ ”آپ نے کس چیز کے بارے میں کتاب لکھی تھی؟“

”گھوڑوں کے بارے میں۔“ اس نے بڑی تنجیدگی سے بتایا۔

جرنلسٹ غصے کے عالم میں ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس سے کہا۔ ”آپ نے بے سوچے سمجھے ایک ڈین آدی کو پکڑ کر یہاں بند کر دیا جس نے گھوڑوں پر دو ہزار صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے۔“

ڈاکٹر نے بڑے سکون سے اس کی بات سنی اور کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس شخص نے گھوڑوں پر واقعی دو ہزار صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے مگر اس کی کتاب کے دو ہزار صفحات پر صرف ایک ہی بات ہے۔“

”وہ کیا؟“ جرنلسٹ نے کچھ تجسس کے عالم میں پوچھا۔ ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لی اور کہا

کو بھی اس کا احساس ہی نہیں ہوا۔ میں یقین نہیں کر سکتی، کبھی یقین نہیں کر سکتی۔“

وہ اب اس کے کندھے کو کھینچنے سے بکڑے ہوئے کھنڈی ہی تھی۔

”میں نے تم سے کبھی کوئی وعدہ نہیں کیا۔ کیا کبھی میں نے تم سے کچھ کہا؟“ اس نے پرسکون انداز میں پوچھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے کچھ بھی نہیں کہہ سکی۔

”تم اسے بانو یا نہ مانو مگر حقیقت یہی ہے کہ میں نے کبھی تمہارے بارے میں اس طرح سے سوچا ہی نہیں۔“ وہ بہت بڑی سے اپنے کندھے کو اس کے ہاتھ کی گرفت سے چھڑا رہا تھا۔ وہ کیلے چہرے کے ساتھ اندھیرے میں اس کے چہرے کے نقش کو کھینچ رہی تھی۔

”اگر مجھے تم میں کوئی دلچسپی ہوئی تو میں اسے سالوں میں ضرور بتا دیتا۔ اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب ایک ہی ہے اور وہی ہے جو تم سمجھنا نہیں چاہو ہیں۔“

عمر کے بچے کی غصہ لک اور سرد مہری نے اسے عمر سے مزید برکت نہیں کیا۔ اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹانے سے کبھی وہ دل برداشتہ نہیں ہوئی۔

”تم بہت اچھی ہو لیکن مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔“ وہ بہت صاف اور واضح لفظوں میں کہہ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی اسے کیا ہوا۔ وہ اندر نہیں بھاگی۔ وہ عمر پر نہیں چلائی۔ وہ نئے بچوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو پکڑ کر اس کے کندھے سے سرٹکائے بچوں کی طرح جھک کر رونے لگی۔

”مجھے یہ مت کہو۔ تمہیں پتا ہے اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہے مجھے۔“

عمر اب بالکل ساکت تھا ابلیس جیسے وہ چکر کا کئی نمبر ہو۔

”میرے ساتھ وہ سب حکومت کر جو دارالقرین میں ہے کیا تم دنیا کے آخری آدمی ہو گے جس سے میں یہ توقع کروں گی کہ وہ مجھ سے یہ کہے گا اسے مجھ سے محبت نہیں ہے۔“ وہ اسی طرح روتی رہی۔

”میں کبھی جیلید کے ساتھ وفادار نہیں ہو سکتی۔ میں کبھی کسی کے ساتھ وفادار نہیں ہو سکتی۔ تم کیوں نہیں سمجھتے، ہم دونوں بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں، ہم دونوں اب بھی اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو۔۔۔ اگر تم چاہو تو۔۔۔“

”اور میں ایسا نہیں چاہتا۔“ اس کی پرسکون آواز میں کوئی اضطراب تھا نہ ارتعاش۔۔۔ وہ اب بھی اپنی بات پر اسی طرح اڑا ہوا تھا۔ اس کے بازو پر علیزہ کی گرفت اور سخت ہو گئی۔

”تم کیوں نہیں چاہتے۔؟ تم کیوں نہیں چاہتے؟“ وہ اس کے بازو سے ہاتھ لٹکانے بچوں کی طرح بے تحاشہ روتی تھی۔ عمر نے بازو پر اس کے آنسوؤں کی لمبی کھمبوں کیا۔

”مجھے آج نہیں کہا انا چاہے تھا۔“ عمر بڑبڑایا۔ ”میں نے یہاں آ کر غلط کیا۔“

علیہ نے اس کے کندھے پر کٹا سر اٹھا کر اندھیرے میں جھنڈی آنکھوں کے ساتھ اسے تلاش کرنے کی کوشش کی اور بہت سالوں کے بعد پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنی زندگی کے دس سال ایک غلط شخص

عمر نے لائٹر واپس جیب میں نہیں رکھا۔ وہ اسے ایک بار بھر جلا رہا تھا۔ اس بار وہ لائٹر جلا علیزہ کے ہاتھ کے پاس لے گیا۔ لائٹر سے اٹھنے والے شعلے کی روشنی میں علیزہ کے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگلی جھٹکانے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر اس کے ہاتھ میں سوچا اور کھینچی کہ وہ لائٹر بند کر دیا۔ وہ اب اپنے بائیں ہاتھ سے سرگرمی سے کوہنوں سے نکال رہا تھا۔ سرگرمی کا خفا سا شطاب اس کے کوہنوں سے انگوٹھوں میں منتقل ہو چکا تھا۔ علیزہ اندھیرے میں ہونے والی اس حرکت کو دیکھ کر رہی۔

”تم نے مجھ سے کوئی گفت نہیں مانگا؟“ کچھ دیر بعد اس نے مدھم آواز میں کہا۔ علیزہ کو اپنے حلقے میں آنسوؤں کا چندا لگتا ہوا محسوس ہوا۔

”گفت؟ جو کچھ تم مجھ سے لے چکے ہو۔ اس کے بعد پوری دنیا اٹھا کر میرے سامنے رکھ دینے پر بھی خوش نہیں ہو سکتی۔“ اس کے اندر ایک اور سرگرمی ہوئی تھی۔

”تم مجھ سے بات نہیں کرو گی؟“ وہ بہت نرم آواز میں پوچھ رہا تھا۔ ”تمہاری ناراضی ختم نہیں ہو گی؟“ وہ ساکت رہ گئی، وہ دس ناراضی کی بات کر رہا تھا کیا وہ جانتا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہے اور اگر وہ یہ جانتا تھا تو پھر کیا اس کی ناراضی کی وجہ سے بھی واقف تھا پھر بھی وہ ایک سبک آفتی بے نیاز دیوکار تھا۔

”اندھیرے میں بیٹھ کر رونے کی عادت چھوڑ دو علیزہ۔“ اس کی نرم آواز اسے ایک چابک کی طرح لگی تھی۔ ساری دنیا میں وہی ایک شخص تھا جو تاریکی میں بھی اسے پہچان سکتا تھا جو اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالے بغیر بھی اس کی ساری کیفیات سے باخبر تھا۔ اس نے خود کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔

”میرے ساتھ یہ کیوں کیا آپ نے؟“ وہ یک دم بٹ پڑی۔ ”آپ نے میری پوری زندگی تباہ کر دی۔ آپ نے مجھے میرے قدموں پر کھڑے رہنے کے قابل نہیں سمجھا۔“ وہ بچوں کی طرح جھک رہی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ مجھے اپنی زندگی سے اس طرح باہر نکال کر پھینک سکتے ہیں۔“ وہ بالکل خاموش تھا۔

”جوڑتھ۔ آپ کس طرح اسے اپنی زندگی میں لائے ہیں، کس طرح اسے میری جگہ دے سکتے ہیں۔“

”کیا اس سب باتوں کا کوئی فائدہ ہے؟“ اس کی آواز اب بھی اتنی ہی مدھم تھی۔

”کیوں فائدہ نہیں۔ کیوں فائدہ نہیں ہے؟“ اس نے بلند آواز میں کہا۔

”آپ کو پتا ہے آپ نے کس طرح میری ذات کی لٹی کی ہے۔۔۔ کس طرح Crippled (بے بسی) کر دیا ہے مجھے؟“

”علیہ۔“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر وہ بولتی رہی۔

”دس سال میں آپ کو ایک بار بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میں آپ کے لیے عالم فٹنگ نہیں کر سکتی۔ میں آپ کی گزند میں سے ایک اور گزند نہیں ہوں۔ میں آپ کی فریڈ ز میں سے ایک اور فریڈ نہیں ہوں۔

to me you always meant so much to me. آپ نے مجھی ایسا سوچا ہی نہیں آپ

”کیوں کر مٹی اعلیٰ و پہلے سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوگی۔“

اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس دور پھینک دیا۔ شے کا گلاس کراہٹ پر گرا لیکن ٹوٹا نہیں۔ اسے وہاں موجود ہر چیز سے الجھن ہو رہی تھی۔

”میں بہت کوشش کروں تو بھی میں اپنے اندر تمہارے لئے کوئی خاص قسم کے جذبات دریافت کرنے میں ناکام ہو جاتا ہوں اور ایسا متعدد بار ہوا ہے تو کیا میں یہ نہ سمجھوں کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔“

علیہ کو نیند آنے لگی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو پوچھل ہوتے ہوئے محسوس کیا۔

”دس سال میں کبھی ایسا ہوا کہ میں نے تم سے اظہار محبت کیا ہو.....؟ میں نے نہیں کیا..... اگر دینا میں محبت نام کا کوئی جراثیم موجود ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس سے میرا دل اور دماغ کبھی متاثر نہیں ہوا۔“

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ ڈریسنگ روم کا دروازہ بند کر کے بیڈ روم میں آ گئی۔

”مرد اور عورت کے درمیان ہر رشتہ محبت کا رشتہ نہیں ہوتا..... چاہو تو بھی نہیں بن سکتا..... جیسے تمہارا اور میرا رشتہ..... اپنے اور میرے رشتے کو اگر تم نے اتنے سالوں میں کبھی غیر جانبداری سے نہیں دیکھا تو یہ تمہاری غلطی ہے..... میں کسی Comedy of errors (حادثت) کا حصہ نہیں بن سکتا..... وہ بیڈ روم کی کھڑکیوں کی طرف بڑھ گئی..... وہ پردے کھینچ رہی تھی جب اس نے دروازے کی سڑکیوں میں اسی جگہ ایک بیوے کو براجمان پایا جہاں وہ کچھ دیر پہلے موجود تھی..... سگریٹ کا شعلہ ابھی نظر آیا تھا..... اس نے ہاتھ روکے بغیر پردہ برابر کر دیا..... ہیولہ اوجھل ہو گیا۔

”تم نے اپنے آپ کو خود برباد کیا ہے..... جنید کے ساتھ متعلق تمہارا مسئلہ ہے..... میں کھائی کو سونچ چکا ہوں سمجھ کر اس میں جھانج لگانے کا عادی نہیں ہوں..... Total disaster (مکمل غلاب)..... لیکن وہ میں..... کبھی..... نہیں..... ہوں..... گا..... نہ آج..... نہ آئندہ کبھی..... وہ بیڈ پر لیٹ چکی تھی..... آوازیں..... بیٹے اور لفظ آج میں بے رہنمائی سے گونڈ ہو رہے تھے..... اسے بے تحاشا نیند آ رہی تھی، اس نے نیکے پسر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔



باب ۴۷

”علیہ! جنید کا فون ہے، وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔“ وہ ناشہ کرنے کے لیے لاؤنج میں داخل ہو رہی تھی جب ٹائونے اس کو مخاطب کیا۔ وہ فون کا ریسپور ہاتھ میں تھا۔ ہوتے نہیں۔

علیہ ایک لمحہ کے لیے ٹھہکی اور پھر ان کی طرف بڑھ آئی۔ صوف پر بیٹھ کر اس نے ٹائونے کے ہاتھ سے ریسپور لے لیا۔ وہ حیران تھی، جنید عام طور پر اس وقت فون نہیں کیا کرتا تھا۔

”ہیلو! اس نے ریسپور تھامتے ہوئے ہاتھ میں کیا کہا۔

”کیسی ہو علیہ؟“ دوسری طرح سے وہی نرم پچکاری ہوئی آواز سنائی دی جس کی اب وہ کچھ عادی ہو گئی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔ آپ نے اس وقت فون کیسے کیا؟“

”مجھیں حیرانی ہو رہی ہے۔“ جنید نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

”کسی حد تک۔“

”مجھیں لگے بے جا چادر ہوا۔“ اس نے کسی تہذیب کے بغیر کہا۔

”آپ رات کو مجھے بتا دیتے جب آپ نے مجھے کال کی تھی۔“

”اس وقت مجھے جانچیں رہا فون بند کر دیا، جب یاد آیا پھر میں نے سوچا کہ دوبارہ کال کرنا ٹھیک نہیں۔ میں

مج کرلوں گا اسی لیے نہیں اب کال کر رہا ہوں۔“ جنید نے بتایا۔

وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ ”تمہارا لہجہ آدرا کب شروع ہو رہا ہے؟“ اسے خاموش پا کر جنید نے پوچھا۔

”ایک بچہ۔“ علیہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے پھر میں اُس سے سارے بار بچے لکھتا ہوں۔ آدھے گھنٹہ میں تمہارے آفس پیچھے جاؤں

گا۔“ جنید نے گرامر ملے کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لہجہ آدرا شروع ہوتے ہی باہر آ جانا۔ ہم کسی قریبی ریسٹورنٹ میں لہجہ

کر لیں گے پھر میں تمہیں واپس ڈراپ کر دوں گا۔“

”مگر آج تو میں لہجہ کرنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔“ علیہ نے کہا۔

مسکرائی۔

”آپ آج بہت اچھے موڈ میں ہیں۔“

”میں ہمیشہ اچھے موڈ میں ہوتا ہوں۔“ عینہ نے بڑھکی سے کہا۔

”کیوں آج کچھ غیر معمولی طور پر اچھے موڈ میں ہیں۔“

”اس کی واحد وجہ صبح آپ سے گفتگو بھی تو ہو سکتی ہے۔“

فوری طور پر عینہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا جواب دے۔ وہ مسکراتے ہوئے خاموش رہی۔

”بہر حال اتنا وقت دینے کے لیے شکر ہے۔ میں کارڈ کا انتظار کر رہا ہوں۔“ عینہ نے خدا کا تھکے ہوئے

کہا۔ عینہ نے فون رکھ دیا۔

”نانو پلیئر، ناشی جلدی لگوا دیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

عینہ نے ریسوردر کھینے ہی بلند آواز میں نانو سے کہا جو اس وقت کچن میں جا چکی تھیں۔

وہ عینہ کی آواز سن کر کچن سے باہر اکل آئیں۔

”مرغے ناشی تیار کر چکا ہے، بس چند منٹوں میں ٹیبل پر لگا دے گا۔“ تم آج واپس کب آؤ گی؟“

”آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“ عینہ کو حیرت ہوئی، وہ عام طور پر یہ سوال نہیں کرتی تھیں۔

”مسز رحمانی نے آج ذر دیا ہے۔ کچھ دن دھم میں تمہاری وجہ سے نہیں جا سکی اور وہ بہت ناراض ہوئیں اور

اس بار تو انہوں نے خاص طور پر تاکید کی ہے۔“ نانو نے اپنی کلب کی ایک ساتھی کا نام لینے ہوئے کہا۔

”نانو! میں تو آج بھی خاص دیر سے ہی آؤں گی۔ مجھے آج ایک دو فکشنز کی کورج کے لیے جانا ہے۔

آپ پلیئر اکٹھی چلی جائیں۔“ عینہ نے فوراً مسدود کرتے ہوئے کہا۔

”مسز رحمانی نے صرف مجھے انویٹ نہیں کیا، تمہیں بھی کیا ہے۔“ نانو نے اسے بتایا۔

”میں جانتی ہوں لیکن میں کیا کر سکتی ہوں۔ آپ کو پتا ہے میں آج کل بہت مصروف ہوں۔“ عینہ نے

وضاحت کی۔

”یہ ساری مصروفیت تم نے خود پائی ہیں۔ میں نے کہا تھا دوبارہ اخبار جوائن کرنے کو۔ بہتر نہیں تھا کہ

میں رائجیں۔ کلب میں آئیں جا تیں۔“ نانو نے اسے ڈانٹنے ہوئے کہا۔

عینہ خاناساں کو ٹیبل پر ناشی رکھ دیکر بچکی تھی۔ وہ صوفے اٹھ کر ڈائنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

آفس بیسٹ کی طرح تھا۔ وہ اپنے کیمپن کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی سیز پر چھوٹے موٹے بہت سے فوس

رکھے ہوئے تھے۔ اپنا ٹیک ایک طرف رکھ کر وہ برق رفتاری سے ان فوس کو دیکھنے لگی۔ چند سرکلز تھے سٹاف کے

لیے۔ کچھ آج کے دن کے حوالے سے دیابت اور چند دوسرے نوز بچہ ڈاکٹر کی ٹنگ جواس کو پیسے گئے تھے۔

”تم نے بہت دیر کر دی۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“ مالا اس کے کیمپن میں داخل ہوئی۔

”کیوں؟“

”آج خاصا مصروف دن گزرے گا آفس میں۔ شاید ایک دو فکشنز کو کرنے کے لیے بھی جانا پڑے تو

لچ آؤر تو نکل ہی جائے گا۔“ اس نے مسدود ٹوکانہ انداز میں کہا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر عینہ نے کہا۔

”تمہیں یقین ہے کہ تم کسی طرح بھی کچھ وقت نہیں نکال سکتیں؟“

”اگر مجھے یقین نہیں ہوتا تو میں آپ سے بھی نہیں کہتی۔“ عینہ نے کہا۔ ”ہم کسی اور دن لچ کر لینے ہیں۔“

اس نے فوری طور پر ایک تبادل مل پیش کیا۔

”فیک ہے۔ کسی اور دن لچ کر لینے ہیں۔ آپ جانتے تھے کہ آپ کس دن دستیاب ہوں گی۔“

عینہ اس کی بات پر مسکرائی۔ وہ اسے اپنی وقت بھنا تھا جب وہ خاصے خوشگوار موڈ میں ہوتا تھا۔

”کل چلتے ہیں۔“ عینہ نے اپنی کھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

”کل.....؟ ایک منٹ میں ذرا اپنا شیڈول دیکھ لو۔“ عینہ نے کل کے کل نہیں سکوں گا۔“

عینہ نے اسے بڑبڑاتے سا پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔ چند منٹوں کے بعد عینہ کی آواز دوبارہ آئی۔

”کل ممکن نہیں ہوگا عینہ.....! پرسوں چلتے ہیں۔ پرسوں میرے پاس خاصا وقت ہوگا۔“

”فیک ہے پھر پرسوں ہی چلتے ہیں..... آپ سے میں نے ایک کام کہا تھا۔ آپ کو یاد ہے۔“ عینہ کو

بات کرتے کرتے اچانک یاد آیا۔

”نہ صرف یاد ہے بلکہ میں پہلے ہی آپ کا کام کر چکا ہوں..... دو دن میں، میں نے وہ نقشہ مکمل کر لیا تھا۔

اب میں نے اپنے ایک اسٹنٹ کو اسے دیا ہے تاکہ ایک دفعہ دوبارہ وہ دیکھ لے۔ مجھے امید ہے آج ناکل

وہ کام کر دے گا۔ پھر میں تمہیں سارے سچے زنجیروں گا۔“

”مجھے شکر یہ ادا کرنا چاہیے؟“ عینہ نے خوشگوار انداز میں کہا۔

”یقیناً..... اس میں تو پوچھ پچال کوئی بات ہی نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے عینہ نے بڑی بخوبی کے کہا

”بلکہ بہتر ہے تم مجھے شکر یہ کہ ایک کارڈ بھجوا دو۔ فارمائی اچھی ہوتی ہے۔ اس سے میرے جیسے بندے کو کتنی اوقات کا

پتا چننا رہتا ہے۔“ وہ اسی بخوبی کے کہتا تھا۔

عینہ نے افسانہ لکھی۔ ”ایک کارڈ فیکر رہے گا؟“ اس نے بظاہر بخوبی کے ساتھ عینہ سے پوچھا۔

”ہاں فیکر رہے گا۔“ گزارشہ ہو جائے گا۔ عینہ کی بخوبی کے میں کوئی فرق نہیں آیا۔

”اچھا میں بھجوا دوں گی..... اور بہت زیادہ شکر یہ۔“

”کیا مجھے My pleasure کہنا چاہیے؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

”ویل..... کہنے میں کوئی حرج نہیں۔“ اس نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اسی بخوبی کے ساتھ کہا۔

”My pleasure“ عینہ نے اس کی بات سننے کے بعد بڑی بخوبی کے کہا۔ وہ بے اختیار

”صبح اس سے اسی کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ میں نے شمریے ادا کیا تو اس نے کہا۔ بہتر ہے میں کارڈ بھیج دوں۔۔۔۔۔ میں نے کہا ٹھیک ہے بھگوا دوں گی۔ اب یہاں آکر میں اتنی معروف ہوئی کہ مجھے پاؤنٹس رہا اور وہ شاید ابھی کاٹھ چاہ رہا ہے۔“

”تو تم باہر تو جا رہی رہے ہیں۔ تم رستے سے کارڈ لو اور کیریئرس روٹ کے ذریعے بھجوا دو۔“ آفس کے ہیرونی روزانے سے نکلے ہوئے صالحہ نے کہا۔

”ہاں۔۔۔ میں بھی بیکلی سوچ رہی ہوں کہ راستے سے کارڈ لے کر پوسٹ کر دوں۔“ علیزوہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ایک کارڈ سنٹر سے کارڈ لے کر اس نے کوریئرس روٹ کے ذریعے جنید کے آفس بھجوا دیا اور خود وہ صالحہ کے ساتھ اس کنٹینر میں چلی گئی جو انہیں کور کرنا تھا۔

فلکسز اور ایک فرائی کور کرنے کے بعد وہ صالحہ کو اس کے گھر ڈراپ کر کے جس وقت گھر آئی اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ ناٹو گھر میں موجود نہیں تھی۔ علیزوہ انہیں گھر پر نہ پا کر مطمئن ہوئی۔ ان کی عدم موجودگی کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس کا انتظار کیے بغیر سڑک پر چلی گئی تھیں۔

”میں کھانا کھا دوں؟“ مریم بابا نے اسے اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے دیکھ کر کہا۔

”نہیں۔۔۔ میں کھانا باہر سے کھا کر آئی ہوں۔“ علیزوہ نے انکار کر دیا۔

”بیکم صلیب تائیکر کر کے گئی ہیں کہ آپ کھانا ضرور کھائیں۔“ خانا ماں نے کہا۔

”میں جانتی ہوں مریم بابا! لیکن میں کھانا کھا کر آئی ہوں، اب دوبارہ تو میں کھا سکتی۔۔۔۔۔ آپ ناٹو کو کہہ دیجئے گا کہ میں نے کھالیا۔“ اس نے فرخواریہ اعجاز میں کہا۔

”جنید صاحب نے پھل بھجوا دیئے تھے آپ کے لیے۔ میں نے آپ کے کمرے میں رکھ دیئے ہیں۔“ وہ مریم بابا کی اطلاع پر فرخواریہ جیت کا ٹھکانہ ہوئی۔

”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ خانا ماں سے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

بیڈ روم کی لائٹ آن کر دی فریڈیک نیبل پر پڑے ہوئے سرخ ٹکڑیوں کے ایک بوکے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر دلی۔ وہ بیڈ اور فرڈر بیڈ پر اچھالے ہوئے فریڈیک نیبل کی طرف چلی آئی۔ فریڈیک نیبل کے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے اس نے پھلوں کو اٹھالیا۔ اس کی طرف سے پھینکا جانے والا یہ پھل بوکے میں تھا۔ وہ اکثر اسے اسی طرح حیران کیا کرتا تھا۔ اس نے سکرانے ہوئے بوکے پر لگا ہوا چھوٹا سا کارڈ کھول لیا۔

”Always at your disposal“ (ہیش آپ کے لیے حاضر)

”Junaid Ibrahim“

بلکی سی سکرانہ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے پھل بوکے سے

”تین دفعہ آئی ہوں تمہاری تلاش میں۔“ صالحہ نے کہا۔

”ہاں۔۔۔ آج مجھے کچھ ضرورت سے زیادہ دیر ہو گئی۔“ علیزوہ نے معذرت خواہانہ سکرانہ کے ساتھ کہا۔

”کتے بچے کھانا ہے یہاں سے؟“

وہ صالحہ کے ساتھ ہی ان مویشی ایکٹیویز کی کوریج کے لیے نکلا کرتی تھی۔

”وہ تو بارہ بجے ہی نکلیں گے۔۔۔۔۔ میں جنہیں یہ آرٹیکل دکھانا چاہ رہی تھی۔“ صالحہ نے چند ہیپز اس کی نیل پر رکھ دیئے۔

”اس وقت ضروری ہے؟ میں دراصل یہ سارے ہیپز دیکھنا چاہ رہی ہوں۔ کیا یہ کل کے نیوز ہیپ کے لیے جارہا ہے؟“ علیزوہ نے اس کے آرٹیکل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔۔۔ کل کے نیوز ہیپ کے لیے تو میں جا رہا مگر شاید برسوں چلا جائے۔ میں چاہتی تھی تم اس کو دیکھ لو۔ ساڑھ نوے تو اس کو کچھ مختصر کرنے کے لیے کہا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے مگر مزید ایڈیٹنگ کرنے سے اس کا اور آل تاثر خراب ہو جائے گا۔“ اس نے ایڈیٹر کا نام لیتے ہوئے کہا۔

”پھر تو اسے گھر بھی لے جا سکتی ہوں، کل تمہیں دے دوں گی۔“ آج مجھے ذرا یہ کام نبھانے دو۔“ علیزوہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ کل دے دینا۔۔۔۔۔ محررات کو رجب کر کے مجھے تا ضرور دینا کہ تم نے اسے پڑھ لیا ہے۔“ صالحہ نے اس کے کہیں سے نکلے ہوئے کہا۔

علیزوہ نے اس کے آرٹیکل کو اپنے فولڈر میں رکھ لیا اور دوبارہ اپنی میز پر پڑے ہوئے کاغذات دیکھنے لگی۔

میکارو بچے تک وہ اسی طرح کام کرتی رہی۔ چند بار وہ آفس کے دوسرے حصوں اور ایڈیٹر کے پاس بھی گئی۔ بارہ بجے وہ اور صالحہ آفس سے نکلے گی تیار کر رہے تھے جب اس کے موبائل پر میسج آنے لگا۔

”Still Waiting for the Card“ (کارڈ کے لیے انتظار کر رہا ہوں)

وہ سچ پڑھ کر بے اختیار سکرانی اس کے ذہن سے جنید کے ساتھ صبح ہوئے دلی گفتگو اور کارڈ کا غائب ہو چکا تھا۔

”جنید کا میسج ہے؟“ صالحہ نے اسے موبائل کا پیغام پڑھ کر سکرانے دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں!“ علیزوہ نے سر ہلایا۔ صالحہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے گردن آگے بڑھا کر اس کے موبائل پر نظر ڈالی۔

”یہ کون سے کارڈ کا انتظار ہو رہا ہے؟“ صالحہ نے سکرانے ہوئے کچھ تجسس آمیز انداز میں کہا۔ ”اس کی برآمد ڈے ہے؟“

”نہیں۔۔۔ برآمد ڈے نہیں ہے۔“ علیزوہ نے موبائل بیک میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ شیٹ ہے جو ویلنٹیئر ہوم شروع کیا ہے اس کا نقشہ میں نے جنید سے بنوایا تھا، اس نے کچھ جانچ کر بغیر ہی کام کر دیا جبکہ شیٹ صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ نہایت کم چارج کرے۔“

علیزوہ نے اپنی ایک کوئیگ کا نام لیتے ہوئے کہا۔

نکال کر ڈرینگ ٹیبل پر رکھے ہوئے کرٹل کے گھردان میں لگا دیے۔ ایک لمبی مٹنی والے گلاب کو چھوڑ کر اس نے سارے گلاب گھردان میں پھاردیے۔

پھر اس واحد گلاب کو لے کر اپنے بیڈ پر آگئی اور اسے بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے گلاس میں رکھ دیا۔ جب سے کچھ پانی اس نے اس گلاس میں ڈالا اور پھر اسے دیکھنے لگی۔

اس نے ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس چھوٹے سے کارڈ کو کھول کر دیکھا، جسے اس نے پھولوں سے الگ کر لیا تھا۔

☆☆☆

عمر کے ساتھ اس رات ہونے والی تبدیلیز و تکتکو کے بعد اگلے کئی دن وہ بری طرح ذہنی اختصار کا شکار رہی تھی۔ اس رات سونے کے لیے نیند کی گولیاں لینے کے بعد وہ اگلا سارا دن سوئی رہی تھی اور سپر سہرے کے قریب جس وقت وہ بیدار ہوئی۔ اس وقت گھر میں شہلا، اس کی امی اور تانہ کو علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔

”حد کر دی علیزوہ تم تو، سارے گھر سے گھوڑے بچ کر سو گئیں۔“ اس کے بیدار ہوتے ہی شہلا نے کہا۔ وہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی کہی اور اس نے علیزوہ کو بیڈ پر آگئیں کھولے دیکھ لیا تھا۔

علیزوہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”جسٹیں اغا زادہ ہے کیا وقت ہو رہا ہے؟“ شہلا نے اس کو خاموش دیکھ کر اس کی توجہ کھاک کی طرف مبذول کرواتے ہوئے کہا۔

علیزوہ نے بے تاثر چہرے کے ساتھ دوبارہ لگی ہوئی گھڑی پر نظر دوڑائی۔ وہاں پانچ بج رہے تھے، اسے حیرت نہیں ہوئی۔ وہ پہلے ہی اغا زادہ کو کہتی تھی کہ وہ بہت دیر سے سو رہی تھی۔

”تم مجھے اغا زستیں۔“ اس نے اپنے کھلے ہوئے بالوں میں کلب لگاتے ہوئے کہا۔

”میں نے ایک بار کوشش کی تھی مگر تم آتی مہری نیند میں جس کمرے میں تم جھپکا نا مناسب نہیں سمجھا۔“ شہلا نے گھڑی کے پردے کھینچے ہوئے کہا۔ ”سب لوگ تم سے لے بغیر ہی چلے گئے۔ میں خود بھی صرف اس لیے رکی ہوئی ہوں کہ تم آگے جاؤ پھر جاؤں۔۔۔۔۔ اور تم ذرا اپنی شکل دیکھو۔ کیا طبع بنایا ہوا ہے۔۔۔۔۔ تمہیں دیکھ کر بری طرح سوئی ہوئی ہیں اور سرخ بھی ہیں۔۔۔۔۔ تم روئی رہی ہو؟“ شہلا کو بات کرتے کرتے اچانک خیال آیا۔

”میں کس لیے روؤں گی؟“ وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے سرد آواز میں بولی۔

”تو پھر تہجاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔ شاید زیادہ ڈرینگ سونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے،“ شہلا نے کہتے

کہتے اچانک بات بدل دی۔

”چند دنے دوبارہ گلاب کیا ہے۔“ وہ ڈرینگ روم میں داخل ہوتے ہوئے رک گئی۔

”کیوں؟“

”کیوں۔۔۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔۔۔ ظاہر ہے۔ تم سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا۔“ شہلا نے کہا۔ ”میں نے

اسے بتا دیا کہ تم ابھی سو رہی ہو، وہ بعد میں فون کر لے۔“

”میں بعد میں بھی اس سے بات نہیں کروں گی۔“ شہلا نے جراتی سے اسے دیکھا۔ اس کے لہجے میں کوئی غیر معمولی چیز تھی۔

”کیا مطلب؟“

علیزوہ اس کے سوال کا جواب دینے بغیر ڈرینگ روم میں داخل ہو گئی۔ شہلا اس کے پیچھے آئی۔ وہ وارڈ روم کھولے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

”مجھے لگتا ہے۔ تم ابھی بھی نیند میں ہو۔“ شہلا نے کہا۔

”جسٹیں ٹھیک لگتا ہے، میں واقعی نیند میں ہوں۔۔۔۔۔ شاید کو، میں۔“ وہ کپڑے نکالتے ہوئے بڑبڑائی۔

”تم جلد سے بات کرنا نہیں چاہتیں؟“ شہلا نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”نہیں۔“ کسی وقت کے بغیر جواب آیا۔

”کیوں؟“

”فی الحال تو میں اس کیوں کا جواب نہیں جانتی، جب جان جاؤں گی تو جسٹیں بتا دوں گی۔“ علیزوہ نے وارڈ روم بند کرتے ہوئے کہا۔

”جہیز کا اب فون آئے تو کیا کہوں؟“

”وہی جو میں نے کہا ہے۔۔۔۔۔ بتا دینا کہ میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ وہ مجھے فون نہ کرے۔“ وہ اپنے کپڑے بچرے نکال رہی تھی۔

”اس کی امی نے بھی فون کیا تھا۔ وہ بھی تم سے بات کرنا چاہتی تھیں۔“ شہلا نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

”میں اس کی امی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تم انہیں بھی بتا دو۔“ اس کے لہجے میں ابھی بھی وہی پہلے والی ردیہری تھی۔

”تم کچھ تو ہو؟“

”بالکل ٹھیک ہوں۔“

”رات کو تو تم نے جہیز سے بات کی تھی۔ اس وقت تم نے اعتراض نہیں کیا۔“

”علی کی تھی اب نہیں کروں گی۔“

”تم جا کر تہاڑ پھر تم سے بات کروں گی اس وقت تم عقل سے پیدل ہو۔“ شہلا نے ڈرینگ روم سے نکلتے دے کہا۔

وہ آدھ مھند کے بعد بیڈ روم میں آئی تھی۔

”تہاڑا موزا خواب کیوں ہے؟“ وہ ڈرینگ ٹیبل کے سامنے آ کر بالوں کو برش کرنے لگی تو شہلا نے اس

سے کہا۔

”جہیں غلطی ہو رہی ہے۔ میرا موز خراب نہیں ہے۔“ علیزہ نے ہاتھوں میں برش کرتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا۔

”مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی میں بے وقف نہیں ہوں۔“ شہلا نے تدریج سے فکری سے کہا۔

”میرے علاوہ کوئی بے وقف ہو سکی کیسے سکا ہے۔“ علیزہ اس کی بات کے جواب میں بڑبڑائی۔

”میںہ اتنا اچھا بندہ ہے۔ میں اس سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔“ شہلا نے اس کی بات پر کوئی رد عمل ظاہر کیے بغیر کہا۔ ”سب کو بہت اچھا لگا ہے سب تعریف کر رہے تھے۔“

”مجھے اس کی خوبیوں اور اچھائیوں میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یقیناً اتنا ہی اچھا ہے وہ جتنا تم کہہ رہی ہو۔“ علیزہ نے آہستہ میں دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔

”تو پھر اس سے فکری کی وجہ کیا ہے؟“

”میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔“

”پھر تم اس سے بات کرنے سے انکار کیوں کر رہی ہو؟“

”یہ میں نہیں جانتی۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ شہلا نے کچھ ہنساتے ہوئے کہا۔

”بس میں اس سے بات کرنا نہیں چاہتی۔“

”یہی تو پوچھ رہی ہوں..... کیوں؟“

”یہ ضروری نہیں ہے ہر شخص کے پاس ہر سوال کا جواب ہو۔“

”یہ اتنا مشکل سوال نہیں ہے جس کے جواب میں جہیں دقت پیش آئے۔“ شہلا بحث کرنے کے موڈ میں تھی۔

”میں اس سے کیا بات کروں؟“ علیزہ نے ان کا ہنر برش ڈرینگ ٹیبل پر پھینچے ہوئے شہلا کی طرف مڑ کر کہا۔

”کیا ڈسکس کروں اس سے؟“

شہلا جراتی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ”اس کا شہلے ادا کرنے کے لیے اس سے بات کروں یا پھر اظہار محبت کرنے کے لیے کر لیتے ہو؟“ علیزہ نے اس سے محبت ہو گئی ہے اور آپ جیسا آدمی میں نے پہلے زندگی میں نہیں دیکھا نہ ہی آپ سے پہلے میں نے کسی سے۔“ وہ بات کرتے کرتے ان کا ہنر رک گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

شہلا نے اسے مڑ کر ایک بار پھر ہنر برش اٹھاتے ہوئے دیکھا۔

”تمہارے ساتھ جو کہ ہوا، اس میں جینہ کی طور پر بھی قصور وار نہیں ہے۔“

علیزہ نے اس کی بات کا ردی۔ ”میں نے اسے قصور وار نہیں سمجھا۔“

”تمہارے رویے سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔“

”شہلا! میں جینہ کو کوئی سزا دے رہی ہوں نہ ہی میں اسے قصور وار سمجھ رہی ہوں۔ میں بس اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔“ کچھ عرصہ کے لیے جب تک جب تک میں جی طور پر اس کے اور اپنے تعلق کو تسلیم نہیں کر لیتی۔ مجھے کچھ دقت چاہیے کسی کی یادوں سے نکلنے کے لیے نہیں۔ صرف اس بچہ ستارے سے نکلنے کے لیے جس کا میں شکار ہوں۔“ وہ بات کرتے کرتے سمجھے ہوئے انداز میں ڈرینگ ٹیبل کے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

”کوئی شخص بچہ ستارے اور احساس جرم کی اس اذیت کا انداز نہیں کر سکتا جس کا میں شکار ہوں۔ اس سے بات کرنے کے لیے جس اخلاق کی جرأت کی ضرورت ہے، وہ میرے پاس نہیں ہے۔ کس سانس سے میں فون پر اس سے بات کروں۔ مجھے کتنی شرمندگی ہے یہ میں نہیں بتا سکتی اور تمہارا اصرار ہے میں اس سے بات کروں۔ میں کچھ عرصہ اس سے کیا کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی۔“ نوا کا اصرار تھا مگر کئی کئی دنوں میں نے کراہی۔ اب مجھے آزاد چھوڑ دیا جانا چاہیے۔“

شہلا کچھ کہنے کے بجائے صرف اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

☆☆☆☆

جینہ سے بات نہ کرنے یا اسے نظر انداز کرنے کا فیصلہ زیادہ در یک قائم نہیں رہا۔

مکئی کے تیسرے دن اسے کوئٹہ جانا تھا اور وہ وہاں جانے سے پہلے اپنے گھر والوں کے ساتھ ان کے ہاں آیا۔ اس کے رویے سے کسی طرح بھی اس بات کا اظہار نہیں ہوا کہ وہ علیزہ کے اس کا فون دیکھو نہ کرنے پر ناراض ہے۔ اس نے اس مسئلے میں سرے سے علیزہ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔

معمول کے خوشگوار انداز میں وہ اس کے ساتھ ٹھنکنا کرتا رہا۔ صرف واپس جانے سے پہلے اس نے لاؤنج سے باہر نکلے ہوئے علیزہ سے کہا۔

”میرے بچے خاصے لیے عرصے سے میری شادی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ خاص طور پر میری بڑی بہن کی شادی کے بعد۔ میری پہلی رواجی قسم کی فلمی سے جس طرح بڑے بچے سے بہت ساری توقعات لگائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس فلمی بیوی سے بھی خاصی توقعات وابستہ کر لی جاتی ہیں۔ شعوری طور پر یا لا شعوری طور پر۔“

وہ چند لمحے کے لیے خاموش رہا، ہاتھ لگاؤ سے نکل چکے تھے صرف وہی دلوں ابھی اندر تھے، علیزہ دم سادھے اس کی بات سن رہی۔

”میری خواہش ہے کہ آپ ان توقعات پر پورا اتریں کیونکہ توقع اس سے وابستہ کی جاتی ہے جس سے محبت ہوتی ہے یا جسے ہم اپنے بہت قریب پاتے ہیں اور آپ ہماری فلمی کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔“ وہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

”مجھے سے بات نہ کرنا تو کوئی بڑا الجھن نہیں ہے لیکن میں یہ پاؤں گا کہ آپ میری فلمی کے ساتھ رابطے میں رہیں۔ کوئی برائی نہیں ہے اگر آپ ان کے فون دیکھیں یا ان سے ٹھوڑی بہت کچھ کر لیں یا ان کی دعوت پر اہل گھر آ جائیں۔ اس سے خوشی علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا۔ آپ کو مجبور نہیں کر رہا لیکن آپ میری درخواست مان لیں گی تو مجھے اچھا لگے گا۔“

وہ اپنی بات کے اختتام پر بھی کسی سگراہٹ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ علیہ قدم نہیں ملا سکی۔

☆☆☆

بہت غیر محسوس انداز میں اس نے جینہ کے گھر آتا جانا شروع کر دیا اور اس میل جول نے آہستہ آہستہ اس کے اُس پریشان اور احساسِ جرم کو کم کرنا شروع کر دیا جس کا شکار وہ منگنی کی رات عمر سے ہونے والی گفتگو کے بعد ہوئی تھی۔ اس کا احساسِ زیاں مکمل طور پر غائب نہیں ہوا تھا مگر اس کی شدت میں کمی آنا شروع ہو گئی تھی اور اس میں بڑا پتھراسِ اہمیت کا تھا جو اسے جینہ کے گھر میں ملتی تھی۔

جینہ کی اسی تقریباً روز ہی اسے فون پر بات یاد کرتی تھیں اور جس دن ان سے گفتگو نہ ہوتی اس دن جینہ کی چھوٹی بہن سے گفتگو ہوتی۔ فون کے ساتھ اس کی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ اس کی بھرپور شایہ یہ بھی تھی کہ جینہ کی فون کے ساتھ خاص سبب گفتگو تھی، وہ جینہ سے دو سال چھوٹی تھی اور ایک سال پہلے اس کا نکاح ہوا تھا۔ شروع میں جینہ کے گھر جا کر وہ بالکل خاموش رہی مگر اپنی تھی اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ وہ وہاں کس کے ساتھ کی گفتگو کرے وہ ہر بات کا بہت مختصر جواب دیتی اور زیادہ تر اس کی کوشش کرتی رہتی کہ کسی لمبی چوڑی گفتگو میں حصہ لینے سے گریز کرے۔ وہ کسی بات پر بھی اپنی رائے نہیں دیا کرتی تھی اور اگر کہی اسے مجبور ہی کیا جاتا تو وہ اسے ہاں اور نہیں تک ہی محدود کرتی تھی۔

آہستہ آہستہ اسے اندازہ ہونے لگا کہ اس کی یہ کم ہی فہم ہوتی جا رہی تھی۔ لا شعوری طور پر، وہ جینہ کے گھر اور وہاں کے افراد میں بہت زیادہ انوالو ہونے لگی تھی۔ لا شعوری طور پر وہ اس گھر میں جا کر خود کو بہت پرسکون اور خوش پانے لگی تھی۔

لا شعوری طور پر اسے جینہ اور اس کے گھر والوں کی طرف سے کی جانے والی کارٹا کا انتظار رہنے لگا تھا۔ لا شعوری طور پر وہ اپنے گھر میں بھی جینہ اور اس کے گھر والوں کے بارے میں سوچنے لگی تھی نہ صرف یہ بلکہ ناوہ، شہلا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ گفتگو میں اکثر جینہ اور اس کے گھر والوں کے حوالے بھی آنے لگے تھے اور لا شعوری طور پر عمر اس کے ذہن سے غائب ہونا شروع ہو گیا تھا۔

منگنی کی رات ہونے والی ملاقات کے بعد اگلے ہی دن ایک عمر کے ساتھ اس کی کوئی ملاقات یا گفتگو نہیں ہوئی۔ وہ لاہور نہیں آیا۔ اگر آپا بھی تو اس نے مانوسے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ علیہ کو فون کرنا پہلے ہی بند کر چکا تھا اور ناٹو کے ساتھ فون پر بات کرتے ہوئے بھی اس نے کبھی علیہ کے ساتھ بات کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کی اور اگر وہ کرنا بھی تو علیہ اس سے بات نہ کرتی۔ اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اب دوبارہ اس سے گفتگو کر سکے۔

کئی دن تک وہ اس بات کے لیے خود کو ملاصورت کرتی رہی تھی۔ آخر کیوں اس نے عمر کے سامنے اس طرح مزگڑا کر بیکھا تھا جی؟ کیوں اس کے سامنے اسی طرح زار و زور دلا رہی تھی۔ اپنی عزت نفس کو کوڑے کے ذب میں کیوں چبک دیا تھا۔ عمر کے سامنے اپنی ہی شکست عزت کیوں خاک میں ملا دی تھی۔ آخر کیوں وہ خود پر قابو نہیں کھینے کا نام نہ رہی تھی۔ وہ سوچتی اور اس کی خدمت اور احساسِ جرم بڑھتا جاتا۔ اس کی خواہش ہوتی کہ وہ کی طرح اس رات کو کات کر اپنی زندگی سے الگ کر دے اور یہ اس کا احساسِ خدمت ہی تھا کہ وہ عمر کا سامنا کرنے یا اس سے بات

کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتی تھی۔ عمر اس کی زندگی کی سب سے تکلیف دہ یاد بن چکا تھا۔ اس نے عمر سے نفرت نہیں کی تھی مگر اس نے عمر کی وجہ سے اپنے آپ سے بہت زیادہ نفرت کی تھی۔

منگنی کے بعد کئی ماہ اس نے عمر کا ذکر نہیں سنا تھا مگر کتنا عجیبی اس کے بارے میں بالکل خاموش تھیں۔ پہلے کی طرح اس کا فون آنے پر وہ علیہ کو اس سے ہونے والی گفتگو سے مطلع نہیں کرتی تھیں اور علیہ جانتی تھی وہ ایسا جان بوجھ کر کرتی تھیں۔ وہ شعوری طور پر کوشش کرتی تھیں کہ علیہ کو عمر کو مکمل طور پر اپنے ذہن سے نکال دے مگر انہیں یہ پتا نہیں تھا کہ یہ کام عمر پہلے ہی کر چکا ہے۔ اب اگر وہ علیہ کو اس کے فون کے بارے میں بتا بھی دیتیں تو وہ اس کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں بن سکتا تھا مگر ان کا یہی خیال تھا۔

عمر جتنا گھبراس کی زندگی سے ہوا کے کی جھوٹے کی طرح بیک بچھتے میں نہیں نکلا تھا۔ وہ اس کی زندگی سے ایک تہہ خیز طوفان کی طرح گزر کر مگر اپنا تھا۔ ہر چیز کو اڑاتے اور گراتے ہوئے، ہر چیز کو لمبا میٹ کرتے ہوئے اس طوفان کے گزر جانے کے بعد لمبے کے علاوہ کچھ کچھ بھی نہیں بچا تھا اور علیہ کو اس لمبے پر دوبارہ ایک عمارت کھڑی کرنے کے لیے منگنی عزت کی پڑی تھی۔ اس کا اندازہ صرف وہ ہی کر سکتی تھی اور جو چیز اتنی جلدی اور بربادی کر کے گزری ہو اسے فراموش کر دینا مشکل نہیں ہو سکتا ہوتا ہے۔ وہ غیر محسوس طور پر انسان کے لا شعور کا حصہ بن جاتی ہے اور لا شعور سے شعور تک اس سے اس طرف چند کیڑے نکلتے ہیں اور علیہ کو خوف تھا کہ اس طوفان کے چھوڑے ہوئے نقوش دوبارہ نہ اُبھر رہے ہیں۔

جینہ سے منگنی کے ایک ہفتے کے بعد اس نے ایک اہنگش اخبار جو ان کو لیا تھا جو ملک کے چند بڑے اخبارات میں سے ایک تھا۔ یہاں کا مگر اس کے لیے ایک منفرد تجربہ تھا۔ اخبار کو جو ان کو پڑھنا پڑھنا سے فرار کی ایک کوشش تھی جسے اس نے اضافی مصروفیت میں دھنسا دیا تھا مگر اخبار جو ان کو پڑھنے کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ وہاں اس کے کرنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ بہت ہی اکیلی چیزیں اور ایسے تجربات جن کا موقع اسے پہلے نہیں ملا تھا جب وہ ایک غیر متاثرہ مصروف سیکرین کے ساتھ منسلک تھی۔

یہاں اسے پرفیشنل جرنلسٹس کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے اور ان لوگوں سے کھینچنے کا جن کے آرٹیکلز واقعی پڑھتے جاتے تھے اور پھر ان پر بڑی تعداد میں تبصرے کیے جاتے تھے۔ وہ لوگ جتنی اندر کی خبر ہوئی تھی اور حکومت کی ہر پالیسی کی تحلیل و انتقاد ان کی انہیوں پر ہوتی تھیں۔

انہیں ہر آنے اور جانے والے کی خبر ہوئی تھی جو گڑے سروے اٹھا رہے تھے یا پھر کچھ جاتے تھے اور جن سے حکومت خوفزدہ رہتی تھی۔ جن کی تنقید اور بیان کردہ تھانہ پر حکومتی اور انتظامی عہدے داران کو دھماکی ٹوٹ جادی کرنے پڑتے تھے۔

وہ اخبار کے دفتر میں اپنے کونسلروں کے درمیان ہونے والے بحث مباحثہ سنتی اور وہ ان کی معلومات اور درجہ استدلال پر رشک کرتی۔

جمہوریت کا چوتھا سونچا ہوا خیال تھا جتنے باقی تین ستون۔ اسنے خاتون کا بعض دفعہ وہ باقی تین ستون کو ہلا دیتا تھا۔

علیحدہ اخبار کے پبلشنگ مجوزے وابستہ نہیں تھی۔ وہ سوشل ایڈیٹرز پر ریگولیشن کی سختی اور مختلف تقریبات کی کوریج بھی کرتی اور ان تقریبات کو کوریج کرنے کے دوران اسے پبلشنگ کے ساتھ لوگوں کے غیر معمولی رویے پر جہت ہوتی۔

اخبار میں شائع ہونے والی ایک سرخی لوگوں کے لیے کتنی اہمیت رکھتی تھی۔ فرنیچ بیگز آؤٹ آف ہسٹری کے لیے لوگ کسی کیس کی حرکات اور کیسے کیے جانات دینے پر اتر آتے تھے۔ اخبار میں آنے والا نام ایک عام اور غیر معروف آدمی کو معروف کر دیتا تھا، مسلسل خبریں چھپتے رہنے سے کسی شخص کو جہاں لوگوں کی یادداشت سے اوجھل نہ ہونے کی سہولت دیتی تھی، وہیں انکشاف اخبار میں چھپنے والی خبر اس کلاس تک رسائی کا ذریعہ بن جاتی تھی جو دلوک یا ایلینٹ کلاس کہا جاتا ہے۔

میڈیا کی صحیح طاقت کا اندازہ اسے اس بڑے اخبار سے شکست ہونے کے بعد ہی ہوا تھا، جہاں اخبار کو اشاعت اور سرکوشش کے لیے مختلف لوگوں کے اشتہارات پر انحصار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر اخبار کی کہ ہاتھ کا مکھڑا بن سکتا تھا۔ یہ کسی کی انکلیو پر چھائی جانے والی آواز تھی، کم از کم علیحدہ کا مینی خیال تھا۔

فیکٹر اور Factual جزو کمالی ہونے کا دعویٰ کرنے والا اخبار نیو یارک ہیلوین پر اپنے لیے لاگ اور کڑے تبصروں اور جانوروں کی وجہ سے ان چند اخبارات میں شامل تھا جن کی وجہ سے حکومت ہمیشہ مشکل میں رہتی تھی اور جس میں شائع ہونے والی خبریات کے مستند ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ہوتا تھا۔

ڈپریشن اور اپنے Sense of Loss (احساس زبانی) سے نجات کی کوشش کے لیے جوان کیا جانے والا اخبار اس کے لیے ایک ایسا ذریعہ بن گیا تھا جس سے وہ دوسروں کے ڈپریشن اور Sense of Loss کو کم کرنے کے لیے کچھ کر سکتی تھی۔

چھ سات ماہ کے دوران اس نے اخبار کے سوشل ایڈیٹرز میں اپنے ڈپریشن کے لیے اپنا اشتہار پبلشنگ کر لیا تھا اور اپنے نام سے ملنے والی یہ شناخت اس کے لیے Source of Strength ثابت ہو رہی تھی۔ وہ سوشالیٹی میں بڑے جانے والے فنڈ اور تصدیق کو موجود دور کے حالات و واقعات پر لاگو کر کے نتائج اخذ کرنے اور تجربے کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اخبار کے ذریعے ملنے والے Exposure سے اسے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ پاکستان کے سوشل نیٹ ورک کی حالت اس سے کہیں زیادہ خراب ہے جتنی وہ بھی سوشالیٹی کی مختلف کتابوں میں کیے جانے والے اعداد و شمار سے جان سکتی تھی۔

بعض حالات اور جگہوں میں تو ساری عدم مساوات اور محرومیوں کی کہانی خوفناک حد تک تکلیف دہ ہے۔ Haves اور Have-nots کے درمیان حائل طبع جتنی وسعت اب اختیار کر گئی تھی، اتنی پہلے کسی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر آرٹیکل اور رپورٹ اسٹے Sordid facts سامنے لے کر آتے تھے کہ بعض دھندلے اسے اسے خبری پر جہت ہوتی جس کا شکار ایلینٹ کلاس تھی یا پھر شاید پاکستان کا ہر وہ شہری جو جائز ناجائز ذرائع سے اپنے آپ کو Establish کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تیسری دنیا اور اس سے منسلک ساری مرض پہلے اس کے کتابوں سے بڑھی تھی یا پھر فیڈر سے ہی تھیں۔ اب وہ انہیں پریکٹیکل لائف میں اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ "ترقی پانچ" ہونے کا صحیح مطلب اسے اب سمجھ میں آتا

تھا۔ جب وہ اس کا سروے کے سوشل نیٹ ورک میں حکومت کے دیے جانے والے "سرکاری" اعداد و شمار کا موازنہ "غیر سرکاری" تنظیموں کے اکٹھے کیے جانے والے اعداد و شمار کے ساتھ کرتی۔ پچھنے کے صاف پانی تک رسائی اب بھی چالیس فیصد لوگوں کی تھی۔ کئی ہزار دیہات اب بھی بجلی اور ٹیکس کے بغیر ہی تھے۔ لڑکی ریٹ کا گراف اب بھی کوئی واضح تبدیلی نہیں دکھا رہا تھا۔

Human development کے قلعے اب بھی صرف ہوا میں ہی قیر کیے جا رہے تھے۔ لوگوں کے سماجی رویے میں بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے اور ایسی صورت حال میں ایک آرٹیکل لکھنا کوئی بڑی تہنیتی نہیں لاسکتا تھا کہ کم از کم یہ اسے اپنا نقطہ نظر لوگوں تک پہنچانے میں مدد ضرور دے رہا تھا۔ یہ سوچ کر حیرت ہوئی کہ بعض دفعہ صرف دوسروں تک اپنی بات پہنچانا دینا کتنا دل کا کرتا ہے نہ صرف اپنے لیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی۔

جینیڈا کی ابھی کسی نہ کسی حد تک سوشل ورک میں انٹرویو تھیں اور علیحدہ کی ان سے اس بات میں گفتگو ہوتی رہتی۔ اس کے چند کوئیک چنڈیاں ازیں کے ساتھ خشک تھے اور ایک ویڈیو بوم کی قیر کے لیے سرگرداں تھے اور علیحدہ نے ان کے کام میں آسانی پیدا کرنے کے لیے جینیڈا کے ذریعے اس خدمات کا نقشہ بنوادیا تھا۔

جینیڈا صرف اسی کام میں اس کا مددگار نہیں رہا تھا، جھپٹے چڑھ ماہ میں وہ اور بھی بہت سے مواقع پر اس کی مدد کرتا رہا تھا۔ چاہے یہ رپورٹس اور آرٹیکلز کے لیے ریفرنسز کا معاملہ ہو یا پھر کوئی دوسری مدد۔ اس کا سوشل سرکل خاصا وسیع تھا اور اس سوشل سرکل میں ہر فنڈ کے لوگ شامل تھے۔ وہ اس کا کام خاصا آسان کر دیا کرتا تھا کہ بڑے غیر محسوس طریقے سے اور اس تعاون نے بڑے عجیب سے انداز میں دونوں کے درمیان موجود رہنے کو مضبوط کیا تھا۔ علیحدہ کو کبھی اندازہ تک نہیں تھا کہ وہ عمر کے علاوہ کسی اور شخص پر اس طرح اعتماد کرے گی مگر جینیڈا نے بڑی عمدگی کے ساتھ عمر کی جگہ لے لی تھی۔

"زندگی میں ہر چیز پر محض، فرینک ایک Replacement (تبادلہ) سمجھتا ہوتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں ایسا نہیں ہوتا وہ کبھی اس کرتے ہیں۔"

کئی بار اسے غصہ کی ہوئی بات یاد آتی اور چند لوگوں کے لیے خود کو جیسے کسی کٹہرے میں پاتی تب اس نے عمر کی بات سے اختلاف چھینا تھا۔ بہت ماضی پر

"آپ غلط سمجھتے ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی کا بھی تبادلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ مجھے متبادل کہتے ہیں وہ دراصل کم ہیز ہوتا ہے اور مذاکراتی چیز ایک شخص یا ایک جذبے کے ختم ہو جانے کے بعد کوئی دوسرا اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ ایک ہاتھ کٹ جائے تو کیا اس کی جگہ دوسرا ہاتھ لگا سکتا ہے؟" اس نے اپنی جانب سے بڑی مضبوط دلیل دینے کی کوشش کی تھی۔

"بازار سے مل جاتا ہے نقلی ہاتھ" عمر تڑپنے بغیر بولا۔

"اصلی ہاتھ کی بات کر رہی ہوں۔ کیا نقلی ہاتھ اس طرح کام کر سکتا ہے جس طرح اصلی ہاتھ۔"

"مگر کام تو کرتا ہے۔ اگر انسان کا دل خراب ہو جائے تو کسی دوسرے کا دل ٹرانسپلانٹ کر دیتے ہیں۔ کیا Replacement نہیں ہے۔ دل سے زیادہ اہم تو جسم کا کوئی دوسرا حصہ نہیں ہے اگر اس کی

Replacement ہو سکتی ہے تو ہر باتی کیا رو جاتا ہے۔

”بات اہمیت کی نہیں ہے۔ آپ کا پائنت تھا کہ ”ہر چیز“ میں آپ کو تباہی ہوں کہ ہر چیز نہیں۔“
 ”سائنس ہاتھ کو Culture کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔ جس دن یہ کوشش کامیاب ہوگی اس دن جسم کے دوسرے بہت سے حصوں کی طرح ہاتھ بھی اگلے جائیں گے۔ Replacement سائنیکل پہری پوری ہو جائے گی۔“ اس کے لیے میں ہنوز اطمینان تھا۔

چیزوں کی بات چھوڑیں۔ انسانوں کی بات کریں۔ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو کیا اس کی کپی پوری ہو سکتی ہے۔ اس کی Replacement متبادل ہو سکتا ہے؟“

”ہاںکل ہو سکتا ہے۔“

”کیسے؟“

”دوسرے شوہر سے۔“

”اور اگر پہلے شوہر سے اسے محبت ہو تو؟“

”دوسرے سے بھی ہو جائے گی۔“

”ایسا نہیں ہوتا۔“

”کم از کم جس دنیا میں میں رہتا ہوں، وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ فرض کرو، دوسرا شوہر ماری دنیا کی آسائش لاکر اس کے سامنے رکھے تو کیا پھر بھی اسے اس سے محبت نہیں ہوگی۔“

”میں آپ کو اپنی بات بھی نہیں سمجھا سکتی۔ آپ ہر بات کو اور طرح سے لیتے ہیں۔“ علیزہ نے کچھ بے بس ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کا پائنت حقیقی ہے ہی نہیں علیزہ بی بی یہ خود تم کی سائنیکل کا حصہ ہوتا ہے۔ Replacement پائبلیم indispensable people full of Graveyard ایسے لوگ جن کے بارے میں میں خوش بھی رہتی ہے کہ ان کا کوئی Replacement نہیں ہے تو کیا دنیا ان کے بغیر بھی اسی طرح نہیں چل رہی۔ چل رہی ہے کیونکہ نیچرل سائنیکل کے تحت ان کے متبادل آگے کچھ اور لوگ ان کی جگہ آگے۔ اسی کام کو کرنے کے لیے اسی لوگ کو سر انجام دینے کے لیے۔“

اس نے بڑی بے نیازی سے کندھے جھٹکتے ہوئے بات ختم کی تھی۔ علیزہ اس سے متعلق نہیں تھی مگر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

اور اب جدید کے بارے میں سوچتے ہوئے اس عمر کی وہی Replacement theory (نظریہ متبادل) یاد آئی۔ کیا واقعی ہر چیز کی Replacement ہو جاتی ہے، ہر لینک کی، ہر شخص کی؟ وہ کئی بار خود سے پوچھتی اور پھر ذہن میں گونجنے والے جواب اور آواز اسے پریشان کرنے لگتیں۔

کمرے کے دروازے پر یکدم دھک کی آواز سنائی دی۔ علیزہ چونک گئی۔ اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا سائنیکل پر گلاس میں چڑے ہوئے گلاب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دھک کی آواز دوبارہ

سنائی دیتی تھی۔

”عید صاحب کا فون ہے۔“ دروازہ کھولنے پر ملازم نے اسے اطلاع دی۔

”تم چلو، میں آتی ہوں۔“ اس نے اپنی آنکھوں کو مسختے ہوئے کہا۔

چند منٹوں کے بعد وہ لاؤنج میں فون پر پینڈے سے بات کر رہی تھی۔ دس چندہ منٹ اس سے باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ واپس اپنے بیڈ روم میں آ گئی اور جب ہی اسے اس آرٹیکل کا خیال آیا جو صالحہ نے اسے دیا تھا۔ اس نے آرٹیکل کو نکال لیا۔

اپنے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے آرٹیکل کو پڑھا شروع کیا۔ اس کے چہرے پر فکٹیں ابھرنے لگی تھیں۔ الجھن اور اضطراب۔۔۔۔۔

چند منٹوں بعد وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ یکدم بہت زور نظر آنے لگا تھا۔

ہاتھ میں پکڑا ہوا آرٹیکل اس نے سائنیکل پر رکھ دیا اور اپنی پیشانی کو مسختے لگی۔ کچھ دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اس نے سائنیکل پر رکھا ہوا موبائل اٹھالیا اور صالحہ کا نمبر ڈائل کیا۔

”ہیلو! صالحہ میں علیزہ بول رہی ہوں۔“ علیزہ نے اس کی آواز سننے ہی کہا۔

”ہاں علیزہ! وہ آرٹیکل پڑھ لیا؟“ صالحہ کو اس کی آواز سننے ہی یاد آیا۔

”ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے ہی پڑھا ہے اور میں اس کے بارے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔“ علیزہ نے کچھ بے چینی سے کہا۔

”ہاں بولو، کیا کہنا جانتی ہو، کیا تمہیں آرٹیکل پسند نہیں آیا؟“ صالحہ نے پوچھا۔

”صالحہ! تم نے یہ آرٹیکل کیوں لکھا ہے؟“ علیزہ نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”کیا مطلب کیوں لکھا ہے؟ کیا مجھے نہیں لکھنا چاہیے تھا۔“ وہ اس کے سوال پر حیران ہوئی علیزہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہنا کہ تمہیں نہیں لکھنا چاہیے تھا، میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ تم نے کیوں لکھا ہے؟“

”بھئی! کیوں لکھتے ہیں ایسے ڈکٹٹر۔ عوام تک حقائق لانے کے لیے، انہیں تصور کا اصلی رخ دکھانے کے لیے، ان لوگوں کی اصیت سے آگاہ کرنے کے لیے جو ان ہی کے لکھوں سے ان کے عکس بنے بیٹھے ہیں۔“

صالحہ نے بیسٹ کی طرح اپنی تقریر کا آواز گرا دیا۔

”مگر یہ سب کچھ سامنے لانے کے لیے الزام تراشی ضروری ہے؟“ علیزہ نے اس کی بات کو بے مری سے لٹاتے ہوئے کہا۔

”الزام تراشی کا مطلب؟ کون سی الزام تراشی؟“ صالحہ اس کے سوال پر کچھ چوکی۔

”میں تمہارے آرٹیکل کی بات کر رہی ہوں۔“ علیزہ نے کہا۔

”میرا آرٹیکل آغا فارادیک علیزہ! میرے آرٹیکل میں کون سی الزام تراشی تمہیں نظر آ رہی ہے؟“ صالحہ نے پوچھا۔

پوچھا۔

”جو کچھ تمہارے آرٹیکل میں ہے، مجھے وہ سچ نہیں لگتا۔“ علیزہ نے کہا۔

”جو کچھ میرے آرٹیکل میں ہے، وہ حقائق کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تمہیں وہ

سب جھوٹ لگا ہے اور شاید پہلی بار ہو۔“ صالحہ نے کہا۔

”تم نے اپنے آرٹیکل میں صرف الزامات لگائے ہیں، کوئی ثبوت نہیں دیا۔ اتنا غیر حیات ہو کر کچھ بھی لکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ اگلے دن یا تو اخبار کو معذرت کرنی پڑے یا پھر کورٹ میں کیس چلایا جائے۔“ علیزہ نے کہا۔

”میرے آرٹیکل میں کوئی ایک بھی ایسی چیز نہیں ہے جو جھوٹ ہو یا جس کا میرے پاس ثبوت نہ ہو مگر ہر ثبوت آرٹیکل میں نہیں دیا جاسکتا اور جہاں تک معذرت یا کیسی کا حلقہ ہے تو اس شخص میں اتنی بہت کی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ یہ دونوں کام کرے کیونکہ میرے تمام الزامات درست ہیں اور وہ انہیں کسی طور پر بھی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔“

صالحہ نے دے پر اعتماد انداز میں کہا۔

”تمہیں یہ ساری معلومات کہاں سے ملی ہیں؟“ علیزہ نے اس کی بات پر کچھ تذبذب کا شکار ہوتے ہوئے

کہا۔

”کم آن علیزہ! کم از کم تم تو ایسی بچوں جیسی باتیں نہ کرو، ہم دونوں جرلٹ ہیں اور تم جانتی ہو کہ جرلٹس کے اپنے source of information (معلومات کے ذرائع ہوتے ہیں)

۔“ اور یہ کبھی کبھار غلط معلومات اور خبریں بھی دے دیتے ہیں۔“ علیزہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے

کہا۔

”ہاں بالکل دے دیتے ہیں مگر کم از کم اس شخص کے بارے میں میرے پاس جتنی بھی معلومات ہیں وہ بڑے باوثوق ذرائع سے آئی ہیں اور وہ غلط نہیں ہیں۔ غلط ہو ہی نہیں سکتیں۔“ صالحہ نے اسی کے انداز میں اپنی بات

پر زور دیا۔

”پھر بھی صالحہ! تمہیں ایک بار پھر ان تمام الزامات کی صداقت کو پرکھ لینا چاہیے۔“ علیزہ نے اس بار

قدرے کم زور اور آواز میں کہا۔

”اس کی ضرورت ہی نہیں ہے، جب میں کہہ رہی ہوں کہ یہ باوثوق ذرائع سے آئی ہیں تو تم بائن کو کہ یہ واقعی باوثوق ذرائع سے آئی ہیں اور غلط نہیں ہو سکتیں۔“ صالحہ نے اس کی بات کاٹنے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

”مگر مجھے حیرت ہے کہ آخر تم اس آرٹیکل میں موجود الزامات پر اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ اس سے پہلے تو کسی تم نے اس طرح کی کسی آرٹیکل پر کبھی اعتراض کیا نہ ہی مجھے خبردار کرنے کی کوشش کی ہے پھر اس بار کیا

خاص بات ہے۔“

صالحہ کچھ تجسس انداز میں کہا اور پھر بات کرتے کرتے چوک سی گئی۔ ”کیا تم اس شخص کو ذاتی طور پر

جانتی ہو؟“

علیزہ اس کا ایک بے چارے سوال پر گڑبگڑا گئی۔

”نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے میں اسے ذاتی طور پر کیسے جان سکتی ہوں، میں تو صرف اس سے نہیں

خبردار کر رہی ہوں کہ تمہارے لگے گئے الزامات بہت سنگین ہیں اور اخبار میں یہ آرٹیکل شائع ہو جانے کے بعد تمہیں کسی پریشانی کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔“ علیزہ نے کہا۔

”یہ ذہین العابدین کی دی گئی معلومات پر مشتمل آرٹیکل ہے اور ذہین العابدین کی کتاب پر پیش ہے اور اس کی دی گئی انفارمیشن کم قدر authentic (مستبر) ہو سکتی ہے تم خود اندازہ لگا سکتی ہو۔“

صالحہ نے اپنے اخبار کے سب سے اچھے انٹرویو نگار جرنلٹ کا نام لینے ہوئے کہا۔

علیزہ کو دل بے اختیار دوڑ گیا۔ ”ذہین العابدین؟..... کیا وہ اس پر کام کر رہے؟“

”نی! خیال میں نہیں، مگر یہ اس کی اگلی اسائنمنٹ ہے۔“ صالحہ نے علیزہ کو آگاہ کیا۔

”مگر ذہین العابدین اس معاملے میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے، ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات پر کام کرنا تو کبھی اس کا خاصائیں رہا۔“ علیزہ نے خشک ہوتے ہوئے طعنے کا ساتھ دیا۔

”یہ تو ذہین العابدین ہی بتا سکتا ہے۔ مجھے تو سنلے سٹوڈنٹس کے ایڈیٹس کے لیے ایک آرٹیکل لکھنا تھا اور اس کے لیے مجھے انفارمیشن کی ضرورت پڑی تو کسی نے مجھے ٹیپ دی کہ ذہین العابدین کی اگلی اسائنمنٹ یہی ہوگی اور وہ یقیناً

اس بارے میں میری مدد کر سکتا ہے۔“ صالحہ نے بولی یاد دلائی ہے کہا۔ ”جب میں نے ذہین العابدین سے بات کی تو اس نے مجھے خاصی معلومات فراہم کیں۔“ صالحہ خاموش ہو گئی۔

علیزہ موبائل کان سے لگے کمرے میں رہی۔

”ہیلو علیزہ۔“ صالحہ نے اسے خاموش پا کر مخاطب کیا۔

”ہاں! میں تیں رہی ہوں۔“ وہ غائب دماغی کے عالم میں بولی۔

”کیا کسی سے ہو؟ تو اپنی بات ختم بھی کر رکھتی ہوں۔“ صالحہ نے بتایا۔ ”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ اسے اچانک تشویش ہوئی۔

”ہاں..... نہیں، سر میں کچھ درد محسوس ہو رہا تھا۔“ علیزہ کو اچانک اپنی گفتگو کی بے دہلی چپانے کا بہانہ مل گیا۔

”اچھا تو کچھ بتو چاہیں۔“ صالحہ نے کہا۔

”ہاں، مجھے کچھ تمہارا آرٹیکل یاد آگیا۔ تم نے کہا تھا کہ میں آج ہی اسے پڑھ کر تمہیں اس کے بارے میں رائے دوں۔“ علیزہ نے کہا۔

”اتنی اصرار ہی بھی نہیں تھی، تمہاری طبیعت اگر ٹھیک تھی تو تم اسے نہ پڑھیں کل پڑھا جاسکتا تھا۔ بہر حال اب تم نے پڑھ لیا ہے تو تم مجھے بتاؤ کیا اس میں کچھ بڑے ایڈیٹس کی ضرورت ہے۔“ صالحہ نے کہا۔

”اپنی رائے تو میں نے تمہیں دے دی ہے۔ مجھے الزامات کچھ زیادہ سنگین لگے لیکن اگر تمہیں یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہیں اور بعد میں ان کی وجہ سے تمہیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں ہوگا تو ٹھیک ہے تم اسے بھجا دو۔“ علیزہ نے کہا۔

”میں نے تمہیں بتایا ہے۔ اس اسائنمنٹ پر ذہین العابدین کام کرنے والا ہے اور اس کے سامنے تو میرا آرٹیکل اور اس میں شامل الزامات کچھ بھی نہیں ہیں، وہ تو جس طرح گڑے مردے اکھاڑتا ہے، تم ابھی طرح جانتی

زین العابدین اب جین الاقرابی فومر میں بلوایا جاتا تھا وہاں وہ پاکستان میں جرترزم کے حوالے سے چیئر آنے والے واقعات اور حادثات کے ساتھ ساتھ حالات بھی سناتا۔ اس کی سادھ اور نام دن بدن بگڑتا جاتا۔ ہر اس شخص اور ادارے کو خاص طور پر بدست سمجھا جاتا جس پر زین العابدین کی نظر ٹھہر جاتی۔ ہر ایک کو بات کا یقین ہوتا کہ وہ شخص اب اپنے کیریئر کی آخری نیزمی پر کھڑا زین العابدین کے ہاتھوں منہ کے تل گرنے کا شکار ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے سیاست دان زین العابدین کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔

وہ صحافت کی دنیا کا ایک ایسا "مکھڑ" بن چکا تھا جو یونوں کی سرزمین میں دھناتا پھرتا تھا۔ عمر جہانگیر جیسے چھوٹے موٹے بیورو کریٹس اس کی نظر میں بھی نہیں آتے تھے لیکن اب اگر زین العابدین نے عمر جہانگیر پر کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تو ظہیر و امادہ کر سکتی تھی کہ آنے والے دن عمر جہانگیر اور اس کے خاندان کے لیے کیا بچھ کر کے آئے والے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ آنے والے دنوں میں زین العابدین عمر جہانگیر کو گرفت چنچ نیوز بنانے والا تھا اور زین العابدین کے ساتھ وہ والی بے نسل عمر جہانگیر کے کیریئر کے خاتمے کی چیل گولی تھی۔

اسے صالحہ کے آرٹیکل میں جو موجود عمر جہانگیر پر لگنے والے قیام الزامات میں سے کسی پر یقین نہیں آیا تھا مگر صالحہ کے منہ سے یہ سن کر کہ یہ قیام مصلومات اسے زین العابدین نے پہنچائی تھیں، اسے یہ تو امادہ ہو گیا تھا کہ وہ سب کچھ جھوٹ نہیں ہو سکتا مگر اس کے بارہوہ عمر اور اپنی جیملی کے لیے پریشان تھی۔ زین العابدین بال کی کمال اتار دیا کرتا تھا۔ وہ متعلقہ شخص کے ہر رشتے دار کے بارے میں الوئی کیمن کیا کرتا تھا اور پھر بڑے دھڑلے سے ہر شخص کا کیا چٹھا اخبارات میں چیں کر دیا کرتا تھا۔ Nothing but the truth کے عنوان کے ساتھ اور وہ اپنی زندگی اور کیریئر کے اس پہلے پر اپنی جیملی کی جیملی کے کسی شخص کو اخبارات کے صفحات پر دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ چاہے وہ شخص عربی کیوں نہ ہو، چاہے وہ سب کچھ یہ کہیں نہ کر رہا ہوتا جو عمر کر رہا تھا وہ صالحہ کے آرٹیکل کو بچڑے خالی الذاتی کی کیفیت میں بھیجی رہی۔

☆☆☆

عمر جہانگیر اور زین العابدین کے جھگڑے کی ابتدا اب اور کسی طرح ہوئی تھی؟ اس کا امادہ وہ بھی کئی میمچ طرح سے نہیں لگا سکتا تھا۔

عمر کی پوسٹنگ اس وقت پاکستان کے پہلے پانچ بڑے شہروں میں سے ایک میں تھی۔ عمر اور تجربہ کے لحاظ سے وہ پولیس سروس کے سب سے جونیئر آفیسر میں شامل تھا اور ایک جونیئر آفیسر کے پاس اس شہر کا ہونا عمران کن بات تھی۔ پاکستان میں شاید یہ اپنی جہان کن بات بھی نہیں جانی جاتی تھی جہاں پوسٹلوں میں خاندانی انٹرو سونج ایک بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے اور عمر جہانگیر کے خاندان میں بیوروکریسی سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جو کسی غیر اہم پوسٹ پر ہوتا اور یہ صرف عمر پر ہی موقوف نہیں تھا، سول سروس کے زیادہ تر آفیسر بھی ایسی ہی جگہ میں ہاتھ دھو رہے تھے یقیناً یہ اپنی قدر غیر معمولی بات نہیں تھی جو زین العابدین جیسے جڑت کو عمر کی طرف متوجہ کرتی۔ اس سے پہلے زین العابدین کے ریکارڈ پر کسی نو آواز بیوروکریٹ کی چھوٹی موٹی اچھی معنائیاں شامل نہیں تھیں۔ اس نے جب بھی کسی بیوروکریٹ پر لکھا تھا وہیں اس کیس اور آفیسر کو بڑا آفیسر ہوتا تھا اور زین العابدین نے کسی بڑے سینکڑوں کی

ہو۔ "ظہیر و امادہ دوسری طرف سے صالحہ کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔
"ٹھیک ہے، پھر تم اسے مجھو اور "ظہیر و" اسے اپنے لہجے کے اضطراب کو چھپاتے ہوئے کہا۔
"تم صبح آ رہی ہو؟" صالحہ نے اس سے پوچھا۔
"کہاں؟" ظہیر و نے ایک بار مگر غائب دماغی سے کہا۔
"بھئی آؤ اس اور کہاں؟"
"ہاں، آؤ تھیں آؤ کسی کی کم یوں پوچھ رہی ہو؟" ظہیر و نے کہا۔
"نہیں، میں نے سوچا تھا یہی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو شاید تم صبح نہ آؤ۔" صالحہ نے کہا۔
"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے یہ کیسے نہ کیا، میری طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے۔" ظہیر و نے بے اختیار کہا۔
"ابھی تم نے خود مجھ سے کہا ہے۔" صالحہ نے حیرت سے کہا۔
"ہاں! اس میرے..... اپنی زیادہ طبیعت غراب نہیں ہے۔ چلو، خیر، صبح بات کریں گے۔"
وہ بات کرنے کے دوران مسلسل رتی رتی اور پھر اس نے بات ختم کرنا مناسب سمجھا، وہ نہیں جانتی تھی صالحہ اس کے اس رویے سے حیرانہ اعزازے لگنے کی کوشش کرے۔
موہاں بند کر کے اس نے بے دلی سے سائینیل پر دیکھ دیا اور ایک بار پھر اس آرٹیکل کو دیکھنے لگی۔ اس کی

زین العابدین! "وہ آرٹیکل پر نظر دوڑاتے ہوئے بڑبڑائی۔ صحافی مصلحتوں میں وہ شخص چنیدہ ورا پاکسز کھولنے میں شہرت رکھتا تھا۔ آج تک وہ جن اسٹیمس پر کام کر چکا تھا ان میں کوئی بھی اس کے فراہم کیے جانے والے خاتون کو پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ نہ ایسی کسی اسٹینٹ کے بعد اس کے اخبار کو کبھی کسی معذرت کی ضرورت پڑی تھی۔ وہ بڑے بڑے سیاسی گرائیو، فوجی جرنیلوں، صنعت کاروں اور بیوروکریٹس کے کیریئر ڈوبنے میں شہرت رکھتا تھا اس کے ذرائع معلوم نہ کون تھے یا کیا تھے یہ کوئی نہیں جانتا تھا مگر وہ اپنی جگہ پرورش میں جو کچھ نہیں کیا کرتا تھا۔ وہ خاتون کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ سچ اور کھانا کھانے خاتون۔

چونتیس سالہ زین العابدین نے اپنے اہل سالہ کیریئر میں اسے اپنی این ایس کے بہت سارے ایوارڈ جیتے تھے اور وہ صرف کئی طور پر نہیں تھی جن الاقرابی طور پر بھی جانا جاتا تھا۔ نیو یارک ٹائمز، واچمن پوسٹ، اس انٹیلیس ٹائمز اور دی ایس بیورو جیسے اخبارات پاکستان کے بارے میں شائع کی جانے والی خبروں اور پورس میں زین العابدین کے آرٹیکل اور پورس کا حوالہ دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔

چار دفعہ ہونے والے تھانہ مصلحتوں نے زین العابدین کی سادھ میں اور اضافہ کر دیا تھا، کیریئر کے شروع میں اپنی رپورٹس پر اٹھنے والے بنگا سے بعد اسے دو اخبارات پر بھی کام کیا تھا مگر جب ان کی رپورٹس پر اسے اپنی این ایس ایوارڈ جیتنے کے علاوہ بین الاقوامی اخبارات میں ان رپورٹس کی گونج سنائی دی تو ملک کے چند دوسرے بڑے اعلیٰ اخبارات نے زین العابدین کو مستقل طور پر اپنے ساتھ مل سکھ ہونے کی پیش کش کی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ زین العابدین نے ایک اخبار کی آفر قبول کر لی اور پھر گزرنے والا بہرہ ان کی سادھ کو نام کو پہلے سے بگڑتا گیا۔

وجہ سے ہی اس پر لکھا تھا پھر عمر جہانگیر کی طرح اس کی توجہ کا مرکز بنا تھا علویہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

تیسرے دن اخبار میں صالحہ کا آؤنگل چھپ چکا تھا۔

علویہ نے جب سے اس نئے جذبہ میں کام کرنا شروع کیا تھا عمر کی اپنے شہر میں کارکردگی کے حوالے سے کئی بار اخبار میں اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ شائع ہوتا رہا تھا۔ بعض دفعہ اس پر تنقید ہوتی، بعض دفعہ اسے سراہا جاتا اور بعض دفعہ اس کی سرگرمیوں کے حوالے سے معلومات ہوتیں۔

پھر ایک دم اس کے حوالے سے آنے والی خبروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے خلیع میں امن و امان کی صورت حال خراب ہوتی جا رہی تھی۔ فرقہ وارانہ کشیدگی کے حوالے سے حساس ترین شہروں میں سے ایک میں اس کی قیادت کے عرصہ کے دوران دہشت گردی کی کسی فرقہ وارانہ قتل کی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے طور پر پولیس کے کیے جانے والے اقدامات جن میں ضرورت سے زیادہ گرفتاریاں شامل تھیں وہ بھی اخبارات میں آتی تھیں۔ پھر آخر اوقات وہ پریس کانفرنس میں پولیس کی کارکردگی کے حوالے سے ستائشیاں دیتا بھی نظر آتا۔

کچھ عرصے کے بعد اس نے دھڑا دھڑا اپنے علاقے میں معطلیاں شروع کر دیں، اس کا نتیجہ امن و امان کی صورت حال میں بہتری کی صورت میں آیا مگر دوسری طرف خلیع میں، اپنے عہدہ میں اس کے لیے چاند پیکر میں اضافہ ہوتا گیا۔

پھر اچانک اپنے شہر میں ہی بڑی بڑی مہنڈی کے حوالے سے اس کا اور اس کے شہر کے ڈپٹی کمشنر کا چچا پیش پریس میں چند کالم نویسوں کے تقریبی کالموں میں سام گیا۔

اس کے شہر میں موجود بڑی بڑی مہنڈی ملک کی چند ہی مہنڈی ترین اور غلط منصوبہ بنے ہوئے بڑی مہنڈیوں میں سے ایک تھی۔ مہنڈی کو صرف دو راستے جانتے تھے اور ان دونوں راستوں پر اس قدر رش ہوتا تھا کہ ٹریفک کو گزرنے اور نکلنے میں کمی کی گنتی لگ جاتے۔ ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے وہاں ہر وقت ایک بنگالے کی حالت پر رہتی۔ خاص طور پر منجھنڈی اور امداد کے اوقات میں جب وہاں ٹرکوں اور ٹرالروں پر دوسرے شہروں سے پہل اور بڑی آتی اور ان اجناس کے خریدار مختلف دکاندار اور درجہ بندی والے وہاں آتے۔

مہنڈی میں نہ صرف ٹریفک کا نظام بہت برا تھا بلکہ ٹریفک کے لحاظ سے بھی اس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ وہاں سے گزرنے والے دکانداروں سے پانی کا نالہ کی بڑی بڑی مہنڈیوں اور پھلوں اور ان کے پھولوں کے ہر وقت بھرا رہتا۔ کوڑے کی مقدار اس حد تک زیادہ ہو جاتی کہ پانی کا بہتا جیسا مشکل ہو جاتا، نتیجہ یہ تھا کہ پانی بڑی طرح مستحق ہو جاتا، مہنڈی میں کچھ دیکھ کر سہرا نہ جاتا، جو کون کا کام لگتا تھا۔

برسات کے دنوں میں صورت حال اس وقت اور بھی خراب ہو جاتی جب نالے میں یکدم پیچھے سے بہت زیادہ پانی آ جاتا اور وہ پانی گزرنے کے بجائے مہنڈی میں سیلابی رہنے کی صورت میں بھرتا رہتا، پانی کا یہ بھڑنا ماریا کئی کئی ہفتے مہنڈی میں موجود رہتا اور لوگ اسی حالت میں وہاں کا ردہا کرتے رہتے۔ کئی ہفتوں کے بعد یہ پانی اتار بھی جاتا جب بھی زمین کو خشک ہونے میں کمی کی دن لگتے۔ بعض دفعہ وہاں دباؤ میں بھی چھوٹ پڑتیں۔ مگر لوگوں کو ان

چیزوں کی زیادہ پروا نہیں تھی۔

شہر کی انتظامیہ کئی سال پہلے ہی بڑی بڑی مہنڈی کے لیے نہ صرف جگہ مخصوص کر چکی تھی بلکہ بڑے اچھے طریقے سے اس کی پانچ گنے کے بعد دکانوں کی تعمیر بھی کی تھی، اس کام میں کارڈوں اور پیسے خرچ ہوا لیکن جب انتظامیہ اور بلدیہ نے بڑی مہنڈی کوئی جگہ پر منتقل کرنے کی کوشش کی تو ایک بنگالے پر پا ہو گیا۔

نئی بڑی مہنڈی آبادی سے غاصی دور تھی جب کہ موجودہ بڑی مہنڈی شہر کے تقریباً وسط میں تھی اور شہر کے اندر ہونے کا یہ قاعدہ کوئی بھی کھولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مہنڈی کے آؤتھیں، بیو پاروں اور خریداروں نے آسان کو کچھ اس طرح سر پر اٹھایا کہ انتظامیہ نے مہنڈی کو کام کی بہت سے پیش نظر ہی جگہ پر منتقل کرنے کا کام مکمل کر دیا۔ آؤتھیں اور بیو پاروں کی وہمکیاں کوئی بھی سیاسی حکومت اور ذرائع کر سکتی تھیں کیونکہ ہر ایک کون کے دوٹوں کی ضرورت تھی اور کوئی رکن اسمبلی یا بلدیہ کا میئر یہ نہیں چاہتا تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں دوٹوں اس کے ہاتھ سے نکل جائیں۔ اس لیے جتنے شور شرابے سے ”عوام کی بہت“ کے پیش نظر اس مہنڈی کو منتقل کرنے کا منصوبہ شروع کیا گیا تھا، اتنی ہی خاموشی کے ساتھ اس منصوبے کو کام کی بہت کے لیے ترک کر دیا گیا تھا۔

نئی تعمیر شدہ مہنڈی شہر سے باہر اپنے کھیتوں کا انتظار ہی کر رہی۔ پھر برائی آنے والی انتظامیہ اور بلدیہ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ہر بار دو دودھ کے بھاگ کی طرح پیٹتے رہے۔ بلدیاتی انتخابات میں ہر بار شہریوں سے مہنڈی کی شہر سے باہر منتقلی کے وعدے پر ووٹ لیے جاتے اور انہیں جیتنے کے بعد اس وعدے کو کبھی پشت ڈال دیا جاتا۔ پھر اس کام کا بیڑا مڑی اور عمر جہانگیر نے اٹھایا تھا۔ تمام سیاسی دباؤ کو کبھی پشت ڈالنے ہوئے بڑی مہنڈی میں کارڈ پار کرنے والے لوگوں کو ڈانٹ دے دیتی تھی۔ دوٹوں پر پیچھے سے پڑنے والا دباؤ اس لیے کارڈ راجت نہیں ہو رہا تھا کیونکہ دوٹوں ہی بہت باڈر خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی فرمائش کروانا آسان کام نہیں تھا۔

رہی عمر جہانگیر کے بیچ میں سے تھا اور اس کی عمر کے ساتھ ابھی غاصی دور تھی۔ ایک ہی خلیع میں اٹھا تا ہونے والی قربانی کے دوران دوٹوں کے درمیان ہر معاملے میں ابھی غاصی کو آؤتھیں میں ہی اور بڑی مہنڈی کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا کام بھی مضبوط کا ایک نتیجہ تھا۔

جب کسی قسم کا کوئی دباؤ کام میں نہیں آیا تو آؤتھیں اور بیو پاروں نے بڑنالی کی دھمکی دے دی۔ رہی محمود اور عمر جہانگیر نے کوڑے کے استعمال سے اس بڑنالی کی دھمکی کو نظر انداز کر دیا۔

مہنڈی کے کوٹوں کے احتجاج میں دو ہفتہ آگے اور سفرہ تاریخ پر ان کی بڑنالی شروع ہو گئی۔

سفرہ تاریخ پر رہی عمر جہانگیر نے فریجی شہر کی بڑی مہنڈی میں وہاں کے باڈر لوگوں کے ذریعے پہل اور بڑیاں مگھوئیں اور شہر میں کئی جگہوں پر انتظامیہ اور بلدیہ کی زیر نگرانی سے دماؤں فراہم کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ سارے شہر میں اعلان ہوا کہ ہر کارڈ دو ہفتوں میں انتظامیہ اور کئی کن جگہوں پر ایسے بارڈروں کا انعقاد کرے گی اور ان کے اوقات کیا ہوں گے۔

غیر محدود مدت کے لیے شروع ہونے والی ہڑتال اگلے دن ہی ختم ہوگئی، انہیں منطقی انتظامیہ کی طرف سے ایسے کسی اقدام کا اندازہ نہیں تھا۔

ہڑتال ختم ہونے کے باوجود ہزبری منڈی میں کاروبار کرنے والوں کا احتجاج نہیں ختم ہوا بلکہ اس میں اور شدت آگئی اور جب مقررہ ڈیلر لائن پر پولیس منڈی کو خالی کرانے کی آڑھتوں کی انجمن کے صدر نے انہیں وہ ایسے آڈر دکھایا جو وہ کوٹ سے لے چکے تھے۔ عدالت نے منطقی انتظامیہ کو جب تک ہزبری منڈی کو خالی کرانے سے روک دیا تھا جب تک اس مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا اور مقدمہ کرنے والوں کو یقین تھا کہ مقدمے کا فیصلہ ہونے میں اتنا وقت ضرور لگ جائے گا کہ مر جائیں اور رضی محمود وہاں سے پوسٹ آڈٹ ہو جاتے اور ان کی جگہ پر آنے والے نئے افسر ضروری نہیں تھا کہ ان جیسے ہی ہوتے۔ ہزبری منڈی کے لوگوں کو یقین تھا کہ ان کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ اسے آڈر دیکھنے کے بعد ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کی قیادت میں آنے والا پولیس کا دستہ بڑی خاموشی کے ساتھ ہزبری منڈی کے لوگوں کے بلند و بانگ تاقا نہندوں کی گونج غوغا میں کسی قسم کے رد عمل کا اظہار ہی بغیر وہاں کیسے چلا گیا۔

سارا دن ہزبری منڈی میں مٹھائیاں بچی رہیں، انتظامیہ کو ایک بار پھر شکست دے دی گئی تھی۔ انہیں شہر سے کوئی نہیں نکال سکا تھا۔

اگلی رات دوبارہ ہزبری منڈی کی طرف دوسرے شہر سے آنے والا ٹرک پولیس کے قائم کیے گئے اس کے تاکے پر کھڑا اور پر لہری ہوئی ایک اپنی اتروا کر پولیس کے ان چار لوگوں کو دکھا رہا تھا جو کہیں سے بڑے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ اس سڑک پر وہ پہلا تاکہ تھا اور اس تاکے کے بعد آدھ کلومیٹر کے فاصلے پر چاروایے ہی تاکے تھے۔ وہ ٹرک جو عام طور پر رات ڈھائی بجے کے قریب ہزبری منڈی پہنچ جاتا تھا، وہ اس دن صبح دس بجے کے قریب ہزبری منڈی پہنچا پولیس نے ہزبری منڈی کی دونوں بیرونی سڑکوں کو بلاک کر اس پر جابجا تاکے لگا دیئے تھے اور وہ دونوں سڑکیں مکمل طور پر بلاک ہوگئی تھیں۔ پولیس والے ایک ایک اپنی اتروائے پھر چڑھ جاتے اگلے تاکے پر پھر یہی عمل دہرایا جاتا، اس سے اگلے تاکے پر پھر..... انتظامیہ نے شہر میں اطلاع کر دیا تھا کہ اس زمانہ کی بگڑی ہوئی صورت حال کے پیش نظر شہر میں آنے والے تمام ٹرکوں کے سامان کی اچھی طرح چھان بین کی جائے گی اور شہر میں آنے والے زیادہ تر ٹرک ہزبری منڈی ہی جاتے تھے۔ نتیجتاً اس سڑک پر ٹرکوں کی لمبی قطاریں لگ گئیں اور گری کے موسم میں بہت سے ٹرکوں میں لدا ہوا پھل اور ہڑیاں خراب ہونے لگے۔ دوسرے شہروں سے بھیجے جانے والے پھلوں اور ہڑیوں کے سونے ختم ہونے لگے۔

ٹرکوں پر لہرے ہوئے پھلوں اور ہڑیوں کے خراب ڈیمر کو خریدنے کے لیے ہزبری منڈی میں کوئی تاجران نہیں تھا اور دوسرے شہروں سے لوگ اپنی اجناس اس طرح ضائع کرانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ پولیس اسے آڈر کی پوری طرح پاس داری کر رہی تھی۔ ہزبری منڈی میں کاروبار کرنے والے کسی شخص کو شک نہیں کیا گیا تھا البتہ امن وامان کی حالت کو ٹھیک رکھنا ایک ایسا فرض تھا جو پولیس کو ہر صورت پورا کرنا تھا اور یہ کام رضی محمود اور مر جہاگیر اپنی عمرانی میں کر رہے تھے۔

پچھلے دن پرانی ہزبری منڈی کے لوگ خاموشی سے نئی ہزبری منڈی منتقل ہونا شروع ہو گئے، ایک ہفتہ میں یہ منتقلی ختم ہوگئی، ایک ہفتہ کے بعد پولیس نے اس سڑک پر تمام کے لیے کہتے ہوئے فہم کر دیئے کہ اس زمانہ کی صورت حال میں بہت زیادہ ہزبری آنے کی وجہ سے اب ان دونوں سڑکوں پر ٹانگوں کی ضرورت نہیں رہی۔ پرانی ہزبری منڈی سے نئی ہزبری منڈی کی منتقلی کا کام جس قدر سہولت سے ہوا تھا اور اس کے نتیجے میں شہریوں کو جو سکون کا سانس نصیب ہوا تھا۔ اس نے رضی محمود اور مر جہاگیر کے لیے بھی عام شہریوں کے اندر خاصے اچھے جذبات پیدا کیے تھے توکل پولیس میں شائع ہونے والی خبریں جن میں پولیس میں بھی آئیں اور پھر کچھ کالم نویسوں کے کالموں کی زینت بھی بنیں۔ بات شاید یہیں تک رہتی جو رضی محمود اور مر جہاگیر کا ہیرو والا دو جہاز اس طرح قائم رہتا اور دوسرے لوگوں کی طرح علیحدہ بھی یہی تحقیق رکتی کہ دونوں نے بڑے اچھے طریقے سے ایک مشکل صورت حال کو ہینڈ کیا تھا مر جہاگیر صاف کہے آرنیبل نے اس تمام معاملے پر سے ایک نیا پردہ اٹھاتے ہوئے عمر اور رضی کی ہیرو دہائی حیثیت کو ختم کرتے ہوئے انہیں دہائی کی حیثیت دے دی تھی۔

ہزبری منڈی کی نئی جگہ منتقلی کے بعد رضی محمود اور مر جہاگیر نے شہر کے وسط میں موجود اس ہزبری منڈی کی کرد و دلالت کی زمین کو کچھ رقم آپس میں تقسیم کر لی تھی اور صاف نے اس فراڈ کی تمام تفصیلات کو اپنے آرنیبل میں شائع کیا تھا۔ اس نے نہ صرف زمین کے سنے مالکان کے ناموں کی تفصیل دی تھی بلکہ یہ بھی بتایا تھا کہ چند کالم نویسوں کو کس طرح روپیہ دے کر اخبارات میں رضی محمود اور مر جہاگیر کے نام نہاد پرفیشنلزم کی تعریف کرتے ہوئے انہیں مثالی ہیرو کے عہد قرار دیا گیا تھا۔ ایسے ہیرو کرین جن پر اس ملک اور نئے والی لسٹوں کو فخر ہوگا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ پرانی ہزبری منڈی کا علاقہ جب شہر کے مصروف ترین کرش ایریا میں شامل ہو گیا تھا اور اس کرش ایریا میں اس شہر سے تعلق رکھنے والے ایک ایسے کالم نویس کو بھی کچھ زمین عطا کی گئی تھی جو اپنے کالموں میں دھواں خانا اپنے آبائی شہر کے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کی تعریفوں میں زمین اور ان کے قلابے لانا رہتا تھا۔ صاف نے زمین کے اس ٹکڑے کی دالت کے معاملے سے بھی تعریفی ثبوت فراہم کیے تھے۔

صاف کے آچھلنے بہت سارے بچے کھول کر دکھا دیئے تھے اور اس رات اس آرنیبل کو پڑنے ہی علیحدہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ آرنیبل مر جہاگیر کے لیے خاص مسائل کھڑے کر سکتا ہے اور ایسا ہی ہوا تھا اخبار کے دفتر میں اس آرنیبل کے حوالے سے دھڑا دھڑ فون آ رہے تھے لوگ اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے اور ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو زمین کی اس خرید و فروخت کے حوالے سے مزید معلومات فراہم کرنا چاہتے تھے۔

شام کو وہ کھر آئی تو بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی..... اپنے اخبار میں شائع ہونے والا وہ آرنیبل اسے اپنے کہوٹوں پر ایک بوجھ کی طرح لگ رہا تھا..... وہ جانتی تھی وہ آرنیبل عمر کو بھی خاصا پریشان کر رہا ہوگا اور عمر کی پریشانی کا تصور اس کے لیے بہت ناخوشگوار بات ہو رہا تھا۔

وہ ابھی اپنے کمرے میں آئی ہی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا نہ چاہے ہوئے بھی اس نے کال ریسیڈ کی۔
"علیحدہ وہ کسی ہو؟" دوسری طرف سے ایسیٹ کی طرح جہنم نے کہا۔

”ہائل ٹھیک ہوں۔“ علیہ نے اسے اپنے کمر بوجھل پٹن جھٹکتے ہوئے کہا۔

”ہائل ٹھیک ہوتا یہ اچھی بات ہے اس کا مطلب ہے میں اگلے پندرہ منٹ کے بعد تمہیں ڈنر کے لئے کچ کر سکتا ہوں۔“ جنید نے بڑے خوشگوار انداز میں کہا۔

وہ انکار کر دینا جانتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا، وہ اسے سر سے اس آرٹیکل کو جھٹک دینا چاہتی تھی اور اس وقت جنید کے ساتھ گزارا ہوا کچھ وقت یقیناً اسے یہ موقع فراہم کر دیا۔

”ٹھیک ہے، میں تیار ہو جاتی ہوں، آپ مجھے کب کر لیں۔“ اس نے بانی مہرے ہوئے کہا۔
فون بند کر کے وہ اپنے کمرے کے کمرے کے کمرے میں گئی، اس کو اندازہ تھا۔ جنید واقعی پندرہ منٹ بعد یہاں ہوگا اور وہ اس کو انتظار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پندرہ منٹ بعد جب وہ لاؤنج میں آئی تو جنید واقعی وہاں موجود ڈانوسے کپ شپ کر رہا تھا۔ وہ دونوں باہر نکل آئے۔

گاڑی میں جنید اس کے ساتھ کبھی پھٹکی ٹنٹکو میں مصروف رہا۔ علیہ کو ہمیشہ کی طرح اپنی پینشن ریلیز ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

جنید کم کو گھر اچھی ٹنٹکو کرنے والا آدمی تھا اور وہ جتنا اچھا سماع تھا۔ جب بولنے پر آتا تو اس سے بھی زیادہ اچھا ٹنٹکو کرنے والا ثابت ہوتا۔ اسی خوبی کے باعث علیہ نے جنید کو ذہنی طور پر جلدی قبول کر لیا تھا۔

”کہاں چلیں؟“ اس نے بات کرتے کرتے اپنا کپ شپ کر کے علیہ سے پوچھا۔
”کہیں بھی۔۔۔ میرے ذہن میں کوئی خاص جگہ نہیں ہے۔“ علیہ نے ڈنر کی جگہ کے انتخاب کو اس پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

”فاسٹ فوڈ؟“ جنید نے ایک بار پھر اس سے پوچھا۔
”یہ بھی آپ پر منحصر ہے۔۔۔ میں کسی خاص کھانے کا سوچ کر باہر نہیں نکلی۔“ علیہ نے ایک بار پھر پہلے کی طرح اس سے کہا۔

جنید اس کے جواب پر مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر اس نے علیہ سے کہا۔

”میں آج تمہارا بیڈ روم دیکھ رہا تھا۔“ اس نے علیہ کو اسے اذیت دہانے کے لئے کہا۔ علیہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ جنید خلاف معمول کچھ بیحدہ نظر آ رہا تھا۔

”اس میں، میں نے وہ آرٹیکل پڑھا، تمہاری دوست صالحہ کا آرٹیکل۔“

علیہ کو بے اختیار کی اور کچھ کا احساس ہوا۔ جنید کے منہ سے اس آرٹیکل کا تذکرہ سنا اس کے لئے سب سے زیادہ شرمندگی کا باعث تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ اس کے خاندان کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا۔

”اس نے تمہارے کزن کے بارے میں لکھا ہے، مگر جاگیر تمہارا دبی کزن ہے تاہم سے میں ملا تھا اور

پہ آرٹیکل اس کے بارے میں ہے؟“ جنید نے جیسے قہقہہ بپا جانی۔

علیہ نے کچھ فٹ کے عالم میں سر ہلادیا۔

”کافی فضول باتیں لکھی ہیں صالحہ نے۔“ جنید نے اس کے سر ہلانے پر تبصرہ کیا۔ علیہ خاموشی سے سامنے دیکھتی رہی۔

”اس قسم کے بے بنیاد الزامات لگانا جڑٹل کا کام نہیں ہوتا۔“ جنید کہہ رہا تھا۔

”تمہیں اس آرٹیکل کے شائع ہونے سے پہلے صالحہ نے اس کے بارے میں بتایا ہوگا۔“ اپنا کپ اس نے پوچھا۔

”ہاں، اس نے مجھے بتایا تھا۔“ علیہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”پھر تمہیں اسے منع کرنا چاہیے تھا کہ وہ تمہاری بیٹی کے بارے میں اس طرح کا آرٹیکل نہ لکھے۔“ جنید نے تنبیہ کی ہے کہا۔

علیہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ”میں کیسے منع کر سکتی تھی؟“

جنید نے اس کی بات پر گردن موڑ کر دیکھا۔ ”وہ تمہاری دوست ہے۔ تم چاہتیں تو اسے منع کر سکتی تھیں۔“ اس نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں اسے منع نہیں کر سکتی تھی۔“ علیہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔ تم ایسا کیوں نہیں کر سکتی تھی؟“ جنید نے پوچھا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کی چہرہ کو دیکھتی رہی پھر گردن موڑ کر گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”جڑٹلس دوستوں کے کہنے پر اپنی باتیں نہیں بدلا کرتے۔“ اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

جنید اس کی بات پر بے اختیار ہنس اٹھا۔ علیہ ایک بار پھر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

”تم کیا بات کر رہی ہو علیہ۔۔۔ ایسا پاکستان ہے۔ یہاں سب کچھ ہوتا ہے اور یہاں جڑٹلس کس طرح کے ہوتے ہیں، وہ تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہو کیونکہ آخر تم اس پر فیشن سے منسلک ہو۔“

وہ جنید کے منہ سے نکلتی باتیں سنا کر اس کا بے لاگ تبصرہ نہ رہی تھی اور شاید اس تبصرے نے اسے کچھ دیر کے لیے حیران بھی کر دیا تھا۔ اسی لیے وہ جنید کی بات کے جواب میں فوری طور پر کچھ کہنے کے بجائے خاموش ہو گئی۔

جنید کو کھلم کھاس ہوا کہ علیہ کو شاید اس کی بات بری لگی تھی۔

”میں نے ایک جزل تبصرہ کیا ہے۔ میں کسی خاص شخص کے حوالے سے ایسا نہیں کہہ رہا۔“ اس نے ضاحت کی۔

”میں صالحہ سے وہ آرٹیکل شائع نہ کرنے کے لیے کیوں کہتی؟“ اس نے تنبیہ کی ہے جنید سے پوچھا۔

جنید نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ”کیونکہ وہ تمہاری بیٹی کے ایک فرد کے بارے میں تھا۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کس کے بارے میں تھا۔“ جنید اس بار خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھا رہا۔

وہ ایک دم بہت سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

”برٹنلس کو بے بنیاد الزامات لگانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔“

صالحہ کا کہنا ہے کہ وہ بے بنیاد الزامات نہیں ہیں۔

”ہر چیز اس وقت تک بے بنیاد ہوتی ہے جب تک اس کے بارے میں ثبوت نہ دیے جائیں۔“

”صالحہ نے اپنے آرڈنگل میں اسے ثبوت دینے ہیں ضروری تھے۔“

”اے ثبوت کوئی بھی دے سکتا ہے۔ چار چوکوں کے بیانات اور چند کاغذات کی نقل کوئی ایذا ثبوت

نہیں ہوتا کہ اس کی بنیاد پر ایک اہم عہدے پر فائز شخص کے بارے میں اخبارات میں کوئی چیز شائع کر دی جائے۔“

وہ اس بار جدید کی بات پر خاموش رہی۔

”ایک ذمہ دار جرلسٹ کی ذمہ داری صرف دوسروں پر کچھ اچھا لانی نہیں ہوتی۔ حقائق کو حقائق بنا کر پیش

کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، مرجع سالہا کہ انہیں ہر جگہ تجزہ بنا کر پیش نہیں کرنا چاہیے۔“ جدید بول رہا ”تم تو خود

جرلسٹ ہو، ان چیزوں کو کچھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہو۔ تمہیں صالحہ سے اس کے بارے میں بات کرنی چاہیے

تھی۔“ جدید نے ایک بار بھرا اپنی بات دہرائی۔

”میں اس سے یہ سب نہیں کہہ سکتی تھی۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ میں نے صالحہ کو عمر جہانگیر سے اپنے کسی تعلق کے بارے میں نہیں بتایا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ میرا

فیلی مبر ہے۔“ گاڑی میں کچھ دیر خاموش رہی۔

”تمہیں اسے بتادینا چاہیے تھا۔“ جدید نے کچھ دیر بعد کہا۔

”میں نے یہ ضروری نہیں سمجھا۔ یہ عمر جہانگیر اور صالحہ کا مسئلہ ہے، میں اس میں کیوں آؤں؟“ اس نے

بڑی مزاحمت سے کہا۔

”یہ صرف عمر جہانگیر اور صالحہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ تمہاری فلیکس کا بھی مسئلہ ہے۔ عمر تمہاری فلیکس کا ایک حصہ

ہے۔ فلیکس کے ایک شخص کا نام خراب ہو تو پوری فلیکس پر اثر پڑ جاتا ہے۔ تم اپنی پتھور تو بکریہ بات سمجھ سکو۔“ جدید فلیکس

مجرعہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔

”یہ بات عمر کو سمجھتی چاہیے۔ وہ اس طرح کی پیکٹور میں انوالو کیوں ہوتا ہے کہ بعد میں پریس کے

باتوں کیکنڈ لائز ہو۔ اگر اس کو خود اپنی فلیکس کی عزت یا اپنے پیش کی پر ادھیں ہے تو کوئی دوسرا کیوں کرے۔“

علیہ نے ایک بار مجرہ دھمکی سے جواب دیا۔ اسے جدید کے منہ سے عمر کے لیے نکلنے والے یہ حقائق

نقصرے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

”مجھے اس آرڈنگل کی کسی بات پر یقین نہیں ہے۔ مجھے وہ صرف ایک defamation campaign کا

حصہ لگے۔“ جدید نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

علیہ نے جدید کو غور سے دیکھا ”عمر میرا کزن ہے، میں عمر کو آپ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ کیا

کر سکتا ہے اور کیا نہیں۔ اس کے بارے میں بھی میری رائے آپ سے زیادہ اہم ہے اور میں صالحہ کو بھی اچھی طرح

جانتی ہوں وہ کسی Defamation Campaign کا حصہ نہیں ہو سکتی۔“ اس نے حکم انداز میں کہا ”اور آخر وہ

ایسی کسی کمپین کا حصہ کیوں بنے گی۔ اس کی عمر جہانگیر سے کوئی مخالفت ہے نہ ہی اس کے کسی سے کوئی فائدہ حاصل کرنا

ہے۔ عمر وہی کاٹ رہا ہے جو اس نے بڑیا ہے۔“ اس نے کندھے اچکاتے۔

”صالحہ کے پاس اس آرڈنگل کے لیے بیڑل کہاں سے آیا؟ وہ تو عام طور پر ایسے ایڈیٹرز پر نہیں لکھتی۔“

جدید نے اچانک اس سے پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتی۔ صالحہ سے اس آرڈنگل کے بارے میں میری کوئی بہت تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی۔“ علیہ

نے کہا۔

”کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ صالحہ نے ایک دم اس قسم کا تنازعہ ایڈیٹر کے پاس پر لکھا جب کہ اسے

اس کا کوئی تجربہ ہے، نہ ہی اس حوالے سے اس کا کوئی بیک گراؤڈ ہے۔“

”یہ بات اتنی حیران کن نہیں ہے جتنی آپ کو لگ رہی ہے، وہ جرلسٹ ہے۔ جب چاہے جس چیز کے

بارے میں کچھ سکتی ہے۔ اہم بات تو صرف یہ ہے کہ جو چیز لکھی جائے وہ اچھی طرح لکھی جائے اور اس میں کوئی جھول

نہ ہو اور میں سمجھتی ہوں اس کے پاس آرڈنگل میں کوئی جھول نہیں ہے۔“ علیہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”لیکن صالحہ کے پاس ان تمام باتوں کے بارے میں اپنی معلومات اور ثبوت کہاں سے آئے ہیں۔ کیا وہ

عمر کے شہر کی تھی۔“ جدید نے پوچھا۔

”نہیں، وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے یہ ساری انفارمیشن ایک دوسرے جرلسٹ سے لی ہیں۔“ علیہ نے

کہا۔ ”دوسرے جرلسٹ سے؟“ جدید پوچھ کر حیران ہوا۔

”ہاں ایک دوسرے جرلسٹ سے۔ وہ اس ایڈیٹر پر کام کر رہی تھی۔ انفارمیشن کی ضرورت پڑی تو اس نے

اس سے مدد لی۔“ علیہ نے بتایا۔

”کیس جرنلسٹ سے؟“ جدید نے پوچھا۔

”آپ اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے، یہ عمر کا پرالم ہے۔ ہم خواہ

خواہ اس کے بارے میں کیوں پریشان ہوں۔“ علیہ نے جدید کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

”کیا تمہیں یہ حیرانی کی بات نہیں لگ رہی کہ صالحہ نے ایک دوسرے جرلسٹ کی فراہم کردہ معلومات

اپنے آرڈنگل میں شامل کیں۔ یہ پریوینٹوٹم ہے۔ ان چیزوں کو شائع کرنا یہ کہہ کر یہ proofs

authenticated (مستند ثبوت) ہیں جب کہ حقیقت آپ خود بھی اس کی authenticity کے بارے میں

کچھ نہیں جانتے۔“ جدید نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”یہ کوئی بات نہیں ہے ہم لوگ اکثر آپس میں معلومات کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔“ علیہ نے اس کے

اعتراض کے جواب میں کہا۔

”اور اگر وہ انفارمیشن غلط ہو تو؟“ جنید نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

”ایسا نہیں ہوتا۔“ علیر نے مدھم آواز میں کہا۔

”ہو بھی سکتا ہے آخر جرنلسٹس پر وحی تو نازل نہیں ہوتی۔“

”ہم صرف دہی افکار مشن ایک دوسرے کو دیتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یہ یقین ہو کہ وہ غلط نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر غلط افکار مشن دیں گے تو اپنا بیج بھی خراب کریں گے اور اخبار کا بھی۔“ علیہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”سالہ کو کس نے انعام میں دی تھی؟“ جنید نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اس سے پوچھا۔

”زین العابدین نے۔“ علیزہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”زین العابدین نے؟“ وہ چونک سا گیا۔

”اور آپ جانتے ہیں زمین العابدین غلط انٹاریشن فراہم نہیں کر سکتا۔ کم از کم اس معاملے میں اس کی کرپٹیشنٹی پر شک نہیں کیا جاسکتا۔“ علی نے کہا۔

”محرم زین العابدین کے پاس عمر کے بارے میں اپنی معلومات کیسے آگئی ہیں۔ عمر ابوسہاس کا تو دور دور تک بھی کوئی تعلق نہیں بنتا۔“ جنید نے کہا۔

”زین العابدین! عمر کے بارے میں اگلے کچھ ہفتوں میں کسی اسائنمنٹ پر کام کرنے والا ہے اور وہ اسی حلقے میں عمر کے بارے میں تمام معلومات اکٹھی کر رہا ہے۔“ علیزہ نے لا پرواہی سے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

”کس طرح کی اسائنمنٹ، کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے؟“ جنید نے اس سے پوچھا۔
 ”نہیں، میں کچھ نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے اسی طرح کے چھوٹے موٹے معاملات ہوں۔“ علیزہ نے اپنی

رائے دی۔

”مگر زمین العابدین چھوٹے موٹے معاملات پر تو کام نہیں کرتا۔“ جیند بڑبڑایا

”ہاں۔ جانتا ہوں۔ اس کے نزدیک دلچسپی کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“ جنید بے اختیار بڑبڑایا اور علیرہ نے

حیرانی سے اسے دیکھا۔

”آپ زین العابدین کو ذاتی طور پر جانتے ہیں؟“ اس نے جنید سے کہا۔

”کسی حد تک..... تم صالحہ سے کہو کہ وہ ان معاملات سے دور رہے۔ یہ بہت خطرناک معاملات ہیں اور کسی بہتر ہے وہ کسی دوسرے کے ہاتھ کا تھیار نہ بنے۔“

جنید نے اچانک گاڑی ایک ریستورنٹ کی پارکنگ میں داخل کرتے ہوئے کہا۔

”جنید! آپ چاہتے ہیں، میں صالحہ کو دھمکاؤں؟“ علیزہ کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

”نہیں، میں جانتا ہوں تم ایک اچھی دوست کی طرح اسے ایسے آرٹیکل خریدو اور شائع کرنے کی صورت میں جو ملے آنے والے اقدامات اور خطرات کے بارے میں آگاہ کرو۔“ جینے نے گاڑی روکنے کو کہا ”مجھے امید تو یہی ہے کہ وہ تمہاری فیصلیت پر کان نہیں دھرے گی مگر مجرماً تم اپنا فرض تو ادا کرو۔“

”صالحہ کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟“ وہ الجھے ہوئے تاثرات کے ساتھ جنید کو دیکھنے لگی۔

”یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ میں متعلقہ پارٹی نہیں ہوں یہ تو متعلقہ پارٹی ہی بتا سکتی ہے کہ وہ ایسی صورت حال میں کیا قدم اٹھاتی ہے۔“ جنید نے لا پرواہی سے اپنے کندھے اچکا تے ہوئے کہا۔

”فرض کریں اگر یہ آرٹیکل آپ کے بارے میں ہوتا تو آپ کا رد عمل کیا ہوتا؟“ طلحہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”میرا رومل؟“ جید چند لمحے سوچتا رہا۔ ”میں مس صالحہ پر دیوڑھی کو کورٹ میں لے جاتا، ہنگ عزت کے دعوئی میں“ جید نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ ”نہ صرف اسے بلکہ اس کے اخبار کو بھی۔“

”یہ آپ اس صورت میں کرتے اگر الزامات غلط ہوتے، فرض کریں اگر الزامات صحیح ہوتے تو پھر آپ کیا کرتے؟“ جنید علیہ کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”تب تو آپ بھی بھی اس کوٹ میں لے جانے کا نہیں سوچ سکتے تھے تب آپ کیا کرتے؟“

”میں نے ایسے ہی کسی اقدام سے بچنے کے لیے تمہیں صاف کوکھٹا کرنے کے لیے کہا ہے۔“ جنید نے

”یعنی آپ بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ الزامات غلط نہیں؟“ جنید کچھ لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ وہ

”کیا آپ جتنے نکل ایاز یا عباس نے مجھ سے یہ سب کچھ کہنے کے لیے کہا ہے؟“ عطیہ نے پرسکون آواز

دشمن "جہاد" کی جگہ "جہاد" پر

”پھر آپ اس سارے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟“ اس کے لہجے میں سرد دھمکی تھی۔

ہے اور میں یہ پسند نہیں کروں گی کہ آپ میرے خاندان کے بارے میں مجھے کوئی مشورہ دیں یا میرے خاندان کے کسی معاملے کو اتنی تفصیل سے زیر بحث لائیں۔“

”انگل اواز کے خاندان سے آپ کے تعلقات کتنے گہرے ہیں! عمارت بھائی سے آپ کی دوستی کی نوعیت

سے اس کی بات کاٹنی۔

”بھرا آپ اور کس رشتے کی بات کر رہے ہیں۔ جہاں میں غلط نہیں ہوں۔“

”میں تمہاری اپنی جلیلی کی بات کر رہا ہوں۔“

”آپ باہر چھڑ کر اپنے خاندان کے ساتھ میری غلطی کے بارے میں اعزازے مت لگائیں۔“ وہ ایک بار پھر مشتعل ہوئی۔ ”ان کے ساتھ میرے تعلق کو آپ سمجھ سکتے ہیں نہ آپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔“

”کیوں ضرورت نہیں ہے مجھے؟“

”کیونکہ آپ میرے خاندان کا حصہ نہیں ہیں۔“

”ابھی نہیں ہوں..... ہو جاؤں گا۔“

”نہیں۔ جب تک میں نہیں ہوں گے۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ میری جلیلی میری جلیلی ہے۔ ان کا تعلق صرف مجھ سے ہے اور آپ کا تعلق بھی صرف مجھ سے ہے۔ آپ کا اور میری جلیلی کا آپس میں کوئی تعلق نہیں رہی آئندہ کبھی بن سکتا ہے۔“

جنید نے اس کی بات پر ایک مگر اسانس لیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ علیہ و اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ اپنے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تمہاری جلیلی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ اس نے چند لمبے خاموش رہنے کے بعد دوبارہ کہا۔

”تمہارے نزدیک نہیں ہے..... دنیا کے نزدیک ہے۔ تمہارے کزن کے بارے میں اس طرح کی خبریں شائع ہونے سے صرف تمہاری جلیلی کی رپوشی ہی خراب نہیں ہوگی۔ میری جلیلی کی رپوشی بھی خراب ہوگی۔ ان کیلئے لڑکا کیا جواب دوں گا۔“

علیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ کوئی جواب مت دیں۔ آپ صرف یہ کہہ دیں کہ آپ اس خاندان کو نہیں جانتے نہ اس کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔“

”اٹا کہہ دیجئے کہ لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے؟“

”ہو جائے کیا ہوگا۔“

”اور وہ یقین کر لیں گے کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہی سچ ہے۔“

”نہ کہہ لیتا جاوے۔“

”اور اگر میری بات پر کسی کو یقین نہ آئے تو میں کیا کروں..... اپنا مذاق بنواؤں یا پھر بات کرنے والے کو تمہارے پاس بھیجوں؟“

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”لوگ میرے جھوٹ پر یقین نہیں کریں گے۔“

”آپ اس بات کو سمجھتے نہ رہے دیں۔“

کیا ہے، مجھے اس کی پروا نہیں، لیکن میں اپنی جلیلی یا اپنے دوستوں کے لیے کسی قسم کے مشورے نہیں چاہتی..... نہ آج، نہ آئندہ کبھی..... اب آپ مجھے کھرا دہیں چھوڑ آئیں۔“

”علیہ وہ“ جنید نے جیسے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”مجھے کمر چھوڑ دیں۔“ علیہ نے جنید کے لیے پرتو دوئیے بغیر اسی طرح کہا۔

”اٹا غصہ کس بات پر آ رہا ہے تمہیں؟“ جنید اب بھی حیران نظر آ رہا تھا۔

”مجھے کمر چھوڑ دیں۔“ اس نے جنید کے سوال کا جواب دے بغیر کہا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔“ جنید نے اس کی بات پر کوئی فوج نہیں دی۔

”آپ یہ سوال مجھ سے پوچھنے کے بجائے اپنے آپ سے پوچھیں۔“ علیہ نے ناراضی سے کہا۔

”کیا تمہاری جلیلی میری جلیلی نہیں ہے؟“ جنید نے اسے انور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔“ علیہ نے وہ لڑکے کی طرح کہا۔ ”میری جلیلی صرف میری جلیلی ہے..... جیسے آپ کی جلیلی صرف آپ کی جلیلی ہے۔ کیا میں نے آپ کو کبھی آپ کی جلیلی کے بارے میں کوئی مشورہ دینے کی کوشش کی ہے؟ میں نے کبھی کسی چیز کو آپ پر اپنا ہونے کی کوشش نہیں کی۔“

”میں نے بھی تم پر کوئی چیز اپنا ہونے کی کوشش نہیں کی۔“ جنید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”غلط بیانی مت کریں۔“ علیہ نے تڑپتی سے کہا۔

”کیا غلط بیانی کر رہا ہوں میں؟ کیا میں نے تم پر کوئی چیز اپنا ہونے کی کوشش کی ہے؟“ وہ اب براہِ نظر آ رہا تھا۔

”بچھلے آدھ گھنٹے سے آپ اور کیا کر رہے ہیں؟“ علیہ نے اٹھ کر انداز میں کہا۔ جنید دم بخود اسے دیکھتا رہا۔

”کیا اپنا ہونے کی کوشش کر رہا ہوں میں آپ پر..... یہ وضاحت کرنا پسند فرمائیں گی؟“ اس نے کہا۔

”میں آپ سے بحث کرنا نہیں چاہتی۔ آپ اس مجھے چھوڑ آئیں۔“ علیہ نے اسی انداز میں کہا۔

”مگر میں تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ غلط بیانی کرتا ہوں..... اپنی بات تم پر اپنا ہونے کی کوشش کر رہا ہوں..... ایسے الزامات لگانے کے بعد تم صرف یہ کہہ کر قویاں سے نہیں جا سکتیں کہ تم مجھ سے بحث نہیں کرنا چاہتیں۔“

علیہ نے پہلی بار اسے مشتعل دیکھا تھا۔ وہ جلد آواز میں بات نہیں کر رہا تھا مگر اس کے دھمکے لہجے کی تڑپ اور تھکی ہوئی بھی آسانی سے محسوس کر سکتا تھا۔

”رہتے غلط مانگتے ہیں۔“ وہ تھوڑے نرم ہو کر بولا۔

علیہ نے براہِ برم ہو کر اسے دیکھا۔ ”آپ اپنی اور میری بات کر رہے ہیں؟“

وہ جواب دینے کے بجائے ناراضی سے اسے دیکھتا رہا۔

”آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ غلط نہیں ہوں۔“ اس نے غم دھڑکے عالم میں کہا۔

”اتنی جلدی نتیجہ اخذ مت کیا کرو علیہ.....! اپنی اپنی اور تمہاری بات نہیں کر رہا ہوں۔“ جنید نے برائی

”کیا مطلب؟“

”یہ رشتہ ختم کروں۔ جموت بج مچا دیں جائے گا۔“

وہ دم بخود اسے دیکھا رہا۔

”ایسا کیوں کروں میں؟“ وہ کچھ دیر بعد پیچھے ہٹ کر بولا۔

”آپ کو لوگوں کے سوالوں کا جواب نہیں دینا پڑے گا۔ ان سے جموت نہیں بولنا پڑے گا۔“ علیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم یہ رشتہ ختم کرنے پر تیار ہو کر تمہیں کہیں کر سکتیں کہ اپنی دوست کو ایسے سیکڑ لڑ شائع کرنے سے روکو۔“

”تمہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ اس نے دھوکہ انداز میں انکار کیا۔ ”میں نے جو غلط کام کیا ہے،

اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔“

”غلام کام کی جو تعریف تمہارے اور تمہاری دوست کے پاس ہے، اس پر صرف عمر پورا اترتا ہے۔“ جنید نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا۔ ”مصالحوہ کو، دو ہر روز ایک آرٹیکل لکھو۔ ہر روز ایک انٹرویو لکھو۔ اچھا لے جو کام عمر

نے کیے ہیں وہ تو اور بھی بہت سے کر رہے ہیں۔ پھر عمر جہاں تکیری کیوں؟ ہاتھوں کی بھی نام دے۔ اپنے خاندان کے لوگوں کی بھی نام دے۔“

”مگر سہی ہو رہی کیوں ہے آپ کو؟ وہ میرا کزن ہے، مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ مگر آپ.....“

جنید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”وہ تمہارا کزن ہے۔ میں تمہیں بیکار دلا دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”یہ یاد دلانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کو عمر کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی چھوٹی

موتنی باتوں سے وہ پریشان نہیں ہوتا۔ یہ کارنامے تو سرخاب کے پر ہیں جو ہر دیر دو کریت اپنے سر پر بجاتا خوش بخت

ہے۔ آپ خواہ خواہ اپنا سر کپا رہے ہیں۔“ علیہ نے سردہری سے کہا۔

”میں صاف سے خود بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”آپ ایسا نہیں کریں گے۔“

”کیوں نہیں کروں گا۔ جیسوں اگر اپنی فیملی سے دہلی نہیں ہے تو مجھے ان کی پروا کرنے دو۔“

”میری فیملی کو آپ کی پروا اور دہلی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ پہلا سیکڑ لڑ نہیں ہے جو وہ فیس کر رہے

ہیں۔ ایسی چھوٹی موتنی باتوں پر پریشان نہیں ہوتے۔“

علیہ نے اسی طرح سردہری سے کہا۔

”اور اگر ہوں تو وہ خود ہی ہر مسئلہ کا حل نکال لیتے ہیں۔ کسی دوسرے کو زحمت نہیں دیتے۔ اور صاف پیسے

جرشش کے آریکٹر ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ وہ جرشش کے ہاتھوں پریشان ہونے والوں میں سے

نہیں ہیں۔ بہتر ہے، آپ اس سارے معاملے سے خود کو دور رکھیں۔“ اس باطنیہ نے قدرے نرمی سے کہا۔

”یہ آپ کا مسئلہ ہے سے ہے ہی نہیں۔“ انکل ایاز اور عباس کو اس مسئلہ کو پینڈل کر سکتے ہیں۔ بلکہ عمر بھی۔ آپ صرف انکل ایاز اور عباس کو یہ بتا دیں کہ معاملے نے میرے کہنے پر یہ آرٹیکل نہیں لکھا اور نہ ہی میں اس کے کسی آرٹیکل پر کوئی اعتراض کروں گی۔ وہ میری دوست ضرور ہے مگر وہ جو چاہے لکھ سکتی ہے۔ اسے میرے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔“

علیہ کے لہجے کی سردہری اسی طرح برقرار تھی۔

جنید کچھ دیر ہونٹ پیچھے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

”اور اگر میں تم سے ریکویسٹ کروں کہ تم میرے کہنے پر معاملے سے بات کرو اور اس سے کہو کہ وہ.....“

علیہ نے جنید کو مکمل نہیں کرنے دی۔ ”تو میں آپ سے معذرت کروں گی۔ میں یہ کام نہیں کروں

گی۔ چاہے آپ کہیں، چاہے کوئی اور۔“

جنید کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کچھ بھی کہے بغیر گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی اور اسے پارکنگ سے

باہر لے آیا۔

واپس کا سارا سفر بڑی خاموشی سے طے ہوا تھا۔ گاڑی کی فضا میں کشیدگی محسوس کی جاسکتی تھی۔ علیہ کے

ذہن میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔ اب وہ پچھتا رہی تھی کہ اس نے جنید کے ساتھ آنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ نہ آتی تو ان کے درمیان یہ جھگڑا کبھی نہ ہوتا نہ ہی جنید کا موڈ اس طرح خراب ہوتا۔

جنید ہر بار اسے گھر کے اندر چھوڑنے جاتا تھا مگر اس دن اس نے گیٹ پر ہی گاڑی روک دی۔ علیہ گاڑی

کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اتر گئی۔ اس کے اترتے ہی جنید نے کچھ بھی کہے بغیر گاڑی کو موڑ لیا۔

۔ جتنی دیر میں سوچا کہ اسے گیٹ کھولا۔ وہاں اسے جا چکا تھا۔ وہ سحر خیز کیوں نہ اندر چل آئی۔

نانو لاؤنج میں بیٹھیں۔

”جنید اندر نہیں آیا؟“ انہوں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

نہیں اسے کچھ کام تھا۔ ”علیہ نے سحر خیز کی کوشش کی مگر اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا چہرہ اس کا ساتھ

نہیں دے رہا ہوگا۔“

”تمہیں کیا ہوا ہے؟“ نانوتے اس کی کیفیت منٹوں میں بھانپ لی۔

”کچھ نہیں۔ بس میں تھک گئی ہوں۔ سو نا چاقی ہوں۔“ وہ نانوتے نے نظر میں چرا کر لاؤنج سے نکلے گی۔

”علیہ وا“ نانوتی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔

”جنید سے تمہارا کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“

”نہیں۔“ اسے تو قہقہے تھیں۔ ”نانوتی جلدی بات کی تھو تھک پیچھا چائیں گی۔“

”میں اسے فون کرتی ہوں۔“ نانوتی کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں وہ بے اختیار جھنجھلا تے ہوئے لاؤنج

سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

”میں مدد کر سکتی ہوں کچھ؟“ صالحہ نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

علیہ نہ اس کے باہر جاتے ہی اپنے سامنے پڑے ہوئے ایک نیکلر طرف رکھ دیئے۔ ان آرٹیکلز کو بچنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت ان کا سر بھیجنے سے قاصر تھی۔ جینڈ اس وقت اسے آفس میں فون کیا کرتا تھا۔ آج اس نے فون نہیں کیا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اس کو اپنے ذہن سے جھک نہیں لیا تھا۔ جیجلی رات اس

وہ ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے ٹھٹھکی سے اٹھ گئی۔

"اب تم مجھ کو آفس جا رہی ہو۔ اگر زیادہ کام کی وجہ سے پریشان ہو تو کیا یہ بھرتی نہیں ہے کہ ایک دودھلن کے پھنسی لے کر آرام کروا کر تم کو بھرتی کس تو ہو سکے۔" بانو نے اسے اٹھنے دیکھ کر فریاد کیا۔

”یعنی راوی جین ہی جین کتا ہے تمہارے لیے۔“ علیہ نے تہمتہ کیا۔

”کبھی کبھی ہو، کم از کم آج تو راوی جین ہی جین کتا رہا ہے۔“ دونوں سے تو ویسے بھی شش پھرتی کا نرا دور کلات کا اوجیر اٹھانے کی پھر رہی ہوں۔“ سالو نے غریبہ انداز میں کہا۔

علیہ نے سر اٹھائے بغیر صرف نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ہلکی باتیں کرتی تھی۔

”حالانکہ مجھے شرمندگی بھی ہو رہی ہے کہ اس آرٹیکل میں میرا کوئی کٹوری پیش نہیں ہے۔ سارا کام تو زین العابدین کا ہے۔ میں نے تو صرف ایک دو گھنٹے بیٹھ کر اس کی وی گئی معلومات پر وہ آرٹیکل لکھ دیا۔“

علیہ نے ایک گہری سانس لے کر اپنے سامنے پڑی فائل بند کر کے ایک طرف سرکا دی۔ سالو اب بھی بول رہی تھی۔

”مگر اصل کریڈٹ کسی کو جاتا ہے تو وہ زین العابدین کو جاتا ہے مگر تم زین العابدین کو دیکھو۔ اس نے خود بھی نوٹن کر کے مجھے اتنا اچھا آرٹیکل لکھنے پر سزا ہے۔“ سالو نے زین العابدین کی تعریف کی۔

”ویسے مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ اس آدمی کے پاس اللہ دین کا چراغ ہے، روت جس طرح کی معلومات اس کے پاس اس آسانی سے پہنچ جاتی ہیں، وہ کبھی کسی دوسرے کے پاس نہیں پہنچ سکتیں۔“ وہ اپنی کرسی کو جھلاتے ہوئے حمین اچھا انداز میں بولی۔

”تمہیں پتا ہے علیہ؟ امر جہاگیر اور رضی محمود کے خلاف انکوائری شروع ہونے والی ہے۔“ بات کرتے کرتے چابک سالو کو جیسے کچھ یاد آیا۔

”مجھے پتا ہو سکتا ہے؟“ علیہ نے دم آواز میں کہا۔

”ہاں واقعی تمہیں کیسے پتا ہو سکتا ہے، بہر حال مجھے یہ خبر بھی زین العابدین نے دی ہے۔ تم خود سوچو۔ کتنا زبردست انٹیلیکٹ پڑے گا اس آرٹیکل کا اور میرا کہ ایک آرٹیکل کی وجہ سے مجبور ہو کر کسی بیورو کریٹ کے خلاف کارروائی شروع کر دی جائے۔“ سالو کے لہجے میں جوش تھا۔ ”اور وہی امر جہاگیر اور رضی محمود جیسے بیورو کریٹس کے خلاف..... پاکستان کے سب سے طاقتور ترین خاندانوں میں سے دو کے خلاف تصور کرو۔“

علیہ نے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، سالو کو ابھی اس نڈر پیچہ کو جھانکے دو تین ماہ ہی ہوئے تھے۔ اس سے پہلے وہ فری لانس جرنلسٹ کے طور پر کام کرتی تھی مگر اب اس نے علیہ کے اخبار کو جوائن کر لیا تھا اور پہلے دن سے ہی علیہ کے ساتھ اس کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی مگر دونوں ایک دوسرے کی فحش کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے نہ علیہ نے کبھی اپنے ہانگو اور کزنز کے بارے میں وہاں کسی کو بتایا تھا نہ ہی سالو نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ کسی کے بارے میں بات کی تھی اور اب وہ علیہ کو امر جہاگیر اور اس کے خاندان کے بارے میں معلومات فراہم کر رہی تھی۔

”مگر جہاگیر کے خاندان کو بدعاشوں کا ٹولہ کہا جا سکتا ہے۔“ علیہ کا چہرہ سالو کے تہرے پر سرخ ہو گیا۔ سالو ہمیشہ بے لاک قسم کے تہرے کیا کرتی تھی۔ اس سے پہلے اس کے لیے کسی تہرے نے علیہ کو کبھی

کے ساتھ ہونے والی گفتگو ایک بار پھر اسے یاد آ رہی تھی اور وہ ایک بار پھر خشکی کی ایک لہر سی اپنے اندر اٹھتی محسوس کر رہی تھی۔ ”آخر اسے عمر کی خاطر مجھ سے ملنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک ایسے شخص کی حمایت کرنے کی جسے وہ براہ راست جانتا تک نہیں.....“ اسے جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

”کیا اسے مجھ سے زیادہ میری فحش کی فکر ہو سکتی ہے؟“ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چین ٹیبل پر رکھ دیا۔ ”اور آخر اسے مجھ سے یہ سب باتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“ وہ جھنجھلا رہی تھی۔

”پھر اتنی چھوٹی سی بات پر وہ اس طرح ناراض ہو گیا ہے اور اس کا دعویٰ ہے، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔“ وہ بہت مضطرب تھی۔

”کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں اسے فون کروں؟“ اسے یکدم ایک خیال آیا۔

”مگر میں اسے فون کیوں کروں..... ناراض وہ مجھ سے ہے، میں تو نہیں۔“

”فقط بات اس نے کی تھی میں نے تو نہیں.....“ اس نے ایک بار پھر آدھار دنگل کر کے سامنے کیچھنچھنچا۔

”مگر اس سے بات کر کے میں کم از کم اس پیشین سے تو دلچسپی لیتی ہوں۔“ اسے ایک بار پھر خیال آیا۔

”لیکن اگر فون کرنے پر اس نے ایک بار پھر مجھ سے وہی مطالبہ کیا تو.....؟“ اس کے دل میں خدشہ پیدا ہوا۔ ”اسے خود مجھے فون کرنا چاہیے، میں اسے فون کیوں کروں..... اسے احساس ہونا چاہیے اپنی فحش کا.....“

علیہ نے ایک بار پھر اپنا ارادہ بدل دیا۔

سالو اس دن بہت خوش تھی۔ اس کے آرٹیکل پر ملنے والا پراسس بہت اچھا تھا، شاید وہ علیہ سے اس پراسس کو ہی دیکھ کر تپا ہوئی تھی مگر علیہ کے خراب موڈ نے اسے قہورے حیران کر دیا تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ علیہ کا موڈ اس طرح خراب ہو۔ وہ عام طور پر خوشگوار موڈ میں رہا کرتی تھی۔

تین چار بجے کے قریب سالو ایک بار پھر علیہ کے کمرے میں آئی۔

”تمہارا موڈ کتنا ٹھیک ہو؟“ اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

علیہ اس بار اسے دیکھ کر مسکرائی، ”ہاں ٹھیک ہو گیا۔“

”تھکا کا شکر ہے، ورنہ میں سوچ رہی تھی کہ شاید تم آج سارا دن ہی اسی طرح منہ لٹا کے پھر دو گی۔“ سالو نے ایک گہری سانس لے کر کرسی کیچھنچھنچا۔

”تمہارا کام ختم ہو گیا ہے؟“

”قریباً ختم ہو گیا ہے۔“ علیہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔

”چلو آجیسا ہے، کچھ پروپ شپ تو کر سکتی ہوں تمہارے ساتھ۔“ سالو اطمینان سے بولی۔

”مجھے لگتا ہے، آج تمہارے پاس کرنے کے لیے اور کچھ بھی نہیں ہے۔“ علیہ مسکرائی۔

”ہاں واقعی آج میرے پاس کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔“ انکب فحش کی کوئی چیز بھی تھی۔ وہ میں کر آئی ہوں۔ چلے جہوئے مولے دوسرے کام تھے۔ وہ کبھی کر سکتی ہوں۔ اس لیے آج میری کوئی اور مصروفیت نہیں ہے۔“

”ہاں..... میں نے ایسے کرنا سیکھا ہے۔ میں آج جلدی مگر جانا چاہتی ہوں۔“

دو اب اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اپنی دروازہ کھول کر ہائی نامہ پڑھیں اس میں رکشے کی سالاری بھی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

”چونکہ یہ بھرتہ سے کل ملاقات ہوئی۔ آری ہونا کل؟“ اس نے کمرے سے نکلے نکلے علیہ سے پوچھا۔ ”ہاں..... شاید تائیں..... ہو سکتا ہے نہ ہی آؤں، یا پھر لیٹ آؤں گی۔“ علیہ اٹھ کر ہوائے انداز میں اپنی میز کی دروازہ لاک کر رہ گئی۔

”فون کر دینا۔ مجھے کل آؤں کونسل جانا ہے، جہیں یاد ہے۔ اگر تم نہیں آئیں تو پھر میں شین کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ صالحہ نے اسے یاد دہانی کروائی۔

”تم شین کے ساتھ چلی جانا۔ میں اگر آ بھی گئی تو تمہارے ساتھ نہیں جا پاؤں گی۔“ علیہ نے پیشگی معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے پھر میں آج ہی شین کو انعام کر دیتی ہوں۔ یہ نہ ہوکل وہ بھی نہ آئے۔“ صالحہ نے آفس سے نکلے ہوئے کہا۔

علیہ وہ اپنا ایک اٹھا کر صالحہ کے پیچھے پیچھے ہی بارہنگل آئی۔ باہر پارکنگ تک آتے ہوئے وہ مکمل طور پر دہنی طور پر باؤف تھی۔ صالحہ کے منہ سے نکلے ہوئے منٹل اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور اسے ان پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے یاد نہیں اس نے گاڑی کس طرح پارکنگ سے نکالی تھی۔ مشکل پر گاڑی روک دے اس وقت ہوش میں آئی، جب کسی نے اس کی کھڑکی کے شیشے پر بڑے زور سے ہاتھ مارا، وہ یکدم چونک کر جیسے اپنے ارد گرد کے ماحول میں دایں بائیں آگئی۔ وہ ایک آدمی تھا جو اب فطینکس نظر سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے پیچھے بری طرح بچنے والے دایں بائیں کا شور تھا۔ اس نے گڑبڑا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ سیرنگ بار اس کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ اسے یکدم خوف محسوس ہوا کہ گاڑی کہیں نہ کہیں ٹکرا جائے گی۔ پیڑھلگی کرتے ہوئے اس نے مین روڈ سے ایک ذیلی سڑک پر گاڑی موڑ دی اور پھر اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔

”کیا یہ لوگ میرے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ سکتے ہیں؟“ اس نے جیسے اپنے آپ سے پوچھا ”کیا یہ لوگ مجھے اس طرح سیکھ لائے کہ سکتے ہیں؟“ وہ اب بھی جیسے بے یقینی کا شکار تھی۔ ”کیا خود کو جاننے کے لیے یہ اس طرح میری قربانی دے سکتے ہیں۔“

”کیا مجھے اس طرح.....“ اس نے اپنے ارد گرد سے حواسِ حسیں محسوس کی۔

”کیا عمری اس طرح کر سکتا ہے؟“ اسے اپنا سوال ایک مذاق کا لگا ”میں نے کس کو سب کچھ بتایا۔ جنس

نیاز کو؟“

سارے پردے یکدم اٹھنے لگے تھے۔

”یا پھر میں تو ان سے بات بھی نہیں کر سکی ہوں گی۔ کیا ایسا لیے وہ میرے منہ سے پورا واقعہ سن کر بھی اسی

طرح پر سکون تھے۔ مجھے اس وقت یہ رد عمل معقول کیوں نہیں لگا۔“ وہ اب اس واقعے اور اس کے بعد جنس نیاز کے ساتھ ہونے والی اپنی پوری گفتگو کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ”یہ لوگ پہلے ہی پورا انتظام کر چکے تھے کہ میرا رابطہ جنس نیاز سے نہ ہوا بلکہ میرے اسی سے خونی سے مجھے جنس نیاز سے بات کرنے کے لیے کہہ دیا کیونکہ وہ.....“ علیہ نے ہونٹ مسجھنے لگے۔

”اگر کمرہ دو حمل..... میرے خدا..... وہ بھی جعلی تھا..... صرف مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے..... مجھے دھوکہ دینے کے لیے اسی لیے وہ لوگ اندر نہیں آئے۔ اسی لیے یہ دونوں وہاں پہنچ گئے تھے اور کس کس کو پتا تھا یہ سب کچھ..... کیا تاؤ کو بھی؟“

غم دھنسنے سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔

”اور میں..... میں عمر کو کیا سمجھ رہی تھی۔ اپنا نہایت دہندہ..... اور وہ حقیقت کیا تھی..... بلکہ یہ سب ہی کیا تھا؟“ وہ دہن کر سکرنے سے نظر آنے والی سڑک کو گھور رہی تھی۔

”اور مجھے..... مجھے کبھی ان پر شک تک نہیں ہوا کہ یہ میرے ساتھ کوئی ٹیم کر رہے ہیں۔ اس قدر احمدا احما..... اس کی آنکھوں میں اب بھی اتارنے لگی۔

”واقعی..... واقعی دنیا میں کوئی کچھ جتنا انہیں حق ہو سکتا..... بلکہ میرے علاوہ دنیا میں کوئی احمق ہے ہی نہیں۔“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی آنکھیں صاف کیں اور گاڑی کو سٹارٹ کرنے لگی ”اور اب یہ ایک بار پھر جینے کے ذریعے مجھے استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب نہیں..... اور میں..... تم بھڑاؤ میں جاؤ عمر.....! میں واقعی چاہتی ہوں کہ تمہیں چھپائی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے اور صرف تمہیں نہیں باری باری سب کچھ.....“

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی آنکھیں ایک بار پھر بندھلا رہی تھیں۔

☆☆☆☆

شام کو چھ بجے وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی اور اندر داخل ہوتے ہی اس نے پورچ میں جینے کی گاڑی دیکھ لی۔ بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہیں سے داییں پلٹ جائے، اس وقت اس موڑ کے ساتھ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ لاؤنج میں ٹائو کے ساتھ موجود تھا اور جاگے بیٹے میں مصروف تھا، جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ رکشی علیک سلیک کرنے کے بعد وہ جینے کی معاملہ نہ سکر بہت مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”مجھے لگتا ہے..... اس کا موڑ ابھی بھی آف ہے۔“ جینہ نے اسے لاؤنج سے نکلے دیکھ کر کہا۔

”موڑ تو اس کا رنج ہے ہی ایسا ہے مگر وہیں اسے مار لگاتی ہوں۔“ ٹائو نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

”آپ نہیں..... میں خود کو کچھ لیں ہوں.....“ جینہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

وہ جس وقت دروازے پر دستک دے کر اندر آیا، وہ اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھ پریشانی ہوئی تھی۔

اسے جینہ کے اس طرح اپنے پیچھے جانے کی توقع نہیں تھی مگر جب اس نے اسے اندر آ دیکھا تو صرف سر جھٹک

”ہائل ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ آپ چائے پیس کئے؟“ وہ یکدم بیٹھ سے اترنے لگی۔

جنید نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میں چائے پی چکا ہوں۔ جس وقت تم آئیں، میں چائے ہی پی رہا تھا۔ تم پریشان ہو؟“ اس نے نرمی سے پوچھا۔

علیہ نے سر نہیں اٹھایا، وہ اس کے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھ کو دیکھتی رہی۔

”علیہ!۔۔۔۔۔“ جنید نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

”آپ کو کبھی زندگی بری لگی ہے؟“ اس نے یکدم سراٹھا کر جنید سے پوچھا، وہ حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

”میں کیا جواب دوں تمہاری اس بات کا؟“ وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بچے چارگی سے ہنسا۔

”کبھی زندگی بری نہیں لگی؟“ علیہ نے ایک بار پھر اس کی لہجہ میں پوچھا۔

”جی نہیں لگی ہے؟“ جنید نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا۔

”مجھے تو ہر وقت لگتی ہے اور آج تو بہت ہی بری لگ رہی ہے۔“ وہ بڑبڑائی۔

”جی رکی وجہ ہے؟“ جنید یکدم تجھید ہو گیا۔

”نہیں، آپ کی وجہ سے نہیں، اپنی وجہ سے۔۔۔۔۔“ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”تم۔۔۔۔۔“ جنید کوئی بات پریشان کر رہی ہے؟“ جنید نے اسے دوبارہ پوچھا۔

”آپ نے مجھے فون نہیں کیا؟“ علیہ نے یکدم موضوع بدل دیا۔ جنید نے ایک گہرا سانس لیا۔

”جنید! یہ بات پریشان کر رہی تھی۔۔۔۔۔ اس وجہ سے اتنی دُشرب ہو؟“ جنید نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں میں انتظار کر رہی تھی آپ کی فون کال کا۔۔۔۔۔“

”اتنی سی بات کا انتظار سیرس لے رہی تھیں تم۔ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔“ جنید نے جیسے سکون کا سانس لیا

”بلکہ میں تو تہہ را تہہ رو دیکھ کر ڈر رہا تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ فون نہ کرنے پر تم۔۔۔۔۔ میں نے تو اس لیے فون نہیں کیا تھا

کہ تمہارا موز آف تھا، کچھ بھی ناراض تھا۔ میں نے سوچا۔ آخر کیا بات کروں گا میں فون پر، آج صبح بھی میرا موز

ایسا ہی تھا۔“ وہ ہنستا جنید دے رہا تھا۔ ”میں نے دھنیں بار پڑا کر جنہیں کال کروں مگر بس بھر۔۔۔۔۔ تم نے بھی تو مجھے

کال نہیں کیا بلکہ میرا خیال ہے کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو تم خود بھی مجھے کال نہ کرتیں۔“ وہ اب شکایت کر رہا تھا۔

”آپ یہ کیسے کہتے ہیں؟“

”ایسے ہی میرا خیال ہے؟“

”آپ کا خیال غلط ہے، اگر آپ مجھے کال نہیں کرتے تو میں خود آپ کو کال کر لیتی۔۔۔۔۔ میں Egoist

(انا پرست) نہیں ہوں اور میں رائل کا پہلا نہیں بناتی۔“

”مگر کل تو بڑے دھڑلے سے تم نے کہا تھا کہ میں چاہوں تو تمہاری فٹلی سے رشخہ ختم کر لوں۔“ جنید نے

مکراتے ہوئے اسے بتایا۔

کر رہی تھی۔

”میں بیٹھ جاؤں؟“ جنید نے اندر آتے ہی اس کے چہرے کو فوراً دیکھتے ہوئے کہا۔

”ضرور۔۔۔۔۔“

جنید کرسی کیچے کر بیٹھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کمرہ میں خاموشی رہی، شاید وہ بات شروع کرنے کے

لیے کچھ لفظ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا، پھر جیسے وہ اس میں ناکام ہو گیا۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے کہا۔

”اب یہ تو تمہیں پتا چل ہی گیا ہوگا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“ علیہ نے سراٹھا کر اسے دیکھا، جنید

نے اس کی سوالیہ نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا ”میں محضرت کرنے آیا تھا۔“

”کس لیے؟“

”کل کچھ اچھا نہیں کیا میں نے۔۔۔۔۔ عام طور پر ایسا کرتا تو نہیں مگر۔۔۔۔۔“ وہ سوچ سوچ کر بوتلے ہوئے

جیسے افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ علیہ نے کہا۔

”اچھا۔۔۔۔۔“ جنید نے کندھے اچانک سے ہوتے کہا۔ ”میرا خیال تھا، اس کی ضرورت ہوگی۔ آخر آل۔۔۔۔۔ تم مجھ

سے ناراض تھیں۔“

”میں ناراض تھی؟“ میرا خیال ہے؟ آپ ناراض تھے۔“ علیہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”میں ناراض تھا؟“ سچ بتاؤں۔۔۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے رکا۔ ”میں واقعی کچھ ناراض تھا مگر وہ عارضی طور پر۔

میں نے بعد میں گھر جا کر سوچا، جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اب میں یہاں ہوں۔“ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے

چترنگوں کے لیے علیہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے ذہن میں کچھ دیر پہلے سالو کے

ساتھ ہونے والی گفتگو گونجنے لگی تھی۔

جنید نے اپنی بات کے ختم ہونے پر بھی اسے اپنی طرف خاموشی سے دیکھتے پایا۔

”تم کچھ کہو گی نہیں؟“ اس نے علیہ سے کہا وہ پھر بھی اسے اسی طرح دیکھتی رہی اور جب ہی جنید کو احساس

ہوا کہ وہ اس وقت غائب و دماغ تھی اور شاید اسے دیکھتے ہوئے کسی نہیں اور تھی۔

”علیہ!۔۔۔۔۔“ اس نے بلند آواز میں اسے پکارا وہ یکدم بڑبڑا کر پوچھی۔

”کیا؟“

”تم میری بات سن رہی ہو؟“

”میں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ میں نے آپ سے کہا ہے کہ محضرت کی ضرورت نہیں۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ تم مجھے یہ بتا رہی تھیں کہ تم نہیں تم سے ناراض تھا۔“ جنید نے اسے یاد دلایا۔ علیہ نے

آکھیں بند کر لیں۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“

”آپ کو اس بات پر غصہ آیا تھا؟“

”یہ غصہ دلانے والی بات تھی۔“ جنید نے اپنے لفظوں پر زور دے ہوئے کہا۔

”آپ نے بھی ایک غصہ دلانے والی بات کی تھی۔“ علیزہ نے اسے یاد دلایا۔

”وہ معاملہ والی بات۔“ فاریکٹ لاپٹ اوٹ۔ میں ٹھنکے کی تم سے جھگڑے کے بعد یہ بے طے کیا تھا کہ آئندہ کم از کم میں تمہارے ایسے کام میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔“ جنید نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”وہ واقعی امتحانہ بات تھی۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ میرا واقعی اس معاملے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بنتا۔ نہ میرا نہ تمہارا۔ یہ معاملہ کا مسئلہ ہے۔ بہتر ہے وہ خود ہی اسے نچالے۔“

جنید یاد دلائی سے کہا: ”علیزہ نے غیر محسوس طور پر اپنے کندھوں سے پیسے کوئی بوچھا ہٹا محسوس کیا۔“ بہر حال ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو تم اپنے اعصاب پر سوار مت کیا کرو۔ دیکھو یہ ابھی تو تم دونوں کے درمیان خامسے جھگڑے باقی ہیں۔“ وہ غصہ خور لہجے میں سکرنا تے ہوئے کہا رہا تھا۔

”علاؤ لکتم سے جھگڑنا کوئی زیادہ مناسب بات نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بہت غصہ خور احتم کا تجربہ ثابت ہوا ہے میرے لیے۔ میں خود بھی کل رات اور آج سارا دن خامساؤ مشرب رہا ہوں لیکن بھی کسی دوشین سے ہٹ کر بھی کوئی کام کرنا چاہیے۔ کرنا چاہیے نا؟“ وہ اب بڑی پیچیدگی سے اس کی رائے مانگ رہا تھا۔

علیزہ کو کوئی جواب نہیں سوجھا۔ اس نے کندھے سے اچکا دینے۔

”باہر چلنے ہیں کھانا کھا تے ہیں، کسی بارکٹ میں بھر تے ہیں۔ کچھ ونڈ ڈشنگ کرتے ہیں۔ اچھا پروگرام ہے۔“ وہ کرسی سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

وہ چند منٹوں میں اسے اس کے ذہن پر نشن سے باہر لے آیا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود کچھ دیر پہلے کی کیفیت کو محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔

”میں کپڑے بیچ کر لوں؟“ وہ بھی بیڑے سے اٹھ گئی۔

”چھوڑو بے گفٹ نہ کروں۔۔۔۔۔ آپ اس طرح زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔“ جنید نے اسے روک دیا۔

”اچھا بال مائوں۔“ اسے تال ہوا۔

”ضرورت نہیں، بال ٹھیک ہیں۔“

”مجھے مدد دھو لینے دیں۔“

”ہاں یہ آپ ضرور کر سکتی ہیں لیکن ساتھ سیٹر سے زیادہ کا وقت نہیں لگنا چاہیے اس میں۔“ وہ اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

علیزہ کو چہرہ دھوئے واقفانہ صرف ایک منٹ لگا۔ برق رفتاری سے چہرے پر پانی کے چمپا کے باری، وہ ایک منٹ میں دواں روم سے باہر تھی۔

جنید نے اسے باہر آتے دیکھ کر اس کا بیگ اٹھا لیا۔ ”بس اب آپ آ جائیں۔“ خامسا انتظار کیا میں نے

آپ کا؟

علیزہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ”نا۔ نا۔ نا۔“ اسے اختیار مسکرایا۔

رات دس بجے تک وہ دونوں باہر سے باہر ادا ہوئے مگر جینے نہ آیا۔ پیرج میں گاڑی روک کر اس کے اترنے سے پہلے جنید نے کہا۔ ”تم جلدی اور کچھ کیلکس کو کیا چیز مضبوط بنائی ہے؟“ وہ اس کے سوال پر اس کا منہ دیکھنے لگی، وہ اب بے حد پیچیدہ نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے کے جنید سے بالکل برعکس۔

”Sharing“ کہ جو چیز پریشان کن بن جائے اسے اس شخص کے ساتھ شیئر کر لیا جائے جس سے آپ کو

تھوڑی بہت محبت ہو یا تھوڑا بہت اسل ہو یا تھوڑا بہت اچھا لگتا ہو۔“ وہ دم مگر محکم آواز میں کہا رہا تھا۔

”میں جنہیں مجبور نہیں کر سکتا کہ ہر بات مجھے سے شیئر کروں۔ شاید کوئی بھی ہر بات دوسرے سے شیئر نہیں کرتا مگر جو بات تم مجھ سے یا کسی دوسرے سے شیئر نہیں کر سکتیں، اسے اپنے ذہن سے نکال دو۔“ جنہیں اگر کسی چیز سے

تکلیف ہوگی تو مجھے بھی ہوگی۔ اس لیے کسی بھی چیز کو اپنے لیے رستا ہوا نا سورت بناؤ، تمہاری زندگی بے کار ہے نہ

تمہارے پاس اتنا فلوئڈ ہے کہ تم اسے روکنے دھونے میں ضائع کر سکو۔“

وہ دم بخود اسے دیکھتی رہی۔

”مجھے۔۔۔۔۔ میرے گھر کو۔۔۔۔۔ میری فمیلی کو علیزہ سکندر کی بہت ضرورت ہے۔ تم ہمارا حصہ ہو اور تم کو یہ بات

ہر وقت یاد ہوئی چاہیے۔“ وہ بالکل سادگت تھی۔

”جو چیز مجھیں آج پریشان کر رہی ہے، اسے اپنے ذہن سے نکال دو۔ کھانا تم کھا چکی ہو۔ اپنے پیڑ

روم میں جاؤ۔ صبح کے لیے کپڑے نکال لو، پی ڈی دیکھ لو کچھ دیا پھر کیوں کتاب پر دھو۔“ اس کا کوئی کام ہو تو وہ کردار اور

اس کے بعد اطمینان سے سو جاؤ بغیر روئے دھوئے۔ خدا حافظ۔“

وہ اپنی بات کے اختتام پر مسکرایا، وہ مسکراتی نہیں۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ پیچھے اتر آئی۔ لاؤنج کا

دروازہ کھولتے ہوئے اس نے پلٹ کر اسے دیکھا، وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ گاڑی کی ریورس کر رہا تھا۔ اسے جنید

کی ذہانت میں بھی کچھ کیٹش نہیں رہا تھا لیکن آج۔۔۔۔۔

”تو وہ دیکھتا تھا کہ اس سے ہونے والا جھگڑا نہیں کوئی اور بات مجھے پریشان کر رہی تھی اور۔۔۔۔۔“ اس نے

انداز جاتے ہوئے سوچا۔ کسی معمول کی طرح وہ اپنے کمرے میں گئی اور لاٹھوری طور پر جنید کی بیانات پر عمل کرتی چلی

گئی۔ ایک گھنٹہ کے بعد غصہ کی عالم میں اس نے سوچا۔۔۔۔۔ ”میرا خیال تھا میں آج رات سوئیں پاؤں گی۔“

☆☆☆

اگلے روز وہ بڑے ہشاش بشاش موڈ میں ناشتے کی میز پر آئی، تانوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وہ ناشتہ

کر رہی تھی جب اس نے اخبار بھی دیکھا شروع کر دیا۔ ایک منٹ پر نظر دوڑا تو اسے وہ یکدم محسوس کی۔ معاملہ پرویز کا ایک اور ڈانگیل اس کے سامنے تھا۔ موضوع اس بار بھی عمر بیکسیر ہی تھا مگر ڈسکس کی جانے والی چیز چھپتے پہلے

ہونے والا ایک پریس مقابلہ تھا جس میں ایک بدنام زمانہ اشتہاری مجرم کو مارا گیا تھا۔

صالٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اور تم لوگ کیا کرتے ہو۔۔۔ لوگوں کو گھروں سے اٹھا کر بجلی پولیس مقابلوں میں مارے ہو۔۔۔ درشت کا چہرہ اکٹھا کرتے ہو، اس پر عیش کرتے ہو۔“

دوسری طرف سے عمر کے ہنسنے کی آواز آئی۔ ”عیش؟ کون سا عیش۔۔۔ آپ جیسے لوگوں سے گالیاں کھانا عیش ہے۔“

”ہمیں آپ سے۔۔۔“

دوسری طرف سے عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میرے بارے میں اب اخبار میں کچھ اور شائع نہیں ہوتا چاہئے۔۔۔ ورنہ آپ کو اور آپ کے اخبار کو اس کی غاصی بڑی قیمت چکانا پڑے گی۔“

اس سے پہلے کہ صالٹ کچھ کہتی دوسری طرف سے لاش متعلق کر دی گئی۔ صالٹ نے برسی سے میز پر ہاتھ مارا۔ ”تم اس شخص کا انداز دیکھو۔۔۔ کون کہے گا کہ یہ سول سرنٹ ہے۔۔۔ اور یہ لوگ لگتے ہیں عوام کو نظم و ضبط سکھانے، مافی فٹ۔“ اس نے ہنسے کے عالم میں مزید ایک بار بھر ہاتھ مارا۔ ”اب تم دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔ اس کی ساری گفتگو کو اخبار میں شائع نہ کیا تو پھر کہنا بلکہ اس کا ل کی ایک ریکارڈنگ ہوم آفس کو بھی بھجوا دی گئی۔ عمر جہاں گھبراہٹ سے آپ کو آخر کھتا ہے۔“

علیہ چپ چاپ صالٹ کو مشتعل ہوتے دیکھتی رہی۔

”اس کا فائدہ کیا ہوگا؟“ علیہ نے کچھ دیر صالٹ کو جھک کر چپ ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

”کس کا فائدہ کیا ہوگا؟“ صالٹ نے یک دم رب کر اس سے پوچھا۔

”عمر اور اپنی گفتگو کو اخبار میں شائع کرنے کا؟“

”میں عمر جہاں گھبراہٹ کا تانا پانتی ہوں کہ میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں۔“ علیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”یہ جان کر عمر جہاں گھبراہٹ پر کیا فرق پڑے گا تم اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں۔“

”اگلی بار وہ مجھے فون کرنے کی جرأت تو نہیں کرے گا۔“

”تمہارا خیال میرے یہ گفتگو شائع ہونے سے وہ ڈر جائے گا؟“ علیہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”ڈر جائے گا؟“ وہ ڈر گیا ہے۔ ورنہ مجھے فون بھی نہ کرتا۔“ صالٹ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”اور وہ بھی یہاں آفس میں۔“

علیہ نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا، اس کا دل چاہا وہ صالٹ سے کہے کہ عمر جہاں گھبراہٹ کی چوٹی مونی باقوں پر خوف زدہ ہونے والا شخص نہیں ہے۔ اس کی پشت پر موجود لوگ اسے طاقتور ہیں کہ وہ ایسے چھوٹے موٹے انکسپڈر پر پریشان ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے ایجنڈا کے لڑنے کے نتیجے پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

”صالٹ تم آخر عمر جہاں گھبراہٹ کے بارے میں بار بار ریڈیٹر کیوں لکھ رہی ہو؟“ علیہ نے کچھ دیر بعد کہا صالٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں اس کے بارے میں کیوں لکھ رہی ہوں۔“ صالٹ کو جیسے اس کی بات پر

”کورٹ کھلے ہیں، جب آپ کا دل چاہے لے جائیں، کیا یہی اطلاع دینے کے لیے آپ نے مجھے فون کیا ہے؟“

صالٹ نے طنز سے لہجے میں کہا۔

”نہیں، میں نے آپ کو یہ اطلاع دینے کے لیے فون نہیں کیا۔ ایسے کاموں کے لیے اطلاع کی ضرورت

نہیں ہوتی۔۔۔ وہ اسی طرح رخت لہجے میں بولتا گیا۔

”میں فون کر کے صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ حاکم کی کون سی میز پر تعریف فرما رہا ہیں۔ اور یہ بھی چاہتا تھا کہ آپ اپنے قابل احترام انعام کو یہ اطلاع دے دیں کہ ایسی خبروں سے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟“

”زمین العابدین کی بات کر رہا ہوں۔ وہی آپ کا ذریعہ معلومات بنا ہوا ہے نا؟“ علیہ کو صالٹ کے چہرے پر بے تحاشا حیرت نظر آئی۔

”زمین العابدین نے مجھے کوئی معلومات نہیں پہنچائیں۔“

”یہ بات آپ کورٹ میں کھڑے ہو کر بتائیے گا۔ وہاں ضرورت پڑے گی آپ کے اس بیان کی تفسیر کی۔“

وہ تڑپ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”میں آپ کی ایسی دھمکیوں سے خوفزدہ نہیں ہونے والی۔“ صالٹ نے قدرے اگے بڑھ کر کہا۔

”دھمکیاں کون دے رہا ہے آپ کو۔۔۔ اتنا دقت کس کے پاس ہے میڈم۔۔۔ میں آپ کو اپنے فیصلے

رائس کے بارے میں بتا رہا ہوں۔“ اس نے دوسری طرف سے طنز سے انداز میں کہا۔

”اور آپ کو کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔۔۔ آپ اپنے ڈیک پر بیٹھ کر

Gossip mongering (الزام تراشی) کریں اور اگلے دن اخبار میں چھپوا دیں۔ اللہ اللہ خیر ملا۔ کسی کی جان جائے یا

عزت آپ کو اس سے کیا۔“

”میں کوئی Gossip mongering نہیں کرتی۔ جو بات اپنے آریڈیٹر میں کہتی ہوں۔ اس کا ثبوت ہوتا

ہے میرے پاس۔ کریڈیٹلٹی رکھتی ہوں۔ خواب میں آنے والی چیزوں کو نہیں لکھ دیتی۔۔۔ آپ کو مزید ثبوت

چاہیں تو آپ یہاں اخبار کے دفتر شریف لائیں۔ یا پھر کورٹ میں تو آپ جا ہی رہے ہیں۔ کورٹ میں جیج کی

دول کی سارے ثبوت۔“

عمر دوسری طرف اس کی بات پر حیرت محفل ہوا تھا۔

”تم اور جیسے جیڑلس اور ان کی کریڈیٹلٹی۔ تم لوگ ہڈی لائیاں مافیا ہوتے ہو۔ ساری زندگی تم لوگ

ایک چھوٹی سی خبر کو پچھ سالہ کی میں گزار دیتے ہو۔۔۔ شاید ہر رات تم لوگ بیٹھ کر خواب دیکھتے ہوئے سوئے ہو کہ

اگلے دن تمہاری دی ہوئی کوئی خبر آریڈیٹر تک میں طوفان اٹھا دے گا۔ راتوں رات شہرت مل جائے گی خواہش میں

تم لوگ جھوٹ کے پلندے اکٹھے کرتے رہے ہو۔۔۔ اور پھر انہیں غصے ثبوت کا جھگ پہنا دیتے ہو۔“

یقین نہیں آیا۔ "کیا تم نہیں جانتیں کہ میں اس کے بارے میں کیوں لکھ رہی ہوں؟" علیزہ اس کی بات کے جواب میں کچھ دیر چکھنیں بولی۔

"میں جانتی ہوں، عمر جہانگیر کو اس کے کرف توں کی سزا ملے۔" وہ اسی طرح بغیر لحاظ کئے بول رہی تھی۔ "میں جانتی ہوں..... اس کی پہلی رسوا ہو....." وہ بغیر رکے ہوتی جا رہی تھی۔ "میں جانتی ہوں لوگوں کو ان کے پہلی چروں کی شناخت ہو سکے۔" صالحہ کے لہجے میں نفرت جھلک رہی تھی۔ علیزہ ہلکی سی جھپکائی بغیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"ایک بات پوچھوں میں؟" کچھ دیر کے بعد اس نے بڑے پرسکون انداز میں صالحہ سے کہا۔ "اگر عمر جہانگیر نے تمہارے انگل کے نیچے کو نہ مارا ہوتا تو کیا پھر بھی تم اس کے خلاف ایسی طرح لکھتیں؟" صالحہ بے حس و حرکت ہو گئی، علیزہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے جواب کی منتظر رہی۔

"تم کیا کہنا جا رہی ہو؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ اگر عمر جہانگیر سے تمہاری ذاتی پر خاش نہ ہوتی تو کیا تم پھر بھی اس کے بارے میں ایسی طرح آرٹیکل پر آرٹیکل لکھتیں؟" علیزہ کا لہجہ اب بھی بہت پرسکون تھا۔

"مجھے تمہارے سوال پر حیرت ہو رہی ہے علیزہ! کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں صرف ذاتی دشمنی کی وجہ سے عمر جہانگیر کے خلاف لکھ رہی ہوں؟" صالحہ کے چہرے پر اب ناراضی جھلک رہی تھی۔

"کیا ایسا نہیں ہے؟" علیزہ نے کچھ بے نیازی پر رتے ہوئے کہا۔ "نہیں..... ایسا نہیں ہے۔" صالحہ نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"حیرت ہے۔" علیزہ نے عجیب سی سکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "میرا خیال تھا کہ تم صرف ذاتی چپقلش کی وجہ سے اس کے خلاف لکھ رہی ہو؟"

"یہ خیال کیوں آیا تمہیں؟" "تم نے خود مجھے اپنے انگل، ان کے بیٹے اور دوستوں کا واقعہ سنایا تھا۔ اب وہ قصہ سننے کے بعد میں اور کس نتیجے پر پہنچ سکتی تھی؟"

"میں نے جنہیں وہ واقعہ اس نے نہیں سنایا تھا کہ تم یہ سمجھ لو کہ میں صرف اپنی دشمنی کی خاطر اس شخص کو بد نام کر رہی ہوں۔ اس کے خلاف جو کچھ بھی لکھ رہی ہوں وہ..... علیزہ نے صالحہ کی بات کاٹ دی۔

"ہاں میں جانتی ہوں کہ اس کے بارے میں تم جو کچھ بھی لکھ رہی ہو وہ سب سچ ہے۔ سوئی مدد نہ سکا۔ نوے فی صد سکا۔ تم اس کے خلاف سچ ہی شائع کر رہی ہو۔ مگر کیوں، ایسے سچ تو ہر بدو کرے کے ساتھ خشک ہیں، مگر عمر جہانگیر کیوں؟" تم کسی اور کے بارے میں بھی تو لکھو۔"

"میں نے رضی محمود کا ذکر نہیں کیا ہے۔ پہلے آرٹیکل میں، کیا تم اسے بھول گئی؟" صالحہ نے اسے یاد دلایا۔ "صرف ایک آرٹیکل میں، باقیوں میں کیوں نہیں..... کیا رضی نے اور کوئی غلط کام نہیں کیا؟" وہ عجیب سی

سے بولتی گئی۔

"تم اس کی حمایت کیوں کر رہی ہو؟"

"حمایت نہیں کر رہی ہوں، میں بھی تمہاری طرح سچ ہی بول رہی ہوں۔ وہی جو محسوس کر رہی ہوں۔" "مگر بلت پیورو کرشی اور ہیورو کرشی کی ہی کرتی ہے تو پھر سب کی کرتی چاہیے۔ ہر برائی کو سامنے لانا چاہیے۔ ہر برے شخص پر تنقید کرنی چاہئے۔" وہ پرسکون لہجے میں نہ چاہے ہوئے بھی عمر جہانگیر کی دکالت کر رہی تھی۔

"مجھے تمہاری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ تم یقیناً ہیورو کرشی کی برائیوں کے خلاف ہی لکھنا چاہ رہی ہو گی۔ اس کرپٹ سسٹم اور اسے چلانے والوں کو ہی یہ خطاب کرنا چاہتی ہو گی۔ تو پھر باقیوں کے بارے میں بھی لکھو۔" علیزہ نے اپنے سامنے پڑا ہوا اخبار اس کی طرف میز پر رکھ دیا۔

"یہ خبر پڑھو..... ایک غریب پھل فروش کو چند پولیس والوں نے پکڑنے والے کی کڑھائی میں پھینک کر جلا دیا۔ پھل فروش نے ہاسٹل میں اپنے خزی بیان میں بتایا ہے کہ پولیس والے اس سے پھل لینے کے بعد قیمت دے بغیر چارے تھے جب اس نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے اسے بیٹنا شروع کر دیا اور پاس موجود پھل سے بھری کڑھائی میں ڈھکیں دیا۔" وہ بغیر دے کہہ رہی تھی۔ "کل اس پھل فروش کی موت ہو گئی اور پولیس کا کہنا ہے کہ انہیں اطلاع دی گئی کہ وہ پھل فروش بیرون کا کاروبار کرتا تھا اور اس دن وہ انہیں لے کے اس کے پاس گئے اور انہوں نے اس کی تلاش لینے پر اس کے پاس سے بڑی مقدار میں بیرون اور چس برآمد کر لی۔ پھل فروش نے گرفتاری اور اس الزام سے بچنے کے لئے خودکشی کی کوشش کی اور کڑھائی میں گر گیا۔ پولیس نے اس کے خلاف خفیات

فروشی اور خودکشی کا مقدمہ درج کر لیا ہے۔ کوئی عمل کا اندھا سامی اس خبر اور واقعے میں موجود جھوٹ اور سچ کو جانچ سکتا ہے۔ کیا اس پھل فروش کے قتل کے الزام میں پورے انیشن کے ملے پر مقدمہ نہیں چلانا چاہئے۔

ایس بی، ڈی ایس بی، اور ایس ایچ او کے خلاف نہیں لکھا جانا چاہئے۔ جو سب انھیں بند کئے سورہے ہیں۔ اس بارے میں بھی لکھو، اس ایس بی اور ایس ایچ او کے بارے میں بھی صالحہ پر زور کو آرٹیکل لکھتے گئیں، تاکہ اس شخص کے لواحقین کو بھی دیسی انصاف مل سکے جیسے انصاف تم اپنے انگل کے بیٹے کے لئے جاتی ہو، مگر....."

علیزہ وایک لمحہ کے لئے رکی۔ "مگر اس پھل فروش کی کسی جتنی کا نام صالحہ پر زور تو نہیں ہوگا جو اس کے بارے میں آرٹیکل لکھے یا انصاف مانگنے کی جرات کرے۔ تیری دنیا کے تیسرے درجے کا شہری۔"

"علیزہ! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" صالحہ کا لہجہ اس بار بدلا ہوا تھا۔ "میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں صالحہ کہ تم اس قسم کی جس حرمت کی بات کرتے ہیں، وہ صرف اب ایک کتابی بات ہے۔ ہم سچ لکھتے ہیں جب اس میں ہمارا اپنا مفاد وابستہ ہو۔ ہم جھوٹ کو بے نقاب جب کرتے ہیں جب ہمیں اس سے کچھ فائدہ ہونے کی توقع ہو۔"

"تم غلط کہہ رہی ہو علیزہ۔" "نہیں، میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں، ہم لوگ دوسروں میں جس پر دیشہنوم کے نہ ہونے کا روٹا روٹے درجے

سب کی تسلیو کے بارے میں۔ کیونکہ میں اپنی فیملی کے بارے میں رنگ بے باغیہ کسی جذبے میں جھان نہیں ہوں۔“
 علیہ نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ صالحہ اس بات پر مشتعل ہو گئی۔
 - ”میری فیملی نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ جس کے بارے میں اخباروں میں کچھ شائع ہوا۔“

”نئی عیب بات ہے جب کہ تمہاری فیملی کے بھی بہت سے لوگ بیوروکریسی میں اور جوڈیشری میں ہیں۔ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ وہ بالکل پاک باز ہیں۔ کوئی بری بات انہیں چھو کر نہیں گزری۔ کوئی کرپشن کوئی ایکٹیل ان کے دامن پر نہیں کسی قسم کا کوئی جھب نہیں ہے۔ کیا کوئی اس بات پر یقین کرے گا صالحہ؟“ علیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”میری طرح آخر تم بھی یہ تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں کہ تمہاری فیملی کے افراد سے بھی بہت سی غلطیاں ہوتی رہی ہوں گی بلکہ اب بھی ہو رہی ہوں گی۔“

”میں ایسی کوئی بات تسلیم نہیں کر سکتی۔ اگر تمہاری فیملی کے بارے میں الزامات سامنے آ گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سب کی تسلیو کو ہی اس فہرست میں لاکڑا کر دو۔ کم از کم میں اپنی فیملی کو اس فہرست میں شامل نہیں کر سکتی جہاں تمہاری فیملی کا نام درج ہے۔“ صالحہ نے کٹھن سے چپا کتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔

”تم مجھ پر متعصب ہونے کے الزامات لگاؤ۔۔۔۔۔ یا مجھے مجھ پر پوئیشن ہونے کے طعنے دے لو۔۔۔۔۔ مگر اس سے حقیقت نہیں بدلے گی۔ میں عمر جہانگیر کے بارے میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، وہ ج ہے اور یہ ضروری ہے کہ اسے اس کے کئے کی سزا دی جائے۔“ صالحہ نے اسی رفتار سے بولتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اسے ہمدردی کا نام دیا رشتہ داری کا، بہر حال میں جانتی ہوں کہ میرے کزن کے ساتھ ہونے والی بے انصافی کا ازالہ کیا جائے گا۔“

”تو پھر یہ قلم سے ہونے والا کوئی جہاد تو نہیں ہے جس کے بارے میں تم اور میں بلند بانگ دعوے کرتے پھرتے ہیں۔ یہ صرف اپنے اپنے مفاد کی جنگ ہے۔ کیوں میں غلط کہہ رہی ہوں۔“ علیہ وہ اب بھی اسی طرح پر سکون تھی۔
 ”اپنے لئے انصاف طلب کرنا مفاد پرستی کیسے ہو گیا؟“ صالحہ نے اس کی بات پر جیسے ہوئے انداز میں کہا۔
 ”صرف اپنے لئے انصاف طلب کرنا مفاد پرستی ہی ہے، اسے کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔“

”فیکہ ہے پھر تم اسے مفاد پرستی کا نام دے لو۔ ہاں، میں جانتی ہوں کہ عمر جہانگیر کو سزا دینے کیونکہ اس کو سزا ملنی چاہئے اور اگر پھرچری اس خواہش کی بجائے فیملی کے ساتھ اس کی طرف سے کی جانے والی کوئی زیادتی ہے تو بھی میں حق پر ہوں۔“ صالحہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ ”میں انسان ہوں، فحشہ نہیں ہوں۔“

”اور اگر یہی بات عمر جہانگیر کے یا پھر میری محدود تو؟“ صالحہ چند لمحوں تک فیکہ نہیں کہہ سکی۔
 ”مگر وہ بھی میں نہیں کہیں کہ انہوں نے بھی اسی خود غرضی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس خود غرضی کا مظاہرہ ہم سب اپنی اپنی استطاعت میں کرتے رہے ہیں تو؟“

”تم ایک غلط۔“ علیہ نے اس کی ناراضی سے کہا جانے والی بات کو کٹا دیا۔
 ”نہیں صالحہ۔“ عمر میری بات سنو۔ میں عمر جہانگیر کو پھانسا نہیں جانتی ہوں مگر اس کے باوجود میں جانتی ہوں اسے کچھ بھی نہیں ہوگا مگر میں پوئیشن اخلاقیات کی بات کر رہی ہوں جو میں سمجھتی جاتی ہیں۔ جہاززم ایسا

ہیں۔ وہ ہم میں بھی نہیں ہے۔“ علیہ نے اسی طرح غصے سے لکھ میں کتنی جاری تھی۔ ”کتنے جرنلس واقعی پوئیشن ہیں۔ تم انہیں اٹھیں لکھیں لکھیں پورے پرگن کتنی ہو، اور کم از کم میں جنہیں پوئیشن جرنلس میں نہیں گردان سکتی۔ چاہے تم اس بات کو کتنا ہی برا کیوں نہ سمجھو۔“ علیہ نے صاف گوئی سے کہا، صالحہ کچھ نہیں بولی۔

”ہم سب ایک Rotten system (مشتعل نظام) کی پیداوار ہیں اور اس میں رہ رہے ہیں۔ دوسروں پر اٹھانے سے پہلے اپنا گر بیان اور دلائل دیکھنا بہت ضروری ہے۔ اپنے کپڑوں پر دوسرے کے رد دوسروں کے داروغہ دکھانا حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور تم بھی کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔“ علیہ وہ خاموش ہو گئی۔

”میں پوئیشن نہیں ہوں۔ تم پوئیشن ہو۔“ علیہ نے سر اٹھا کر صالحہ کو دیکھا، وہ بڑی عیبی عیبی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ ”بقول تمہارے میں عمر جہانگیر سے ذاتی پر خاش رکھتی ہوں اس لئے اس کے خلاف کچھ رہی ہوں اور تمہارے نزدیک یہ پوئیشن نہیں ہے۔“ صالحہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

”تو کیا یہ پوئیشن ہے کہ تم عمر جہانگیر کو بچانے کی صرف اس لئے کوشش کر رہی ہو کیونکہ اس سے تمہاری رشتہ داری ہے۔“ صالحہ نے بڑے جیسے جیسے ہونے والے انداز میں جیسے انکشاف کیا۔ علیہ وہ جیسے بغیر مگرانی۔

”مجھے حیرت نہیں ہوتی کہ تم میرے اور عمر جہانگیر کے رشتے کے بارے میں جانتی ہو، ہاں میں اب تک حیران تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اس رشتے کے بارے میں نہ جانتی ہو جب کہ تمہارا انعام زمین الیابدین ہے اور وہ لوگوں کے خاندانوں کو کھال ڈالنے کا ہمار ہے۔“ علیہ وہ جیسے غصے سے غصے ہو رہی تھی۔

”ہاں، تم فیکہ کہہ رہی ہو۔ یہ بھی پوئیشن نہیں ہے اور میں نے اپنے آپ کو پوئیشن گردانا بھی نہیں۔ مگر تمہارا یہ الزام بالکل غلط ہے کہ میں عمر جہانگیر کو بچانے کی کوشش کر رہی ہوں، میں ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہی۔“ اس کی آواز اب بھی اسی طرح پر سکون تھی۔ ”میں صرف یہ جانتی ہوں کہ اس کے ساتھ دوسروں کو بھی لکھنے میں لاکڑا کر لکھا گیا جائے۔ صرف ایک عمر جہانگیر کو ہی کیوں نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ صرف اس کے خلاف ہی یہ Defamation campaign (جنگ آیزم) کیوں چلائی جا رہی ہے۔ گورے مردے ہی اکھاڑتے ہیں تو سب کے اکھاڑے جا رہے ہیں اور پھر اس وقت تم مجھے ان لوگوں کی فہرست میں شامل نہیں پاؤ گی جو کہ بچانے کے لئے پولیس یا لکھیں گے۔“

”تم جانتی ہو کسی کو سزا نہیں ملتی تو تمہارے کزن کو بھی نہ ملے۔“ صالحہ نے طنز سے انداز میں کہا۔ ”مگر میں کہتی ہوں کہ کہیں نہ کہیں سے تو توبہ ہوتی چاہیے۔ عمر جہانگیر سے ہی سہی، اس کو سزا ملے تو شاید کسی دوسرے کو عبرت ہو۔“ صالحہ نے سرد مہری سے کہا۔

”ان ساری پر یکسو کر آغا عمر نے نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں کیا خیال ہے جنہوں نے یہ سب شروع کیا۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو عمر کا دفاع کرنے پر مجبور پارسی تھی۔

”تم صرف یہ جانتی ہو کہ عمر کو کچھ نہ ہوتا کہ تمہاری فیملی کے بارے میں کچھ بھی اخباروں میں نہ آئے۔“ صالحہ نے عیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں جانتی ہوں سب کی تسلیو کے بارے میں لکھا جائے۔“ جی جی سب کچھ۔ میری تمہاری،

کام سونپا گیا ہے۔" نعمانہ نے لاپرواہی سے کہا۔ "مخفیہ نمونے لے کر پوچھ لو اس سے کہ اچانک اسے پھنسی دی گیا ضرورت

Figure 1

”پرسوں ماحلو سے میری بات ہو رہی تھی۔ وہ ایک اور آرمینل کھنڈ چاہ رہی تھی مگر جاگیر کے بارے میں“ اس نے بات شروع کی۔ ”دراصل اس دن مگر جاگیر کے فون کیا تھا یہاں ماحلو..... میرے آفس میں ہی بات ہوئی تھی دونوں کی بلکہ کچھ جھگڑا بھی ہوا تھا اور فون پر بات فہم کرنے کے بعد ماحلو نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ عمر کے بارے

وہ تیمور صاحب نے اپنے پاس منگوائی تھی۔ شاید سننے کے لیے؟“ دکانے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”نہیں، مجھ سے اس کا کوئی جھگڑا کیوں ہوگا۔ ہم ابھی بھی دوست ہیں۔“ اس نے جھوٹے ہونے کہا۔
 ”مجھے صرف تجس بورہا تھا۔ اس لیے میں نے یہ سب کچھ آپ سے پوچھا۔“ علیزہ نے وضاحت کی۔
 ”مگر مجھے حیرانی ہو رہی ہے۔“
 ”کس بات پر؟“

”تیور صاحب اسی آسانی سے تو پریشرز نہیں ہوتے، بلکہ ہمارے اخبار کی کریڈیٹلٹی اسی بات پر نہیں کرتی ہے کہ ہم ہر قسم کے پریشر کو نہیں کرنا جانتے ہیں اور ابھی بھی پریشر کے آگے سرخڑ نہیں کرتے پھر اب اتنے جھوٹے پریشر پر.....“ زہرہ جہار نے کندھے ہچکے۔

”ہاں مجھے بھی حیرت ہے مگر..... ظاہر ہے..... پیچھے کوئی مذکور بات تو ہوگی۔ کوئی ایسی بات ہوگی کہ تیور صاحب نے اس سارے معاملے کو ختم کرنا بہتر سمجھا۔“
 ”اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ زین العابدین بھی اسی اسائنمنٹ پر کام کر رہا ہے۔ تیور صاحب اسے کیسے روکیں گے؟ وہ تو کبھی دہرائیں نہیں کرتا۔“

”تم سے کس نے کہا کہ زین العابدین اس اسائنمنٹ پر کام کر رہا ہے؟“ زہرہ جہار نے کچھ چونک کر کہا۔
 ”صالحہ سے پتا چلا ہے مجھے۔“ علیزہ نے صالحہ کا حال دیا۔
 ”میرے پاس ایسی کوئی اطلاع نہیں ہے اور زین العابدین.....“ زہرہ جہار کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔ ”وہ کبھی بھی پہلے سے اپنی اسائنمنٹس کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا، پھر صالحہ..... جو بھی ہو، زین العابدین اور تیور صاحب کا مسئلہ ہے۔ وہ خود ہی اسے روک کر آؤٹ کر لیں گے۔“ انہوں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا علیزہ وہاں سے باہر آ گئی۔

☆☆☆☆

اگلا دن بہت دھماکا خیز ثابت ہوا۔ وہ دوپہر کے وقت آفس میں کام کر رہی تھی جب نغمہانہ یکدم اس کے کیمین میں داخل ہوئی۔

”مالی گاؤظیر! جیہیں تپا ہے، صالحہ کے ساتھ کیا ہوا ہے؟“ اس نے کیمین میں داخل ہوتے ہی کہا۔
 ”نہیں سچ کیا ہوا ہے؟“ علیزہ اس کے سوال سے زیادہ اس کے کلمات اور دیکھ کر خوفزدہ ہوئی۔
 ”اس کی گاڑی پر کسی نے فائرنگ کی ہے۔“ آج صبح جب وہ آفس آ رہی تھی تو.....
 ”مالی گاؤظیر! جیہیں کس نے تپا؟ وہ ٹھیک تو ہے؟“ علیزہ یکدم پریشان ہو گئی۔
 ”صالحہ نے خودفون کیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے آفس میں..... اسی نے بتایا ہے۔“
 ”اس کا مطلب ہے، صالحہ ٹھیک ہے۔“ علیزہ نے سکون کا سانس لیا۔

”ہاں..... وہ بہت کئی تھی جو جی گئی۔“ نغمہانہ نے کرسی کھینچتے ہوئے کہا ”ان لوگوں نے اس وقت اس کی گاڑی پر فائرنگ کی جب وہ ابھی اپنے گھر سے نکلتی تھی۔ فائرنگ کی آواز سنتے ہی اس کے گھر کا کچھ بھی باہر نکل آیا اور اس نے بھی فائرنگ کی جس کی وجہ سے وہ لوگ بھاگ گئے مگر صالحہ تو بہت زیادہ اپ سیٹ ہے۔ اس نے تیور

میں ایک اور آرٹیکل لکھنے کی بلکہ اس کی تمام گفتگو شائع کر دے گی مگر پھر وہ مجھے پڑ چلی تھی اور میرا کوشش کے باوجود اس سے رابطہ نہیں ہو سکا۔“ علیزہ نے جھوٹ بولا۔

”پھر کل مجھے پتا چلا کہ تیور صاحب نے صالحہ کو وہ آرٹیکل لکھنے سے منع کر دیا ہے اور وہ گفتگو کی ریکارڈنگ بھی ضائع کر دادی۔“ اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اوپر سے کچھ پریشر تھا۔“ زہرہ جہار نے اس کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا پریشر.....؟“ علیزہ نے پوچھا۔

”تمہیں پتا ہونا چاہیے علیزہ کیا پریشر ہو سکتا ہے۔ تم آخراں خاندان کی ایک فرد ہو۔“ وہ عجب سے اعزاز میں مسکرا کر بولیں۔

علیزہ چند لمحوں میں بول سکی۔ اسے توقع تھی کہ وہ بھی یہ بات جانتی ہوگی۔ ”یقیناً صالحہ نے یہ بات.....“ اس کی سوچ کا حتمی نوٹ کیا۔

”میں تو صالحہ سے یہ جان کر حیران رہ گئی کہ تم عمر جہاگیر کی کزن ہو، میرے تو وہ مکان میں بھی یہ نہیں تھا، اور مجھے حیرت اس بات پر بھی تھی کہ تم اور صالحہ اتنی اچھی فریڈز ہو اور صالحہ پھر بھی تنہا ہی کنبلی کے بارے میں لکھ رہی ہے اور تم نے کسی درمحل کا اظہار نہیں کیا۔“ زہرہ جہار اب کہہ رہی تھیں۔

”یہ تو مجھے صالحہ نے بتایا کہ وہ خود بھی چند دن پہلے تک یہ بات نہیں جانتی تھی۔ تم نے اس سے کچھ بھی اس بات کا ذکر ہی نہیں کیا۔“

”یہ ضروری تو نہیں تھا کہ میں ایسا کرتی۔“

”ہاں ٹھیک ہے ضروری تو نہیں تھا مگر پھر بھی..... چلو کوئی بات نہیں، اب تو ویسے بھی سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔“ زہرہ جہار نے اس کی بات کے جواب میں قدرے لا پرواہی سے کہا۔

”میں یہی جانتا تھا وہ رہی ہوں کہ سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ کل تک تو.....“ زہرہ جہار نے اس کی بات کاٹ دی۔

”یہ تو میں نہیں جانتی۔ تیور صاحب نے اتنی تفصیل نہیں بتائی مگر پرسوں کافی کالز آئی تھیں ان کے پاس، کافی اوپر سے اور وہ قدرے پریشان تھے۔ پھر انہوں نے صالحہ کو بلوا کر اس سے بات کی۔“

”مگر وہ کیوں پریشان تھے۔ خود گورنمنٹ نے بھی تو انکار ہی کیا اعلان کیا تھا۔ عمر کے خلاف۔“

”ہاں گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا مگر اعلان کرنے میں اور انکار ہی کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ صالحہ تو پرسوں بہت غصہ میں تھی۔ غصہ میں ہی پھنسی لے کر گئی ہے۔“ انہوں نے اسے ایک اور اطلاع دی۔ ”تمہارے اور

صالحہ کے درمیان تو آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی؟“

”کیسی بات؟“

”کوئی جھگڑا.....؟“

صاحب سے بھی بات کی ہے اور کل وہ پرس کاٹنٹس کر رہی ہے۔
”وہ جانتی ہے کہ فائرنگ کس نے کی ہے؟“

”سب جانتے ہیں، وہ جن کے خلاف آج کل کھل رہی ہے، ظاہر ہے ان لوگوں نے ہی۔“ نغمہ بات کرتے کرتے رک گئی۔

”تم عمر جہانگیر کا نام لیتا جا رہی ہو۔“ علیہ نے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... میں جانتی ہوں، جنہیں یہ بات بری لگے گی عمر جہانگیر کے علاوہ یہ کام اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کم از کم آفس میں سب جی کہہ رہے ہیں اور خود صالحہ کا بھی جی کہتا ہے عمر جہانگیر نے اس کی جیمنی کے دوران اسے گھر بھی فون کر کے دھکا دیا تھا۔“

علیہ کچھ بے دم ہو گئی۔ اسے یکدم ڈپریشن ہونے لگا تھا۔ آخر عمر جہانگیر کیوں اس طرح کی حرکات میں انوالو ہوتا ہے۔ نغمہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ مگر علیہ کو اب کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

عمر کے لیے ایسی کوئی حرکت کرنا ناممکن تھا مگر وہ پھر بھی یہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ وہ کسی عورت پر بھی ایسا حملہ کروا سکتا ہے اور وہ بھی تب جب وہ اخبار پر اتار پیرش ڈال چکا تھا کہ اب اس کے خلاف کچھ بھی شائع نہیں ہو رہا تھا۔ اسے عمر سے کھن آئی..... اسے اپنے خاندان سے کھن آئی۔

☆☆☆

شام کو صالحہ سے ملنے اس کے گھر گئی، ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا، کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ وہاں آیا۔

”بی بی سو رہی ہیں۔“ ملازم نے اسے اطلاع دی۔ علیہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ میں بکڑا پھلوں کا باو کے اس نے ملازم کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ میری طرف سے اسے دے دیں اور اسے بتائیں کہ علیہ و سکندر اس سے ملنے آئی تھی۔ میں اسے کال کروں گی۔“

”ٹھیک ہے، میں ان کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔“ ملازم نے سر ہلاتے ہوئے بوکے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ علیہ نے دے دینے کے بعد گھر سے اسے فون کیا مگر ملازم نے فون پر اس کا نام پوچھنے کے بعد اس سے کہا ”بی بی“ ایسا بھی سو رہی ہیں۔“

”آپ نے انہیں میرا پیغام دیا؟“

”جی..... وہ کھانا کھانے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ کوئی انہیں مٹرب نہ کرے۔“ ملازم نے اسے صالحہ کا پیغام دیا۔

علیہ نے فون بند کر کے صالحہ کے موبائل پر اسے کال کی۔ کال ریسیو نہیں کی تھی۔ وہ صاف طور پر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

علیہ وہ اس کی کیا بات کو کچھ بھی نہ سمجھا۔ وہ یقیناً اس وقت عمر جہانگیر کے خاندان کے ہر فرد کو اپنا دشمن سمجھ رہی ہو گی اور چند دن پہلے علیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے اس نے یہی اخذ کیا ہو گا کہ علیہ بھی عمر جہانگیر اور اس کے ہر اقدام کی مکمل حمایت کرتی ہے۔

اگلے دن کے اخبارات نے اس خبر کو فرنٹ پیج ٹیوز بنا دیا تھا۔ عمر جہانگیر پر اور کچھ اچھا لگ گیا تھا۔ اس کے حوالے سے اگلی پچھلی بہت سی خبروں کو اخبار میں لگایا گیا تھا اور اس باصرف ان کا اخبار ہی یہ سب شائع نہیں کر رہا تھا بلکہ ہر اخبار اس کے بارے میں اسی طرح کی خبریں لگا رہا تھا۔

تیسرے دن کے اخبارات عمر کے بارے میں کچھ اور خبریں لے کر آئے تھے۔ صالحہ پرویز کی پریس کانفرنس کو نمایاں کو رنج دی گئی تھی جب کہ عمر جہانگیر کی ترویج کو ایک منسلک کالی خبر بنا کر پچھلے صفحے کے ایک کونے میں لگایا گیا تھا۔ اسے بی ایس ایس کی طرف سے اس کی خدمت اور عمر جہانگیر کا برطرفی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

☆☆☆

”آج شام کو لاہور کے سارے صحافی پریس کلب سے گورز ہاؤس تک احتجاجی واک کر رہے ہیں۔ عمر جہانگیر کی معطلی اور اس کے خلاف اس کا خلاف حملہ کی انکوائری کے لیے۔ ہمارے اخبار کے سارے لوگ بھی جا رہے ہیں۔ علیہ وہ تم چلو کی؟“

”نغمہ نے تیسرے دن اسے صبح آفس آتے ہی بتایا۔ علیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا جواب دے۔“ کوئی تذبذب نہیں ہے، اگر تم اس واک کو جوائن نہیں کرنا چاہتیں تو کوئی بات نہیں.....“ نغمہ نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں تمہاری ٹینگر سمجھ سکتی ہوں.....“ اس نے جیسے علیہ سے ہمدردی کی۔

”میں نے ابھی کچھ نہیں کیا، ہو سکتا ہے میں شام وہاں آ جاؤں۔“ علیہ نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

وہ شام کو نہ چلا۔ ہوئے بھی اس احتجاجی واک میں شرکت کرنے کے لیے چلی گئی۔ اگلے دن آفس میں کوئیکر کی جیمنی اور سوالیہ نظروں سے بچنے کے لیے بھی بھڑکتا تھا۔

اسے دیکھ کر وہاں سب کو جرات ہوئی تھی شاید کوئی بھی وہاں اس کی اس طرح آمد کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ ہائی لوگوں کے ساتھ ساتھ خود صالحہ پرویز بھی خاصی حیران نظر آئی۔ فائرنگ والے واقعہ کے بعد اس دن پہلی بار ان دونوں کا آنا سامنا ہوا تھا علیہ اس کی طرف بڑھ آئی۔

”ہیلو صالحہ۔“ تم کیسی ہو؟“ اس نے صالحہ سے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“

”تم تم سے کوئی بات کرنے کی کوشش کرتی رہی ہوں مگر..... شاید تم بہت مصروف تھیں۔“ اس نے صالحہ سے کہا۔

”مگر کم از کم“

”ہاں، پروگرام کرو تو کنی نہیں تھا۔ میں دے دیے ہی آگیا۔۔۔۔۔ یہاں کالونی میں کسی کام سے آیا تھا سوچا کہ تم اور ہمارے ہاں مل جاؤ۔“ جینے نے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

”اب تم پر کڑے کرلو تو میں کھانا لگواؤں۔“ ہانو نے اسے اطمینان سے پیٹتے دیکھ کر کہا۔ وہ اچانک اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی۔

”ہیلو جنید! میں علیرہ ہوں“

”میں جانتا ہوں۔“ جنید نے اس کی بات کے جواب میں بڑے سہانہ لہجے میں کہا۔
 ”میں آپ کے فنون کا انتظار کر رہی تھی۔“ علیہ کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ اس کے علاوہ اس سے کیا کہے۔

أمرئیل

☆☆☆

”بس ایسے ہی آف کر دیا تھا۔ کچھ فرینڈز کے ساتھ فورٹریس چلی گئی تھی میں۔“ علیرہ نے صوفہ پر بیٹھتے

”یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ آپ میرے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔“ طلیزہ اس کے لیے میں ناراضی حاشا کرنے لگی۔ ”میرا تو خیال تھا کہ آپ خاموشی (خود بخیر) ہیں۔ دوسروں کے انتظار بھی صحت نہیں کر سکتیں۔ بہر حال آپ کی بہت مہربانی کہ آپ میرے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔“ وہ جلیں بار اس بات سے آگاہ ہوئی تھی کہ جینہ طلیزہ ہنسکتی بھی کر سکتا ہے۔ ”میں مصروف تھا اس لیے فون نہیں کیا۔“

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی رہی پھر طلیزہ نے ہی ہمت کرتے ہوئے پوچھا ”آپ نے اخبار دیکھا؟“

”روڈ دیکھتے ہوں؟“ اس کا لہجہ اب بھی بے شمار تھا۔

”آج کا اخبار دیکھا؟“

”شاید تم یہ پوچھنا چاہ رہی ہو کہ میں تمہاری تصویر دیکھی؟“ اس نے اتنے ڈائریکٹ انداز میں کہا کہ وہ کچھ نہیں بول سکا۔

”ہاں، دیکھی ہے میں نے..... بہت اچھی آئی ہے۔“ شرمندگی سے طلیزہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”یقیناً فورٹیس میں بھڑائی ہوئی تھی..... اپنی فریڈ زکے ساتھ۔“ وہ ابھی کچھ نہیں بول سکی۔

”صحیح کہہ رہا ہوں نا؟“ وہ بارے بار سے لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”جینہ! میں آپ کو بتا دینا چاہتی..... جینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا، کیا میں نے کیا ہے؟“

”آپ نے نہیں کیا مگر.....“ جینہ نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

”اور میں نے کوئی وضاحت بھی نہیں مانگی..... کیا مانگی ہے؟“

”نہیں مگر میں پھر بھی معذرت کرنا چاہ رہی ہوں۔“

”کس چیز کے لیے؟“

”غلط بیانی کے لیے۔“

”معذرت چاہتا ہوں مگر اس کو بھوت کہتے ہیں جسے آپ غلط بیانی کہہ رہی ہیں۔“ وہ کچھ دیر خاموش رہی۔

”ٹھیک ہے، آپ اسے بھوت کہہ لیں۔ میں اپنے بھوت کے لیے آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔“

”قائد؟“ طلیزہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس کی بات کا جواب دے۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ سے بھوت بولا، مجھے نہیں بولنا چاہیے تھا۔ مجھے آپ کو بتا دینا چاہیے تھا۔“ طلیزہ نے کچھ دیر کے بعد اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”تمہیں اس چیز پر افسوس ہے کہ تم نے مجھ سے بھوت بولا مگر تمہیں اس چیز پر افسوس نہیں ہے کہ تم ایک

احقانہ کام کے لیے وہاں گئی تھیں۔“ جینہ نے ٹکی سے کہا۔

”جینہ! میں آپ کو یہ سب کچھ نہیں سمجھا سکتی۔“ اس نے کچھ بے بسی سے کہا۔

”تم مجھے یہ سب کچھ صرف اس لیے نہیں سمجھا سکتی کیونکہ یہ بہت Illogical (غیر منطقی) ہے ایسا کچھ جس کا کوئی سرچری نہیں ہے۔“

”میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ صالحہ میری کولیگ اور دوست ہے۔“

”عمر جہانگیر تمہارا فرسٹ کزن ہے۔“ جینہ نے اسی طرح کہا۔

”مگر صالحہ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔“

”عمر جہانگیر کے ساتھ مجھ کی زیادتی ہو رہی ہے۔“ جینہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

”عمر جہانگیر اس سب کا خود ذمہ دار ہے۔“

”صالحہ اس کی خود ذمہ دار ہے۔“

”میرا یہ متعلق لوگوں کی وجہ سے آجکل میں بحث کر رہے ہیں؟“ طلیزہ نے کچھ جڑے ہوئے کہا۔

”جب میرے متعلق لوگوں کے لیے مرکب پر پوسٹر پکڑ کر لکھی ہوئی تو پھر بحث تو ہوگی۔ اگر آج کوئی عمر

جہانگیر کے لیے ایسا ہی کوئی واک کنٹریکٹ کرے تو تم جاؤ گی وہاں؟“ طلیزہ خاموش رہی۔ جینہ ٹکی سے جڑا۔

”تمہیں جاؤ گی..... میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا..... رشتے دانت داری مانگتے ہیں اور تم یہ حقیقت تسلیم

کرو یا نہ کرو مگر عمر جہانگیر تمہارا فرسٹ کزن ہے۔“ جینہ نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

”میں اسے گھر والوں کو اس تصویر کی کیا Justification (وضاحت) دے سکتا ہوں کہ میری سبکدوشی

ی خاندان والوں کے خلاف پوسٹر پکڑ کر مرکب پر لکڑی ہے؟“ طلیزہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”میں نے آپ کو بتایا ہے، میں بہت خوشی سے وہاں نہیں گئی تھی۔ مجھے مجبوراً وہاں جانا پڑا۔“

”نہیں۔ میں یہ وضاحت قبول نہیں کر سکتا..... کوئی مجبوراً کچھ بھی نہیں کرنا جب تک کہ اپنی مرضی کسی نہ کسی

مددک اس میں شامل نہ ہو۔“ جینہ نے اسی طرح ترشی سے کہا۔

”میں آپ سے ایکسکیوز کر رہی ہوں۔“

”مجھے تمہارا ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے طلیزہ! جس چیز پر تمہیں شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی اس کے

لیے ایکسکیوز دیت کر..... جینہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”تو پھر میں اور کیا کروں، آپ کو بتا تو چکی ہوں کہ.....“

جینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”میں اس موضوع پر تم سے پھر کبھی بات کروں گا۔“ اس کے لہجے کی فحش اسی طرح برقرار تھی ”اور رات کو میں

تمہیں کھانے پر نہیں لے جا سکتا گا کیونکہ کچھ مجھے کام ہے۔“ اس نے ٹکی بتایا اور گرامر مینسل کرتے ہوئے کہا۔

”خدا حافظ.....“ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر جینہ نے فون بند کر دیا۔

طلیزہ نے ابلیسی سے اپنے سوبائ کو دیکھا۔ ”آخرو دوسرے میرا پوائنٹ آف ویو کیوں نہیں سمجھتے۔ عمر جہانگیر کو

اتنا سپورٹ کیوں کرتے ہیں۔ جب وہ غلط ہو۔“ اس نے سوبائ میز پر دیکھتے ہوئے سوچا۔

علیہ نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ وہ جانتی تھی، اس کی کہی ہوئی کوئی بات بھی اس وقت نا تو کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔

☆☆☆

اپنی مسئلہ کے دودھ کے بعد لعلہ لاہور میں تھا اور اس نے ایک پریس کانفرنس میں اپنے خلاف تمام الزامات کو بے بنیاد اور جھوٹا قرار دیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کے خلاف یہ تمام الزامات لگانے والوں کے سیاسی مفادات ہیں۔ اس نے خاص طور پر اپنے علاقے کے کچھ سیاسی گمراہوں کو اس تمام مسئلہ کی جزا قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ اس کی فراسٹر کر داکر اپنی سریشی کے شخص کو وہاں لانا چاہتے ہیں اور اس میں نا کاکی کے بعد انہوں نے صالح پرویز کو اس کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔

آفس میں شام تک اس کی پریس کانفرنس ہی دسکس ہوتی رہی۔ سب کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ عمر جہانگیر نے اس طرح دھڑلے سے ان سیاسی گمراہوں کا نام لیا تھا جو صوبائی اور مرکزی حکومت کا حصہ تھے۔ سب کو یقین تھا کہ اس نے اپنے تاہوت میں آخری کیل ٹھوٹک لی تھی۔

"اب یہ شخص نہیں بچ سکے گا..... پہلے تو شاید یہ بچ جا کر مگر اب ان سیاسی گمراہوں کو اس طرح دھڑلے سے اٹھانے کے بعد پیچھے سے آجائے والا کوئی نہیں رہے گا۔" حسین نے بچ آؤر کے دوران کہا وہ ان دور پر راز میں سے ایک تھا جو اس پریس کانفرنس کو نوکر کرنے تھے۔

"مجھے تو حق لگا ہے یہ شخص..... ایک تو اس طرح پریس کانفرنس کرنا حماقت تھی۔ اس پر مزید ڈسپلری ایکشن ہو سکتا ہے اس کے خلاف اور دوسرے اس بیچ طرح اس طرح سیاست دانوں کو اٹھانے، وہ بھی وہ جو حکومت میں ہیں اپنے بیرون پر کھڑائی مارنے کے مترادف ہے۔" دوسرے رپورٹرز نواز نے تہمید کیا۔

"مگر مجھے اس شخص کے عیطان اور سکون نے حیران کیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ اپنی مسئلہ سے پریشان ہے اور پھر جس طرح وہ سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے دو ٹوک انداز میں ہر بات سے انکار کر رہا تھا۔ میں تو اس سے خاصا متاثر ہوا۔

مس علیہ آ آپ کا یہ کزن ہے ہیلنڈ....." حسین نے اپنی کرسی کو تھوڑا سا گھما کر ہوئے علیہ سے کہا۔

سب کی طرح حسین کی بات پر اس نے بھی کچھ مسکرائے کی کوشش کی۔

"مگر بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ سادہ ہونا ہی بندے کو مراد دیتا ہے، اور سادہ ہونا....." نواز نے لہجہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں تو اس وقت خاصا حیران ہوا، جب اس نے ان سیاسی گمراہوں کا باقاعدہ نام لیتے ہوئے اس سارے معاملے میں اٹھانے کی کوشش کی۔ دوسرا بیورو کریمت کو ایسا کہی نہیں سکا اور وہ بھی جب وہ معطل بیٹھا ہو۔ اب دیکھتے ہیں کل کے دوسرے اخبارات اس پر کئی خبریں لگاتے ہیں۔" نواز نے جانے کا پٹا اٹھاتے ہوئے اپنی بات کو ختم کیا۔ علیہ نے اس شام کو ایک بار پھر جینہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اسے نا کاکی ہوئی۔ سوبال پر اس

کی کال ریسیونجس کی گئی تھی۔ اس نے دوبارہ اس کے کمر فون کیا۔ فون فری نے اٹھایا تھا کہ ایک ملک ملک کے بعد اس نے جینہ کے بارے میں پوچھا۔

"جینہ بھائی ابھی کمر نہیں آئے۔" فری نے اسے اطلاع دی۔

"آفس میں ہیں؟" علیہ نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا..... ہو سکتا ہے، آفس میں ہی ہوں۔" فری نے لاپٹی کا اکتہار کیا۔

"مگر آفس تو بند نہیں ہو جاتا اس وقت؟"

"ہاں، ہو جاتا ہے مگر پھر دفعہ اگر کام زیادہ ہو تو نہیں ہوتا۔ ویسے بابا تو گھر آگئے ہیں، اس کا مطلب ہے کام زیادہ نہیں ہے۔" فری نے اسے اطلاع دی۔

"آپ ان کے سوبال پر رنگ کیوں نہیں کر رہے؟" فری کو اچانک خیال آیا۔

"میں نے سوبال پر کال کی ہے مگر اس نے کال ریسیونجس کی۔" علیہ نے اسے بتایا۔

"اچھا، آپ ایک منٹ ہولڈ کریں، میں بابا سے پوچھ کر آتی ہوں کہ کیا وہ آفس میں ہیں۔" فری نے اسے ہولڈ کر دیا تو اسے کہا۔ چند منٹ کے بعد وہ دوبارہ لائن پر آگئی۔

"بابا کمر ہے ہیں کہ وہ آفس میں نہیں ہیں۔ بابا سے کچھ دیر پہلے چلے گئے تھے۔" فری نے اسے اطلاع دی۔

"آپ یا تو ان کے سوبال پر دوبارہ کال کریں یا پھر کچھ انتظار کریں، وہ کمر آتے ہیں تو میں انہیں آپ کی کال کے بارے میں بتا دوں گی۔"

"میں کچھ دیر بعد دوبارہ کال کروں گی۔"

"چلیں ایسا کر لیں۔" ویسے وہ آئے ہی والے ہوں گے۔" فری نے کہا۔ علیہ نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

پچھلے چند دنوں سے جینہ سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ وہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گیا تھا اور اس کی بس خاموشی نے علیہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ آج وہ جینہ سے اس معاملے پر ایک بار پھر بات کرنا چاہتی تھی۔

رات گیارہ بجے کے قریب اس نے جینہ کو ایک بار پھر فون کیا۔ فون اس بار بھی فری نے ریسیو کیا تھا۔ علیہ کی آواز سننے ہی اس نے کہا۔

"بھائی تو کافی دیر ہوئی، مگر آج سے اور میں نے انہیں آپ کی کال کا بھی بتایا تھا بلکہ آپ کو فون کرنے کا کہا تھا کیا انہوں نے آپ کو فون نہیں کیا؟"

"نہیں..... تم میری ان سے بات کر دو۔" علیہ نے اس سے کہا۔

"اچھا آپ ہولڈ کریں۔" فری نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ علیہ انتظار کرنے لگی۔ اس بار فری کی داہنی ایک لمبا انتظار کے بعد ہوئی تھی۔

"میں نے انہیں آپ کے فون کا بتایا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ سے کہہ

دوں کہ وہ سو گئے ہیں۔" فری نے ریسیور اٹھاتے ہی بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
 "آپ لوگوں کے درمیان کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟" اس بار فری نے قدرے تشویش سے پوچھا۔
 "حالانکہ آپ دونوں جس حراج کے ہیں۔ ایسے کسی واقعے کی توقع تو نہیں کی جاسکتی۔"
 "آپ ایسا کر میں کہ ایک بار پھر ہولڈ کریں۔ میں ان سے جا کر کہتی ہوں کہ آپ نے مجھے انہیں چگانے کے لیے کہا ہے۔" علیزہ نے اسے منع کرنا چاہا مگر دوسری طرف سے ریسیور دکھ دیا گیا۔ اس بار ایک لمبے انتظار کے بعد اسے ریسیور پر چینی کی آواز سنائی دی۔
 "تمہیں کوئی کام تھا؟" "میں ایک سلیک کے بعد چینی نے بہت سرو لیچے میں اس سے پوچھا۔
 "چینی! کیا یہ ضروری ہے کہ مجھے کوئی کام ہو تو ہی میں آپ کو کون کروں۔"
 "ہاں، بہتر یہی ہے۔" علیزہ کو اس کے لیے اور اعزاز پر تکلیف ہوئی۔
 "میں دے ہی آپ سے بات کرنا چاہتی تھی۔ کاشی دن سے ہماری بات نہیں ہوئی اے۔"
 "تو اس کے لیے مجھے گانے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ تم مجھے ٹھونک سکتی تھیں۔"
 "میں نے آپ کو گایا نہیں ہے، فری نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو سنیں رہے ہیں۔" دوسری طرف وہ کچھ دیر خاموش رہا۔
 "فیک ہے، پہلے نہیں سورا تھا اب سونا چاہ رہا ہوں گا۔ تم بات کرنا چاہتی تھیں۔ بات ہو گئی۔ اب میں فون بند کر رہا ہوں۔"

"کیا آپ کی ناراضی کسی ختم ہو گئی؟"

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ناراضی اس شخص سے ہوتے ہیں جسے آپ کی پروا ہو، تم سے ناراض ہو کر تو۔" وہ کچھ کہہ کر کھینچ کر گیا۔
 "میں سونے کے لیے جا رہا ہوں، تم دوبارہ فون سے مت کرنا،" اس نے اس بار اپنی بات اجموری چھوڑ کر فون بند کر دیا۔

علیزہ کو بے اختیار جھنجھلاہٹ ہوئی۔ اس کا دل چاہا وہ فون تو ڈے..... "ہر ایک نے عمر کے بجائے مجھے کبھر سے میں کھڑا کر دیا ہے۔ عمر کے بجائے مجھے معذرتیں کرنی پڑی ہیں، مجھے وضاحتیں دینی پڑی ہیں اور یہ چینی ایسا تو نہیں تھا پھر اسے کیا ہو گیا ہے، ایک چھوٹی سی بات کو کیوں اس طرح رانی کا پہاڑ بنا رہا ہے۔ کیا صرف عمر جھگڑے کی وجہ سے یہ مجھ سے اس طرح ناراض ہو گیا ہے۔ صرف عمر کی وجہ سے جس سے اس کا دور دور کوئی تعلق نہیں ہے جس سے یہ کسی ایک بار سے زیادہ ملاک نہیں۔ کیا صرف اس شخص کے لیے مجھے اس طرح انکوار کر رہا ہے۔" وہ جوں جوں سوچ رہی تھی اس کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا اسے میری پروا نہیں ہے؟ ذرا براہ بھی کر اس کے اس طرح کے رویے سے میں سنی ڈسٹرب ہو رہی ہوں اور یہ عمر جھگڑے کب تک یہ شخص آریب کی طرح میری زندگی پر مہذبہ لانا رہے گا۔" وہ ساری رات کھاتی رہی۔



باب ۲۸

اگلے دن وہ شام کو شہلا کے ساتھ کے ایف سی گئی جب ایک لمبے عرصے کے بعد اس نے عمر کو وہاں دیکھا۔ علیزہ اور اس کی ٹیم کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور یہ صرف ایک اتفاق ہی تھا کہ علیزہ اور شہلا کی اپنے ٹیم کی طرف بڑھتے ہوئے اس پر نظر پڑ گئی، کے ایف سی میں اس وقت خاصا رش تھا اور شاید یہ رش ہی تھا جس کی وجہ سے عمر انہیں نہیں دیکھ سکے۔ وہ ایک ٹیم پر بیٹھا کھانا کھانے میں مصروف تھا مگر اس کی ٹیم کی ایک اور فرد بھی موجود تھا۔ یقیناً اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔

شہلا نے عمر کو نہیں دیکھا اور علیزہ نے عمر کی وہاں موجودگی کے بارے میں اسے بتایا بھی نہیں، وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے باتیں کرتی رہیں مگر دوتا فوٹا علیزہ کی نظر میں اس ٹیم کی طرف جاتی رہیں جہاں پر عمر بیٹھا تھا۔ شہلا کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے اس نے سوٹ ڈرک کا ایک ٹکٹو بیا اور پھر اسے جیسے اچھوڑا گا۔
 "کیا ہوا علیزہ؟" شہلا نے دیکھا جو اپنے منہ کو صاف کرتے ہوئے کچھ ہکا بکا سی عمر کے ٹیم پر بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کو دیکھ رہی تھی۔

وہ چینیہ ابراہیم تھا۔
 وہ پچیس چھکڑے چینیہ چینیہ کو عمر کے سامنے بیٹھے دیکھتی رہی، اس کی جھوک اڑ گئی تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھے۔

"جہیں کیا ہوا کھا کیوں نہیں رہیں تم؟" شہلا نے اسے تنبیہ کیا مگر اس نے شہلا کی بات پر دھیان نہیں دیا اور ابھی بھی اس ہی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ شہلا نے اس کے تاثرات کو نوٹ کیا اور گردن موڑ کر اس سمت دیکھا جہاں وہ دیکھ رہی تھی۔ چند لمحوں کی جستجو کے بعد اس کی نظر عمر اور چینیہ پر پڑ گئی۔

"عمر چینیہ کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟" شہلا نے بے اختیار گردن سیدھی کرتے ہوئے جراتی سے کہا۔
 "میری زندگی تباہ کرنے کی کوشش۔" علیزہ نے ان دونوں سے نظریں ہٹائے بغیر غمی سے شہلا سے کہا۔
 "نہلا کچھ نہیں سمجھی۔ اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر عمر اور چینیہ کو دیکھا۔

اس کی بات سنے سے صاف صاف انکار کر سکتی ہو تو کیا وہ تمہاری بات مانے گا۔ وہ تم سے یہ نہیں کہے گا کہ اب تم کیوں اس کو اپنی مرضی پر چلانے کی، اس کے فیصلوں کو بدلنے کی کوشش کر رہی ہو۔" شہلا نے جیسے حیر کر کے والے انداز میں اس سے کہا۔

"میں اس کو اپنی مرضی پر چلانے کی کوشش نہیں کر رہی اور نہ ہی آئندہ کبھی کروں گی اور dominate کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر میں عمر کو پسند نہیں کرتی۔ اسے اس بات کا پتا ہوتا چاہیے اور اسے میری پسند یا ناپسند کا احترام کرنا چاہیے۔" اس بار علیہ کا انداز کچھ ڈھانسان تھا۔

"یہ تو وہ پہلے ہی جان چکا ہوگا کہ تم عمر کو ناپسند کرتی ہو۔ میرا خیال ہے یہ بات تو اس کے لیے کوئی راز نہیں ہوگی مگر اب اگر وہ اس سے متا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اسے ناپسند نہیں پسند کرتا ہے۔ پھر اگر اس نے تم سے یہ کہا کہ تمہیں بھی اس کی پسند اور ناپسند کا احترام کرنا چاہیے تو؟"

علیہ اسے گھورنے لگی۔ "تم عمر کو جانتے ہو مجھے اس طرح کی بات کبھی ہو؟"

"ہاں عمر..... میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کو جینہ ناپسند کرے۔ تم عمر کو کیوں ناپسند کرتی ہو۔ اس کی وجوہات بھی دوسری ہیں، صرف معاملہ والا معاملہ تو اس کی وجہ نہیں ہے۔" شہلا نے اطمینان سے برگر کھاتے ہوئے کہا۔ علیہ کچھ لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکی۔

"پھر میں عمر سے بات کروں گی۔ میں اس سے کہوں گی کہ وہ جینہ سے ملنا چھوڑ دے۔" علیہ نے ایک بار پھر ہنسنے کی کوشش کی مگر وہ ہنسنے لگا۔

"آخر تم دفع کیوں نہیں کرتیں اس سارے معاملے کو، وہ اس سے ملے دو۔ ضرور وہی نہیں ہے کہ ان کے ملنے کی وجہ یہ ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔" اس بار شہلا نے قدرے چڑ کر کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ کسی اور وجہ سے آپس میں ملتے ہو۔"

"میں جانتی ہوں یہ جینہ سے ایسے دینے کیسے بھی نہ ملے۔ میں جانتی ہوں جینہ اس کی شکل تک نہ دیکھے۔" علیہ ہر طرح مشتعل ہو گئی۔

"تم بہت بولتی ہو علیہ۔" شہلا نے یکدم اس سے کہا۔

"کیا مطلب؟" علیہ نے اسے ناراضی سے دیکھا۔

"پانچ سال پہلے تم کسی قسم اور اب کسی ہو؟ اتنا فضا اور ضد تو کبھی نہیں کیا کرتی تھیں تم..... پھر اب کیا ہو گیا ہے؟"

علیہ نے جواب دینے کے بجائے اپنے سامنے پڑا ہوا برگر کھانا شروع کر دیا۔

"تنتی جلدی فضا آ جاتا ہے تمہیں..... اور پچھلے ایک سال سے تو تم..... آخر ہو کیا رہا ہے تمہیں؟" شہلا

اب جیسے اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہو رہا مجھے، میں ایسی ہی تھی ہمیشہ سے۔" اسے شہلا کی بات پر اور فضا آیا "کیا ہوتا ہے مجھے

پچھلے ایک سال میں۔ میں بہت خوش ہوں اور میں آخر خوش کیوں نہیں ہوں گی۔ جینہ جیسے آدمی کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے خوشی کا باعث ہو سکتا ہے اور ملک کے سب سے بڑے اخباروں میں سے ایک کے لیے کام کر رہی ہوں۔ لوگ میرا نام پچھتاتے ہیں اور تم کبہ رہی ہو کہ میں فضا کرتی ہوں۔ کیوں کروں گی میں فضا، میں اپنی کامیابیوں کو انجوائے کر رہی ہوں۔" اس نے اپنا برگر پلٹ میں بیٹھ دیا۔ "چاہے تمہیں یہ یاد رکھی کہ اس کا یقین آئے یا نہ آئے مگر یہ سچ ہے کہ میں بہت خوش ہوں اور میں اپنی زندگی سے بہت مطمئن ہوں اور میں اپنی کامیابیوں پر فخر کرتی ہوں جس کا اور کچھ....."

"میں نے یہ سب کچھ تو نہیں پوچھا تھا۔" شہلا نے دم آواز میں کہا۔ "میں نے تو صرف یہ پوچھا تھا کہ اتنی غصیلی کیوں ہو گئی ہو تم، اتنی جلدی فضا کیوں آتا ہے تمہیں۔ ضد کیوں کرنے لگی ہو اتنی؟ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجھے اپنی کامیابیوں اور فتوحات کی داستان سنائی شروع کرو۔"

"تم کیا جانتی ہو شہلا! میں اسی طرح ڈفر اور ڈل رہی ہوں، جیسا طرح پانچ سال پہلے تھی۔ آنکھوں پر پٹی اور منہ پر شپ لگا کر پھر کر جس طرح دس سال پہلے پہلے تھی، قمار گارڈ میک میں بے وقف نہیں رہی ہوں۔ عقل اور سمجھا گئی ہے مجھ میں..... عرصہ لوگوں کی انجوائے منٹ کا سامان نہیں بن سکتی میں، نہ کوئی اب مجھے استعمال کر سکتا ہے اور تو کچھ نہیں بدلا....." اس نے نفی سے کہا۔

شہلا نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے صرف اس کو ایک بار غور سے دیکھا۔

"اس طرح مت دیکھو مجھے۔ میں اب بھی تمہیں کوئی داستان امیر خزانہ نہیں سنارہی ہوں۔" علیہ نے برگر کی ٹرے اپنے آگے سے نکلی کے عالم میں بنا دی۔

"پچھلے دس دیکھیں تمہیں بیڑ کر کھانا تو کھاؤ۔" شہلا نے اٹھنے دیکھ کر کہا "کم از کم اب اس طرح منہ افکار یہاں سے مت جاؤ۔"

"نہیں اب مجھے یہاں نہیں رکھا، میں نے بتا کھانا تھا کھالیا..... تم کھانا چاہو تو کھاؤ، میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کروں گی۔" اس نے ان کے اٹھنے سے روک دیا اور کہا۔

"قارچہ میک علیہ.....! مجھے تمہارے ساتھ یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" شہلا نے اپنی ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا۔

آئندہ نہ آنا۔ "علیہ نے اپنا موبائل اٹھا لیا اور اسے اس پر ایک نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

"اب کبے کال کر رہی ہو؟" شہلا نے غصے سے کہا۔

علیہ نے جواب نہیں دیا، وہ کمرے کے کمرے دور دور امر اور جینہ کو دیکھتے ہوئے نمبر ڈائل کرتی رہی۔

جینہ نے موبائل کی کیپ پر اپنا موبائل اٹھا کر کال کرنا شروع کر دیا اور پھر موبائل آف کر دیا۔

"کس کی کال ہے؟" عمر نے بات کرتے کرتے دگ کر اس سے پوچھا۔

"ایسے ہی ایک دوست کی....." اس نے عمر کو ٹال دیا۔

ہوئے کہا۔

”کیونکہ وہ اسی ہال میں کھینچیں موجود ہے اور اس نے ہم دونوں کو دیکھ لیا ہے۔“ عمر نے اصرار اور نظریں دوڑائیں۔

”اب درش اتنا ہے کہ اس طرح بیٹھے بٹھائے تو کچھ کی نظر نہیں آئے گا۔ کمزور ہو کر دیکھنا چاہیے۔“ عمر اپنی کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا اور چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا جبکہ جینے نے ایسی کوئی دھت نہیں کی۔ وہ اطمینان سے اسی طرح بیٹھے ہوئے ایک بریٹ چیں کو اس کے ساتھ کھانا بار بار پھر چند منٹوں کے بعد کندھے اچکاتے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مجھے ہال میں تو کبھی نظر نہیں آئی۔ حالانکہ میرے اندازے کے مطابق اسے یہیں کہیں ہوتا چاہیے تھا۔“ ”اگر کال کی وجہ ہم دونوں کا آکھٹے دیکھ لیتا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ یوں آرام سے ہمیں کال کرتی پھرے گی۔“ جینے نے سوفٹ ڈرک کا سپ لیتے ہوئے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔ ”وہ تو ہمیں دیکھتے ہی یہاں موجود ہوتی اور مجھے بازو سے پکڑ کر اس ٹیبل سے لے جاتی۔“

عمر اس کی بات پر مسکرایا۔ ”میں میرا خیال ہے، وہ پہلے مجھے دو تین چمچر لگاتی اور اس کے بعد تمہارا بازو پکڑ کر جہیں یہاں سے لے جاتی۔“ اس بار جینے اس کی بات پر مسکرایا اور ٹشو سے اپنا منہ صاف کر کے لگا۔

”اس کے بازو جو میرا خیال ہے وہ یہیں کہیں ہے۔“ ”عمر اب سوفٹ ڈرک کے سپ لیتے ہوئے اپنے اطراف میں نظریں دوڑاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

”اگر تمہارا اندازہ ٹھیک ہے تو مجھ سے اس کی شکایت میں ایک اور شکایت کا اضافہ ہو گیا ہے اور آج رات کو وہ ایک بار پھر مجھے فون کرے گی اور مجھ سے تمہارے ساتھ ہونے والی میری ملاقات کے بارے میں پوچھے گی۔ اس کا مطلب ہے مجھے پہلے ہی خاصا خردار ہو جانا چاہیے۔“ جینے نے اطمینان سے کہا۔

”اور اچھا ہی ہوا مجھے یہ چاہتا گیا کہ دور میں پھر اس بارے میں اس سے جھوٹ بولیں۔“ اس نے کٹھن مجھے پکارتے ہوئے عمر سے کہا۔ عمر نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، وہ سوفٹ ڈرک کے سپ لیتے ہوئے اب کھینچ کر برقی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

☆☆☆☆

شہلا نے علیزہ سے فون جھین کر آف کر دیا اور اس کے بیک میں ڈال دیا وہ اب کے الیف سی کی سیر جیوں سے اتر رہی تھیں۔

”عمر کون فون کرنے کی کیا ٹیک تھی ہے۔ اسے فون کر کے تم کیا کوئی؟“ اس نے علیزہ کو سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

”جو کئی دل میں آئے گا میں کہوں گی۔“ ”اور اس نے سب کچھ جینے کو بتا دیا تو؟“

”تم کیا کہہ رہے تھے؟“ اس نے عمر کو بات جاری رکھنے کے لیے کہا۔

علیزہ نے موبائل کان سے ہٹا لیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

”کیا ہوا؟“ شہلا نے پوچھا۔ علیزہ نے جواب دینے کے بجائے عمر کو اور جینے کو دیکھا۔

”جینے کو کال کی ہے؟“ شہلا کو اچانک خیال آیا۔

”ہاں اور اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ جب تک یہ شخص اس کے ساتھ ہے۔“ اس نے بات اور دوسری چھوڑ کر اپنے ہونٹ ہنسیکھینکھینکے۔

”اچھا چلو۔۔۔ ہم جا رہے تھے یہاں سے۔“ شہلا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک ہاتھ میں اپنی فرسے پکڑی ہوئی تھی، علیزہ اس کے ساتھ چلتے چلتے کی عمر ساتھ چلتے ہوئے اب وہ ایک بار پھر موبائل پر کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

”علیزہ! ہار بار نمبر ڈائل مت کرو۔ موبائل کو بیک میں ڈالو۔ جینہ ابھی بات کرنا نہیں چاہ رہا ہوگا کیونکہ وہ کھانے میں مصروف ہے اور پھر عمر کے سامنے وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہا ہوگا۔“



عمر نے جراتی سے اپنے موبائل پر غور اور ہونے والا فہم دیکھا اور پھر جینے کو۔

”کیا ہوا؟“ جینے نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔

”علیزہ! کال کر رہی ہے۔“ عمر نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا عمر اس کے ہینو کیے ہی دوسری طرف سے موبائل بند ہو گیا۔

”بات نہیں کی تم نے؟“ جینے نے اس سے پوچھا۔

”نہیں بند کر دیا اس نے۔“ عمر نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”اس کی کال پر اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو تم؟“ جینے نے کہا۔

”کیونکہ بہت عرصہ بعد اس نے آج اچانک موبائل پر مجھے کال کیا ہے۔“ ”عمر اب بھی الجھا ہوا تھا۔ جینہ

یکدم کھٹا کھٹا کھٹا سے رک گیا۔

”جہیں کیا ہوا؟“ عمر نے جراتی سے اسے دیکھا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے مجھے بھی کال کی تھی۔“

”وہ کال جو تم کسی دوست کی کہہ رہے تھے؟“

”ہاں۔۔۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ جہیں موبائل پر کال نہیں کرتی تو اس طرح آج اچانک اس نے

ہم دونوں کو باری باری کال کیوں کی ہے؟“

”میں جانتا ہوں اس نے کیوں بار بار ہم دونوں کو کال کی ہے۔“ عمر نے اچانک اپنی فرسے پیچھے کھسکاتے

بات بری لگی ہے مگر اس وقت اسے اس پر اتنا غصہ رہا تھا کہ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔

”ہر بار اسے میں ہی فون کروں۔ ہر بار اسے میں ہی مناؤں..... اور یہ ہر بات مجھ سے چھپاتا رہا یہاں تک کہ عمر سے مکمل جوں بھی عمر کے سامنے اس نے مجھ سے بات تک نہ کرنا پسند نہیں کیا۔ فون بند کر دیا۔ یہ اہمیت ہے اس کی نظر میں میری۔“

وہ بری طرح کھوٹی رہی۔ جینہ پر اسے پہلے کبھی اتنا غصہ نہیں آیا تھا۔ اس کا خیال تھا جیسے حراج اور عادات والے شخص پر اسے غصہ آ ہی نہیں سکتا لیکن آج کم از کم اس طرح کا غصہ نہیں جیسا غصہ وہ اس وقت اپنے اندر محسوس کر رہی تھی۔

جینہ نے اگلے دن اسے فون نہیں کیا۔ رات کو جب وہ بے طے کر رہی تھی کہ وہ بھی آج سہ ماہی کے ساتھ اسے اس وقت تک فون نہیں کرے گی جب تک وہ خود اسے فون نہیں کر لیتا تو اچانک جینہ نے اسے موبائل پر کال کر لیا۔ اس کا لہجہ اتنا پرسکون اور خوشگوار تھا کہ طلیزہ کو جیسے حیرانی کا ایک جھٹکا لگا۔

”تو جانا..... کیا ہو رہا ہے؟“ انکی سلام دعا کے بعد اس نے طلیزہ سے پوچھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ وہ کیا جواب دے۔ وہاں دوسری طرف لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ان کے درمیان کوئی ناراضی ہوئی تھی۔

”کچھ نہیں، میں سونا چا رہی تھی۔“ اس نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

”تم نے اتنے دن سے مجھ سے بات نہیں کی۔ تمہیں محسوس نہیں ہوا۔ اب تم سونے جا رہی ہو۔“ جینہ نے جیسے انہیں اس کا اظہار کیا۔ ”مجھ سے ناراض ہو کر نیند آ جاتی ہے تمہیں؟“

”کھانا بالکل آ جاتی ہے۔“

دوسری طرف وہ جانا۔ ”شعر ہے تم نے نہیں کہا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اچھی آتی ہے۔“

”نہیں پہلے ہی کی طرح آتی ہے۔“

”یعنی میری ناراضی نے تمہارے معمولات پر کوئی اثر نہیں ڈالا؟“

”اگر آپ میری ناراضی سے متاثر نہیں ہوتے تو میں کیوں متاثر ہوں گی۔“

”یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ میں تمہاری ناراضی سے متاثر نہیں ہوا۔ کھانا چنا چھوڑا ہوا ہے میں نے۔“ دوسری

طرف سے اظہار تنبیہ کی سے کہا کیا طلیزہ کو غصہ آ جاتا۔

”مگر سے لگتا تک بند کر دیا ہے، اس کے علاوہ اور کیا اثرات ہوتے ہیں؟“

”آپ نے مذاق اڑانے کے لیے کیا کیا ہے؟“

”ارے..... کس کا مذاق اڑا رہا ہوں میں؟“

”انسان اگر کھانا وغیرہ کھا لے، باہر بھی آ جاتا رہے مگر دوسروں کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرے تو باہمی تعلقات کے لیے یہ بہتر نہیں ہے۔“

”یہ تم میرے بارے میں کہہ رہی ہو؟“ اس بار جینہ نے تنبیہ کی سے کہا۔

”آپ اپنے بارے میں بھی سمجھ سکتے ہیں۔“

”طلیزہ! کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم بچھلے کچھ دنوں کے واقعات کو Skip (چھوڑ) کر کے ایک دوسرے سے بات کریں؟“ اس نے تنبیہ کی سے کہا۔

”کیوں.....؟“

”یہ ہم دونوں کے تعلقات کے لیے زیادہ بہتر رہے گا۔“

”کون سے تعلقات جینہ.....؟“ اس نے اس بارے میں پھر سے کہا۔ ”مجھے لگتا ہے کہ ہمارے درمیان اتنے لوگ ہیں کہ براہ راست والا تو کوئی تعلق شاید ہی نہیں۔ آپ نے اتنے لوگوں کو اس رشتے میں فریق بنالیا ہے کہ مجھے تو لگتا ہے ہماری کوئی برائیدہی نہیں ہے۔“

جینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم عمر کی بات کر رہی ہو۔ میں جانتا ہوں۔“

”یقیناً جانتے ہوں گے، آپ نہیں جانتے ہیں مجھے تو کون جانے گا۔“ طلیزہ نے اس بار ناراضی سے کہا۔ ”آپ کی تو یہ اعلیٰ طرفی ہے کہ آپ مان رہے ہیں کہ میں عمر کی بات کر رہی ہوں اور آپ یہ بات جانتے ہیں ورنہ آپ پہلے کی طرح صاف انکار کر دیتے اور یہ کہتے کہ عمر سے کبھی آپ کی کوئی بات ہی نہیں ہوتی تو میں کیا کر سکتی تھی۔“

”کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں عمر کی بات نہ کر سکوں۔“ جینہ کا لہجہ یکدم خشک ہو گیا۔

”اس کی بات میں سے نہیں آپ نے شرع کی۔ اسے اپنے اور میرے درمیان آپ نے کر آئے تھے پھر اب اس کی بات کرنے سے کیوں ہٹ چکا ہے ہیں آپ؟“

”میں ہٹ چکا نہیں رہا ہوں۔ میں بس عمر کی بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”آپ اس کے ساتھ کے ایف سی جا سکتے ہیں۔“ طلیزہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”آپ مجھے دھوکے میں رکھ سکتے ہیں۔ آپ اس کے معطل ہونے پر مجھ سے بات کرنا بند کر سکتے ہیں مگر آپ اس کے بارے میں مجھ سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہیں یا بے وقوف بنا رہے ہیں۔“

”تمہیں اہمیت غصہ آ رہا ہے اور غصہ میں بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔“ جینہ نے قہقہے سے کہا۔

”جینہ! مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے۔ آپ کی غلط بیانی پر بھی مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے۔“ وہ جینہ کی بات پر اور ناراض ہوئی۔

”آپ نے عمر کی وجہ سے اتنے دنوں سے مجھ سے بات نہ کرنا چھوڑا ہوا ہے اور آپ کو لگتا ہے غصہ میں، میں ہوں۔“

”اگر میں نے بات نہ کرنا چھوڑا ہوا تھا تو فون بھی تو میں نے کیا ہے۔“ جینہ نے کہا۔

”آپ نے کتنی بار فون کیا ہے، بس کل اور آج..... اور..... اس سے پہلے جو میں آپ کو فون کرتی رہی وہ.....“

”ہم بچوں کی طرح فضول باتوں پر لڑ رہے ہیں۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ ہم پیور ہیں۔ عین ابھر نہیں ہیں۔“

علیہ وکواس کے پھپر لفظ استعمال کرنے پر بے اختیار غصہ آ گیا۔

”میں میں پھپر نہیں ہوں، اور اس واقعہ کی طرح لڑائی ہوں کیا یہ بھرتیں کو کم بات کرنا غصہ کر دیں۔“

”علیہ و! کیا میں ایکسکیز دیکھ کر توں تم سے.....؟ او کے آئی ایم سوری۔“

علیہ کے اشتعال میں اور اضافہ ہو گیا۔ ”کیا میں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ ایکسکیز کریں۔ بات بھی کی ہے میں نے اس کے بارے میں، پھر آپ کیوں ایکسکیز دکر رہے ہیں۔ مجھے وہ لوگ اچھے نہیں لگتے جو اس طرح خواہ مخواہ ایکسکیز دکر رہے ہیں۔“

”یعنی تمہیں میں اچھا نہیں لگتا؟“

”آپ اب پھر بات کو غلط رخ دے رہے ہیں۔“ وہ مزید بولی۔

”ٹھیک ہے میں اب بات کو صحیح رخ دتا ہوں، تم کل کھانا کھانے چلو گی میرے ساتھ؟“ جنید نے کہا۔

”نہیں.....“ اس نے سوچے کچھ بغیر کہا۔

”کے ایف سی لے کر جاؤں گا نہیں.....“ وہیں جہاں عمر کے ساتھ گیا تھا اور جہاں تم ہمیں دیکھنے کے بعد بھاگ گئی تھیں۔“

جنید نے اس بار شرح لکھ میں کہا۔

”میں کہیں نہیں بھاگی تھی۔ کس نے کہا ہے کہ میں بھاگ گئی تھی؟“ وہ جکر بولی۔

”عمر نے بتایا ہے، اسے خاصا اندازہ ہے تمہارے ٹیچر اسٹن کا۔“

علیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”آپ عمر کو ہی دوبارہ وہاں لے جائیں، مجھے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں مذاق کر رہا تھا علیہ، سب تمہارے سٹس آف جوہر کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا اب مجھے تم کو یہ بھی بتانا ہے کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔“

”آپ مجھے کچھ بھی نہ بتائیں۔“

”اچھا تم ہمارے گھر کب آری ہو۔ بہت دن سے نہیں آئیں؟“

وہ کچھ دیر چپ رہی۔ ”میں آؤں گی، ابھی کچھ ضرورتیں ہوں۔“

”علیہ و! مجھے تمہیں جگہ بتانا ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ دن تم میرے لیے کچھ زیادہ وقت نکالو اور اپنے وقت کو کچھ دیر کے لیے بھول جاؤ۔“ جنید نے بڑی رسالت کے ساتھ کہا۔

”کیسی باتیں؟“

”یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتا۔ آئے سانسے بات کرنا زیادہ بہتر رہے گا۔ اس وقت کم از کم تم فون بند کر کے نشستہ بند نہیں کر سکو گی۔“

”آپ اس بارے میں پریشان نہ ہوں، میں ابھی بھی فون بند نہیں کروں گی۔ آپ مطمئن ہو کر بات کر سکتے ہیں۔“ علیہ و! کچھ تحسین ہوا۔

”میں فی الحال میں تم سے یہ باتیں نہیں کر سکتا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے غصے میں مزید اضافہ ہو۔“

”تمہیں میرے غصے میں اضافہ نہیں ہوگا، آپ بتا دیں۔“ اس نے اصرار کیا دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی۔

”ابھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے نہ ہی میں نے لفظوں کا انتخاب کیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ یہ دونوں کام کر سکوں۔“

اسے اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہ اس بار بات کرتے ہوئے سنجیدہ تھا یا پہلے کی طرح مذاق کر رہا تھا مگر اس بار علیہ و نے اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔

”تمہارا موز ٹھیک ہو گیا ہے؟“ جنید نے اس کی خاموشی پر کہا۔

”ہاں.....“ علیہ و نے مختصر جواب دیا۔

”گڈ۔“ جنید نے دوسرے طرف سے جیسے اسے سہلہ۔ ”یہ پہلے تمہیں کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔“

علیہ و کو شلا کی بات یاد آئی، وہ کہہ رہا تھا۔

”آٹھ دھ سال پہلے تو تمہیں غصہ نہیں آتا تھا۔“ علیہ و نے حیرانی سے اس کی بات سنی، جنید نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ فون رکھتے ہوئے وہ بری طرح الجھی ہوئی تھی۔

”آٹھ دھ سال پہلے..... جنید آٹھ دھ سال پہلے کے بارے میں کچھ جان سکتا ہے۔“

☆☆☆

علیہ و نے جنید کے گھر کے گیٹ پر بارن بجایا، چونکہ رات دوڑا وہ کھولنے لگا وہ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ اصرار آتی تھی۔ شام کے پانچ بج رہے تھے اور شلا کے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے اچانک ہی گاڑی کو جنید کے گھر کی طرف موڑ لیا۔ وہ کافی دن سے ان کی طرف نہیں آئی تھی اور آج اسے کچھ فرصت تھی۔

چونکہ رات کے گیٹ کھولنا زیادہ اچھی گاڑی اندر نہیں لے جاسکتا۔ اس کی نظریں اندر چل جی تھیں ایک گاڑی پر جم گئی تھیں۔ چند لمحوں تک اسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ عمر جیٹ کی ڈانی گاڑی کو کہاں دیکھ رہی تھی مگر پھر اس کے اندر غصے کی ایک لہری اٹھی۔ سرخ چہرے کے ساتھ ایک جھٹکے سے وہ گاڑی اندر دھکی، چوکی گاڑی کے بالکل پیچھے اس نے اپنی گاڑی کو کھڑا کر دیا۔ وہ ابھی اپنی گاڑی سے نکل رہی تھی جب اس نے عمر کو لاؤنچ کا دروازہ کھول کر باہر نکلے دیکھا۔ اس کی نظر علیہ و پر پڑی اور ایک لمحہ کے لیے غصہ ٹھٹھک گیا مگر اس کے بعد اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس مسکراہٹ نے علیہ و کو اور مشتعل کیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے عمر اس کا منہ چڑا رہا ہو۔ چٹکی کی رات کے بعد ان دونوں کی اب ملاقات ہو رہی تھی اور جن حالات میں ہو رہی تھی وہ کم از کم علیہ و کے لیے قابل قبول نہیں تھے۔

”ہیلو علیہ و!“ عمر نے اس کے قریب آ کر کہا۔

علیہ و نے اسے سرد مہری سے دیکھا۔ ”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ کسی لمبی لپٹی کے بغیر اس نے عمر

سے پوچھا۔

عمر کو شاید اس سے اس طرح کے سوال کی توقع نہیں تھی۔

”میں..... میں ویسے ہی آیا ہوں یہاں۔“ عمر نے جیسے نہیں سمجھتا ہوا کہا۔

”وہی پوچھ رہی ہوں۔ تم یہاں ویسے بھی کیوں آئے ہو؟“ علیزہ کا خون کھول رہا تھا۔ چند ہفتے پہلے صالحہ کا انکشاف ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

”کیا ہوا علیزہ! اتنی روڈ کیوں ہو رہی ہوں؟“ عمر نے جیسے اس کے اشتعال کو کم کرنے کی کوشش کی۔

”میں تم سے یہ پوچھ رہی ہوں کہ تم ”میرے“ مگر میں کیا کر رہے ہو؟“ علیزہ نے ”میرے“ پر زور دیتے ہوئے کہا اور عمر چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بولا شاید بولیں سکا پگھلیں بچپانے کے بغیر وہ علیزہ کے چہرے کو دیکھتا رہا جو بری طرح مرعوب رہا تھا۔

”تم یہاں کیوں؟ اس کا جواب دے سکتے ہو؟ نہیں، کوئی جواب نہیں ہے تاہم اسے پاس؟“ وہ اب استہزائیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”دوسروں کی زندگی پر بار دہانے کے لیے ہر جگہ منہ اٹھا کر پہنچ جاتے ہو؟“ اس کے ہونٹ اور آواز بری طرح لرز رہی تھی۔

”علیزہ!“ عمر اس کی بات پر دم بخود ہو گیا۔

”تم سے عمر! تم سے برداشت ہی نہیں ہوتا کہ میں ایک اچھی پرسکون زندگی گزار سکوں۔“

”چیزیں کیوں برادر کرنا چاہتے ہو تم مجھے۔ چنانچہ میں نے کیا بکاڑا ہے تمہارا۔“

”علیزہ! جہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ عمر نے اس کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔

”مجھے غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ مجھے؟ ایسا ہے تو تم یہاں کیوں آئے ہو.....؟“ اس نے مشکل خود کو چلانے سے روکا۔

”میں یہاں.....“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر علیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”یہ میرا گھر ہے عمر! اہم الزم یہ وہ جگہ ہے جہاں سے میں نہیں دھکے دے کر نکلا سکتی ہوں۔“ وہ اب گیت کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ ”یہ نانو کا گھر نہیں ہے جسے میں تمہارے ساتھ شیئر کرنے پر مجبور تھی۔ جہاں تم اپنا حق جتا سکتے تھے۔“

”میں یہاں کوئی حق جتنا نہیں آیا۔“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اور میں نے کبھی گرتی کے گھر پر بھی کوئی حق نہیں جتایا۔“ اس کی آواز پر سکون تھی۔ ”تم مجھ پر کم الزم یہ الزام عائد نہیں کر سکتیں۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے گھر تمہارا ہے اور تم مجھے یہاں سے دھکے دے کر نکلا سکتی ہو۔“

وہ جب سے انداز میں مسکرایا۔

”مگر اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں اس کے بغیر یہاں سے چلا جاتا ہوں، ابھی اتنی تہذیب تو باقی ہے مجھ میں کہ میرے ساتھ کسی کو زبردستی نہ کرنا پڑے۔“ وہ دم آواز میں بولا۔

”تم میں جتنی تہذیب ہے میں جانتی ہوں۔“ علیزہ نے رخ لپٹے میں کہا۔ ”بلکہ مجھ سے زیادہ یہ بات تو کوئی

جان بھی نہیں سکتا۔“ عمر نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور بھر پور نے لگا۔

”تم دو بار کبھی اس گھر میں مت آنا۔“

عمر مڑتے مڑتے رک گیا۔

”کبھی بھی نہیں۔ عمر جہاں گھر نام کے کسی شخص کو نہیں جانتی اور نہ ہی میں جانا چاہتی ہوں۔“

عمر کے چہرے پر ایک سایہ سا گزرا۔ ”ٹھیک ہے..... اور کچھ؟“ اس نے بہت سکون سے علیزہ سے پوچھا۔

”اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ علیزہ نے اگلے انداز میں کہا۔ وہ واپس مڑ گیا علیزہ وہاں نہیں دکی۔ وہ لمبے قدموں کے ساتھ لاڈلج کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔

جنید کی ای نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

”ابھی تمہارا کزن آیا ہوا تھا۔“ انہوں نے بڑے سرسری انداز میں کہا۔

”ہاں میں ملی ہوں باہر پرچ میں۔“ علیزہ نے مسکراتے کی کوشش کی۔

”تمہارا چہرہ کیوں سرخ ہو رہا ہے؟“ انہوں نے اچانک چونک کر علیزہ کو دیکھا۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی.....“ علیزہ نے بہانہ بتایا۔ ”آپ عمر کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔“ علیزہ

نے بات کا منہ مٹا دیا۔

”وہ کس لیے یہاں آیا تھا؟“ علیزہ نے ان سے پوچھا۔

”وہ بس ویسے.....“ جنید کی ادنیٰ ردائی سے کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ ”یہ تو اس نے مجھے نہیں بتایا شاید جنید

سے ملنے آیا ہوگا۔“ جنید کی ادنی نے کہا۔

”دیکھو اچھا..... کیوں علیزہ؟“ جنید کی ای نے اس کی رائے لی۔

”عباس بھائی بھی آتے رہے ہوں کہ پچھلے دنوں؟“ علیزہ نے ان کے سوال کو گول کرتے ہوئے پوچھا۔

”عباس..... کون؟“ جنید کی ای کچھ انہیں علیزہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

”جنید کے دوست ہیں..... وہ بھی میرے کزن ہیں انکل ایاز کے بیٹے۔“

”ہاں..... کون یاد آتا؟“ بس میرے ذہن سے یہ نکل گیا۔“ جنید کی ای نے کچھ گڑ بڑا کر کہا۔ ”عباس تو یہاں نہیں آیا۔“

”اچھا..... پھر میرا خیال ہے انہوں نے جنید سے فون پر رابطہ کیا ہوگا؟“ علیزہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”ہاں ہو سکتا ہے جنید اور اس کا فون پر رابطہ ہو۔ بہر حال وہ یہاں تو نہیں آیا۔“ جنید کی ای نے کہا۔

”اور یہ عمر..... کیا آج بھی بار آیا ہے؟“ علیزہ نے ایک خیال آنے پر ان سے پوچھا۔

”عمر.....؟“ وہ ایک بار مجھ پر کچھ کہتے کہتے رکیں۔ ”ہاں جی ہاں آ رہا ہے۔“

”کیا تمہیں اس کا آنا چاہی تھا؟“ اس پر علیزہ نے ان کے سوال پر گڑ بڑا دی۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے اس کا یہاں آنا برا کیوں لگے گا؟“

وہ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں رہی اور اس کے بعد واپس گھر آگئی مگر آکر اسے بھرکھٹ ہوئی تھی، عمر کی گاڑی اب وہاں کھڑی تھی۔ اسے تو قہقہے کی سی کہ وہ عمر یہاں موجود ہوگا ورنہ وہ ابھی کچھ اور دقت وہاں گزارتی۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے تانہ اور عمر کو وہاں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ اس نے دوسری نظر ان پر نہیں ڈالی سلام دعا کیے بغیر وہ سیدھی وہاں سے گزرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی اسے تو قہقہے کی عمر کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہاں سے چلا جائے گا گھر آیا نہیں ہوا تھا۔

وہ ابھی کپڑے بدل کر باتھ روم سے نکلی تھی جب اس نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔
 ”دروازہ کھلا ہے“ اس نے اپنے بالوں کو ہینر بیڈ میں جکڑتے ہوئے کہا۔ اگلے ہی لمبے دروازہ کھلا اور عمر اندر آ گیا۔ وہ کچھ دیر شاڈوئی اسے دیکھتی رہی ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہونے والے جھگڑے کے بعد اسے تو قہقہے کی عمر کو وہ ابھی فوراً دوبارہ اس طرح اس کے سامنے آ جائے گا۔

”تم مجھے دیکھ کر حیران ہو رہی ہو؟“ وہ جیسے اس کے تاثرات بھانپ گیا تھا۔
 ”نہیں میں نے تمہارے بارے میں حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ میں تم سے کبھی بھی کسی چیز کی توقع کر سکتی ہوں۔“ طیلر نے نرمی سے کہا۔

وہ دروازے سے چند قدم آگے بڑھ آیا۔ ”میں بیٹھ سکتا ہوں؟“

”ہاں بالکل جہاں چاہو۔“ بیٹھو۔ اس گھر پر تمہارا حق ہے یہاں میں تمہیں اس طرح Treat نہیں کر سکتی جیسے میں نے جنید کے گھر پر کیا تھا اور یہ بات تم ابھی طرح جانتے ہو۔ پھر اس طرح فائل کیوں ہو رہے ہوں۔ یوں جیسے تم بڑے صہب ہو۔ جیسے ہر کام تمہے سے پوچھ کر کرتے ہو۔“ وہ نرمی سے نرمی سے کہتی رہی۔

”ہم کچھ دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟“ وہ کوئی رول ٹاکس خیر کے بغیر بولا۔
 ”نہیں میں اب تمہارے ساتھ کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔“ طیلر نے دونوں انداز میں کہا۔

”میں وجہ جان سکتا ہوں؟“

”نہیں یہ جاننا ضروری نہیں ہے۔“ طیلر نے اٹھ کر انداز میں کہا۔

”مجھے ضرورت ہے۔“ عمر نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تم کسی دن آئیے گے سامنے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دیکھنا۔ پھر میں وجہ جاننے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“
 ”میں آج یہاں آئیے میں اپنا چہرہ ہی دیکھنے آیا ہوں۔ تم مجھے میرا۔“ بقول تمہارے۔ اصلی چہرہ دکھاؤ۔“

”یہاں تم کیا ثابت کرنے آئے ہو؟“

”مجھے تم پر کچھ بھی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے طیلر۔“

”Then just get out of my room“ (جب آپ میرے کمرے سے تحریف لے جائیں)

”نہیں فی الحال میں یہاں سے جاؤں گا نہیں۔“ عمر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”مجھے لگا کہ تمہیں بار لگا ہے۔“

”نہیں برا نہیں مجھے کچھ عجیب لگا ہے۔“ عمر دراصل کہیں جاتا نہیں اس لیے۔“ طیلر نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

”مگر۔۔۔“ وہ ایک بار پھر کچھ کہتے کہتے رکس اور انہوں نے طیلر کو غور سے دیکھا۔ طیلر کو یوں لگا جیسے ایک بار پھر وہ کچھ کہتے کہتے رہی ہیں۔

”تمہارا بہت تعریف کر رہا تھا۔“

انہوں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ طیلر نے جواباً کچھ نہیں کہا وہ صرف بات کرتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی۔

”جنید کہہ رہا تھا کہ تم اسے زیادہ پسند نہیں کرتیں۔“ انہوں نے یکدم اس سے کہا وہ چند لمبے کچھ نہیں کہہ سکی اسے تو قہقہے کی عمر نے اپنی بات کہہ دے گا اور خود جنید نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ میں عمر کو پانچہدہ صرف پچھلے چند واقعات کی وجہ سے۔“ وہ سوچنے لگی۔

”تم کیا سوچ رہی ہو طیلر؟“ جنید کی ای نے یکدم اس سے پوچھا۔

”نہیں کچھ بھی نہیں۔“ اس نے یکدم چونک کر کہا۔

”میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟“ جنید کی ای نے جیسے اسے یاد دلایا۔

”میں اسے پانچہدہ نہیں کرتی۔“ پتا نہیں جنید کو ایسا کیوں لگا۔ بس میری اس کے ساتھ انٹرٹیننگ نہیں ہے مگر اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہماری ملاقات ہی بہت کم ہوتی ہے۔“ وہ بے اختیار کہتی گئی۔ ”شاید زیادہ ملاقات کا موقع ملتا تو۔۔۔ میں انہیں پسند کرتی اور شاید وہ بھی۔۔۔ مگر جب اس عمر سے ملاقات کا موقع دے تو پھر یہ چیزیں اتنی اہم نہیں رہتیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی اور اسے لگا کہ شاید وہ بھی گئی تھیں۔

”ہاں میں بھی سوچ رہی تھی کہ آخر تم عمر کو پانچہدہ کیوں کر دے۔۔۔ وہ تو اتنا۔۔۔“

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتیں فون کی تھنپ جتنے لگی۔ جنید کی ای چونک کر فون کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ طیلر نے گفتگو کا سلسلہ اس طرح نوٹے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

”میں دیکھوں کس کا فون ہے۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”میں فون کی سے پاس جا رہی ہوں۔ اپنے کمرے میں ہی ہے؟“

طیلر نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ جنیں چاہتی تھی فون پر بات کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اس کے پاس آئیں اور موضوع گفتگو پھر عمر پر جا گئیں۔

”ہاں اپنے کمرے میں ہی ہے۔“ انہوں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے میں اس کے پاس جا رہی ہوں۔“ طیلر نے لاؤنج سے نکل گئی۔

کرواتے۔ زیادہ خطرہ ہوتا تو جان سے مارنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔

عمرانگ پر ناگ رکھے بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”سلیف ریسکٹ نام کی چیز تمہارے اندر ہے ہی نہیں..... مجھ پر اثر انداز ہونے کے لیے تم نے جیند کے ساتھ رابطے بڑھانا شروع کر دیے۔ اس کے گھر آنے جانے گئے، اس سے ملنے گئے تاکہ اس کے ذریعے مجھے مجبور کر دو کہ میں صالحہ پرویز پر اثر انگیز نہ کھینے کے لیے دباؤ ڈالوں اور میں سوچی رہی کہ جیند شاید عباس کے کہنے پر مجھے یہ سب کہہ رہا ہے مجھے گھر کے اعزاز ہونا چاہیے تھا کہ اتنا صرف تم ہی کر سکتے ہو۔ کوئی دوسرا نہیں۔ عباس کم از کم اس طرح دوسروں کے سامنے گھٹنے نہیں بیٹھے گا۔ جس طرح تم قلم رہے ہو۔ جس راستے سے بھی تمہیں اپنا جوا نظر آ رہا ہے تم اس طرف دوڑ رہے ہو۔ یہ دیکھتے بغیر کہ دوڑتے ہو تم کس پر سے گزر رہے ہو۔ تمہیں شرم آئی چاہے عمر“

عمر کا چہرہ اب بھی اسی طرح بے تاثر تھا۔

”مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں، تمہیں نہیں کیا سمجھتی رہی اور تم..... تم..... آستین کے سامنے ہو۔ کم از کم میرے لیے تو آستین کے سامنے ہی ثابت ہوئے ہو اور اب تم ایک بار پھر یہاں میرے سامنے آ گئے ہو۔ اپنی مفاہیاتاں دیتے۔“

اس کی آواز غصے سے لرز رہی تھی۔ وہ یکدم بات کرتے کرتے رک گئی۔

”جس طرح تم نے میرے اعتماد کا مذاق اڑایا ہے اسی طرح.....“

عمر اب سرگرمی سے لگا رہا تھا۔ علویہ کو اس کی خاموشی اور بے نیازی پر اور غصہ آیا، تیزی سے اس کے پاس جا کر اس نے اس کے ہونٹوں میں دباؤ مارا۔ علویہ اور ہاتھ میں پکڑا ہوا لائننگ لیا۔ عمر نے حراست نہیں کی۔ علویہ نے کوئے میں پڑے ہوئے ڈسٹ بن میں وہ دونوں چیزیں اچھال دیں۔

”یہاں تم سرگرمیت پینے کے لیے نہیں آئے ہو۔“ اس نے تڑپی سے عمر سے کہا۔

”ہاں میں بھول گیا تھا۔ یہاں تو میں سرگرمیت پینے بیٹھیں..... گالیاں کھانے آیا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔

”تم..... تم کسی جیتے گالیاں کھاتے ہو۔ اپنی مظلومیت کا ڈراما کیوں کر رہے ہو؟“ علویہ کو اس کے جملے

پر اور غصہ آیا۔

”میں مظلومیت کا کوئی ڈراما نہیں کر رہا ہوں۔“ عمر کے لیے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔“ کبھی جسے ڈرامے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“

”ہاں میں تو یہی تمہیں کہہ رہی ہوں کہ خود کو اتنا مظلوم اور بے بس ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔“

وہ غرائی، عمر تنبیہ کی اس کا چہرہ دکھتا رہا۔

”جھوٹ..... جھوٹ..... جھوٹ، دھماکا عمر! جہانگیر تم اس کے سوا اور کیا ہو؟“ اس کا سکون اس

وقت علویہ کے لیے جلتی پرتیل کا کام کر رہا تھا۔

”میرے دل میں تمہارے لیے ذرہ برابر بھی عزت موجود نہیں ہے..... ذرہ برابر بھی..... شرم آتی ہے

”میں تم سے صرف تمہارے غصے اور ناراضی کی وجہ جانتا چاہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے آخر کیا شکایت ہے؟“ وہ دکرے کے وسط میں کھڑا کہتا گیا۔ ”آخر میں نے ایسا کیا کر دیا ہے کہ تم مجھ کو اس طرح ناپسند کرنے لگی ہو؟“

”نا پسند؟ عمر.....! میں تمہاری شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی، مجھے نفرت ہے تم سے۔“ وہ بلند آواز میں بولی۔

”اسی لیے آیا ہوں یہاں پر کیوں نفرت ہے، یہی جانتا چاہتا ہوں۔“ وہ اسی طرح پرسکون انداز میں کہتا رہا۔

”میں یہ سب کچھ جیند کے گھر بھی پوچھ سکتا تھا مگر میں وہاں کوئی سین کرائی اینٹ کر نہیں جانتا تھا مگر جو کچھ

تم نے وہاں مجھ سے کہا مجھے یقین نہیں آیا۔ میں تمہارا گھر بار دیکھتا چاہوں گا۔ میں؟“ عمر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے

ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں پرسکون اور خوشگوار زندگی گزارنے نہیں دیکھ سکتا۔ میں سکون ملتا ہے تمہیں تکلیف پہنچا کر۔ مجھے

یقین نہیں آتا۔ علویہ کہ یہ سب تم نے میرے بارے میں کہا ہے۔“

عمر نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں تمہیں..... دوستانہ دینا نہیں چاہتی۔“ علویہ نے جبر کر کہا۔

”میں تم سے کوئی مصافحتا ناگھٹنے نہیں آیا۔ صرف پوچھنے آیا ہوں کہ تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے۔ تم مجھے

بتاؤ تاکہ میں ایکسکیوز دکر سکوں۔“

علویہ کو اپنا غون کھولنا ہوا۔ ”تمہیں پتا ہے عمر! تم کس قدر جھوٹے، منافق اور کینے انسان ہو۔“ وہ

ہونٹ پیچھے اس کا سر چھو رہا تھا۔ ”تم میں ذرہ برابر بھی انسانیت نہیں ہے۔“ وہ بلند اور تیز آواز میں کہتی رہی۔

”اپنے آپ کو پکھانے کے لیے تم کس حد تک گر سکتے ہو میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ لوگوں کے پیچھے

بھاگیوں کی طرح بھڑے ہو تم اپنے آپ کو پکھانے کے لیے۔“

وہ اس وقت آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ اسے باہل پر نہیں تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے اور کیا نہیں۔

”میں بیٹھ جاتا ہوں..... تم آرام سے جتنی گالیاں دینا چاہتی ہو..... دو..... جتنا برا بھلا کہنا چاہتی ہو، کہو۔“

وہ صوفے کی طرف بڑھ گیا۔ علویہ کو اس کے پرسکون لہجے نے اور مشتعل کیا۔

”تم ایک بار ڈاکٹر کرنل ہو۔ بس تم نے یونینام پہنا ہوا ہے۔ جس دن یہ اتر جائے گا اس دن تم بھی اسی

طرح کسی پولیس مقابلے میں مارے جاؤ گے جس طرح تم دوسرے لوگوں کو مارے ہو۔“

”میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا علویہ، تمہیں اتنا غصہ بھی آ سکتا ہے اور تم اسی طرح چلا سکتی ہو۔“

”تم میں اور اکل جہانگیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تم ان سے زیادہ مفاک اور بے رحم ہو۔ وہ کم از کم انڈن

پر ترس تو کھاتے ہیں اور تم..... تم وہ آدمی ہو جسے رشتوں کا کوئی پاس سرے سے ہے ہی نہیں۔“ وہ اگلی بات کر اس سے

کہہ رہی تھی۔ ”نہ تم اچھے بنے ہو نہ اچھے بھائی۔ You are a total failure اور ایسا پتا ہے کہیں ہے کیونکہ تم

اچھے انسان ہی نہیں ہو۔“

عمر نے اسے نہیں روکا بس وہ کچھ جھب سے انداز میں مسکرا دیا۔

”آج اگر صالحہ پرویز کی جگہ میں ہوتی اور تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ ہوتا تو تم مجھ پر بھی اسی طرح فائرنگ

مجھے۔ جب لوگوں کو یہ پتا چلا ہے کہ تم میرے کرن ہو۔ تمہارے حوالے سے تعارف پر تکلیف ہوتی ہے مجھے۔ اسی طرح کی تکلیف جتنی دو سال پہلے تمہیں اپنے باپ کے تعارف پر ہوتی تھی۔“

عمر کے چہرے کا رنگ بد لے لگا۔

”یاد ہے نا کیا کہا کرتے تھے تم؟“ وہ غرائی۔

”یاد ہے۔“ عمر نے سرد آواز میں کہا۔

”ہاں یاد کیوں نہیں ہوگا تمہیں۔“ وہی سب کچھ سامنے رکھ کر تو شیڈرڈ اور پیرامیڈرڈ کے ہوں گے تم نے اپنے لیے۔“ وہ سختی سے بولی۔ ”مجھے سمجھتا ہوں کہ یہ سیارہ حاصل کرنا ہے۔ انسانیت کے اس ٹپے پر جسے کھڑا کرنا ہے۔ سلاکی کی اس میزمری پر کھڑا ہونا ہے۔ لوگوں کی زندگی کی تباہی کی یہ سچ حاصل کرنی ہے۔ خود غرض اور بے میزمری کی اس اونچی منزل پر جا کھڑا ہونا ہے۔“

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، عمر ہونٹ کھینچے اسے خاموشی سے دیکھتا جا رہا تھا۔

”سارے شیڈرڈ تو تم نے وہیں سے سینٹ کیے ہیں۔ اپنے باپ کی ریپنشن کو روٹے تھے تم، اپنی ریپنشن کے بارے میں جا کر پوچھو کسی سے۔ لوگ تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں۔“

عمر نے ہلکی سی ہنسی میں کہا۔ ”وہ بالکل سادہ تھا۔ غلطیوں کو اس پر نہیں آیا۔ اس نے زندگی میں یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی عمر جیگر سے اس طرح بات کرے گی۔ کبھی عمر جیگر سے اس طرح بات کر سکتی ہے۔“

عمر کے وسط میں کڑے اب وہ مرچ چہرے کے ساتھ خاموشی سے اسے گھور رہی تھی۔

”کوئی جواب ہے تمہارے پاس میری باتوں کا یا نہیں۔“ وہ چند لمحوں خاموش رہنے کے بعد بلند آواز میں چلائی۔

”اس سے پہلے کہ عمر کچھ کہتا کمرے کا دروازہ کھول کر ناؤ اندر آ گئیں۔“

”کیا ہو رہا ہے یہاں علیزہ۔“ ام دووں انہیں میں بھڑو رہے ہو۔ باہر تک آواز آ رہی ہے تمہاری۔“ انہوں نے ان دووں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد کہا۔ اس سے پہلے کہ علیزہ کوئی جواب دیتی عمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ناؤ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے نرمی سے انہیں باہر کی جانب دھکیلا۔

”تمہیں ہم میں کوئی بھڑو نہیں ہو رہا، ہم کچھ باتیں دیکس کر رہے ہیں۔ گرہنی پلیز! آپ باہر چلی جائیں، ہم ابھی بات ختم کر کے باہر آ جائیں گے۔“

ناؤ نے کچھ کہنے کی کوشش کی، ”مگر عمر۔“

”پلیز گرہنی! میں ریکورڈ کرتا ہوں۔“

عمر نے انہیں اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی، وہ بلا خرہ تھپتھپا رہا لٹے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

عمر ایک بار پھر صوفہ پر جا کر بیٹھا۔

”میرے پاس ہر بات کا جواب ہے مگر بہتر ہے کہ پہلے تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہہ لو۔ میں بعد میں بات

کروں گا۔“

”مجھے اور کچھ نہیں کہنا، میں کہہ چکی ہوں سب کچھ۔“ وہ غرائی۔ ”وہ صوفہ پر کچھ آگے کو جھک گیا۔“

”تھیک ہے۔ سب سے پہلے جھوٹ کی بات کر لیتے ہیں۔ میں نے تم سے کیا جھوٹ بولا ہے۔“

”میں تمہارے کون کون سے اور کتنے جھوٹ گواہوں۔“

”جتنے یاد ہیں اسے گواہوں۔“

”اس گھر پر جنس نیاز سے حملہ کروایا تھا؟ مجھ پر اور ناؤ پر۔۔۔۔۔ مجھے وہ لوگ اغوا کرنا چاہتے تھے ہے۔۔۔۔۔ یہ سب تو جی ہی ہوگا۔ اب بولو۔۔۔۔۔ اب کیوں نہیں بولتے، جنس نیاز سے حملہ کروایا تھا نا اس گھر پر؟“

”نہیں۔۔۔۔۔“ عمر کے چہرے پر اب بھی سکون تھا، علیزہ کو اس کے جواب سے مزید مشتعل کیا۔

”جنس نیاز سے نہیں کروایا، بڑی حیرت کی بات ہے۔ تم نے تو مجھ سے یہی کہا تھا کہ جنس نیاز سے حملہ کروایا ہے کہا تھا؟“

”ہاں کہا تھا۔“

”اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح اسے جھوٹ نہیں کہا جاسکتا۔“

”یہ جھوٹ تھا مگر مجھے اس جھوٹ پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“

”تمہیں شرمندگی ہو بھی نہیں سکتی۔ شرمندہ ہونے کے لیے ہائیر ہونا ضروری ہے اور یہ چیز تو تمہارے پاس کبھی تھی ہی نہیں۔“ عمر نے اس کے سطرے جیسے کوٹھرا انداز کر دیا۔

”جنس نیاز والے معاملے میں تم سے جھوٹ گواہ کیا، مگر میں ایک انہیں تھا اس جھوٹ میں ہر ایک نے تم سے جھوٹ بولا کیونکہ تم کسی کی بات ماننے پر تیار ہی نہیں تھیں۔“

”ہر ایک سے تمہاری مراد عباس اور تم ہو؟“

”گرہنی بھی۔“ علیزہ نے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”اس مسئلے جتنے بارے میں وہ پہلے سے جانتی تھیں؟“ اسے اپنی آواز کی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”ہاں۔“

”چونکہ کارڈاشی ہو بھی ایک ڈرامہ ہوگا۔ وہ بھی کہیں چھٹیاں گزرا کر آ گیا ہوگا۔“

عمر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”میرے گارے کا جھوٹ کس نے کھڑا، یقیناً تم نے۔“

”نہیں یہ میں نے نہیں کہا۔ مجھے اس کے بارے میں بعد میں محاسن سے پتا چلا تھا اور میں نے اس پر محاسن۔۔۔۔۔“ علیزہ نے ہاتھ اٹھا کر بات کاٹ دی۔

”تم۔۔۔۔۔ کو بعد میں پتا چلا۔ تم کو۔۔۔۔۔ یہ بھی ایک اور جھوٹ ہوگا۔ ہر معاملے میں تم لوگ اکٹھے ہوتے ہو۔ ہر بات کی خبر رکھتے ہو اور تمہیں اس کے بارے میں بعد میں پتا چلا میں یقیناً نہیں کر سکتی۔“

”مت کرو۔۔۔۔۔ مگر یہ کچھ ہے کہ مجھے اس بات کے بارے میں بعد میں پتا چلا۔ اگر پہلے پتا چلا تو میں کبھی

کے سچے سے سٹار ہوئے بغیر ہوں۔

”کورٹس..... کون سے کورٹس.....“ وہ خنجر سے ہنسا ”کورٹس کہتے ہیں ثبوت لائیں، گواہ پیش کریں، چودہ افراد کو قتل کر دیئے والے شخص کے خلاف کون گواہی دینے کے لیے کھڑا ہوگا جس ملک میں رہا اور کی گولی بلیک میں سات روپے کی اور ایک لائف سینگ ٹیبلٹ سو روپے میں ملتی ہو، وہاں کون اٹھ کر یہ کہے گا کہ ہاں یہ وہ آدمی ہے جس کو میں نے سڑک پر چارواگوں کو قتل کرتے دیکھا۔“

وہ خنجر سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”جہاں لوگ بدلہ لینے کے لیے انتظار کرتے ہیں کوئی اپنی جیٹھی بھٹکنے کوڑت میں آئے تو اسے وہاں مارا جائے، کیونکہ کورٹ میں مانتا سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ وہاں تم Rule of law اور کورٹس کی Supremacy (برتری) کی بات کرتی ہو،“ وہ مسلسل بول رہا تھا۔

”جہاں Lower courts کے سینکڑوں جج ہیں سے نہ کہنے والے جج کو آدمی اٹھی پر مگن سکتا ہو اور جہاں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا بیج کے لیے قابلیت کے بجائے سیاسی بیک گراؤڈ اور اپوچ علیا ہو۔ جہاں ایک وزیراعظم یہ کہے کہ اس کی خواہش تھی کہ اس کی پادنی کے ایک وقادار جیل کے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنا دیا جائے اور دوسرے وزیراعظم کی پادنی کے لوگ سپریم کورٹ پر حملہ کر دیں اور سپریم کورٹ تو بین عدالت کا فیصلہ کرنے میں تین سال لگے وہاں کورٹس مجرموں کو سزا دلائیں گے۔“

وہ ایک بار بھر ہنسا۔

”جن لوگوں کو پکڑنے میں پولیس کے کئی کئی سال لگ جاتے ہیں اور لاکھوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے..... انہیں پکڑنے کے بعد ان کے خلاف ایک گواہ نہیں ملتا۔“ اس نے سرخ چہرے کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

”لوگ اسے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے قریبی عزیزوں کے قتل پر گواہ نہیں بنے۔ بیج ہو چھتا ہے کوئی گواہ ہے۔ وکیل اسے استغاثہ کہتا ہے نہیں۔ وکیل صفائی کہتا ہے ضمانت پر رہا کر دیں۔ جاباب! میرے موکل کو پولیس نے جان بوجھ کر گرفتار کیا ہے۔ بیج پانچ ہزار کے ضمانت کے چھلکے پر اسے رہا کر دیتا ہے۔ ہمارا پورا ڈیپارٹمنٹ منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ یہ یہ اس ملک کا نظام عدل۔“

وہ دیکھیں چھپکائے بغیر ناگوار سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”اور عدالت کو چھوڑو ان سے پہلے ہی سے بڑے سیاست دانوں کی سفارش آتا شروع ہو جاتی ہیں، ان کے لیے کیونکہ یہ لوگ ان کے پالے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک قتل کے لیے کچھ جتے ہیں تو اس ان کے لیے۔ وزیراعلیٰ یا گورنروں کے کہے کہ فلاں آدمی جو آپ نے پکڑا ہے اسے چھوڑ دیں تو ہم اس کے بارے میں مقدمات کی تفصیل کیسے بنا سکتے ہیں۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایسے آدمیوں کو پکڑنے کے بعد مار دیا جائے، اس سے پہلے کہ ان کے لیے کوئی سفارش آئے یا عدالت انہیں رہا کرے اور وہ دوبارہ پولیس کا ناک میں دم کریں اور مہر جگہ ایسا کرنے

بھی انہیں ایسی بات کہنے نہ دیتا۔ میں اتنا کر ہوا نہیں ہوں۔“ مراب صوف سے کھڑا ہو گیا تھا۔

”میری جگہ اگر تمہاری اپنی بہن ہوتی..... یا جو ذمہ ہوتی تو اس کے بارے میں ایسی بات برداشت کر سکتے تھے تم..... مجھ سے تو خیر تمہارا رشتہ ہی کوئی نہیں ہے۔“

”تم میرے لیے کسی بھی شخص اور کسی بھی رشتہ سے زیادہ اہم ہو۔“

”نہیں، میں نہیں ہوں..... ایسی باتوں سے اب بے وقوف نہیں بن سکتی عمر جہانگیر۔ اب پیچھو ہو گئی میں“ اس نے طنز پر انداز میں کہا۔

”جہاں تک صالحہ کا تعلق ہے تو میں نے صالحہ پر کوئی حملہ نہیں کروایا۔ ایسا کام کوئی بے وقوف ہی کر سکتا ہے اور میں کم از کم بے وقوف تو نہیں ہوں۔“ اس نے قدرے جتاے والے انداز میں کہا۔

”میں اس وقت آفس میں تھی جب تم نے اسے فون کیا تھا۔“ علیزہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ”اور میں نے خود فون پر سنا تھا۔ تم اسے دھکا رہے تھے۔“

”دن میں، میں اگر دس لوگوں کو دھکا دے گا تو کیا دس لوگوں پر حملہ کرواؤں گا۔“ عمر نے خلیج کرنے والے انداز میں کہا۔

”میں دوسرے لوگوں کے بارے میں نہیں جانتی مگر صالحہ کا تمہارا علاوہ اور کوئی دشمن نہیں ہے۔“ علیزہ نے دوہرہ کہا۔

”صالحہ خود اپنی سب سے بڑی دشمن ہے۔“

”کیوں وہ تمہارے بارے میں جچ سکتی ہے اس لیے۔“

”جچ..... کیا جچ؟“ وہ تنگی سے ہنسا۔

”مجرموں کے بھی انسانی حقوق ہوتے ہیں۔“ اس نے صالحہ پرویز کے آرمیکل کا عنوان کچھ خنجر سے پڑھا۔

”ہاں مجرموں کے بھی کچھ انسانی حقوق ہوتے ہیں، وہ کسے جیلان نہیں ہوتے کہ کہیں بھی کسی کے پکڑ کر انہیں مار دو۔ اگر تم لوگوں نے یہی سب کچھ کرنا ہے تو عدالتیں بند کر دو۔ لوگوں کو پکڑ کر کھڑے کھڑے شوٹ کر دو اور

میں..... یہ دیکھو بھی مت کہ کس نے کیا کیا ہے۔“

”جن مجرموں کو پکڑ کر ہم پولیس مقابلوں میں مارتے ہیں ان کے کوئی انسانی حقوق نہیں ہوتے کیونکہ وہ انسان نہیں ہوتے۔“ عمر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”اس طرح کے مجرم جن چاروں کو.....“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ان چاروں کو چھوڑ دو۔ وہ ایک علیحدہ قسم کے ہاتھوں کی بات کرو، ہر بار یہ گناہوں کو نہیں مارا جاتا۔ چودہ چودہ قتل کیے ہوتے ہیں ان لوگوں نے جنہیں پولیس مقابلوں میں مارا جاتا ہے۔“ وہ اب حیرت آواز میں کہہ رہا تھا ”اور تم لوگ ان کے حقوق کی بات کرتے ہو۔“

”پولیس کا کام مجرموں کو پکڑنا ہوتا ہے، انہیں سزا نہیں دینا نہیں۔ کورٹس ہیں اس کام کے لیے۔“ وہ اس

لفظ امدود اور ہوا تھا۔ بابا کے سچ میٹ ہیں انکل اسحاق دوسرے سے اچھے قریبی ہیں۔ ان کا بیٹا شیراز میرا چچ میٹ ہے۔ تیرے فاروق ذوالفقار ہیں۔ ان کے ساتھ کھلے لاہور میں خانہ میں بیس کی پرنس کی گھٹی میں نے۔ میرے بیک بیٹھ سے وہ بیٹھتا تھا تو اور ان کے فونڈ سے میں۔ اس نے بیس کے دو دھڑلے کام پیلے ہوئے کہا۔

”موس دوڑوں کی اچھی نہیں تھی۔ کل دو گھنٹے کے لیے حریہ کھیلنے کے شاید بہتر ہو جائے۔“ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

”اور تم سمجھ رہی ہو کہ میں لوگوں کے چپے بھر رہا ہوں کہ مجھے بچائیں۔ میں یہاں بس چند بچے کی چھایاں گزارنے آیا ہوں۔“ وہ ایک بار پھر ہنسنے لگا۔

”جینہ۔۔۔ یا۔۔۔ تم۔۔۔ صالحہ مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتے ہو۔“ اس نے کندھے اچکا کر ہوتے کہا ”اور جیہیں جینہ کے ذریعے میں کیوں پریش ہنر کر اؤں گا۔“

علیہ کو یکدم محسوس ہونے لگی۔ دوا میں پلٹ کر وہ اپنے بیٹے پر بیٹھ گئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح ہر مل، ہر جراب اپنی مٹھی میں لیے بھر رہا تھا، وہ باتوں میں دلیلوں میں اس سے کبھی نہیں جھگڑتی تھی۔ وہ آج بھی اس سے نہیں جیت سکتی تھی۔

”بس ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میں تمہاری زندگی کیسے برباد کر رہا ہوں؟“ اس نے اس بار کچھ الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

”اور تمہارا یہی جملہ مجھے وہاں سے یہاں لایا ہے کسی اور شخص کی کسی جگہ سے مجھے اتنی تکلیف نہیں پہنچ سکتی جتنی تمہاری بات سے ہوئی ہے۔ میں جنہیں خوش نہیں کر سکتا..... ہیں؟..... علیزہ! میں تمہیں خوش دیکھ نہیں چاہوں گا؟..... میں چاہوں گا کہ تمہاری زندگی گر باد ہو..... تمہیں بتا ہے، تم نے مجھ سے کیا کہا ہے؟“

علیزہ نے سراخا کر کے ادا کیا۔

”تمہاری جگہ پر جسے حیدر میرے ساتھ بٹھاکر رہا ہے۔ تمہارے لیے وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ جب تک تم سے اس کا تعلق بچل نہیں تھا، ہم لوگوں میں کوئی بھی نہیں تھی مگر اب جب تم اس سے ملے گئے ہو۔ تو۔۔۔ تمہارے لیے پرہیز۔۔۔“

عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میرے کہنے پر وہ کچھ نہیں کر رہا۔ دو میرے کہنے پر کچھ کر بھی نہیں سکتا۔“

عمر نے سختی سے کہا۔ ”وہ کتنا کھلی بچہ نہیں ہے اور پھر میں تم لوگوں کے تعلقات کیوں خراب کروانا چاہوں گا۔“ مجھے اس سے کہا نا وہ ہوگا؟“

”Why don't you just get of our life“ (تم ہماری زندگی سے نکل کیوں نہیں جاتے) وہ یکدم چلائی۔

عمر بات کرتے کرتے رک گیا۔ ”میں تمہاری زندگی سے پہلے ہی نکل چکا ہوں۔“

”نہیں تم نہیں نکلے ہو، اگر نکل گئے ہوتو پھر جنید کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دتے۔“

والا واحد آئی تھی ہے کسی ایک ایسے ایس میں ایسے جموں نے پولیس مقابلے نہیں ہوتے۔ ہم مجبور ہیں یہ سب کرنے کے لیے۔ ایک پولیس مقابلے کے بعد لاہور آؤر ہاؤس ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کم از کم کچھ عرصے کے لیے کبھی آج تک کسی ایک ایس میں کوئی سہولت ہے اس کے حلقوں میں ہونے والے کسی ایک بھی پولیس مقابلے کے لیے۔ اس نے پہنچنے والے انداز میں کہا۔

”کیس..... اور نہ ہی آئندہ کبھی اس کی کوئیکو دو جوا پر پیٹھے ہوتے ہیں نانہ..... آئی جی..... اور چیف سیکرٹری انشیں بھی سب جا ہوتا ہے کہ یہ پولیس مقابلے کیوں ہوتے ہیں اور ہم یہ کرنے پر کیوں مجبور ہیں پھر صرف عمر جہا نکیر کو اس طرح تنقید کا نشانہ نہ کیوں بنایا جا رہا ہے۔ صرف جھپٹا پر الزامات کیوں لگائے جا رہے ہیں۔“

”کرپشن؟؟؟؟؟ کون کرپشن نہیں کرتا، ہاں میں نے اور رضی محمود نے وہ زمین بچ دی تھی تو پھر کیا ہوا..... یہاں سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ کرپشنس کو موقع ملے تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ کیا وہ دھانے نہیں لیجے سیاست دانوں سے، کسی کرپشن کا نام بتاؤ میں تمہیں اس کا کچا چھٹا بتا دیتا ہوں۔“

کس کا مختار ریٹ ہے۔ کون کس دوزخ کے ساتھ دوزخ پر جانے کے لیے کیا کیا پاز پتل رہا ہے۔ کون کس سے پلاٹ الاٹ کروا رہا ہے اور میں مذکور کی تمام تر جبریتیں کس کے کالم پڑھ لو..... جیسے پتلا چل جائے گا کس کے منہ میں کس کی زبان ہے اور کس کی قیمت کتنی ہے۔ ہمارا گرانہ جیسے لوگ ہمیں مگر بیان سے بچوئے کی کوشش کر تو جس.....“

”بھگنچر میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے صالحی پر فائزنگ نہیں کروائی۔ وہ میرے لیے اتنا خطرہ نہیں تھی۔ ہماری دوست ہوتی یا نہ ہوتی مجھے اس پر فائزنگ کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں ایسا کام کیوں کرواؤں گا کہ

”وہ خود کرا سکتی ہے۔ یہ سب کچھ پر کافی طاقتور ہو سکتا ہے۔ میرا کوئی دشمن کروا سکتا ہے۔“ عمر نے لاپرواہی سے

”وہ خود اپنے آپ پر گارنٹی کر دے گی؟“ طییز نے بے یقینی سے کہا۔
 ”ہاں کیوں نہیں اس میں کون سے پہاڑ سر کرنے پڑتے ہیں۔ کرائے کا کوئی آدمی چاہیے ہدایت کے

اور جہاں تک خود کو بچانے کے لیے بھکاریوں کی طرح ہر ایک کے آگے پیچھے بھرنے کا قائل ہے تو میں

جہاں تک انکوائری کا تعلق ہے، انکوائری کسی میں تین لوگ ہیں۔ “دو اب جیسے خود اپنی گفتگو سے

”اگر مجید سے ملنا چھوڑ دوں تو کیا مجھ سے تمہاری ناراضی ختم ہو جائے گی؟“ عمر نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

”میری ناراضی کی پروا تم کرو عمار! جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو، اس کے بعد کیا تمہیں یہ سوال زیب دیتا ہے؟“

”ہم دونوں بہت اچھے دوست رہ سکتے ہیں علیحدہ.....! ہم کبھی بہت اچھے دوست تھے.....“ اس نے اس بار قدرے دھم آواز میں کہا۔

”تمہیں ہم دونوں کبھی بھی دوست نہیں تھے۔ ہم دونوں آئندہ بھی کبھی دوست نہیں رہ سکتے۔“ علیزہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”تم مجھے اپنے اور مجید کے درمیان کبھی نہیں پاؤ گی۔ میں اس سے دوبارہ نہیں ملوں گا۔ کیا اس کے بعد تم میرے لیے اپنا دل صاف کر سکتی ہو؟“

”نہیں.....“

عمر کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا، وہ کچھ دیر کچھ کیسے بغیر اسے دیکھتا رہا پھر سرکا دیا۔

”میرے لیے تم ایک بہت خاص دوست ہو۔ تم مجھے کیا سمجھتی ہو، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا، محرم آدم میرے لیے تم ہمیشہ ہی خاص رہو گی اور اگر کبھی پوری دنیا بھی تمہارے خلاف ہو جائے تو تم یہ یاد رکھنا، عمر جہانگیر ہمیشہ تمہاری طرف کھڑا رہے گا۔ چاہے تم غلط ہو یا سچ ہو، میں ہمیشہ تمہیں سپورٹ کروں گا علیزہ! میں

وہ آخری شخص نہیں ہوں گا جو کبھی تمہیں تباہ کرنا چاہے گا۔ تم خیر چاہا کرنے کی بات کرتی ہو، میں تو تم پر ایک خراب برداشت نہیں کر سکتا۔“ علیزہ اس کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کو دیکھتی رہی۔

”میں جہاز ہی پیئٹنگ لے جاؤں۔“ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ علیزہ نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ اب دیوار پر لگی ہوئی ایک پیئٹنگ کو دیکھ رہا تھا، علیزہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر کچھ کیسے بغیر دیوار کی طرف لگی اور اس پیئٹنگ کو اتار دیا۔ عمر نے نظریں ملائے بغیر اس نے وہ پیئٹنگ اس کی طرف بڑھا دی۔

”میں تمہارا شکر یہ ادا نہیں کروں گا۔“ اس نے عمر کو کہتے سنا۔

”مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ اس کی بات کے جواب میں وہ اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف گیا۔

علیزہ نے اسے اپنی جینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کیس برآمد کرتے اور اسے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے دیکھا۔

”یہ تمہارے لیے ہے، میں تمہاری برتھ ڈے پر دینا چاہتا تھا مگر نہیں دے سکا۔“

وہ اب دونوں ہاتھوں میں اس پیئٹنگ کو پکڑ کر دیکھ رہا تھا۔

”اوکے میں چل رہا ہوں، اب.....“

وہ یکدم واپس مڑ گیا۔ علیزہ نے اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھا کچھ دیر تک وہ خالی لگتی کے عالم میں بیٹھی رہی پھر وہ اٹھ کر بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف آ گئی۔ کیس آٹھنگی سے اٹھا کر اس نے اسے کھول دیا۔ اندر سونے اور

بہروں سے مرصع ایک خوبصورت برسلٹ تھا۔ وہ ہونٹ سمیٹنے اس کچھ کو دیکھتی رہی۔ اس سے پہلے عمر نے کبھی بھی اسے سونے کی کوئی چیز نہیں دی تھی۔ پھر اب..... جب..... اس نے بہت آٹھنگی سے ایک بار اس برسلٹ کو چھوا اور کیس کو بند کر دیا۔ باہر عمر کا گاڑی کے سلاط ہونے کی آواز آ رہی تھی، وہ کمر کی طرف بڑھ آئی۔ بند کھڑکیوں سے اس نے عمر کی گاڑی کو کیٹ سے باہر نکلنے دیکھا۔

وہ اس شخص کو کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ وہ اس شخص کو کبھی سمجھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

صافحی حلقوں میں حکومت کی تبدیلی کے بارے میں افواہیں زوروں پر تھیں۔ نہ صرف گلپریس بلکہ جین الاقوامی پریس بھی اس بارے میں اعجازے پیش کر رہا تھا۔ علیزہ کے آفس میں بھی میری روز اسی بارے میں گفتگو ہوتی رہتی۔ یہ خبریں اس وقت اور زور پکڑ گئیں جب فوج کے ایک کور کمانڈر نے جو ایک حکومتی عہدے دار کے رشتے دار تھے وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ اگلے چند دنوں میں آرمی چیف نے ان سے استعفیٰ لے لیا۔ پریس کی قیاس آرائیاں تھیں کہ انہوں نے حکومتی حلقوں کو آرمی کے پان آف ایشن کے بارے میں مطلع کرنے کی کوشش کی تھی۔

”حکومت اب کسی نئی وقت بھی جاسکتی ہے کیونکہ تمام تیاریاں پوری ہو چکی ہیں۔ بیوروکریسی کے بڑے بڑے نام جن کی اس حکومت میں رشہ دار ہیں ان میں سے اکثر کو طویل رخصت پر ملک سے باہر جانے کی جا

چار ہے اور یہ ہیں وہ لوگ جن جواز کی چارے پر مبن لیتے ہیں۔ وزیر چاہے جتنے بھی میان کیوں نہ دیتے پھر میں کہ حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ان کی بات پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔“

اس دن علیزہ بھی بریک میں بیٹھی دیکھتی تھی اور اسے ہوا کی آواز سن رہی تھی اور اسے ہوا کی آواز سن رہی تھی۔ اس کی علیزہ لپک کرتے ہوئے وہاں ہونے والی گفتگو سننے میں مصروف تھی وہ خود دایک ڈسکشن میں مصروف تھی۔ اس کی

داعمدگرہری ہرایک کی رائے کو غور سے سننا ہوتا تھا۔

”یہ خاص طور پر یہ بیوروکریسی جن کے رشہ دار آرمی میں ہیں، انہیں تو پہلے میں دی جا رہی ہیں۔“ مقصود جعفر نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔ ”ایک ہوتی ہے فٹری بیوروکریسی، اور دوسری ہوتی ہے سول بیوروکریسی۔

پاکستان میں دونوں پٹری ہاں حکومت کرتے ہیں۔ مل کر کھاتے ہیں مل کر آتے ہیں۔“

اسد ہاتھوں کی بات میں مقصود جعفر نے کھڑا لگا دیا۔

”مگر مل کر جاتے نہیں ہیں۔“

”چاہیں میں کیوں، ابھی اس ملک کی رگوں میں خاصا خون ہے۔ اگلے کئی سال چوسا جا سکتا ہے۔“ اس بار صالو نے تجربہ کیا تھا۔

”ہر چہ ماہ بعد فوج کے آنے کی افواہ گردش کرنے لگتی ہے۔ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ہم کب تک افواہوں پر اس طرح ڈسکشن کرتے رہیں گے۔“ اس بار مصمت نے کہا تھا۔

”جوشش کا کام ہی افواہوں کو ڈسکس کرنا ہوتا ہے۔ آپ کو ہماری باتوں پر یقین آئے یا نہ آئے مگر اس

کے ہر ممکن اقدام کے بارے میں۔

اسے سالہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی طنز پر مبنی مسکراہٹ میں جھپی ہوئی ناراضی نظر آ گئی لیکن اسے سالہ کے شبہات پر افسوس ہوا۔

”تم سے یہ کہنا تو بے کاری ہوگا کہ مجھے کچھ علم نہیں تھا، میں بھی تمہاری طرح ہی لاعلم تھی کیونکہ تم میری بات پر کبھی یقین نہیں کر دئی۔“ علیزہ نے اس کی طرح یہ گفتگو کے جواب میں کہا۔ ”وہ ہر کام میرے مشورے سے یا مجھ سے اجازت لے کر نہیں کرتا۔ نہ ہی مجھے باخبر رکھنا کوئی ضروری کام ہے۔“

”مگر بھی کسی نہ کسی حد تک تمہیں پتا تو ہوگا۔“

”وہ تو ہمیں یہاں نواز جیہ کے آفس میں بھی پتا تھا کہ گورنمنٹ جانے والی ہے۔ مگر یہ کوئی

authenticated (یعنی) خبر تو تھی تھی۔“

”مگر خبر تو تھی ہمیں۔“

”جو بھی ہو تمہارا کزن۔۔۔۔۔“

علیزہ نے سالہ کی بات کاٹ دی۔ ”میرا کزن بہت خوش قسمت ہے۔ ہر بار بچ جاتا ہے، اس بار بھی بچ گیا ہے۔ کیا اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتیں تم، ہمارے پاس اور بھی بہت سے ٹاپک ہیں۔“ علیزہ نے کچھ آگے بڑھ کر کہا۔

”ایسا چرچا یہ ہمیں کچھ ڈسکس کرنا ہی نہیں چاہیے۔ اگر ہر بار بات مگر جہانگیر سے شروع اور اسی پر ختم ہوتی ہے تو؟“ علیزہ نے دونوں انداز میں کہا۔

سالہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنا بیک اٹھایا اور اس کے آفس سے نکل گئی۔

علیزہ ایک بار مہار اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔



بار آپ میری خبروں کی صداقت پر یقین لے آئیں گی۔“

اسد جاویں نے عصمت کی بات کے جواب میں کہا تھا، عصمت نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چائے پینے پر اکتفا کیا تھا مگر علیزہ سوچ میں ڈوبی تھی کہ چند دن پہلے عمر جہانگیر اسی تبدیلی کی بات کر رہا تھا۔ جس کے بعد وہ ایک مہتر پوریشن میں آ جائے گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

”کیا اس کے خلاف ہونے والی انکوائری۔ کیا اس کی طرف سے کی جانے والی پریس کانفرنس ایک سوچی سمجھی سکنین کا حصہ ہے اور وہ آخر اس کانفرنس سے کیا نیاہیہ داؤ بیچ حاصل کر سکتا ہے اور فوج اگر حکومت میں آ بھی گئی تو عمر جہانگیر کو اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔“

اسے بہت سارے سوال پریشان کر رہے تھے۔

اس کے سارے سوالوں کے جواب اسے اگلے پختے مل گئے تھے، ملک میں فوج نے حکومت سنبھال لی تھی اور حکومت سنبھالنے کے بعد جو مختلف ڈسٹیکشنز جاری کیے گئے تھے ان میں سے ایک کچھ سرکاری افسروں کی بحالی کا بھی تھا اور ان سرکاری افسروں میں عمر جہانگیر بھی شامل تھا۔ اسے نہ صرف بحال کر دیا گیا تھا بلکہ اسی شہر میں دوبارہ قیادت کر دیا گیا تھا جہاں وہ پہلے پہنچا تھا۔ اس کی انکوائری کا کیا نیاہیہ؟ اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی۔ حکومت دینے بھی اسے ضروری کاموں میں لگ بھی ہوئی تھی کہ عمر جہانگیر جیسے ایک معمولی افسر کے کس کے لیے اس کے پاس وقت نہیں ہو سکتا تھا اور پریس خود بھی حکومت کی ہر نئی حکمت عملی کو فالو کرنے میں اتنا مصروف تھا کہ عمر جہانگیر یکدم جیسے ایک گراؤڈ میں چلا گیا تھا، اگر کسی کو وہ یاد تھا تو وہ علیزہ و سکندر جی یا سالہ پر دیر۔

اس کی بحالی کی خبر آس میں ڈسکس ہونے پر سالہ نے اس سے کہا تھا۔

”تمہارا کزن۔۔۔۔۔ واقعی بہت خوش قسمت ہے۔ ہر بار تمہیں سے بال کی طرح نکل جاتا ہے یا نکال لیا جاتا ہے۔ واقعی اس کی قسمت کسی خاص قلم سے لکھی گئی ہے۔“

علیزہ باقی تھی، یہ تعریف نہیں تھی۔

سالہ خامی یا پس نظر آ رہی تھی۔

”اس کی پریس کانفرنس اور وہ الزامات یقیناً ایک Play تھا۔“ سالہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے

کہا۔

”تمہارے کزن کو یقیناً پتا ہوگا کہ گورنمنٹ جانے والی ہے اور اس کے بعد حکومت میں کون آ رہا ہے، اس حکومت کی good books میں رہنے کے سارے طریقے آتے ہیں۔ میری طرف سے مبارکباد دینا ہے۔“

سالہ کے لیے سچی نمایاں تھی۔

”اسی لیے تم بھی میری سپورٹ میں نکال ہوئی اس ریلی میں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ ظاہر ہے جہیں یہ سب کچھ پہلے ہی پتا ہوگا۔ میرے ساتھ بھدروی کر کے تم نے میرے ساتھ ساتھ آفس کے دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی خاصا احترام پیدا کر لیا۔ دوسری طرف جہیں عمر کے حوالے سے بھی کوئی فتنہ نہیں تھا۔ خاصی ”باخبر“ ہو گئی تم اس

عمر جہاگیر بھی پولیس سرورس کے دوسرے تمام آفیسرز کی طرح ان کمپنیز کو پابند کرنے اور ان پر تنقید کرنے والوں میں پیش تھا۔

اس دن بھی صوبائی دارالحکومت میں پولیس آفیسرز کا ایک اجلاس ہو رہا تھا جس میں آری دارالحکومت کے لیے لے جا رہے تھے۔ ایک دن پہلے صوبائی گورنر ان ہی پولیس آفیسرز سے اپنے خطاب کے دوران پولیس کی ناقص کارکردگی اور کرپشن پر انہیں کھڑی کھڑی سناچکے تھے۔ انہوں نے اپنی پینتیس منٹ کی فی البدیہہ تقریر میں ایک بار بھی پولیس کو کسی کام کے لیے نہیں سراہا تھا اور اس چیز نے ان آفیسرز کے غصے کو کچھ اور بادی بھی۔

”گورنر چپس کھنے لاء اینڈ آرڈر کی بات کرتے رہے ہیں۔ انہیں پتا ہے لاء اینڈ آرڈر ہوتا کیا ہے؟“ اس روز آفیسرز میں سے ایک نے گورنر کی تقریر پر بات کرتے ہوئے کہا۔

”ان کا تعلق آری سے ہے، رات کو سوتے سچ انہیں پتا چلا کہ وہ گورنر بن گئے ہیں اور بھرا نہیں اچانک یاد آ گیا کہ صوبے میں ایک پولیس فورس بھی ہے جسے ہم بھلا کہیں گے تو اگلے دن اخبار کے پہلے صفحے پر بیڑ لائن بن جائے گی۔ لوگوں میں گورنر کی نیکی نامی بڑے سی۔ اچھے نمبر بنانے کے علاوہ اور کیا رہے ہیں وہ۔“ ایک اور پولیس آفیسر نے تبصرہ کیا۔

”ان کا صرف ایک ہے باری باری اخبار نویسوں اور عالم نویسوں کو اپنے ساتھ مختلف علاقوں کے ذاتی دوروں پر لے جانا اور پھر واپسی پر ان کا کم نویسوں سے تقریبن سے پھر پورا کام پڑھنا۔ لوگ سمجھتے ہوں گے کیا گورنر پایا ہے، طاقتور راشدین کا زمانہ لوٹ آیا ہے کہ گورنر ہر وقت گفت پر رہتے لگا ہے۔ انہیں یہ پتا نہیں ہے کہ گورنر بھی ایک سیاست دان کی طرح کنوینک کر رہا ہے، اپنے لیے نہیں اپنے اوپر کے ہاسز کے لیے۔“

ایک گھماٹئی قبیلہ لگا گیا میجر مرداں دہاں تھا جو عجیبہ و بڑا تھا۔

”ان کا خیال ہے اس طرح چپس کھنے ہمارے سر پر سوار کر دو، ہمیں بھیل ڈال دیں گے۔ ہمیں اپنے اشاروں پر چلا دیں گے۔“ ایک اور متحدہ مزاج آفیسر نے کہا۔ ”اور یہ جو ٹیکنیشن جاری ہوا ہے کہ ان کمپنیز کے ساتھ مکمل تعاون کیا جائے۔ آخر کو یہ مکمل تعاون کیا جائے۔ سول سرورس میں ہم اس لیے آئے تھے کہ ہم بلا کر کمپنیشن اور میجر کے ریک کے آفسیئر چھاپے تعاون کی یقین دہانیاں کر داتے ہیں۔“ عمر ایک بار بھر بولا۔

”پہلے ہی فیلڈ میں ان سرورس آری آفیسروں کو پینٹیشن پر بھجوا رہے ہیں، جو پہلے وائٹز ہو چکے ہیں۔ انہیں ہزار ہزار کاغذات کیس کے ذریعے پر جگہ لٹا دیا ہے۔ آری والوں کو سول سرورس میں لایا جا رہا ہے۔ پھر بھی کسی انہیں چین نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں جو خودی بہت پائز دوسرے ٹھکانوں کے لوگوں کے پاس رہی ہیں، انہیں بھی چین لیا جائے۔

ایک اور آفیسر نے کہا۔

”ہمیں یہ کام وہ نہیں کریں گے۔ براہ راست ہماری سینوں پر آکر نہیں بیٹھیں گے۔ تو کالیاں کھانے والی جگہ ہے یہاں آکر وہ عوام سے کالیاں کیوں کھائیں، وہ بس ہمیں اپنی ٹی میں رکھنا چاہتے ہیں، عوام بھی خوش کہ بھی بڑی محنت کر رہی ہے آری، پولیس کی کارکردگی بہتر کرنے کے لیے۔“ اس بار عمر نے کہا ”اور اوپر سے ہمارا ٹھکانہ

باب ۳۹

”آری مانیٹرنگ کسٹلی..... اب یہ کیا بکواس ہے؟“ عمر جہاگیر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل کو میز پر بتر بیا پھینکے ہوئے تھا۔

فوجی حکومت کو اقتدار سنبھالے چند ہی مہینے ہو گئے تھے اور آری مانیٹرنگ کمپنیز کا شور و غماز ہر جگہ سنائی دے رہا تھا پولیس کے اعلیٰ حکام کے اندر ان مجوزہ کمپنیز کے خلاف بہت زیادہ غصہ اور احتجاج پایا جاتا تھا مگر کھیلے عام اس پر کوئی بھی تنقید کرنے سے خوفزدہ تھا۔ ہر ایک جانتا تھا کہ کسی تجویز کی مخالفت کم سے کم ٹرانسفر اور زیادہ سے زیادہ معطلی کی موجب بن جائے گی اس لیے ہر ایک آری مانیٹرنگ کمپنیز کو پابند کرنے کے باوجود ان کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کر رہا تھا۔

فوجی حکومت کا خیال تھا کہ آری کو براہ راست سولین معاملات میں ملوث کرنے سے وہ اس کرپشن پر تباہ پالے گی جو پورے نظام کی جڑیں کو کھلی کر رہی تھی اور ایک بار اس نظام کی خرابی رک جاتی تو شاید لوگوں کا احتجاج بھی بحال ہو جاتا مگر دوسرے بہت سے ٹھکانوں کی طرح پولیس کو بھی ان کمپنیز کے قیام پر اعتراض تھا۔ اور یہ وہ ان کمپنیز کے خلاف بات کرتے ہوئے اپنے اقتدار میں کی اور اپنے معاملات میں مداخلت کا حوالہ دے رہے تھے مگر جو حقیقی خدشات ان کے ذہنوں میں تھے وہ کرپشن کی ان کی کڑی دلی زنجیر کو بھانا تھا جس کے منہ پر عام پر آنے سے بہت سے نالی گمراہی لوگوں کے لیے بھی اپنی عزت پھیلنا بہت مشکل ہو جاتا تھا آفیسرز ہاتھ کی صفائی دیکھانے میں ماہر تھے انہیں یہ خوف تھا کہ ان کا پچھلا کرپشن کا کوئی معاملہ پکڑا بھی گیا تب بھی آئندہ کے لیے کرپشن کے دوران سے بند ہو جائیں گے اور یہ ان کے خاندانوں کے لیے 440 دولت کے شاک کی طرح تھا۔

دوسری طرف آری مانیٹرنگ کمپنیز کے ذریعے پہلی بار فوج کو اختتام ہے کہ ان اختیارات اور معاملات میں دلی انداز کی مداخلت مل رہا تھا۔ جہاں وہ پہلے غاصبی بے بس رہی تھی، فصل کاٹنے اور بدلے پکانے کا موسم آچکا تھا، وہ اختتامیہ جو پہلے فوج کو کھاس نہیں ڈالتی تھی، اب ان کی زیر نگرانی کام کرنے پر مجبور تھی اور ان کی چپقلش شروع ہو چکی تھی۔

اضافہ کر دیا تھا۔

وہ تینوں آج پہلی بار وہاں آئے تھے اور اگرچہ وہاں آنے سے پہلے عمر جہانگیر کو ان کے بارے میں مطلع کیا گیا تھا اور اس نے اپنے ماتحت عملے کو بھی آری مائیک بک نمبر کی آمد کے بارے میں بتا دیا تھا اور یقیناً اس کا عملہ بہت حتما ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنا ریکارڈ وغیرہ بھی درست کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے باوجود ان تینوں کے وہاں آنے پر عمر جہانگیر نے ان کی حواس باختگی دیکھ لی تھی۔ وہ لا شعوری طور پر غورزدہ تھے۔

اب دوسرے مگر اس کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا اسے آئندہ آنے والے دنوں میں اپنے ناخوش کے بارے میں مطلع کر رہا تھا، وہ یقیناً خاصا ہوم ورک کر کے آیا تھا اور عمر کے لیے یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ ان لوگوں کا خیال جس کا نظام ان کا فعال اور موثر تھا کہ چند مہینوں کے اندر وہ اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتے تھے اسی لیے وہ تقریباً اس کے ذریعہ اجرام آنے والے ہر پولیس مشین کے بارے میں بنیادی معلومات رکھنے کے علاوہ ان کی کارکردگی کے بارے میں بھی خاصا ملم رکھتا تھا۔

اپنے لب و لہجے سے وہ کوئی بہت زیادہ دوستانہ مزاح کا حامل نہیں لگتا تھا اور یہ شاید آری میں ہونے کی وجہ سے تھا یا مگر اس ذمہ داری کی وجہ سے جو اسے سوئی گئی تھی وہ کسی گلی پٹنی کے بغیر بات کر رہا تھا اور عمر جہانگیر کے چہرے پر دقت و قحاس کے تبصروں پر ابھرنے والے ناگواری کے تاثرات کو مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

خاصہ لوازمات کے ساتھ سرو کی جانے والی اس چائے نے بھی اس کے اس انداز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جو عمر جہانگیر کے ماتحت عملے نے خاصی باعزت آری اور مستندی کے ساتھ انہیں سرو کی تھی۔ اپنے سامنے پڑی فائلز کو باری باری کھولے وہ جتنی انداز میں عمر جہانگیر کو اپنے اختیارات اور ذمہ داریوں کے ساتھ ان چیزوں سے آگاہ کرتا گیا جو اسے آئندہ آنے والے دنوں میں انجام دینی تھیں۔ عمر جہانگیر چائے پیتے ہوئے کسی قسم کے تبصرے کے بغیر بڑی خاموشی سے اس کی گفتگو سنتا گیا۔ جب اس میں چوڑی گفتگو کا اختتام ہوا تو عمر جہانگیر نے بڑے دوستانہ انداز میں اپنی بات کا آواز (وہ پہلی ہی ملاقات میں اختلافات کا آغاز نہیں کرنا چاہتا تھا)

”آپ لوگوں کو میری طرف سے پورا تعاون حاصل رہے گا نہ صرف میری طرف سے بلکہ میرے عملے کی طرف سے بھی اور آپ کے اس عمرانی کے کام سے مجھے خاصی مدد ملے گی بلکہ خاصی آسانی ہو جائے گی کہ مجھے اپنے عملے کی کارکردگی کا پتا چسارے گا اور میں ان کی خاموشی سے آگاہ ہوں رہوں گا۔“

عمر نے بڑے اطمینان سے کیے ہوئے سامنے بیٹھے میجر کے چہرے پر نظر دوڑائی جو اس کے آخری چند جملوں پر اپنی گری پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

”اور.....“ اس سے پہلے کہ عمر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کچھ اور کہتا، اس نے میجر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”چونکہ تعویذی عملہ جی ہے جو ہونی چاہیے تھی کیونکہ میں نے آپ کو خاصی لمبی بریفنگ دی ہے مگر پھر بھی آپ کو ہونگی ہے۔ ہم آپ سے آپ کے عملے کو مائیک بک کرنے آئے ہیں، آپ اسسٹنٹ (معاونت) کرنے نہیں۔“

مذا اٹھانے سے پہلے کچھ بیچے دھڑا دھڑا ڈھنگ سے اڑ کر سرکاری جاری کر رہا ہے۔ فرما میری آری اور تابعداری کے لیے سبق پڑھا رہا ہے نہیں۔“ عمر کو اپنے گھٹے کے انچسٹن ہالہ پر اعتراض ہوا۔

”ان کی مجبوری ہے وہ کیا کریں، اگر یہ نہ کریں تو..... کون حکومت سے خاصیت مول لیتا چاہے گا اور وہ بھی اپنی جانب اور اپنے کیریئر کو داؤ پر لگا کر سب سے بہتر طریقہ اپنی چانچے کا بھی ہے کہ سر جھکاؤ اور پردوں کی ہاں میں ہاں ملاؤ اور اپنی چانچے کا مائٹ ازرائٹ اور اس وقت یہ مائٹ کس کے پاس ہے سب ہی جانتے ہیں۔“

ایک قدر سے جو تیز افسر نے کہا۔

”اور یہ مقابلہ کرتے ہیں ہمارے ساتھ اور یقیناً اسے کو کرے لے کر آ جاتے ہیں۔ جتنا کام پولیس کا ایک سہا کرے اتنا فوج کے ایک جوان کو کرنا پڑے تو انہیں چاہیے بارہ، بارہ گھنٹے کی فوٹیج دینے کے بعد بھی انہیں ملتا کیا ہے نہ بیوی بچوں کو کوئی سہولتیں ہوتی ہیں نہ خود اسے اور جو عام لوگوں کی بے عزتی برداشت کرنی پڑتی ہے وہ اگ اور یہ جنہیں بچوں کی تعلیم سے لے کر ان کے علاج تک کی سہولتیں دستیاب ہوتی ہیں اور مگر کے راتیں تک پر رعایت ملتی ہے، یہ ہر قدم پر اپنا اور ان کا مقابلہ کرنے کو مجھے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ذرا اسی چار پانچ ہزار میں ان تمام سہولتوں کے بغیر دیکھ لے گا۔ ہونے عوام کی خدمت کریں تو پھر میں بالوں کر ہاں بھی بڑا جذبہ اور ڈھنگ ہے ان میں..... واقعی حب الوطنی پائی جاتی ہے۔“

ایک اور آفیسر نے تقریر عمر کے انداز میں کہا۔

”بہر حال یہ بات طے ہے کہ کم از کم میں اپنے کاموں میں انہیں مداخلت کے لیے کبھی چھٹی نہیں دوں گا مجھے اندازہ سر پر نہیں چڑھانا۔“ عمر نے جیسے جی انداز میں کہا۔

”اب اس کی وجہ سے سرور ریکارڈ خراب ہوتا ہے تو ہو جائے۔ گلے دی باغھ کر کم از کم میں کسی کے سامنے میں میں نہیں کر سکتا۔ اگر یہی کام کرنا ہوتا تو پھر اس سرور میں آنے کے بجائے کہیں انداز ہوتا۔“

عمر نے جیسے اپنا فیصلہ نہ ہونے کہا۔ وہاں بیٹھے ہوئے دوسرے کسی آفیسر نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا مگر ان کے چہروں کے تاثرات واضح طور پر یہ بتا رہے تھے کہ وہ سب ہی آئندہ آنے والے دنوں میں تقریباً اسی قسم کی نکتہ عملی اپنانے والے تھے جو عمر نے اپنانے کا اعلان کیا تھا۔

☆☆☆☆

”میرا نام میجر لطیف ہے میرے اور میری ٹیم کے بارے میں آپ کے پاس نوٹیفیکیشن اور تفصیلات تو پہلے ہی پہنچ چکی ہوں گی۔“

عمر جہانگیر خاموشی سے بے تاثر چہرے کے ساتھ میز کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے خاکی بیغلام میں لمبوں اپنی ہی عمر کے ان میجر پر نظر جمائے بیٹھا رہا جو بڑے میکانیکی انداز میں چند فائلز سامنے نہیں پر کرے پچھلے پانچ منٹ سے مسلسل بول رہا تھا وہ کچھ دیر پہلے دوسرے نو فوجیوں کے ساتھ اس کے آفس پہنچا تھا اور خاکی بیغلام میں لمبوں ان تین افراد کے وہاں پہنچنے پر اس کے عملے میں جو ہر یونٹ میں جی جی اس نے عمر جہانگیر کی ناگواری میں

بہت لمبی ہو گئی تھی جیسے کہ وہیں فحش کرنے پر اس نے اکتفا نہیں کیا بلکہ انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر پولیس سٹیشن کے ڈوٹ کے بارے میں ہدایات بھی دینے لگا۔

مہاجر لطفی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر اس کے ساتھ موجود دوسرے بھی جگہ سے کھڑے ہو گئے عمر نے انکار کا یہ رویہ دیکھ کر دبا اور خود بھی کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک معصیٰ مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے ٹھیل کے دوسری طرف موجود ہجری کی طرف ہاتھ دبا دیا۔ مہاجر لطفی نے نگلنا یا شاید رسا اس کے بارے میں ہونے ہاتھ کو تھمتے ہوئے مصافحہ کیا۔ ”آپ سے آئندہ آئے والے دنوں میں خاصا ملاقاتی بنی رہیں گی۔“

عمر جہانگیر نے اس کے لہجے سے اندازہ لگایا تھا کہ یہ صرف دلی جملہ نہیں تھا، وہ یقیناً اسے دلاڑی دے رہا تھا۔

”ضرور کیوں نہیں اگر ان ملاقاتوں سے اس سسٹم میں کوئی بہتری ہو سکتی ہے تو ہم ضرور ملا کر رہے۔“
 عمر نے اسی معنوی کمر بستہ کو کچھ مزید گہرا کر کے بتوئے کہا۔ بھیر لطیف نے اس کی بات کے جواب میں
 کچھ نہیں کہا اس نے صرف میز پر ہڑی ہوئی ہاتھ اٹھا کر اس اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ افسسے نکل گیا۔

عمر نے کمرے میں موجود ڈی ایس ایس پر بد چادری کو اس کے نکلنے کی درستی سے کہا۔
 ”مجھے اس منبر اور اس کینچی کے تمام لوگوں کے بارے میں مکمل انفارمیشن چاہیے۔ ہر قسم کی انفارمیشن، جیسی
 ایک گراؤڈ سے لے کر ہر پہنچنے تک مکمل تفصیلات کے ساتھ۔“
 بد چادری نے اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 ”اوسے.....!“

”سارے پولیس سٹیشن سے کھواہنا ریکارڈ اپ ڈیٹ کریں۔ کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے نہ ہی میں برداشت کروں گا۔“

“This man is going to give us a very tough time”

اس نے میجر لطف کے بارے میں تبصرہ کیا۔
 ”یہ گڑے کھانے اٹھا رہے اور بال کی کھال اتارنے والا آ رہی ہے اور خاصا بغض پالنے والی ٹاپ میں
 ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کی وجہ سے میں اس کے سامنے شرمندگی کا شکار ہوں۔“
 عمر جہانگیر نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

”کوئی کہتا ہی نہیں ہو گی سر۔“ بدر جاوید نے ایک بار پھر یقین دلایا۔
 ”ٹھیک ہے تم جاؤ۔“ اس نے انٹرکام اٹھاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔
 ”ظفر تم اندر آؤ۔“

اس نے اپنے بی اے کو انٹرکام پر اُتار آئے کی ہدایت دی اور پھر انٹرکام کا ریسپونڈر رکھ کر اس رپورٹ کے بارے میں دھونے لگا جو میجر لطیف سے ہونے والی اس پہلی ملاقات کے بارے میں تیار کروانے والا تھا، وہ جانتا تھا اپنے

کمر درے لہجے میں کہے گئے اس جملے نے چند لمحوں کے لیے عمر کو خاموش کر دیا، وہ جانتا تھا اس وقت اس کے چہرے پر کتنی دہشت تھی۔

”اس لیے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ میری ٹیم یہاں آپ کی مدد کے لیے بھیجی گئی ہے آپ کی مدد کے لیے آپ کا اپنا عملہ کافی ہے ان ہی پر اس معاملے میں انحصار کریں تو بہتر ہے۔“

اس ہجر کے تمکث میں ابھی خاصے تیر باقی تھے۔

”ہم لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کی درگاہِ فیض اور بہتر ہواور یہ اس شہر کے پولیس کے سربراہ کے طور پر آپ کی ذمہ داری ہے۔ ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ آپ اور آپ کا عہد اس ذمہ داری کو کس طرح نبھاتے ہیں اور کتنا کر رہے۔“

وہ مجھ شاید محمود و اباؤ کو ایک ہی صف میں کھرا کر دینے کے حقوے پر عمل کرنے میں یقین رکھتا تھا پھر گریہ بشن روز اول پر عمل پیرا تھا۔ کمرے میں موجود اپنے وقت پولیس آفیسرز کے سامنے ہر جاگیر گیر نے اپنی جگہ محسوس کی کچھ دیر پہلے کا دوستانہ رویہ اعتبار کرنے کا فیصلہ اس نے چند منٹوں میں بدل دیا تھا۔

”میں جس طرح کام کر رہا ہوں اس طرح کرتا رہوں گا، آری مائیزنگ فیم کی مائیزنگ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی کیونکہ میں بہت اچھے طریقے سے کام کر رہا ہوں اس نئے اچھے طریقے سے جیتے اچھے طریقے سے ممکن ہے کیونکہ میں اپنا کام کیسے کر رہا ہوں اس بارے میں نظام کو آپ سے بجز جانتا ہوں اور جہاں تک عملے کی کارکردگی کا تعلق ہے تو وہ مجھے بہتر ہے مگر اس سے زیادہ بہتری بھی ہو سکتی ہے کیونکہ بہتری کی گنجائش تو ہر جگہ ہوتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح آری میں۔“

اس مسجد کے چہرے پر ایک دم آ کر گزر گیا۔
 "اور اس بہتری کے لیے میں خاص کوشش کر رہا ہوں کیونکہ ہم لوگوں کو سروس دینے کے لیے اس شعبے میں آئے ہیں بلکہ اسی طرح جس طرح آپ لوگ سروس کر رہے ہیں۔"

اس بار اس میجر نے اپنی کرسی پر ایک بار پھر پہلو بدلا۔
 ”اب دیکھتے ہیں اس معاملے میں ہم اور آپ ”مل“ کر کیا کر سکتے ہیں۔“

عمر نے "قل" پر زور دیتے ہوئے کہا۔ سامنے بیٹھے ہوئے میجر نے ایک بار پھر پہلو بدلا، یقیناً اس نے عمر کے بارے میں اعلیٰ راءے اپنی شروع کردی تھی۔

”آپ سے اب آئندہ ملاقات تو رہا کرے گی تو تفصیل سے اپنی معاملات پر گفتگو ہوگی۔ آج کے لیے تو میرا خیال ہے انتہائی کافی ہے، آپ میرے پولیس مشین کا راولڈ لیتا جاؤ تو میں اے ایس بی او کو دہائیات دے دیتا ہوں وہ آپ کو ریکارڈ سمیت اپنی چیزوں سے آگاہ کر دے گا اور آپ محکمہ پھر کر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اگلی ملاقات میں تفصیل سے بات کریں گے۔“

عمر جا کثیر نے اپنے انداز سے انہیں یہ جتا دیا تھا کہ اب انہیں وہاں سے چلے جانا چاہیے کیونکہ میسنگ

آفس میں پہنچ کر مہر لطف بھی اسی جوش و خروش سے اس بینک کے بارے میں رپورٹ تیار کرنے کا سوچ رہا ہوگا۔

☆☆☆

”جنید کے گھروالے کل کھانے پر آرہے ہیں۔“ شام کی چائے پر نانو نے علویہ کو بتایا۔

علویہ نے معمول کے انداز میں انہیں دیکھا، جنید کے گھروالوں کا ان کے یہاں کھانے پر آنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ نانو اکثر انہیں اپنے یہاں مدعو کرتی رہتی تھیں اور خود جنید کی ای بھی ان دونوں کو اپنے یہاں کھانے پر بلاتی رہتی تھیں اس لیے علویہ نے کسی خاص رد عمل کا اظہار کیے بغیر چائے پیتے ہوئے سر ہلایا۔

”شادی کی تاریخ طے کرنا چاہ رہی ہیں وہ۔ اس سلسلے میں آرہے ہیں۔“ نانو نے اپنی بات مکمل کی۔

وہ چائے پیتے پیتے رک گئی۔ ”شادی کی تاریخ؟“ اس نے غیب سے کہا۔

نانو کو اس کی حیرت پر حیرت ہوئی۔ ”ایک سال گزر چکا ہے علویہ! وہ لوگ منگنی کے ایک سال بعد ہی شادی کرنا چاہتے تھے۔“

نانو نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔ علویہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ بھر پر رکھ دیا۔

”مگر جنید نے تو مجھ سے اس سلسلے میں کسی بات نہیں کی۔“

”اس نے ضروری نہیں سمجھا ہوگا یہ کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہے۔“ نانو نے قدرے بے نیازی سے چائے کا ایک کپ ہاتھ سے اٹھایا۔

”مگر بھی اسے مجھ سے بات تو کرنا چاہیے تھی یا مگر فری یا کچھ بتا دیتی۔ میں جیسے بٹنے ہی تو ان کے گھر ہی اور پھر ابھی برسوں میری اس سے بات ہوئی ہے۔“ علویہ نے بے حد خود کلامی کی۔

”اب کل کھانے پر آرہے ہیں تو تم خود ہی اس سے پوچھ لینا کر کے ان سے تمہیں نہیں بتایا لیکن ماریج میں وہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں، اس کے بارے میں تو تم سے تمہیں چند ماہ پہلے بتایا تھا۔“ نانو کو اچانک یاد آیا۔

علویہ نے کچھ کچھ بغیر چائے کا کپ اٹھا لیا۔ ”اچھا یہ، جتنی جلدی میں اس ذمہ داری سے بھی فارغ ہو جاؤں اتنا ہی اچھا ہے۔“ نانو نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”کیا شام چند ماہ آگے نہیں ہو سکتی؟“ علویہ نے اچانک کہا۔

”چند ماہ آگے مگر کیوں؟“ نانو نے کچھ چوک کر پوچھا۔ وہ کچھ جواب نہیں دے سکی۔

”چند ماہ آگے کس لیے؟“ نانو نے ایک بار مگر اپنی بات دہرائی۔

”بس ایسے ہی۔۔۔ اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔“

”کوئی مناسب بات تو نہیں ہوگی یہ۔ وہ لوگ شادی آگے کرنے کی وجہ جاننا چاہیں گے۔“

”آپ کہہ دیں کہ ابھی ہم تیاری کر رہے ہیں۔“ علویہ کی بات پر نانو سکرا گئیں۔

”جنید کی ای جانتی ہیں کہ ہماری تیاری مکمل ہو چکی ہے۔“

”وہ کیسے جانتی ہیں؟“

”مجھ سے ہر دوسرے تیسرے دن رابطہ ہوتا رہتا ہے ان کا، میں خود انہیں بتاتی رہتی ہوں۔“ نانو نے کہا۔

”آپ بھی ہوتی۔۔۔ بس۔۔۔ علویہ سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔“

”کوئی دوسرا ماہ بھی تو کر سکتی ہیں۔“ علویہ نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

”ابھی مجھے عینہ اور سکندر سے بات کرنی ہے۔ دیکھنا ہے کہ شہید کب باہر سے آ سکتے ہیں مگر سکندر کی ضرورت فائدہ کا دیکھنا ہے۔ ڈینٹ تو اس کے بعد ہی ملے گی، جانے گی، نانو نے کہا۔

”اور اگر کی نہیں آ سکیں یا انہوں نے ڈینٹ آگے کر کے کہہ دیا تو؟“ علویہ کو اچانک خیال آیا۔

”نہیں شہید ایسا کچھ نہیں کہے گی۔ میں اس سے پوچھ کر ہی اس کی سکوت کے مطابق تاریخ طے کروں گی اور اس کے نہ آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا وہ اپنی بیٹی کی شادی پر نہیں آئے گی۔“ نانو نے اس کے قیاس کو مکمل طور پر رد کر کے ہوئے کہا۔

”پھر بھی نانو۔۔۔ بہتر ہوتا مگر آپ چہاں اور انتظار کر لیتیں۔“

”آم تو کس لیے؟“

”بس ویسے ہی، جنید کو توڑا اور جان لیجی میں۔“ اس نے چائے کا کپ لیے ہوئے کہا۔

”میں تو سمجھتی ہوں کہ تم جنید کو ابھی طرح جان لگی ہو۔ ایک سال کا ہوتا ہے کسی کو جاننے اور پرکھنے کے لیے اور جنید اس طرح کا لڑکا تو نہیں کہ اس کے بارے میں اتنا زیادہ جانتا ہوتا پڑے۔“ نانو نے قدرے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال تھا تھرا ہی اس کے ساتھ جاسی، ابھی انڈر سٹینڈنگ ہو چکی ہے۔“

”ہاں وہ اچھا ہے مگر انڈر سٹینڈنگ۔۔۔۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔

”انڈر سٹینڈنگ کیا؟“ نانو نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

”بعض دفعہ لگتا ہے کہ اس کے ساتھ میری کوئی انڈر سٹینڈنگ نہیں ہے۔“ علویہ نے قدرے اچھے ہوئے انداز میں چائے کا کپ پرتے ہوئے کہا۔

”سچ بات ہوئی؟“ نانو بھی اچھٹک گئیں۔

”تم نے پہلے کبھی جنید کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کی۔ تم تو ہمیشہ اس کی تعریف ہی کرتی رہی ہو۔“

”ہاں میں نے آپ سے کبھی اس کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کی اور میں اس کی تعریف ہی کرتی رہی ہوں۔“ اس نے ان ہی کے انداز میں کہا۔

”اور تمہیں اس کی فٹلی بھی بہت پسند ہے۔“

”ہاں مجھے اس کی فٹلی بھی بہت پسند ہے۔“

”بلکہ میرا تو خیال تھا کہ تم پہیلی پہیلے ہی ان کے ہاں ایڈجسٹ کر چکی ہو۔“

”ہاں میں پہیلی پہیلے ہی ان کے ہاں ایڈجسٹ کر چکی ہوں۔“ اس نے کسی ردیوت کی طرح دیکھا گی انداز

ٹانٹا میں یہ چاروں خصوصیات نہیں تھیں۔“

نانو نے یکدم مسکراتے ہوئے کہا۔

”Short tempered تو ہے اور مجھے اس کا اندازہ بہت شروع میں ہی ہو گیا تھا۔ خوش مزاجی بھی ان کے مزاج کا حصہ نہیں تھی۔ وہ خانے کم کھتے۔ صرف ضرورت کے وقت ہی یونان پسند کرتے تھے اور اگر ان کے مزاج میں کچھ خشکی آئی تھی تو جاب سے ریٹائر ہونے کے بعد..... اپنے بڑھاپے میں۔

اور چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز انہوں نے بھی کیا ہی نہیں۔ بہت ہی طار رہتا تھا ان سے بات کرتے ہوئے روندہ چھوٹی سی بات پر بھڑک اٹھتے تھے اور پھر خانے عرصے تک وہ چھوٹی سی بات ان کے ذہن میں اُگی رہتی تھی اور بھٹ کے دس دس حد تک شوقین تھے تو تو بھی اسی طرح جانتی ہو۔“ نانو نے اپنا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”صرف بھٹ کرنے کے شوقین تھے بلکہ معمولی باتوں پر بھٹ کرنے کے شوقین تھے اور اپنی بات پر براڑ جانے والوں میں سے تھے۔ دوسرا چاہے انڈیا کی بیڑا سانسے لکھ کر بات کرتا۔ وہ میں نہ مانوں کے صداقت ہی چلتے۔ مجال ہے کہ کسی دوسرے کی بات کو کوئی اہمیت دے دیتے اور اس کے باوجود میں نے ان کے ساتھ بڑی اچھی زندگی گزار لی ہے۔ انہیں اچھے دوڑوں کو بھی کچھتا دانیس ہو کر کم دوڑوں کی شادی کیوں ہو گئی۔ ہم نے بھی سے بھی نہیں سوچا کہ ہماری کہیں اور شادی ہوئی ہو تو بہتر ہوتا۔ پھر تمہیں اتنے خدشات کیوں ہیں جنید کے بارے میں۔“

نانو اچانک خمیدہ ہو گئیں۔

”آپ جنید کو اتنا زیادہ کیسے جانتے گی ہیں؟“ علیزہ نے اچانک ان سے پوچھا۔

”شروع سے ہی جانتی ہوں۔“ نانو نے بے ساختہ کہا۔

”شروع سے ہی جانتی ہیں؟“ علیزہ نے کچھ چمک کر انہیں دیکھا مگر آپ کی بات چیت تو جینید اور اس کے خاندان سے اس پر پوزل کے آنے کے بعد ہوئی ہے۔“

”ہاں میرا مطلب ہے کہ ایک سال سے جب سے وہ یہاں آنے لگا ہے۔ شروع سے ہی وہ بڑی سلیمی ہوئی۔ ملاوٹوں کا مالک بننے۔“ نانو نے جلدی سے صبح کی۔

”ایک کھال میں اس نے یہاں چند گھنٹوں سے زیادہ وقت نہیں گزارا اور چند گھنٹے کیا کسی آدمی کے بارے میں جتنی رائے قائم کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں؟“ اس نے خمیدگی سے نانو سے پوچھا۔

”ہر آدمی کے بارے میں نہیں مگر کچھ لوگوں کے بارے میں جتنی رائے قائم کرنے کے لیے تو چند منٹ بھی کافی ہوتے ہیں۔“ نانو نے اسی کے انداز میں کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہا کہ جینید برا ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہی ہوں میں اسے سمجھ نہیں پاتی۔“ علیزہ نے مدافعا انداز میں کہا۔

”بعض دفعہ تو مجھے تمہیں سمجھنے میں بھی دشواری ہوتی ہے اور بعض دفعہ تم بھی مجھے سمجھ نہیں پاتی ہوگی۔“ نانو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”اس کے باوجود ہم دوڑوں کی آپس میں خاصی انڈر شیڈنگ ہے یا پھر میری سمجھتی ہو

میں کیے بعد دیکھو ان کے تمام پتلے ان کے پیچھے دھراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر آخر براہم کیا ہے؟“ نانو نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

”پتا نہیں براہم کیا ہے مگر میں بعض دفعہ جینید کو سمجھ نہیں پاتی۔“ اس نے کچھ بے بسی سے کہا۔

”مثلاً کیا سمجھ نہیں پاتیں تم اس کے بارے میں؟“ نانو نے خمیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتی کہ اپنی فیلنگوں کا اظہار کیسے کروں۔ مجھے یہ بتانا مشکل لگ رہا ہے کہ اس کے رویے کی کیا بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بس بعض دفعہ اس کا پوائنٹ آف ویو میرے پوائنٹ آف ویو سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔“ نانو نے ایک گہرا سانس لیا۔

”یہ اسی اہم بات تو نہیں ہے۔ نقطہ نظر میں فرق ہونا تمہارے نانا اور مجھ میں بھی تقریباً ہر بات پر اختلاف رائے موجود تھا مگر اس کے برعکس ہم نے پچاس سال کا عرصہ اکٹھا گزارا اور خاصی بڑی خوشی گزارا۔“ انہوں نے بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

”آپ دونوں کی شادی کسی کورٹ شپ کے بغیر ہوئی تھی۔ ایک سیدھی سادی اریج میرج..... ورنہ شاید ایک دوسرے کی سبج کو اتنا مختلف دیکھ کر آپ دونوں بھی شادی نہ کرتے مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں پہلے ہی اس کے بارے میں جان چکی ہوں جب کہ آپ دونوں کو بعد میں ایک دوسرے کے بارے میں پتا چلا۔“ علیزہ نے قدرے خمیدگی سے کہا۔

”ہاں بعد میں یہ سب پتا چلا مگر پہلے ہی پتا چلا تو بھی کچھ زیادہ فرق نہ پڑتا۔ میں اور وہ پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہی شادی کرتا پسند کرتے۔“ نانو نے خاصی طبیعت سے کہا۔

”He was a nice man to live with“

علیزہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”اور جینید کے بارے میں بھی میری رائے اتنی ہی اچھی ہے جتنی تمہارے نانا کے بارے میں بلکہ کسی اعتبار سے وہ تمہارے نانا سے بہتر ہے۔“ نانو نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”مثلاً؟“

”مثلاً..... فٹے کے معاملے میں..... وہ Short tempered (غصیلی) نہیں ہے۔“

”ہاں..... Short tempered نہیں ہے مگر ضد بہر حال اسے آتا ہے۔“ علیزہ نے انہیں بتایا۔

”ناٹل بات ہے، کے نہیں آتا، مسئلہ صرف جب ہوتا ہے جب بات ہے بات آتا ہو۔“ نانو نے لاپرواہی سے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”بہت خیال رکھتے والا آدمی ہے۔“

علیزہ خاموش رہی۔

”خوش مزاج ہے..... فضول بحث نہیں کرتا اور چھوٹے سونے اختلافات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ تمہارے

نور محمدی کی سہولتیں دوست احباب کو بھی خاصی دھاتیں دینی پڑی ہوں گی اسے لوگوں کے سامنے اور اس پر شہادی

”چھا تو پھر کیا کہتے ہیں؟“

”میرا خیال ہے اس سے شادی ہی کہتے ہیں۔“

”واقعی؟“ اس بار دوسری طرف سے کچھ مزید جراثی کا اظہار کیا گیا۔

”جی واقعی.....“ وہ اس کے انداز پر مسکرائی۔

”اس میں قید یا غلامی والی کوئی بات نہیں ہوتی؟“ سنجیدگی سے تصدیق کی گئی۔

”نہیں کم از کم مردوں کے لیے ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔ اگر ایسا کچھ ہو بھی تو خواتین کے لیے ہوتا ہے۔“

علیہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

”اچھا.....! مگر میرے دوستوں کا تجربہ تو اس کے برعکس ہے۔“ وہ ابھی بھی اسی موڈ میں بظاہر بڑی سنجیدگی

کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔

”عجرات بھی ہوتے ہیں مگر زیادہ تر نہیں، آپ کے دوستوں کے ساتھ کوئی مجرمہ ہوا ہوگا۔“ علیہ اس کی

منطقہ سے محفوظ ہو رہی تھی۔

”ہو سکتا ہے میرے سامنے میں بھی ایسا کوئی مجرمہ ہو جائے؟“ دوسری طرف سے اپنے خدشے کا اظہار کیا گیا۔

”ایسے مجرموں کے لیے خواتین میں کچھ کثف اور کرامات کا ہونا ضرور ہے اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں

کہ میں ان دونوں چیزوں سے عاری ہوں۔“

”آپ سے یہ جان کر خاصی ہمت بڑھی ہے میری، خاصا حوصلہ ہوا ہے مجھے یعنی میری آزادی پر کوئی

حرف نہیں آئے گا۔“

”نہیں آپ تسلی رکھیں، آپ کی آزادی پر کوئی حرف برداشت کر لیں۔“

آزادی پر کوئی حرف برداشت کر لیں۔“

علیہ نے اسے تسلی دی دوسری طرف سے وہ بے اختیار ہنسا۔

”I am very timid.“ (میں تو بہت بزدل لوگوں میں سے ہوں)

”اگر آپ بڑے لیے timid (بزدل) استعمال کر رہے ہیں تو یقیناً دشمنی میں Timid کا مطلب

بہل چکا ہوگا۔“ وہ اس کی بات پر ایک بار پھر ہنسا۔

”میرے بارے میں تم کچھ ضرورت سے زیادہ نہیں جان سکتیں؟“

”نہیں ضرورت کے مطابق ہی جانا ہے آپ کو۔“

”تم کوئی سی ردائنگ گفتگو اب لازم نہیں ہو گئی ہم پر؟“ وہ اس کے جواب سے محفوظ ہوتے ہوئے بولا۔

”میرا خیال ہے ابھی تک ساری گفتگو ردائنگ ہی ہوئی ہے۔“

”نہیں..... نہیں..... میں کچھ اظہار محبت اور دعدوں وغیرہ کی بات کر رہا ہوں..... چاند تارے تو تو نے

ناپ والی باتیں۔“

”نہیں کل آج تو مجھے جانا ہے مگر میں وہاں سے جلدی آ جاؤں گی۔“

”جلدی..... کس وقت؟“

”دو پہر کچھ کے بعد آ جاؤں گی بلکہ شاید پنجے آور کے دوران ہی۔“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے۔ یہ بہتر ہے گا۔“ نانو نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اگلے روز شام کو جنید کے گھر والے ان کے ہاں آئے تھے۔ نانہ، حمید اور سکندر سے پہلے ہی فون پر بات کر

چکی تھیں دونوں نے انہیں اگلے آ کوئی کئی بھی تاریخ طے کر دینے کا کہا تھا۔ دونوں ٹھیکوئے نے کھانے کے بعد باہمی

مشورے سے تاریخ طے کر لی۔

جنید اپنے گھر والوں کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ رات بارہ بجے کے بعد جب اس کے گھر والے واپس گئے تو

اس کے کچھ دیر بعد اس نے علیہ کو فون کیا۔ اسی وقت سونے کے لیے اپنے کمرے میں گئی تھی۔

”میں صرف مبارکباد دینے کے لیے کال کر رہا ہوں۔“ سلامی دعا کے بعد اس نے علیہ سے کہا۔ اس

کا کچھ خاصا خوشگوار تھا۔

”جھینکس مگر میں دن پہلے جب ہم لوگ ملے تھے تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔“ علیہ نے کہا۔

”کس چیز کے بارے میں؟“ جنید نے قدرے بے نیازی سے کہا۔

”یہی کہ آپ کے گھر والے تاریخ طے کرنے کے لیے ہمارے گھر آنے والے ہیں۔“

”میں نے سوچا جن میں سر ہانڈ دوں۔“

”میں سوچ رہی تھی آپ کہیں سے کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ خبر ہی نہیں تھی۔“

وہ دوسری طرف ہنسنے لگا۔ ”نہیں..... میں کوئی لڑکی نہیں ہوں کہ اسے آخری لمحوں میں کچھ بتا ہی نہ ہو اور نہ

ہی یہ کہتی فم ہے۔ ظاہر ہے میری شادی کی تاریخ مجھ سے پوچھنے بغیر کیسے طے کی جاسکتی ہے۔“

”ہاں آپ سے پوچھنے بغیر کیسے طے کی جاسکتی ہے۔ وہ تو صرف مجھ سے پوچھنے بغیر طے کی جاسکتی ہے۔“

علیہ نے ٹھکراتے ہوئے کہا۔

”خار تاجا تو رہا ہوں، تمہارے لیے سر ہانڈ تھا۔ اچھا سر ہانڈ نہیں تھا کیا؟“ وہ اسی طرح ٹھٹھکی سے بولا رہا۔

”تمہارے موسم میں شاید میں واحد آدمی ہوں گا جو اتنی خوش خوش اپنی رشتہ مندی کے ساتھ آزادی کے

بجائے غلامی قبول کروں گا۔ جنہیں تو میرے اس جذبے کو سراہنا چاہیے۔“ اس بار اس کے لہجے میں معنوی سنجیدگی تھی۔

How very magnanimous (کتنا با حوصلہ ہوں) غلامی قبول کروں گا۔“

”کیسی غلامی؟“

”نہیں شاید قید کہتے ہیں اسے۔ ہے؟“ جنید نے فوراً اپنے جملے میں جھج کرتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں قید بھی نہیں کہتے۔“

علیہ ومعنی سنجیدگی سے بولی۔

”دل تو already (پہلے ہی) آپ کے پاس ہے۔ میں تو اس وقت دماغ کا استعمال کرتے ہوئے تعریف کر رہا ہوں۔“

sane, sensible thing (دانا اور سمجھدار)

علیہ و نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

اس کی برعکس آج واقعی لا جواب کر دیئے والی تھی۔

It means that I am going to marry a heartless person (اس کا مطلب

ہے کہ ایسے شخص سے شادی کر رہی ہوں جس کا دل ہی نہیں ہے)

On the contrary I'm going to marry a girl with two hearts (اس کے بر

عکس میں جس لڑکی سے شادی کر رہا ہوں اس کے دو دل ہیں)

جنید نے اتنی ہی بے ساختگی سے کہا۔

”میڈیکل سائنس میں دو دلوں والے انسان کو کیا کہا جاتا ہے۔“ علیہ و نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”میڈیکل سائنس کا تو مجھے پتا نہیں مگر غالب اسے ”محبوب“ کہتے ہیں۔“

علیہ و بے اختیار کھسکا، جنید کے منہ سے غالب کا حوالہ اسے بے حد دلچسپ لگا تھا۔

”میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ بھی زندگی میں کبھی غالب کی بات کریں گے۔ اقبال کا ذکر کب

فرما میں گئے؟“

”اقبال کا ذکر مشکل ہی ہے، وہ خود ہی کی بات کرتے ہیں اور محبت ہو جانے کے بعد خود ہی کہاں باقی رہتی

ہے۔ اس لئے اقبال کا ذکر اب باقی ساری زندگی مشکل ہی ہے۔ بس غالب ہی تمہیک ہیں۔“

”وی غالب جو کہتے ہیں کہ عشق نے تمہا کر دیا؟“

”غالب تو یہ بھی فرماتے ہیں“

چٹائے جان ہے غالب اس کی ہر بات

مبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

”میرے سر کے اوپر سے گزر گیا ہے آپ کا شعر۔“ علیہ و نے جیسے ہتھیار ڈالنے ہوئے کہا۔

”یہ میرا نہیں غالب کا شعر ہے اس لئے اگر آپ کے سر کے اوپر سے گزر گیا تو کوئی بات نہیں، میں

اعتراف جب کرتا کہ میرا شعر آپ کے سر کے اوپر سے گزر جاتا۔“

”آپ کا اپنا شعر ہوتا تو وہی میرے سر کے اوپر سے ہی گزرتا۔ لڑچجر اور خاص طور پر شعر و شاعری کے

معاملے میں کچھ زیادہ اجماع ذوق نہیں رکھتی۔“

”آپ گزرتے کریں جناب، میرے ساتھ رہیں گی تو تمہیک ہو جائیں گی۔“

علیہ و ہنس پڑی، ”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ان چیزوں کو توڑنے کے بغیر بھی آپ کے بارے میں میری رائے خاصی اچھی ہے۔“

”یہ سن کر خاصی خوش ہوئی ہے مجھے ورنہ میرا خیال تھا کہ پچھلے چند ماہ میں ہونے والے واقعات کے بعد میرے بارے میں تمہاری رائے کا گراف خاصا نیچے چلا گیا ہوگا۔“ وہ اب اسے سمجھ رہا تھا۔

”ہو نہ تو چاہیے قہر مگر بہر حال ہوا نہیں۔“

”جب مجھے خود کو خوش نصیب سمجھنا چاہیے۔“

”یہ آپ پر منحصر ہے۔“ اس نے کہا وہ اپنی اینڈل کے اسٹیر پیس کھولتے ہوئے اپنے بیڑ پر بیٹھ رہی تھی۔

”پارا نہیں بھی تو خوش قسمت سمجھنا چاہیے مجھے۔“

”اچھا تمہیک ہے، آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ اب آپ یقیناً یہ کہیں گے کہ میں بھی خود کو خوش قسمت

سمجھوں۔“

جنید نے بے اختیار تہجد لگا دی۔

”آج تمہاری Sense (حس) بڑی شارپ ہے۔ میرے کہے بغیر ہی اگلا جملہ بوجھ رہی ہو، کمال کی

اعتراف یہ تمہیک ہے ہماری۔“

وہ اس کے آخری جملے پر مسکرائی، جنید واقعی آج بڑے موڈ میں تھا۔

”اگر آپ کے ساتھ رہتا ہے تو senses کو شارپ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ خاصی مشکل ہو جائے گی۔“

”کس کو؟ مجھے؟“

”مجھے۔ آپ کو تو خاصی آسانی ہو جائے گی۔“ علیہ و نے ٹکیہ کو گود میں لیے ہوئے کہا۔

You are pretty intelligent (تم خوبصورت ذہین ہو)

جنید نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”آپ Pretty کے بعد کو لگا کر یہ بات کہہ رہے ہیں“ جنید اس کی بات پر بے اختیار کھنکھاتا ہوا۔

”نہیں گل شاپ لگا کر کہہ رہا ہوں You are pretty بات پر علیہ و اس کی بات پر ہنسی۔

”اور Intelligent“ اس نے ہنسی رد کرتے ہوئے پوچھا۔

”نی اٹال اس کو delete کر دیتے ہیں۔ بات Pretty تک ہی رکھتے ہیں اس سے باہر لا

خوشگوار ہو گیا ہے۔“ جنید کا اشارہ اس کی ہنسی کی طرف تھا۔

”تعریف کے لیے شکر یہ ادا تو نہ کروں؟“

”بالکل نہیں آپ کی تعریف کر کے میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ فرض کی ادائیگی پر کیسا شکر ہے۔“ جنید اب

اسے جھگ کر رہا تھا۔

”اچھا تو صرف فرض کی ادائیگی کے لیے تعریف کر رہے ہیں دل کے باقیوں مجبور ہو کر نہیں کر رہے۔“

”ٹھیک ہو جاؤں گی یا آپ ٹھیک کر دیں گے؟“

”دونوں میں کوئی فرق ہے؟“

”بہت.....“

”میں ٹھیک نہیں کروں گا آپ خودی ٹھیک ہو جائیں گی۔“

”ابھی ٹھیک نہیں ہوں؟“

”نہیں ٹھیک ہیں مگر بعد میں کچھ زیادہ ٹھیک ہو جائیں گی یا پھر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔“ اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”صرف ٹھیک؟ زیادہ ٹھیک نہیں ہوں گے آپ؟“

اس بار وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ ”نہیں..... زیادہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرح غالب کے شعر میرے بھی سر کے اوپر سے گزرنے لگس گئے۔“

”آپ بڑے عجیب آدمی ہیں جناب۔“

”یہ تعریف ہے یا تنقید؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”دونوں ہی نہیں ہیں، بس تبصرہ ہے۔“ علیزہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”پھر ٹھیک ہے۔ مگر آپ جب میرے گھر آ کر میرے ساتھ رہیں گی تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کی یہ رائے بہت فطرت اور بے موقع تھی۔ میں بڑا سیدھا سادہ آدمی ہوں۔“ اس بار وہ بھی سمجیدہ ہو گیا۔

”آپ سے ایک بات پوچھنا چاہ رہی تھی میں؟“

”جی فرمائیں؟“

”کیا نڈر سپرے ریڑھن کو درد میں؟“

”اس کا فیصلہ تم خود کر سکتی ہو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ جنید نے بڑی سہولت سے کہا۔

”مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“

”یہ اتنا مشکل فیصلہ تو نہیں ہے۔“

”میرے لئے ہے۔“

”تم جو چاہتی ہو وہ کرو۔“

”مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ میں کیا چاہتی ہوں، میں ذلیل مائٹڈ ہو رہی ہوں اس لئے آپ سے پوچھ رہی ہوں کیا یہ ضروری ہے کہ میں ریڑھن کو درد میں؟“

”نہیں ضروری نہیں ہے۔“

”آپ کے گھر والوں کو اس پر کوئی اعتراض ہوگا؟“

”نہیں گھر والوں کو تو نہیں ہوگا مگر مجھے ہو سکتا ہے۔“

”آپ کو کیوں ہوگا؟“

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم گھر اور آفس کو اکٹھا Manage کر سکتی ہو؟“ اس بار جنید واقعی سمجیدہ تھا۔

”پتا نہیں اسی لئے تو میں ٹیفرڈ ہو رہی ہوں۔“

”تم کو اندازہ تو ہوگا؟“

”کوئی اندازہ نہیں ہے، پہلے مجھ پر گھر کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، صرف جاب ہی ہے۔“

”میرے گھر آ کر بھی تو نہیں کوئی کام تو نہیں کرنا پڑے گا مگر پھر بھی بہت سی دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔“ جنید بات کرتے کرتے رکا۔

”تم جاب نہیں چھوڑنا چاہتیں؟“

”جواب..... میں؟ چھوڑنا چاہتی ہوں مگر ابھی نہیں۔“

”علیہذا میں کوئی کنٹرولنگ آڈی نہیں ہوں، اگر تم میں کوئی ٹیلنٹ ہے تو میں اسے ضائع کرنا نہیں چاہوں گا..... مگر جس فیلڈ میں تم ہو، قدر پچھپچھ ہے تم اکثر نکلتے ہو کہ کرتے جاتی ہو۔ نکلتے کہاں ہوں، کب ہوں، تم کب کب پہنچو..... یہ سب کچھ خاصا complicated ہے۔“

”ہاں میں جانتی ہوں اور اسی لئے ذلیل مائٹڈ ہوں، مگر صرف میں صرف کھانے پینے، شاپنگ کرنے اور سونے والی زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔ سوسائٹی میں کچھ تو کنٹری بیوشن ہونا چاہئے میرا۔“

”تم فری لانسنگ کر سکتی ہو۔“ جنید نے تجویز پیش کی۔

”فری لانسنگ؟“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”تمہارے لئے یہ خاصا آسان رہے گا۔“ جنید نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس کے بارے میں سوچا نہیں۔“

”تو سوچو لو..... بلکہ تم اپنا کرو..... ریڑھن کرنے کے بجائے چھٹی لے لو کچھ عرصہ کے بعد تم اپنی روٹین اور زندگی کو دیکھ لینا اور پھر فیصلہ کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا تمہارے لئے۔ بعد میں ہم دونوں زیادہ بہتر طریقے سے اس کے بارے میں سمجھنے لگے کر لیں گے، یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تمہارے لئے اور alternatives کیا ہیں۔ بلکہ تم دیکھنا کہ ای تو ہوا بہت سوشل ورک کر رہی ہیں اس میں تم کس طرح مدد کر سکتی ہو۔ تمہارا تو سبجیکٹ بھی سوشالوجی ہی رہا ہے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ صرف جرنلزم کے ذریعے ہی سوسائٹی میں کوئی کنٹری بیوشن کی جائے۔“

”وہ اس کی بات غور سے سنتی رہی۔“

”ہاں یہ ضروری نہیں ہے۔“

”گھر اور بہت سارے کام ہیں جو تم کر سکتی ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ ٹائٹل فائو والا کام کیا جائے اور پھر روز ہی کیا جائے، پھر روز میں تم گھر سے نکل جایا کرو گی تو میں تمہاری شکل کیسے دیکھا کروں گا صبح۔“

”وہ بات کہہ کر مجھے سمجیدہ ہوا۔ علیہذا اس کی بات پر ابھی بھی غور کر رہی تھی اس نے جنید کے آخری

”میں نے آپ سے بھی کئی کوئی فرمائش نہیں کی یہ آپ کو یاد رکھنا چاہیے۔“ علیزہ نے اسے جنمایا۔
 ”یعنی میں خود ہی تمہارا خیال رکھتا ہوں کہ تمہیں فرمائش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ تم یہی کہتا چاہ رہی ہو نا؟“ جنید نے مصنوعی شہیدگی سے کہا۔

”نہیں میں یہ کہتا چاہ رہی ہوں کہ میں فرمائشوں پر کچھ زیادہ یقین نہیں رکھتی، خاصگی تم تاحق پندہ کی ہے مجھ میں۔“
 ”اسی لیے تو تمہیں میں نے آفر کی ہے۔“
 علیزہ نے اس کے مسکراتے چہرے کو غور سے دیکھا۔
 ”اگر آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں کسی فرمائش کے لیے تو آپ میری ایک خواہش پوری کر دیں۔“ اس نے چند لمحوں کے بعد یکدم شہیدگی سے کہا۔

”بالکل ضرور کیوں نہیں۔“ جنید نے کچھ دیر چپکی کے ساتھ نیپل پر اپنی کہیاں نکالتے ہوئے کہا۔
 ”عمر سے دو بارہ کبھی مت ملیں۔“

جنید کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ ایک بار پھر سیدھا ہوا کر بیٹھ گیا۔ ”یہ کیا بات ہوئی؟“
 ”آپ نے خود ہی کوئی فرمائش کرنے کے لیے کہا تھا۔“ علیزہ نے اسے یاد دلایا۔
 ”مگر یہ تو خاصی نامناسب سی فرمائش ہے۔“ جنید یکدم بخیر ہو گیا۔

”نہیں کوئی اتنی نامناسب نہیں ہے۔“ علیزہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ پہلے کی طرح اب بھی عمر سے کوئی رابطہ نہ رکھیں۔ اس سے ملنے سے احتراز کریں اس میں نامناسب بات کیا ہے؟“

”میں اس سے بہت زیادہ تو نہیں ملتا ہوں۔“
 ”میں چاہتی ہوں آپ اس سے نہیں ملے نہ زیادہ۔ سرے سے ہی نہ ملیں۔“
 ”کیوں؟“

”کیونکہ میں اسے پسند نہیں کرتی۔“ اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔
 ”تم اسے پسند کیوں نہیں کرتیں؟“
 ”آپ جانتے ہیں۔“

جنید نے اس کی بات پر قدرے ناگوار سے سر جھٹکا ”صرف ایک واقعہ کی بنا پر کسی کے بارے میں اس طرح کی حتمی رائے بنالیا اور کسی کو اپنا نہ کرنے لگنا کچھ مجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ بہت illogical (غیر منطقی) اور Unreasonable (نامناسب) قسم کی بات ہے۔“

”ایک یا دو واقعات کی بات نہیں ہے۔ بہت ساری وجوہات ہیں اس کے لیے میری ناپسندیدگی کی۔“
 علیزہ نے شہیدگی سے کہا۔

”تم ذرا روشنی ڈالنا پسند کر دو گی، ان بہت ساری وجوہات میں سے چند ایک پر۔“

”اگر میں نے یہ کام شروع کیا تو ہم لوگ خاصا وقت ضائع کریں گے۔“ علیزہ نے بات کو گول کر تے ہوئے کہا۔

”کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ تم عمر کو اس کے پروفیشن سے ہٹ کر صرف ایک فیملی ممبر کے طور پر دیکھو۔ اس کے پروفیشن کے حوالے سے اسے بچ نہ کرو۔“ جنید نے بڑی شہیدگی سے کہا۔

”اس کے باوجود اس کے لیے میری ناپسندیدگی اسی طرح قائم رہے گی۔“ علیزہ نے دوڑک انداز میں کہا۔ ”اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ میں اسے اس کے پروفیشن کے حوالے سے بچ کروں یا نہ کروں۔“

”مجھے حیرت ہوتی ہے اس نے ہمیشہ تمہاری تعریف کی ہے اور تم اس کے بارے میں اتنی بکلیلو سوچ رکھتی ہو۔“
 ”وہ بھی مجھے ناپسند کرتا ہے۔“ علیزہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں کم از کم میں تمہاری بات اس پر یقین نہیں کر سکتا۔“ جنید نے تعلیقت سے سر ملاتے ہوئے کہا۔
 ”اسنے سالوں میں میں نے ایک بار بھی عمر کے منہ سے تمہارے خلاف کبھی کچھ نہیں سنا۔ وہ ہمیشہ تمہارے

بارے میں بہت نگر مند رہا ہے۔ اس نے ہمیشہ تمہاری تعریف کی ہے۔“
 جنید روانی سے کہتا جا رہا تھا، علیزہ نے جس حرکت چلیں جھجکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔

”ہوسکتا ہے تم دونوں کے درمیان کچھ غلط فہمی ہو جسے دور ہو جانا چاہیے اور مجھے غلط فہمی کے سوا یہ کچھ اور لگتا بھی نہیں، جب تم اپنے کسی اور کزن پر اس کے کیرئیر یا پروفیشن کے حوالے سے تنقید نہیں کرتیں یا اسے ناپسند نہیں کرتیں تو پھر آخر عمر ہی کیوں، کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہے۔“

جنید بات کرتے کرتے رک گیا۔ علیزہ کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔
 ”کیا ہوا؟ کیا میں نے کچھ غلط کہا؟“ جنید نے اس سے پوچھا۔

”کتنے سالوں سے جانتے ہیں آپ عمر کو؟“ اس نے سر آواز میں جنید سے کہا وہ اسے دیکھنے لگا۔
 ”کتنے سالوں سے؟“

”ہاں کتنے پچھلوں سے؟ آپ نے کہا۔۔۔۔۔ آپ نے“ اسنے سالوں“ کے بھی عمر کے منہ سے میرے بارے میں کچھ برا نہیں سنا، تو آپ اور عمر ایک دوسرے کو کب سے جانتے ہیں؟“

جنید نے سکرانے کی کوشش کی ”نہیں میں تو یہ نہیں کہا۔“
 ”آپ نے یہی کہا ہے۔“ اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ جنید کچھ کہتا وہ نیپل پر کھانا سرور کرنے لگا۔ علیزہ کی بھوک شتم ہو چکی تھی۔ کیا آج پھر کوئی اپنی کھاگس ہوئے والا تھا، چند منٹ کے بعد وہ کھانا لگا کر چلا گیا۔

”چند دن پہلے ہی آپ نے فون پر مجھ سے یہی کہا تھا کہ سات آٹھ سال پہلے تو مجھے فضا نہیں آتا تھا، میں نے سوچا کہ آپ نے بے دھیانی میں ایسا کیا ہے مگر ایسا تو نہیں ہے۔ آپ مجھے کب سے اور کتنا جانتے ہیں۔“

”علیزہ! چھوڑو یاد رہا ہم دونوں کیا فضول باتیں لے کر بیٹھے ہیں۔ کھانا کھا تے ہیں۔“ جنید نے موضوع

جینے نے اپنی بات جاری رکھی۔ "صرف میں ہی نہیں میرے گھروالوں کے لیے بھی وہ کوئی اجنبی شخص نہیں ہے۔ وہ ہماری فیملی کا ایک فرد ہے، یہ کچھ لوگ میری کا تیسرا بیٹا ہے۔ وہ اگر وہ آئے تب بھی فون پر میرے گھر والوں سے اس کا رابطہ رہتا ہے۔ میرے پرنس سے خاص طور پر میری بیوی بہن سے۔ غریب سے۔"

"تو آپ عباس کے دوست نہیں ہیں؟" اس نے ایک لمبی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔۔" جینے نے فنی میں سر ہلایا۔ "مگر تو قسط سے میں تمہیں اور تمہاری فیملی کے اور بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں اور میں عباس بھی شامل ہے مگر عباس سے میری کوئی دوستی نہیں ہے۔ صرف جان پہچان ہے۔" جینے نے کہا۔

"اور مجھے۔۔۔۔۔ مجھے آپ کب سے جانتے ہیں؟" اس نے کونے ہوئے اعزاز میں کہا۔

جینے کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری۔ "بہت سال ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا بہتر ہے کہ بہت سالوں سے۔۔۔۔۔ پہلی بار میں تم سے ملا تھا جب عرسوں کے اہتمام کے لیے پاکستان میں تھا۔ عر کے ساتھ میں تمہارے گھر آیا تھا۔ تم اس وقت کہیں جا رہی تھیں اور ہم لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عر نے ہم دونوں کو تعارف کروایا تھا پھر دو مہینے بار میں نے فون کیا تھا عر کے لیے اور تم نے فون کر لیا تھا۔"

علیہ کو یاد آیا کہ جینے سے پہلی بار بحور بن میں ملاقات کے دوران اسے بار بار یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے پہلے ہی کسی دیکھ چکی ہے مگر کوشش کے باوجود وہ یہ یاد کرنے میں ناکام رہی تھی کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا، بعد میں اس نے اپنے اس خیال کو جب تک دیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے نا تو میں آپ کو بہت عرصہ سے جانتی ہوں گی؟"

"ہاں جی ہاں، جب میں عر کے ساتھ دو چار بار ان کے ہاں آیا۔ بعد میں بھی ان سے بات وغیرہ تو ہوتی تھی مگر ملاقات کا سلسلہ قدرے محدود ہی رہا کیونکہ میں کچھ اور تعلیم کے لیے ایک بار پھر باہر چلا گیا تھا۔" جینے بڑے آرام سے بتاتا گیا۔

"عر سے جی نے تمہارا بہت دور سفر کیا تھا۔ تم اس چند لوگوں میں سے ہو۔ جن کا نام ہمیشہ اس کی زبان پر رہا ہے۔ تمہارے بچے کی زمانے میں بہت پریشان بھی رہتا تھا اور میں بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں کی کسی زمانے میں آج میں بہت اچھی دوستی تھی۔"

وہ گم گم اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"مگر عر کے کیریئر کی وجہ سے تمہارے اور اس کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور تم نے برا سمجھے لگئیں۔ مگر عر کی رائے تمہارے بارے میں ہمیشہ اچھی رہی، میں نے اسے کبھی تمہارے بارے میں کچھ بھی برا کہتے ہوئے نہیں سنا۔ کبھی بھی نہیں۔ تمہاری ہمیشہ قریب کرتا ہے۔ وہ۔" جینہ دھیمے لہجے میں کہتا جا رہا تھا۔

"مجھے سے شادی کرنے کے لیے کہہ رہا تھا آپ کو؟ عر نے۔"

اپنے ہونٹ کھینچتے ہوئے اس نے جینہ کی بات کو ان کی کر کے پوچھا۔ جینہ اس کی بات کے جواب میں

بدلتے کی کوشش کی۔

"میں یہاں سے اٹھ کر چلی جاؤں گی، اگر آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ عر کو آپ کب سے جانتے ہیں؟" اس بار اس کی آواز میں واضح طور پر ناراضگی تھی۔

جینہ یکدم بیچیدہ ہو گیا، کچھ دیر وہ ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے رہے پھر جینہ نے ایک گہرا سانس لے کر جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

"پندرہ سال سے۔۔۔۔۔" وہ دم بخود ہو گئی۔

اس وسیع حریف ڈانٹنگ ہال میں اسے اپنا سانس گھٹنا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اپنے ہاتھ کی کینکاپ ہٹ کر چھپانے اور خود کو جیسے سہارا دینے کے لیے اس نے اپنے ہاتھوں کو ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہ اس کے باغیچہ اپنی کرسی پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا، وہ آدمی جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ عر کے برعکس اس سے ہمیشہ غلط رہا ہے وہ آدمی جس کے بارے میں اسے خوش فہمی تھی کہ وہ کبھی اسے کسی چیز کے بارے میں دھوکے میں نہیں رکھے گا۔

جینہ اب بات کرتے کرتے کچھ دیر کے لیے رک گیا تھا، شاید وہ بات جاری رکھنے کے لیے کچھ مناسب لفظوں کی تلاش میں تھا۔

علیہ فنی رنگت کے ساتھ اس کے چہرے پر نظر کر جمائے بیٹھی تھی۔ دم بخود اور ساکت۔

"ہم لوگ فلیٹ میں تھے۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹس الگ تھے مگر ہم لوگوں کی دوستی پر اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ پندرہ سال کے بعد بھی کچھ عرصہ ہم اکٹھے ہی رہے پھر عر لندن چلا گیا۔ میں واپس پاکستان آ گیا۔ میں نے اپنے بابا کی فرم کو جوائن کر لیا مگر ہم دونوں ہمیشہ رابطے میں تھے۔" جینہ نے رک کر اپنے ٹکاس میں پائی ڈالا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"بہت گہری قسم کی دوستی ہے ہماری۔ عر جب بھی پاکستان آتا تھا میرے یہاں بھی آتا تھا۔ بعد میں سول سروس میں آنے کے بعد یہ تعلق کچھ اور گہرا ہو گیا۔ جتنا عرصہ وہ پاکستان میں رہا بڑی بات تھی کہ ہمارے یہاں آتا رہا۔ بعض دفعہ وہ ہمارے گھر ٹھہرتا بھی رہا ہے۔ پندرہ سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے، یہ کوئی پندرہ دن نہیں ہوتے کہ انسان ایک دوسرے کو جان نہ سکے۔ میں عر کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، بہت ہی اچھی طرح اسی لیے جب تم اس پر تنقید کرتی تھیں تو میں۔۔۔۔۔" جینہ نے پانی کا گھونٹ بھرا۔

"نہیں، کبھی یقین نہیں کر سکا کہ عر اس طرح کا ہے جس طرح کا تم اسے جانتی ہو۔ اگر ساری دنیا بھی میرے سامنے جوق ہو کہ ایک وقت میں وہی باتیں کہے جو تم کہتی ہو، تب بھی میں یقین نہیں کروں گا۔" اس کے لیے اچھے اعزاز میں شکریہ تھی۔

"وہ میرا بہترین دوست ہے اور میں اسے کبھی کسی دوسرے شخص سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ خامالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

جینہ ابراہیم کا چہرہ، اپنے سنگین کا چہرہ، عمر بھائی کے بہترین دوست کا چہرہ۔

کہ وہ عمر کو جانتے ہیں یا عمر ہمارے ہاں آتا جاتا ہے۔ میں نے تمہاری اور عمر کی آپس میں غلط فہمی کے بارے میں انہیں بھی بتا دیا ہے مگر یہ سب ہمیشہ ایسا نہیں رہ سکتا تھا۔ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی طرح تمہیں یہ بات ضرور پتا چل جاتی کہ میں اور عمر آپس میں دوست رہے تھے اور پھر تم....." جنید بات کرتے کرتے رگ دھما گیا۔

"خسانا، یہ پسندیدگی، محبت..... ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ میرے لیے عمر کا ایک اور احسان..... بس اور کیا تھا جنید ابراہیم....." طیلو نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھتے ہوئے سوچا "اور میں پچھلے ایک سال سے اس گمان اور خوش فہمی میں جلتی تھی کہ..... فیض مجھ کو دیکھ کر..... مجھ سے مل کر میری محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اور میں نے اپنے وجود کو خوش فہمیاں اور دوسروں کی سختی کی زنجیر میں جکڑ لیا تھا۔ کیا جانیں واقعی محبت نام کی کوئی چیز ہوتی ہے اور یہ فیض عمر کا یا فار جنید ابراہیم..... جو مجھے یہ بتا رہا ہے کہ یہ عمر کے کہنے پر کسی سے بھی شادی کر سکتا تھا۔ یہ میری محبت میں اپنے دل کے کہنے پر کہاں جھکا ہوا تھا..... وہ ماذف ذہن کے ساتھ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ ممکن کا ایک عجیب احساس اس کے اندر سراپت کرتا جا رہا تھا، کچھ دیر پہلے کی خوشی اور طمانیت جیسے جھک سے اڑی تھی۔ جنید اس سے بھر پور کہہ رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں، یہ سب کچھ کن کر جنہیں بہت فصد آ رہا ہوگا مگر....." جنید کہہ رہا تھا۔

"فصد.....؟" طیلو نے اپنی کیفیات کو جانچا "نہیں اسے فصد نہیں آ رہا تھا۔ شاید آج پہلی بار اس طرح کے انکشافات کن کر اسے فصد نہیں آیا تھا۔ نہ عمر جہاں تک میرے، نہ جنید ابراہیم پر، نہ اپنے آپ پر اور وہ یہ بات ہمیشہ ابراہیم کو بتاتا چاہہ رہی تھی کہ اسے جنید پر فصد نہیں آ رہا تھا۔ مگر یکدم ہی اسے احساس ہو رہا تھا کہ لفظوں کو چننا اور جوڑ کر اسے اس کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا۔ لفظ اپنی وقت اور اپنی آواز بھی کھو گئے تھے۔

"میں جنہیں اس سب کے بارے میں کبھی بھی دھوکے میں نہ دھکا، جلد یا بدیر میں جنہیں یہ سب کچھ بتا دیتا۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"جلد یا بدیر؟" وہ پھر سوچنے لگی۔ "کتنی جلدی اور کتنی دیر سے۔ اگر آج میں اصرار نہ کرتی تو کیا یہ مجھے سب کچھ بتا دیتا۔" لیکن نہ جنید کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "اور اگر مجھے یہ سب کچھ شادی کے بعد پتا چلتا تو..... تو میں کیا کر سکتی تھی؟"

"حالا کہ عمر یہ چاہتا تھا کہ جنہیں یہ سب کچھ کبھی نہ بتایا جائے لیکن میں یہ نہیں کر سکتا۔ جنہیں نہ بتانے کا مطلب ہے کہ عمر میرے گھر نہ آ سکے گا۔ نہ ہی میں اس سے اس طرح کیلے عامل سکوں گا جس طرح اب ملتا ہوں اور میں اس سے اپنی دوستی کی طرح ختم نہیں کر سکتا۔ کسی قیمت پر نہیں۔" وہ تعلیق سے کہہ رہا تھا۔ "اسی لیے یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں ہر غلط فہمی دور کر لو۔ عمر ایک بہت اچھا انسان ہے اور وہ ہمیشہ میرا بہترین دوست رہے گا۔ میں تمہارے کہنے پر یا کسی سے بھی کہنے پر اسے نہیں فکروں گا۔"

طیلو نے دوسری کرسی پر ڈالنا چاہا۔ ایک اٹھالیا اور وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ جنید حیران رہ گیا۔ "تم کہاں جا رہی ہو؟" طیلو نے جواب دینے کے بجائے قدم بڑھا دیے۔

خاموشی سے اسے دیکھا رہا وہ کچھ نہ کہتا۔ جب بھی وہ اس سوال کا جواب جان چکی تھی۔ ٹکٹ خوردہ انداز میں اس نے اپنے سامنے پڑا ہوا پانی کا گلاس اٹھالیا۔

"کئی سال پہلے اس نے مجھ سے ایک بار ایسی بات کی تھی۔" جنید کا لہجہ اب پہلے سے بھی زیادہ دھیمہ تھا، شاید وہ طیلو سے تاثرات سے اس کی دلی کیفیت جان رہا تھا۔

"اس وقت میں شادی کے بارے میں میریں نہیں تھا بلکہ اس وقت میں نے اس بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں تھا کیونکہ میں اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہ رہا تھا اور یہ بات میں نے اس کو بتا دی تھی مگر وہ بعد تھا کہ جب بھی شادی کروں اس کے خاندان میں کروں، تم سے کروں..... وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے خاندان کا ایک حصہ بن جاؤں، مجھے اس وقت اس کی بات پر ہنسی آئی تھی کیونکہ میرا خیال تھا کہ وہ جتنا تمہارا ذکر کرتا تھا شاید وہ خود تم میں اثر ملنے کا حقدار تھا۔

میں میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔"

ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس پر طیلو کی گرفت کچھ اور سخت ہو گئی۔

"میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے دوبارہ باہر چلا گیا مگر عمر بار بار مجھے یہ یاد دلاتا رہا کہ واپس آ کر مجھے تم سے شادی کرنی ہے۔" جنید نے ایک بار پھر کہا شروع کیا۔ "واپس آ کر کبھی وہ مجھ سے یہی کہتا رہا کہ میں اپنی شادی کے بارے میں بالکل پریشان نہ ہوں کیونکہ وہ بہت عرصہ پہلے ہی سے بے چارہ ہے کہ مجھے کس کے ساتھ شادی کرنی ہے۔ پھر آخر کار جب کچھ سبب ہو جانے کے بعد میں نے شادی کا فیصلہ کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے ایک بار مل لوں، اس نے یہ بھی کہا کہ میں یہ غائب نہ کروں کہ میں عمر کا دوست ہوں کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس صورت میں تم کبھی مجھ سے شادی پر تیار نہیں ہوگی۔ اس لیے مجھ سے کہہ کر وادوں کی مدد لینا پڑی۔" وہ ایک بار پھر بات کرتے کرتے رکا۔

"بھورہن میں عمر اس کی کئی جنہیں مجھ سے ملوانے کے لیے ہی سے لے کر آئی تھیں۔ وہ خود ذاتی طور پر مجھ سے صرف ایک باری ملی تھی اور میری لمبی کو بھی نہیں جانتی تھیں مگر عمر نے ان سے کہا کہ وہ جنہیں لے کر بھورہن جائیں اور مجھ سے ملوادیں۔"

وہ غالی الذائقے کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میری اور عمر کی دوستی اس وقت کی ہے کہ میں اس کی بات نہیں ٹال سکتا۔ وہ تمہارے بجائے مجھے کسی اور لڑکی سے بھی شادی کا کہنا تو میں تب بھی تیار ہو جاتا تھا۔ تمہاری تو خبر بات دوسری تھی۔ تمہارے بارے میں تو وہ کئی سالوں سے میری برین داؤد تھا۔ آ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بھورہن میں تم سے اتنے سالوں بعد دوبارہ ملنے پر مجھے تمہارے لیے کوئی انجینئر محسوس نہیں ہوئی۔ مجھے کوئی گناہ لگے جس میں بہت سالوں سے تم سے ملنا رہا ہوں۔"

جنید رکا۔

"تم نے مجھے پہچانا نہیں، حالا کہ مجھے اس کا حدیث تھا مگر عمر کو یقین تھا کہ تم مجھے نہیں پہچان سکوگی۔ تمہارے بارے میں اس کے انداز سے ہمیشہ صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ میرے گھر والوں نے بھی میرے کہنے پر تم پر یہ غائب نہیں کیا

”علیہ۔ علیہ۔ علیہ۔ جہیز کچھ پریشان ہوتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا مگر علیہ نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔ جہیز نے اپنے دانت میں سے کچھ تھلک لٹال کر میز پر رکھ دیے اور خود بھی علیہ کے پیچھے آ گیا۔ وہ اب دروازہ کھول کر بیڑیاں اتر رہی تھی۔

”علیہ و علیہ۔۔۔۔۔! جہیز ایک بار پھر سے آواز میں دینے لگا۔ اس نے مڑے بغیر بیڑیاں اترنا جاری رکھا وہ تیزی سے بیڑیوں اترتے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔

”کیا ہوا؟ تم اس طرح باہر کیوں نکل آئی ہو؟“

علیہ روک بیٹھی۔ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا، وہ آگے نہیں جاسکتی تھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”اس طرح کھانا چھوڑ کر کیوں آ گئی ہو؟“

”میں کھر جانا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔! ابھی۔۔۔۔۔! اس نے منے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں کھر ہی جانا تھا کھر اس طرح کھانا چھوڑ کر۔۔۔۔۔“

”آپ کھانا کھا لیں۔۔۔۔۔ آپ کیوں کھانا چھوڑ کر آ گئے ہیں؟ میں جلی جاؤں گی۔“ اس نے جہیز کے دائیں طرف سے نکلنے کی کوشش کی۔

”میں خود یہاں کھانا کھانے نہیں آیا تھا علیہ! تمہارے ساتھ کھانا کھانے آیا تھا۔“

جہیز نے افسوس سے کہا۔ وہ اب اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ علیہ خاموشی سے جانتی رہی۔

”ٹھیک ہے میں تمہیں کھر دوا کر دیتا ہوں۔۔۔۔۔ جہیز نے ہلکا خیر بھرا ڈال دیئے۔

علیہ نے اپنے قدم روک دیئے۔ جہیز اب پرانگٹ کی طرف جا رہا تھا وہ وہیں کھڑی رہی۔ کچھ دیر کے بعد وہ گاڑی اس کے قریب لے آیا۔ اس نے فرنیٹ بیٹ کر دروازہ کھول دیا، وہ خاموشی سے اندر بیٹھ گئی۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو مگر میں نے ہر بات کی وضاحت کی ہے۔“

جہیز یقیناً اب پریشان تھا ہی لے اس نے گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہی ایک بار پھر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر دھڑکنے سے باہر نکلتی رہی۔

”علیہ۔۔۔۔۔! میری طرف سے کسی غلط فہمی کو دل میں جگہ مت دو۔“

علیہ و خاموش جہیز کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی۔

”میں نے کچھ ہفتے پہلے ہی ایک دن تم سے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ میں یہی بات ہیں بتانا چاہتا تھا۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”بلکہ میں عمر سے اپنی دوستی کو سرے سے چھپانا چاہتا ہی نہیں تھا۔ یہ اس کا اصرار تھا جس پر مجھے ایسا کرنا پڑا مگر میں تمہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا نہ میری طرف سے نہ دھڑکی طرف سے اور میں ایسا کیوں کر نہ پڑا۔۔۔۔۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔“

”جہیز کا بیچہ تو دے بے ریلہ ہو رہا تھا۔ علیہ اب بھی دھڑکنے سے باہر نکلتی رہی۔

جہیز قدرے بے جاہلی کے عالم میں خاموش ہو گیا۔ ”میں پھر بھی ایکسکس ذکر کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے تمہیں یہ سب کچھ بہت پرانا لگے ہو یا اس سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو۔۔۔۔۔“ وہ چپ ہو گیا۔ شاید اس کے پاس کرنے کے لیے کوئی اور بات باقی نہیں رہی تھی۔

علیہ کے کھر کے گیت پر اس نے ہارن بجا کر چکیدار کو متوجہ کیا مگر گاڑی گیت پر رکتے ہی علیہ دروازہ کھولنے لگی۔

”علیہ و امیں گاڑی اندر لے کر جا رہا ہوں۔“ جہیز نے کہا۔

”تمہیں آپ سینما سے چلے جائیں، اندر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ علیہ نے سر آواز میں اس سے کہا۔ جہیز کا چہرہ غمت سے سرخ ہوا۔ چونکہ ارباب گیت کھول رہا تھا۔

”تم اپنے شاہزادھا لو۔“

جہیز نے جھجکی بیٹ پر رکتے ہوئے شاہزاد کی طرف اشارہ کیا مگر اس سے پہلے کہ وہ انہیں اٹھا کر اس کی طرف بڑھا تا، وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔ جہیز نے اسے آواز دی مگر اس نے پیچھے مڑے بغیر گیت عبور کر لیا۔

کچھ جھنجھلاتے ہوئے جہیز گاڑی کو آہستہ آہستہ اندر لے آیا۔ علیہ و کا رویہ۔ اس کے لیے بہت ناقابل یقین تھا۔ اگر اس کے دہم و دگن میں بھی یہ ہوتا کہ وہ اس طرح کے رد عمل کا اظہار کر سکتی ہے تو وہ کبھی اس کے سامنے اس طرح کے انکشافات نہ کرتا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ تھوڑا بہت ناراض ہو کی مگر وہ اسے سمجھا بھگا کر اس کی یہ ناراضی دور کرے گا۔ مگر اس سے توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح بالکل چپ سا مدھ لے گی۔

علیہ و اپنے پیچھے اس کی گاڑی کے اندر آنے کی آواز سن رہی تھی مگر اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ نا تو لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے علیہ و کو سنا کرتے ہوئے دیکھا۔

”تم بہت جلد آگئیں میں سوچ رہی تھی کہ دے دیر سے آؤ گی۔“

انہوں نے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔ علیہ نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ایک نظر انہیں دیکھنے کے بعد وہ پچھنے پچھنے لاؤنج سے گزرنے لگی۔ نانو نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ بھی اگھڑا نہیں کر سکتی تھیں۔

علیہ وہاں کے بغیر سیدھا اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے بیک کواپنے بستر پر اچھال دیا اور خود پیار کے ساتھ بڑے صوفہ کی طرف بڑھ گئی۔ اسے جوتے اتار کر دونوں پیروں کو اوپر رکھتے ہوئے کٹن گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی کیفیات خود بھی سمجھنے سے کام لیتی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ آج خلاف معمول اس نے روٹ نہیں آ رہا تھا۔

”جہیز ایسا نیم۔۔۔۔۔! اس نے ذریعہ اب اس کا نام دہرایا۔ اس نے کچھ دیر پہلے اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے تمام جملوں کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ اس کا شک ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ اندازہ نہیں کر پاری تھی کہ اسے غم زیادہ ہوا تھا یا پھر فخر اور ان دونوں چیزوں کا تعلق کس سے تھا جہیز سے؟ عمر سے؟ نانو سے؟ یا پھر ان

تیوں سے؟

دروازے پر دستک دے کر نانو اندر آ گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں شاہزادے یقیناً حیدر شاہزادے کے

میکھا تھا۔

”تم یہ ساری چیزیں اس کی گواہی میں کیوں چھوڑ آئیں؟“ نانو نے تنبیہی انداز میں کہا۔

”اور سوڈ کیوں خراب ہے تمہارا؟“ انہوں نے شاہزادے پر کھٹے ہوئے کہا۔

”پھر کوئی جھڑا ہو گیا ہے تم دونوں میں؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہی تھیں۔

ان کے لہجے میں تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔ ”حیدر بھی کچھ پریشان نظر آ رہا تھا۔ میرے روکنے کے باوجود کا

نہیں۔ اوپر سے تمہارے منہ پر بھی بارہ بیجے ہوئے ہیں، آؤ آہو کیا ہے؟“

علیہ وہ ان کو مکمل طور پر نظر انداز کیے اپنے دانتوں سے انگلیوں کے باخ کن کرتی رہی۔

”تم کچھ تناؤ کی باہمی طرح تنبیہ ہو سکتی ہو مگر نہ ہرگز؟“ اس بار نانو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ علیہ

نے اس بار بھی ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ”شادی سے پہلے اس طرح جھگڑ رہے ہو تم دونوں تو بعد میں کیا

ہوگا؟ میں اسی لیے کسی کورٹ شپ کے قفس میں نہیں تھی اور علیہ وہ کم از کم تم سے تو میں اس طرح کی حماقت کی توقع بھی

نہیں کر سکتی تھی۔“

علیہ نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اب بھی خاموشی سے پہلے کی طرح اپنے دانتوں کو کترتی رہی۔

”کیا تم قسم کھا کر تنبیہ ہو کر تم باطل ہو گئی ہو جاؤ گی اور کچھ بولو گی ہی نہیں۔ آؤ کچھ کہو تو؟“ نانو کے صبر کا

پکا ناز لبریز ہونے لگا۔

”نانو! آپ اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ میں آپ سے صحت بات کروں گی۔“ ایک لمبی خاموشی کے بعد

اس نے نانو سے کہا۔

”مگر آؤ تمہیں ہوا کیا ہے؟“ نانو نے کچھ تیش آؤخیز انداز میں کہا۔

”جو بھی ہوا ہے میں اس کے بارے میں سچ آپ سے بات کروں گی۔ اس وقت آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔“

علیہ نے اسی انداز میں کہا۔ نانو کچھ دیر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دستخطی رہیں پھر انہوں نے

پوچھا۔ ”کھانا کھایا ہے تم نے؟“

”سب کچھ کھا چکی ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔“ علیہ نے اکھڑے لہجے میں کہا۔

نانو کچھ دیر اسی طرح کھڑی اسے دستخطی رہیں پھر کچھ کچھ بغیر اس کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ علیہ

اپنے بیڈ پر بڑے ہوئے ان شاہزادے کو گھورنے لگی جن میں موجود چیزوں کو کچھ دیر پہلے اس نے بڑے شوق سے حیدر کے

ساتھ خرید تھا۔ اس وقت اسے ان تمام چیزوں سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

اسے سب کچھ ناقابل یقین لگ رہا تھا۔ ”آخر یہ کیسے ہوا کہ مجھے بھی کبھی حیدر ابراہیم پر شہ نہیں ہوا۔ کبھی

مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ مہاس کے بھانجے وہ خود بھی عمر کا دوست ہو سکتا تھا۔ جب تک نہیں جانتے زور و شور سے

عمر کی حمایت کرنے میں مصروف تھا، مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ یہ صرف معمولی سی شامانی تو نہیں جو حیدر کو اس طرح مجھ سے ناراض کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ صرف مہاس کے کہنے پر یا مہاس کے لیے تو وہ عمر کے لیے اس طرح کی فیصلگی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

اور پھر اس دن وہاں کے ایف سی میں ان دونوں کو اکٹھے دیکھ کر کبھی میں نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ دوتی دیر بڑھ بھی ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان نظر آنے والی بے تکلفی کے باوجود میں نے کبھی سوچا کہ یہ تعلقات ابھی حال ہی میں استوار ہوئے ہیں اور وہ بھی عمر کی کوشش سے..... عمر کو حیدر کے کمرہ دیکھ کر کبھی میں اسے پرکھتی شہ نہیں ہوا۔ آخر کیوں؟ کیا واقعی میں اس حد تک بے وقوف ہوں کہ کوئی مجھی جب دل چاہے مجھے بے وقوف بنا سکتا ہے اور وہ بھی اس حد تک..... وہ تم وعدہ کے عالم میں سوچ رہی تھی اور..... آخر عمر جیگر کہا جاتا کیا ہے، کیا کرتا جاتا ہے؟ اپنے بہترین دوست کو میرے گھٹے میں کیوں باندھ رہا ہے اور وہ بھی اسے اس بات سے بے خبر رکھ کر کہ میں عمر جیگر سے محبت کرتی رہی ہوں اور اس سے شادی کی خواہش منطقی اور مجھے اس بات سے بے خبر رکھ کر کہ حیدر سے اس کے تعلقات اس نوعیت کے تھے۔ وہ آخر یہ کیوں جانتا ہے کہ میں اس سے شادی کروں۔ اس سے عمر جیگر کو کیا ملے گا اور کیا سب لوگ نانو، مہاس، مہاس کی بی بی آفران سب نے میرے ساتھ اتنا بڑا جھوکا کیوں کیا۔ کیا انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ میں کبھی یہ سب جان جاؤں گی اور پھر..... پھر میں ان کے بارے میں کیا سوچوں گی۔“

اسے اپنے سر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا، اتنے بہترین طریقے سے اسے ٹریپ کیا گیا تھا کہ آج اگر حیدر خود اسے سب کچھ بتا دیتا تو اسے کبھی بھی اس سب پر شک نہ ہوتا، نہ وہ اصلیت جان سکتی۔

علیہ کو اب بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے عمر کے ساتھ آج سے کئی سال پہلے حیدر کو دیکھا تھا۔ ان دونوں سرسری طور پر اس نے کئی بار عمر کے بہت سے دوستوں کو دیکھا تھا اور ان میں سے حیدر کو پہچانا اور یاد رکھنا بالکل کام تھا، جب تک کہ خاص طور پر وہ ان دونوں کو آپس میں متعارف نہ کر داتا اور ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اگر اس سے ملی تھی کبھی تو سرسری انداز میں مگر جہاں تک حیدر کے فون کا ریسرو کرنے کا تعلق تھا اسے وہ یاد آ گئی تھیں۔ عمر حیدر کو کبھی نہ کہا کرتا تھا اور کئی بار فون کر پڑے پر وہ عمر کے جین کے پیغام بھی پہنچایا کرتی تھی۔ عمر کے منہ سے اس نے بہت دفعہ جین کا ذکر بھی سنا تھا۔ جڑی بکھٹنے کے بعد یہ دوسرا نام تھا جس کا عمر خاصا ذکر کرتا تھا مگر اس کے باوجود اس نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ جین کا اصل نام کیا ہے۔ اس کے نزدیک یہ بات کبھی اتنی اہمیت کی حامل رہی ہی نہیں تھی۔

اور اب وہ ناؤف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ ان دونوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ حیدر ابراہیم عمر جیگر جیسے بہترین دوست کے ساتھ باندھنا کیوں جانتا ہے عمر مجھے..... دونوں کو دھوکا دیتے ہوئے۔ مجھے کبھی حیدر کو کبھی۔



”مجھے تو کوئی شکایت ہو نہ ہو، میں یہ چاہتا ہوں کہ آدمی مائیزنگ ٹیم تک بیری کوئی شکایت نہ پہنچے۔“ عمر نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ ”اور ان سب لوگوں کو تاہم کہ مجھ تک ان کی کرپشن کا کوئی معاملہ نہیں آنا چاہیے۔ اگر مجھ تک اس طرح کا کوئی معاملہ آیا تو میں کچھ دیکھنے یا سننے بغیر Suspend (معلق) کر دوں گا اور اس معاملے میں کوئی وضاحت قبول نہیں کروں گا۔“ عمر نے باہر جاوید کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

”خود تم بھی اپنے ”کھانے پینے“ کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے موقوف کر دو۔۔۔ تمہارا بیک بٹلس خاصی اچھی حالت میں ہے۔ اس کی کافی لمبا عرصہ تم اس میں حزیہ اضافے کے بغیر وقت گزار سکتے ہو۔“

عمر جہانگیر اب خود باہر جاوید کی بات کرنے لگا، جس کے چہرے پر ایک کھسیانی مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

”میں سرا“ اس نے اسی انداز میں اپنی نکتہ کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”خانی بس سر نہیں میں واقعی تمہیں بتا رہا ہوں۔ اس بارے میں میں بھی نہیں بخشوں گا۔ پہلے تو تمہارے بارے میں جتنی شکایتیں آتی رہی ہیں، انہیں نظر انداز کرتا رہا ہوں مگر اس بار میرے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا، یہ میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں۔“

عمر جہانگیر کا لہجہ باہر جاوید کو خلاف معمول تنبیہ کا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ آج کل وہ جس قسم کی معصیت میں پھنسے ہوئے تھے اس میں یہ استقامتی اقدامات عمر جہانگیر کی مجبوری تھے، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ شاید آدمی مائیزنگ کمپنی کی موجودگی کے بغیر عمر جہانگیر اس قسم کی کوئی دہائیات دینا اور ان پر عمل کروانے کی کوشش کرتا تو اس کا پورا ماتحت حملہ اس کے خلاف ایک طوفان مٹھا کر دیتا، عمر جہانگیر کو اس سے پہلے اپنی ہوسنگو میں کچھ اس طرح کے تلخ تجربات ہو چکے تھے، جب اس نے اپنے ماتحت ملے پر کچھ کرنے کی کوشش کی اور اس کا نتیجہ اس کے لیے اچھا نہیں نکلا تھا۔ خود اس کا اپنا بی اے اس کے کمانڈر اقدامات کے بارے میں تمام اطلاعات اس سے نیچے ملنے کو پہنچاتا رہا تھا۔ اس کے علاقے کے Political big wigs کو اس کے تمام فیصلوں اور اس کی کمانڈر نقل و حرکت کے بارے میں تمام اطلاعات ہوتی تھیں۔ نتیجہ اس کے ہر بیڈ کی ناکامی کی صورت میں نکلتا تھا۔ صورت حال کچھ اس طرح کی بن چکی تھی کہ اس کے پیٹری کی پوری پولیس ایک ڈی ایس بی کی قیادت میں ایک طرف تھی اور وہ ایک ایک طرف تھا۔ بظاہر ڈی ایس بی کو باقی تمام پولیس اس کے احکامات پر مستعدی کے عمل کرتے تھے مگر اندرون خانہ اس کے احکامات کی افادیت کو زائل کرنے کے لیے وہ اس کے احکامات آنے سے پہلے ہی سرگرم عمل ہو چکے ہوتے تھے۔

مقامی اخبارات، پولیس کے سربراہ اور اس کے ”ایڈیٹورز“ کی مصلحت خیز کہانیاں سے بھرا ہوتا جس میں سچائی کم اور مرجع مسالہ زیادہ ہوتا تھا، ابتدائی دو ماہ میں انہوں نے عمر جہانگیر کو بچ کر دیا تھا۔ اس وقت عباس حیدر اس کے کام آیا تھا وہ سروس میں اس سے پانچ سال سینئر اور تمام داؤچ سے اچھی طرح واقف تھا۔

”سروس میں تمہارے بہترین ساتھی تمہارا ڈائریکٹر، تمہارے گاؤں، تمہارا بی اے اور تمہارا آپرٹر ہوتے ہیں اور کسی بھی پولیس سٹیشن کا انہیں سچا اقتدار ہے ڈی ایس بی اور اے ایس بی نہیں۔“

عمر عباس نے اسے گر سکنا سے شروع کیے تھے۔

باب ۵۱

”سرا! سیرجیف کو رکنا ڈر کا بٹلا ہے۔“ باہر جاوید اگلے دن عمر جہانگیر کو سیرجیف کے کوائف سے آگاہ کر رہا تھا۔ عمر نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

”دو ماہ پہلے پر دوشن ہوئی ہے اس کی۔“ باہر جاوید نے حزیہ بتایا۔ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے عمر جہانگیر کو اس کی دہائیات کے مطابق سیرجیف کے بارے میں بتا رہا تھا اور عمر کی تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مضبوط جلی تک گراؤنڈ کا مطلب اس کے لیے پریشانی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ سیرجیف کے طور طریقوں سے یہ اندازہ تو اسے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ وہ کسی سیلے سے سادے عام سے گھرانے کا بھرتہ نہیں تھا۔۔۔۔۔ اس کی گردن کے حیرے میں اسی طرح کے قم تھے۔ جس طرح کے عمر جہانگیر میں تھے اسی لیے عمر جہانگیر نے اس کے طور طریقوں سے یہ اندازہ کر لیا تھا اور یقیناً عمر جہانگیر کے بارے میں یہ اندازہ سیرجیف بھی لگا چکا تھا۔ ایسے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کو بڑی آسانی سے پہچان جاتے ہیں مگر اس کے باوجود کسی موبہومی امید پر عمر نے سیرجیف کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔

مگر جو تفصیلات باہر جاوید لایا تھا، وہ خاصی حوصلہ شکن تھیں۔ اس کا پورا بانیو ڈنڈا آدمی سے شروع ہو کر آدمی پر ہی ختم ہو جاتا تھا۔

Babar we have to be very careful (میں بہت محتاط رہنا چاہیے)

عمر نے اس کی تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ ”فی الحال ہمارے پاس اس آدمی کے خلاف کچھ نہیں ہے جس کو ہم استعمال کر سکیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم قدرے محتاط ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا اس آتے ہی میرے اوپر کوئی edge حاصل ہو جائے۔ عمر نے باہر کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

”سروس نے پہلے ہی تمام پولیس سٹیشن کے اچھار چور کو دان کر دیا ہے، خود ریکارڈ چیک کرنا شروع کر دیا ہے میں نے۔ پولیس پٹرولنگ کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ باہر جاوید نے عمر کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

”ان جیسے جھوٹے اور کرپٹ لوگوں کو میں: سلام کرتا پھروں۔“ عمر جہانگیر کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

”تمہارا مسئلہ خود وہ“۔ ماس نے اس کی بات کاٹی۔ ”لیکھ لو! اخبار کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ انہی کی بارے میں کچھ غلط چھاپے ہوئے جان بگھٹی ہے ان کی۔ تمہارے بارے میں اگر آئے دھڑے سے اور آتی ہے اسے تجربہ چھپ رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ انہیں کسی کی پشت پناہی حاصل ہے اور وہ بھی خود تمہارے جیسے کسی کے کسی کی اور تمہارے ڈی انہی کے علاوہ یہ کام اور دن کر سکتا ہوگا۔“ اور خود تم نے حد کر دی ہے۔ ڈی جی ای دن ہی طرح جنس رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اپنی پوری سروس میں اسٹے ریڈ کر لیں انہیں کیا

”اوسے تیرا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جھوٹ بولے ہیں یا فراڈ کرتے ہیں۔ تجھے کیا ہے“ عباس نے اسے بری طرح چمڑے ہوئے کہا۔

”نہیں! آخر کیوں؟ میں ایسے لوگوں کو کیوں منہ لگاؤں، صرف ان سے خوفزدہ ہو کر۔“ مراب بھی اس کی باتوں سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

”اگر آپ انہیں منہ نہیں لگائیں گے تو پھر یہ آپ کے ہیروں کی ایسی ری بین جائیں گے کہ آپ کو اپنی جگہ سے ہلے نہیں دیں گے۔“ عباس نے اس بار اسے پکارتے ہوئے کہا۔

”مجھے اگر مرگوت مل گئے کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر مجھ تک غلط افکار میٹن پہنچائی ہے تو میں اب سب کو معطل کر دوں گا۔“

”اس سے کیا فرق پڑے گا۔ ان کی جگہ جو دوسرے لوگ آئیں گے۔ وہ بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔“ عباس نے لا پرواہی سے کہا۔ ”جب تک آپ اپنا طریقہ کار نہیں بدلیں گے، آپ کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔“

”یہ لوگ اسنے طاقتور نہیں ہیں، جتنا تم انہیں میرے سامنے بنا کر پیش کر رہے ہو۔“ عمر نے عباس کی بات کے جواب میں کہا۔

”آپ ایک مقابلے کا امتحان پاس کر کے آئے ہیں عمر جہاگیر صاحب۔ یہ لوگ کیا کیا چیزیں ”پاس“ کر کے آئے ہیں آپ کو اس کا اعزاز وہ نہیں ہے۔“ عباس نے طنز یہ لہجے میں اس سے کہا۔ ”صرف تعلیم نہیں ہے ان کے پاس۔ اس طرح کی تعلیم جسے آپ اور میں تعلیم سمجھتے ہیں۔ مگر انہیں ہر وہ جھگڑہ آتا ہے جس سے اس سوسائٹی میں ان کی Survival (بقا) ممکن ہوتی ہے۔“ عباس نے ایک سگریٹ سلاتے ہوئے کہا۔ ”جہیں پتا ہے یہ ڈرائیور، گاڑی، بی اے، ٹائپ کے تمام لوگ سیاسی مظاہرین پر بھرتی ہوئے ہوتے ہیں، اور جو لوگ ان کو اس جگہ میں بھرتی کر داتے ہیں وہ صرف ان کی دعائیں لینے کے لئے تو یہ کہ نہیں کرتے۔“

اس نے سگریٹ کا پیکٹ عمر کے سامنے کھولا ہے ہوئے کہا۔ عمر نے خاموشی سے اس پر نظر پڑا جسے جاتے ہوئے اسے ایک پکٹ کا اٹھا کر اس میں سے ایک سگریٹ نکال لیا۔ عباس اب لائٹر کے ساتھ اپنے ٹیبل سے کچھ آگے بٹھکتے ہوئے عمر کے سگریٹ کو سلا رہا تھا۔

”یہ ان سیاسی لیڈرز کے کرسمے ہوتے ہیں، منگ ٹھالی کرتے ہیں ان کے ساتھ۔ یہ ہم لوگوں اور سیاست دانوں کے درمیانی ٹپ کا کام کرتے ہیں اور کسی بھی جلی کو بھی بیکار کچھ کر توڑنا نہیں چاہیے۔“ عباس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم ان میں کسی ایک کو معطل کر دو کیونکہ کہاں کہاں سے مظاہرین تمہارے پاس آئیں گی تم خود حیران ہو جاؤ گے۔“ عباس نے سگریٹ کا ایک ٹکڑا کٹ لیتے ہوئے کہا۔

”مثلاً میرے ڈرائیور کا ایک بیٹا ڈی سی کے دفتر میں جونیئر کلرک ہے۔ اس کا ایک بھائی بیکر ٹریٹ میں چوکیدار ہے۔ ایک اور بھائی گورنر ہاؤس میں مالی بورڈ اور ایک اور بھائی آئی جی صاحب کی گاڑی کا ڈرائیور ہے اس

سے زیادہ بار سوغ خانہ دان کوئی ہو سکتا ہے۔“

عباس نے آخری جملہ ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے بڑا احتیاط رہنا پڑتا ہے اس کے سامنے۔ کیونکہ ہر بات وہ ہر جگہ پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح مجھے اس کے ذریعے وہاں کی تمام باتوں کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ حتیٰ اگر آئی جی صاحب نے جب اپنی دوسری بوی کو طلاق دینی تھی تو ان کی بوی سے پہلے مجھے پتا چل چکا تھا۔“

اس بار عباس کی بات پر مسکرایا۔

”دراصل عمر! یہ لوگ وہ دلوں ہیں جن کے قبضے میں ہماری جان ہوتی ہے۔ انہیں ہمارے بارے میں سب کچھ پتا ہوتا ہے یا یہ سب کچھ پتا چلا لیتے ہیں۔ باخبر آدمی بہت نقصان دہ ہوتا ہے اس صورت میں اگر وہ آپ کا دشمن بھی ہو۔“

اس سے پہلے کہ عباس حریف کچھ کہتا عباس کا بی اے اُندر آ گیا تھا۔

”مڈر صاحب سے ملوایا ہے جنہیں میں نے؟“ اس سے پہلے کہ اس کا بی اے کچھ کہتا عباس نے عمر سے پوچھا میرے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس دن پہلی بار عباس کے آفس میں تھا۔

”مڈر صاحب! یہ میرے کزن ہیں عمر جہاگیر اور عمر! یہ مڈر صاحب ہیں، بہت ہی کمال کے آدمی ہیں، میں نے تو آفس کا سارا کام ان سے سیکھا ہے۔“

عباس نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس اور عمر آدمی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”ان چند لوگوں میں سے ایک ہیں جنہیں روڈ اور ریکلشنو زبانی یاد ہیں۔“ عمر نے کچھ حیرانی سے عباس کو دیکھا جو اپنے بی اے کی ایک فائل پر کچھ سامن کر رہا تھا اور بی اے کے چہرے پر کچھ حریف مسکراہٹ تھی، عمر نے دھیمے لہجے میں انکس میں اس سے کچھ کہنا چاہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا عباس نے برق رفتاری سے اس کی بات کاٹ لی اور بڑی سے نکلی ہے۔

”بھئی! یہ ہیں ہی بڑے قابل آدمی، ایسے بوندے کی تعریف تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ میں نے بتایا تھا جنہیں کہ میں نے تو سارا آفس ورک ان ہی سے سیکھا ہے۔“

اس بار عمر نے کچھ مسکرا کر اس آفس میں کود دیکھا۔

”مرا! ایسے ہی تعریف کر رہے ہیں۔ میں کس قابل ہوں۔“ عباس صاحب تو خود بڑے ذہین آدمی ہیں۔“

اس بار اس کے بی اے نے کچھ عاجزانہ سے انہاز میں کہا۔

”میں آپ کے آنے سے پہلے عمر سے آپ کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ میں اس کو بتا رہا تھا کہ بی اے اچھا مل جائے تو آدھا کام آسان ہو جاتا ہے۔“

عمر حیرانی سے عباس کو دیکھا، ہاں عباس اس کے تاثرات پر غور کے بغیر اپنے بی اے سے بات کرتا رہا۔ وہ اب اسے کوئی اور ہدایت دے رہا تھا، کچھ دیر بعد ہی اس کے بی اے نے کمرے سے باہر قدم رکھا۔ عباس نے بڑے اطمینان سے عمر سے کہا۔

”آپ تم دیکھو اس حزامیو نے میرے ساتھ کیا کیا تھا؟“ عباس نے اٹھی سے روداڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا۔ عمر اس کے ہنسنے پر ہکا بکا ہوا گیا۔ ”اس کہنے سے میرے کمرے میں ایسا سسٹم لگا دیا تھا جس سے کمرے کی باتیں سنی جاسکتی تھیں۔ جب میں نے یہاں چارنگ لیا۔“

”مگر تم تو اس کی تعریف کرو رہے تھے۔“ عمر نے کچھ ہنسنے ہوئے کہا۔

”تو بہانا مطلب ہے، یہ گالیاں میں اس کے سامنے دوں اسے۔“ عباس نے عجیب سے انداز میں منکراتے ہوئے کہا۔

”اسی لئے تم اس کے سامنے انگلیں میں مجھ سے ساری تفصیل پوچھنے لگے تھے۔ عقل کا استعمال کیا کرو عمر!..... ان لوگوں کو بڑی اچھی طرح پتا ہوتا ہے کہ صاحب لوگ انگلیں اس وقت ہوتے ہیں جب وہ کوئی بات ان سے چھپانا چاہتے ہیں اس بات کے انٹ کوئی بات کہہ رہے ہوں جو ان کے سامنے کی جادری ہو۔ اس لئے انگلیں ان کے سامنے کسی حدت بولو۔ بہتر ہے پٹاپائی میں بات کرو۔ دیکھو کس طرح کام آسان ہوتے ہیں۔“ عباس خود ہی محفوظ ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”نہیں کیسے پتا چلا کہ اس نے کمرہ Bug کر دیا ہوا ہے؟“ عمر نے پوچھا۔

”یہ ہر راج سیٹ نہیں تھا عہد خانوئی..... اس نے مجھے اس آدمی کے بارے میں خاصا ریف کیا تھا۔ پہلے وہی تھا میری پوسٹ پر..... میں نے پہلے آدمی سے ہی کمرہ چیک کروایا اور پتا ہے کس سے کروایا۔ پانچویں طور پر ایک آدمی کو بولا کہ“

عباس بات کرتے کرتے ہنسا۔

”دو دن اپنے گھر سے کسی آدمی کو بولا کہ یہ کام کروانا تو اس نے کہا تھا کہ کمرہ Bugged نہیں ہے۔ پھر میں نے ”مڈر صاحب“ کو بولا اور انہیں صاف صاف بتایا کہ کچھ پر یہ جھگڑنے سے استعمال نہ کریں۔ میرے کمرے میں دوبارہ کوئی چیز تو میں آپ کے علاوہ کسی اور نہیں بکڑوں گا۔ ان حضرت نے بڑی تسلیں کھائیں کہ انہیں کچھ پتا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ مگر اس کے بعد وہ میرا کمرہ Bug نہیں کیا گیا۔ مگر دفعہ میں اچانک چیکنگ کروانا پڑتا ہوں۔“

عباس کہتے کہتے انہیں اڑے میں مگر بت چمکتے ہوئے بولا۔

”اور جنہیں پتا ہے خود میں نے ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ میں نے ان سب کے کمرے Bug

کر دئے ہوئے ہیں۔“ عمر نے اس کی بات پر بے اختیار قہقہہ لگایا۔

”تو بھی بڑا چالاک پڑھ ہے عباس۔“

”مردود تھا بار..... تم کمرہ آنا میں جنہیں ان لوگوں کی گفتگو سناؤں گا۔ جو گالیاں پر مجھے دیتے ہیں انہیں

سن کر تمہاری طبیعت صاف ہو جائے گی۔“ عباس نے تسکین کہا۔

”تم تو کہہ رہے تھے بڑا قاتل آدمی ہے۔“

”اس کی قابلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے مجھے، میں سال کی سروس ہے اس کی۔ کسی رول کے بارے میں بات کرو۔ اسے سب پتا ہے۔ کسی دفعہ کی بات کرو۔ خود تم حیران ہو جاؤ گے یوں لگے گا جیسے کسی ریکل سے بات کر رہے ہو۔ حسن ترڈی کا نام سنا ہے؟“ اس نے بات کرتے کرتے اس سے پوچھا۔

”ہاں بالکل سنا ہے۔ بڑا اچھا انداز قسم کا آفیسر ہے۔“ عمر کو یاد آیا۔

”ہاں بے حد آؤٹ اسٹینڈنگ قسم کا آدمی تھا۔ ایک سال میری اس پوسٹ پر بھی کام کیا ہے۔ روئے ہوئے لگا تھا اس آفس سے..... اس بندے سے یہاں باقت لوگوں کے ساتھ مل کر کتنی کا ناچ نچا دیا تھا،ے، حالانکہ دیکھنے میں جنہیں کتنا مسکین اور مودب لگے گا۔ مگر ترڈی یہاں سے اپنا سروس ریٹائرڈ خراب کر دیا تھا ان اسٹینڈرز میں پھنسا دین کا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا اور میں بہر حال حسن ترڈی تو نہیں ہوں کہ اس جیسے دو کوڑی کے بپا اے کے ہاتھوں خوار ہوتا۔“ عباس اب اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

”اس لئے جنہیں کہہ رہا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ بنا کر رکھو۔ یہ نہیں کہہ رہا کہ اعتبار کر دیا آستین کا سانپ بنا لو مگر انہیں اسی طرح استعمال کرو جس طرح یہ لوگ ہمارے نام کو استعمال کرتے ہیں۔“ عباس اسے سمجھا رہا تھا۔ ”میں کتنا بھی اچھا نہیں تھا اور میں نے انہیں اگر یہ لوگ دوسروں سے کہیں گے کہ میں اچھا نہیں ہوں تو سب مجھے برا ہی سمجھیں گے اور میں کتنا ہی رکیوں نہ ہوں اگر یہ لوگ سب سے کہیں گے کہ میں اچھا ہوں تو سب مجھے اچھا ہی سمجھیں گے۔ اس آدمی کے ذریعے اس سال میں نے دو کروڑ روپے کمائے ہیں۔ اس نے خود کتنا کمایا ہے مجھے نہیں پتا مگر بہر حال مجھے دو کروڑ روپے کا منافع ہوا ہے اور پچہ پینشن میری سب سے کہیں بڑا اچھا آفیسر ہوں۔“ وہ عمر سے کہتا جا رہا تھا۔ عباس نے واقعی عمر کو اپنے باقت عملے کے ساتھ بیٹنے کے سارے گر کھما دیئے تھے۔ اپنی پہلی پوسٹنگ پر باقی کے ڈھائی سال عمر نے بڑے اطمینان کے ساتھ گزارے تھے اور دوسری پوسٹنگ تک وہ اپنے فن میں کچھ اور طاق ہو گیا تھا۔ اسی فن کو وہ یہاں بھی استعمال کر رہا تھا خود کوشش پر براہ راست عملے کو ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے وہ موقع ملنے پر بار بار دیکھ کر استعمال کر رہا تھا اپنے مطلق میں اس کا نام واقعی اس کے باقت عملے کے لئے ایک ہوا بن گیا تھا مگر عباس کی ہدایات کے مطابق اس کے اپنے ڈرائیور پی، اے، گاڑ ڈرائیور کے دوسرے بد نام زنا زانیہ ایچ اے کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے۔ جس نے جسٹس نیاز کے بیٹے اور اس کے دوستوں کے قتل کے سلسلے میں عباس کے عملے کی مہارت اور وقار دیکھی تھی۔ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر ایک نے عباس کو ہر طرح سے پجایا تھا اور اسے پہلی بار ما تحت عملے کی وقار داری کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

لگنے لگے صبح دو بجے دیکھو میرے ہاتھ کے لئے آئی تھی۔

”بیبے نے صبح دو بجے راتوں رات کیا تھا۔“ نانو نے اسے دیکھتے ہی اطلاع دی۔

وہ کوئی درمل خاگر کے بغیر ناشتہ کے لئے ڈائنگ ٹبل پر جا بیٹھی۔ مرید بابا اسے دیکھ کر ناشتہ لگے۔

”جنہیں یاد ہے آج رات شہینہ آ رہی ہے؟“ نانو نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

”وہ آج نہیں آ رہی۔“

”کیوں؟“

”وہ کچھ مصروف ہے اس لئے۔“

”تم اکیلا چلی جائیں۔“

”نہیں میں اکیلے نہیں جانا چاہتی۔“

”چلو ٹھیک ہے، آج غصہ نہ آجائے کی توکل وہ بھی تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔“ نانوک اچانک خیال آیا۔

علیہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ اس نے چائے کا کپ اٹھایا ہی تھا جب فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

”جینید فون ہو گا۔ تم غلاموں۔“ نانو نے لاؤنج سے نکلنے ہوئے کہا۔

چائے کا کپ وہیں رکھ کر فون کی طرف بڑھ آئی۔ دوسری طرف جینید ہی تھا۔ رکی سلام دعا کے بعد جینید

نے اس سے کہا۔

”میں صبح سے تین بار فون کر چکا ہوں۔“

”ہاں نانو نے مجھے بتایا تھا۔“ علیہ نے سرسری سے انداز میں کہا، وہ کچھ دیر تک خاموش رہا۔

”تمہارا موزا ب کیا ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“

”ناراضی ختم ہو گئی ہے؟“

”ہاں۔“

”مجھے توقع تھی کہ تمہارا غصہ جلد ختم ہو جائے گا اور تم میرا پکشت آف دیو کچھ جاؤ گی۔“ جینید نے بے اختیار

اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

وہ خاموش رہی۔

”میں تو سب دن رات بہت تیش رہا ہوں، تمہاری ناراضی کی وجہ سے۔“

وہ کچھ خاموش رہی۔

”تم کچھ بات نہیں کر رہیں؟“ جینید کو اچانک محسوس ہوا۔

”کیا بات کروں؟“

”کچھ بھی..... کیا کرتا نا ضروری ہے؟“

”میرے ذہن میں کوئی بات نہیں ہے فی الحال.....“ اس نے کہا۔

”اچھا میں تمہیں رات کو فون کروں گا۔“ جینید نے کہا، ”اس وقت میں گاڑی میں ہوں۔“

”نہیں رات کو فون نہ کریں۔“ جی آ رہی ہیں۔ ہم لوگ مصروف ہوں گے۔“ علیہ نے کہا۔

”اورے ہاں مجھے خیال ہی نہیں رہا..... رات کو تم خاصی مصروف رہو گی۔ کتنے بچے کی فلائس سے آ رہی ہیں؟“

”جی..... اس نے مختصر جواب دیا۔

”تم میرے ساتھ ایئر پورٹ اسے ریسٹ کرنے چلو گی؟“ نانو نے اس سے کہا وہ لاؤنج کے ایک صوف پر بیٹھی ہوئی تھیں، جب کہ علیہ ان سے قدرے فاصلے پر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی اس لئے نانوک قدرے بلند آواز میں بات کرنی پڑ رہی تھی۔

”جلی جاؤں گی۔“ علیہ نے بھراہی انداز میں جواب دیا۔ علیہ نے ناشتہ شروع کر دیا نانوک کچھ دیر دور بیٹھے ہوئی اسے دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر اس کے قریب چلی آئیں، ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

”کیا ہوا تھا تم کو تمہارے اور جینید کے درمیان؟“

سلاٹس کھاتے ہوئے ایک لمبے کے لئے علیہ کا ہاتھ دکھا کر پھر اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے سلاٹس کھانا جاری رکھا۔

”تم لوگوں کا جھگڑا ہوا تھا؟“ نانوک کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتی رہیں پھر پوچھا۔

علیہ نے اس بار بھی کچھ نہیں کہا وہ اسی طرح سر جھکا کر سلاٹس کھاتی رہی۔

”جھگڑا تم کرتی ہو اور تمہاری وجہ سے پریشانی مجھے اٹھانی پڑی ہے۔“ اس بار نانو نے بے مبرری سے کہا۔

”اب کس بات پر جھگڑا ہوا تھا؟“ علیہ نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

”علیہ وہ اب یہ پچھنا چھوڑ دو..... میں دن رو گئے ہیں تمہاری شادی میں اور تم اب بھی بچوں کی طرح اس سے لڑنے میں مصروف ہو۔ وہ کیا سوچتا ہو گا تمہارے بارے میں اور ہماری فیملی کے بارے میں؟“ نانو نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

سلاٹس پر اس کی گرفت کچھ سخت ہوئی مگر اس نے سر جھک بھی نہیں اٹھایا۔ وہ بدستور سلاٹس کھاتی رہی۔

”تم میری بات سن رہی ہو؟“ اس بار نانوک کی شکل میں کچھ اضافہ ہوا۔ ”میں تم سے مخاطب ہوں۔“

”میں سب سن رہی ہوں نانو؟“ اس نے پلٹا خسر اٹھا کر کہا۔

نانوک اس کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب سے لگے۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

”جی.....“ وہ ایک بار پھر سلاٹس کھانے لگی۔

”جینید کا فون ریسٹو کر لیتا۔ بلکہ بھر ہے کہ تم خود اس کو کال کرو..... اس نے کہا تو نہیں مگر تم کال کرو گی

تو اسے اچھا لگے گا۔“ انہیں اچانک پھر جینید کا خیال آیا۔

”جی ا“ اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”شہلا ب آ رہی ہے۔ آج کچھ کیڑے لینے کے لئے مارکیٹ جانا تھا تم لوگوں کو۔“ نانو نے کچھ مطمئن

ہو کر اٹھتے ہوئے کہا۔

”تو بچہ کی حفاظت سے۔“

”ٹھیک ہے پھر کل بات ہوئی تھی۔“ جنید نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا وہ ایک دم بہت پر سکون ہو گیا قادر نے تھیل رات سے وہ مسلسل ملیرہ کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔
آفس میں کام کرتے رہنے کے بعد شام کو وہ گھر چلا گیا اور رات کو جلد ہی سو گیا۔

”بیمبر لطف بات کرنا چاہتے ہیں آپ سے۔“ آپ بٹر کے صفے پر عمر کے ماتھے پر کچھ ہل آگئے۔ اس صفے کے دوران بیمبر لطف کی طرف سے ملنے والی یہ چھٹی کال تھی۔
”بات کرائیں۔“ اس نے ہونٹ پیچھے ہوئے کہا۔ یہ آدی واقعی اس کا باک میں دم کر رہا تھا۔ رکی سلام دعا کے بعد وہ سیدھا کام کی بات پر آ گیا ایک پولیس انسٹیشن کا حدود وار بعد بتاتے ہوئے اس نے عمر سے کہا۔
”اس پولیس انسٹیشن کے بارے میں ایک شکری کی طرف سے شکایت آئی ہے ہمارے پاس۔“
”جی فرمائیے کیا شکایت آئی ہے آپ کے پاس؟“
”اس پولیس انسٹیشن کے انچارج نے اس شخص کے بیٹے کو چوری کے جھوٹے الزام میں پھیلے چھ ماہ سے بند کیا ہوا ہے۔“ بیمبر لطف نے تیز لہجے میں کہا۔
عمر بے تحمل سے اس کی بات سننے لگا۔

”اس شخص نے یہ بھی شکایت کی ہے کہ پولیس نے ایف آئی آر درج کئے بغیر اس آدی کو گرفتار کیا ہے۔“
”آپ اس شخص کا نام بتا دیں، جس کی بات کر رہے ہیں۔“ عمر نے سامنے تھیل پر پڑا جین اٹھاٹے ہوئے نوٹ پیڑ اپنی طرف کھٹکایا۔ بیمبر لطف نے دوسری طرف سے اس شخص کے کوائف نوٹ کراوئے۔ عمر نے اپنے سامنے پڑے نوٹ پیڑ پر اس آدی کے کوائف تیز دیکھاری سے لکھے۔
”میں چیک کرتا ہوں کہ اس شخص کی شکایت ٹھیک ہے یا نہیں۔“ عمر نے اس آدی کے کوائف نوٹ کرنے کے بعد کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے میں پہلے ہی چیک کر چکا ہوں، اس شخص کی شکایت بالکل درست ہے۔“ دوسری طرف سے بیمبر لطف نے کہا۔ عمر کے ہونٹ پیچھے گئے۔

”اس شخص کے بیٹے کو واقعی ایف آئی آر درج کئے بغیر غیر قانونی طور پر حراست میں رکھا گیا ہے۔“ بیمبر لطف دوسری طرف سے کہہ رہا تھا۔ ”وہ پھیلے چھ ماہ سے وہ اس پولیس انسٹیشن کے انچارج کی تحویل میں تھا۔“
”آپ نے جہاں یہ چیک کرنے کی زحمت کی۔ وہاں اس چھڑوانے کی زحمت بھی کر لیتے۔“ عمر نے کچھ طنزیہ انداز میں اس سے کہا۔

”جی یہ زحمت بھی کر چکا ہوں میں۔ چھڑا چکا ہوں اب سے کچھ گھنٹے پہلے۔“ بیمبر لطف نے بھی دوسری طرف سے اسی طنزیہ انداز میں کہا۔

”تو پھر جب آپ نے دونوں کام خود ہی کر لئے، تو مجھ سے رابطہ کی زحمت کس لئے کی آپ نے؟“ عمر نے اسی انداز میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”یقیناً آپ کا بہت قیمتی وقت ضائع ہوا ہوگا میری اس کال سے۔ مگر میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو اطلاع دے دوں کہ آپ کے انچارج پولیس انسٹیشن میں کیا ہو رہا ہے۔ پھر ان بے ضابطگیوں کی اطلاع اگر اسی طرح اوبہ گئی تو آپ کو اور آپ کے بھائیوں کو غاصبی تکلیف ہوگی۔“ بیمبر لطف نے بھی اپنا طنزیہ انداز برقرار رکھا۔
”بڑی مہربانی آپ کی۔۔۔۔۔ اس اطلاع کے لئے۔“ عمر نے مختصر کہا۔

”اپنے بھائیوں کا تو مجھے پتا نہیں کچھ مجھے آپ کی ان رپورٹس سے کوئی تکلیف یا زحمت نہیں ہوگی۔ آپ ان رپورٹس کا سلسلہ جاری رکھیں۔“ عمر نے تنبیہ کی۔
”اس صفے میرے پاس آنے والی یہ اٹھارویں شکایت ہے اور ہر بار مجھے اس پر خود ہی ایکشن لینا پڑا ہے۔“ بیمبر لطف نے کچھ جاتے والے انداز میں کہا۔

”بیمبر صاحب آپ نے اپنا کام کافی بڑھا دیا۔ اصولی طور پر آپ کو یہ تمام شکایات مجھ تک بھیج کر دینی چاہیے تھیں۔ میں خود اس سے نمٹ لیتا، آپ کو خواہ مخواہ اس طرح کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔“ عمر نے بیمبر لطف سے کہا۔

”زحمت والی تو کوئی بات نہیں۔ آپ اور آپ کے ماتحت اسٹے Efficient ہوتے تو ہمیں یہاں آنا ہی کیوں پڑتا۔ آپ کو تو میں اس سب سے صرف اس لئے انکار کر رہا ہوں تاکہ آپ اپنے بھائیوں پر چیک رکھیں اور کسی کبھار کھٹکا اپنے فزے کے علاوہ کہیں ادھر ادھر بھی پکڑ گیا کریں۔“ اس بار بیمبر لطف کا لہجہ پہلے سے زیادہ طنزیہ تھا۔
”ہماری زحمت کا آپ کو اتنا خیال ہوتا آپ اپنے بھائیوں کو خود کھیل ڈال کر رکھیں۔“

”بیمبر صاحب آپ اگر نہ اٹھا کر میری حدود کے آخری پولیس انسٹیشن کا طواف کرتے پھر میں گئے تو پھر کوئی الزام دین کا جن ہی ہوگا جو آپ کی زحمت میں کی کرے گا۔“ عمر کے لہجے میں بھی اس بار پہلے سے زیادہ تندی تیزی تھی۔

”ہر شکایت اچھٹ دینا تینوں کی لے کر آ رہے ہیں۔ شہر کے اندر کے پولیس انسٹیشن کی بات کریں۔ وہاں کی دورنگ بھی دیکھیں۔“

”کیوں شہر سے باہر کے پولیس انسٹیشن آپ کے انچارج میں آتے یا پھر دیہاتیوں کو آپ نے پاکستان کے شہریوں کی فہرست سے نکال دیا ہے۔“ بیمبر لطف نے بوے کٹیپے انداز میں کہا۔

”میں نے آپ کو فون اس کے طرے سے لے نہیں کیا۔ آپ کو یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ آپ کے محلے کے بارے میں ہمارے پاس یہ تمام شکایات آ رہی ہیں۔ آپ ان کا سدباب کرنے کے لئے کچھ کریں ورنہ۔۔۔۔۔“ عمر نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی۔

”ٹھیک ہے میں چیک کر لوں گا آپ کی انچارجیشن کے لئے آپ کا شکریہ۔“ عمر نے فون بند کر دیا۔

”گورکھا نڈر کا چپٹا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ کوئی غلط کام نہیں کر سکتا۔“ عمر نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

”کی افال اس کا بھی مطلب ہے۔“ آئی جی نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”میں اس سے زیادہ بہتر کام نہیں کر سکتا۔ میں جتنا کر سکتا ہوں کر رہا ہوں۔“ عمر نے کہا۔

”تم اپنے اور میرے مسئلے کفرے کرنے کی کوشش نہ کرو، میری پہلی ہی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کس کس کا دفاع کروں، کوئی دن ایسا نہیں جا رہا جب مجھے تم لوگوں میں سے کسی نہ کسی کو یہاں بلا کر سمجھ نہ کرنا پڑ رہی ہو اور بعض دفعہ تو تم لوگوں کی وجہ سے خود مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔“

آئی جی شاید اس دن عاصی پریشان تھے اس لئے وہ عمر جہانگیر کے سامنے اپنے دکھڑے رونے لگے۔ عمر ہونٹ ہچکنے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

”اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں تمہارے لئے؟“ کافی دیر بعد آئی جی دوبارہ اس کے مسئلے پر آ گئے۔

”فرانسفر کرو اور اس کو تمہاری؟“

”آپ اس کی فرانسفر کرو دیں۔“

”میں یہ نہیں کر سکتا۔“

”تو پھر میری فرانسفر کیوں؟ وہ تو پہلے ہی چاہتا ہے یہ تو بھیاڑ ڈال کر بھاگ جائے والی بات ہوئی۔“ عمر کے اشتعال میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

”مگر تمہاری جان تو چھوٹ جائے گی اس سے۔“ آئی جی نے تصویر پر روشن پہلو اسے دکھانے کی کوشش کی۔

”دیوے بھی یہاں تمہاری فرانسفر کرنا مشکل کا دورا نہیں تو کچھ اور ماہ کے بعد پورا ہو ہی جائے گا تب بھی تو جہیں کہیں اور جانا ہی ہے۔“

”تب کی اور بات ہے۔ وہ تو ایک معمول کا حصہ ہے مگر اب اس طرح تو کہیں نہیں جانا۔“ عمر نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ پھر فرانسفر کرنا کہاں چاہتے ہیں، بڑے شہروں میں تو کہیں بھی چلے نہیں ہے اور مجھے کسی چھوٹے شہر میں نہیں چاہیے۔“ عمر نے کہا۔

”فیڈرل گورنمنٹ میں بھجوا دوں؟“ آئی جی نے فوراً کہا۔

”سر مجھے کسی دوسرے صوبے میں نہیں جانا۔“ مجھے چاہیے میں ہی کام کرتا ہے۔ فیڈرل گورنمنٹ نے

مجھے کسی چھوٹے صوبے میں بھجوا دیا تو میری ساری سروس خراب ہو جائے گی۔ مجھے یہیں رہنے دیں۔ جب چند ماہ بعد میری فرانسفر ہو گی تب دیکھا جائے گا مگر کی افال میں اپنا علاقہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔“ عمر نے آئی جی سے کہا۔

”جب چند ماہ کی بات رہ گئی ہے تو کچھ اور محتاط ہو جاؤ اور اس سے کوآپ بے خبر نہ کرو، تاکہ کم از کم وہ اوپر دہش بھجوائی تو بند کرے۔ اور اس کے کہنے پر چھوٹے سونے یا جوتوں کو معطل کرتے رہو کم از کم یہ تو ظاہر ہو کر تم ایکشن لے رہے ہو۔“ آئی جی نے اس کو اپنے جیسی مشوروں سے نوازتے ہوئے کہا۔

میجر لطیف اس کو واقعی ناکوں پہنے چہرہ رہا تھا اس نے آتے ہی شہر کے لوائی علاقوں میں قائم پولیس اسٹیشن کو دیکھنا شروع کر دیا تھا جب کہ عمر کا خیال تھا کہ وہ شہر کے اندر کے پولیس اسٹیشن کو دیکھے گا اور لوائی علاقوں کو سرے سے نظر انداز کر دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ہدایات پر شہر کے اندر کے تمام اسٹیشن پر خاص چیک رکھا گیا تھا اس کے ہاتھوں نے نہ صرف اپنا ریکارڈ اپ رینٹ کیا تھا بلکہ باقی تمام معاملات میں بھی ان کا رویہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ ایف آئی آر درج کرنے کے سلسلے میں بھی ان کی کارکردگی بہت بہتر ہوئی تھی۔

میجر لطیف کو اندازہ تھا کہ عمر کہاں سے کام شروع کرے گا۔ اس نے اس کی توقعات کے برعکس سب سے پہلے ان پولیس اسٹیشن کو دیکھنا شروع کیا تھا جو لوائی علاقے میں تھے اور اس کے حسب توقع وہاں بے شمار بے قاعدگیوں اور بے ضابطہ کاریاں تھیں۔ چند محنتوں میں ہی اس کے پاس شکایات کی بھرمار ہو گئی تھی اور میجر لطیف ان شکایات پر درجہ درجہ اپنی رپورٹیں بنا کر بھجوا رہا تھا۔

عمر جہانگیر ان محنتوں کے دوران میں بار ہیڈ کوارٹر جا چکا تھا، جہاں ان رپورٹس پر اس کی اور اس کے ماتحت عملے کی کارکردگی زیر بحث آتی تھی۔ تیسری بار وہ ہیڈ کوارٹر جاتے ہوئے خاصا مشتعل تھا اور اس کا اشتعال اس وقت بھی کم نہیں ہوا تھا جب وہ آئی جی کے سامنے پیش ہوا تھا۔

”جب تک یہ آدمی میرے سر پر بیٹھا رہے گا۔ مجھے اسی طرح بار بار یہاں آنا پڑے گا۔ یہ آدمی میرے خلاف ذاتی خاصیت..... رکھتا ہے۔“ اس نے آئی جی سے کہا تھا۔

”میں کچھ بھی کروں، یہ پھر بھی اسی طرح کی شکایتوں کا ڈھیر یہاں پہنچا رہا ہے گا۔ میں اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

”جسٹ کول ڈاؤن عمر! اس تمہارا مسئلہ سمجھتا ہوں اور تمہاری پوزیشن بھی۔ مگر میں اس سلسلے میں مجبور ہوں۔ کام تو جہیں میجر لطیف کے ساتھ ہی کرتا ہے اور اپنی کارکردگی بھی بہتر بناتی ہے۔“

انہوں نے بڑے نرم لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ عمر جہانگیر کے فیملی سیک گراؤڈے سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ ملک کی اس طاقتور ترین فیملی کے پس منظر کو بھی جانتے تھے اور وہ عمر جہانگیر کو ایک معمولی جو جیمر آفیسر کے طور پر ٹرینٹ نہیں کر سکتے تھے۔

"Sir Im already doing my optimum best"

عمر جہانگیر نے اسے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ آدمی نے ملے کئے بیٹھا ہے کہ اس نے میرے خلاف کوئی باؤنڈریورٹ بھجوائی ہی نہیں ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“ عمر نے کہا۔

”میں نے آپ کے تمام اعتراضات نوٹ کئے۔ میں انہیں فارورڈ بھی کروں گا مگر میں بتا دوں وہ میجر لطیف کو نہیں بدلیں گے نہ وہ دی بے بات مانتے کو تیار ہوں گے کہ وہ اپنا کام ٹھیک کر رہا یا جان بوجھ کر جہیں ٹھک کر رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کتنا بڑا چکا ہے۔“

آئی جی نے بہت صاف اور واضح لفظوں میں اس سے کہا۔

”سرا میں پہلے ہی دس ہاتھوں کو معطل کر چکا ہوں اگر مجھے لطیف کے مشورہ پر کام کروں گا تو پھر اگلے ماہ تک میرے ساتھ کام کرنے والے تمام لوگ معطل ہو چکے ہوں گے۔ اس پر پھر آپ کو شکایت ہوگی۔“ عمر کے پاس ہر بات کا گھڑا گھڑا جواب موجود تھا آئی جی نے ایک طویل گھبراہٹ مانس لیا۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ اور میں ایک بار پھر تم سے کہہ رہا ہوں کہ غلط نہ ہو۔“

اس بار عمر جھانکے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا وہ انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ کیونکہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آئی جی اب اس ساری بحث سے بھگ آچکے تھے۔ عمر کو ان کی پریشانی کا بھی اندازہ تھا، وہ بھی بری طرح جیسے ہوئے تھے۔ اگر ایک طرف آزی جی تو دوسری طرف عمر جھانکے کا خاندان..... وہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی بگاڑ نہیں چاہتے تھے اور نہ کسی بگاڑ سکتے تھے۔ کیونکہ عمر جھانکے کا خاندان معمولی سی بات پر بھی ہنگامہ اور طوفان اٹھا دینے میں کمال مہارت رکھتا تھا۔

عمر جھانکے اچھی طرح جانتا تھا کہ فرانسز سے وہ واقعی مجھے لطیف سے چھٹکارا پالتا ہے مگر خود اس کے اپنے سرس ریکارڈ کے لیے بہتر نہیں ہوتا اس کے باوجود اس دن آئی جی کے آفس سے آنے کے بعد اس نے بڑے خشنے دماغ سے اس سارے معاملے پر غور و خوض کیا تھا وہ اپنی دلی وجہیں کھو رہا تھا اس کے ہاتھ باندھ چکے تھے۔

☆☆☆

اچھی جگہ جینے حسب معمول نو بجے کے قریب ہاتھ کے لیے آ جا تھا۔

”بابا نظر نہیں آ رہے؟“ اس نے کسی پر بیٹھنے ہی اپنی ای سے پوچھا۔

”وہ آج کچھ دیر سے آفس جا نہیں گئے اس لیے ابھی نہیں اٹھے۔“ اس کی ای نے بتایا۔ وہ اب اسے ناشہ سرور کر رہی تھیں۔

”علیہ کی آئی آگئی ہیں؟“ انہوں نے جینے کو جانے سرور کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں نہیں رات نو بجے لائن تھی۔ میری اس کے بعد اس سے بات نہیں ہوئی۔ آگئی ہوں گی۔“ جینے نے اخبار کو ہٹاتے ہوئے کہا۔

”میں آج ان کی طرف جانے کا سوچ رہی ہوں۔“ اس کی ای نے کہا۔

”ہاں ضرور جائیں..... جینے نے خوش دلی سے کہا۔

”مگر پہلے میں فون پر ان سے بات کروں گا۔ ان کی کوئی اور مصروفیت نہ ہو آج کے دن کے لیے۔“ اس کی ای نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

جینے ان کی بات پر سر ہلاتے ہوئے اخبار دیکھ کر رہا۔ فریٹ بیج پر سرخیوں پڑنے کے بعد اس نے اخبار کا پچھلا صفحہ دیکھا اور اس پر ایک سرسری سی نظر دوڑائی۔ صفحے کے نیچے ایک فٹس پر نظر ڈالنے ہی اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے کا کپ چھوٹے چھوٹے پھوٹے پھا تھا۔

”کیا ہوا جینے؟“ اس کی ای نے کچھ چمک کر اسے دیکھا، جینے کا رنگ فق تھا وہ اخبار کے نچلے حصے میں

موجود ایک خبر پر نظر پڑ جائے ہوئے تھا۔

☆☆☆

عمر نے فون اٹھایا، دوسری طرف سے آپریشن سے کسی کرل حید کے آن لائن ہونے کی اطلاع دے رہا تھا۔ عمر کے ہاتھ پر چند لمبے عمواد ہوئے یہ نام اس کے لیے آشنا نہیں تھا۔

”بات کر ڈاؤن“ اس نے آپریشن کو لائن ملانے کے لیے کہا۔

کچھ دیر بعد..... دوسری طرف سے..... کسی سلام دعا کے بغیر اگلی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”انہیں اپنی عمر جھانکے بات کر رہا ہے؟“ عمر کے ہاتھ کے بلوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ”بول رہا ہوں۔“

”میرا نام کرل حید ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کس طرح اس شہر کو چلا رہے ہو۔“ اپنا تعارف کروانے کے بعد اب کرل حید کے لیے کچھ بہت تندی دینے کی آگئی۔ ”پولیس کے جیس میں تم فنڈز کا کیٹنگ چلا رہے ہو..... جو کہ کبھی افکار پولیس اسٹیشن میں بند کر دیے ہیں۔“

عمر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”اتنی لمبی بات کرنے کے بجائے تم صرف یہ بتاؤ کہ تمہارا پراہم کیا ہے؟“ عمر نے اس کی بات کاٹ کر۔

تمام ادب کو آدب کو ہلائے طاق رکھتے ہوئے اسے تم کہہ کر طعنے لگایا۔ ”میرے پاس اس طرح کی باتیں سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔“

”حالانکہ تمہارے پاس وقت ہی وقت ہونا چاہیے۔ کام تو تمہارے لیے تمہارے موزے کر رہے ہیں۔“

کرل حید کو اس کے اٹھنے لہجے نے کچھ اور مشتعل کیا، شاید اسے قوی حق کر مہراس کے سامنے کچھ نقصان یا معذرت خواہانہ انداز اختیار کرے گا۔

”میں نے تم سے کہا ہے کہ تم لمبی تقریروں کے بجائے صرف کام کی بات کر دو۔ تم میں بند کر رہا ہوں۔“

”تمہارے آپریٹوں سے میرے بیٹے کو کچھ لایا ہے، میں دس منٹ میں اپنے بیٹے کو گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں پکڑا ہے؟“ عمر نے سرد لہجے میں کہا۔

”تم لوگوں نے اس پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ گاڑی چلا رہا تھا اور اس نے ایک آدمی کو زخمی کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود گاڑی چلا رہا تھا۔ یہ اس نے کسی آدمی کو زخمی کیا ہے میں ڈائریکٹ آدمی مانیٹرنگ کینی کے پاس جا سکتا تھا مگر میں تمہیں ایک موقع دیتے ہوئے فون کر رہا ہوں کہ تم اسے چھوڑ دو۔“

”کہاں ہے وہ؟“ کرل حید نے اسے اس پولیس اسٹیشن کا نام بتایا۔

”نام کیا ہے اس کا؟“

”ارمستان۔“

”عمر؟“

”پندرہ سال۔“

”لیجئے اس کا کیا ہے۔“

”کس لئے؟“

”سراوہ گاڑی چلا رہا تھا جبکہ اکیس عرصہ پندرہ سال ہے پھر اس نے تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے ایک دوسری گاڑی سے ٹکرائے والے آدی کو گر مار دی۔ اسی آدی کے ریشہ داروں نے گاڑیوں کا تعاقب کر کے اسے پکڑا۔ انھوں نے پولیس موبائل آگئی اور انھوں نے اسے پچانیا اور نہ شاید وہ لوگ تو اسے دیکھ مار رہے تھے۔ ہم نے

عمر نے ہنسیوں اچکا کیں۔ وہ کرل یا تو کسی بہت بااثر چٹلی سے تعلق رکھتا تھا یا پھر کسی نہ کسی طرح خاصا مال بنارہا تھا۔

فون بند کر کے اس نے اپنے لی اسے کو بولایا اور اسے کرل حید کے کوائف سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے بارے میں معلومات لینے کیلئے کہا۔

”سرا کرل حید کو ہر کوئی جانتا ہے۔“ اے نے کرل حید کا نام سنتے ہی کہا۔ ”یہاں اس کی پوشنگ کا آخری سال ہے، وہ رنچیز میں ہے، بارڈر ایریا میں اسٹینک کا بہت سا مال اٹھا کر وہاں سے آ جاتا ہے۔ بہت راشی آدمی ہے وہ۔“

”خاندان کیا ہے اس کا؟“

”سرا خاندان خاصا اثر و رسوخ والا ہے۔ مگر ایسا نہ بھی ہوتا جب بھی یہ آدمی اٹھتا چلا پڑو ہے کہ اسی طرح پیش کر رہا ہوتا ہے اس کا ہوم ٹی بھی ہے۔ یہاں دیپے بھی اس کے جاننے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صنعت کاروں میں بھی خاصا اثر و رسوخ ہے اس کا، یہ بہت سوشل ہے۔“ اس کے لی اسے نے اسے حریہ معلومات دیں۔

”بس اب تم چاہو عمر نے اسے جاننے کے لئے کہا۔ لی اسے ابھی کمرے سے نکلا ہی تھا جب آپرٹرنے اسے کرل حید کے ایک بار بھران لائن ہونے کے بارے میں بتایا۔

”تم نے پتہ کر دیا ہے میرے بیٹے؟“ کرل حید نے عمر کی آواز سنتے ہی کہا۔

”تمہارے بیٹے کے خلاف چار الزامات کے تحت ایف آئی آر درج ہوئی ہے۔ لائنس کے بغیر گاڑی چلانے کا الزام ایک آدمی کو اپنی گاڑی سے ڈنکی کرنے اور موقع واردات سے فرار ہونے کا الزام۔ شراب پی کر گاڑی چلانے کا الزام اور پولیس کے اہلکاروں کو گالیاں دینے اور ان کے ساتھ بد چینی کا الزام۔ بہتر ہے تم کسی دیکل کا بندوبست کرو، کیونکہ اس کی رہائی کسی دیکل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔“

”میں تم سے کہا تھا کہ میرا اپنی گاڑی نہیں چار رہا تھا۔“

”اس ڈنکی کے رشتہ داروں کے اور پولیس کے مطابق گاڑی میں اس وقت تمہارے بیٹے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

”وہ لوگ کب اس کر رہے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں۔“ کرل حید غراہا۔

”مان لیا مگر اس کے چیک اپ کے بعد رپورٹ کے مطابق وہ لٹنے کی حالت میں تھا۔ یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔“

”میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ میرے بیٹے نے شراب پی ہے۔ تم لوگ یہ سب اسے اور مجھے چھاننے اور ایک میل کرنے کے لئے کر رہے ہو۔“ کرل حید اس کی بات پر اور مشتعل ہوا۔ ”تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اسے رہا کر دو۔“

”میں کسی صورت اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ خاص طور پر اس صورت میں جب اس پر اتنے سنگین الزامات ہیں تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم کسی دیکل کا بندوبست کرو اس کے لئے۔“

”اگر تم اسے نہیں چھوڑو گے تو میں کسی اور کے ذریعے اسے چھڑا دوں گا۔ میں اپنے بیٹے کو پولیس اسٹیشن میں رات گزارا کرتا ہوں گا۔“ کرل حید نے اسے دھمکا دیا۔

”میں دیکھوں گا کہ تمہارا بیٹا پولیس اسٹیشن کے لاک اپ سے کسی دیکل کی مدد کے بغیر کیسے باہر آتا ہے۔“ عمر جھانگیر نے دوسری طرف سے لائن کو ڈس کنکٹ ہوتے سنا۔

کچھ دیر ریسیور ہاتھ میں بکڑے وہ اس مصیبت کے بارے میں سوچتا رہا جو اس نے مول لی تھی۔ اسے کرل حید کے اگلے اقدام کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا۔ وہ آدمی بائیزنگ ٹیم سے رابطہ کرے گا یا پھر کوئی اور دروازہ کھٹکھٹائے گا، اس کو اس کے بارے میں یقین نہیں تھا مگر اسے اس بارے میں پورا یقین تھا کہ اسے مغرب بیل کوارٹر میں ایک اور چٹلی کے لئے حاضر ہونا تھا اور وہ اس چٹلی کے لئے فنی طور پر تیار تھا۔ اگر کرل حید اس کے ساتھ اس لیے میں بات نہ کرتا جس لیے میں اس نے کی تھی تو عمر یقیناً اس معاملے کو دوسرے طریقے سے ہی پینڈل کرنا تو پوری کوشش کرتا کہ اس کا بیٹا اس معاملے سے بری ہو جائے۔ مگر یہ کرل حید کا حکمانہ انداز تھا جس نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔

کرل حید سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ شام کے قریب وہ آفس سے نکلے والا تھا جب انیکولر خائف کی کال اسے موصول ہوئی تھی۔

”ہاں خائف کیا بات ہے؟“ اسے اندازہ تھا کہ اس نے عمر کو فون کرل حید کے بیٹے کے لئے ہی کیا ہوگا۔ ”میں نے کرل حید کے بیٹے کو چھوڑ دیا ہے۔“ دوسری طرف سے خائف کے ہلے پر عمر ایک دم بھڑک اٹھا۔ ”کس کے کہنے پر چھوڑا ہے تم نے اسے جب میں تم سے کہا تھا کہ اسے اپنی کسٹڈی میں رکھو تو پھر تم نے اسے کیوں چھوڑا۔“ عمر نے خیر آواز میں اس سے پھرکتے ہوئے کہا۔

”سرا میں مجبور تھا کرل حید یہاں آتے تھے اور۔۔۔“ عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”وہ آتا تھا تو پھر۔۔۔ تم اس کے ماتحت ہو یا میرے۔ اس کے اندر کام کرتے ہو یا میرے؟“ اس ہلے پر عمر کے اشتعال میں آواز اضافہ ہوا۔

”سرا کتنی جی صاحب نے فون کیا تھا اور مجھے اسے چھوڑنے کے لئے کہا تھا۔“ عمر نے بے اختیار اپنے ہونٹ جھنجھکے۔

”سرا یہاں پولیس اسٹیشن پر بڑا ہنگامہ ہوا۔“ خائف نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس آدمی کے رشتہ داروں کے سامنے ہی کرل حید آئے اور پھر آئی جی صاحب کا فون آیا اور میں ان کے بیٹے کو چھوڑنا پڑا۔۔۔ ان لوگوں نے ہنگامہ شروع کر دیا۔ انہوں نے کرل حید کی سرکاری گاڑی پر بہت زیادہ چھڑا دیا۔ کیا۔ میں نے بیشکل انہیں یہاں سے بجھا فٹ نکالا ان لوگوں نے پولیس اسٹیشن پر بھی حملہ کیا۔ ان کے ساتھ بہت زیادہ لوگ تھے وہ آدمی دراصل ہاتھل میں سر کیا ہے اور اس کے رشتہ دار کہہ رہے ہیں کہ وہ اس کی لاش تک بٹھائی نہیں کریں گے جب تک ہم کرل حید کے بیٹے کو چھڑا کر اس پر کیس نہیں چلا سکتے۔“

”تمہاری علیزوہ سے کب بات ہوئی ہے۔“

”نکل۔“ چینیہ نے کہا۔

”کوئی اس طرح کی بات کی اس نے؟“

”نہیں ای! اس نے آپ کو بتایا ہے اس کی کمی رات کو باہر سے آئی ہیں اور وہ اس شادی کے لئے ہی آئیں ہیں علیزوہ نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔“

چینیہ نے قدرے وضاحتی انداز میں کہا مگر یہ بات کہتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں دو دن پہلے علیزوہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور پھر علیزوہ کی خاموشی تھی۔ اس کی چھٹی حس..... بظاہر بظاہر کہہ رہی تھی کہ اس فطرت کی وجہ علیزوہ کے سامنے اس کا وہ انکشاف ہی تھا جسے اس نے بہت معمولی سمجھا تھا۔ مگر جو اس کی اب تک کی سب سے فاش غلطی ثابت ہوا تھا اور جب اس کے اپنے کمرہ والے اس جیٹک کہتے تھے تو پھر خود وہ بھی درج ذیل آجائے گا۔

”میں فون کرتی ہوں سبز سہاڑ کو..... آخر ہوا کیا ہے؟“

”لائن بڑی ہے۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے ریسپورڈ کان سے بتائے ہوئے کہا۔

”آخر ہوا کیا ہے۔“ جہاں انہوں نے اس طرح ”میں بتائے، ہم سے پوچھے بغیر شادی ملتوی کر دی ہے۔“ وہ بڑبڑا رہی تھیں۔ ”اب تو کارڈز تک تقسیم ہو چکے ہیں اور ایسی تھوڑی دیر میں ہر طرف سے کالز آنا شروع ہو جائیں گی۔ ہم لوگ کیا جواب دیں گے۔“ انہوں نے چینیہ کو دیکھا۔ ”یہ کہائیں چاہئیں کہ کیوں شادی ملتوی ہو گئی ہے۔“ انہوں نے کہتے ہوئے ایک بار پھر ریسپورڈ اٹھایا۔ پھر پہلے کی طرح وہ کچھ دیر فون کان سے لگائے بیٹھی رہیں پھر ان کے چہرے پر ہلکا سا ہنسنے لگی۔ انہوں نے فون کا ریسپورڈ نیچے رکھ دیا۔

”لائن اب تک بڑی ہے..... سبز سہاڑ مجھے ان کے گھر لے چلوں۔“ انہوں نے اچانک چینیہ سے کہا۔

”فون پر بات کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ میں ان سے آئے سامنے بات کروں۔“

”ای! اس وقت ای! صبح..... کچھ دیر بعد.....“

ای نے فون کی بات کاٹ دی۔ ”کچھ دیر بعد.....؟ مجھ سے مرہ نہیں ہو رہا..... میں یہاں بیٹھ کر وقت گزرنے کا انتظار نہیں کر سکتی۔“ ایسی تھوڑی دیر میں جب خاندان اور جاننے والوں کی کالز آنا شروع ہوں گی تو میں انہیں کیا بتاؤں گی..... بہتر ہے میں تب تک ان سے مل آؤں کسی کو کچھ بتانے کے لئے میرے پاس کچھ ہوتو..... ہو سکتا ہے ان لوگوں کو واقعی کوئی مسئلہ ہو۔ کوئی سیریس مسئلہ اس وجہ سے وہ ایسا اقدام نہیں کر سکتے۔ اس شادی کے التوا کے بارے میں..... وہ اب کسی سوہم دہی امید کے تحت کہہ رہی تھیں یا شاید خود کو بہلا رہی تھیں۔

”تم..... تم علیزوہ کے سوا ہل پر رنگ کرو۔“ انہیں اچانک خیال آیا۔ چینیہ نے کچھ کہنے کے بجائے نیکل پر اہوا ہوا سوا ہل اٹھا کر علیزوہ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ سوا ہل آف تھا۔

”ای! سوا ہل آف ہے۔“ اس نے سوا ہل کان سے بتائے ہوئے بتایا۔

وہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ ”تمہارا اور علیزوہ کے درمیان کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“ انہوں نے

”یہ سب تم مجھے بتانے کے بجائے آئی جی کو فون کر کے بتاؤ، وہ تمہیں اس معاملے میں بہتر کاغیز کر سکتے ہیں۔“

عمر نے سبز سہاڑ سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے وہ کچھ دیر غصے سے کھولتا رہا مگر سر جھک کر اٹھا اپنے آفس سے نکل گیا۔



”کیا ہوا چینیہ؟“ چینیہ کی ای نے کچھ چپک کر اسے دیکھا۔ اس کا رنگ فق تھا، وہ اخبار کے چلے حصے میں موجود ایک فوش پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

”کیا ہوا؟“ انہوں نے دوبارہ قدرے تھوٹیش سے اس سے پوچھا، چینیہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور مسکراتے کی کوشش کی۔

”کچھ نہیں۔“

”کوئی خاص خبر ہے اخبار میں..... جسے دیکھ کر پریشان ہو گئے ہو؟“ اس کی ای نے کہا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے اخبار کو دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کی ای نے ہاتھ بڑھا کر اس سے اخبار لے لیا۔ چینیہ نے حراست نہیں کی۔ وہ اب سامنے نیکل پر پڑے چائے کے کپ کو گھور رہا تھا۔

چینیہ کی ای نے اخبار کو اپنے سامنے پھیلا کر ای جی پر ایک نظر دوڑائی جسے چینیہ دیکھ رہا تھا۔ انہیں اس کی پریشانی کی وجہ جاننے میں وقت نہیں ہوئی، اخبار کے چلے حصے میں ایک کونے میں جلی حروف کا ایک فوش موجود تھا۔

”میری فوای علیزوہ مسکدر کی شادی جو سورہ ۲۵ مارچ کو طے چکی تھی مگر بڑبڑات کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی ہے۔ میں التوا کے لئے ان تمام لوگوں سے بہت زیادہ معذرت خواہ ہوں جنہیں دعوتی کارڈ ارسال کیے جا چکے ہیں۔“

سبز سہاڑ حیر

چنے علیزوہ کے گھر کا درجہ دوں تھا چینیہ کی ای کو پیسے کرنٹ لگا۔ بے چینی کے عالم میں انہوں نے چینیہ کو دیکھا۔

”سبز سہاڑ نے شادی کنسل کر دی ہے؟ کیوں؟“

وہ اخبار ہاتھ میں لئے شاک کے عالم میں تھیں۔

”ای! میں نہیں جانتا۔“ چینیہ نے کہا۔

”مگر وہ کیسے کر سکتی ہیں..... بلکہ کیوں کریں گی اور وہ بھی تم سے پوچھے بغیر۔“ چینیہ کی ای کو یقین نہیں آ رہا تھا اگر وہ علیزوہ کے گھر کا ایڈریس نہ جانتی ہو تھیں تو شاید علیزوہ اور ناتو کا نام دیکھنے کے باوجود نہیں اس فوش کی صداقت پر یقین نہیں آتا۔

”ای! کل تو میری بات ہوئی ہے ان سے اور انہوں نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا پھر ایسی کون سی ایمر میری ہو گئی کہ انہیں یہ قدم اٹھانا پڑا؟“ وہ پریشان ہو گئی تھیں۔

”کل رات ہوئی تھی، انہوں نے قطعاً کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا کہ وہ اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے کا سوچ رہی ہیں۔“ جنید کی ای نے کہا۔

”مگر وہ ایسا کیوں کریں گی؟ اس رشتہ میں ان کی پسند شامل تھی۔۔۔۔۔ وہ تو دتا تو خاتم سے فون پر بات بھی کرتی رہی ہیں۔ پھر وہ اس طرح کیوں کریں گے؟“

جنید کے بابا نے لٹی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اور بالخصوص وہ ایسا کرنا چاہتیں تھیں وہ اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرتیں کہ خود ہی ایسا کوئی نوٹس دے دیتیں۔ وہ یقیناً پہلے کم لوگوں کو مطلع کرتیں اور وہ دیکھتیں تو مسز محاذ تو ضرور کرتیں۔۔۔۔۔“

”جنید! تم گاڑی نکالو۔ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہی ان کے گھر چلو۔۔۔۔۔“ انہوں نے جنید کو ہدایت دی۔

”بابا! میرا چانا مناسب ہوگا۔۔۔۔۔؟“ جنید کے بابا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”کیوں مناسب نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ تمام بات تمہارے سامنے ہو۔“

”جی بابا!“ جنید نے جی ٹکڑا کر کہا۔

”تم گاڑی نکالو۔۔۔۔۔ ہم لوگ آتے ہیں۔“ انہوں نے جنید کی ای کے ساتھ کمرے سے نکلے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کبے بغیر فون کی ان کے پیچھے ہی باہر کیراج کی طرف نکل گیا مگر اس وقت وہ بے حد پریشان تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں عطیہ کے گھر پر اس کے والدین کی موجودگی میں کیا گفتگو ہونے والی تھی اور اسے اب اور بہت سی دوسری باتوں کی طرح، اپنے اس جھوٹ پر بھی بچھتا ہو رہا تھا۔ جو کچھ دیکر پہلے اس نے ای سے بولا تھا۔

”بہتر ہے کہ وہاں جانے سے پہلے میں اپنے بیٹرس کوچ بتا دوں۔“ اس نے گاڑی نکالنے ہوئے فیصلہ کیا۔



اچانک جنید سے پوچھا۔

”ای جھڑا کیوں ہوگا؟“ جنید اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا۔

”دیکھو جنید۔۔۔۔۔! اگر تمہارے اور اس کے درمیان ایسی کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتا دو۔۔۔۔۔“ اس کی ای نے اس کے سول کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”ای بلیز! آپ مجھ پر یقین کریں میرا اور اس کا کوئی جھڑا نہیں ہوا۔“ جنید نے بے چارگی سے کہا۔ وہ اس وقت دودن پہلے اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں اپنی ای کو بتانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

”بہتر مجھے ان کے گھر لے چلو۔ یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ ہم وہاں چلیں۔“ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”ای بلیز، آپ پہلے بابا کو چکا کر ان سے بات کریں۔ پھر ان کے گھر جانے کے بارے میں سوچیں۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ مجھے پہلے تمہارے بابا سے بات کرنی چاہیے۔ میری غیر موجودگی میں وہ اٹھ گئے تو یہاں اخبار میں اس نوٹس کو دیکھ کر پریشان ہوں گے۔ میں ان کو چکا کر دوں۔“

وہ گلت میں وہاں سے چلی گئیں۔ جنید نے ایک بار مجرموں کی اٹھا کر نالوک نمبر ڈائل کیا۔ لائن ابھی بھی بڑی تھی۔ اس نے عطیہ کا نمبر ڈائل کیا موبائل آف تھا۔ موبائل رکھ کر وہ ایک بار پھر اخبار اٹھا کر اس نوٹس کو دیکھنے لگا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس نوٹس کے پیچھے عطیہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نالوک اگر اس طرح کا کوئی ارادہ ہوتا تو وہ کل اس سے ذکر کرتیں یا کم از کم اس سے اکٹھے ہوتے لیجے میں بات کرتیں۔ مگر انہوں نے ہمیشہ کی طرح بڑی خوش دلی کے ساتھ اس سے بات کی تھی۔ البتہ عطیہ۔۔۔۔۔ اس کا عجیب کم سم سا لہجہ اس وقت اسے نہیں نکال سکتا تھا مگر اب کلک رہا تھا وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے عطیہ سے کل دوبارہ ملنے کی کوشش نہیں کی صرف فون کرنا کیوں کافی سمجھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے پاس چلا جاتا تو دونوں کے درمیان اس موضوع پر دوبارہ گفتگو ہوتی اور عطیہ اس طرح کا قدم نہ اٹھاتی جس طرح اس نے اب اٹھا لیا تھا۔۔۔۔۔ مگر اب یہ سب بچھتا دے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد اس کے بابا اور ای دوبارہ وہاں آئے وہ اس دوران میں چار بار نالوک نمبر ملا چکا تھا مگر رابطہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔ بابا کے چہرے سے پریشانی واضح تھی۔

”دیکھا؟ مجھے یوں سا نوٹس ہے؟“ انہوں نے اندازے سے ی جنید سے کہا۔

”تم نے دوبارہ فون ملایا؟“ اس کی ای نے ایک بار پھر پوچھا۔

”لائن بڑی ہے۔“ اس نے اخبار اپنے بابا کو دے دئے کہ اس کے بابا نے کھڑے کھڑے ایک نظر اس نوٹس پر ڈالی اور ان کے چہرے کی تنبیہ کی اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔

”ہاں فون پر بات کرنے سے بہتر ہے کہ ہم ان کے گھر چلیں۔۔۔۔۔ آخر اتنا بڑا قدم انہوں نے اس طرح کیسے اٹھا لیا۔“ انہوں نے اپنی بیوی کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

”تمہاری مسز محاذ سے کب بات ہوئی تھی؟“ انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

”آپ نے اخبار میں کوئی نوٹس نہیں دیا؟“ اب حیران ہونے کی باری عمر کی تھی۔

”نہیں میں تو کوئی نوٹس نہیں دیا۔ تم کس نوٹس کی بات کر رہے ہو؟“

عمران کے جواب پر اچھ گیا۔ گریٹی سارے بوسے تیز ہیز میں آپ کے نام سے ایک نوٹس ہے۔ علیزہ کی شادی کے التوا کے بارے میں.....

”تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو۔“

”گریٹی! میں کوئی فضول بات نہیں کر رہا۔ نوٹس دیکھ کر آپ سے بات کر رہا ہوں۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ علیزہ کی ۲۵ مارچ کو ہونے والی شادی آپ نے کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ملتوی کر دی ہے.....“ عمر نے نوٹس پر ایک نظر ڈال کر اخبار پھیل کر پھینک دیا۔

”میرے خدا..... تم کیا کہہ رہے ہو..... میں کیوں اس کی شادی کینسل کر دوں گی۔“ ناؤ کی آواز سے ان کی

پریشانی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ”کون سے اخبار میں ہے یہ نوٹس؟“

”چاروں بوسے تیز ہیز میں..... میں نے چاروں تیز ہیز دیکھا کر دیکھے ہیں۔ آپ نے اب تک اخبار نہیں دیکھا؟“

”نہیں میں نے اخبار نہیں دیکھا..... میں تو ابھی تمہارے فون پر ہی اٹھی ہوں۔“ ناؤ نے کہا۔

”تمیزہ امریکہ سے آئی تھی رات کو..... ہم لوگ دیر سے سوئے۔ اسی لئے صبح جلدی نہیں اٹھی۔“

”پھر آپ اخبار دیکھا نہیں۔“ عمر نے انہیں دہایت کی۔

”تم ہولڈ کر دو۔“ انہوں نے کہنے کو فون دکھ دیا۔ اپنے کمرے سے نکل کر وہ باہر لاؤنج میں گئیں۔ لازم مقامی کرنے میں صرف قاتانوں سے متلاشی نظروں سے لاؤنج میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر سینیٹر فیل پر پڑے ہوئے اخبار کا اٹھا لیا۔ اضطراب کے عالم میں پہلا صفحہ پلٹتے ہی وہ نوٹس ان کی نظروں کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ جیسے دھک سے روٹی تھیں۔ تیز قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی وہ واپس اپنے کمرے میں آئیں اور انہوں نے ریسپور اٹھا لیا۔

”ہاں عمر بیٹے، وہ نوٹس دیکھ لیا ہے پھر میں نے وہ نوٹس نہیں دیا۔“ انہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”تو کچھ نہیں نے دیا ہے۔“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ علیزہ کی شادی کے لئے تو تمیزہ بھی کل پاکستان آ گئی ہے تو کیا اب ہم اس طرح کے نوٹس دیں گے۔“ انہوں نے تنزیلی سے کہا۔ ”کسی نے ہمارے ساتھ شرارت کی ہے۔“ انہوں نے ایک نظر اس نوٹس پر ڈالتے ہوئے غصے اور پریشانی سے کہا۔

عمر سمجھ گئی کہ ان کی بات مستزاد رہا۔ ”نہیں گریٹی! یہ شرارت نہیں ہو سکتی..... کوئی اخبار بھی اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتا کہ کسی تبدیلی کے بغیر نوٹس شائع کر دے۔ کہیں یہ نوٹس علیزہ نے تو شائع نہیں کر دیا۔“ اسے اچانک خیال آیا۔

”علیزہ نے.....؟ نہیں، علیزہ کیوں کروائے گی۔“ ناؤ نے کہا۔

باب ۵۲

اخبار دیکھتے ہوئے عمر کے ماتھے پر ٹیل پڑ گئے، اخبار کے صفحے پر نظریں جمائے ہوئے اس نے انتظار کام کا ریسپور اٹھا لیا۔

”لاہور اس نمبر پر کال ملاؤ۔“

اس نے اپنے آپ پر ٹیکہ ڈال کر فون کر دیا۔ ریسپور دیں رکھتے ہوئے اس کے چہرے پر الجھن تھی۔ ”آؤ غریبی نے اس شادی کو ملتوی کیوں کیا ہے؟ کیا پرالم ہے۔“ وہ ایک بار پھر اخبار دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی آفس میں بچا تھا اور اخبارات پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے اس نوٹس پر اس کی نظر پڑ گئی۔ یکے بعد دیگرے اس نے چاروں اخبارات کو دیکھ لیا۔ چاروں میں ہی وہ نوٹس موجود تھا۔ اس کا پچھلے کئی دنوں سے ناؤ کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ خود دیکھ کر ساتھ میں اس کا رابطہ ہوئے کچھ دن گزر گئے تھے۔

فون کی تیلی بجی، عمر نے فون اٹھا لیا۔

”سر! بات کر لیں!“ آپ بڑے کال ملائے ہوئے کہا۔

”چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے ناؤ کی آواز سنائی دی تھی۔“ ”ہیلو۔“

”ہیلو گریٹی۔ میں عمر کوں رہا ہوں۔“ عمر نے کہا۔

”ہاں عمر..... کیسے ہو تم؟“ ناؤ کی آواز میں کچھ حیرت تھی۔

”میں ابھی ٹھیک ہوں..... تم لاہور میں ہو؟“

”نہیں لاہور میں نہیں ہوں۔“

”تو پھر اتنی صبح کیسے کال کر لیا؟“ ناؤ نے بلا غراہنی حیرت کا اظہار کر ہی دیا۔

”میں ابھی ابھی آفس آیا تھا اور اخبار دیکھ رہا تھا۔ اخبار میں آپ کا نوٹس دیکھ کر آپ کو کون کیا ہے۔“

”اخبار میں آپ کا نوٹس پڑھا ہے۔“

”میرا نوٹس.....“ وہ ششدر رہ گئیں۔ ”کیا نوٹس؟“

”وہ اس وقت کہاں ہے؟“ عمر نے پوچھا۔ ”وہ رہی ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا تا کرات کو ہم سب لوگ دیر سے سوئے ہیں میں اسے جگا کر اس فون کے بارے میں پوچھتی ہوں۔“ انہوں نے کہا۔

”نہیں! آپ فی الحال اسے مت جگائیں۔ میں چند منٹوں میں آپ کو دوبارہ فون کر کے لگاتا ہوں کہ یہ فون کس نے شائع کر دیا ہے۔“

عمر نے ان سے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ فون کرتے ہی اس نے اپنے پی اسے کو اندر بلایا۔

”خالد! یہ ایک فون شائع ہوا ہے ان تینوں چاروں اخباروں میں۔ تم ان میں سے کسی اخبار کے آفس میں فون کر کے بتا کر کہ فون کس نے شائع کرنے کے لئے دیا تھا۔ ان لوگوں نے یقیناً اس کے شاخشی کارڈ کا نمبر یا اس کی فونوگرافی بھی لی ہوگی۔ تم ذرا مجھے یہ بتا کر دو۔۔۔۔۔ اور دس منٹ کے اندر رائڈ اس نے اپنے پی اسے کو یہ ہدایت دیں، وہ اخبار لے کر باہر نکلیں گے۔“

عمر کچھ ابھن کے عالم میں اپنی کرسی کو ہٹا کر باہر نکل گیا۔ دس منٹ کے بعد پی اسے دوبارہ اندر داخل ہوا۔

”سرایے ایک خاتون نے دیا تھا۔ ان کا نام علیہ سکندر ہے۔“

عمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”بس ٹھیک ہے اب تم چاؤ۔“ وہ اب دوبارہ فون اٹھا رہا تھا اور اس بار اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ تشویش تھی، آپریٹر نے چند منٹوں میں ایک بار پھر کال ملا دی۔ ناواس کی کال کی منتظر تھیں۔

”ہاں عمر! انہوں نے اس کی آواز سننے ہی کہا۔“

”کچھ پتا چلا؟“

”مگر پی ایہ علیہ سکندر کی طرف سے دیا گیا ہے۔“

ناواس کچھ نہیں بول سکیں۔ ”علیہ کی طرف سے؟“ چند لمحوں کے بعد انہوں نے بے چینی سے کہا۔

”اس نے آپ سے ایسی کوئی بات کی تھی؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ اس نے مجھ سے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ تو شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔“

”جینید کے ساتھ اس کا کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا تو ہوا ہے۔“

”کب؟“

”پرسوں۔“

”پرسوں۔۔۔۔۔ وہ اس کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھی۔ پھر رات کو واپس آئی تو بہت چپ چپ تھی۔ جینید سے مجھے پتا چلا کہ وہ اسے باز نہیں تھی۔“ ناواس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر کل تو وہ جھگڑا ختم ہو گیا تھا۔ اس نے جینید کو فون کیا تھا۔ دونوں کے درمیان بات ہوئی تھی؟“ ناواس

الچہ رہی تھیں۔

”آپ نے جینید سے علیہ سے جھگڑے کی وجہ پوچھی؟“

”میں نے جینید سے تو نہیں پوچھی مگر علیہ سے پوچھی تھی لیکن اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔“ ناواس نے کہا۔

”مگر پی! اسے جگا کر پوچھتی ہوں کہ یہ کیا حرکت ہے آخر اس نے یہ کیوں طے کر لیا ہے کہ اس نے ہمیشہ

مجھے پریشان ہی کرتے رہتا ہے۔“ ناواس کو اب اس پر فہمہ آنے لگا تھا۔

”مگر پی! آپ اسے اٹھا نہیں ضرور مگر جھگڑنے کے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کریں، بلکہ پوچھو

کہیں کہ وہ اسے سمجھائیں۔ زیادہ برا بھلا مت کہیں۔“ عمر نے ان سے کہا۔

”جتنا مجھے اس لڑکی نے پریشان کیا ہے، کسی نے نہیں کیا۔ اسے اعزاء ہی نہیں کہ اس کی اس جگہ کا حرکت

کے کتنے برسے نتائج کل سکتے ہیں۔ جینید کی فیملی کی اس سوچے گی ہمارے بارے میں۔ اور خود علیہ کے بارے میں۔“

ناواس کو تشویش ہو رہی تھی۔

”اب تک یقیناً وہ بھی اس فون کو دیکھ چکے ہوں گے۔ تم خود سوچو کہ میں ان کا سامنا کیسے کروں گی۔“

”آپ جینید کی فیملی کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ میں انہیں ابھی فون کرتا ہوں، میں انہیں سمجھا

لوں گا۔ ان کی طرف سے آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔“ عمر نے ناواس کی پریشانی کو ختم کرنے کی

کوشش کی۔

”لیکن ابھی جو کالوں کا تا نا بندہ جائے گا پورے خاندان کی طرف سے تو اس کا میں کیا کروں گی؟“

”آپ صرف یہ کہہ دیں کہ شادی ایک ماہ آگے کر دی گئی ہے۔ اگلی ڈیٹ کے بارے میں انہیں بعد میں بتا

دیا جائے گا۔“ عمر نے انہیں مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”اور وہ وجہ پوچھیں گے تو؟“

”مگر پی! کوئی ایسی وجہ بتا دیں۔ لوگوں کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ تھدقیق کرتے پھریں۔“ عمر

نے قدر سے جھجھکا کر کہا۔

”اور جو ایاز اور میرے دوسرے بیٹے فون کر کے پوچھیں گے ان سے میں کیا کہوں۔۔۔۔۔ ان سے تو میں

جھوٹ نہیں بول سکتی۔“

”پہلے آپ علیہ کو جگا کر اس سے بات کریں۔ پھر یہ سوچیں کہ آپ کو کس سے کیا کہنا ہے؟“ عمر نے کہا۔

”میں اب جینید کو فون کر رہا ہوں۔ تاکہ اسے بھی کچھ ٹیلی دے سکوں مگر اس نے یا اس کے گھر والوں

نے یہ خبر پڑھ لی ہے تو وہ بھی بہت پریشان ہوں گے اس وقت۔“

عمر نے بات ختم کرتے ہوئے خدا حافظ کہا اور پھر فون رکھ دیا۔



جینید گیارہ بجے گاڑی لٹکانے کے بعد اندر آیا تھا، جب اس نے اپنے موبائل کی بیل سنی۔ دوسری طرف

عمر تھا جینید کو اعزاء ہو گیا تھا کہ وہ بھی فون پڑھ چکا ہوگا۔ رکی ملکی سلیک کے بعد جینید نے چھوٹے ہی اس سے

شادی کرنا چاہ رہا تھا۔ درندہ شایہ اس وقت عمر کی پوزیشن زیادہ خراب ہوئی مگر وہ جیندے کے سامنے سخت محسوس کر رہا تھا۔ کرسی کی پشت سے ٹپک لگائے ہوئے پیچھے دو بہت دیر تک اس ساری صورتحال کے بارے میں سوچتا رہا، آخر وہ جیندے کو کس طرح اس پریشانی سے نکال سکتا تھا۔ جس کا شکار وہ درحقیقت عمر کی وجہ سے ہوا تھا۔

☆☆☆☆

”آپ کو یقین صلابہ بلامرہ ہیں۔“ دسک کی واڑ پر علیزہ نے دروازہ کھولا۔ ملازم کھڑا تھا۔
”تم جاؤ میں آ رہی ہوں۔“ اس نے مڑ کر دال کاٹ کر ایک نظر ڈالی، آج اسے بٹھنے میں واقعی دیر ہو چکی تھی۔
پندرہ منٹ بعد جب وہ لاؤنج میں آئی تو اس نے ٹالو اداری کو وہاں بیٹھے دیکھا، وہ بے حد متحرک نظر آ رہی تھیں۔ ایک لمحہ کے لیے علیزہ نے ان سے نظریں نہیں بکھروہ ڈانٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی جہاں ناشتہ لگا ہوا تھا۔ محلی اخبار اٹھا کر ان کی طرف آ گئیں۔

”یہ حرکت کیا ہے علیزہ؟“

”گوئی کی حرکت؟“ اس نے ڈبل روٹی پر جنم لگاتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت تک ان دونوں کی دہان موجودگی اور ان کے چہرہ پر نظر آنے والی شوشیلی کی وجہ جان سکتی تھی۔

”یہ نوش۔۔۔۔۔۔ جو تم نے شائع کر دیا ہے۔“ شہینہ اخبار اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔ علیزہ نے ٹوئس پڑھنے کے بجائے اخبار کو ہاتھ سے ایک طرف کر دیا اور سلاٹس پر جنم لگا جا رہی رکھا۔
”اپنی شادی کیسٹل کر دی ہے تم نے؟“ شہینہ نے اس بار قدرے تیز آواز میں کہا۔

”اور تمہاری اتنی جرات ہوئی کہ تم میرا استعمال کر کے اس طرح کے ٹوئس دو۔ اپنے نام سے دیتیں یہ نوش۔۔۔۔۔۔“ اس بار ناخوشی طے کے عالم میں اٹھ کر ڈانٹنگ ٹیبل کے پاس آ گئیں۔

علیزہ پر ان کے طے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ”میں اپنے نام سے یہ ٹوئس دے سکتی تھی مگر اس پر آپ کو یہ اعتراض ہوتا کہ اتنی دیدہ دلیر ہو گئی ہوں کہ اپنے نام سے ایسے ٹوئس دیتی پھری ہوں۔“ اس نے اطمینان سے سلاٹس نکالتے ہوئے کہا۔

”آخر تم نے اس طرح کی حرکت کیوں کی ہے؟“ شہینہ نے اس بار کچھ بے چارگی سے کہا۔

”صرف اس لیے کیونکہ میں اس شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

”یہ سب تمہیں اب یاد آیا ہے جب شادی میں دو ہفتے رو گئے ہیں۔ پہلے بتانا چاہیے تھا جسیں کہ تم اس شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔“ ناو نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔ ”اور یہ شادی تم سے پوچھ کر طے کی گئی تھی۔ تمہارے سر پر تھوپا تو نہیں کیا تھا جیندے کو۔۔۔۔۔۔ رشتہ بٹے ہوئے سے پہلے لٹی رہی ہو تم۔۔۔۔۔۔ جب مطمئن ہو گئیں یہ بے رشتہ لے گیا کیا بلکہ میں نے تم سے اس وقت بھی یہ کہا تھا کہ اگر تمہیں کوئی اور پسند ہے تو مجھے بتا دو۔ ہم تمہاری شادی وہاں طے کر دیں گے۔ اس وقت تمہیں جیندے پر کوئی اعتراض نہیں تھا اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں؟“ ناو نے بے بغیر بولتی ہیں۔

”آخر تم نے یہ کیوں طے کر لیا ہے کہ تم ہمیشہ مجھے اور دوسروں کو پریشان کرتی رہو گی؟“

”میں کسی کو پریشان نہیں کر رہی۔ شادی میرا ذاتی معاملہ ہے اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مکمل حق ہے۔“ اس بار علیزہ نے بگلی سی تڑبی کے ساتھ کہا۔

”اس حق کو اس طرح استعمال کرنا تمہیں۔۔۔۔۔۔“

”مجھے بات کرنے دیں اس سے۔“ اس بار شہینہ نے ناٹو کو روکا۔ ”تمہیں اعزاز ہے کہ تمہاری اس حرکت سے ہمارے اور جیندے کے گھر والوں پر کس طرح کا اثر ہو گا۔“ شہینہ نے بگلی سے کہا۔

”لوگ کس طرح کی باتیں کریں گے۔۔۔۔۔۔ علیزہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بات کرنے سے روکا۔ ”اودہ کم آن می۔۔۔۔۔۔ ہم کسی ٹال کھال کیسے سے تعلق نہیں رکھتے کہ میری اس حرکت سے ہم کسی کو نہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔“ اس نے ناٹو کی طرف سے کہا۔

”تمہاری ٹیبل میں اتنی چھوٹی چھوٹی چیز دو کوئی مائنڈ نہیں کرتا۔ کیا نہیں ہو جاتا تمہارے طبقے میں اور آپ ایک معمولی بات پر اس طرح مجھے غلامت کرنے بیٹھ گئی ہیں۔“ اس نے اب اپنا سلاٹس پلٹ میں رکھ دیا۔

”یو پی بھی تو اتنی غلطی ہوئی رات ہی اگر میں نے صرف منگنی توڑ دی ہے تو اس میں کوئی سی بڑی بات ہو گئی۔“ علیزہ نے منگنی توڑنے کا بھی ایک وقت، ایک طریقہ ہوتا ہے۔ جس طرح تم۔۔۔۔۔۔“

علیزہ نے ایک بار پھر شہینہ کی بات کاٹ دی ”میں آپ سے کہتی کہ میری منگنی توڑ دیں تو آپ تو ڈر دیتے؟ بالکل نہیں آپ اس وقت بھی میری سب کچھ کہہ رہے ہوتے۔“

”آخر تمہیں ایک دم کس چیز سے مجبور کیا ہے کہ تم اتنا بد احوال اٹھا رہی ہو۔۔۔۔۔۔“ اس بار ناٹو نے کہا۔

”گوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی۔ میں اس حق تو ہوں نہیں کہ صرف ایڈیٹر کے لیے ایسی حرکت کروں۔“

”دہی وجہ پوچھ رہی ہوں۔“

”ناٹو! آپ بچہ ہیں۔“ ناٹو اس کی بات پر ہلکا ہلکا ہو گئیں۔

”میں جیٹے ہوں؟“ انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”ہاں کچھ بچہ ہیں۔۔۔۔۔۔ جنہوں نے ہمیشہ مجھے پانچ سال کی بچی کے علاوہ اور کچھ سمجھا ہی نہیں“ علیزہ نے بگلی سے کہا۔

”تم۔۔۔۔۔۔ علیزہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”آپ نے عادت بنالی ہے کہ مجھ سے ہر بات میں جھوٹ بولیں گی۔ ہر معاملے میں مجھے اندھیرے میں رکھیں گی۔۔۔۔۔۔ شاید آپ کا خیال ہے کہ میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ حقیقت سے مجھے آگاہ کر دیا جائے۔“

”تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو؟“ ناٹو نے اس بار ٹڈ بڑاتے ہوئے کہا۔

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اگر میرا کوئی بیٹا نہ ہے تو میرا بیٹا نہ اب لبریز ہو چکا ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ کم از کم اب آپ لوگ مجھے اپنے طریقے سے زندگی گزارنے دیں۔ اپنی اگلیوں پر کچھ بگلی کی طرح باندھ کر مجھے

آدھی سے شادی کیوں کروں جو مجھ سے کسی دوسرے کے کہنے پر شادی کر رہا ہے..... آپ کو یہ چاہے کہ وہ مجھ سے صرف عمر کے کہنے پر شادی کر رہا ہے۔“

”علیہ والہی بات نہیں ہے..... کوئی کسی کے کہنے پر کسی سے شادی نہیں کرتا۔“ اس بار شین نے ایک لمبی خاموشی کے بعد مداخلت کی۔

”اس نے مجھے خود یہ بتایا ہے کہ وہ مجھ سے عمر کے کہنے پر شادی کر رہا ہے اور عمر کے کہنے پر وہ مجھ سے ہی نہیں کسی سے بھی شادی کر سکتا تھا۔“

”اس نے ویسے ہی کہہ دیا ہوگا..... جینہ جیسا لوکا اس طرح کسی کے کہنے پر کہیں بھی شادی کرنے والوں میں سے نہیں..... تمہیں تو اب تک اس کی سچر کا پتا چل جانا چاہیے۔“

”مجھے ہر چیز کا پتا چل چکا ہے..... میں نے اسی لیے یہ فیصلہ کیا ہے..... مجھے عمر کے کسی دوست سے شادی نہیں کرنی۔“

”مگر اس میں عمر کا قصور ہے۔ جینہ کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔“

”کیوں قصور نہیں ہے..... وہ بھی برابر کا قصور وار ہے۔ اس نے بھی مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔“

”اور اس کے گھر والے..... انہوں نے کیا کیا ہے؟“

”مجھے اس کے گھر والوں کی پروا نہیں ہے۔“ علیہ نے دھڑلے سے کہا۔

”شرم آتی جا چاہے تمہیں۔ تم اس کے گھر اٹا آتی جاتی رہی ہو اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں ان کی پروا نہیں ہے۔“ نانو نے اسے جھڑکا۔

”تم اور اس کی باتیں تو میرا ہی احساس کر لو..... میں اپنے شوہر کو کیا مت دکھاؤں گی..... وہ ایک ہفتے تک یہاں آ رہے ہیں..... اور تم.....“

علیہ نے غصہ کی بات کاٹ دی۔ ”مہی! آپ کے شوہر آپ کا مسئلہ ہیں..... مجھے پروا نہیں ہے کہ وہ آپ کے پامیر سے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ جہاں تک ان کے پاکستان آنے کا تعلق ہے۔ آپ انہیں فون پر آنے سے منع کر دیں۔ انہیں پتہ چلے گا کہ شادی کیسے فیصل ہو گئی ہے۔“ علیہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”اور وہ..... چھپا کر باتوں میں انہیں؟“ شینہ نے ہلکتے ہوئے کہا۔

”جبر مرضی بتا دیں۔“

”علیہ..... علیہ.....! آخر کیا ہو گیا ہے تمہیں..... تم اتنی ضدی تو کیسی بھی نہیں تھیں۔“ اس بار نانو نے بے چارگی سے کہا۔

”ہاں میں نہیں تھی..... مگر اب ہو گئی ہوں۔“ اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

”ابھی تمہارا سے انکو سے فون آنے لگیں گے۔ میں کس کس کو کیا کہوں گی..... کیا زک تمہیں پتا ہے وہ.....“

نانو نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

نپانے کی کوشش مت کریں۔“

”علیہ واپس آ کر کہنا کیا جاتی ہو؟“

”میں یہ کہنا جاتی ہوں کہ آپ نے مجھ سے یہ بات کہاں چھپائی کہ جینہ عمر کا دوست ہے۔“ نانو دم بخود کہیں۔

”اور عمر نے آپ سے میری اور اس کی شادی کروانے کے لیے کہا ہے۔ جب آپ جانتی تھیں کہ میں عمر کو کس حد تک نا پسند کرتی ہوں تو پھر آپ نے مجھے جینہ کے معاملے میں دعوے میں کیوں رکھا۔“

اس کی ناراضی میں اب اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”میں اس آدھی کی مثل تک دیکھ نہیں جاتی اور آپ مجھے اس کے بیٹ فریڈ کے پلے بانہ رہی ہیں..... اور وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر۔“ وہ رکے بغیر کہتی گئی۔ ”آپ ہمیشہ یہ لگا رہ کر رہی ہیں کہ جینہ اور اس کی لمبلی کو آپ پہلے کسی جاتی ہی نہیں تھیں جبکہ آپ ان سے ابھی طرح واقف تھیں۔ میں سوچتی تھی کہ جینہ کتنی جلدی آپ سے اتنا بے تکلف ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ بے تکلفی تو کئی سالوں کی تھی۔“

”علیہ! تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا ہے؟ یقیناً کسی نے تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔“ نانو نے کچھ دیر بعد اس شاک سے سنبھلتے ہوئے کہنے کی کوشش کی۔

”مجھے یہ سب کچھ خود جینہ نے بتایا ہے..... اس نے مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب بھی اس کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں تو کہہ دیں۔ ہو سکتا ہے مجھے ہی ہمیشہ کی طرح کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔“

”عمر نے مجھے جینہ سے تمہاری شادی کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔“ نانو نے مدافعا انداز میں کہنا شروع کیا

انہیں اعزاز تھا کہ علیہ و اب ان کی ہر بات کو شہ کی نظر سے دیکھ گی۔ ”اس نے صرف مجھ سے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں جینہ سے ملواؤں۔“ اگر تم لوگوں کے درمیان کچھ اعتراض شہنگ ہوئی تو پھر اس رشکوٹے کیا جائے کہ مجبور نہیں کیا۔“

نانو بولتی رہیں۔ ”جینہ ہر لحاظ سے ایک اچھا لڑکا تھا۔ نہ صرف وہ خود بلکہ اس کی لمبلی بھی..... میں واقعی اسے بہت سالوں سے جانتی تھی اس لیے میں عمر کو انکار نہیں کر سکی۔“ تم پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی مگر شادی کے سلسلہ میں تم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ تم سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم صرف جینہ سے ہی شادی کرو۔ اور کسی کے ساتھ نہیں کر سکتیں۔

میں نے انتخاب کا حق تمہیں دیا تھا اور تم نے خود جینہ کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔“

”مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ عمر کا انتخاب ہے۔“ علیہ نے کہا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”فرق پڑتا ہے۔ آپ کو نہیں پڑتا۔ مگر مجھے فرق پڑتا ہے اور آپ نے اس ایک سال کے عرصے میں ایک بار بھی مجھ سے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ.....“

نانو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تمہیں بتانے سے کیا ہوتا ہے۔ تم اس وقت بھی یہی کرتے ہو جو تم اب کر رہی ہو۔“

”ہاں میں اس وقت بھی یہی کرتی تھی جو میں اب کر رہی ہوں۔“ علیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”آخر میں ایک ایسے

”جیسے ایاز انکل یا کسی بھی دوسرے انکل کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ میری زندگی ہے، جو چاہوں اس کے ساتھ کروں۔“ وہ ڈانٹنگ ٹیبل سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

شمینہ نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ ”تم ایک بار اپنے فیصلے پر بھروسہ ہو۔۔۔ تم بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔“
”مجھے پتا ہے۔۔۔ مگر میں بھر بھی یہ غلطی کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے ڈانٹنگ ٹیبل چھوڑ کر چلی گئی۔

”ممی! آپ نے اس کی کیسی تربیت کی ہے؟“ شمینہ نے اس کے اٹھنے ہی اپنی ماں سے کہا۔

”تم میری پریشانی میں اپنے الزامات سے اضافہ مت کرو۔ اس کی تربیت صرف میرا فرض نہیں تھا۔ اتنے سالوں میں جہیں بھی کسی اسی کی تھوڑی بہت خبر لے لی جاوے تھی۔ اس کے باپ کی طرح تم بھی ہر ذمہ داری مجھ پر چھوڑ کر بیٹھ گئیں۔“ نانو نے سختی سے کہا۔

”ممی! آپ کا خیال ہے کہ میں نے اس کا خیال نہیں رکھا۔ اتنی باقاعدگی سے میں نوں پر اس سے راجے میں رہی۔ کئی بار میں نے چھٹیوں میں اسے اپنے پاس رکھا۔ ہر ماہ میں باقاعدگی سے اس کے لیے پیسے بھجواتی رہی اور آپ کہہ دی ہیں کہ میں نے ہر ذمہ داری آپ پر چھوڑ دی۔“

”یہ سارے کام تو سکندر بھی کرتا رہا۔ پھر تو وہ بھی اتنا ہی اچھا باپ ہوا جتنی اچھی تم ہوں۔“

”ممی! پلیز اب مجھ پر غصہ مت کریں۔“ شمینہ نے سکندر کے نام پر انہیں ٹوکا۔

”تو بھرت مجھے کیوں مورد الزام ٹھہرا رہی ہو؟“

”میں کسی کو الزام نہیں دے رہی۔ میں صرف اس کا رویہ دیکھ کر پریشان ہو گئی ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح ضدی ہو گئی ہے۔۔۔ پہلے تو۔۔۔“

”مجھے خود بھی نہیں پتا کہ وہ پچھلے پانچ چھ سالوں میں کیوں اس طرح کی ہو گئی ہے۔ یہ ضد اس میں پہلے نہیں تھی۔ نہ ہی اتنی خود رستی ہی مگر جس۔۔۔ جب سے محاذ کا انتقال ہوا تو بالکل بدل گئی۔ معاذ تھے تو بھر بھی اور بات تھی۔ انہیں اس کو چنڈل کرنا آتا تھا۔ ان کے بعد تو مجھے بہت دقت ہونے لگی۔ یہ اپنے خاندان پر اس قدر تنیدہ کرتی ہے۔ شاید یہ اخبار میں کام کرنے کی وجہ سے بھی ہوا ہے۔ پتا نہیں کون کون سی ککواس ہے جو اس تک پہنچتی رہتی ہے۔“ نانو نے سر جکڑتے ہوئے کہا۔

”اور اب جو یہ پناشوہ چھوڑا ہے۔“

”ممی! مجھے یہ بتائیں کہ یہ بات نہیں مانے گی تو کیا ہوگا۔ سستی بدنامی ہوگی ساری فیملی میں میری۔“
شمینہ اب رو پاؤں ہوئی تھیں۔

”میں عمر سے بات کرتی ہوں۔۔۔ وہ یہاں آئے۔“ نانو اپنی کرسی سے اٹھنے لگیں۔

”وہ کس لیے آئے؟“ شمینہ حیران ہوئی۔

”وہ آکر اس سے بات کرے۔ سمجھائے اسے۔“

”عمر کی بات سننے کی ہے؟“ شمینہ نے بے یقینی سے کہا۔ ”عمر کی وجہ سے ہی تو اس نے یہ سب کیا ہے۔۔۔ آپ کے سامنے ہے اس نے کہ وہ عمر کی اصل تک دیکھنے پر تیار نہیں ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ عمر کو بلا نہیں گی وہ بات کرے گا اس سے۔“

”میں وہی بات کر سکتا ہے۔۔۔ وہی سمجھا سکتا ہے۔“ نانو نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”ممی! عمر کو اتنا پسند کیوں کرتی ہے یہ۔۔۔ کئی سال پہلے تو اس کی زبان پر عمر کے علاوہ اور کسی کا نام ہی نہیں ہوتا تھا۔ آپ خود کبھی نہیں کہہ کرے اس کی بڑی دوست تھی۔۔۔ پھر آخر ہوا کیا؟“

نانو نے مڑ کر شمینہ کو دیکھا۔ ”علیہ و عمر سے شادی کرنا چاہتی تھی۔“

”کیا؟“ شمینہ بکا بکا رہ گئیں۔ ”آپ تو آپ کی کہہ دی تھیں کہ اسے کوئی پسند نہیں تھا۔“

”عمر کے علاوہ اور کوئی پسند نہیں تھا۔“ نانو نے فون کا ریسیور اٹھا لے کر شمینہ کے ہنسنے کی کھج کی۔ شمینہ بے تابی سے اٹھ کر ان کے پاس آ گئیں۔

”تو ممی! پھر آپ نے عمر سے اس کی شادی کیوں کر دینے کی کوشش نہیں کی؟“

”میں نے بہت کوشش کی تھی۔ میں نے عمر سے بات کی تھی۔ اس نے انکار کر دیا۔“

”کیوں؟“ شمینہ نے اعتبار چلائیں۔

”وہ اپنے بہترین دوست سے اس کی شادی کر دے گا ہے۔ خود کیوں نہیں کر سکتا۔ آپ ہی تو کہتی رہیں۔ وہ علیہ کا بہت خیال رکھتا ہے۔“

نانو کی آنکھوں میں نمی جھلکے لگی۔ ”صرف خیال نہیں رکھتا۔ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔“ انہوں نے دم آواز میں کہا۔

”پھر۔۔۔ ممی! پھر انکار کیوں کیا اس نے؟“

”اس نے کہا کہ میں فیملی میں نہیں ہوں۔ میں اچھا دوست بن سکتا ہوں، مگر اچھا شوہر یا اچھا باپ مجھے بنا نہیں آتا۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس کی زندگی خراب ہو۔ میرے جیسے ٹھہرائے کے آدمی کے ساتھ وہ نہیں رہ سکے گی۔ پھر وہ ایک انسان مل کر اس کی مکمل زندگی نہیں گزار سکتے۔ کوئی پرکٹ فیملی بنا سکتے ہیں اور میں علیہ یا عمر جیسے کوئی اور نہیں بن سکتا۔ وہ زندگی میں بہت کچھ deserve کرتی ہے۔ اچھا شوہر محبت کرنے والا خاندان، بچے، سکون۔ بہت کچھ۔ اور یہ سب کچھ جینے اس کو دے سکتا ہے میں نہیں۔ کیونکہ میری طرح جینے کی شخصیت Paradoxes کے بالکس سے مل کر نہیں بنی۔۔۔ میں نے اس سے کہا تھا وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ اس نے کہا آج کرتی ہے کل نہیں کرے گی، میرے ساتھ کچھ سال گزارنے کے بعد وہ اسی تنہائی کا شکار ہو جائے گی جس تنہائی کا شکار وہ آپ کے گھر میں ہے۔ میں جس فیملی میں ہوں اس میں تو میں اسے وقت تک نہیں دے سکوں گا۔ اور پھر میری چاہ میں مجھے بہت سے ایسے کام کرنے ہوتے ہیں جو اسے پسند ہیں۔ میں نہیں چاہتا وقت گزارنے کے ساتھ وہ اور میں اپنے اس رشتے یا تعلق پر چھٹا نہیں۔ میں نے اسے بہت سمجھایا تھا میں اس سے

یہ سب باتیں سن کر وہ بے ہوش ہو گیا۔

”وہ لوگ اتنے غیر ذمہ دار نہیں ہیں..... یقیناً کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جس کے بارے میں وہ ہمیں نہیں بتا سکے ورنہ وہ اس طرح کبھی نہ کرتے۔ ہم تو پھر لڑکے والے ہیں..... وہ تو لڑکی والے ہیں، انہیں یقیناً ہم سے زیادہ ان باتوں کا خیال ہوگا۔“ جنید کی اہی نے ابراہیم صاحب کی بات کے جواب میں کہا۔

”یہ تو ایک تھوڑی دیر میں بتا چل جائے گا۔“ وہ کہتے ہوئے جنید کی طرف متوجہ ہوئے۔

”تم جاہو تو آفس میں چلے جاؤ۔“

”نہیں۔ آفس جا کر کیا کرے گا، وہاں بھی پریشان رہے گا..... سبز محاذ کا فون آتا ہے اور سارا معاملہ سلجھ جائے تو پھر چلا جائے گا۔“ جنید کی اہی نے مداخلت کی۔

”میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں مگر ان کا فون آئے تو آپ مجھے بتا دیجئے گا۔“ جنید نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

”جنید! وہ دروازہ کھول رہا تھا جب ابراہیم نے اسے پکارا۔

وہ واپس مڑا ”جی ہاں؟“

”کیا واقعی تم نہیں جانتے کہ یہ فون ان لوگوں نے کیوں چھپوایا؟“ ابراہیم بہت زیادہ عجیبہ نظر آرہے تھے۔

”ہاں! واقعی نہیں جانتا کہ یہ فون انہوں نے کیوں چھپوایا ہے..... ورنہ میں آپ سے کیوں چھپاتا۔“ جنید

کو اس طرح روانی سے سمجھتے ہوئے پلے پلے تھا تاثر مند کی دور ہی تھی مگر اس وقت اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ ابراہیم صاحب نے ایک گہری سانس لیٹے ہوئے کہا۔

جنید نے کمرے سے باہر نکل کر سکون کا سانس لیا۔ اب وہ دعا کر رہا تھا کہ اس کا جھوٹا افشاں نہ ہو۔

☆☆☆

”ممی! اگر آپ مجھے سمجھانے آئی ہیں تو جلیز یہ کوشش نہ کریں۔“ علیزہ نے غمیزہ کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔ ”میں پہلے ہی آپ کی غامضی سمجھتی ہوں۔“

اس کا اشارہ کچھ دیر پہلے لاؤنج میں ہونے والی گفتگو کی طرف تھا۔ وہ اس وقت اپنے بیڈ کی پشت کے ساتھ ٹک لگا لگا ایک میگزین کھولے ہوئے تھی۔

”غیمینہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں“ ”نہیں“ میں تمہیں سمجھانے نہیں آئی۔ تم غیمینہ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو نہ کرو۔“

علیزہ نے کچھ حیرانی سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

”اگر تم اسے پسند نہیں کر سکتی تو اس سے تمہاری شادی نہیں ہونی چاہیے۔“ انہوں نے سکون سے کہا علیزہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

”میں تمہاری ماں ہوں علیزہ! مجھ سے زیادہ کسی کو تم سے محبت نہیں ہو سکتی۔“ علیزہ اب بھی خاموش رہی۔

”لگتا ہے تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا؟“ انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ علیزہ نے ایک گہری سانس لی۔

”میں نے اسی کی بجائے بات کی تو مجھے پتا چلا۔“

”کس بارے میں؟“

”انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم عمر سے شادی کرنا چاہتی تھیں مگر عمر اس شادی پر رضامند نہیں ہوا۔“ علیزہ

سں ہو گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اتنا اس طرح اس بات کے بارے میں غمیزہ کو آگاہ کر دیں گی۔

”وہ میری زندگی کی سب سے بڑی محنت تھی۔“ وہ خود گلائی کے انداز میں بولی۔

”کیوں؟“

”اگر مجھے انسانوں کی ذرا بھی پتہ ہوتی تو میں کم از کم عمریہ انسان کے ساتھ شادی کی کبھی خواہش نہ کرتی۔“

”میں ایسا کبھی سمجھتی علیزہ..... میں جانتی ہوں۔ تم عمر سے محبت کرتی ہو۔“ غمیزہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا

”لیکن دلچسپیاں اور پسندیدہ گایاں کبھی نہیں بدلتیں۔“

”میں اس سے محبت کرتی تھی۔“ اس نے ”سچی“ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”وہ شخص اس قابل ہی نہیں ہے کہ

اس سے محبت کی جائے..... وہ دنیا کے بدترین لوگوں میں سے ایک ہے۔“

غمیزہ نے خاموش ہو کر اسے غور سے دیکھا۔

”مگر میں یہ جانتی ہوں کہ عمر سے تمہاری شادی کے بارے میں بات کروں۔“ غمیزہ نے مستحکم انداز میں

کہا۔ علیزہ کو ان کی بات پر کرنٹ لگا۔ اس کے ہاتھ سے میگزین چھوٹ گیا۔

”آپ مجھے دوبارہ بے عزت کرنا چاہتی ہیں۔ میرے لیے ایک دفعہ اس تذلیل اور تکلیف سے گزرنا کافی ہے۔ بار بار نہیں۔“

”علیزہ تم.....“ غمیزہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی علیزہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”ممی! میں اس شخص سے اپنی نفرت کوئی نہیں کر کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں..... میں نے صرف اس

کی وجہ سے جنید کو چھوڑ دیا ہے۔ اور آپ جانتی ہیں کہ میں خود اس سے شادی کر لوں..... کبھی نہیں۔“

”کیوں؟“ ”تم اسے اتنا پسند کیوں کرتی ہو..... اگر وہ پہلے تمہارے لیے اچھا تھا تو اب برا کیسے ہو

گیا..... اگر پہلے تم ہی کو اس سے اپنے پر پزل کے لیے بات کرنے پر مجبور کر سکتی تھیں تو اب کیا ہو گیا ہے کہ میں اس

سے اس معاملے پر دوبارہ بات نہیں کر سکتی۔“ غمیزہ نے اس بار کچھ بلند آواز میں کہا۔

”میں آپ کو تا جی ہوں۔ اب سب کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔ میں قطعاً کسی صورت عمر سے شادی کرنا

نہیں چاہتی..... مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”تمہیں عمر کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں جنید کی ضرورت نہیں ہے..... تو پھر تمہیں آخر ضرورت کس کی

ہے؟“ اس بار غمیزہ نے کچھ نمسے سے کہا۔

”مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے..... میں ہر چیز کے بغیر ہی بہت خوش ہوں۔“

کا ہونا نہ ہو تا میرے لیے کوئی مسکن نہیں رکھتا۔
”کاش واقعی ایسا ہوتا۔“

”ایسا ہی ہے مہی۔ ایسا ہی ہے۔ میں واقعی وہی اور جذباتی طور پر عمر سے بہت دور جا چکی ہوں۔“ اس نے خمیز کا یقین دلانے کی کوشش کی۔ خمیز کو اس کی بات کا یقین آیا یا نہیں۔ بہر حال انہوں نے اس سے کہا۔
”اگر عمر سے نہیں تو پھر تم جنید۔“ طلیزہ نے ان کی بات کاٹ دی۔
”نہیں۔ میں جنید سے بھی کسی طور شادی نہیں کروں گی۔ کسی بھی ایسے شخص سے نہیں جو عمر کو جانتا ہو۔“ اس نے واقف ہو یا جو عمر کا چیتا ہو۔

”جنید بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم اسے گوارا کر بچتا دو گی۔“ خمیز نے اسے ڈرایا۔
”نہیں۔ میں نہیں بچتا کسی کی۔ کم از کم اپنے اس فیصلے پر نہیں بچتا دوں گی۔ بچتا نہ کے لیے پہلے ہی ایک اہلکار جمع ہو چکا ہے میرے پاس۔ آپ تو اس میں اضافہ نہ کریں۔“
خمیز کچھ دیر کے بعد خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئیں۔

☆☆☆

”جھانی! بابا بلا رہے ہیں جنہیں۔“ فری نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے دروازہ کھول کر اسے پیغام دیا۔
”میں آ رہا ہوں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

”جھانی! یہ سب ہوا کیا ہے۔ ان لوگوں نے اس طرح اچانک شادی ملتوی کیوں کر دی ہے؟“ فری نے پریٹانی سے پوچھا۔
”فری! اب تم لیے چڑے سوال مت شروع کر دینا۔ مجھے کچھ پتا ہوتا تو میں پہلے بتا دیتا۔“ جنید نے کچھ اکتائے ہوئے سبجے میں کہا اور ساتھ ہل دیا۔

”بابا نے اپنی کچھ دیر پہلے طلیزہ کی ناٹو سے بات کی ہے۔“ فری نے اسے اطلاع دی۔ دونوں اب کمرے سے باہر نکل چکے تھے۔
”انہوں نے کیا کہا؟“

”یہ تو مجھے نہیں پتا۔ بابا اور امی نے اپنے کمرے کے فون پر ان سے بات کی ہے۔ مجھے بس یہ پتا ہے کہ انہوں نے خاموشی کبھی چڑی بات کی ہے۔“ فری نے بتایا۔
”پھر امی نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو بلا کر لاؤں۔“ جنید نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ چاپ ان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے کا دروازہ کھولنے ان کے چہروں کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ کسب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔
”آؤ بیٹھو۔“ ابراہیم نے اسے دیکھ کر عجیب سے لیے میں کہا۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔

خمیز اس کی بات پر ٹھٹھک گئیں۔ ”تمہارا اشارہ میری طرف ہے؟“
”میرا اشارہ ہر ایک کی طرف ہے۔“

”طلیزہ! تم آخر مجھ سے اتنی بدظن کیوں ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہارا خیال رکھا ہے تمہاری پروا کی ہے۔ جنہیں ساتھ نہیں رکھ کر تو اس کی وجہ۔“

طلیزہ نے ان کی بات کاٹ دی۔ ”بلیز می! میں نے آپ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ نہ ہی مجھے آپ سے کوئی شکایت ہے اور آپ کو غلط فہمی ہے کہ میں آپ کو برا سمجھتی ہوں۔ میں کسی حوالے سے بھی آپ کو برا نہیں سمجھتی۔ جو شخص کو زندگی میں Wise Choice کرنی چاہیے۔ آپ نے بھی Wise Choice کی اور ٹھیک کیا۔ میں آپ کو کسی لحاظ سے قصور دار نہیں سمجھتی۔“ طلیزہ کی آواز دھکی ہو گئی۔

”نہ آپ کو۔ نہ پاپا کو۔ اس لیے آپ اس طرح سوچیں بھی مت۔“
”تو پھر تم میری بات کو یقیناً کیوں نہیں دیتیں؟“ خمیز نے فوراً کہا۔
”جتنی اہمیت مجھے دینی چاہیے۔ میں دیتی ہوں۔ مگر آپ ایک نامناسب اور ناممکن بات کہہ رہی ہیں جو میرے لیے ممکن نہیں ہے۔“

”عمر کے بارے میں بات کرنا نامناسب کیسے ہے؟“ خمیز نے اکتڑ انداز میں کہا۔
”آپ اگر اس سب سے گزری ہو تھیں، جس سے میں گزر رہی ہوں تو آپ کو اندازہ ہو جاتا کہ عمر کے بارے میں بات کرنا نامناسب کیوں ہے۔“
”ماضی کو بھول جاؤ طلیزہ۔“

”میں ماضی کو بھول چکی ہوں کی۔ اس لیے تو مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ مجھے عمر سے محبت تھی۔ میرے لیے وہ صرف ایک کزن ہے۔“

”طلیزہ! میں جانتی ہوں، تم بہت اچھی زندگی گزارو۔“
”عمر کے ساتھ میں ابھی زندگی نہیں گزار سکتی۔ آپ ایسا سوچتی ہیں تو غلط سوچتی ہیں۔“ طلیزہ نے حتی انداز میں کہا۔

”مجھے ایک بار اس سے بات تو کرنے دو۔“
”قائدہ۔ مجھے عمر سے شادی نہیں کرنا۔ کسی طور بھی نہیں کرنا۔ میں اس کے ساتھ اپنی زندگی ضائع نہیں کر سکتی۔“

”مجھے یقین نہیں آتا طلیزہ کہ ایک بار محبت کرنے کے بعد تم پر اتنے دھڑلے سے کہہ سکتی ہو کہ جنہیں اس سے محبت نہیں ہے۔“

”میں اس سے بھی زیادہ دھڑلے سے آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے آپ واقعی اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دنیا صرف عمر سے شروع ہو کر عمر پر ختم نہیں ہو جاتی۔ میں اسے اپنی زندگی سے اٹھا کر باہر پھینک چکی ہوں۔ اس

”سز معاذ سے بات ہوئی ہے ابھی میری۔“ انہوں نے بخیر کسی تہذیب کے کہنا شروع کر دیا۔

”یہ تو سلیو نے شائع کر دیا ہے۔“ دور کے۔“ جنید انہیں دیکھتا رہا۔

”انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تہارے اور علیزہ کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا اور علیزہ نے اس جھگڑے کی بنا پر یہ فوٹس شائع کر دیا ہے۔“ علیزہ نے انہیں جھگڑے کی وجہ نہیں بتائی۔ اب وہ حسرت سے تم سے چاہنا چاہتا ہوں۔“

وہ ساکت ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا جو بات وہ خود ان سے چھپا رہا تھا۔ وہ انہیں ناؤ سے پتا چل جائے گی۔ اس کا خیال تھا۔ ناؤ کوئی بہانہ بنا نہیں گی۔

”تم سے میں نے پوچھا تو تم نے صاف کہہ دیا کہ تہار کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ میں یہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ جنید! تم میرے اور اپنے بابا سے جھگڑا کر لو گے۔“ جنید کی ای سی تانسف سے کہا۔

”ای! میرا اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ تھوڑی سی غلطی ضرور ہوئی تھی مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس جھوٹی سی غلطی پر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے۔“

”کوئی بھی لوگ ایسی بےوقوف نہیں ہوتی کہ کسی چھوٹی سی غلطی پر اتنا بڑا قدم اٹھا لے۔ اور پھر میں علیزہ سے یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح کے فیصلے کر سکتی ہے۔ بات یقیناً معمولی نہیں ہو گی۔“ ابراہیم صاحب نے اس کی بات کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال تم بات بتاؤ۔ اس کے بعد ہی میں یہ طے کر سکتا ہوں کہ یہ معمولی سی غلطی ہے یا نہیں۔“

”بابا! وہ عمو کو بت پانپند کرتی ہے۔۔۔۔۔ آپ بھی جانتے ہیں۔“ جنید نے سوچ سوچ کر بولنا شروع کیا۔

”تو تین دن پہلے میں اسے شاپنگ کے لیے ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہاں اس نے مجھ سے عمر کے ساتھ دوٹی ختم کر دینے کو کہا۔ میں نے عمر اور اس کے درمیان ناراضی دور کرنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔ اور میں نے اسے بتایا کہ عمر اس کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ میری شادی کرانے میں بھی عمر کی خواہش کا دخل تھا۔“

”کیا مطلب؟“ جنید کی ای یکدم حیران ہوئی۔ ”عمر کا کیا دخل ہے تم دونوں کی شادی میں؟“

”ای! اے عمر نے ہی مجھے علیزہ سے ملوایا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں اس کے خاندان میں شادی کروں۔ وہ چاہتا تھا کہ ہماری فیملی اور قریب آ جائیں۔ علیزہ مجھے بھی اچھی لگی۔۔۔۔۔ اس لیے میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کیا۔ اس دن میں نے علیزہ سے یہی کہا کہ میں عمر سے دوٹی کی صورت نہیں چھوڑ سکتا۔ اسے یہ بات بری لگی مگر میں نے اسی وقت اس سے معذرت کر لی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اسے یہ بات اس حد تک بری لگے گی۔“ اس بار جنید کا رو بہ معذرت خواہ تھا۔

”جس میں اس سے اس طرح کی فضول باتیں کرنے کی ضرورت کیا تھی۔“ یکدم ابراہیم نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ عمر کے ساتھ اپنی دوستی باطل کرنے کو ذریعہ بحث لانے کی ہی کیا ضرورت تھی جب تم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ یہ سب باتیں صحیح ہی ہیں بتا دینی چاہیے تھیں۔“ جھوٹ کیوں بولا تم نے؟“ ابراہیم

”کم از کم تمہیں یہ سب باتیں صحیح ہی ہیں بتا دینی چاہیے تھیں۔“ جھوٹ کیوں بولا تم نے؟“ ابراہیم

”جس میں اس سے اس طرح کی فضول باتیں کرنے کی ضرورت کیا تھی۔“ یکدم ابراہیم نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ عمر کے ساتھ اپنی دوستی باطل کرنے کو ذریعہ بحث لانے کی ہی کیا ضرورت تھی جب تم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ یہ سب باتیں صحیح ہی ہیں بتا دینی چاہیے تھیں۔“ جھوٹ کیوں بولا تم نے؟“ ابراہیم

”کم از کم تمہیں یہ سب باتیں صحیح ہی ہیں بتا دینی چاہیے تھیں۔“ جھوٹ کیوں بولا تم نے؟“ ابراہیم

صاحب کی پریٹانی یکدم یکدم ہو گئی۔

معالے کی نوعیت اتنی تشویش ناک نہیں تھی جتنی وہ سمجھ رہے تھے۔

”فرخانہ! تم علیزہ کے ساتھ اس سارے معاملے پر خود بات کرو بلکہ جنید کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ مجھے یقین

ہے کہ اس کی ناراضی دور ہو جائے گی۔“ انہوں نے اس بار جنید کی ای سے خطاب ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ ساتھ نہیں بیٹھیں گے؟“

”میں ساتھ تو جاؤں گا مگر یہ اتنا بچکانہ معاملہ ہے تم خود اس کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا سکتی ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس طرح فیصلے میں آکر اس طرح کی حماقت کرے گی۔ اسے فہم ہونا ناراضی تھی بھی تو اسے ہم دونوں سے اس معاملے پر بات کرنی چاہیے تھی یا سز معاذ سے ڈسکس کرنی اور اس میں سارا قصور تہارا ہے جنہیں

آخر اس طرح کی بات اس سے کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تم عمر کے کہنے پر اس سے شادی کر رہے ہو۔“ وہ ایک بار پھر جنید سے بات کرنے لگے۔

”اگر اسے عمر پانپند ہے تو تمہیں اس پر یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ تہار سے لیے علیزہ سے زیادہ

اہم ہے۔“

”بابا! میں نے یہ نہیں کہا تھا میں نے تو۔۔۔۔۔ ابراہیم نے جنید کی بات کا تادی۔

”تم نے کہا ہو یا نہیں مگر اس نے تہار کی بات کو اسی طرح لیا ہے۔“

”ہم سے تم یہ کہتے رہے کہ علیزہ کو یہ نہ بتائیں کہ ہم لوگ عمر سے واقف ہیں یا عمر کا اس گھر میں آنا جانا ہے اور خود تم نے اس سے یہ کہہ دیا کہ تم اس سے عمر کی خاطر شادی کر رہے ہو۔“

”قوی! آپ نے دیکھا کیا مجھے اس کو یہ بتانے کا نتیجہ بھی بھینستا پڑ رہا ہے۔ مجھے اس سے اسی بات کا اندیشہ تھا کہ وہ بہت ناراض ہوگی مگر اسے عمر سے میری دوستی کا پتا چل جاتا تو۔“

”اب اس بات پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ختم کرو اسے۔“ ابراہیم صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”میں نے سز معاذ سے کہا ہے کہ ہم شام کو ان کی طرف آئیں گے۔“

”پھر تم کبھی جا رہا ہوں۔ بابا! کیا آپ بیٹھیں گے؟“ جنید نے کھڑے ہونے کو کہا۔

”ہاں میں بھی چلا ہوں، آج رات ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔“

ابراہیم صاحب بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”فرخانہ! تم کسی اور کا فون آنے پر بھی ان سے یہی کہتے رہتا کہ علیزہ کی ای کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے شادی کچھ آگے کر دی گئی ہے۔“ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک بار پھر دہرایت کی۔

☆☆☆

طالع دی۔

”میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ آپ انہیں تادیں۔“

”میں تو کسی کو کوئی وضاحت نہیں دوں گی جو بھی کہتا ہے، تم خود آ کر اس سے کہو۔ جب نوش دینے کی جرات کر لی ہے تو پھر لوگوں سے بات کرنے کی بھی جرات پیدا کرو۔“ بانو نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”میں تو ہر فون آنے پر نہیں ہی بلاؤں گی۔ کیونکہ یہ فون تمہارا دیا ہوا ہے۔ پھر میں تمہاری طرف سے وضاحتیں کیوں دوں۔ یہ کام بھی تم خود ہی کرو تا کہ تمہیں احساس ہو اس بے عزتی اور شرمندگی کا جس کا سامنا میں کر رہی ہوں۔“

علیہ وہ کچھ دیر نہیں دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

لاؤنج میں آ کر اس نے فون کا رسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی کوئی بات سننے بغیر بولتی گئی۔

”ہاں بابا، وہ فون میں نے دیا ہے کیونکہ میں جینے سے شادی نہیں کرنا چاہتی..... اور شادی اس لیے کرنا نہیں چاہتی کیونکہ وہ مجھے پسند نہیں ہے اور آپ ان تمام معاملات کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح آپ پہلے کسی پریشان نہیں ہوئے۔“

اس نے اپنی بات مکمل کی اور فون کا رسیور ہٹا دیا۔ اس کی آنکھیں مٹی ہو رہی تھیں۔ بانو لاؤنج کے دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہیں۔ وہ بات ختم کرنے کے بعد کچھ بھی کہے بغیر واپس مڑی اور تیز تیز قدموں کے ساتھ ان کے پاس سے گزرتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

”اگر کسی کا بھی فون ہو تو آپ مجھ سے بات کر دیاں۔ میں سب سے بات کر لوں گی۔ آخر آپ کو بامی کو میری وجہ سے یہ زحمت کیوں کرنی پڑے، آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“

بانو نے اپنے پاس سے گزرتے ہوئے علیہ کو کہتے سنا۔ انہوں نے مڑ کر اسے کورڈر میں سے گزرتے ہوئے دیکھا۔



باب ۵۳

”تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو عمر؟“ ایاز حیدر فون پر درشت لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ”آخر کتنی بار مجھ تک تمہاری شکایات آئیں گی۔ اب تو مجھے بھی، شرمندگی ہوتی ہے جب میں تمہارے سینکڑوں سے تمہارے بارے میں بات کرتا ہوں۔ ہر بار میں ان سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں سمجھا دوں گا..... اور ہر بار تم حاققت کی حد کر دیتے ہو۔“ عمر خاموشی سے ان کی بات سن رہا تھا۔

ایاز حیدر نے ابھی تاہم پیلے اس کو آنس میں فون کیا تھا اور وہ اسے جھڑک رہے تھے۔ معاملہ بھر کر گل حیدر والا ہی تھا۔ عمر کے بارے میں ایک بار پھر ادھر شکایت کی گئی تھی اور آئی بی نے ایک بار پھر ایاز حیدر سے بات کی تھی۔ اس بار وہ بے حد ناراض تھے اور انہوں نے ایاز حیدر کو بتا دیا تھا کہ وہ اب زیادہ تر سے تک عمر کی حمایت نہیں کر سکیں گے۔ وہ عمر کی فراسٹر کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کے پاس عمر کی فراسٹر کے احکامات آئے تھے۔ انہوں نے اس معاملے میں ایک بار پھر عمر سے بات کرنے کے بجائے ایاز حیدر سے بات کرنا ضروری سمجھا اور اب ایاز حیدر اس سے بات کر رہے تھے۔

”انگل ملو، شخص اس قدر بدتمیز تھا کہ.....“ عمر نے کچھ کہنے کی کوشش کی، ایاز حیدر نے غصے کے عالم میں اس کی بات کاٹی۔

”وہ شخص بدتمیز تھا تو تم بڑے تیز والے ہو۔ تم اس سے بھی بدتر ہو۔ وہ تو صرف بدتمیز تھا۔ تم تو ذرا اور ڈال بھی ہو۔“

”اگر آپ اس سے بات کرتے تو میری طرح آپ کو بھی غصہ آتا۔“

”آؤ ضرور آتا..... مگر میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے کب، کہاں، کس کے سامنے اپنا غصہ دکھانا ہے اور کس سے غصہ چھپانا ہے۔ تمہاری طرح ہر آدمی کے ساتھ مجھڑا میں انور نہیں کر سکتا۔“

”جو بھی ہو انگل.....! میں کسی کے باپ کا ملازم نہیں ہوں کہ کوئی مجھ پر چلائے اور وہ بھی ایسا شخص جس کو میں جانتا تک نہیں۔“

”تو برداشت نہ کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا ہے تم نے..... فرانسفر کے آرڈر آؤے والے ہیں تمہارے۔“

”اے دیس، میں چارن نہیں چھوڑوں گا۔“ عروٹیش آگیا۔

”فرانسفر آرڈر کے بجائے تم اپنے لیے Suspension orders (معتل) چاہتے ہو یا پھر

termination-

”جو مرضی ہو جائے، میں اس طرح چارن نہیں چھوڑوں گا۔“

”تم آخر چاہتے کیا ہو عمر..... کیوں کسی کے ساتھ بنا کر کھائیں آتا تمہیں۔ کسی نہ کسی کو تم نے اپنے پیچھے لگا ہوتا ہے۔ پہلے پرنس والا تھا تھا۔ اب فوج کے ساتھ جھگڑا موصول ہے رہے ہو۔ پتا ہوتا چاہیے تمہیں کہ آج کل ہر کام کتنی احتیاط سے کرنا چاہیے ورنہ تم خود تو ڈوب گے، ساتھ ہی بھی ڈوب گے۔“

”میں جتنی احتیاط کر سکتا تھا کر چکا ہوں مگر ان لوگوں کو اپنے علاوہ کوئی ایجا اور پاک صاف لگتا ہی نہیں۔ ہم بھی آفیسر ہیں، کوئی کمبل لٹائے کے لیے نہیں بیٹھے ہوئے۔ کام کر رہے ہوتے ہیں، ان کا جب دل چاہتا ہے منہ اٹھا کر میرے آگس میں آ جاتے ہیں۔ مجھ پر چلا تے ہیں۔ اگر وہ کرلے تو اسے بھی میرے ریک کا لحاظ ہونا چاہیے۔“ عروٹیش ہنسنے میں تھا۔

”اسے پتا ہوتا چاہیے کہ مجھ سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ وہ کسی پولیس کا ٹیبل سے بات کر رہا تھا کہ اس طرح اس پر چلاتا اور وہ بھی اس صورت میں جب ٹیبل اس کی اپنی جگہ اس کا بیٹا طرز تھا بلکہ مجرم تھا۔“

”تمہیں معمولی باتوں پر اتنا مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اگلے مشتعل ہونے کی بات نہیں ہے۔ میں نے کس طرح اس کے بیٹے کی رہائی کے بعد وہاں مشتعل ہجوم کو کنٹرول کیا ہے۔ آپ یہاں موجود ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا ہجوم کے اشتعال کا، وہ لوگ پولیس فٹنشن کو آگ لگا دیتا چاہتے تھے اور بالکل جگہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی جگہ میں بھی ہوتا تو یہی کرتا۔ ایک پچھڑا بی بی کارڈی کا ایکٹیوٹ کر کے ایک آدی کو مار دیتا ہے اور اس شخص کے لواحقین کی آنکھوں کے سامنے ایک فون آئے پر اس بچے کو کسی پوچھ گچھ کے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ واقعی صرف یہاں ہی ہو سکتا ہے، اس کے باوجود میں نے اس ہجوم کے پاس خود جا کر اسے نہ مذاکرے کیے۔ پتا نہیں کتنے جھوٹ بول کر ان کا غصہ بخڑا کیا اور اس آدی کی لاش کو دفنانے پر مجبور کیا ورنہ وہ لوگ اسے گورنر ہاؤس کے باہر لا کر رکھ دیتا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود آپ مجھے بتا رہے ہیں کہ میرے فرانسفر کے آرڈر آئے ہیں۔“

”ایجا، میں نے تمہاری تقریریں سننے کے لیے تمہیں فون نہیں کیا، میری طرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں تمہیں کہ تم کرل حیدر سے مصالحت کرو۔ اپنے اس مسئلے کو خوش اسلوبی کے ساتھ حل کرو۔“ ایاز حیدر نے ایک بار پھر اسے ٹوٹے ہوئے کہا۔

”کمال کے ہیں آپ بھی۔“ عروٹیش ان کی بات پر پیچھے ہٹنے لگے۔

”مصالحت اسے مجھ سے کرنی چاہیے یا مجھے اس کے ساتھ۔ اگر اس سارے معاملے میں کسی نے بد فیوری

کی ہے تو وہ میں نہیں کرل حیدر ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اس کے ساتھ مصالحت کروں۔“

”ایجا فرض کرو کہ کرل حیدر نے تمہارے ساتھ بد فیوری کی ہے۔ پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”کیوں فرق نہیں پڑتا..... یہ اس کی ٹیبل سے وہ اسے ٹھیک کرے۔ وہ مدھرت کرے۔“

”اور وہ ایسا بھی نہیں کرے گا کیونکہ اس کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”تو میں بھی ایسا بھی نہیں کروں گا کیونکہ مجھے بھی ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”تم مجھے مجبور کر رہے ہو عمر کہ میں آئی جی سے کہوں کہ تمہیں فرانسفر آرڈر نہیں ملے گا۔“ Termination

لیو بھوٹا۔ ”تمہارے خلاف کوئی انکوائری کروا میں تم اس قابل نہیں ہوں کہ تمہاری مدد کی جائے۔ میں تمہیں برائے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم اپنی کواں میں مصروف ہو۔“

ایاز حیدر اس کے جواب پر یک دم ہلک اٹھے۔ عمر نے اس بار کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خاموش رہا۔

”تم پورے خاندان میں واحد ہو۔ جس کے لئے مجھے اتنی باتیں اس طرح کی وضاحتیں اور مدد میں کرنی پڑ

رہی ہیں۔ ورنہ نہ تو کوئی بی بی آسانی سے ہر طرح کے سیٹ اپ میں ایڈجسٹ ہو جاتا ہے۔ صرف تم ہو جسے کسی بھی سے

ٹھیک بات شروع ہو جاتی ہیں اور کبھی کسی سے۔“ وہ اب بلند آواز میں دھاڑ رہے تھے۔

”آخر تک میں تمہاری پشت پناہی کرتا رہوں گا۔ تب تک تمہیں پتا نہ رہوں گا کہ تمہیں نہ صورت حال

کی گھنٹی کا احساس ہوتا ہے نہ اپنی اور کسی کی عزت کا۔ تمہیں پروا تک نہیں ہے کہ میں تمہارے لئے اپنا کتنا وقت ضائع کر کے تمہیں فون کر رہا ہوں تو پھر مجھے کیا ضرورت ہے تمہیں عقل دینے کی۔ جاؤ ڈوبو۔ مائی ناٹ.....“

انہوں نے دوسری طرف سے بڑے ہنسے کے ساتھ فون چا۔ عمر بہت دیر تک ریسپور ہاتھ میں لے بیٹھا

رہا۔ ایاز حیدر کے اس طرح مشتعل ہونے سے اسے اس بات کا اندازہ تو جی طرح ہو گیا تھا کہ اس بار معاملہ خاصا

خراب ہے۔ ورنہ ایاز حیدر اس سے اس طرح بات نہ کرتے۔ وہ واقعی پوری جلی کے لئے گاؤ فار کی طرح تھے۔ ہر

معاملے میں وہ اپنے خاندان کے مفادات کے تحفظ کے لئے کسی حد تک جھک جاتا ہے اور کم از کم یہ ایسی چیز نہیں تھی

جس نے انہیں کبھی پریشان کیا ہو جس کی وجہ سے وہ کبھی احساس ندامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہوں اور اب اگر وہ عمر کے

معاملے پر اس طرح بھڑکھڑا رہے تو یقیناً اس بار انہیں عرصہ کا دفاع کرنے سے واقعی کچھ وقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

عمر جہاں تک کم از کم اتنا مزید کر ضرور تھا کہ اسے اس بات کا اندازہ ہو جاتا اور وہ اتنا افسس یا ہڈیا نہیں

تھا کہ اپنی جاب کو اس طرح ہڈیا ہٹ میں آ کر نکال دیتا۔ فون کا ریسپورڈ کر کر وہ کچھ دیر تک اس سارے معاملے کے

بارے میں سوچتا رہا۔ ایاز حیدر کو اس کی پشت سے ہاتھ اٹھا لینا اس کے لئے واقعی خاصا مشکل ثابت ہو سکتا تھا۔ عمر انہیں

اس وقت طور کی طرف پر دوبارہ فون کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ وہ غصے میں دوبارہ اس سے بات کرنا پسند نہ کرتے۔ مگر

اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ایک بار ان سے اس سارے معاملے پر گفتگو کرتا۔

اس نے ایک گھنٹے کے بعد ایاز فون کیا۔ ان کے بی اے نے چند منٹوں کے بعد ایاز حیدر سے اس کا

رابطہ کر دیا تھا۔

ہماری چٹلی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا جس نے کرنی سے بات کی تھی۔ مگر جیڑے ہوا کہ شادی آگے کر دی جائے۔
 ”اچھا مگر میں نے تو تجھ سے کہا ہے کہ انہوں نے اچانک ہی درخواست کی تھی۔ یہ تو انہوں نے نہیں بتایا کہ تم نے ان سے اس مسئلے میں بات کی تھی۔“ ایاز حیدر نے کہا۔

”مگر میں نے ذہن میں نہیں رہا ہوگا اور جہاں تک ریکورڈ کی بات ہے تو وہ انہوں نے اچانک ہی کی تھی۔ ورنہ پہلے تو وہ بھی تیار ہیں میں ہی مصروف تھے۔“ عمر نے گول مول بات کی۔

”میں آج دنوں کروں گا ابراہیم کو، اس معاملے پر اگر تھوڑی بہت بات ہو جائے تو اچھا ہے۔“

”انگل ابراہیم تو کوئی گھمے ہوئے ہیں۔“ عمر نے بڑی رسائی سے کہا۔

”کل رات میں جینے سے بات کر رہا تھا تو اس نے مجھے بتایا تھا۔ وہاں کی بینک کی بلڈنگ کا پراجیکٹ ہے۔ جینہ بھی دو چار دن تک وہیں جا رہا ہے۔ آپ اتنی فراخ اندہ سے بات کر لیں۔“ عمر نے آخری جملہ ادا کرتے ہوئے رسک لیا تھا۔

”نہیں، ان سے کیا بات کروں گا۔ ابراہیم کو آنے دو پھر ان ہی سے بات کروں گا۔“ حسب توقع ایاز حیدر نے کہا۔

”اچھا پھر تم مجھے کرنل حیدر سے اپنی ملاقات کے بارے میں جلد اظہار کرو۔“ وہی الوداعی کلمات کے ساتھ انہوں نے فون رکھ دیا۔

عمر کچھ دیر گہری سوچ میں گم رہا۔ پھر اس نے اپنے ہی اے کو کرنل حیدر سے کالمیکٹ کرانے کا کہا۔

وہ ایک فائل چیک کر رہا تھا جب بی اے نے اسے فون پر اطلاع دی۔

”سرا کرنل حیدر کا آپ پر کب رہا ہے کہ آپ کو ان سے کیا بات کرنی ہے؟“

”اس سے کہو کہ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں میں نے یہی کہا تھا مگر وہ پوچھ رہا تھا کہ آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے وہ بات بتائیں۔“

”اپنے سے کہو کہ میں اس کو بات نہیں تاکہ سک۔ وہ کرنل حیدر سے میری بات کرانے۔“ عمر نے کچھ سختی سے اسے ہدایت دی۔

”کچھ دیر بعد فون کی جھنکی ایک بار مچ گئی۔“ سرا وہ بات کہہ رہا ہے کہ جب تک آپ بات نہیں بتائیں گے وہ کرنل حیدر سے آپ کا رابطہ نہیں کر سکتا۔“ عمر کو اندازہ ہو گیا کہ کرنل حیدر اسے آپرٹر کے ذریعہ جگ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

”اس سے کہو کہ صاحب کرنل حیدر سے کوئی ذاتی بات کرنا چاہتے ہیں۔“ عمر نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”کچھ دیر کے بعد بی اے نے ایک بار مچرا اس سے رابطہ کیا۔“

”سرا وہ کہہ رہا ہے کہ کرنل حیدر دفتر میں ذاتی باتیں نہیں کرتے۔“

”تو پھر اس سے کہو کہ وہ ان کے گھر کا نمبر دے دے۔“ بی اے نے کچھ دیر بعد اس سے کہا۔

”جی عمر جہاں تک صاحب آپ نے کیوں زحمت فرمائی ہے یہ کال کرنے کی؟“ ایاز حیدر نے اس کی آواز سننے ہی طفر! کیا تھا مگر اس کے باوجود جرجانا تھا کہ وہ اس وقت غصے میں نہیں تھے۔ ان کے کال ریسپونڈر لینے کا مطلب یہی تھا۔

”انگل آپ کیا چاہتے ہیں، میں کیا کروں؟“ عمر نے بڑی تنبیہ کی سے کسی تنبیہ کے بغیر ان سے پوچھا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم کرنل حیدر سے ملو۔ اس سے معذرت کرو، مگر سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔“

”اور اگر اس نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا تو؟“

”نہیں کرے گا۔ میں اس پر بھی کچھ پریشر ڈالوں گا۔ تم بہر حال اس سے ملاقات تو کرو۔“

”ٹھیک ہے، میں اس سے مصالحت کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر میں آپ کو مطلع ہوں کہ کیا ہوا؟“

”مجھے اس کے بارے میں جلد ہی اظہار کرنا اور ہاں یہ طریقہ کے سرال دالوں نے شادی کی تاریخ کو آگے کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، تمہارا تو رابطہ وہاں ان کے ساتھ؟“

ایاز حیدر نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ”مگر یہ کھانا کھانا۔“

”میں نڈر پیچ میں نوٹس پڑھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے تو مئی سے کہا ہے کہ انہیں اس طرح نوٹس دینے سے پہلے مجھ سے بات کر لینی چاہیے تھی۔“ وہ عمر کو تارہ تے تھے۔

”جینہ کے گھر والوں کو پہلے ہی شادی کی تاریخ سوچ کچھ کر رکھنی چاہیے تھی۔ بعد میں اس طرح تبدیلی تو بہت نامناسب بات ہے۔“

”آپ کی کرنی سے بات ہوئی ہے؟“

”ہاں بڑی لمبی بات ہوئی ہے۔ میں پریشان ہو گیا تھا نوٹس دیکھ کر۔ پھر انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ جینہ کے گھر والوں نے شادی کے اتوار کی درخواست کی تھی۔ تمہیں پتا ہے اس بات کا؟“

”ہاں میری جینہ سے بات ہوئی تھی۔“ عمر نے گول مول انداز میں کہا۔

”پھر.....؟“ ایاز حیدر تقریباً تفسیلات چاہتا جا رہا ہے۔

”یکدم ہی بس کچھ بار اہلر آ گئی تھیں۔ اس کی بہن کو کچھ مہنتوں کے لیے سکا پور جانا تھا۔ خود اس کے ایک دو پرنیکس کی ویش کا مسئلہ ہونے لگا۔ اس کے کچھ دوسرے رشید دار بھی ان دنوں باہر سے نہیں آ سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے بہتر سمجھا کہ ایک ماہ کے لیے شادی آگے کر دی جائے۔“

عمر نے کیے بعد دیگرے جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ ”ناٹو نے یقیناً علیحدہ کو بہانے کے لیے اس نوٹس کو جینہ کے گھر والوں کے سر قوب کیا تھا۔ یہ خوش قسمتی ہی تھی کہ ایاز حیدر نے سیدھا جینہ کے گھر فون کر کے اس کے والدین سے بات نہیں کی تھی۔ ورنہ اس جھوٹ کا انکشاف ہو جاتا۔ وہ شاید عمر کے معاملے میں اچھے ہونے کی وجہ سے اس طرف اتنا دھیان نہیں دے پائے تھے۔“

”جینہ نے مجھ سے یہ سب کچھ وکس کیا تھا بلکہ اس نے پوچھا تھا کہ اگر شادی کو آگے کر دیا جائے تو

”سراؤدہ کبہ رہا ہے کہ صاحب کا گھر کا نمبر ہر ایرے غیرے کے لیے نہیں ہوتا۔“ اس بار بی اے نے اُسے یہ کچھ جھینپتے ہوئے تک کرکل حید کے بی اے کے الفاظ پہنچائے تھے۔

”بات کراؤ میری اس آپ بڑے سے۔“ اس بار عمر کا بیٹا نہ لیریز ہو گیا۔

”میں سرا“ بی اے نے مستعدی سے کہا۔

چند منٹوں کے بعد عمر نے دوسری طرف کسی کی آواز سنی۔

”ایس بی سی عمر جہاں گھر بات کر رہا ہوں۔ کرکل حید سے بات کراؤ۔“ عمر نے کھردرے لہجے میں کرکل حید کے بی اے سے کہا۔

”سراؤدہ ابھی کچھ دیر پہلے آؤں سے نکل گئے ہیں۔“ اس بار کرکل حید کے آپ بڑے کا لہجہ مودب تھا شاید یہ عمر کے حید سے زیادہ اس کے لہجہ کا اثر تھا۔

”کب واپس آئیں گے؟“ عمر نے اسی انداز میں پوچھا۔

”سرا یہ نہیں جانتا، وہ ٹیم کے ساتھ گئے ہیں۔“

”میں کل صبح ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”سرا! آپ یہ بتادیں کہ آپ کس سلسلے میں ان سے ملنا چاہتے ہیں۔“

عمر نے اس کو بات مکمل نہیں کر دی۔

”یہ جانتا تھا مارا پراہم نہیں ہے۔ میں ایس بی ہوں، کسی بھی سلسلے میں ان سے بات کر سکتا ہوں۔“ اس بار عمر کا لہجہ اتنا کھردراؤ رکھتا تھا کہ بی اے نے کچھ ہلکا سے ہونے کہا۔

”تو سرا! پھر آپ اپنا پائنٹ لے لیں۔“

”اپنا پائنٹ میرا بی اے ملے طے کرے کہ تمہارے ساتھ میں نہیں۔“

عمر نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور پھر اپنے بی اے کو کرکل حید کے آپ بڑے کے ساتھ بات کرنے کے لیے کہا۔ کچھ دیر بعد بی اے نے اسے اگلے دن کی اپنا پائنٹ کی تفصیل بتادی تھی۔

☆☆☆☆

”بے دقنی کی باتیں مت کیا کرو طیزو وہ ایک تم نے طے کر رکھا ہے کہ۔“

طیزو نے منے سے عالم میں شہلا کی بات کاٹ دی۔ ”تم میرے سامنے نانو کے جھلے مت دہراؤ۔ میں جگ آ چکی ہوں اس طرح کے جھلے سن کر۔“

شہلا ابھی کچھ دیر پہلے ہی طیزو کے پاس آئی تھی۔ اس نے بھی اخبار میں وہ نوٹس پڑھ لیا تھا، وہ کوشش کے باوجود فون پر طیزو سے رابطہ نہیں کر سکی۔ پھر وہ کچھ پڑیانی کے عالم میں خود اس کے گھر پہنچی آئی تھی اور اب وہ طیزو کو سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھی۔

”یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔“ شہلا اس کے منے سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

”آخر اس سارے معاملے میں جنید اور اس کی ٹیلی کا کیا قصور ہے بلکہ عمر کا بھی کیا قصور ہے۔ اس نے ایسا کون سا غلط کام کر دیا ہے جس پر تم اس طرح ناراض ہو رہی ہو۔“

”تمہارے خیال میں یہ غلط کام ہی نہیں ہے؟ تمہارے نزدیک تو پھر کوئی بھی غلط کام نہیں ہوگا۔“

”عمر نے کیا کیا؟ اس نے تمہیں جنید سے ملوایا، تم نے خود اس کو پسند کیا۔۔۔ اور پھر تمہاری ہی مرضی کے مطابق اس نے تمہاری شادی ہو رہی تھی۔“

”عمر سے کس نے کہا تھا کہ وہ جنید سے ملوئے، میرے ساتھ اتنی ہور دی کرنے کی کیا ضرورت تھی اسے؟ غلط جانی کرنے کے اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ کیا میرے اور اس کے درمیان اتنے اچھے تعلقات تھے کہ وہ اپنے بیٹ فریڈ کو میرے لیے اس طرح پیش کر تا اور وہ بھی ایسا دوست جو صرف اس کے کہنے پر مجھے اپنے گلے میں لگا رہا تھا۔“

”طیزو! وائے تم کمال کرتی ہو۔ جنید تمہیں کیوں گلے میں لٹکائے گا۔ تمہاری طرح اسے بھی ایک لڑکی سے ملوایا گیا۔ اسے تم پسند آئیں اس لیے وہ تم سے شادی کر رہا تھا۔ کوٹ شپ اور کسے کہتے ہیں۔ ہماری ٹیلی ویژن میں اسی طرح لڑکے لڑکی کو آپس میں ملوایا جاتا ہے۔ ملوئے والا کون ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اہم چیز تو یہ ہے کہ جس سے ملوایا جا رہا ہے وہ کیسا ہے اور کم از کم میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ عمر نے تمہیں کسی غلط آدمی سے نہیں ملوایا۔ تمہارے نزدیک عمر کا دوست ہونے کے علاوہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اور یہ ایسی خرابی ہے جو تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو نظر نہیں آئے گی۔“

”ہر چیز اس طرح نہیں ہے جس طرح تم میرے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ عمر نے جنید کو پریشاں کر دیا ہے مجھ سے شادی کرنے کے لیے۔“

”یہ ناممکن ہے جنید۔“

”اس نے مجھ سے خود کہا ہے کہ اس کی عمر سے اتنی گہری دوستی ہے کہ عمر اسے میرے بجائے کسی اور سے بھی شادی کا کہتا تو وہ اسی سے شادی کر لیتا۔“ طیزو نے شہلا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”جنید کی طرح کا آدمی لگتا ہے جنہیں کہو آکھیں بند کر کے عمر کے کہنے پر کسی کے بھی گلے میں شادی کا ہار ڈال دیتا یا اس کی ٹیلی اس طرح کی نظر آتی ہے جنہیں کہو کسی بھی لڑکی کو آسانی سے قبول کر لیتے۔“ شہلا نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”جنید جتنا پیچور اور سوہر آدمی ہے وہ کسی بھی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ چاہے یہ بات وہ اپنے منہ سے کہے بھی جن۔ اسے اگر یہ احساس ہو جاتا کہ تم اس کی ٹیلی کے ساتھ ایڈجسٹ ہو سکتیں یا تمہارے ساتھ اس کی انڈر سٹینڈنگ نہیں ہو سکتی تو وہ کبھی بھی تم سے شادی نہ کرتا۔ عمر کے کہنے پر بھی وہ اپنی ٹیلی کو نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔ آخر تم اس بات کو محسوس کیوں نہیں کرتیں۔“

”میں کچھ بھی محسوس کرنا نہیں چاہتی۔ میں اس سب سے باہر نکل چکی ہوں اور میں بہت خوش ہوں۔“

فکندہ اور دور اندیشی کا مظاہرہ کیا جائے تو۔“

”اور یہ دونوں خصوصیات میرے اندر نہیں ہیں۔ یہ تو تم اچھی طرح جانتی ہو۔“ اس نے تیز لہجہ میں کہا۔

”آ خر تم اپنی فکندہ خصلت کو رکھ رہی ہو عزیز۔“ عزیز نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

”اب پھر میرے سامنے تقریر مست کرنا کہ میں پہلے تو ایسی نہیں تھی۔ اب کیوں ہو گی ہوں وغیرہ۔“

”مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تم خود ہی یہ سب جانتی ہو۔“

”ہاں، میں جانتی ہوں اور مجھے اپنی بات دہری سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ یہ عادت دیر سے سیکھی ہے

مگر میرے لئے یہ بہت فائدہ مند ہے۔ دیر آجے درست آجے کہ صدق۔“ عزیز نے سنجیدگی سے کہا۔

شہلا تقریباً تین گھنٹے اس کے ساتھ سرکھا کر اگلے دن پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆☆

عمری منٹ کی الائنٹ کا سن کر خون کے گھونٹ بپا کر رہ گیا۔

اس نے پولیس سروس صرف اس Absolute power (مطلق اختیارات) کے لئے جوائن کی تھی جو کسی پولیس آفیسر کے پاس ہوتی تھی۔ اسے اب یوں لگنے لگا تھا جیسے اس کے پرکاش کر آزادی دی گئی ہے۔ ہرگز نہ! دن اس احساس کو بدلا تا جا رہا تھا اور وہ یہ احساس رکھنے والا واحد آفیسر نہیں تھا۔ اسے اگر بے جا مداخلت بری لگ رہی تھی تو دوسرے آفیسر کو پڑیشن ختم کرنے کے لئے آدھی کا پیکی ٹنگ کر رہا تھا۔ یہ ٹنگ تو کم کی خدمت نہیں تھی جس کے لئے سول سروس میں آتے تھے یہ دو سے چار اور چار سے آٹھ بنانے کا فارمولا تھا۔ جس کو کھینچنے کے لئے لوگ اس میدان میں کدے تھے یا پھر کچھ وہ Authority اس طرف کھینچ لیتی تھی جو کسی بھی آفیسر کے پاس موجود ہوتی تھی اور ری، ہیروڈ کرکسی سے بھی دونوں چیزیں کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

عمر کے ساتھ کسی بھی ہو رہا تھا۔ اب محض دفعہ اسے فارمن سروس سے پولیس سروس میں آنے کے فیصلے پر افسوس ہوتا اور محض دفعہ سول سروس میں سرے سے آنے پر اگر دوسروں کے ہاتھوں کھ پتلیاں بن کر ہی ناچنا تھا تو پھر تو پوری دنیا بڑھ چکی تھی۔ کہیں بھی جا سکتا تھا۔ کہیں بھی کیئر بے جا سکتا تھا۔ آخر پاکستان کی ہی کیوں۔ وہ اکثر سوچتا اور اپنے ٹیڈ ٹیڈ اور کوئیز بے ڈکس کرتا رہتا۔ اس ڈکشن میں حصہ لینے والا وہ واحد شخص تھا وہاں ہر دوسرے بندے کے پاس یہی سائل تھے۔ پارلیمنٹ بگ آری اور ہیروڈ کرکسی دونوں کے لئے جیسے گالی کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

آدھی کے بعد اگر ٹنگ میں کوئی دوسرا آرگنائزڈ اسٹرکچر تھا تو وہ ہیروڈ کرکسی کا ہی تھا اور دونوں ایک دوسرے کے حریفوں، جھگڑوں اور چالوں سے بخوبی واقف تھے، یہی وجہ تھی کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو مات دینے میں نا کام رہتا تھا۔ دوسرے کے پاس پہلے ہی ہر چیز کا توڑ موجود ہوتا تھا۔ دونوں طرف بہترین دماغ اور بدترین سازش موجود تھے۔ دونوں طرف بہترین خوشامد کی اور بہترین ہار داری موجود تھے اور دونوں طرف ذہین ترین اعتقالات بھی بڑی تعداد میں تھے۔ اس بار پہلی بار آدھی نے سول سیٹ اپ پر کاروبار ضرب لگائی تھی اور پہلی بار ہیروڈ

”ہر بے خوف آدمی تمہاری طرح ہی سوچتا ہے۔ مصیبت میں قدم رکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ مصیبت سے نکل چکا ہے۔ آ خر غصہ دیکھ کر کبوتر کی طرح کب تک آٹھیں بند کرتی رہو گی۔“ شہلا نے کچھ بڑکھا۔ ”ہر کام سوچے سمجھے بغیر کرتی ہوتی۔“ ناؤ کو کتنے لوگوں کے سامنے جھوٹ بولانا اور وضاحتیں کرنی پڑیں گی۔ یہ سوچا ہے تم نے؟“

”میں کیوں سوچوں؟ ناؤ جو میں اس کے بارے میں آخرا نہیں نے بھی تو مجھے ہر چیز کے بارے میں اندازے میں رکھا تھا۔“

شہلا کچھ بے بسی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ ”جہیں واقعی کوئی افسوس، کوئی دکھ نہیں ہو رہا۔ اس رشتے کو ختم کر کے۔“

”نہیں۔ مجھے کچھ عرصہ نہیں ہو رہا۔“

”ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے اس کے ساتھ تمہاری انجینٹ کو۔ کیا اتنا آسان ہے تمہارے لیے

اسے بھلانا۔“ عزیز ہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

”مگر میں عمر کو بھلا سکتی ہوں تو جینہ۔ اس کو بھلانا کیا مشکل ہے۔ عمر سے زیادہ لمبی ایسوی الینٹ تو کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتی تھی میری۔“ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

”کہنے میں اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے عزیز۔“ شہلا نے عجیب سے انداز میں کہا۔ عزیز ہ نے دل ہی

دل میں اعتراف کیا۔ واقعی کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔

”اتنے عرصے سے تم جینہ کے گھر آ جا رہی ہو۔ کیا تمہیں اپنی جد سے ہونے والی ان کی پریشانی کا بھی کوئی

احساس نہیں ہو رہا۔“

وہ ساری گفتگو میں پہلی بار الجھ کر خاموش رہی اسے اگر اس سارے معاملے میں کسی سے غرض نہ کی تھی تو وہ

جینہ کے گھر والے ہی تھے اور کم از کم وہ ان کے حوالے سے وہ اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر پا رہی تھی۔

”میرے پاس ان کے لیے معذرت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“ اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

”وہ واقعی یہ سب کچھ deserve نہیں کرتے جو میں کر رہی ہوں مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں

ہے۔“

”دوسرا راستہ؟ عزیز ہ! اجمال ہر راستہ موجود ہے۔ تم اگر اپنے فیصلے پر ایک بار نظر ڈال کر دو۔“

سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ ساتھ تم اپنے معاملے کو بھی سلجھا لو گی۔“

”میں کسی معاملے کو سلجھانا نہیں چاہتی۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ”ہر چیز پوائنٹ آف نو ریٹرن پر پہنچ

چکی ہے۔“

”یا بھائی جا چکی ہے؟“ شہلا نے کچھ بے رویہ کہتے ہوئے کہا۔

”تم یہی سمجھ لو۔“

”زندگی میں کوئی پوائنٹ آف نو ریٹرن نہیں ہوتا۔ ہر بار اور ہر جگہ سے واپس آیا جا سکتا ہے اگر تمھواری

کریں کہ کو واقعی اپنی پاور خطرے میں محسوس ہو گئی تھی۔ کچھ نے عازد آرائی کا دستہ اختیار کیا تھا کچھ نے لہجہ کی جت کے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ عربی ناپ میں شامل تھا اور دوسری ناپ میں شامل ہونے کی تمام کوششوں کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اگلے دن ساڑھے دس ہونے والی اپانکھٹ سے پانچ منٹ پہلے ہی کرل حید کے آفس پہنچ گیا۔ یہ ایک حفاظتی قدم تھا جو تاریکی صورت میں کرل حید کی طرف اپانکھٹ کیسٹل نہ ہونے سے بچنے کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ کرل حید اسے آفس میں نہیں ملا۔ اس کا پیغام ملا۔ اس نے عمر کی اپانکھٹ کیسٹل کروادی تھی کیونکہ بھلا بی اے "صاحب کہہ رہے ہیں کہ وہ بہت مصروف ہیں۔" "یہ تمہارے صاحب کو پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔" عمر نے ناراضی کے عالم میں بی اے سے کہا۔ "اگر انہیں نے اپانکھٹ ملے کی تھی تو انہیں ملنا چاہیے تھا۔" "اپانکھٹ تو سر میں نے ملے کی تھی کرل صاحب نے تو نہیں کی تھی، وہ بھی آپ نے زبردستی اپانکھٹ ملے کروائی تھی۔"

بی اے اب بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ تیزی سے کہہ رہا تھا شاید اسے عمر کے لئے کرل حید سے خامرہ باتیں ملی تھیں عمر کو اس کے سامنے بے پناہ جگہ کا احساس ہوا۔ "وہ آپ کے لئے پیغام دے کر گئے ہیں کہ آپ چاہیں تو فون پر اپنی بات کہہ سکتے ہیں۔" بی اے نے اس سے کہا۔

عمر اس کے پیغام کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے وہاں سے نکل آیا۔ اپنے آفس داہیں آنے کے بعد اس نے ایاز حید کو فون کیا اور انہیں اس تمام مسئلے کی تفصیلات بتا دیں۔ "میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آدی مصالحت نہیں چاہتا۔" اس نے تصدیق دینے کے بعد کہا۔ "یہ آدی صرف میری بے عزتی کرنا چاہتا ہے۔ صرف مجھے اپنے سامنے جھکا نا چاہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔" وہ تقریباً پھٹ پڑا۔

"اور اب تو میں دوبارہ کبھی اس کی شکل تک دیکھنے نہیں چاہوں گا۔" ایاز حید کو دیر خاموشی سے اسے دہرا دیتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"عمر! میں چاہتا ہوں تم چند ماہ کی چھٹی پر چلے جاؤ۔"

"کیا مطلب؟" وہ یک دم ٹھٹھک گیا۔

"ہاں، تم چند ماہ کی چھٹی پر چلے جاؤ، نہ تم یہاں رہو گے نہ یہ مسئلہ پیدا ہو گے۔"

"مگر میں کیوں چھٹی پر چلا جاؤں، اس سے میرا کیا تیر....."

ایاز حید نے اس کی بات کائی، "کیرئیر کی تم فکر مت کرو۔ میں ہوں اس کو دیکھنے کے لئے، تم میں چند ماہ

کے چھٹی پر چلے جاؤ۔"

"میں اس طرح اپنی جاب چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا، آپ....."

"تم نہیں جاؤ گے تو پھر تمہیں بھیج دیا جائے گا۔"

"آپ نے کہا تھا میری فرسٹ فریزر ہے ہیں۔" عمر نے انہیں یاد دلایا۔

"ہاں کر رہے ہیں۔ تمہاری خدمات وفاقی حکومت کو واپس کر رہے ہیں اور وہاں سے تم بھیجے جاؤ گے بلوچستان کو کیونکہ تم کو نہیں ملے گا، اور کن سارا در کیا شہر مل سکتا ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں ابھی طرح ہو گا۔"

عمر کا دل دھک دھک مچا، وہ بلوچستان یا سرحد کیجئے جانے کا مطلب ابھی طرح سمجھتا تھا۔

"پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم چھٹی پر چلے جاؤ۔" کم از کم چھٹی کے بعد تم کسی بہتر پوسٹنگ کی امید تو رکھ سکتے ہو۔"

"انکل! میں دو چار ماہ کی چھٹی نہیں چاہتا۔" عمر یک دم ٹھیکہ ہو گیا

"مجھے دو سال کی چھٹی چاہیے..... انکس پاکستان لیو۔"

"کس لئے؟"

"میں میں واقعی اس سب سے تنگ آ چکا ہوں۔ اگر چھٹی پر ہی جانا ہے تو یہی چھٹی پر کیوں نہیں۔"

"تم کرنا کیا چاہتے ہو انکی لمبی چھٹی کا؟"

"میں کچھ عرصے سوچ رہا تھا کہ وہاں جا کر اپنی اسٹریڈ پر دوبارہ شروع کروں، ایم بی اے کر لوں۔" "اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ دو سال ضائع ہوں گے تمہارے۔" ایاز حید نے اسے بتایا۔

"ہونے دیں۔ ابھی تو مجھے پوچھی گئی ہے جیسے میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔" عمر نے تکی سے کہا۔

"میں اس طرح اپنی tenure پوری ہونے سے پہلے نہیں جانا چاہتا تھا۔ مگر اب اگر یہ مجھے زبردستی فرسٹ فریزر کر دینا چاہتے ہیں تو بہتر ہے میں کبھی چھٹی پر چلا جاؤں۔"

"تم بہت ایک بار پھر جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔ جاب میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔" ایاز حید نے اس بار بہت نرم لہجے میں اس سے کہا۔

"میری جاب میں صرف نیچ ہے۔ اونچ ابھی تک مجھے نظر نہیں آئی۔" عمر نے تکی سے ہنس کر کہا۔

"قادر سروس میں تم کی ہی طرح منہ اٹھا کر بھاگ گئے تھے۔"

"انکل! آپ جانتے ہیں، میں قادر سروس میں کس کی وجہ سے بھاگ تھا۔ پاپا کی وجہ سے۔ ورنہ میں وہاں بیواؤں تھا۔" عمر نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور یہاں پر تم آؤ کی وجہ سے بھاگ رہے ہو۔" ایاز حید نے اپنی بات جاری رکھی۔

"ہر جگہ تم کسی نہ کسی وجہ سے بھاگتے رہو گے تو کام کیسے چلے گا کیرئیر ایسے نہیں بننا چاہیے۔ بڑے جھگڑے ہوتے ہیں۔"

گئی۔ ”عمر کو ہمارے گھر آتے ہوئے بہت غمزدہ ہو گیا ہے۔ جنید اور اس کی دوستی بہت پرانی ہے۔ پرانی دوستیوں میں بہت زیادہ جذبات اور احساسات الوداع ہوتا ہے۔ اس وقت منٹ بہت گہری ہو جاتی ہے اور عمر کو ہمارے لیے ہمارے گھر کے ایک فرد جیسا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ تم اس کیوں اتنا پسند کرتی ہو، یقیناً تمہارے پاس ایسے اچانکد کرنے کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوگی بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے پاس اسے پسند کرنے کی وجوہات ہیں، مگر عمر کو تمہارے اور جنید کے درمیان مسئلہ نہیں بننا چاہیے۔“

وہ چند لمحوں کے لیے رکھیں۔

”جنید تم سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت عمر کی وجہ سے نہیں ہے۔ علیحدہ تم ابھی ہمارے گھر نہیں آئی ہو، لیکن تم پچھلے ایک سال سے ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ ہو، ہم سب کو بہت عادت ہو گئی ہے تمہاری یہ شادی نہ ہونے سے صرف جنید متاثر نہیں ہوگا۔ ہم سب متاثر ہوں گے اور تم بھی متاثر ہوگی۔ ہمیں جنید سے ناراضی کا حق ہے لیکن اس ناراضی میں کم از کم تمہیں تو جینید کی کوئی اعتقاد حرکت یا قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔“ وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ ”ہم سب نے ہی تم سے عمر کے بارے میں چھپایا مگر یہ اس لیے نہیں تھا کہ تمہیں جو کچھ دینا چاہتے تھے، یہ صرف اس لیے تھا کیونکہ ہم لوگ تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔ عمر کو جنید کا صرف دوست ہے مگر تم تو ہماری فیملی کا حصہ ہیں جاؤ گی۔ ہمارے لیے کسی کی اہمیت زیادہ ہے تم اندازہ کر سکتی ہو، جنید کے لیے کسی کی اہمیت زیادہ ہے یہ بھی تم جان سکتی ہو، جنہیں اگر یہ یاد ہے کہ عمر ہمارے گھر آئے تو میں عمر کو منگ کر دوں گی۔ وہ گھر نہیں آئے گا مگر جہاں تک جنید اور عمر کی دوستی کا تعلق ہے اس کو رہنے دو۔ علیحدہ! ان کے اس تعلق سے تمہاری اور جنید کی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ میں جنہیں اس بات کی گارنٹی دیتی ہوں عمر کو اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح رشکوں کو ختم کرنا کہ ان میں تم سے اس کی توقع نہیں کرتی۔ علیحدہ! ہم سب بہت پریشان ہیں نہ صرف یہ بلکہ جنید بھی۔ میں جانتی ہوں کچھ بھی ختم نہ ہو سب کچھ دنیا ہی رہے۔ جنید میرے ساتھ آیا ہوا ہے اور تم سے معذرت کرنے کے لیے تیار ہے۔“

علیحدہ بالکل لا جواب تھی۔ وہ جنید کے گھر والوں کا سامنا کرتی کیا ہے کہ ان سے بات کرتی مگر جنید کی ایسی طرح اچانک اس کے پاس آگئی تھیں کہ وہ اپنی مدافعت کے لیے ان سے کچھ بھی نہیں کہہ پاتی تھی۔

”ہماری زندگی ہمیشہ سے بڑی smooth (ہموار) رہی ہے، ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس طرح اچانک ہمارا زندگی میں کوئی کرکس آئے گا۔“

وہ ایک بار پھر کہنے لگیں۔ علیحدہ کے اعصاب کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا، وہاں بیٹھے ایک دم اسے اپنی ہر دھن کے لیے کاروبار یا اقدام بھگانے لگا تھا۔

”اس لیے ہم تو کبھی یہ نہیں بارے کہ ہم کیا کریں، ابھی بہت زیادہ لوگوں کو یہ نہیں چلا مگر..... کچھ دنوں میں..... نہیں علیحدہ! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری میری فیملی کے ساتھ اتنی وابستگی ہے کہ تم ہماری زندگی کو سمجھو، اس شرمندگی اور یہ عزتی کا اندازہ کر سکو جس کا سامنا میری فیملی کو پڑا ہے گا اور صرف میری نہیں تمہاری فیملی کی، میں حیران ہوں کہ اتنی چھوٹی سی بات پر تم نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا کیا تم نے اس کے نتائج کے بارے میں سوچا؟“

علیحدہ ان کے احساسات اور ذاتی کیفیات کو سمجھ رہی تھی، وہ یقیناً بہت زیادہ پریشان تھیں۔ علیحدہ کے پاس اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی جنید کی ایسی بہت دیر تک اسے سمجھاتی رہی تھیں اور شاید اس کی یہ مسلسل خاموشی انہیں حوصلہ افزائی تھی، وہ بہت دیر کے بعد اگلے دن دوبارہ آنے کا کہہ کر رخصت ہوئیں۔

جنید کی ایسی کوکمراس کی خاموشی، اس کا ہتھیار ڈال دینا لگا تھا تو واقعی ایسا ہی تھا۔ جن باتوں پر اسے پہلے سوچنا چاہیے تھا، وہ ان کے بارے میں اب سوچ رہی تھی۔ اشتعال اور جلد بازی میں کیے ہوئے فیصلے کے مضمرات اب مکمل باراس کے سامنے آ رہے تھے۔ یہ یقیناً جنید کی ایسی گفتگو کا نتیجہ نہیں تھا، اگرچہ ان کی گفتگو اس کی کنفیوژن اور بھڑکاوے میں اضافہ نہ کیا تھا مگر وہ اس بھڑکاوے کا موجب نہیں تھیں۔ اسے ہر ایک سے اسی رد عمل کی توقع تھی کہ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ خود اس قدر شرمندگی اور ندامت محسوس کرے گی، اگر دوسروں کو میری پروا نہیں ہے تو مجھے بھی دوسروں کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ اس نے وہ فوسل شائع کروانے سے پہلے سوچا تھا لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ دوسروں کی پروا کرنے کے لیے مجبور ہے۔ کم از کم وہ ہر شخص کو ناراض کر کے خوش رہنے والے لوگوں میں شامل ہونے کی صلاحیت یا اہلیت نہیں کھیتی تھی اور جنید کا واقعی اس کے لیے کوئی احساسات رکھتی تھی.....؟ اس شخص کے لیے جسے وہ چند ہفتوں میں اپنے ہم سفر کے طور پر دیکھ رہی تھی جس کے ساتھ وہ پچھلے ایک سال سے منسوب تھی جس کے ساتھ وہ مستقبل کو پلان کرتی پھر رہی تھی۔

وہ بار بار خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جنید کو اس سے محبت نہیں ہے۔ اس سے شادی صرف عمر کی خواہش کا احترام تھا لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ دوسری طرف جو کچھ بھی تھا، کم از کم اس کے لیے جنید کوئی عام شخص نہیں رہا تھا، وہ اسے بار بار یاد آ رہا تھا قہار آہستہ آہستہ اس کا غضب اور اشتعال ختم ہو رہے تھے۔

اگلے دو تین دن جنید کے گھر والے آ رہے، جنید بار بار فون کرتا رہا۔ ناٹو اسے سمجھاتی رہیں، عمید اپنی مجبوریاں اسے بتاتی رہیں، سکندر نے کہا جی سے لاہور آ کر اس مارے معاملے پر اس سے بات کی۔

اس نے جو تھے دن ہتھیار ڈال دیے۔ اس نے اعتراف کیا تھا وہ پریشر کے سامنے نہیں ٹک سکتی تھی۔ وہ مضبوط نہیں تھی، اگر وہ ایسی کوشش کر رہی تھی تو بھی کیا وہ جنید اور اس کی فیملی کے بغیر رہ سکتی تھی۔ وہ جنید رہ سکتی تھی..... وہ انہیں بھول نہیں سکتی تھی۔ وہ انہیں کات کر اپنی زندگی کے الگ نہیں کر سکتی تھی۔

ناٹو نے اس کے فیصلے پر سکون کا سانس لیا تھا، اس کے اس فیصلے سے سب سے زیادہ مسائل کا سامنا انہیں ہی کرنا پڑتا تھا، وہ خوش تھیں کہ وہ سچ نکلیں۔

”نہیں نہیں جانتا۔ میں تمہارا شکر یہ کیسے ادا کروں؟“ جنید نے فون پر اس سے کہا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ علیحدہ نے جوابا کہا۔

”تم میرے لیے بہت اہم ہو۔“

”میں جانتی ہوں۔“ اس نے زخمی آکھا۔

”Last few days were a nightmare I'm happy I'm out of it“

(پچھلے چند دن ایک بمبیاک خواب کی طرح تھے، میں خوش ہوں کہ وہ اس سے نکل آیا)
وہ اس کے لہجہ سے اس کے سکون اور اطمینان کا اندازہ کر سکتی تھی۔

”جیندا آپ نے ایک حقیقت مجھے بتادی، ایک مجھے آپ کو بتائی ہے۔ کیا ہم کل مل سکتے ہیں؟“ علیزہ نے کہا۔

”کل..... کل نہیں، کل میں مصروف ہوں گا۔“ جیندا کو یاد تھا کل عرلاہور آ رہا تھا اور اسے عمر کے ساتھ ہونا تھا۔

”پرسوں ملتے ہیں۔“ ”ٹھیک ہے، پرسوں ملتے ہیں۔“

☆☆☆

عمر اور جیندا ریسٹورنٹ میں بیٹھے ڈزکر رہے تھے۔

”بھروسہ کی کتنی ڈینٹ کب ملے ہو رہی ہے؟“ عمر نے کانٹے سے پھلی کے ایک ٹکڑے کو منہ میں ڈالنے

ہوئے لہجہ

”پرسوں بابا چارے ہیں امی کے ساتھ۔“ اس نے ملا کر ایک ٹکڑا اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

”ہو سکتا ہے۔ پرانی والی ڈینٹ ہی دوبارہ رکھ دیں۔ ابھی بھی دس دن تو ہیں ایک ٹوکس اور دینا پڑے گا۔“

جیندا نے کہا۔

”نہیں یاد آؤ ڈینٹ پیچ کر دو۔ اس طرح تو ہم لوگ بڑے مشکوک ہو جائیں گے کہ یہ نہیں پہلے کیوں شادی

کینسل کر رہے تھے اور اب کیوں دوبارہ اس ڈینٹ پر کمر ہے ہیں۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ لڑکی نے کوئی مسئلہ کھڑا کیا

ہے۔“ عمر ہنسنے لگا انداز میں بولا۔

”میں مسئلہ کھڑا تو لڑکی نے ہی کیا تھا۔“ جیندا نے کہا۔

”نہیں جو بھی تھا۔ ہم لڑکی والے ہیں، ہماری پوزیشن خراب ہو گی۔“ عمر نے اس کے جینے کو نظر انداز

کرے ہوئے کہا۔

”اس سارے معاملے میں لڑکی والوں کا رد تو ہماری رہا ہے۔ تم تو لوگوں کو کیا پریشان ہوئی ہے، سب کچھ

تو ہمیں ہی کرنا پڑا ہے۔ منت سہج متائیاں دغا متیں اور کیا کیا کچھ۔“

عمر نے پھلی کھاتے کھاتے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”you deserved it“

تمہارے ساتھ یہی ہونا تھا کیونکہ کیا دھرا تو تمہارا ہی تھا۔“ اس نے علیزہ کی سے جیندا سے کہا۔

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس کو میرے.....“ جیندا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تم چرو ہو، ڈاکو ہو کیا ہو کہ میں تمہارے ساتھ اپنے تعلق کو اس سے چھپاتا۔“

”میں پولیس والا ہوں اور وہ میرے ان دونوں سے زیادہ برا سمجھتی ہے۔“ عمر بیٹھے ہوئے دوبارہ اپنی پلیٹ کی

طرف متوجہ ہوا۔

”اگر کسی شخص سے محبت ہو تو اس سے وابستہ ہر شخص سے محبت ہو جاتی ہے۔“

عمر نے کھانا کھاتے ہوئے اپنے اختیار قبضہ لگایا۔ جیندا اس کے قہقہے پر کچھ جھپٹ گیا۔

”اس سے زیادہ مہسا پنا جملہ تم اس موقع پر نہیں بول سکتے تھے۔ یہ کہاں سے پڑھ لیا ہے تم نے جس سے

محبت ہو، اس سے وابستہ ہر چیز سے محبت ہو جاتی ہے۔“ وہ اب بھی اس کے فقرے پر منظور ہو رہا تھا۔

”میں نے پڑھا نہیں، میں نے سنا ہے۔“

”تو آپ نے غلط سنا ہے جیندا ابراہیم صاحب! ایسا تو غاروں کے زمانے کا انسان بھی نہیں کرتا ہوگا اور

آپ بیٹھے ہیں ایک جدید دور میں۔“

”زمانہ بدلا ہے..... احساسات اور جذبات تو نہیں بدلے۔“

”یہ کی تمہاری ذاتی رائے ہے، مشفق دور کے انسان کے جذبات بھی بدل چکے ہیں۔“

”جی جی ہے، اس کو مجھ سے وابستہ لوگوں کی پروا کرنی چاہیے اور تم مجھ سے وابستہ ہو۔“

”اوہ بھی کیوں کرنی چاہیے کیا تم کرتے ہو؟“ جیندا نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

”میں ان تمام لوگوں سے محبت کرتا ہوں جن سے وہ کرتی ہے۔“

”اچھا؟ تو پھر جنہیں ان تمام لوگوں سے نفرت بھی ہوتی چاہیے، جن سے وہ کرتی ہے۔“

جیندا جواب ہونیکا۔ عمر ایک بار پھر اطمینان سے پھلی کھاتے میں مصروف تھا۔

”آسان اپنی جگہ چھوڑ دو گا، زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائے گی مگر مجھے یہ تو حق نہیں رکھنی چاہیے کہ تم علیزہ

کے خلاف کچھ کہو کہ اور اس کے خلاف میری حمایت کرنا تو میرے ہی ایک خواب ہے۔“

جیندا نے اپنی پلیٹ میں پڑا ہوا بیج اٹھاتے ہوئے کہا۔ عمر اس کی بات پر مسکرایا۔

”درست..... تم پر کوشش کر کیوں رہے ہو، تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ ہماری فٹلی کا سلوکن ہے We are

always right اور اپنی فٹلی کے ایک ہمسر کے خلاف اس طرح ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر میں باتیں کروں، سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔“

”چھپتے کچھ نہیں کہا۔ اس نے صرف ایک گہرا سانس لے کر اپنی پلیٹ میں کچھ ساس اور ڈالی، عمر

مسکرانے لگا۔

”تمہاری یہ کزن.....“ جیندا نے کچھ کہنا چاہا عمر نے سمنیں اچکاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

”اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے۔“ ”میری کزن“ وہ جہاری ہوئے والی چلی ہے۔“ عمر نے صبح کی۔

”اوکے، اوکے، اوکے My bride to be“ جیندا نے کندھے سے جھپٹتے ہوئے کہا۔ ”یہ اسی طرح بعد میں کہے

گی تو میں کیا کروں گا؟“

”بعد میں کیا کرے گی۔ کم از کم جیندا تم لوگوں کے درمیان واحد مسئلہ میں ہوں۔ میں یہاں ہوں گا نہیں تو

تم لوگوں کا جھڑا کس چیز پر ہوتا ہے۔“

”تم کہیں اس لیے تو باہر نہیں جا رہے؟“ عینہ نے اچانک پوچھا۔ ”روز اس طرح چھٹی پر جانے کا تمہارا ارادہ پہلے تو نہیں تھا۔“

”کس قدر ذہین آدمی ہو تم۔“ عمر نے اسے سراہا۔ ”میں تو اندازہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ تم اتنی جلدی یہ سب جان جاؤ گے۔“

اس کی نظر میں اب عینہ کے لیے مضحکہ اڑاتی ہوئی سائنس تھی عینہ بے اختیار کچھ شرمندہ ہوا۔

”میرا دماغ خراب ہے کہ میں تم دونوں کی خاطر باہر چلا جاؤں گا۔“ اس بار عمر نے بدلے ہوئے لہجے میں تیز اور بلند آواز کے ساتھ کہا۔ ”میری اسے ہی آدھ دیکھو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں کس طرح گردن تک پھنسا ہوا ہوں اور تم یہاں بیٹھے افقوں کی طرح اندازہ لگا رہے ہو۔“

”مجھے ایسے ہی ایک خیال آیا۔“ عینہ نے قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”تم ایسے خیالات سے اپنے دماغ کو خراب کر دو۔“ عمر سلا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”طنیڑہ ایک اچھی بوی اور محبت کرنے والی ماں ثابت ہوگی۔“

عینہ اس کے تمبر سے پر مسکرایا۔

I don't doubt that (مجھے اس میں شبہ نہیں ہے)

”تو پھر آخر پر اہم ہی کیا ہے، وہ بھی ایسی اگر تمہیں شادی کرنی ہے تو پھر اس طرح کی بے عزتی برداشت کرنے کا عادی ہونا چاہیے۔“ عمر بات کرتے کرتے پھر اس کا مذاق اڑانے لگا۔

”جس سے بھی شادی کرو گے فرمانبردار اور غلام کی زندگی ہی گزار دو گے۔ یہ شادی کی ایک Prerequisite (لازمی جزو) ہے جو ہر مرد کو پوری کرنی ہوتی ہے۔ کم از کم میں نے کوئی ایسا شوہر نہیں دیکھا، جس میں فرمانبرداری کی غرضی نہ پائی جاتی ہو۔“

”تمہیں بہت تجربہ ہے ان تمام معاملات کا۔“ عینہ نے کچھ چیختے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہاں بہت زیادہ تجربہ ہے مجھے۔ اپنے اور مرد کے لوگوں سے حاصل کیا ہے، آج میں دو پہر کو کہاں کے ساتھ تھا۔ وہ اپنا گھر بنا رہا ہے، بے چارے نے اپنے جیلدرم کی کلر سیم اپنی مرضی کی گئی۔ تانیہ آج اچانک دیکھنے چلی گئی۔ ہم دونوں لچ کر رہے تھے جب وہ واپس گھر آئی اور اس نے وہ بے عزتی کی عباس کی کہ اس کی طبیعت صاف ہو گئی۔ بے چارے نے اسی وقت فون کر کے کلر سیم بدلانے کا کہا۔“ وہ بے حد محظوظ ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”تمہیں شرم آتی چاہیے پھر ان مذاق اڑا رہے ہو اپنے کزن کا۔“ عینہ نے کچھ نفیس لے کہا۔

”مجھے کیوں شرم آتی چاہیے، میں تو بڑے اطمینان سے لچ کر بنا رہا اور عباس کی وضاحتیں اور معذرتیں سنتا رہا۔ یہ وہ عاقل تھا جو اپنے پردوں پر پانی نہیں پڑنے دیتا تھا تو انکی اس کے سامنے اونچی آواز میں بات کر لیتا تو ہنگامہ کھڑا کر دیتا اور اب جب تانیہ کو فہم آتا ہے تو وہ آسمان سر پر اٹھائیں ہے اور وہ کہہ رہا ہوتا ہے سویت ہارٹ، ڈارلنگ، امی۔“ وہ اب کھٹکھٹا رہا تھا۔

”طنیڑہ آہستہ۔ ملازمین رہے ہیں۔ یہ دیکھو عمر آیا ہوا ہے۔ وہ کیا کہے گا۔۔۔ میں نے تانیہ سے کہا کہ بالکل فکر نہ کرو نہ ملازمین رہے ہیں نہ بھی میں کچھ کہوں گا تم اطمینان سے یہ سلسلہ جاری رکھو۔“

اس بار عینہ اس کی بات پر ہنس پڑا۔ ”تم بھی بڑے ہی کیٹے انسان ہو، تم شادی کیسے ہو دوسروں کا۔“

”مجھے ان دنوں کاموں کی خاص تربیت دی گئی ہے مول سروس میں اور پولیس میں کیٹنگی اور تم شادی کیسے کی اضافی صلاحیت کی وجہ سے ہی شمولیت اختیار کی تھی میں نے یہ صلاحیت نہ ہوئی تب بھی اتنا عرصہ پولیس میں رہ کر خود ہی آ جاتی۔“

عمر بیٹو کا رڈ پر نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا، وہ شاید کچھ اور منگوانے کا سوچ رہا تھا۔

”تم شادی کرو گے تو میں دیکھوں گا۔ تم کہتے تھے میرا خان ثابت ہوتے ہو، تم بھی اسی طرح کی فرمانبرداری دکھا رہے ہو جس پر دوسروں کا مذاق اڑا رہے ہو۔“

”میں اس لیے شادی کر رہی نہیں رہا ہوں، زندگی آزاد ہی گزار لی چاہیے یا بند یوں کے بغیر۔“ اس نے دیگر کولا کر ایک اور ڈش کا آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

”اور جڑی اس کا بھی سبب خیال ہے؟“ عینہ اس بار کچھ عینہ ہو گیا۔

”جڑی کا ذکر یہاں کہاں سے آ گیا؟“ عمر نے حیرانی سے کہا۔

”کیوں تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟“

”نہیں۔۔۔ تم جانتے ہو گوڈ مرٹ سروس میں رہ کر میں کسی غیر ملکی سے تو شادی نہیں کر سکتا۔“

”مگر تم تو اس میں ہمیشہ سے غلط تھے۔“

”وہ تو اب بھی ہوں۔ مگر شادی؟“ عینہ شاید اگر کبھی سروس چھوڑ دی اور شادی کے بارے میں سوچنے لگا تو شاید جوڑی سے ہی کر لوں۔“

”اب سروس چھوڑنے کا سوچ رہے ہو؟“ عینہ کی عجیبی گئی میں کچھ اضافہ ہو گیا۔

”فوری حدود پر تو نہیں مگر In the long run شاید۔۔۔ ابھی میں ایم بی اے کروں گا پھر اگر کسی انٹرنیشنل ایجنسی میں جا چھو تو قی تو دوبارہ پاکستان نہیں آؤں گا، مذمتی تب میں ہی انچ ڈی کروں گا پھر دیکھوں گا کیا آپشنز ہوتے ہیں میرے پاس، ہو سکتا ہے تب تک پاکستان میں حالات کچھ بہتر ہو جائیں اور میں دوبارہ جاب کے لیے یہاں آ جاؤں کر ابھی میرے پاس بہت سارے ”شاید“ ہیں۔ وہ بخیر ہو گیا۔

”تمہیں کہیں بھی تک کر بیٹنے کی عادت نہیں ہے، اب آہستہ آہستہ یہ عادت اپنالو۔“ عمر اس کی نصیحت پر مسکرایا۔

”میں چھٹی ہوں۔ میں کہیں بھی بہت دیر تک نہیں رہ سکتا، یہ سب کچھ کہنے سے نہیں آتا یہ کچھ قدرتی ہوتا ہے۔“ اس بار اس کی آواز قدرے دھیمی تھی۔ شاید کچھ اور سال گزر جانے کے بعد مجھ میں کچھ تبدیلیاں آ جائیں۔

”God Knows“

اس نے ڈانٹنگ ہال میں ادھر ادھر نظر سر دوڑاتے ہوئے خالی لہجہ میں کہا۔ ”مجھنی پر کب جا رہے ہو۔“

جینے نے موضوع بدل دیا۔

”بس کچھ دلوں کی بات ہے، سامان وغیرہ کی پینکنگ شروع کر دادی ہے، میں تک میں لاہور میں ہوں گا بائیس کو فلائٹ سے میری۔“

جینہ کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔

”کیا مطلب؟“

”کس بات کا؟“

”کہاں کی فلائٹ ہے تمہاری؟“

”امریکہ کی۔“

”تم میری شادی انیڈیا کیے بغیر جاؤ گے؟“ جینہ کو یقین نہیں آیا۔

”مجبوری ہے۔“

”کیا مجبوری ہے؟“ جینہ برہم ہو گیا۔

”مجھے امریکہ جا کر اپنے آہنڈو دیکھنا ہیں۔ کون سی یونیورسٹی بہتر رہے گی اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں..... میں نے تو آج اپنی فلائٹ کی بجگہ بھی کر دالی ہے۔“

”I don't believe it، تم میرے ساتھ اس طرح کرو گے۔“

”کیا کر رہا ہوں جینہ! میرا اہم بھجویار۔“

”کیا براہم کچھوں میری شادی روز روز تو نہیں ہوگی۔“

”مجھے پتا ہے روز روز نہیں ہوگی لیکن میں دلیس آؤں گا، یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہونے کے بعد کلاسز شروع ہونے سے پہلے آؤں گا۔ تم لوگوں کو ڈرنیور دوں گا مگر مت کرو۔“ عمر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”اتنی جلدی تمہیں کیسے مل گئی، ابھی تو تم نے چارن پھوڑا بھی نہیں ہے اور تمہیں خود احساس ہو جاوے تھا دو تین دن آگے پیچھے ہو جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔ نہیں کو مجھے امریکہ میں ہونا ہے، ہر قیمت پر کیونکہ ایک لمبا چوڑا سلسلہ ہے وہاں میرے کاموں کا، یہ ایک اتفاق ہی ہے کہ مجھے بائیس کی فلائٹ کی دن میں تو میں نے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اب میں کو لاہور پہنچنا ہوگا۔ تمہارے ساتھ سارا دن گزاروں گا بلکہ تمہارے گھر پر۔ میری اور تمہاری دوستی اہم ہے، شادی میں آنا نہ آنا اہم نہیں ہوتا۔“

”میرے لیے بہت اہم ہے تم جو کر۔۔۔۔۔“

عمر نے اس کی بات کاٹی۔

”اچھا تم ایسا کرتا کہ تم میری شادی پر نہ آنا ٹھیک..... حساب برابر ہو جائے گا۔“

جینہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ ”علیہ تمہارے بارے میں جو کچھ کہتی ہے، ٹھیک کہتی ہے۔“

”تمہیں واقعی دوسروں کے جذبات اور احساسات کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ٹھیک ہے، مت آؤ میری شادی پر میری طرف سے بھڑا میں جاؤ۔“ جینہ ویز کو اشارہ کرتے لگا۔

”ویز کو مت بلاؤ۔ میرا خاصا لمبا ڈز کر نے کا ارادہ ہے، ابھی تو ایک اور کورس چلے گا۔“

عمر نے کہا۔ جینہ ویز کو اشارہ کرتے کرتے رک گیا۔

”بس اب اپنا قصہ ختم کر دیاں بیو۔ تمہیں پتا ہے تمہارے غصے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، میں دیکھوں گا اگر ممکن ہو تو فلائٹ کیسٹل کر دوں گا۔“ عمر نے اسے تسلی دی۔

”تم وعدہ کر رہے ہو؟“ جینہ نے کہا۔

”میں ایک امکان کی بات کر رہا ہوں۔“

”مجھے تمہارے امکانات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھ سے صاف صاف بات کرو۔“ جینہ نے کہا۔

”یہ بحث ڈز کے بعد کریں گے، ابھی کھانا انچوائس کر دیا۔“ عمر نے اسے ٹالا۔

جینہ کچھ دیر اسے گھورتا رہا اور ایک بار پھر اپنی پلٹ پر جھک گیا، کچھ دیر کے بعد وہ پہلے کی طرح کپ شپ میں مصروف تھے۔

کھانا ختم کرنے کے بعد عمر نے اپنا والٹ نکال لیا۔

”میں مل دوں گا۔“ جینہ نے اس سے کہا۔ ”تم کو یہاں میں لایا تھا۔“

”نہیں آج میں دوں گا بیٹھ تمہارا کھانا ہے آج تم پولیس والوں کا بھی کھاؤ۔“ عمر نے اپنا والٹ کھولنے ہوئے کہا۔

”مقرر کیوں نہیں، دو مل۔“ جینہ نے لا پرواہی سے اپنا والٹ دوبارہ اپنی پاکٹ میں رکھ لیا۔ عمر نے ویز کو اشارہ کیا تھا۔

”جینہ! میری گاڑی تم لے لو۔“ اس نے اچانک کہا۔

”تم لے لے بیٹا پتا ہے ہو؟“

”چھوٹا شہر کر دیاں جیڑیں تمہیں نہیں ہیں گا؟“ عمر نے اُکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ اب مل دیکھتے ہوئے ویز کو ادھر اٹھتی کر رہا تھا۔

”بھڑ۔۔۔۔۔“

”آخر کر رہا ہوں کہ تم لے لو، تجھ دے رہا ہوں یا را میں تو جا رہا ہوں گاڑی کا اب کیا کرتا ہے، بیٹا میں تمہیں چاہتا کیونکہ جلدی میں جس طرح چیزیں بکتی ہیں، تم جانتے ہو اور رکھ میں سکتا نہیں۔ یہاں پاکستان میں گورنر دیکھے گا اسے تم میری طرف سے شادی کا تحفہ سمجھو، پچھلے سال لی ہے یا۔۔۔۔۔ ابھی تو بالکل نئی ہے۔“

”لیکن میرے پاس تو گاڑی ہے۔“ جینہ نے کہا۔

”کوئی بات نہیں یہ بھی رکھ لو، یہ تم لے لو اپنی دالی علیہ کو گفٹ کر دینا۔“ جینہ اس کی بات پر ہنسا۔

”تمہاری گاڑی کو پچھانی ہے۔ طوفان کھڑا نہیں کرے گی وہ؟“

”نہیں کرے گی یا راجھا، اسے اتنا بھی فرما دیا رہنے کی ضرورت نہیں ہے جہیں۔“

”اچھا لیتا ہوں۔“

عمر مسکرایا۔ ”اور میرا سامان گرہنی کی انکس میں آجائے گا۔ تم اور علویہ کو ہا تو وہ بھی لے لو۔“ جینیہ نے

جبرانی سے اسے دیکھا۔

”کیوں.....؟“

”میں نے تمہیں بتایا ہے، میں لمبے عرصے تک باہر رہتا چاہتا ہوں۔ سامان پڑا خراب ہوتا رہے گا،

ویسے بھی داہیں آکر میں سب کچھ نالوں گا۔“ عمر نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تمہیں اتنا حاتم ملانی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ داہیں آکر ان چیزوں کو خود استعمال کرنا۔“ جینیہ نے

اسے ہنسا کر۔

”بھری آفر بہرہ قرار ہے۔ تم اور علویہ جو چاہو، اس میں سے لے سکتے ہو۔“ عمر مسکرا۔

”گاڑی بہت کافی ہے۔ اس سے زیادہ ہنگامہ خیز شادی پر کوئی اور نہیں دے گا اور میں بہت زیادہ

متاثر اور محروم ہو گیا ہوں۔ مزید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری چیزوں کا خیال رکھوں گا۔ علویہ وہ، نا تو

ہیں کیوں خراب ہوگا سامان؟“

”گرہنی علویہ کی شادی کے بعد انکل ایاز کے ساتھ رہیں گی اسلام آباد میں، ملازم ہی ہوں گے دو چار، وہ

بھی اپنے کوارٹر میں، مگر تو تقریباً بندی ہو جائے گا۔ کون دیکھے گا۔“ وہ اب ریٹورنٹ سے باہر نکل آئے تھے۔

”تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں اور علویہ جاتے رہیں گے وہاں کوئی چیز خراب نہیں ہوگی

I assure you۔“ جینیہ نے اسے یقین دہانی کروائی۔

”تم کون سا صدیوں کے لیے جا رہے ہو، دو سال بعد آؤ گے ہی بلکہ اس سے پہلے ہی آنے کی کوشش

کرنا۔“ جینیہ نے اس سے کہا۔

”یہ تو آگے چل کر ہی بتا چلے گا۔“ عمر نے کہا۔

☆☆☆

”مجھے عرصے بہت تھی، ویسے ہی محبت بھی آپ کرتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ آپ کا دوست ہے

اور میری محبت..... میرے لیے کسی زمانے میں وہ سب سے اہم شخص تھا، اتنا اہم کہ میں اسے کہنے پر کچھ بھی کر سکتی

تھی۔ تب مجھے یہ غلطی تھی کہ شاید میری محبت جیگر نہیں ہے عمر بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔“

اس نے بت سنے جینیہ کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔ اس نے اپنی کافی میں ایک چمچ چینی کا اضافہ کیا اور اپنی بات

جاری رکھی۔

”ایسا نہیں تھا۔ اسے مجھ سے محبت نہیں تھی، اسے مجھ میں دلچسپی تک نہیں تھی۔ اس کے نزدیک میں ایک

انچور، ایسوشل، اسٹاک کرن تھی اس نے مجھے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں سمجھایا پھر شاید یہ جوڑتھی تھی جس کی جگہ اس نے مجھے نہیں دی میں نے اسے ٹانو کے ذریعے پوچھ لیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ یہ میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا، ہم دونوں کے درمیان کچھ ختم ہو گیا صرف تھی رو گئی۔ اس نے زندگی میں کبھی بھی مجھ سے جگ نہیں بولا کبھی نہیں۔ ہمیشہ جھوٹ ہوتا تھا اس کی زبان پر، ہر چیز، ہر حقیقت کو اس نے مجھ سے چھپایا مگر مجھے سب کچھ پتا چلا گیا۔ کچھ وقت لگا مگر میں اس کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لیے ناپسند کرتی ہوں میں عمر کو، اس لیے نہیں کہ اس نے میرے پر پوزل کو ٹھکرا دیا، شاید شروع میں سیدہ ہو مگر بعد میں یہ اس کی اصلیت تھی جس نے مجھے اس سے برگشتہ کیا۔ وہ میرا پر پوزل قبول کر لیتا تو بھی میرے لیے عمر کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا، میں کسی سنا فنی اور دوغلے آدمی کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی اور جو آدمی ہے، وہ خود غرض اور خال بھی ہو۔ اس کے ساتھ تو..... آپ کو عمر کے بارے میں میں نے سب کچھ نہیں بتایا کیونکہ مجھے آپ کے اور عمر کے تعلق کا پتہ نہیں تھا ورنہ میں یہ سب کچھ آپ کو بہت پہلے بتا دیتی، ہم جس کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہاں اس طرح کی پسندیدگی اور ups break بہت عام ہیں، کوئی بھی شادی کرتے ہوئے یہ ساری چیزیں اٹھا کر دوسرے پارٹنر کے سامنے نہیں رکھتا نہ ہی ایسی چیزوں کے بارے میں اس سے پوچھتا ہے۔ میرے لیے کچھ یہ بہت عام بات ہے لیکن اب جب مجھے آپ کے اور عمر کے درمیان تعلق کا پتا چل چکا ہے تو پھر آپ کو کبھی میرے اور عمر کے بارے میں سب کچھ پتا ہونا چاہیے۔ سب کچھ..... میں اسے پسند کرتی تھی۔ میں نے اس سے شادی کرنے کی کوشش کی میں ناکام رہی اور میں اب اس سے محبت نہیں کرتی ہوں میں شاید اب اس سے نفرت بھی نہیں کرتی ہوں۔

مگر ابھی تک دوبارہ شادی کی تاریخ کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا۔ اب آپ خود یہ طے کر لیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔“

وہ کافی کا آخری سپ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جینیہ ہلانک نہیں، کسی جیسے کی طرح وہ منگ، دم بخود وہاں بیٹھا تھا۔ علویہ مزید کچھ کہے بغیر ریٹورنٹ سے باہر نکلی۔

جینیہ کا ذہن آندھنیوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ عمر جہانگیر..... اس نے یہ سب کیوں کیا.....؟ اس طرح؟ صرف علویہ نہیں تھی جسے تاریکی میں رکھا گیا تھا، وہ دو بھی اسی طرح اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ جینیہ نے اپنے احساسات کو شفاف کرنے کی کوشش کی..... کیا یہ قابل یقین تھا کہ وہ عمر جہانگیر علویہ کے بارے میں یہ جاننے کے باوجود کوئی خاص گوشہ نہیں رکھتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی تھی..... کیا وہ واقعی جوڑتھی سے محبت کرتا تھا..... اسے کیا کرنا چاہیے تھا..... کیا عمر سے بات کرنی چاہیے تھی..... کیا جوڑتھی سے بات کرنی چاہیے تھی..... وہ اس تاریکی سے لکھنا چاہتا تھا جس میں عمر اسے رکھ رہا تھا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے احساسات کو ٹٹولنے کو پچھانی کی کوشش کی غصہ..... غصہ..... وہ زندگی میں بھی اتنا مشتعل نہیں ہوا تھا۔

اسے حیرت ہوئی، وہ عام طور پر کتابیں بھی اسی طرح نہیں رکھتا تھا۔ پھر اسے یاد آیا رات کو وہ یہ کتاب پڑھ رہا تھا جب جوڑتھ کی کال آئی تھی۔ اس نے فون پر اس سے بات کرتے کرتے کچھ بے دھانی کے عالم میں کتاب کو یک ماہر رکھ کر بند کرنے کے بجائے اسی طرح سائیز نیل پر رکھ دیا۔ وہ جوڑتھ سے بات ختم کرنے کے بعد دوبارہ اس کتاب کو پڑھنا چاہ رہا تھا مگر جوڑتھ سے اس کی بات بہت لمبی ہو گئی اور اس نے جس وقت فون بند کیا۔ اس وقت عمر کو تین آٹھ گئی تھی۔ وہ کتاب کی طرف متوجہ ہوئے بغیر ہی سو گیا تھا۔

اس نے کتاب اٹھائی اور سائیز نیل پر رکھا ہوا یک ماہر رکھا پھر اس کے اندر رکھا پھر اسے بند کر دیا۔ کتاب کو واپس سائیز نیل پر رکھنے کے بجائے وہ کتابوں کے اس صلیب کی طرف بڑھ گیا اس نے کتاب کو اس صلیب میں رکھ دیا۔ اگلے کچھ دن اسے اس کام کرنے سے تھکے کہ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس کتاب کو پڑھنے کے لیے اب وقت نکال سکے گا۔ کچھ دنوں تک اپنے کام نٹانے کے بعد اسے اپنا سامان یک کر دانا تھا اور پھر اسے لاہور بھجوا دینا تھا اور اس کے بعد اسے لاہور سے امریکہ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتا تھا۔

اس کتاب کو وہ اب شاید امریکہ جا کر ہی پڑھنے کی فرصت نکال پاتا۔ وہ بھی اس صورت میں اگر وہ اس کے ذہن میں رہتی اور وہ اسے امریکہ ساتھ لے جاتا تو زندگی بھر کچھ سالوں کو وہ کتابیں گریڈ کی انکس میں ہی پڑی رہتی تھیں۔ وہ امریکہ جانے سے پہلے اپنے سامان کو ایک باجیرو میں رکھوا دیتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اس نے جوڑتھ کو رات کو اپنی امریکہ واپسی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ بے اختیار چلائی تھی۔

”تو ہاں خرم واپس آ رہے ہو؟“

”ہاں ہاں خرم“ عمر اس کے جوش و خروش پر مسکرایا۔

”کب تک رہو گے یہاں؟“

”اس مہینے کے آخر تک“۔ عمر نے اسے روڑا لے کر طرف ہی بڑھتے ہوئے اسے رات کو جوڑتھ ہونے والی

اپنی گفتگو یاد دلائی گئی۔

☆☆☆

Nine

9:20am

اسے اپنے کمرے سے عموماً ہوتے دیکھ کر ملازم تیزی سے اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ عمر کے پاس آ کر اس نے مودب انداز میں اسے سلام کیا عمر نے گردن کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر سیدھا ڈانٹنگ نیل کی طرف بڑھ گیا جبکہ ملازم نیل کی انداز میں اس کے بیڈروم کی طرف چلا گیا۔

یہ روزانہ معمول تھا عمر کو اپنے کمرے سے باہر آ کر بیٹھنے ہی ملازم اس کے بیڈروم میں چلا جاتا اور پھر وہاں پڑا ہوا عمر کا برفٹ۔ کس اور اسٹاک اٹھا کر اس کی گاڑی میں جا کر رکھ دیتا۔

عمر عام طور پر نو بجے تک گھر سے نکل جاتا تھا مگر آج وہ قدرے لیٹ تھا۔ ڈانٹنگ نیل کے پاس کھڑے

باب ۵۳

9:10am

عمر نے ڈورینگ نیل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کیا اس نے کل رات کو بال کٹوائے تھے۔ پولس فورس میں آنے سے پہلے کہ وہ سال میں ایک بار ہیر سٹائل تبدیل کرنے کا شوقین تھا جس سال پہلے پولس سروس جوائن کرنے کے بعد اگرچہ یہ شوق کچھ کم ہو گیا مگر ختم نہیں ہوا۔ پولس سروس میں وہ جس حد تک ہیر کٹ کے بارے میں آزاد روی کا مظاہرہ کر سکتا تھا اس نے کیا کم پولس سروس میں آ کر یہ شوق یکدم ختم ہو گیا۔ وہ پچھلے کچھ سالوں سے معمولی سی تبدیلیوں کے ساتھ کپڑے کو ہی اپنانے سے ہوتے تھے۔

کل رات بھی اس نے بالوں کو اسی انداز میں توشیا تھا، دو چار بار بالوں میں برش کرنے کے بعد اس نے برش ڈورینگ نیل پر رکھ دیا اور پر لیوم اٹھا کر اپنے اوپر سے کرنے لگا۔ پھر سے کرتے ہوئے اپنی گردن پر نظر آنے والے چند سرخ نشانات نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔

پر لیوم ڈورینگ نیل پر رکھتے ہوئے اس نے گردن اوپر کر کے اپنے کالر کو کچھ کھولتے ہوئے ان نشانات کو دیکھا۔ کل شام کو کالٹ کھینچے ہوئے اسے اس جگہ پر اچانک جھلک اور خارش ہوئی تھی جتنا کسی کیڑے نے اسے کاٹا تھا رات کی نسبت وہ اب کچھ معدوم ہونے لگے تھے۔ اس نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے اپنے کالر کو ایک باجیرو دست کیا پھر پلٹ کر اپنے بیڈ کی طرف گیا اور بیڈ سائیز نیل پر پڑی ہوئی دست واچ اٹھا کر اپنی کلائی پر باندھ لگا۔ دست واچ باندھنے کے بعد اس نے بیڈ سائیز نیل پر پڑا ہوا اپنا موبائل سکرین کیس اور لائٹر اٹھا لیا۔

ڈورینگ نیل کے سامنے آ کر اس نے ان چیزوں کو نیل پر رکھا اور شیڈ پر لگی کیپ اٹار کر بیٹھنے لگا۔ کیپ پہن کر اس نے ایک آخری نظر آئینے میں اپنے اوپر ڈالی پھر مطمئن ہوتے ہوئے اس نے ایک باجیرو موبائل سکرین کیس اور لائٹر کو اٹھا لیا پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا وہ واپس سائیز نیل کی طرف گیا۔ اس بار اس نے دروازہ کھول کر اس کے اندر موجود والٹ نکالا اور اسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد اس کی نظر اس کتاب پر پڑی جسے وہ رات کو سونے سے پہلے پڑھ رہا تھا۔ کتاب کو اس نے اوندھا کر کے کھلی حالت میں بیڈ سائیز نیل پر رکھا ہوا تھا۔

بھی خامے سکلے دل اور جب کا مالک تھا۔ اکثر اوقات اسے اور دوسرے ملازمین کو کچھ نہ کچھ دیتا رہتا تھا، ملازمین کی چھوٹی موٹی سفارشیں بھی مان لیتا تھا، یہ سب چیزیں بہت سے دوسرے آفیسرز میں بھی تھیں مگر غور کو وہ اس لیے پسند تھا کیونکہ وہ فیسے میں بھی ان کی تاملیل کرنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ غلطی کرنے پر جھڑکنے میں تامل نہیں کرتا تھا مگر یہ ڈانٹ ڈپٹ انہی نہیں ہوتی تھی کہ ان لوگوں کو تامل کا احساس ہوتا۔

”سر! رات کے لیے کیا بناؤں؟“ غفور نے اس سے پوچھا۔

”جو چاہے بنا لو، اب تو چند دن یہاں ہیں تم جو چاہو کھاؤ مگر رات کو تو شاید میں کھانے سے نہ آ سکوں۔ بہت دیر سے آؤں گا اور کھانا کھا۔۔۔ مگر میں جس کے کہہ آئی نہ سکوں مجھے کبھی اصرار ہونا پڑے۔“ غفور نے واضح بینس کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں سر۔۔۔ میں پھر بھی کھانا بنا لوں گا۔ ہو سکتا ہے آپ آ ہی جائیں۔“

غور نے اس کے پیچھے پلٹتے ہوئے کہا۔ وہ اب واضح بینس میں لگی کر رہا تھا۔ غفور کی بات کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے بجائے وہ خاموش رہا غفور اب ٹاول سینٹر سے ٹاول اٹا کر اسے دے رہا تھا۔ عمر ہاتھ خشک کرنے کے بعد دوبارہ ٹمبل کی طرف چلا گیا اور کپ اٹھا کر پہننے لگا۔ غفور نے دستدلی سے موہائی، دیگر گیسٹس اور لائبرٹینیل سے اٹھا کر عمر کی طرف بڑھا دیا۔ عمران چڑو کو ہاتھ میں لیتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ غفور اس سے پہلے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ دروازے کے پاس موجود قہ آدم آہینے کے پاس پہنچ کر عمر ایک بار دکا اور اس نے اپنی کیپ پر نظر ڈالی پھر مطمئن ہو کر اس نے دروازے سے باہر قدم رکھ دیا جسے غفور اب کھول چکا تھا۔

”خدا حافظ سر۔“ عمر نے اپنی پشت پر روز کی طرح غفور کی آواز سنی۔

☆☆☆

Eight

9:30am

گاڑی کے پاس کھڑے گاؤڑ نے عمر کو دیکھ کر سیلوٹ کیا، ڈرائیور اب تک فرمٹ سینٹ کا دروازہ کھول چکا تھا۔ عمر نے پہلے ہاتھ میں پکڑی چیزیں ڈیٹن بورڈ پر رکھیں اور خود اندر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے اس کے اندر بیٹھنے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ دونوں گاؤڑ بھی جیب کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔ دور گیسٹ پر موجود گاڑا اب گیسٹ کھول رہا تھا۔ وہ عمر کو باہر نکلنے اور گاڑی میں بیٹھنے دیکھ چکا تھا۔ ڈرائیور اب اپنی سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

گیٹ پر موجود گاڑا بہت زبردست دستدلی کے عالم میں کھڑے تھے۔ عمر کی گاڑی بائیں سے گزرنے پر انہوں نے عمر کو سیلوٹ کیا عمر نے گاؤڑا منٹ کھول کر اندر موجود اپنے سن گلاسز نکالے اور انہیں آنکھوں پر چڑھا لیا۔ گیسٹ کے باہر موجود پولیس کی ایک اور گاڑی نے عمر کی گاڑی کے باہر آنے کے بعد اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ عمر کی گاڑی کو escort (حفاظت) کر رہی تھی۔

سڑک پر اس وقت خاصی ٹریفک تھی۔ عمر نے اپنی ٹھری پر ایک نظر ڈالی، وہ جانتا تھا اس منٹ کے اندر وہ

دوسرے ملازم نے بھی اسے دیکھ کر سلام کیا اور پھر اس کے لیے کرسی کھینچ لگا۔ ناشتہ پہلے ہی ڈانٹنگ ٹیمیل پر موجود تھا۔ عمر نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چیزیں ٹیمیل پر رکھیں اور پھر کرسی پر بیٹھنے کے بعد اپنی کیپ بھی اٹا کر ٹیمیل پر رکھ دی۔

ملازم جان چکا تھا، وہ آج ناشتہ کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ عام طور پر وہ جب بھی کیپ نہیں اٹارتا تھا وہ زیادہ سے زیادہ ایک سلاٹس چائے کے ایک کپ کے ساتھ کھاتا اور پانچ منٹ کے اندر ناشتہ کی ٹیمیل سے اٹھ جاتا اور جب وہ اپنی کیپ اٹارتا دیتا، اس دن وہ ناشتے میں کسی نہ کسی چیز کی فرمائش ضرور کرتا اور اکثر پندرہ تیس منٹ لگتا۔

”سکر آفس سے فون آیا ہے۔“ ملازم نے اس کے لیے چائے اٹھٹے ہوئے اسے اطلاع دینا ضروری سمجھا۔

”کس لیے؟“ عمر نے پتھوئی اچکا کر پوچھا۔

”آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے، میں نے انہیں بتا دیا کہ آپ آج کچھ دیر سے آئیں گے۔“ ملازم نے کہا۔

”کوئی اہم چیز تھی تو نہیں؟“

”نہیں سر! وہ ایسے ہی دو تین میں آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“ غفور نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے سر ہلایا۔

”آج آئیٹ ہوا، فراہم ایک نہیں لوں گا۔“ عمر نے ٹیمیل پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”جی سر۔“ ملازم دستدلی سے ڈانٹنگ روم سے نکل گیا۔

عمر اس وقت چائے کا دوسرا کپ پی رہا تھا جب ملازم آئیٹ کی پیٹ لے ڈانٹنگ روم میں داخل ہوا۔

”ٹمبل تو خاصی اچھی لگ رہی ہے غفور!“ عمر نے پیٹ میں موجود شراب دالے، آئیٹ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو ذاتی بھی اچھا لگے گا سر۔“ ملازم نے اس کے تھمرے کے جواب میں کہا اور سلاٹس والی پیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

”نہیں سلاٹس نہیں لوں گا۔ صرف آئیٹ ہی کھاؤں گا۔“

عمر نے اسے روک دیا۔ وہ اب چھری کا سننے کی مدد سے آئیٹ کے ٹکڑے کرنے میں مصروف تھا۔

”رات کو کیک سکرڈ اچھا بنا تھا۔ اگر بے قول آؤ۔“ اس نے مزید ہدایت دی۔

”جی سر۔“ ملازم ایک بار پھر وہاں سے چلا گیا۔

جب وہ چلا لے کر وہاں آیا تو عمر آئیٹ کھانے میں مصروف تھا۔

”یہ واقعی ڈانٹنے میں بھی اچھا ہے غفور! تمہارے کھانے دن بدن اچھے ہوتے جا رہے ہیں۔“

عمر نے اسے دیکھ کر کچھ بے لگتی سے کہا۔ غفور کا چہرہ اپنی تعریف پر چمکنے لگا تھا۔ عمر تعریف میں بھی کبھی نہیں کرتا تھا۔ اس نے اب تک جتنے آفیسرز کے لیے کام کیا تھا اس میں اسے سب سے زیادہ عمر جیٹگری پسند آیا تھا۔ وہ اگرچہ دوسرے آفیسر کی طرح ہی ریزورڈ جتا تھا مگر وہ تعریف کرتے ہوئے، کوئی تکلف نہیں کرتا تھا۔ وہ ویسے

اپنے آفس میں ہوگا۔ اس کے گھر سے اس کے آفس کا فاصلہ صرف دس منٹ کا تھا۔

وہ تنقیدی نظروں سے مرکب پر پڑنے والی ٹریفک کو دیکھتا رہا۔ انکڑ گاڑیوں کے ڈرائیور اس کے لیے راستے چھوڑ رہے تھے۔ اسے مرکب پر بیٹھتے ہوئے ہارن کی آواز سے بے حد کوفت ہوتی تھی اور اس وقت مرکب پر بے تحاشا ہارن بج رہے تھے، اس کی اپنی گاڑی کا ڈرائیور چاہتے ہوئے بھی ہارن نہیں بجا رہا تھا۔ مگر جانگیری کی موجودگی میں کم از کم وہ بے جرات نہیں کر سکتا تھا۔ اسے آج بھی اچھی طرح یاد تھا جب تقریباً دو سال پہلے عمر نے وہاں جوائننگ کی تھی۔ اس کے ساتھ پہلے ہی سفر میں اس نے حسب عادت مرکب پر آتے ہی ہارن دیا تھا۔ عمر نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

”دوبارہ ہارن مت دینا۔ کم از کم جب تک میری گاڑی ڈرائیور کر رہے ہو، یہ بھول جانا کہ گاڑی میں ہارن نام کی کوئی چیز ہے یا تو گاڑی اتنی تیز اور اچھی چلاؤ کہ ہر طرح سے نکل جاؤ یا پھر انتظار کرو پولیس کی گاڑی دیکھ کر لوگ خود ہی کچھ دیر میں راستہ صاف کر دیں گے اور اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہوئیں تو انتظار کرو کبھی نہ کبھی تو راستے سے ہٹ جائیں گے۔ ہارن دوبارہ استعمال نہیں ہونا چاہیے، ورنہ سنیں کہ ہارن دوڑوں گا گاڑی سے نکال کر پھینک دوں گا۔“

ڈرائیور نے اس کے بعد واقعی کبھی ہارن کا استعمال نہیں کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اسے یہ یقین تھا کہ عمر واقعی ایسا ہی کرے گا، وہ دوسری بار اسے وارننگ نہیں دے گا۔

اپنے آفس کے راستے میں آنے والے واحد چوک پر ٹریفک کانسٹیبل نے عمر کی گاڑی پاس سے گزرنے پر اسے سیلٹ کیا۔

”جبار! آج میری کار کو سروس کے لیے جانا۔“

عمر نے اچانک ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ وہ اپنی ذاتی گاڑی کی بات کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے سر کس وقت؟“ ڈرائیور نے مستعدی سے کہا۔

”میں بکھری میں جب ایک دو گھنٹوں کے لیے جاؤں گا، اس وقت تم گاڑی لے جانا مگر زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں جہیں واپس ہونا چاہیے۔ اگر گاڑی کا کوئی لہذا چڑھا کام نکل آیا تو پھر تم اسے وہیں چھوڑ دینا اور خود آ جانا کیونکہ آج مجھے خاصی ٹیکسوں پر جانا ہے۔“ عمر نے اسے مزید ہدایات دیں۔

”ٹھیک ہے سر میں دو گھنٹوں سے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا۔“

”دروزی سے میرے پکڑے لے آئے؟“ عمر کو اچانک یاد آیا۔ اس نے چند دن پہلے دو ٹھولہ قیس سلوانے کے لیے بھجوائے تھے۔

”میں سر وہ تو میں کل شام کو لے آیا تھا۔ ابھی گاڑی میں ہی پیچھے پڑے ہیں۔ مجھے یاد نہیں رہا مگر میں دینا میں کچھ ایمر جی میں کل شام کو جلدی چلا گیا تھا۔“ ڈرائیور نے قدر سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”ہاں کبھی ہے تمہاری بیوی اب؟“ عمر کو اس کی ایمر جی کی بات سن کر یاد آیا۔

”اب تو بہتر ہے سر بڑی تو بچی مگر بچہ خاصی آئی ہے۔ مجھے تو کل بڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑی اس کے لیے۔“

”ہاسٹل میں ہے؟“

”نہیں سر! اگلے آ یا تھا میں رات کو..... ہاسٹل میں رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”یہ کیوں سی بیوی ہے پہلی بار دوسری؟“ عمر جانتا تھا جبار کی دو بیویاں تھیں، دوسری شادی اس نے چھ ماہ پہلے ہی کی تھی۔

”سر! دوسری والی۔“ جبار نے جواب دیا۔

”ہاں مجھے پہلے ہی اعزازہ تھا۔ یہ دوسری بیوی ہی ہو سکتی تھی جس کے لیے تم اس طرح بھاگے بھاگے جا سکتے تھے۔“

عمر نے تبصرہ کیا۔ ایک دوپہر میں اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے گاڑی کو آہٹ میں مٹتی خیر سکر ایٹوں کا جادو کرتے دیکھا۔ جبار عمر کی بات پر کچھ صیحت گیا۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے سر جی..... میں تو پہلی کا بھی بہت خیال رکھتا ہوں۔“ جبار نے عمر کے تبصرے کے جواب میں کہا۔

”یہ قابل یقین بات تو نہیں ہے مگر چلو یقین کر لیتا ہوں۔“ عمر نے قدرے شکستگی سے کہا۔

وہ اب ایک بار پھر مرکب پر نظر آنے والی ٹریفک کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ گاڑی اب اس کے آفس کے قریب ہو گئی تھی۔ چند منٹوں کے بعد گاڑی اس کے دفتر کے کپڑاؤں میں داخل ہو رہی تھی۔ آفس کے اندر اور باہر اس کے محلے میں دو رینج کی اپیل نظر آنے لگی۔

☆☆☆

Seven

9:40am

عمر آفس میں پہنچ کر منموں کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اس کا پانی اُسے اس کے سامنے ٹھیل کے دوسرے طرف کمر تھا۔

”چھٹی صبح کی صاحب کی کال آئی تھی، آپ کے آنے سے چند منٹ پہلے، انہوں نے کہا ہے کہ آپ آفس آئیں تو ان سے بات کر دوں۔“

”کوئی ایمر جی ہے؟“

”نہیں سر! برا خیال ہے۔ کوئی ایمر جی نہیں ہے۔ وہ شاید کسی معاملے میں آپ سے بات کرنا چاہتے ہوں گے۔ میں نے ان کے پانی اسے اس بارے میں پوچھا تھا مگر خود اسے بھی کوئی اعزازہ نہیں تھا مگر اس نے یہ ضرور بتایا کہ کوئی ایمر جی نہیں ہے۔“ پانی نے اپنی رائے ظاہر کی۔

”کوئی اور کال آئی؟“

”نوسر..... بس ان ہی کی کال تھی۔“

”میں ان سے کچھ دیر بعد بات کروں گا۔ تم جی الحال و کنیشن کے لیے بیٹھ جاؤ۔“ عمر نے اس سے کہا۔
 ”میں سر۔“ بی اے مستعدی سے چٹھہ گیا۔ وہ اس فائل کو دیکھتے ہوئے اسے و کنیشن دینے لگا۔ کیے بعد
 دیکھ رہے اس نے ٹھیکل پر پڑی ہوئی دو تین اور فائلز کو بھی دیکھا اور ان کے بارے میں بھی اسے و کنیشن دی۔ وہ ساتھ
 ساتھ کچھ اور فائلز پر نوٹ لکھتے میں بھی معروف تھا۔
 تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد وہ آخری و کنیشن دے کر ایک گہری سانس لیتا ہوا خاموش ہو گیا۔
 ”یہیں اب میری آخری و کنیشن ہے۔ کل میں شاید آفس نہ آؤں اور اگر آج بھی تو زیادہ دیر کے لیے نہیں
 آؤں گا۔“ عمر نے اس سے کہا۔

”میرا خیال ہے دو تین دن تک مسودہ ہوائی یہاں پہنچ ہی جائیں گے، ابھی اپنے کچھ کام چننا رہے ہیں ورنہ
 شاید اب تک پہنچ ہی گئے ہوتے۔“ اس نے آنے والے ایئر بی بی کا نام لیا۔
 ”اب میں مزید کوئی فائلز نہیں دیکھوں گا۔ مسودہ ہوائی ہی آ کر دیکھیں گے۔ خاص طور پر ان کیسز کی
 فائلز..... نہیں اچھی طرح سٹڈی کی ضرورت ہے اس لیے میں انہیں چھوڑ رہا ہوں اب ان دو تین دنوں میں میرے
 کچھ ورکش اپس کر دو۔“
 عمر نے کچھ بیچوں کے نام لینے ہوئے کہا۔ بی اے اپنی نوٹ بک میں نوٹس لیتے ہوئے ”میں سر“ کی ٹکرا کر
 کرتا گیا۔

☆☆☆

Six

10:50am

میر پر پڑا فون اچانک بجنے لگا۔ عمر نے گھنگو کا سلسلہ مستطیع کرتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔
 ”سر! ڈی سی صاحب کی کال ہے۔“ آ پر پڑنے اسے بتایا۔
 ”بات کرواؤ۔“ عمر نے سامنے والے کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
 ”ٹھیک ہے، اب تم جاؤ۔“ اس نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے بی اے سے کہا۔ وہ کمرے سے نکل
 گیا۔ چند لمحوں کے بعد عمر کو ریسیور میں سید سلطان شاہ کی آواز سنائی دی۔
 ”میں ابھی کچھ دیر پیٹل ہی آفس آیا ہوں۔ آپ کو کال کرنے ہی والا تھا۔“ عمر نے جی سلام دعا کے بعد
 قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”کوئی بات نہیں اب تو میں نے کر ہی لی ہے۔“ سید سلطان نے دوستانہ انداز میں کہا۔
 ”آج رات کو کیا کر رہے ہو؟“

”رات کو..... کچھ خاص نہیں شاید پھر آفس میں ہی ہوں گا..... یا پھر کہیں چڑو لنگ پڑ۔“
 ”تو بس ٹھیک ہے پھر تم رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔“ سید سلطان نے طے کیا۔

”تمہاری آئی مجھے پیٹل ہی کئی دن سے کہہ رہی ہیں کہ تمہیں کھانے پر انوائٹ کروں۔ آج تم پھر ہماری
 طرف آ جاؤ۔ جانے سے پہلے ہمارے ساتھ وز کرو۔“ سید سلطان نے بے تکلفی سے کہا۔
 ”I'm honoured“ آپ حکم کریں میں حاضر ہو جاؤں گا۔“ عمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سید سلطان
 جہانگیر معاذ کے دوستوں میں سے تھے اور چند ماہ پہلے ہی عمر کے شہر میں ان کی پوسٹنگ ہوئی تھی۔
 ”خیر حکم دالی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ہم تمہارے باپ کو دیتا ہوں۔ تم باپ کی طرح ذہین نہیں ہو، میں
 جانتا ہوں ویسے ہی آ جاؤ گے۔“

سید سلطان نے برجستگی سے کہا عمران کے محلے پر ہٹا۔

”میں آپ کے انوائٹیشن کا پہلے ہی انتظار کر رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے آئی کے ہاتھ کا کھانا
 ایک بار کھا لوں۔“ سید سلطان نے اس کی بات کاٹی۔

”یہ تمہارے اپنے کثرت ہیں جن کی وجہ سے تم ایک دو بار سے زیادہ ہماری طرف نہیں آئے۔ اب تم کس
 قدر فارل ہو کر اپنی حقوق کا اظہار کر رہے ہو۔“ جانے سے پہلے آئی کے ہاتھ کا کھانا ایک بار کھا لوں۔ ایک بار
 کیوں دس بار کھاؤ۔ وہ اب اسے اپنے مشہور زمانہ اعزاز میں جھڑک رہے تھے۔

”جی..... جی مجھے پتہ ہے۔ میری اپنی کوتاہی ہے۔“ عمر نے فوراً کہا۔

”کوئی خاص ورکش اپ نہ ہوا تو بتا دو..... میں تمہاری آئی سے کہہ دوں گا۔“ سید سلطان نے آفر کی۔

”آئی کی ہر ورکش اپ خاص ہوتی ہے۔ میں سب کچھ خوشی سے کھاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے، پھر آٹھ بجے ہونا چاہیے جنہیں ہماری طرف۔“ سید سلطان نے اسے ہدایت دیتے ہوئے
 فون بند کر دیا۔

☆☆☆

Five

11:00am

عمر نے سگریٹ پیس سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ وہ اس وقت اپنے آفس میں بالکل اکیلا تھا۔
 سگریٹ کے کش کھاتے ہوئے وہ ان مقامی اخبارات پر ایک نظر ڈالنے لگا جو اس کی میز پر بچے تھے۔ اس کے محلے
 نے اہم یا پاپ پیس سے متعلق خبروں کو پائی لائٹ کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے اسے تمام اخبارات کا تفصیلی مطالعہ کرنا نہیں پڑتا
 تھا۔ وہ بڑے قوی اخبارات کا مطالعہ آفس میں صبح آتے ہی کیا کرتا تھا جبکہ لوکل اخبارات کی باری وہ پھر کے قریب
 آتی تھی۔

اس وقت بھی ان اخبارات کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے ہارے میں چند سرخیال نظر آئیں اس کے پوسٹ
 آؤٹ ہونے کے حوالے سے چند خبریں لگائی تھیں اور پھر ایک مقامی کالم نویس نے اس کی پوسٹنگ کے دوران
 اس کی کارکردگی کو سراہا ہے ہوئے اس کی شان میں زمین و آسمان کے تلاب بھی ملائے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے کالم کو

☆☆☆

Three

12:40pm

1

☆☆☆

Four

11:35am

کچہری میں موجود اپنے آفس میں پہنچ کر اس نے وہاں موجود کاموں کو چٹپٹا شروع کر دیا۔ ملاک تھیں کہ ایک لمبی لائن تھی جسے دیکھنا تھا اور ہر ایک کا مسئلہ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ پولیس سروس میں آکراس کی چٹپٹائی میں بعضی روانی آتی تھی، وہ پہلے کبھی نہیں آسکتی تھی۔ فارن سروس کا جہاں اور جہاں تھا، پولیس سروس کی دنیا دنیا تھی۔ مقامی زبان سے تا اداقت بڑے سے بڑے افسر کو کبھی بعض دفعہ یہی طرح ڈوبنا پڑتی تھی۔ عمر نے پولیس سروس میں آنے کے بعد بہت جلدی اس زبان کا استعمال سیکھا لیا تھا جس طرح کے استعمال کی ضرورت تھی باقی

”شادی کی تیاریاں کسی چل رہی ہیں؟“

”وہ بھی ٹھیک چل رہی ہیں۔“

عمر کو کچھ اطمینان ہوا۔ کم از کم اس بار طیارہ اور اس کے درمیان کوئی گڑبڑ نہیں تھی، ہو سکتا تھا کوئی اور معاملہ ہو۔
”میں دو تین دن تک فارغ ہو کر لاہور آ جاؤں گا۔ پھر اطمینان سے تم سے بات چیت ہوگی۔“ عمر نے

اس سے کہا۔

”میں صرف تمہاری واپسی کے بارے میں ہی جانتا جا رہا تھا۔“

”اچھا پھر میں کروں گا تمہیں رات کو کال۔ کچھ کپ شپ رہے گی ابھی آفس میں ہوں۔“ عمر نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

Two

1:20pm

”میں جائے بیٹے آیا ہوں آپ کے ساتھ۔“ سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے سیشن جج رضوان قریشی نے عمر سے کہا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس کا آفس عمر کے آفس سے کچھ فاصلے پر تھا اور وہ دوتا فوٹا کمرے دفتر میں آتا جاتا رہتا۔ دونوں جائے اکثر ساتھ ہی جیتے۔

عمر نے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے غصی بجا کر ادلی کو بلوایا اور چائے لانے کے لیے کہا۔
”بلیس آج آخری بار آپ کو چائے پلا دیتے ہیں۔ اس کے بعد جو موقع ملے گا۔“ عمر نے ادلی کے جانے کے بعد رضوان قریشی سے کہا۔

”کیوں ابھی تو آپ چند دن اور ہیں یہاں۔“

”ہاں مگر یہاں کچھری میں آج میرا آخری دن ہے۔ پرسوں سعود ہوائی چارج لے رہے ہیں۔ کل میں یہاں نہیں آؤں گا۔ کچھ courtesy calls میں مصروف رہوں گا۔“ عمر نے تفصیل بتائی۔

”بہت اچھا وقت گزارا۔ پھر جیگر صاحب آپ کے ساتھ..... اچھی کپ شپ ہو جاتی تھی۔“

”ہاں مگر دس پندرہ منٹ کی.....“ عمر نے مسکرا کر کہا۔

”بلیس دس پندرہ منٹ ہی کسی کمرہ اچھا نام گزرتا تھا۔“ رضوان قریشی بھی مسکرایا۔

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ عمر نے سر ہلاتے ہوئے تھل پر پڑی ہوئی چیزوں کو سینٹا شروع کر دیا۔

”لاہور جانے سے پہلے میری طرف ایک پیکر لائیں، کھانا کھاتے ہیں انکسٹس۔“ رضوان قریشی نے آفر کی۔
”مزدوریوں نہیں کر کھانا کھانا ڈرا مشکل ہے، ان دو تین دن کے لئے خاصی ٹھنکس ہو چکی ہیں میری مگر جو کچھ آفیشل فیرویل اور ڈنڈ ہو رہے ہیں، اس میں تو آپ بھی انوائٹ ہوئے ہیں، انکھا کھانے کا موقع تو وہاں بھی مل جاسے گا۔“ عمر جیگر نے کہا۔

”آفیشل ڈنر میں اور گھر پر ہونے والی دعوت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔“

”پھر کبھی سبھی رضوان صاحب! بعد میں ملاقات تو رہے گی آپ سے۔“ عمر نے کہا۔

”کہاں میں ملاقات رہے گی..... آپ تو فوری چھٹی پر جیرون بلیک جا رہے ہیں۔“ رضوان قریشی نے یاد دہانی کر دلی۔

”ہاں مگر پاکستان آتا جا رہا ہوں گا اور پھر دوبارہ جیرون تو کرنا ہی ہے۔“

”جب کیا پتہ ہم کہاں ہوں..... آپ کہاں ہوں۔“

”جہاں بھی ہوں گا میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔“ عمر نے کہا۔

اگلے پندرہ منٹ اس نے رضوان قریشی کے ساتھ چائے اور سگریٹ پیتے ہوئے گزارے۔ پھر رضوان قریشی بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے مل کر آفس سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد عمر نے اگلے پندرہ منٹ وہاں موجود محلے کے ساتھ الوداعی بات چیت کی۔ اپنے آفس میں موجود اپنی چیزوں کو وہ پہلے ہی اپنی گاڑی میں بھجوا چکا تھا۔

☆☆☆

One

1:50pm

کچھری میں موجود اپنے آفس سے نکل کر وہ دوبارہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ جہاز گاڑی چلائے ہوئے دوبارہ اسے میں روڈ پر لے آیا۔ عمر نے ایک بار پھر نکلنا گلاسز لیے تھے۔

”کار میں کدالی ہے میری؟“ عمر نے جہاز سے پوچھا۔

”جی سر..... میں کدالی گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔“

”کسی خرابی وغیرہ کے بارے میں کہا تو نہیں ملکیٹ نے؟“

”نہیں سر..... گاڑی بالکل ٹھیک ہے، اس نے چیک کی تھی اچھی طرح۔“

”بھڑکھڑلاتے ہوئے باہر دیکھنے کا پھر اچانک ایک خیال آئے پر اس نے کہا۔

”راستے میں سے سگریٹ کا پکٹ لیتا ہے۔“

”جی سر۔“ ڈرائیور نے کہا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے راستے میں نظر آنے والی ایک مارکیٹ کے سامنے پارکنگ میں گاڑی روک دی اور کچھ کے بغیر گاڑی سے اتر گیا۔ وہ عمر کے لیے اکثر ایسی مارکیٹ کی ایک شاپ سے سگریٹ خرید کر آتا تھا۔

وہ تین منٹ میں سگریٹ خرید کر واپس آ گیا۔ عمر نے سگریٹ کا پکٹ اس سے لیتے ہوئے سگریٹ کو کیس میں رکھنے کے بجائے ٹیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکالا اور پکٹ کو ڈش بورڈ پر رکھ دیا۔ ڈرائیور جب تک گاڑی سٹارٹ کر کے اسے روڈوں کرتے ہوئے پارکنگ سے نکال رہا تھا۔ پولیس موبائل باہر سڑک پر ہی کھڑی تھی۔ ڈرائیور گاڑی

ایک بار پھر میں روڑ پر لے آیا۔

عمر نے لائبر سے ایک ہاتھ میں اسٹو بناتے ہوئے ہونٹوں میں دبا ہوا سگریٹ سلگایا اور پھر لائبر کو دوبارہ ڈیٹس بورڈ پر دکھ دیا۔ کھڑکی کے شیشے کو اس نے کھٹکھٹ کر دیا تاکہ دھماکا آسانی سے باہر جاتا رہے، وہ اب اپنے باقی دن کی مصروفیات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑاں دوڑاں تھی۔ دائیں طرف سے ایک موٹر سائیکل نے عمر کی گاڑی کو اور ایک کپکپ موٹر سائیکل پر موجود دو آدمیوں سے پیچھے پیٹھے ہوئے شخص نے اپنے جسم کے گرد چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ عمر کی گاڑی میں موجود گاڑوں ہاتھ میں کپڑے بھتیار لے کر یکدم چڑھتا ہوا جوتے ہوئے اور ٹیک کرتے ہوئے اس موٹر سائیکل کو دیکھنے لگے۔

سگریٹ پیٹے ہوئے عمر نے بھی دو سگریٹیں سے آگے نکلی ہوئی اس موٹر سائیکل کو اپنی نظروں سے دیکھا۔ موٹر سائیکل پر بیٹھے واڈھی والے دو جوان لڑکوں میں سے کسی نے عمر کی گاڑی کی طرف نہیں دیکھا تیزی سے موٹر سائیکل چلاتے ہوئے وہ دونوں آئیں میں باتوں میں مصروف تھے اور اسی تیز رفتاری کے ساتھ موٹر سائیکل چلاتے ہوئے وہ عمر کی گاڑی سے بہت آگے نکلے ہوئے آنے والی ایک دوسری سڑک پر مڑ گئے۔

پیچھے پیٹھے ہوئے گاڑوں یکدم مطمئن ہو گئے۔ عمر نے سگریٹ کی راکھ کو جھٹکا اور سگریٹ کا ایک اور سٹل لگایا گاڑی کی پیڈیاں ابستہ ہو رہی تھیں۔ انہیں ابھی کسی سڑک پر مڑنا تھا جس سڑک پر وہ موٹر سائیکل مٹی تھی۔

اس سڑک پر مڑتے ہی وہ موٹر سائیکل گئی۔ پیچھے پیٹھے ہوئے لڑکے نے بڑی پھرتی کے ساتھ اپنی چادر کے اندر سے ایک اسٹین گن نکالی اور اس کے فریگر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بالکل خاموشی سے موٹر سائیکل پر یوں بیٹھ گیا جیسے اسکی کا انتظار ہو۔ اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ چند لمحوں میں اس کا راکھ کا موٹر سائیکل اور گاڑی والوں نے انہیں دیکھا مگر صرف جس بھری نظروں سے دیکھ کر کچھ کر گئے۔

اسٹین گن کے پکڑے ہوئے لڑکے کے ہاتھ میں بندھی ہوئی کھڑکی نے ایک چمکنا سٹل دینا شروع کر دیا۔
 ”آگیا۔“ اس کے منہ سے نکلا، کسی نے یقیناً موڑ پر پیچھے اپنی عمر کی گاڑی کے بارے میں انہیں اطلاع دی تھی۔ موٹر سائیکل چلانے والا موٹر سائیکل کے پیڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے مستند ہو گیا۔ اسٹین گن اوپر ہو گئی۔ عمر کی گاڑی کا پوزٹ نظر آیا۔ گاڑی مڑ رہی تھی۔ اس کو جوہان نے ہونٹ پیچھے ہوئے فریگر دبا دیا۔ پہلا برست ٹائز پر پڑا تھا۔ گاڑی کو یکدم بریک لگے اور اس سے پہلے کہ گاڑی کا ڈرائیور یا گاڑی کو بھڑکنا صورت حال کو کچھ کر سکتے دوسرے برست نے سڑک سیرین کو چھلکی کر دیا۔ پولیس کی چیچے آنے والے دانی موہاں نے اپنا ایک سائیکل بجانا شروع کر دیا۔ موٹر سائیکل ایک طرف نہانے کے ساتھ اس سڑک پر بھاگنے لگی۔ وہ جوہان اسٹین گن اپنی چادر کے اندر کر چکا تھا۔ جب تک موہاں موزم کو عمر کی گاڑی کو اس کرتے ہوئے آگے آئی اس سڑک پر سے موٹر سائیکل غائب ہو چکی تھی۔

☆☆☆

Zero

2:00pm

نفا میں تڑخا ہمت کی آواز کے ساتھ ہی جبار چلایا۔

”مکمل سر۔“ اس کا پاؤں بریک پر تھا۔ وہ آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔ وہ دو طرف سے گولیوں کی زد میں آیا تھا۔ ڈرائیور سیٹ کی کھڑکی اور دو سکرین سے..... چمک نکلتے والے بریک کے جھٹکے سے عمر یکدم جنگ گیا۔ اس کا سر ڈیٹس بورڈ کے پاس تھا۔ جب اس نے جبار کی چھین میں اور دو سکرین کی کچیل کو اڑتے دیکھا۔ ایک سیکنڈ کے برابر وہیں سے اس میں پہلے اپنے کندھے اور پھر اپنی گردن میں لوہے کی گرم سلامیں ہی گھسی محسوس کیں۔ وہ بے اختیار چلا یا تھا پھر کیے بعد دیگرے اس نے کچھ اور سلاموں کو اپنی گردن، کندھے اور کندھے کی پٹت میں دھنسنے محسوس کیا۔ کتنی، وہ نہیں جانتا سکتا تھا۔ پھر نفا میں یکدم خاموشی چھا گئی۔ اس کا سر ڈیٹس بورڈ پر لگا ہوا تھا۔ گاڑی کی مچھلی سیٹ پر بھی کوئی کراہ رہا تھا۔ دردی شدت..... چند سیکنڈ کے لیے کئی نظروں سے اس نے ڈیٹس بورڈ سے سر نکالنے کے لئے اپنی آنکھوں میں اتارنی دھند کو جھٹکے کی کوشش کرتے ہوئے نیچے دیکھا۔ اس کے کھٹنے کے قریب خاکی ٹراؤز خون سے بیگ رہی تھی اس کی گردن کے اطراف اور عقب سے نکلنے والا خون ایک دھار کی صورت میں اس کی گردن کے نیچے والے حصے سے بہہ رہا تھا۔ اس نے سائرن کی آواز سنی۔ اس نے سانس لینے کی کوشش کی وہ جانتا تھا۔ پولیس موہاں ابھی اس کے پاس ہو گئی وہ جانتا تھا وہ اگلے چند منٹوں میں ہاسپتال لے جایا جائے گا، اس کے ذہن میں بہت سارے خیالات گزرتے ہوئے تھے۔ چہرے آواز میں..... ناشی..... حال..... چیزیں..... لوگ..... وہ سانس لینے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ سچا پکارا بھی نہیں سکتا تھا اس کے احساسات مکمل طور پر مفلوج نہیں ہوئے تھے اس نے دیکھا اس کے ہاتھ میں دوا سگریٹ خون کے اس تالاب میں گرا ہوا تھا جس کے بیروں کے پاس پائیدان میں جمع ہوا تھا۔ مگر وہ ابھی سبک رہا تھا۔ اس میں اس سے اٹھنا ہوا محسوس عجیب سے انداز میں اوپر اٹھ رہا تھا۔ چند سیکنڈ میں اس نے سگریٹ کے شیشے کو مکمل طور پر بجھتے دیکھا پھر وہاں بند ہو گیا۔

اس کی آنکھوں سے پانی نکل رہا تھا اور اس کی ناک سے خون وہ اپنے سر کو سیدھا کارنا چاہتا تھا کوئی اس کا دروازہ کھول رہا تھا کوئی اس کے قریب بلند آواز میں بول رہا تھا۔

اس نے طیوہ کے چہرے کو اپنے ذہن کی سکرین پر ابھر تے دیکھا۔ بے اختیار اس نے سانس لینے کی کوشش کی پھر اس نے اس کے ساتھ جھید کر دیکھا وہ سانس نہیں لے سکا۔ اسے اپنا دایا بازو کسی کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں جکڑنے سے محسوس ہوا۔ کوئی اس کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھنے سے دور ہا تھا۔ وہ ان آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی نمی کو شرف سے انداز اپنے بازو پر محسوس کر رہا تھا۔

”مجھ سے یہ تم کو کچھ مجھ سے محبت نہیں کرتے، جہیں چاہے اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہے مجھے۔“
 اس نے اپنے دائیں کندھے پر کسی کے ہاتھ کی گرفت محسوس کی کوئی اسے سیدھا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دائیں کندھے پر کسی کی گرفت سے آزاد ہونے کا ایک لمبی تاریکی نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا۔

ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ جو آخری احساس تھا، وہ کسی کے اسے گاڑی سے لٹکے کی کوشش کا تھا۔ اس کے ذہن میں ابھر تے والا آخری خیال اس کی می کی کا تھا۔



پر کال کی۔ لائن مصروف تھی۔ پریشانی کے عالم میں اس نے اپنی گاڑی باہر نکال لی۔ راستے میں اس نے ایک بار مگر عباس کو فون کیا۔ لائن اب بھی مصروف تھی۔ دوسری بار کال کرنے کے بعد فون رکھ دی تھی، جب دوسری طرف سے کوئی کال آنے لگی۔ اس نے دیکھا، وہ عباس کا نمبر تھا۔

”ہیلو عباس بھائی! عمر کو کیا ہوا ہے؟“ اس نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔ دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عباس نے کہا۔

”تم کہاں ہو؟“

”میں سروسز کی طرف آ رہی ہوں۔ ابھی گاڑی میں ہوں..... عمر کو کیا ہوا ہے؟“

”کچھ نہیں، معمولی سا ایکسیڈنٹ ہے، اب ٹھیک ہے، گھبرانے کی ضرورت نہیں، تم آرام سے ڈرائیج کرو..... اپنی گاڑی میں آ رہی ہو؟“

”ہاں۔“

”اور گرتی؟“

”وہ میرے ساتھ نہیں ہے۔ شاپنگ کے لیے مئی کے ساتھ گئی ہیں۔“

”ٹھیک ہے، تم آ جاؤ۔“ وہ اب اسے اس گیٹ کے بارے میں بتا رہا تھا جہاں سے اسے آنا تھا۔

”میں سیکورٹی والوں کو تہیاری گاڑی کا نمبر دے دیتا ہوں، جنہیں روکیں گے نہیں۔“ عباس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس نے بے اختیار رسکنا کا سانس لیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ عمر ٹھیک ہے۔“

مگر پھر اسے خیال آیا کہ چاہیں اسے کتنی چوٹیں آئی ہوں گی..... اور میں نے یہ بھی تو نہیں سوچا کہ وہ ڈی سیسے ہوا ہے، اسے خیال آیا۔ عباس کو دوبارہ فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ سروسز کے پاس پہنچ چکی تھی اور وہ وہاں ہاسپٹل کی چار دیواری کے باہر جگہ جگہ پولیس کی گاڑیاں اور الپکار دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ چیز غیر معمولی نہیں لگی۔ کسی حادثے میں پولیس کے اعلیٰ افسر کے زخمی ہونے پر پولیس کی نفری کا ہونا ضروری تھا اور مجروحہ جاتی تھی خود عباس بھی دھچکا تھا، وہاں سیکورٹی کی بہر حال ضرورت تھی۔

وہ متعلقہ گیٹ سے اندر چل گئی، اندر پولیس والوں کی تعداد باہر سے بھی زیادہ تھی، وہ گاڑی پارک کر رہی تھی جب اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے اس نے کال ریسیو کی، دوسری طرف صالحہ تھی۔

گاڑی کے دروازے کو لاک کرتے ہوئے اس کی نظر سائرن بجاتی ایسیو نیلس اور پولیس کی گاڑیوں پر پڑی جو ابی گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھیں۔

”ہیلو علیزہ!“ دوسری طرف سے صالحہ کہہ رہی تھی۔

”ہیلو۔“

علیزہ نے گاڑی کے لاک کو چیک کرتے ہوئے کہا۔ اس کی نظر اب بھی اس ایسیو نیلس پر تھی جو روک تھام کی تھی۔

باب ۵۵

”علیزہ بی بی! آپ ہاسپٹل چلی جائیں۔“ وہ گاڑی پر درج میں روک کر ابھی نیچے اتری رہی تھی جب سر یہ بابا نے اس سے کہا۔

”ہاسپٹل کس لیے؟“ اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

”عباس صاحب کا فون آیا تھا، انہوں نے کہا ہے۔“ سر یہ بابا نے بتایا۔

”عباس کا..... مگر کیوں؟“ اس بار اسے تشویش ہوئی۔

”بس آپ وہاں چلی جائیں۔“ سر یہ بابا نے کہا۔

”ہاں اور مئی کہاں ہیں؟“ علیزہ پریشان ہو گئی۔

”وہ لوگ شاپنگ کے لیے گئے ہیں۔ عباس صاحب بھی ان کا پوچھ رہے تھے پھر انہوں نے کہا کہ انہیں بھی پیغام دے دیں اور آپ کو بھی..... وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آپ اپنا موبائل آن رکھیں اور ان سے رابطہ کریں۔“

سر یہ بابا نے کہا۔

”کون سے ہاسپٹل؟“ علیزہ نے گاڑی میں دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

”سروسز ہاسپٹل۔“ سر یہ بابا نے کہا۔

”آپ نے ان سے پوچھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے نا؟“

”جی میں نے پوچھا..... وہ کہہ رہے تھے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟“

”دیکھیں گا؟“

”عمر صاحب کا۔“ اس کے دل کی ایک دھڑکن سن ہوئی۔

”عمر کا..... وہ ٹھیک تو ہے؟“

”آپ ان سے بات کر لیں۔ انہوں نے جلدی فون بند کر دیا تھا۔“ سر یہ بابا نے کہا۔

علیزہ نے ڈرائیجنگ سیٹ پر بیٹھ کر بیگ سے اپنا موبائل نکالا اور اسے آن کرتے ہوئے عباس کے موبائل

اس کے ارد گرد پولیس الیکارڈن کا لمبا چھڑا اجماع تھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس میں عمر ہوگا۔ وہ کچھ مضطرب ہی ہوگئی۔

”آئی ام سوری۔“ دوسری طرف سے اس نے صاف کو کہتے جا۔

”کس لیے؟“ وہ صاف کی بات پر کچھ حیران ہوئی۔ اس کی نظراب بھی ایوب لنس پر تھی جس کا پچھلا دروازہ اب کھل چکا تھا۔

”عمر جاگیر کی ڈیوہ کے لیے۔“ یقین کر دو۔ مجھے واقعی افسوس ہے۔“ موہائی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔

”ڈیوہ۔“ اس نے بے یقینی سے کہا۔

”میرے خدا۔“ وہ ایوب لنس سے نکالے جانے والے سڑچر کو دیکھ رہی تھی۔

سڑچر پر موجود سفید چادر جگہ سے خون آلود تھی۔

فوفوگر افرو کی لٹش لٹاش.....

سڑچر کے ساتھ چٹا ہوا عباس.....

اس کے بہت سارے دوسرے کزنز.....

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ دوسرا۔ تیسرا۔ اور پھر اس نے خود کو بھاگتے پایا تھا۔

پاگوں کی طرح جھوم کو کاٹنے.....

ایک پولیس والے نے اسے روکنے کی کوشش کی، اس نے پوری قوت کے ساتھ اس کو دھکا دیا۔ پھر اس کے کسی کزن نے اسے دیکھا یا تھا اور بارہ کسی نے اسے نہیں روکا۔

وہ بھاگتی ہوئی سڑچر کے سامنے آئی تھی۔ عباس نے اسے دیکھا تو سڑچر پر رکھا ہوا ہاتھ ہٹایا اور چند قدم تیزی سے چٹا ہوا اس کے پاس آگیا۔ علیوہ گردنا ہٹا پھلپھلے ہوئے اسے ایک طرف کیا تھا۔

سڑچر کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، وہ اسی تیزی کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب سے گزرا تھا کہ ہاتھ پر ہوا کراس کا پھڑپھڑکھٹکی تھی۔ سفید چادر جہاں سب سے زیادہ خون آلود تھی، وہ اس کا سر اور چہرہ ہی ہوسکتا تھا۔ لیکن وہ ہاتھ نہیں بڑھا سکی۔

وہ یہ یقین ہی نہیں کر سکتی تھی کہ اس سڑچر پر، اس حالت میں..... اس سفید چادر سے ڈھانچا ہوا وجود عمر کا ہوسکتا ہے.....

عمر جاگیر کا.....

اس کی نظروں نے آپریشن تھیمز تک سڑچر کا تعاقب کیا پھر اس نے گردن موڑ کر پہلی بار عباس کا چہرہ دیکھا۔

”عمر۔“ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر حلق سے آواز نہیں نکلی۔ صرف ہونٹوں میں جھنپٹ ہوئی تھی، عباس نے ٹھٹکے خوردہ انداز میں سر ہلایا۔ وہ بے یقینی سے اس کا سا ہوا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

ایک فوفوگر افرو نے ان دونوں کی تصویر کھینچی..... لٹش لٹاش جھپٹنے پر اس نے عباس کو غضب ناک ہوتے دیکھا۔

”اس باسٹرو سے کمرہ لے کر..... دیکھو دے کر اسے یہاں سے نکالو۔“ وہ اب کسی سے کہہ رہا تھا۔

علیوہ نے چند پولیس والوں کو اس فوفوگر افرو کی طرف بوڑھتے دیکھا۔

”عباس کو غلطی ہوئی ہوگی، یہ عمر نہیں ہوگا، کوئی اور ہوگا، عمر اس طرح کیسے.....“ نافذ ذہن کے ساتھ اس نے آپریشن تھیمز کے بند دروازے کو دیکھا۔

اس نے عباس کے بازو کو اپنے کندھے سے ہٹانے کی کوشش کی، وہ عمر کو اس کے موہائی پر رنگ کرنا چاہتی تھی۔ اسے یاد آیا، اس کے پاس نداس کا بیگ تھا، ندافون..... گاڑی کی چابی تک نہیں تھی۔

”علیوہ! اس کمرے میں چلی جاؤ، تانیہ وہاں ہے۔ میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔“ عباس اسے ایک طرف لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

”مجھے موہائی دیں، مجھے فون کرنا ہے۔“ وہ اب کسی دوسرے کو روٹھ رہی تھی، اس کا ایک اور کزن خضر علی ان کے ساتھ تھا وہ اور عباس کچھ کہہ رہے تھے۔ علیوہ کے لیے ان کی باتوں کو بھٹکا مشکل ہو رہا تھا۔

ان کے ساتھ چلتے ہوئے وہ اب کسی کمرے میں داخل ہوگئی، وہاں تانیہ تھی اور اس کی نیلی کی چند دوسری خواتین بھی۔

”ہلیئر فون دیں۔“ اس نے کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”کس فون کرنا ہے، میں کر دیتا ہوں۔“ عباس نے نرمی سے کہا۔

”عمر کو.....“

عباس نے تانیہ کو اشارہ کیا۔ ”Just take care of her.“ (اے سنبھالو)

تانیہ نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے جانے کی کوشش کی۔ وہ یکدم مشتعل ہوئی، اس نے روشنی سے تانیہ کا بازو جھٹکا۔

”میں آپ سے فون ناگ رہی ہوں..... اور آپ میری بات نہیں سن رہے۔“ عباس باہر جاتے جاتے رک گیا۔ علیوہ کی آواز حد بلندی تھی۔ عباس نے ایک نظر دروازے کے باہر موجود جھوم پر ڈالی۔

”فوفوگر! تم چلو، میں آتا ہوں۔“ اس نے ساتھ کمرے خضر سے کہا اور اس کے باہر نکلے ہی دروازے کو آہستگی سے بند کر دیا۔

”مجھے فون دیں۔“ علیوہ ایک بار پھر غرائی۔ ”میں اسے فون کرنا چاہتی ہوں۔“

”خیر تم فون کرنا چاہتی ہو، وہ اب نہیں ہے..... ہلیئر تم.....“

اس نے عباس کی بات کاٹ دی۔

”میری بات کروا دیں اس سے۔“ ہلیئر عباس بھائی بات کروا دیں۔ آپ لوگوں کو کوئی غلطی ہے، عمر کو کچھ نہیں ہوا۔ اسے کچھ نہیں ہوسکتا۔“ اس باس کی آواز میں بے جا کھینچ تھی۔

”اس کے پاس اتنی سیکورٹی ہوتی ہے، اسے کچھ کیسے ہوسکتا ہے، آپ خود سوچیں تاکہ کوئی غلطی ہوگئی ہے۔“

عہاس بھائی۔" وہ بے ربطہ بیٹے بول رہی تھی۔

کیا کہہ رہی تھی نہیں جانتی تھی۔ کیا کہنا چاہتی تھی، اس سے بھی بے خبر تھی۔

عہاس کے چہرے کی حیران کن شگفتگی اس کے خوف میں اضافہ کر رہی تھی مگر خوف.....؟

"کیا خوف تھا اسے؟ بے یقینی؟ کیسی بے یقینی تھی؟

عہاس نے اس بار کچھ نہیں کہا، وہ ایک ٹھیل کی طرف بڑھ گیا۔

علیہ وہ نظر پھٹکا بار اس کے ہاتھ میں پڑے سیلڈ پیکٹ پر پڑی جس کی سیل وہ اب کھول رہا تھا۔

پیکٹ کی سیل کھولنے کے بعد اس میں موجود چیزوں کو باہر نکلتے ہی ٹھیل پر اٹھ دیا۔

وہ عہاس کا ہوا پیکٹ، گلاسز، مگر کیٹ پیس، لائٹ، مگر کیٹ، واٹ اور چند دوسری چیزیں تھیں۔ وہ کچھ چیزوں کو

بچھاتی تھی، کچھ کو نہیں بچھاتی تھی۔ کچھ بھی کہے بغیر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے وہ میز کے قریب آ کر مگر کیٹ ہو

گئی۔ میز پر پڑی ہوئی چیزوں میں سے کچھ خون آلودہ تھیں، وہ ان چیزوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کر سکی۔ بس

دونوں ہاتھ میز پر رکھے ایک تک انہیں دیکھتی رہی۔

وہ سب چیزیں بھی اس شخص کی زندگی کا ایک حصہ تھیں جسے وہ اپنے وجود کا ایک حصہ سمجھتی تھی۔

اب اس چیزوں پر اس شخص کے ہاتھوں کا لمس تھا جسے اس نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا تھا۔ مگر جہانگیر

ختم ہو چکا تھا، سامنے پڑا ہوا موبائل فون اب بھی بھی عمر کے ساتھ اس کا بار نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے وہیں بیٹھ کر ٹھیل پر اپنا سر دھکا دیا اور غصیاں سمجھ کر روٹی چلی گئی۔

"میں نے بھی اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس طرح چلا جائے۔" وہ بے حاشا رو رہی تھی، بچوں کی طرح،

جنونی انداز میں۔

اس لمحے اس پر پہلی بار انکشاف ہوا تھا کہ اسے عمر سے بھی غرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ عمر سے غرت کر رہی نہیں

سکتی تھی صرف ایک دھوکہ اور فریب تھا جو وہ اپنے آپ کو دے رہی تھی، صرف اس خواہش اور اس امید پر کہ شاید کبھی

اسے عمر سے غرت ہو جائے۔

کبھی..... کبھی..... شاید کبھی.....

☆☆☆

"تم کئی کے عمر نے پر اتنا روٹی ہو تو میرے عمر نے پر کتنا روٹی؟" عمر نے اس سے بڑی سنجیدگی سے

پوچھا۔

"آپ کس طرح کی باتیں کرتے ہیں؟" وہ بے اختیار بارہمان کر پوی۔

"پوچھ رہا ہوں اپنی معلومات میں اضافے کے لیے۔" عمر مسکرایا۔

علیہ وہ پچھلے چار دن سے کئی کے عمر جانے کے بعد دھتے دھتے سے رو رہی تھی اور وہ دنوں پر کئی کے

بارے میں جاننے کے بعد اسلام آباد سے غرت کر لے آیا تھا۔ وہ اس قدر تنہید اور دل گرفتہ تھی کہ عمر جو صرف ایک

دن کے لیے آیا تھا، چار دن اس کے پاس رہا۔

چوتھے دن جب وہ ایئر پورٹ تک ڈرائیور کے ساتھ اسے چھوڑنے جا رہی تھی تو اس نے علیہ سے پوچھا تھا۔

"اس طرح کی باتیں نہ کریں میرے ساتھ۔" علیہ کو ایک بار پھر کئی یاد آ گئی۔ "مجھے پتا ہے، آپ کو

کچھ نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟" عمر کچھ حیران ہوا۔

"بس مجھے پتا ہے....." وہ مگر کیٹ کے باہر دیکھنے لگی۔

"تم میرے لیے روٹ نہیں جانتی ہو، اس لیے یہ کہہ رہی ہو؟" علیہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو

آنے لگے۔

"اوکے..... سو رہی۔" عمر نے بے اختیار دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "مگر کئی بہت کچھ ہے جس کے

لیے تم اتنا روٹی ہو۔" وہ محذرت کرتے ہوئے بھی کہنے سے باز نہیں آیا۔

☆☆☆

تانیہ نے اسے کدوؤں سے پکڑ کر سیدھا کرنے کی کوشش کی، عہاس ہونٹ بیچنے ان تمام چیزوں کو ایک بار

پھر اسی لٹکانے کے اندر ڈال رہا تھا۔

"جسٹ ریٹیکس علیہ وہ روئے سے وہ آ تو نہیں جائے گا۔" تانیہ نے اس کے کدوؤں پر کچھ دباؤ ڈالنے

ہوئے کہا۔

"میرے روئے سے تو آ جاتا تھا۔" تانیہ کچھ کہہ نہیں سکی۔

"مجھے اس کے پاس چاہتا ہے..... میں اس کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔"

"اس کا پوسٹ مارم ہوا ہے علیہ وہیں کچھ دیر بعد نہیں اس کے پاس سے جاؤں گا۔" عہاس نے اس

کے کندھے کو تھپکتے ہوئے کہا۔

وہ بیٹے کی سے روئے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔ بہت سالوں کے بعد وہ بچوں کی کے سامنے رو رہی تھی۔

آنسوؤں کے کچھ گرنے کی کوئی ارادہ یا غیر ارادہ کی کوشش کیے بغیر۔

"تم کبھی پتھر نہیں ہو سکتیں علیہ وہ تم کبھی پتھر نہیں ہو سکتی ہو۔" اس حالت میں پہلی بار اسے عمر کی اس بات

کا یقین آ رہا تھا کہ اس وقت یہاں بیٹھے اس کی ہر بات کا یقین آ رہا تھا۔

وہ ٹھیک کہتا تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ انجیئر تھی، وہ انجیئر تھی اور وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ان دنوں خاص پہلی سے مل گیا۔

ماصل نہیں کر سکتی تھی۔ کوئی عمر سے بہتر اسے نہیں سکتا تھا۔

عہاس اب کمرے سے باہر جا رہا تھا۔ عہاس کے جسم پر موجود یہ بخار دم نے اسے ایک بار پھر عمر کی یاد دلائی

تھی۔ کیا کچھ نہ تھا جو اب اسے اس کی یاد دلاتا؟ وہ مگھوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔

تو یہ ہوتی ہے زندگی

ایک وقت میں ایک ہی چیز ہوتی ہے، دونوں نہیں اور اس وقت اس کے دل میں عمر کے لیے کوئی شکایت، کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہیں تھا اور اب زندگی میں بھی کوئی شکایت نہیں سکتا تھا۔

”فائرنگ کی تھی کسی نے گاڑی میں اس کا ایک گاڑ اور ڈرائیور بھی مارا کیا۔ عباس کو اس ایکسیڈنٹ کی دس منٹ بعد ہی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ بہت اپ سٹ تھا۔ یہاں سے خود بجلی کا پڑ میں گیا تھا اس کی ہاڈی لانے کے لیے، میں کوکوش کرتی رہی کہ تم لوگوں کو کسی طرح فریض آؤت کرلوں مگر نہیں کر سکی۔ خود عباس نے بھی بہت کوکوش کی۔“

تانیہ بھی آواز میں ساتھ والی کرسی پر بیٹھی کھڑی تھی۔ علیزہ کے لیے یہ سب اطلاعات بے معنی تھیں۔

”وہ چند دنوں میں امریکہ جانے والا تھا اکیس پاکستانیوں پر اور یہ سب کچھ ہو گیا۔“ علیزہ نے یکدم سراٹھا کر دھنلائی ہوئی آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

”تھیں لگتا ہے، میں جلا جاؤں گا تو تمہارے اور جینے کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو میں واقعی دوبارہ بھی تم دونوں کے درمیان نہیں آؤں گا میں جینے سے دوبارہ بھی نہیں ملوں گا۔“

”تم کچھ پوچھنا چاہتی ہو؟“ تانیہ نے اسے مخاطب کیا، علیزہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا لگ گیا تھا۔

”تم ہارڈ کور ریسل ہو۔ بس فرق یہ ہے کہ تم نے یو نیٹارم پہنا ہوا ہے جس دن یہ یو نیٹارم اتر جائے گا، اس دن تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے جس طرح تم دوسرے لوگوں کو مارے ہو۔“

علیزہ نے شکست خوردگی کے عالم میں سر ہچکایا۔

اس نے زندگی میں خود کو اس سے زیادہ شکست اور قابلِ رحم بھی محسوس نہیں کیا تھا۔

”وہ کتنی تکلیف سے گزرا ہوگا۔ کتنا درد برداشت کرنا پڑا ہوگا اسے۔“ وہ ایک بار پھر چھوٹ چھوٹ کر رونے لگی۔

”کون کہتا ہے کہ کسی شخص سے ایک بار محبت ہونے کے بعد اس سے نفرت ہو سکتی ہے۔ جو کہتا ہے وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے۔“

Cycle of replacement میں صرف محبت کی replacement نہیں ہوتی۔ خود کو رعب دینے کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ ہمارے وجود میں خون کی گردش کی طرح نئے والا نام کس کا ہوتا ہے۔ ہم کبھی بھی اسے اپنے وجود سے نکال کر باہر نہیں پھینک سکتے۔ وہ تمہارے اس کے اوپر دوسری عینوں کا ڈھیر لگائے جاتے ہیں، کیبتے جاتے ہیں۔ اب ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اب ہم اس سے محبت کرتے ہیں لیکن جو زیادہ دور ہوتا جاتا ہے وہ زیادہ

قرب آتا جاتا ہے اور وہ ہمارے دل اور دماغ کے اس حصے میں جا پھنپتا ہے کہ کبھی اس کو وہاں سے نکالنا پڑے تو پھر اس کے بعد ہم نازل زندگی گزارنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔

وہ اس کی محبت میں اٹھارہ سال کی عمر میں گرفتار ہوئی تھی۔ وہ واحد شخص تھا جس سے وہ ہر بات کر لیتی تھی،

بہت ساری وہ باتیں بھی جو وہ کبھی شہلا اور نالو سے بھی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ واحد شخص تھا جو اس کے کُڑے برداشت کرتا تھا۔ بڑا اٹھاتا تھا۔ اس نے عمر جہانگیر کے علاوہ کسی سے اتنی خدمتوں کی تھی۔ کسی کو اتنا تنگ نہیں کیا تھا۔ اس نے عمر جہانگیر کے علاوہ کسی کو برا بھلا بھی نہیں کہا تھا۔ کسی سے بدتمیزی بھی نہیں کی تھی۔ کسی پر چیخ پھانسی بھی نہیں مچی۔

وہ واحد شخص تھا جو اس کی ہر غلطی اپنے کندھوں پر لینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ جو اسے محفوظ رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جانساک تھا اور وہ یہ سب کچھ جانتی تھی۔

اور اب جب وہ اپنی زندگی کا سفر ختم کر کے دنیا سے جا چکا تھا تو وہ انہوں کی طرح ہاتھ پھیلائے کھڑی رہ گئی تھی۔ کوئی دوسرا شخص اس کے لیے عمر جہانگیر نہیں بن سکتا تھا۔

دونوں ہاتھ سر پر رکھے دو بچوں کی طرح دور بیٹھی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح وہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک بار عمر کے سامنے پارک میں دوڑتی تھی اور پھر اس کے بعد اس کے سامنے کی بارود کی تھی۔ کیا کچھ ہاتھ جو آج اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ اسے پہلی بار لگ رہا تھا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا۔ سب کچھ..... کبھی بھی، کبھی بھی باقی نہیں رہا تھا۔ کیا تھا اگر وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اس کا ہونا ہی کتنا کافی تھا اس کے لیے۔

کچھ قاتلے پر موجود ایک کمرے میں عمر جہانگیر کے جسم کو کھانے والے سارے ششتر اسے اپنے وجود پر چلنے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اسے اپنی زندگی میں بہت کی تکلیف دہ چیزوں سے بچایا کرتا تھا اور وہاں بیٹھے علیزہ سکندر کی خواہش اتنی تھی وہ اس سب کے بدلے عمر جہانگیر کو صرف ایک چیز سے بچالے..... موت ہے.....

☆☆☆

د پورنر نے صوبائی وزیر کو گھیرا ہوا تھا۔ جو کچھ دیر پہلے ہاسٹل پہنچے تھے۔

”آپ کا کیا خیال ہے سر اس قتل کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟“ ایک د پورنر نے ان سے سوال کیا۔

”دیکھیں، اس بارے میں فوری طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پولیس نے الٹو کیٹھن کا آغاز کر دیا ہے امید ہے جلد ہی اس انفیشن ناک حادثے کے مجرموں کو پکڑ لیا جائے گا۔“ انہوں نے اپنے پاس کُڑے آئی جی پنجاب کو دیکھتے ہوئے کہا کہ موہنہ انداز میں سر ہلانے لگے۔

”کیا پولیس کو اس معاملے میں کوئی لیڈ ملی ہے؟“ ایک اور سوال ہوا۔

”اس بارے میں آئی جی صاحب آپ کو زیادہ اچھی طرح بتا سکتے ہیں مگر میں نہیں سمجھتا کہ وہ ابھی فوری طور پر آپ کو کوئی بریکنگ نیوز دے سکتے ہیں۔ پھر بھی بہتر ہے یہ سوال آپ ان ہی سے کریں۔“ انہوں نے آئی جی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”عمر جہانگیر ہمارے ایک بہت کامیاب فیسر تھے۔“ آئی جی نے اشارہ ہاتھ پاتے ہی اسے بیان کا آغاز کیا۔

”اب اس کے ساتھ ہونے والا حادثہ راضی ہمارے پورے ڈیپارٹمنٹ کے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ جیسا کہ آپ کو ششتر صاحب نے بتایا۔ پولیس نے ابھی ان کوئی کیٹھن کا آغاز کر دیا ہے۔ ہم حالات کا جائزہ لیتے اور شہدائے

کی مدد سے اڈتالیس گھنٹوں کے اندر مجرموں کو پکڑنے کی کوشش کریں اور ہمیں پوری امید ہے کہ ہم اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔

ایک رپورٹ نے آئی جی کی بات کو کانا "سر" جو آپ اڈتالیس گھنٹے کی بات کر رہے ہیں۔ آج تک کون سی پولیس اڈتالیس گھنٹوں میں مجرم پکڑنے میں کامیاب ہوئی ہے؟ آئی جی کے ماتھے کے بل کچھ گہرے ہو گئے۔

"اگر پولیس اڈتالیس گھنٹوں میں مجرم پکڑنے میں کامیاب ہوتی تو آج ہم اور آپ یہاں کھڑے ہو کر یہ منگھٹو نہ کر رہے ہوتے۔ پچھلے ایک سال میں جب سے آپ آئی جی منجانب بنے ہیں۔ سات مختلف رنگس کے آفیسر کو مارا گیا ہے اور پولیس ان سلسلے کو روکنے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہے۔"

اس بار آئی جی نے قدرے ترشی سے اس فیرنگی براڈ کاسٹنگ کے ادارے سے وابستہ تیز طرارحم کے پاکستانی صحافی کی بات کو کاٹ دیا۔

"پولیس نے ایک سے علاوہ تمام واقعات میں ملوث مجرموں کو پکڑ لیا ہے۔"

"اگر آپ واقعی مجرموں کو گرفتار کر چکے ہوتے تو آج آپ کا ایک اور آفیسر اس طرح مارا جاتا۔" اس رپورٹر نے بھی اتنی ہی تنہی دہن کر لی۔

صوبائی وزیر نے بدھت مذاہلت کی۔ "دیکھیں، یہ کچھ زیادہ سخت قسم کا تیز رہا ہے جو آپ کر رہے ہیں۔ آئی جی صاحب نے جب سے اپنی tenure شروع کی ہے، منجانب میں لاوا اینڈ آرڈر کی صورت حال بہت بہتر ہو گئی ہے۔"

"مرا! آپ نہیں سمجھتے کہ اسٹینڈ آفیسر کے قتل کے موقع پر لاوا اینڈ آرڈر کی بہتر صورت حال کی تعریف کچھ مذاق لگتا ہے؟" صوبائی وزیر چہلے ہوئے کچھ نہیں بول سکے۔

"وہ... دیکھیں... وہ... اگر... آپ پورے ملک میں دیکھیں... تو... میں اس کے لحاظ سے صورت حال میں بہتری کی بات کر رہا ہوں۔" صوبائی وزیر بے اختیار بولکھائے۔

"ہائی تین سوویں میں بھی اس طرح ہڑاڑاڑا آفیسر قتل نہیں ہوئے۔ خاص طور پر ایک سال میں۔ آخر منجانب میں ہی ایسا کیوں ہوا ہے؟"

صوبائی وزیر کے ساتھ ساتھ آئی جی منجانب کا دل چاہا کہ وہ اس رپورٹر کی ہتھی کے ساتھ ساتھ اس کی زبان نکال کر بھی اس کے ہاتھ میں رکھ دیں مگر ہارڈو سے پڑھا ہوا وہ صحافی ایک دفاعی ذریعہ کا بیٹا تھا۔ وہ اس کی بجواس اور سوال سننے پر مجبور تھے۔

"آپ منجانب کی آبادی بھی تو دیکھیں۔" وزیر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آئی جی سے آفیسر کے قتل کا کیا تعلق ہے؟"

"میں لاوا اینڈ آرڈر کی صورت حال کے حوالے سے آبادی کا ذکر کر رہا ہوں۔" وزیر صاحب نے قدرے غصہ جڑائی کا محبت دیا۔ "ہائی صوبوں میں کم آبادی کی وجہ سے اسے مسائل کا سامنا پولیس کو نہیں کرنا پڑتا جتنا منجانب

میں کرنا پڑتا ہے لیکن بدھت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم حالات کو اور بہتر کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"آپ کا ایک ایس جی جو کسی شہر میں بادشاہ کے برابر ہوتا ہے وہ دن دینا ہڑے اپنے گاڑا اور ڈرائیور کے ساتھ شہر کے چار قتل ہو جائے تو عام لوگ اپنی حفاظت کے لیے کسی کی طرف دیکھیں۔" اس رپورٹر نے چوڑھم چہاتے ہوئے کہا۔

"پولیس اگر اپنے ایک آفیسر کو نہیں بچا سکتی تو وہ ایک عام آدمی کو کتنی سیکورٹی دے سکتی ہے۔"

"دیکھیں، جس شہر میں وہ تینا تھے، وہ منجانب کے حساس علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے اور عمر جہاگیر کے بارے میں مجھے کو کچھ ایسی خبریں ملی تھیں کہ ان کی جان کو خطرہ تھا۔ انہیں دھمکی آمیز فون کاڑھی کی جاتی رہی تھیں۔ مجرم اس پورے معاملے میں بدھت گردی کے عنصر کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دے سکتے۔ بہت سارے پکٹرز ہیں جو ایسے حالات کا سبب بن جاتے ہیں مگر ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ ایسے حالات دوبارہ نہ ہوں۔ تمہاری دیر میں پولیس آفیسر ڈی ایک ہائی لیول کی میٹنگ ہو رہی ہے۔ کل وزیر داخلہ آ رہے ہیں، وہ بھی ایک میٹنگ کر رہے ہیں۔" اس بار آئی جی نے فشر سے اجازت لیتے ہوئے کہا اور رپورٹر نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تو آئی جی کی جان میں جان آئی۔

"مرا! آپ نے بدھت گردی کا ذکر کیا ہے۔ کیا آپ کا اشارہ مذہبی بدھت گردی کی طرف ہے لاوا اینڈ آرڈر کی صورت حال کو خراب کرنے کے لیے یہ کسی فیرنگی ایجنسی کا کام ہے؟" ایک دوسرے رپورٹر نے کٹا گھایا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا... اس مسئلے پر ابھی کچھ نہیں کہا جا سکا، جیسے ہی ہم اس معاملے میں کچھ پروگریس کرتے ہیں پولیس کانسٹبل کے ذریعے آپ لوگوں کو پولیس کی تمام کارروائی کے بارے میں آگاہ کر دیں گے۔" آئی جی نے کہا۔

"عمر جہاگیر کا فی تیارہ شخصیت تھی۔ پچھلے کچھ سالوں میں کسی کی حوالوں سے وہ اختیارات میں آتے رہے۔ کہیں یہ کسی دشمنی کا نتیجہ تو نہیں ہے؟" ایک دوسرے رپورٹر نے کہا۔

"ابھی سمجھ نہیں کیا جا سکا۔" آئی جی نے اس بار انکسے ہوئے لکھ میں کہا۔

"مگر کیا اس قتل سے آئندہ آنے والی پولیس ریٹائرز پر کچھ اثر پڑے گا؟" اس بار ایک دوسرے رپورٹر نے پوچھا۔

"کیسا اثر؟"

"کیا آپ کو نہیں لگتا کہ پولیس کے اختیارات میں کمی کی اور دل میں تبدیلی کر کے آپ پولیس آفیسر کو حریف

Vulnerable بنادیں گے۔"

"اس کے برعکس میں سمجھتا ہوں کہ اس نئے سسٹم سے پولیس اور عوام کے درمیان ایک بہتر ورکنگ ریلیشن

شپ پیدا ہوگا اور اس طرح کے حادثات کا سدباب بھی ہو سکے گا۔" لاوا اینڈ آرڈر کی صورت حال بھی اور بہتر ہو گی۔" صوبائی وزیر نے اپنے پیڑ پیڈہ جیلے کی ایک بار پھر گردان کی۔

”یعنی ایس بی جب ڈی بی او اور ڈی سی ایس ڈی سی او کھلانے لگیں گے تو پھر وہ اس طرح نکلے عام سڑکوں پر نہیں مارے جائیں گے۔“

”شیراز صاحب! آج آپ کو ہوا کیا ہے۔ کس طرح کے سوال کر رہے ہیں آپ بار بار؟“ بڑا غر صوبائی وزیر چکر بول اٹھے۔

”شیراز صاحب نے سول سروس کے انگریز میں دوسری پوزیشن لی ہے اور چند ہفتوں میں ایکڑی جوائن کر رہے ہیں۔“ ایک دوسرے پر پڑنے لگے۔

”پھر تو میں امید کر تا ہوں کہ آپ پولیس سروس میں آئیں گے تاکہ وہ بہتری جو ہم نہیں لائے آسکے آپ لائیں اور ہم بھی آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں۔“ اس بار ڈی بی جی نے اپنے چہرے پر ایک زبردستی کی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

”وہی بھی پولیس کے جھگے کو ضرورت ہے آپ جیسے انفر ڈی۔ آپ سب کا بہت بہت شکر ہے۔“ صوبائی وزیر نے ڈی بی جی کے جواب میں کچھ اضافہ کیا اور گلے کی سوال سے پہلے اپنی گاڑی کی طرف جانے لگا۔

”میں انوکھا بیٹھا ہوں۔ میں جاؤں گا پولیس سروس میں۔“ شیراز صدمہ منی بڑھایا۔

☆☆☆

ہر چیز بہت تیز رفتاری سے ہوئی، دوسرے دن شام کے قریب مر جہانگیر کی تدفین کر دی گئی۔ جہانگیر معاذ وہ پہرے کے قریب پاکستان پہنچے تھے۔ ذرا مسعود پاکستان نہیں آسکیں۔ وہ ایک اور پیشین کے لیے ہاسٹل میں ایڈمٹ تھیں اور ان کے شوہر نے بیاری اور آپریشن کے مد نظر انہیں اطلاع دینے سے معذرت کر لی تھی۔

معاذ حیدر جیسے خاندان کے لیے مر جہانگیر کا نقل ایک بہت بڑا صدمہ تھا، یہ تصور کرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا کہ ان کے اپنے خاندان کے کسی فرد کو بھی اس طرح دن و دینا نہ ملے تو کیا ہو سکتا ہے۔

عمر کے قانون کے بارے میں فوری طور پر کچھ پتا نہیں چلا۔ وہ کون تھے؟ انہوں نے عمر کو کیوں قتل کیا؟ اور ایسے بہت سے سوالات کا کوئی جواب کہیں نہیں تھا۔ شاید انے وقت بھی ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ معاذ حیدر کا پورا خاندان اگلے کی دن تک ان کے گھر پر بیٹھ جوتا رہا۔ موضوع گفتگو ہر ایک کے لیے عمر ہی رہا۔ علینہ او سب کو گھر کے بارے میں باتیں کرتے سنتی رہی۔

وہ ڈسکس کرتے تھے، کس طرح انہوں نے عمر کو بہت سی چیزوں کے بارے میں سمجھانے اور آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی، کس طرح عمران تمام باتوں کو انکو رکارڈ ہاں کس طرح اس کی لا پرواہی اسے مختلف مواقع پر نقصان پہنچاتی رہی۔

اور ہر بحث کا نتیجہ ایک ہی نکلا کہ عمر کے ساتھ ہونے والے اس حادثے میں عمر کی اپنی غلطیاں بھی معاون تھیں۔ اسے بے ضرر بن کر سسٹم کا حصہ بنانا نہیں آیا تھا، وہ ایک پاپر انفر بھی نہیں تھا۔

علینہ جانتی تھی، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے عمر سے دھڑی نہیں تھی، جو عمر کے ساتھ ہونے

والے واقعے پر رنجیدہ تھیں تاکہ اس سب کے باوجود وہ Facts اور figures (حقائق) کی بات کرتے تھے کیونکہ وہ سب پر کنٹرول لگے تھے، حقیقت پسند جو کسی بھی چیز کو رشتوں اور جذباتی حقائق کے حوالے سے نہیں لے سکتے تھے۔

دوسرے ٹھکانے سے باہر اور غیر جذباتی اعزاز میں ڈسکس کر سکتے تھے عمر علیہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ کوئی ایماندار انفر نہیں تھا۔ وہ بہت سے غلط کاموں میں ملوث رہا تھا، بہت سے لوگوں کو اس نے بہت تکلیف بھی دی تھی اور بہت سے لوگوں کے لیے مسلسل پریشانی کا باعث بھی بنا رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی موت کو ”جو بڑا وہ کا“ قرار دے سکتا تھا۔ کوئی بھی یہ کہہ سکتا تھا کہ عمر جہانگیر ایسا سلوک کا مستحق تھا کہ وہ ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔

اس کی زندگی میں وہ اس پر بے تحاشہ تنقید کرنے لگی تھی۔ اسے عمر جہانگیر کے کاموں پر اعتراض ہونے لگا تھا کہ اس کی موت کے بعد اسے یہ احساس ہوا کہ وہ آچھا آدمی نہیں تھا۔ اچھا انفر بھی نہیں تھا، دوسروں کے لیے عمر اس کے لیے وہ بیشا اچھا ہی رہا تھا اور وہ عمر جہانگیر کو دوسروں کی عینک سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ دوسروں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی بنیاد پر اس سے نفرت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کے ساتھ جو ہوا ٹھیک ہوا۔

عمر کی موت کے ایک ہفتے کے بعد اس نے اخبار سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اب اس مسلم کے بارے میں بھی کچھ نہیں لکھ سکے گی۔ وہ کم سن سے ان تمام چیزوں کے لیے دوسروں پر تنقید کر چکی تھی جن کے لیے اس نے عمر جہانگیر کو معاف کر دیا تھا جن کے لیے وہ عمر جہانگیر کو بخشنے پر تیار تھی۔ اپنی غلطی کے اس فرد کو جس کے ساتھ اس کا جذباتی تعلق تھا۔

اسے نہیں پتا تھا کہ جہانگیر معاذ عمر کی موت سے کس حد تک متاثر ہوئے تھے، اس کے خاندان کے دوسرے مردوں کی طرح وہ بھی اسے احساسات چھپانے اور چہرے کے تاثر رکھنے میں ماہر تھی، یہ وہ خصوصیت تھی جو معاذ حیدر جیسے بڑے خاندانوں کے لوگوں کے ساتھ ساری عمر چلتی تھی۔

علینہ نے عمر کی موت پر جہانگیر معاذ کو پریشان دیکھا تھا عمر کی موت پر وہ بے حد خاموش تھے، ان کے اور عمر کے درمیان کبھی بھی خوشگوار تعلقات نہیں رہے۔ وہ جانتی تھی، پچھلے چند سالوں سے ان دونوں کے درمیان بول چال تک بند تھی مگر خود وہ کبھی پچھلے ڈیڑھ سال سے عمر کے ساتھ ناوا سلوک کر رہی تھی۔ اس کے باوجود اس کی موت نے اسے بڑی طرح توڑ ڈھنڈا دیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جہانگیر معاذ کے اندر کتنی توڑ پھڑ ہوئی ہے۔ آخر وہ ان کا بڑا بیٹا تھا۔

عمر کے حادثے کی وجہ سے اس کی شادی میں منظر میں چلی آئی تھی۔ غمینہ نے پاکستان میں اپنا قیام بڑھا دیا تھا مگر انہوں نے حیدر کی غلطی سے اس کی حیدر کی غلطی نے ان سے اس معاملے میں فی الحال کوئی بات نہیں کی تھی۔

عمر کے دوسروں کے بعد آہستہ آہستہ سب نے واپس جانا شروع کر دیا۔ ہر ایک اپنی اپنی زندگی کی طرف دوبارہ لوٹ رہا تھا۔ جہانگیر معاذ بھی باور میں ان اپنی غلطی کے ساتھ واپس امریکہ چلے گئے تھے۔



”میں نے اسے اپنے گھر رہنے کے لیے کہا ہے مگر اس کی خواہش ہے یہاں ٹھہرنے کی۔“

”آپ ان سے یہاں آنے کے لیے کہہ دیں، مجھے اور نالو کو انہیں ریسیور کے خوش ہوگی۔“ اس نے دم آواز میں کہا۔ وہ جانتی تھی جو ڈھ پاکستان کیوں آ رہی تھی۔

”انہوں نے آپ کو فلائٹ کی ڈیٹنگو کے بارے میں بتایا ہے؟“

”اے ایئر پورٹ سے میں ریسیور کروں گا۔“ عطیہ نے کہا عطیہ خاموش رہی۔

”وہ یہاں ہماری شادی تک ڈکے گی۔“ عطیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک عجیب سی خاموشی ان دونوں کے درمیان در آئی تھی۔

”چند دنوں تک اسی اور بابا تم لوگوں سے اس سلسلے میں بات کرنے آئیں گے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس سلسلے میں تم سے بات کروں تاکہ تم نالو کو اور اپنی مٹی کو تھام سکو۔“

عطیہ نے اس کے چہرے سے نظر ہٹائی۔

”میں چاہتا ہوں، شادی سادگی سے ہو۔ میں زیادہ دھوم دھڑکا نہیں چاہتا۔“ وہ دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔

اس نے جس دن چنید کو اپنے اور عمر کے بارے میں بتایا تھا اس سے لگے دن عمر کے ساتھ وہ حادثہ پیش آ گیا تھا۔ اس نے چنید سے کہا تھا کہ وہ اسے یہ سب کچھ اس لیے بتا رہی ہے کہ تاکہ حقائق سے آگاہ ہو کہ وہ آسانی سے یہ فیصلہ کر سکے کہ اسے ابھی بھی عطیہ سے شادی کرنی ہے یا نہیں۔

پچھلے پندرہ دنوں میں چنید سے اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ چنید کی کیفیات اور تاثرات کے بارے میں نہیں جانتی تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ چنید کے سامنے ایک بار پھر عمر کے لیے اس کے جذبات اور احساسات عیاں ہو گئے تھے۔

اس نے بڑے ذوق سے عمر کے قتل سے ایک دن پہلے ہوٹل میں چنید کو چنید سے کہا تھا کہ وہ عمر سے محبت کرتی تھی مگر اب نہیں کرتی۔ اس کے اور عمر کے درمیان اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ وہ اب عمر کی اصلیت جان چکی ہے اور اس کی اصلیت جان لینے کے بعد وہ عمر سے محبت کرے گا اور خود غرض انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

وہ بچتی تھی، پچھلے پندرہ دن میں عمر کی موت پر اس کے رونگٹے چنید پر یہ حقیقت آشکار کر دی ہوگی کہ وہ اب بھی عمر سے محبت کرتی ہے۔ وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ یہ اعزاز نہ کرے گا۔ وہ اپنے چہرے کو بھی سے تاثر رکھے میں کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔ خوشی اور غم ہر تاثر اس کے چہرے سے جھلکتا تھا اور زندگی میں پہلی بار اسے اپنے چہرے کی اس خوبی پر کوئی شرمندگی نہیں ہوئی، کوئی قصہ نہیں آیا تھا۔

اس نے ان پندرہ دنوں میں ہر بار چنید کا سامنا ہونے پر کبھی یہ ظاہر ہونے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ عمر کی موت سے حائر نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس کے ساتھ اپنا جذباتی تعلق ختم کر چکی تھی۔ وہ اپنی زندگی اور ذات کے گرد چڑھائے گئے ان خدوئوں سے بچ آ گئی تھی جنہیں سنبھالنے سنبھالنے وہ دھچکے کئی سالوں سے بھانجی تھی اور شاید وہ لاشعوری طور پر چنید کے سامنے یہ اعتراف بھی کر لینا چاہتی تھی کہ وہ کبھی عمر سے نفرت نہیں کر سکتی۔ اس کی موت اس کی

”آپ چاہتے ہیں گے؟“ عطیہ نے چنید سے پوچھا۔ ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ہفتے کے بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ وہ ہاسٹل سے گھر تک، ہر جگہ موجود رہا تھا اور دوسری تک ہر روز اپنے گھر والوں کے ساتھ ان کے گھر آتا رہا تھا مگر اس کے اور عطیہ کے درمیان براہ راست کوئی بات نہیں ہوئی۔ حادثے کے بعد آج پہلی بار وہ عطیہ سے مل رہا تھا اور اس کی فیملی اس کے ساتھ نہیں تھی، وہ خود وقت آیا تھا، اس وقت تانیہ دامن گھر جاری تھی اور عطیہ اس کے ساتھ پورچ میں کھڑی تھی، جب گیٹ سے چنید کی کھڑی اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے گاڑی تانیہ کی گاڑی کے پاس لا کر کھڑی کر دی۔ کچھ دیر اس کے اور تانیہ کے درمیان دکی بات چیت ہوئی پھر تانیہ اپنی گاڑی میں بیکر چلی گئی۔

”آپ نے اندر آ جانیے۔“ یہ پہلا جملہ تھا جو بہت دنوں کے بعد ان دونوں کے درمیان بولا گیا تھا۔

”نہیں، باہر لان میں بیٹھتے ہیں۔“ چنید نے کہا اور وہ خاموشی سے لان کی طرف بڑھ گئی۔ اور اب وہ دھچکے دھچکے سے لان کی کرسیوں پر چپ چاپ بیٹھے، عطیہ نے اس گہری خاموشی کو فونڈے کے لیے اس سے پوچھا۔

”آپ چاہتے ہیں گے؟“

”نہیں، میں یہاں آنے سے پہلے چاہنے لگی کر آیا ہوں۔“ چنید نے جوابا کہا اور پھر کچھ توقف کے بعد ”جو ڈھ نے فون کیا تھا میں؟“

”جو ڈھ نے؟“ نہیں۔ نالو سے اس کی وہ بار بات ہوئی ہے۔“ عطیہ نے بتایا۔

”خاتمہ بات کرنا چاہتی تھی۔“

”نہیں، نالو نے مجھے بتایا کہ یہ ایک اتفاق ہی ہے کہ اس سے دونوں بار میری بات نہیں ہو سکی۔“ وہ ہفتے کی رات کو پاکستان آ رہی ہے۔“ عطیہ نے بتایا۔ عطیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، وہ کہہ رہا تھا۔ ”وہ یہاں ٹھہرنا چاہتی ہے۔“ وہ جانتی تھی چنید کا اشارہ کس طرف ہے۔

تمام بارہویں اور غصے کو ختم کر گئی تھی۔

اور ان پندرہ دنوں کے بعد واحد جیس کا وہ سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھی اور جس کی توقع نہیں کر رہی تھی، وہ جیلر کی طرف سے شادی کے بارے میں دوبارہ بات تھی۔ وہ اس وقت شادی کے بارے میں بالواسطہ طریقے سے بات کرتے ہوئے بیٹھیا یہ جتنا رہا تھا کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد جو اس ورثہ کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔

”کیوں؟“ وہ اس وقت اس ایک سوال کے علاوہ اور کچھ پوچھنا نہیں جانتی تھی۔

”سب کچھ جاننے کے بعد بھی آپ کیوں اس ورثہ کو قائم رکھنا چاہتے ہیں؟“ اس نے جیلر کے ناموش ہو جانے کے بعد سوال کیا۔ وہ اس کے عقب میں ایسا درختوں پر بیٹھے پرندوں پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ علیہ وہ کوا جیسے اس نے اس کی بات نہیں سنی ہو، اس نے ایک بار پھر پتا سوال دہرایا۔ اس بار جیلر نے درختوں سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

”پتا نہیں۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”شاید اس لیے کہ تمہارا ساتھ بہت زیادہ انوار ہو چکا ہوں یا پھر شاید اس لیے کہ عمر کی لمبی سے اپنا تعلق نہیں ختم کرنا چاہتا۔ بہت کچھ تو پہلے ہی ختم ہو چکا ہے، جو باقی رہ سکتا ہے۔ میں اسے پانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ وہ بڑے ہموار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”یا پھر شاید اس لیے کہ یہ عمر کی غواہی تھی؟“ اس نے جیلر کے چہرے پر نظریں جم کر کہا۔ جیلر نے اس کی بات کی تردید کی نہ اعتراض۔ وہ ایک بار پھر ان درختوں پر بیٹھے پرندوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

”میں نے پہلے بار عمر سے تمہارا ذکر تب سنا جب وہ سولہ برس کا امتحان دینے آیا تھا۔ وہ کچھ دنوں کے لیے ہمارے گھر ٹھہرا تھا۔“ علیہ نے جیلر کو سمجھ بڑا دتے دیکھا۔ وہ اب بھی ان ہی پرندوں کو دیکھ رہا تھا۔

علیہ کو یاد تھا، وہ اس کی نافرمانی کی وجہ سے گھر چھوڑ کر کسی دوست کے ہاں شفقت ہو گیا تھا مگر وہ اس دوست کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔

”پھر کچھ دنوں بعد اس نے کہا کہ وہ واپس کر رہی ہے پاس جا رہا ہے، میں ناراض ہو گیا۔ تب اس نے مجھ سے معذرت کی اور مجھے تمہارے بارے میں بتایا کہ کس طرح تم اس کے دہان آ جانے پر خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہو اور پھر تم لوگوں کے درمیان دوستی ہو گئی تھی۔ میں نے عمر کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ میں سمجھتا تھا۔ وہ اس لیے زیادہ ہمدردی محسوس کر رہا ہے کیونکہ وہ خود بھی ایک بروکن خلیسی سے تعلق رکھتا تھا۔“ علیہ وہ اسے دیکھتی رہی۔

”پھر اس کی باتوں میں اکثر تمہارا ذکر ہوئے لگا۔ میں نے تب بھی غور نہیں کیا۔ تمہاری اور اس کی عمر میں بہت فرق تھا۔ تم ایک شین اٹھ رہی تھیں جبکہ عمر بہت پیچھے تھا۔ میرا خیال تھا وہ تمہارے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہا ہے اور پھر تم سے ہمدردی بھی کرتا ہے، اس لیے غیر محسوس طور پر تم اس کے قریب آنے لگی ہو۔ میں نے تب بھی یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی کہ تمہارے لیے اس کے دل میں کس طرح ٹھیکوڑ ڈھلپ ہو رہی ہیں۔“ جیلر نے اب علیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں تب بھی یہی سمجھتا رہا کہ اس کی سب سے زیادہ دوستی جھڑی کے ساتھ ہی ہے اور اگر کبھی اس نے شادی کی تو وہ اس سے ہی کرے گا۔ وہ دنوں ہم عمر تھے اور بہت لمبے عرصے سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ ان دنوں کی بہت اچھی انڈر سٹینڈنگ بھی تھی۔ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی سمجھتا۔“

”آپ نے ٹھیک سمجھا۔“ علیہ نے دھیمی آواز میں پہلی بار اس کی گفتگو میں مداخلت کی۔ ”وہ جو ذمہ سے ہی محبت کرتا تھا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔“

”میں سمجھتا تھا۔“ جیلر نے اس کی بات سن کر بھی اپنی بات جاری رکھی۔ ”میں عمر کے بہت قریب ہوں، اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں، اسے بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ ایسا نہیں تھا۔“ جیلر جب سے انداز میں مسکرایا۔

”یہ صرف میری خوش فہمی تھی، میں یا اس کا کوئی بھی دوست اس کے اندر تک نہیں جھانک سکا۔ اس نے ہمیں اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ ہم اسے صرف اتنا ہی جان سکے، جتنا وہ چاہتا تھا۔“ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ علیہ کو اس بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

”بعد میں اس نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے شادی کروں۔ وہ تب فارن سروس میں اپنی پہلی پوسٹنگ پر جا رہا تھا اور میں لندن میں آرکائیو کی حریف تقسیم کے لیے۔ تم اس وقت کریمپٹن کر رہی تھیں۔“ علیہ کو یاد آیا کہ یہ وہ وقت تھا جب اسے مکمل طور پر یہ یقین ہو چکا تھا کہ صرف وہی نہیں، عمر بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ جب وہ بچھنے لگی تھی کہ بہت جلدی وہ اسے پر پوز کر دے گا اور وہ اس وقت کیا سوچ رہا تھا۔“ جیلر کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اٹھنے لگی۔

”میرا اس وقت شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور عمر کو بھی اس بارے میں کوئی نہیں تھی۔“ تم اپنی تعلیم ختم کرو، پاکستان آؤ، پھر تم سے اس بارے میں مزید بات کروں گا لیکن یہ بات طے ہے کہ تمہاری شادی علیہ کے ساتھ ہی ہوگی۔“ وہ مجھ سے کہتا تھا۔

”اگر وہ مجھے ابھی تک ہو سکتی تو۔“ میں ہر بار اس سے کہتا اور وہ مجھے یقین دلاتا۔

”علیہ وہ اور جنہیں اچھی نہ لگے۔ gem of a person، جیلر gem of a person میں جب ہمیں سال تم اس کے ساتھ گزارنے کو پھر تم میرے احسان مند ہو گئے کہ میں نے دنیا کی سب سے بہترین لڑکی کے ساتھ تمہاری شادی کر دادی۔“ مجھے آہستہ آہستہ یہ محسوس ہونے لگا کہ میں عمر کو انکار نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی بات منوالیا کرتا تھا۔ کچھ سالوں کے بعد جب گھر میں میری شادی کا ذکر ہونے لگا تو عمر نے مجھے تم سے لیا مگر یہ کہہ کر میں تم کو عمر سے اپنی دوستی کے بارے میں نہ بتاؤں۔ مجھے تب بھی کوئی تجسس نہیں ہوا۔ اگر اس پر سے دورا یہ میں مجھے ایک بار بھی یہ خیال آ جاتا کہ وہ خود میں سے انٹرنل ہے تو میں..... میں کسی قیمت پر بھی تم سے شادی کرنے کا نہ سوچتا، یا تم مجھے بتا دیجیں، تو جب بھی میں اس سارے معاملے کے بارے میں عمر سے بات کرتا۔

تہمارا انکشاف میرے لیے میری زندگی کا سب سے بڑا امداد تھا اور اس شاک سے باہر آنے میں مجھے کئی سال لگیں گے۔“

”مجرب میں کبھی بھی انٹرو نہیں تھا، میں نے آپ کو بتایا تھا، وہ سب میری خوش فہمی تھی۔“ علیزہ نے جیسے خود گھڑائی کی۔

”جو بھی تھا۔ مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ بہت تکلیف دہ تھا۔“ جنید خاموش ہو گیا۔ علیزہ نے اس کی آنکھوں میں پانی تیرتے ہوئے دیکھا۔

”مجھے ابھی کبھی یہ یقین نہیں آتا کہ وہ..... وہ زندہ نہیں ہے۔ زندگی میں پہلی بار وہ جتنے گزر گئے ہیں اور میں اس سے رابطہ نہیں کر سکا، بل نہیں سکا، نہ اس نے مجھ سے رابطہ کیا، ورنہ ہم لوگ کسی نہ کسی طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے۔ چاہے ملک میں ہوتے یا بیرون ملک۔“ وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”میں نے عمر سے براہ گenuine (کھرا) آدمی زندگی میں نہیں دیکھا۔ ہم دونوں کے درمیان بہت سے اختلافات ہوتے تھے۔ وہ بہت قلعہ بند تھا۔ میں ایسا نہیں تھا مگر اس کا وجود ہمارے درمیان قائم اختلافات قسم کرنے میں پہل دی کیا کرتا تھا۔“ چوڑو کوئی اور بات کرتے ہیں۔“ وہ خود جھڑوا شروع کرتا مگر یکدم موضوع بدل دیتا اور میں واقعی موضوع بدل دیتا۔ مجھے ابھی یہ ہی لگ رہا ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔

اس کی موت سے کچھ دیر پہلے اس نے میری بات ہی تھی۔ میں تمہارے سلسلے میں اس سے تفصیلی بات کرتا چاہتا تھا۔“ وہ دم سادے جنید کو دیکھتی رہی۔

”وہ شاید جان گیا تھا کہ میں تمہارے سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے رات کو فون کرنے کا اور وہ رات اب کبھی نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ یہی کیا کرتا تھا، جو بات نہیں بتاتا چاہتا تھا وہ نہیں بتاتا تھا۔“ جنید کے لہجے میں شکست خوردگی تھی۔

”میں اس کی سائلے کی تحقیق نہیں کرتا چاہتا۔ میں بس اس ایک رشتے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں جو اس کی خواہش تھی مگر میں صرف اس کی خواہش کے احرام میں ایسا نہیں کر رہا ہوں، میں یہ اپنے لیے کر رہا ہوں، اپنی فیملی کے لیے کر رہا ہوں، تمہارے لیے کر رہا ہوں، تمہاری فیملی کے لیے کر رہا ہوں، کسی بچھتاوے کے بغیر، کسی بوجھ کے بغیر میں چاہتا ہوں، تم تمام پرانی باتوں کو بھلا دیں، دونوں کو یاد کرنے کی کوشش نہ کریں۔

زندگی کو آج سے شروع کریں، کچھ وقت گئے کا مگر مجرب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے چند دن پہلے لاہور میں مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہارا بہت خیال رکھوں اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے مگر بات نہ مانی ہو۔ میں کسی طرح سے بھی نہیں چھوڑ نہیں سکتا۔“

علیزہ نے اسے اس جملے کے بعد کرسی سے اٹھتے اور لان سے نکلے دیکھا۔ وہ اپنی آنکھوں کو سٹپے لگی۔ وہ اور جنید ایک ہی شخص کی موت میں گرفتار تھے، صرف یہی مختلف تھی، نکلنے کی گہرائی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لان میں چھائے سکوت کو پرندوں کی چیخا بہت تو زور ہی تھی۔ بہت دور، جنید گاڑی کو ریورس کرتے ہوئے

ڈرائیو دے سے نکال رہا تھا۔ اس نے ایک سال کے دوران پہلی بار جنید کی باتوں میں بے دردی محسوس کی تھی۔ وہ بہت ہمواری اور دروائی سے بات کیا کرتا تھا۔ آج پہلی بار اس کی گفتگو میں دونوں چیزیں ملتی تھیں۔ وہ خود اس سے کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھی۔ آخر جنید ابراہیم سے کیا بات کی جا سکتی تھی، بغیرت کی جاتی، افسوس کیا جاتا، کون کس سے کرتا۔ مگر کی موت نے دونوں کو ایک ہی طرح متاثر کیا تھا۔

عمر بالکل غلط تھا کہ اس کی موت سے کسی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس کی موت نے بہت ہی زندگیوں کو وقتی طور پر ایسا بدل کر دیا تھا، ان میں سے ایک زندگی اس کی تھی، دوسری جنید کی اور تیسری.....؟ دردی ایک لہر اس کے اندر سے گزری۔

”تیسری جوڑھ کی۔“ اس نے سوچا۔

☆☆☆☆

پوریج میں چلنے والی لائٹ کی روشنی میں اس نے جوڑھ کو جنید کی گاڑی سے اترتے دیکھا۔ وہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزرز میں بیٹھ گئی۔ ٹائوس اس آگے تھیں اور اب جوڑھ سے رہی تھیں۔ جنید ملازم کی مدد سے گاڑی سے اس کا سامان اترادیا تھا، علیزہ، نانو سے چند قدم پیچھے کھڑی رہی دیکھتی رہی۔

زندگی میں پہلی بار جوڑھ کو دیکھ کر اسے کوئی قصہ، کوئی حسد محسوس نہیں ہوا۔ جوڑھ، نانو سے ملنے کے بعد اس کی طرف بڑھ رہی تھی پھر وہ اس کے مقابل آکر کھڑی ہو گئی۔ علیزہ نے ایک قدم آگے بڑھایا اور جوڑھ کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے گال کو زنی سے چوم لیا۔ جوڑھ نے جواباً اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ دونوں کے درمیان کسی لفظ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔ جوڑھ کے انداز میں بہت کم جوش تھی، والہانہ پن تھا، بے انتہائی تھی اور کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ مجرب وہ اس سے الگ ہوئی تو اس نے جوڑھ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ علیزہ نے اس سے نظریں چلا لیں۔ اس کا ہاتھ تمام کر اس نے شینے سے اس کو حصارف کر دیا۔

”یہ میری کی ہیں، جوڑھ!“ جوڑھ شینے سے ہاتھ ملانے لگی۔

جنید جب تک ملازم کے ہاتھ جوڑھ کا سامان اتر رہا تھا اور خود بھی لاؤنج میں چلا گیا تھا۔ آپ کپڑے پہنچ کر بیٹھیں، میں کھانا لگوانی ہوں۔“ علیزہ نے جوڑھ کے ساتھ اندر جاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گی، فائناٹ کے دوران کھا چکی ہوں۔ میں اس وقت صرف سونا چاٹتی ہوں۔“ جوڑھ نے قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”جیسے آپ چاہیں۔“ علیزہ نے سر ہلا دیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت واقعی بہت دیر ہو چکی تھی۔ جنید لاؤنج کے درمیان کھڑا تھا۔

”جوڑی اب سب ملاقات ہوگی۔“ اس نے جوڑھ سے کہا اور اس کے بعد شینے کے ساتھ بائیں کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

جوڑھ چند منٹ نانو کے ساتھ لاؤنج میں کھڑی رہی پھر نانو نے علیزہ کو اس کے کمرے میں

عمر کے جہانگیر سے تعلقات کیسے تھے۔

عمر کے زارا کے ساتھ تعلقات کیسے تھے۔

عمر ان دونوں کی عیادت کے ستاؤ سرب ہوا تھا۔

اسے کیا چیزیں خوش کرتی تھیں۔

کیا پریشان کرتی تھیں۔

سب کچھ وہ سب کچھ جانی تھی۔ وہ جوڑھ کا چہرہ دیکھنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

چوڑی اذان کے بعد وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”مجھے عمر سے صرف ایک شکایت تھی۔“

اس نے جوڑھ کو کہتے سنا۔ وہ بیڑ پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی ہوئی تھی۔ علیزہ جاتے جاتے رک گئی۔ جوڑھ کی آنکھیں متورم تھیں۔ وہ اس وقت پیسے کی ٹرائس میں آئی ہوئی تھی۔

”اس نے میرا خیال رکھا۔۔۔۔۔ اس نے میری پروا کی۔ اس نے میری خواہشات کا احترام کیا۔ اس نے میرے ساتھ ہر چیز بشیر کی۔ بس اس نے مجھ سے محبت نہیں کی۔“

علیزہ نے سڑکرا دی دیکھا۔ جوڑھ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”محبت۔۔۔ اس نے تم سے کی۔“ وہ اب سمجھے ہوئے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”تمہاری منگنی والی رات میں اسلام آباد میں تھی۔ اس نے مجھے رات دو بجے فون کیا۔ وہ بہت زیادہ ڈپر بس تھا مجھے بہت چڑائی ہوئی۔ کم از کم اس رات اسے ڈپر بس نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس رات تمہاری اور چینی کی منگنی تھی۔ اسے بہت خوش ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس سے یہ کہہ دیا۔ وہ بہت دیر خاموش رہا۔ اتنی دیر کہ مجھے لگا، فون ڈس کنکٹ ہو گیا ہے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔

”میں نے آج 7 بج کر بہت کر لایا ہے۔ بہت زیادہ، میں نے آج اس کو بہت جھڑکا ہے، وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ وہ مجھ سے ساتھ تھی تو نہ چاہتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں نے آج اسے بہت جھڑکا ہے۔ اسے بہت کر لایا ہے لیکن میں اس کے پاس سے اٹھ کر آیا ہوں تو مجھے لگ رہا ہے۔ میں تو اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ کہتی ہے کہ تو اس سے بہت محبت ہے۔ میں کیسے اسے مجھ سے ساتھ دیکھ سکوں گا۔ مجھ سے بہت بڑی منگنی ہو گئی ہے۔“

اس نے، اس رات میرے عیروں کے بچے سے زمین سمجھتی تھی۔ میں تو جب تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن وہ۔۔۔ میں اگلے دن لاہور چلی آئی۔ میں نے اس سے کہا۔

”تم علیزہ کی بات مان لو، اگر تم اس سے محبت کرتے ہو تو اس سے شادی کر لو۔“ اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ مجھ کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کوئی راز۔۔۔ کوئی بات۔۔۔ کچھ بھی نہیں جوڑھ سب کچھ

لے جانے کے لیے کہا۔ علیزہ اسے لے کر اس کمرے میں چلی آئی جہاں عمر ٹھہرا کرتا تھا، اس سے پہلے جوڑھ بھی عمر کے کمرے میں نہیں ٹھہری تھی۔ اسے بیٹھ فرسٹ فلور پر ٹھہرایا جاتا، اس بار علیزہ نے اسے عمر کے کمرے میں ٹھہرایا تھا۔ وہ علیزہ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد آگے نہیں بڑھی۔ وہیں کھڑی رہی۔ علیزہ نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں کے پردے برابر کر دیے۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ جوڑھ اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ یوں پیسے وہ وہاں اس کمرے میں کسی کی موجودگی کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ علیزہ جانتی تھی وہ کس کے وجود کا احساس کرتا جانتی تھی وہ عمر کا کمرہ تھا اور جوڑھ بھی یہ بات جانتی تھی۔

”آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے تادیں۔ پانی میں نہ رکھا دیا ہے۔ فریج میں کچھ کھانے کی چیزیں بھی ہیں پھر بھی اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو۔۔۔۔۔ علیزہ اس کے پاس چلی آئی۔

”نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔“ جوڑھ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ پھر آپ آرام کریں۔ گڈ نائٹ۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھی، لیکن اچانک ہی جوڑھ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میرے پاس وہ علیزہ! میں آج رات یہاں سو نہیں سکوں گی۔“ وہ اس کا چہرہ دیکھتے بغیر بھی جانتی تھی۔

کہ جوڑھ کی آواز بھرا رہی ہے۔ اس کی آنکھیں اب پانی سے بھر رہی ہوں گی اور وہ ای ایک لمحہ سے خوفزدہ تھی۔

اسے علیزہ نے عمر کہا کرتا تھا۔ جوڑھ کے منہ سے یہ لفظ نہ کسی نے اس کا دل بھی نہیں۔ سمجھا۔ کوئی اب بھی اسے اس نام سے پکار سکتا تھا بس وہ ایک شخص نہیں پکار سکتا تھا جس کا نام عمر جہانگیر تھا۔ اس نے گردن موڑ کر جوڑھ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

جوڑھ جواب میں نہیں مسکرائی۔ وہ بس آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”اس کی تکلیف میری تکلیف سے بہت زیادہ ہے۔ اس نے اس آؤ کو کھو یا ہے جو اس کا تھا۔ جسے وہ حاصل کرنے ہی والی تھی۔ میں نے اس شخص کو کھو یا ہے جو کسی میرا نہیں تھا کسی ہو سکتا تھا۔“ جوڑھ کی پشت پر اپنے بازو پھیلاتے ہوئے اس نے گہلی آنکھوں کے ساتھ سوچا۔

”میں آپ کے پاس ہی ہوں۔ آپ مجھ سے بات کر سکتی ہیں۔“ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

اس رات وہ دونوں جانتی گی ہیں۔ عجیب تعلق تھا جو اس نے جوڑھ کے ساتھ محسوس کیا تھا۔ جوڑھ عمر کے بارے میں بتاتی رہی۔ وہ پہلی بار عمر سے کس طرح ملی۔ کہاں ملی، ان کی دوستی کیسے ہوئی، یہ دوستی کس طرح گہری ہوئی تھی۔ علیزہ چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

اگر کوئی سوال وہ جوڑھ سے کرنا چاہتی تھی تو وہ صرف یہ تھا۔

”عمر کو اس سے محبت کب ہوئی تھی؟ کیسے ہوئی تھی؟“ اور وہ جانتی تھی وہ اس سے کبھی یہ سوال نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنے دل کو ایک بار پھر کسی شے سے کہتا ہوا محسوس نہیں کرتا جانتی تھی۔

اس کے پاس جوڑھ کو تانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ کوئی راز۔۔۔ کوئی بات۔۔۔ کچھ بھی نہیں جوڑھ سب کچھ

بات نہیں ہے مگر میں جان گئی تھی۔ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تھا یا شاید ویسی محبت نہیں کرتا تھا جیسی تم سے کرتا تھا۔“

علیٰ عظیمہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ زرد چہرے کے ساتھ، پھر اس نے مڑ کر کمرے پر ایک نظر ڈالی۔

وہ وہیں کہیں تھا۔ اس کی رائنگ جیڑا اسی طرح جھولتی محسوس ہوئی تھی جیسے وہ جھلایا کرتا تھا، ہر چیز پر جیسے اس کا لمس موجود تھا، ہر طرف جیسے اس کی آواز گونج رہی تھی۔ وہی دھیمہ ٹھہرا، گہرا لہجہ، وہی پرسکون، دل کے کہیں اندر تک اتر جانے والی آواز..... ”علیٰ عظیمہ“ اور پھر وہی کھلکھلاتے ہوئے بے اختیار قہقہے۔ اس کمرے میں سب کچھ زندہ تھا۔ واہر عکس بن گیا تھا اور عکس حقیقت بن کر اس کے ارد گرد پھرنے لگا تھا۔

اس نے مڑ کر ڈرائنگ روم میں نکل کر دیکھا۔ جوڑتھ شاید اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں نکل کے آئینے کے سامنے چلی آئی۔ ایک سایہ اس کے ذہن میں لہرایا، ڈرائنگ روم میں نکل کے آئینے میں یکدم کوئی نظر آنے لگا۔ اسے اپنی گردن پر، بالوں پر ایک پھواری پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”میں علیٰ عظیمہ کو Joy دوں گا۔ ہم Eternity۔“

اس نے مڑ کر جوڑتھ کو دیکھا۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

وہ کچھ دیر جوڑتھ کو دیکھتی رہی۔ پھر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔



۱۔ پروفیسر رگو رمنٹ مرے کا لچ سپالڈٹ نے انگریزی میں ایم اے کرنے کے بعد کچھ عرصہ آرمی پبلک کالج کے کیمبرج ونگ سے منسلک رہیں۔ انھوں نے اپنے تحریری سفر کا آغاز مختلف ڈائجسٹوں سے کیا اور اس وقت وہ مختلف ٹی وی چینلز کے لیے سکرپٹ رائٹر کر رہی ہیں۔ 2007ء میں انھوں نے آرمی فاؤنڈیشن انگلینڈ کے Creative Writing اسٹائر سے سکرپٹ رائٹر کے طور پر انٹرویو کے لیے انھوں نے 2005ء میں اپنے پہلے پیریل (وجود لارمب کے لیے انھوں نے انڈس ویشن کا بیسٹ رائٹر ایوارڈ حاصل کیا۔ 2006ء میں انھوں نے بیسٹ رائٹر ٹیبلٹ ان رائٹنگ کا ایوارڈ حاصل کیا۔ اس سال انھوں نے بیسٹ سکرپٹ رائٹر پاکستان میڈیا ایوارڈ حاصل کیا۔ پبلک، ٹرانسپیرینٹ اور یلڈ اوپین ٹیلی ویژن کے ایوارڈ سمیت مختلف ایوارڈز اور تاثر واپس حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تمام کتابیں اس وقت انگریزی میں ترجمہ کی جا رہی ہیں

کتابیں

۱۔ ہم کہاں

۲۔ زندگی بگڑا

۳۔ نا حاصل

۴۔ بھان امیر

۵۔ وہ بگڑا

۶۔ تھوڑا سا